عِلمُ الکتاب

جلد دوم

از

خواجہ میر درد رحمتہ اللہ

ترجمہ: ڈاکٹر عبداللطیف

اِدارہ ثقافتِ اسلامیہ
۲۔ کلب روڈ ○ لاہور

Marfat.com

علم الکتاب

جلد دوم

از

خواجہ میر دردؒ

ترجمہ

ڈاکٹر عبد اللطیف

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
۲- کلب روڈ ○ لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

طبع اوّل: ۲۰۰۲ء

تعداد: ۵۰۰

ناشر: ڈاکٹر رشید احمد (جالندھری)
ناظم ادارۂ ثقافت اسلامیہ

مطبع: مکتبہ جدید پریس، لاہور

قیمت: روپے

ISBN: 969-469-110-9

اس کتاب کی طباعت واشاعت اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، انفاق فاؤنڈیشن، کراچی اور محکمہ اطلاعات وثقافت، حکومتِ پنجاب کی مالی معاونت کی بدولت ممکن ہوئی ہے۔ شکریہ!

Marfat.com

فہرست مضامین

پیش لفظ

۴۸۔ مداولة الایّام ۷

تغیر وتبدل کا بیان ۱۱

۴۹۔ بیان للناس ۱۷

غفلت وآگہی، فنا وبقا ۱۸

۵۰۔ بلاغ المبین ۳۲

دُنیا اور اہلِ دُنیا کی بے ثباتی ۳۳

۵۱۔ حکمتِ کاملہ ۴۱

بدن کے ساتھ نفس کا تعلق ۴۲

۵۲۔ قولِ ثقیل ۴۷

امتیاز کی مصیبت نفس سے زائل نہیں ہوتی ۴۸

۵۳۔ البصائر من الرب ۵۳

سروری، دہری اور زمانی نسبت ۵۴

۵۴۔ زینت الکواکب ۶۱

ستاروں اور کواکب کے استعارات ۶۲

۵۵۔ عروة الوثقیٰ ۶۸

نجات حاصل کرنے کی ہدایت ۷۰

۵۶۔ عاقبت الامور ۸۱

صبر واستقامت ۸۲

صبر واستقامت کے متعلقات ۸۴

۵۷۔ فوز العظیم ۹۷

معرفت وسلوک کا سلسلہ، فنا وبقا ۹۸

۵۸۔ فتح مبین ۱۰۴

عوام کے اجتماع میں اپنے حال کی حفاظت ۱۰۵

۵۹۔ دینِ حق ۱۲۲

عبودیت کی حقیقت اور ربوبیت ۱۲۳

۶۰۔ بیّنات ۱۳۰

علت ومعلول، اہلِ اسلام کی اصلاح ۱۳۱

۶۱۔ نعمت اللہ ۱۵۷

شکر وشکایت ۱۵۸

۶۲۔ قول الفصل ۱۷۵

نبوت وولایت ۱۷۶

۶۳۔ موعظت ۱۹۶

اعتبارات کی خرابی، خودی ویکتائی ۱۹۷

۶۴۔ کاشف الغطا ۲۱۱

جبر واختیار، دیگر اسرار ورموز ۲۱۲

۶۵۔ صنع اللہ ۲۲۹

ہر موجود وجود کا صادرِ اوّل ۲۳۰

۶۶۔ موازین القسط ۲۳۹

ہدایت وگمراہی کا بیان ۲۴۰

۶۷۔ غایت المحققین ۲۶۳

وجود وعدم کا تقابل وتوازن ۲۶۴

۶۸۔ مثل الاعلیٰ ۲۸۴

ہیولیٰ اور صورت کی تمثیل سے کشفِ حقیقت ۲۸۵

۶۹۔ اصل الاصول ۲۹۹

وصل وجدائی، شاخ کا اصل کی طرف رجوع ۳۰۱

۷۰۔ احسنِ تقویم ۳۳۳

انسان کی تمام مخلوقات پر فضیلت ۳۳۴

۷۱۔ تذکرہ ۳۶۵

موت وفنا کی یاد ۳۶۷

۷۲۔ کشف و کرامت ۳۸۱

کشف وکرامت کا اخفا اور اظہار ۳۸۴

۷۳۔ جواب و سوال ۴۱۰

جواب وسوال سے اجتناب ۴۱۳

۷۴۔ خلقِ حسن ۴۲۴

حسنِ خلق اور حسنِ خلق کا بیان ۴۲۶

۷۵۔ صبغة اللہ ۴۳۵

بے رنگی اور انسانی طلسمات کا بیان ۴۳۶

۷۶۔ شکر نعمت ۴۵۳

عنایت کا شکر اور طلبِ امداد ۴۵۵

Marfat.com

۷۷۔ ارائة الطریق ۶۶۹
امتیاز وہوش کا فرق، چشم وگوش کی پریشانی ۴۷۱
۷۸۔ صبر جمیل ۴۸۹
صبرِ جمیل اور ربِ جلیل کی رضا ۴۹۰
۷۹۔ نجمِ ھدایت ۵۰۲
علمِ نجوم میں انتہائی مبالغہ کی ممانعت ۵۰۳
۸۰۔ جذبة الله ۵۲۰
خلوت کی فراغت اور تنہائی کے فائدے ۵۲۲
۸۱۔ احقاق الحق ۵۳۰
تقلید ونیابت ورہبری کے رموز ۵۳۱
۸۲۔ احسن البیان ۵۵۸
حقیقتِ سخن اور اہلِ فن کی کیفیت ۵۵۹
۸۳۔ لباسِ تقویٰ ۵۷۵
پوشاک اور معاش کی کیفیت ۵۷۸
۸۴۔ نتائج اعمال ۵۸۸
اعمال کے نتائج اور اقوال وافعال کے ثمرات ۵۹۱
۸۵۔ سرِّ مکنون ۶۰۴
اسماء وصفات کا ظہور اور اختفائے ذات ۶۰۵
۸۶۔ جهادِ اکبر ۶۱۴
اطاعات پہ ترغیب اور مجاہدات پہ آمادگی ۶۱۶
۸۷۔ تحذیر ۶۲۷
ذاتِ پاک کے تنزیہ اور ادراک کی نارسائی ۶۲۹
۸۸۔ خلقِ محمدی ۶۴۵
فقر وکبریائی اور خلق وصفائی کی دولت ۶۴۷
۸۹۔ استخاره ۶۵۸
شکوہ وشکایت، کفرانِ نعمت کی آفت ۶۶۰
۹۰۔ انتباه ۶۷۵
دوستوں سے جدائی ۶۷۶
۹۱۔ تلقین ۶۸۱
حق طلبی اور کارکشائی کے طریق ۶۸۴
۹۲۔ اصلاح القلوب ۶۹۰
جسموں کے قیود کے رنج وآلام ۶۹۲
۹۳۔ دینِ کامل ۶۹۹
لامتناہی کمالات کا مشاہدہ ۷۰۰
طریقتِ محمدیہ کے سلوک کا بیان ۷۰۲
۹۴۔ نیک بختی کا راستہ ۷۱۸
خوش بختی اور بدبختی ۷۱۹
۹۵۔ کشفِ حقیقت ۷۳۰
مرتبۂ ذات پہ گفتگو کا لاحاصل ۷۳۱
۹۶۔ مراۃ اعمال ۷۴۴
حضرت وجود کے لیے علم کی آئینہ داری ۷۴۵
۹۷۔ کلمة الحق ۷۵۴
ہر موجود وسعت الٰہیہ کا مظہر ہے ۷۵۵
۹۸۔ برھانِ ایمان ۷۶۳
بندوں کے علم میں بشری طاقت ۷۶۴
۹۹۔ نصر من الله ۷۷۴
اچھی تصنیف کے فائدے ۷۷۵
۱۰۰۔ دینِ خالص ۷۸۴
وجود وایجاد کا بیان اور توحید والحاد کا فرق ۷۸۷
۱۰۱۔ حقیقت الامر ۷۹۶
امکانی حقیقت اور حیرت ونادانی کا اعتراف ۷۹۷
۱۰۲۔ آیت الله ۸۰۶
رات اور دن کے متعلق آیتِ کریمہ کا بیان ۸۰۷
۱۰۳۔ منهاج الفقر ۸۱۳
درویشانہ گزربسر اور فقر کا بیان ۸۱۶
۱۰۴۔ دینِ قیم ۸۲۷
وحدتِ وجود اور شہود، توحیدِ محمدی کی دعوت ۸۲۸
۱۰۵۔ ضربُ المثل ۸۵۰
عقلی اور عشقی نسبت کا تفصیلی بیان ۸۵۱
قرآنی آیاتِ کریمہ کی فہرست ۸۶۶
اشاریہ ۸۷۰

Marfat.com

پیش لفظ

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ نے ۱۹۹۷ء میں خواجہ میر درد کی کتاب 'علم الکتاب' کا اُردو ترجمہ شائع کیا تھا، جسے اہلِ علم نے پسند فرمایا۔ مقامِ مسرت ہے کہ اَب (۲۰۰۳ء) علم الکتاب کی دوسری جلد بھی شائع ہوگئی ہے، خواجہ درد کی شاعری اور علم الکتاب پر ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

علم الکتاب سے پتہ چلتا ہے کہ درد اپنے عہد کی مذہبی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ تصوف کی معنوی کیفیات کی تشریح وتعبیر میں منطق، اصولِ فقہ اور علم الکلام کی زبان بولتے ہیں۔ تصوف کا علم اُنہوں نے بہ قول اُن کے عوارف المعارف، فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم سے نہیں، بلکہ اپنے مرحوم والد کی کتاب نالۂ عندلیب سے حاصل کیا ہے۔

علم الکتاب کے بعد اُنہوں نے جو کتابیں لکھیں، اُن میں نالۂ درد اور دردِ دل[1] بھی ہے۔ خواجہ درد کا کہنا ہے کہ علم الکتاب، نالۂ درد اور نالۂ عندلیب (والد کی کتاب) سے منزل کا سراغ ملتا ہے اور بلند معانی و مطالب کے حصول میں مدد۔

رشید احمد (جالندھری)

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: قاضی عبدالودود، 'دردِ دل'، آج کل، دہلی، اکتوبر ۱۹۶۰ء۔

Marfat.com

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

سب تعریف اللہ کے واسطے ہے، جو دنوں کا بدلنے والا اور ذہنوں اور فہموں کو متغیر کرنے والا ہے۔ سلام و درود ہو اس کے رسول محمد صلعم پر جنھیں بھیجا گیا تمام لوگوں کی طرف اور ان کی آل رضؓ پر اور اصحاب رضؓ پر جو بڑے فضل و کرم والے ہیں۔ امابعد پس یہ اڑتالیسواں (۴۸) باب ہے، جو مداولة الایّام سے موسوم ہے۔ یہ جان لو کہ یہ دن جو ظاہر ہوتے ہیں سورج کے طلوع و غروب ہونے کے اعتبار سے دوسرے طلوع تک، اور دن رات سے جنھیں تمیز کیا جاتا ہے اعتباری طور پر۔ ان کا خارج میں کوئی وجود نہیں، یہ ذہنی اور اعتباری موجودات میں سے ہیں۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا کہ ہم لوگوں کے درمیان دنوں کا ہیر پھیر کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ آسمان کی گول شکل ہے، اور یہ حرکت کرتا ہے دائرے میں اور زمانہ بھی گول ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ اپنی ہیئت کی طرح گول ہے، اور اوقات اور دن فرضی اور اعتباری ہیں۔ جیسے کہ ہم کسی چیز کو فرض کرتے ہیں اور تصور کرتے ہیں دائرے کی شکل میں پہلے درمیان میں اور آخر میں۔ اور وہ اپنے نفس (ذات) میں قبول نہیں کرتا اوّلیت، اور آخریت اور نہ وسطیت، جیسے کہ موہوم دائرے ہیں آسمان میں چھوٹے اور بڑے اور منطقے و کرّے نجومیوں کے نزدیک اور ان کا خارج میں کوئی وجود نہیں اس کے ساتھ کہ جو کچھ ان دائروں میں تصدیق کیا گیا ہے وہ موجود ہے فلک میں، اور وہ اغوال کے

Marfat.com

انباب کے فریق کی قسم میں سے نہیں ہے اور فلک موجود ہے خارج میں اپنے اجزا اور تقسیمات مفروضہ محدودہ کے ساتھ، بروج اور درجات اور دقائق وغیرہ میں سے اور یہ معتبرہ ذہنی ہے اس بارے میں، اور زمین بھی گول شکل میں ہے اور سورج کا چلنا اپنے برجوں میں اپنے فلک کی حرکت کے ساتھ، اور وہ حرکت ہے مغرب سے مشرق کی جانب، اور حرکتِ یومیہ اسی سے ہے بسبب فلک الافلاک کی حرکت کے اور وہ حرکت ہے مشرق سے مغرب کی جانب۔ پس جب سورج افق سے نکلتا ہے اور طلوع ہوتا ہے مشرق کی جانب سے ہمارے اعتبار سے تو ہم اعتبار کرتے ہیں دن کے وجود کا، اور جب اس سے مل جاتا ہے اور غروب ہوجاتا ہے مغرب کی جانب ہمارے لحاظ سے تو ہم رات کے وجود کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں امر موہوم ہیں جو قرار پذیر ہیں، وہم میں (قطعی حرکت کے اعتبار سے) ورنہ وسطی حرکت کے لحاظ سے موجود نہیں۔ سوائے آن سال اور فلک اور شمس اور زمین، اور نہیں ہے نہ سال اور نہ مہینہ اور نہ رات اور نہ دن۔ اور قطعی حرکت کی طرف دیکھنا اور اختلاف زمین کے اطراف میں ایک نقطے اور دوسرے نقطے کو چھوڑ کر، اور سورج کا چلنا برجوں میں ایک نقطے سے دوسرے کو چھوڑ کر ہر وقت صبح وشام، رات اور دن اور نصف النہار کو اور اُس سے کم ترین چیز لمحہ ہے اور وسط النہار اور اُس سے بھی کم اس کے اطراف میں آناً فاناً اور مہینہ اور سال دیکھتے ہوئے فلک کی طرف اور سورج کی طرف، تو نہیں ہے صبح اور نہ شام اور نہ رات اور نہ دن۔ پس دنوں کا بدلنا لوگوں کے درمیان، اور نہیں ہے تیرے رب کے نزدیک صبح اور نہ شام، اور لوگ تمیز کرتے ہیں جمعرات اور جمعہ میں اور مہینوں اور سالوں میں سورج سے اور چاند سے، اور شمار کرتے ہیں شمسی سال، اور یہ ایک چکر ہے اُس کا اپنے فلک پہ، اور چلنا ہے سورج کا برجوں میں، پورے بارہ برجوں میں بتمام وکمال۔ یا اس کا لوٹنا ہے اس چیز کی طرف جہاں سے اُس نے چلنا شروع کیا تھا۔ پینسٹھ دن اور تین سو دن۔ اور قمری سال جو ہے وہ ہے جس کے بارہ چکر ہیں اپنے فلک پہ، اُس کے ہیں تین سو چون (۳۵۴) اور ایک تہائی دن۔ پس ہوتا ہے شمسی سال زیادہ قمری سے گیارہ دن اور دن کا ایک حصہ۔ اور وہ عبارت ہے لیپ کے دنوں کے ساتھ اور شمسی مہینوں کے ساتھ ہے، اور شمسی مہینے جو کہ عرصہ ہیں بروج کے چلنے کا تُرجاً برجاً انتیس دن سے بتیس دن تک مطلعوں کے طلوع ہونے کے اختلاف سے اور قمری مہینے جو کہ مدت ہیں چاند کے چلنے کی تمام بروج میں ایک پورا چکر اٹھائیس دن اور ادھا دن اور کچھ گھڑیاں اور یوم مجموعہ

Marfat.com

ہے دن اور رات کا ایک چکر کے اعتبار سے فلک الافلاک کی حرکت میں سے، اپنی قوس کے ساتھ
بقدر سورج کے چلنے کے اپنی حرکت کے ساتھ مخالف سمت کو اس دن کی مدت میں۔ اللہ عزوجل نے
فرمایا کہ سورج اپنے مستقر کی طرف چلتا ہے۔ یہ اندازہ ہے غلبے والے اور جاننے والے کا اور چاند جو
ہے اس کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ وہ ہو جاتا ہے پرانی کھجور کی خشک ٹہنی (معنی جو کہ
لکھے ہیں مفسرین نے وہ ظاہر ہیں ہر شخص پر جیسے ظاہری علم ہے۔ پس جہاں تک اس راز کا تعلق ہے
جو چھپا ہوا ہے ان دو آیات میں، اور وہ مخفی تھا اب تک علماء کی نظروں سے، اور کھولا ہے اسے میرے
رب نے مجھ پر روحانی نور سے۔ پس وہ یہ ہے جان لو کہ سورج اپنا سفر طے کرتے ہیں قمری نسبت جیسے کہ
اللہ جل شانہٗ نے کہا کہ نہیں ہے سورج کے لیے ممکن کہ وہ جا لے چاند کو اور چاند تیز ہے چلنے میں
سورج کی نسبت۔ سورج کا جرم (جسم) ایک درجے کے مقدار میں ہے بروج میں، اور اس کا چلنا
ایک دن میں یہ بھی ایک درجے کے برابر ہے۔ اور بروج کے تمام درجے جو ہیں ان کا مجموعہ تین سو
ساٹھ ہے۔ اور حروف کی تعداد جو ہم نے گنی جو واقع ہوئی اس آیت مذکورہ میں وہ بھی تین سو ساٹھ
ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے اس معاملے کی طرف جو مخفی ہے عوام سے، اور کہا کہ سورج چلتا
ہے اپنے مستقر کے لیے، یعنی اپنے ٹھہرنے کے مکان کی مسافت جس طرح اس کی قرارگاہ ایک درجہ ہے
اسی طرح اس کا چلنا ایک دن میں ایک درجے کے برابر ہے اور چاند کی منزلیں ایک مہینے میں ان الفاظ
کے عدد کے مطابق ہیں جن کا ہم نے اندازہ کیا وہ عدد مذکور مساوی ہے بارہ بروج کے درجات کے، اور یہ نیا
باریک نکتہ ہے۔ جسے پایا ہے علماء اور عارفوں میں سے کسی نے، اور اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے قرآن کے رازوں
کو، اور سورج اور چاند اسی کو سجدہ کرتے ہیں، اور وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔ اور جان لو کہ زمانہ مطابق
ہے حرکت کے اور حرکت تطابق رکھتی ہے مسافت سے، اور مسافت ہوتی ہے مادی چیزوں میں پس تین زمانوں
کا امتیاز ماضی مستقبل اور حال میں سے ہوتا ہے جسم کے اعتبار سے اور جسم زمانے کے ماتحت ہوتے ہیں اور وہ مجردات جو
جسم نہیں ہوتے ان کے ہاں کوئی فرق نہیں ہوتا زمانوں میں سے ان کے لحاظ کے ساتھ برابر ہے کہ وہ ہوں یا
نہ ہوں۔ اور ازل اور ابد ایک ہی مرتبے پر ہیں۔ وہی پہلے ہے اور وہی آخر ہے۔ بلکہ کوئی فرق
نہیں۔ اس مرتبے میں ظاہر اور باطن کے درمیان۔ وہی ظاہر اور وہی باطن ہے۔ اور اگر تو اس انداز سے
پر کہے کہ لازم آتی ہے شراکت معقول اور نفوس کی واجب کے ساتھ اس وصف میں اور نہیں ہے

Marfat.com

شریک اس کا کوئی بھی جیسے کہ گمان کیا متکلمین نے، اور اسی لیے وہ انکار کرتے ہیں مجردات کا، اور وہ نہیں جائز قرار دیتے تجرّد مگر اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے۔ میں کہتا ہوں کہ مجردات کے مرتبے مختلف ہیں رتبے کی بلندی اور اس کی پستی کے لحاظ سے، جیسے کہ نفوس کا مرتبہ کم ہوتا ہے عقول کے مرتبے سے اور نفس مادے کے ساتھ ہوتا ہے اور تصرف کرتا ہے اس میں اور عقل مفارقات (علیحدہ اور الگ) میں سے ہے اور وہ مادے کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ اس پر اثر انداز ہوتی ہے اور ان مجردات کے لیے تجرد اضافی ہے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی پاکیزہ ذات کا تجرد جو ہے، وہ تجرّد حقیقی ہے۔ پس میں دفاع کرتا ہوں اس اعتراض کا اس چیز کے ساتھ کہ یہ سب شک میں مبتلا ہیں اور یہ کہنے والے کہ وجودات متعدّد ہیں اور نہیں سمجھتے اس جلی شرک کی قباحت کو، اور تردّد میں پڑ جاتے ہیں شراکت وصفیہ میں اور نہیں جانتے کہ کمال انسانی تو اللہ کے اخلاق سے تخلیق ہے اور وہ ثابت کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے کلام سے وجود مادیت اور وہ خلق اور وجود مجردات کا عالم ہے اور آگاہ رہو کہ اسی کے لیے ہے خلق اور امر۔ اگر تو کہتا ہے کہ ہوتے ہیں جسم زمانے کے تحت، پس وہ محدّد جس کی حرکت سے زمانے کا وجود ہوتا ہے وہ بھی جسم ہے۔ پس لازم آتا ہے کہ وہ بھی زمانی ہو، اور یہ باطل ہے معلول کی اپنی علّت سے پہلے آنے کے بطلان کے ساتھ۔ میں کہتا ہوں کہ نہیں ثابت ہوتا ہمارے قول سے تمام جسمیات کا زمانی ہونا، بلکہ ہمارا حاصل یہ ہے کہ جسمیات ہوتے ہیں زمانے کے تحت مجردات کے برخلاف، اور اگر تو کہے کہ لازم آتا ہے اس سے زمانے کا قدیم ہونا محدّد سے جو عرش ہے، اور یہ خلاف ہے علمائے عقائد کے متکلمین میں سے۔ میں کہتا ہوں کہ نہیں ثابت ہوتا اللہ کے کلام سے حدوث زمانی عرش کے لیے، اور ہمارے لیے ہے کتاب وسنّت کا اتباع نہ کہ لوگوں کی آراء کا اتّباع۔ کافی ہے ہمارے لیے اللہ کی کتاب اور آتا ہے اس کا بیان مفصل اسی باب میں، اور اللہ اس چیز پہ جو ہم کہتے ہیں وکیل ہے۔ اور اگر تو یہ کہے کہ تو کہنے والا ہے اصول میں چار بحث کیے گئے دلائل کے ساتھ (کتاب اور سنّت اور اجماع اور قیاس)، پس کیسے جائز ہوا مخالفت کرنا تیرے لیے علماء کے اجماع کی۔ میں کہتا ہوں کہ نہیں یہ ہمارے لیے کہ ہم تدبیر کریں متکلمین میں سے کسی ایک معاملے پہ، اور اجماع سے مُراد تمام اُمّت کا اجماع ہے۔ حضور نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ نہیں جمع ہوگی میری اُمت گمراہی پہ۔ پس وہ معاملات جن پہ تمام اُمت مرحومہ کا اجماع ہے اور بالاتفاق ثابت ہیں دینِ محمدیؐ میں عقائد میں سے، وہ اللہ کی توحید کا اقرار کرنے کی مانند ہیں۔ اور اُس کی صفات اُس کے اسماء اس کے ملائکہ،

Marfat.com

اس کی کتابوں اور رسولوںؑ پر اور نبوت کا ختم ہونا ہمارے نبی کریم صلعم پر اور آخرت کے دن کا اقرار اور تقدیر کے خیر و شر ان سب پر ایمان لانا کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، اور موت کے بعد دوبارہ اُٹھنا اور تمام حکم دیے گئے اعمال جیسے پانچ نمازوں کا فرض کیے جانا اور ماہ رمضان کے روزے اور ان جیسے اور احکام اور منع کی گئی باتیں، جیسے شراب کی حرمت اور سور کا گوشت کھانا اور ان جیسے امور۔ ان کے خلاف چلنا جائز نہیں کسی ایک کے لیے بھی، کیونکہ یہ سب وہ امور ہیں جن پہ سب کا اتفاق ہے بغیر کسی اختلاف کے۔ اس اجماع کا اتباع کتاب و سنّت کے اتباع کو بیان کرنے والا ہے۔ اور اختلاف کسی جزئی امر یا امور کلیہ کے فروع میں وہ اس کے خلاف نہیں ہے جس کی ہم نے مخالفت کی، بلکہ وہ تو مخالفت کرتے ہیں خالص محمدیت کی اور نئی پیدا کرلیں بنیادیں بدعت پر مبنی اسلام میں جو کہ نہیں تھیں رسول اللہ صلعم کے وقت میں۔ اسی لیے عُقلا اور عارفوں نے اُنھیں طعنہ دیا، اور اگرچہ تھی مخالفت حق اور باطل کے درمیان دونوں جانب سے لیکن منسوب کی جاتی ہے مخالفت جھٹلانے والوں کی طرف محققین کو چھوڑ کر، متقدّمین اور متاخرّین کا اعتبار کیے بغیر پس واجب ہوا خالص محمدیوں پر ان کا خالص تنبیہہ کرنا تعلیم سے اور اُس کے رسولؐ کی تائید سے، آگاہ رہو کہ خالص دین اللہ کے لیے ہے۔ اے اللہ انھیں ہدایت دے خالص محمدیت کی طرف - یہ لوگ جانتے نہیں۔

تغیّر و تبدّل کے بیان کا باب

تغیّر و تبدّل اس عالم فانی کی ذاتیات اور نو وارد ممکنات کے لوازمات میں سے ہے اور وجودی اور عدمی معانی سے مرکب ہے۔ انھی ہر دو معانی کی آمیزش ممکنات کے احوال میں انقلاب کا باعث بنی۔ کیونکہ وہ ذات جس کا وجود حکما اور صوفیا کے عقیدے کے مطابق عین اس کی ذات ہے یا متکلمین کے عقیدے کے مطابق اسی کی ذات کا تقاضا ہے۔ وہ تو وہی ذات واجب الوجود ہے جس کے مرتبۂ اقدس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کو دخل نہیں۔ وہ ہمیشہ سے جیسی تھی ویسی ہی ہے، اور ویسی ہی رہے گی، اور وہ حقیقت ممکنہ جو عدم کی مقتضی ہے وہ مفہوم ممتنع ہے جو اپنے اس مرتبۂ مفہوم میں کبھی نہ تھی نہ ہے اور نہ ہوگی۔ اور وہ حقیقت جو بذاتہ نہ وجود کی مقتضی ہے نہ عدم کی۔ وہ ہر دو کے تقاضوں کی پیروی کے معنوں میں آتی ہے، وہ حقیقت ممکنہ ہے جس کے احوال میں ادل بدل ہوتا رہتا ہے۔ وہ

Marfat.com

کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ لہٰذا سارے ممکنات نو پیدا شدہ ہیں۔ ذاتی کہنگی اور ہمیشگی تو فقط حق تعالیٰ ہی کا حصہ ہے۔ محدثات سب کے سب فانی ہیں۔ حقیقی بقا فقط اس وجود مطلق کے شایانِ شان ہے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں آیا ہے کہ سب چیزیں ہلاک اور فنا ہو جائیں گی سوائے اس کی ذات کے، یا پھر یہ کہ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کی میراث ہے۔ سوال اگر تم یہ کہو کہ اس بیان سے یہ تو ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی موجود ہے وہ حادث ہے اور فنا ہو جائے گا اور قرآن و حدیث میں تو عرش کا فنا ہونا کہیں نہیں آیا۔ ہمارے قبلہ والد بزرگوار نے نالۂ عندلیب نامی اپنی عمدہ تصنیف میں عرش کی فنا کو جائز نہیں سمجھا۔ کیونکہ اُسے حق تعالیٰ نے عظیم کہا ہے اور عالم آخرت بہشت و دوزخ کی بقا مسلم الثبوت ہے اور یہی معانی اس رسالے اور کتاب میں بھی مذکور ہیں۔ جواب جس طرح حدوث و قدم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ذاتی حدوث و ذاتی قِدم (کہنگی) دوسرا حدوث زمانی اور قدمِ زمانی۔ اسی طرح فنا و بقا کی بھی دو شکلیں ہیں۔ ایک فنا و بقا ذاتی اور ایک فنا و بقا زمانی۔ سو جس طرح ذاتی حدوث تمام ممکنات کا نصیب ہے۔ اسی طرح ذاتی فنا بھی انہی ممکنات کا حصہ ہے۔ اور ذاتی کہنگی اور ذاتی بقا فقط حق تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ اور بعض زمانی ممکنات میں حدوث زمانی کے ساتھ ذاتی حدوث بھی جمع ہے۔ انہی میں ذاتی فنا کے ساتھ زمانی فنا بھی شامل ہو جاتی ہے، اور بعض جو زمانی نہیں ہیں اور جن میں فقط ذاتی حدوث ہے ان میں فقط ذاتی فنا ہے، زمانی فنا نہیں۔ لہٰذا وہ آثارِ خیر (باقیات الصالحات) جن کی فنا کا تذکرہ قرآن و حدیث میں نہیں آیا اور قبلہ بزرگوارم والد صاحب نے (خدا ان کے رازوں کو پاکیزہ کرے) ان کی فنا کو جائز نہیں سمجھا، اُس فنا سے مُراد فنائے زمانی ہے اور ذاتی فنا تو ہر ممکن الوجود کو ہر آن نصیب ہے۔ جو بذاتِ خود فانی ہے اور اُس حق تعالیٰ کے وجود کی بقا سے باقی ہے۔ دنیوی تغیرات کے مشاہدے کے بعد اپنی فنا پر بھی تحقیقی نگاہ ڈالنی چاہیے اور اپنے آپ کو اُس ذاتِ حق کے حضور میں مطلق ہلاک و فنا کر دینا چاہیے تاکہ بقا باللہ کا مرتبہ حاصل ہو سکے اور غفلت کا گرد و غبار جھڑ جائے۔ رباعی:

طفلی بگذشت و شد جوانی حاصل
پیری ہم میرسد نباشی غافل
ہر چند چو تار سبحہ بر جائے خودی
چو دانہ کند قطع رہ اینجا منزل

Marfat.com

ترجمہ رباعی: بچپن گزر گیا، جوانی حاصل ہوئی، غافل نہ رہو، بڑھاپا بھی آن پہنچے گا۔ ہر چند کہ تم تسبیح کے دھاگے کی طرح اپنے ہی مقام پر قائم ہو، جب تسبیح کے دانے راستہ طے کر لیتے ہیں، تو منزل آجاتی ہے۔ (مصنف کے اپنے مطابق کلمات کی تعبیر یوں ہے کہ) نفس ناطقہ ایک مجرد جوہر ہے جس کی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اور لاحق ہونے والی یہ کیفیات اور حالات اس کے عوارض میں سے ہیں جو وقت کے مطابق طاری ہوتے رہتے ہیں، اور وہ اپنی اسی اصلی (خالص) حالت پہ قائم ہے، نہ بڑھاپے میں بوڑھا اور نہ جوانی میں جوان۔ دانے کی منزل سے تشبیہہ واضح ہے اور استادانِ شعر و سخن کے کلام میں ان معانی میں آچکا ہے۔ تسبیح کے دھاگے کو بمنزلہ مسافر و گردش کنندہ اس لیے قرار دیا کہ وہ ان منزلوں کو طے کرتا ہے۔ لہٰذا یہ طاری ہونے والے عوارض راستے کے مراحل کی حیثیت رکھتے ہیں جو نفس ناطقہ کو درپیش ہوتے ہیں، ان پر سے پل بھر میں گزر جاتا ہے اور آخر کار آخری منزل پہ پہنچ جاتا ہے۔ خدا نے خود فرمایا ہے کہ ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ سو تغیر و تبدل تجھے لاحق ہونے والی چیزیں ہیں جو تمھیں پیش کی جاتی ہیں۔ لہٰذا اپنی قدر و منزلت کو سمجھو اور پہچانو اور اپنے دل کو اِدھر اُدھر مت دوڑاؤ۔ سب تیرے سامنے خود بخود پیش ہو کر عرضِ حال سناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کے درمیان ہیر پھیر کی بات جو یہاں کی ہے اس سے مراد بھی گردش ایام ہے جو سبھی پہ طاری ہے اور دوسری پُر لطف بات یہ کہ دنوں کی یہ ترتیب کہ جمعہ کے بعد ہفتہ اور ہفتہ کے بعد اتوار، یہ محض انسانی ذہن ہی سے مخصوص ہے۔ حیوانات کے نزدیک ہفتے اور اتوار میں کوئی امتیاز نہیں جیسا کہ مجھ فقیر ہی کا ایک شعر ہے ؎

گردش رنگ تو ہم گردش ایام شد　　　　ورنہ کی فرقِ میاں شنبہ و آدینہ است

(غزل کا شاہ بیت) گردش ایام کی طرح تیرا ہی رنگ بدلنے لگا ہے، ورنہ ہفتے کے دن اور جمعے کے روز میں کیا فرق ہے۔ یہ سب تغیرات و تبدلات انسان ہی کو لاحق ہیں جو بڑے وسیع اور مفصل علم کا مالک اور ان تمام مراتب کا دیکھنے والا ہے۔ اُسے اپنے آپ کو پہچاننا چاہیے کہ اُسے خداوند کریم و مطلق نے مکمل مظہر بنا کر ایسا وسیع علم عطا فرمایا ہے۔ اپنے دل کو ان اعتبارات میں سے کسی اعتبار کے پیچھے نہ دوڑاؤ۔ جو کچھ بھی پیش آنا ہو گا خود بخود پیش آئے گا اور اپنی کیفیت دکھا دے گا۔ تو نہ تو کسی چیز کی طرف راغب و مائل ہو اور نہ ہی کسی چیز سے گریزاں اور متنفر ہو۔

Marfat.com

پیش آنے والی ہر حالت وکیفیت کے مشاہدے میں ذاتی رجوع و بزرگی کا مطالعہ

اپنے مقام کو پہچاننا چاہیے کہ وہ شہنشاہ حقیقی جو اپنے متعلق کہتا ہے کہ اُسے تمام جہاں والوں میں سے کسی کی حاجت نہیں۔ اس نے تمھیں اپنے اس مرتبۂ بلند کا مظہر بنا کر کرۂ ارض پر تمھیں اپنا نائب مقرر کیا اور ان تمام نسبتوں، اضافتوں، اعتباروں اور حاجتوں کو فوج اور مصاحبین کی طرح تیرے ساتھ متعین کیا۔ لہٰذا یہ سب امور جو تجھ سے متعلق ہیں وہ تیرے ہی تابعین اور محتاجوں میں سے ہیں۔ تو ہی ان کا حاجت روا ہے۔ لہٰذا جو امر بھی پیش آئے اور جو حاجت بھی رونما ہو اُسے اپنا ہی محتاج سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنی ہی حاجت براری کے لیے تیرے سامنے پیش ہوئی ہے۔ نہ یہ کہ تو خود ہی اپنے آپ کو محتاج سمجھنے لگے۔ کیونکہ یہ تو کفرانِ نعمت ہے اور اُس خوش بختی کی ناقدر شناسی جس سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں مشرف فرمایا ہے۔ زندگی تیرے سامنے آئی ہے تاکہ تیرے طفیل اپنا ظہور کر سکے موت بھی تیرے سامنے آئے گی تاکہ تیری بدولت اپنا کام کر سکے۔ صحت کی حالت ہر لحظہ تیری ہی پناہ میں گزر اوقات کر رہی ہے۔ اور بیماری بھی کبھی کبھار عرصۂ حیات میں تیری ہی مدد سے آجاتی ہے۔ بھوک اور تنگدستی کی حالت بھی تجھی سے اپنی نمود پاتی ہے۔ اور میری و امارت (امیری) کی حالت بھی تجھی سے آرام اور جاہ و مرتبہ پیدا کرتی ہے۔ الغرض اسی سے قیاس کر لو کہ یہ نسبتیں، یہ اضافتیں، یہ دنیوی امتیازات اور اعتبارات تجھی سے فیض یاب ہوتے ہیں اور تو خود حق تعالیٰ کے نور سے منوّر ہے اور اُس نور کی شعاعیں تیری ہی اوٹ سے تمام دُنیا اور اہلِ دُنیا تک پہنچتی ہیں۔ اگرچہ اس امر کی اہلیت تو تمام بندوں میں ہے، لیکن اس حالت کا حقیقی شرف اور حقیقت کے کماحقہٗ انکشاف تو مقام قیومیت ہی میں ہوتا ہے۔ اور دنیوی قیوم جو اس قیوم حقیقی جل شانہٗ کا مظہر ہے ان اسرار و رموز کو جانتا پہچانتا ہے اور اُس سے کم تر مراتب والے حضرات اس امر سے اچھی طرح آگاہ نہیں کر سکتے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ دُنیا کے اس تغیر و تبدل کو بیان کرنا چاہیے اور دُنیا اور اہلِ دُنیا کی گزر و گزرگاہ کو چوکس ہو کر دیدۂ عبرت نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔

Marfat.com

رباعی:

عمری کہ شمردہ ایم سال و ماہش
مانند فلک قرار نبود گاہش
سرگرم سراغ کیست یارب دوراں
یک خلق چو سایہ میرد و ہمراہش

ترجمہ رباعی: یہ عمر جس کے ہم سال، مہینے گنتے ہیں اور اسے، اس گردونِ گردان کی طرح کبھی سکون نہیں آتا۔ اے خدا یہ گردشِ دوراں آخر کس کی کھوج اور ٹوہ میں ہے کہ دُنیا سائے کی طرح جس کے ہمراہ چل رہی ہے۔ یہ عرصۂ حیات و زندگی جو زمانے ہی کا حصّہ ہے، اگرچہ زمانی اعتبار سے متصل واحد ہے اور توسطی حرکت کے لحاظ سے پہلے سے موجود ہے، لیکن قطعی حرکت کے لحاظ سے اس نے موہوم سی درازی پیدا کرلی ہے اور متفرق قسم کی تفریقات سے بہت سے متفرق اور الگ الگ پیمانے پیدا کرلیے ہیں ۔ حال اور مستقبل کا خیال آتا ہے۔ گھڑیوں، دنوں، مہینوں اور سالوں کا شمار ان سے کیا جاتا ہے اور اسی سے ہم اس ناپائیدار عمر کو سال و ماہ کے پیمانوں میں ناپتے ہیں اور اس گھٹنے بڑھنے کا حساب یاد رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں تو اس عمر کو کسی وقت بھی ثبات و قرار نہیں اور زندگی کا یہ تیز رفتار گھوڑا ایک لمحے کے لیے نہیں رُکتا۔ گردونِ گردان کی طرح ہمیشہ مستقلاً رواں دواں رہتا ہے اور دن رات اس ناگزیر و لازم سفر میں سرگرداں رہتا ہے۔ چونکہ زمانے کی اپنی اصل قرار پکڑنے والی نہیں اور یہ گردونِ گرداں خود یہ چکر کاٹ رہا ہے تو پھر زمانے کے دیگر متعلقات کی ناپائیداری یا بے ثباتی کس شمار قطار میں آئے گی۔ اور ایک مصرع میں یہ سوال پوچھنا کہ یہ گردشِ دوران کس کے کھوج میں لگی ہے۔ یہ تجاہلِ عارفانہ ہے۔ جب کہ قرآن خود کہتا ہے کہ سب امور اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، لہٰذا یہاں بھی تخاطب اسی رب العالمین سے ہے جو سبھی کا مرجع اور جائے بازگشت ہے۔ دانشوروں نے جو افلاک کی حرکت کو عقول عشرہ (فرشتوں) کے ارادے سے تعبیر کیا ہے وہ بھی اللہ ہی کی طرف رجوع کا آشکارا کرتی ہے۔ اور حقیقت میں ہر موجود کو بغیر کسی وساطت کے اس تک راہ ملتی ہے۔ زمانہ اور متعلقاتِ زمانہ بھی اسی کی راہ میں رواں دواں اور اسی کی بارگاہ کے متلاشی ہیں۔ بے شک

Marfat.com

ہم اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں ۔ پس زمانے کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ جو خود ہی چلتا ہے اور ہر لحظہ راہگیر ہوتا ہے ہمیشہ پابرکاب ہے اور جس میں ہمیشہ تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ اور زمانیات کی مثال سائے کی سی ہے جو اسی راہ گیر کے ساتھ اس کی متابعت میں چلتا رہتا ہے اور اسی کے جلو میں بے اختیار دوڑتا رہتا ہے۔ پس بھاگو اللہ کی طرف !!

Marfat.com

هوالنّٰاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

سب تعریف اللہ کے واسطے ہے جو شکوک و شبہات کو رفع کرنے والا ہے اور اُس کے رسول محمد صلعم پر درود و سلام جو سلوک کے تمام اسرار کو کھولنے والے ہیں۔ اور ان کی آلؓ پر اور اصحابؓ پر جو مسلوک طریقے پر چلنے والے ہیں۔ اما بعد پس یہ انچاسواں (۴۹) باب ہے جو بیان للناس سے موسوم ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے ابلاغ ہے، جو چلتے ہیں راستے پر اور گامزن ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے پر اور خبر دینے کے لیے ان کے حالاتِ واردہ سلوک میں غفلت سے اور آگہی سے اور فنا اور بقا اور تلوّن مزاج اور شان و شوکت ان لطیف فوائد کے ساتھ اور انوکھے نکات کے ساتھ رباعی کی شرح کے ضمن میں متن اور شرح کے لحاظ سے جو منکشف کرتی ہے اس کی مرادوں اور اس کے استعاروں کو، اور اللہ ہدایت دیتا ہے راستے کی اور غفلت عبارت ہے کسی چیز کے نہ جاننے سے یوں کہ اس کی شان میں یہ ہو کہ اُسے جانا جائے اور جاہل کی جہالت سے عبارت ہے غفلت۔ ایسا جاہل جس کے شایاں یہ تھا کہ علم سیکھنا اور آگہی و تجربہ عبارت ہے کسی چیز کے علم سے کہ جس کے شایاں یہ تھا کہ اُسے نہ جانا جاتا۔ اور عالم کے علم سے عبارت ہے جس کے بارے شایاں جہالت تھی اور فنا عبارت ہے اعتبارات اور ان کی نفی سالک کے علم میں اور بقا اس کا اثبات ہے۔ اس کے اندر حق کے وجود سے اور تلوین پیروی کرنا ہے نفس کا اپنے مختلف حالات

Marfat.com

کی معنوی اور صوری طور پر جیساکہ ہوتا ہے حال اپنائے وقت کا۔ اور تمکین عارف کی استقامت ہے اس چیز پر جو اس کے لیے مناسب ہے ہر حالت میں بشری طاقت اور استعداد کی مقدار کے مطابق اور یہ ابوالوقت (وقت کا باپ) ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ استقامت کر اس امر پر جس کا حکم دیا گیا ہے۔ خبر دینے والا ہے اس مقام کی، اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے اور وہ بہترین رفیق ہے۔

غفلت و آگہی، فنا و بقا اور
پیروئ نفس و استقامت وغیرہم کے بیان کا باب

یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ یہ سب حالات وکیفیات کلیتہً اور اطلاقاً تو سبھی پر طاری ہوتی ہیں صرف سالکوں، غیر سالکوں، کاملوں یا ناقصوں سے مخصوص نہیں ہیں۔ کیونکہ بنی نوعِ انسان میں سے ہر کسی پر یہ حالات مطلقاً وارد نہ ہوتے تو پھر ان کی نوعی حقیقت کے یہ مخالف امور اہلِ سلوک پر کس طرح وارد ہوتے؟ وہ بھی اسی نوعِ انسانی سے ہیں۔ لیکن جس طرح ہر فرد اور ہر قسم کی شکل و شباہت میں ظاہری اختلاف ہے۔ اسی طرح ہر شخص اور ہر گروہ کے حالات میں ظاہری اختلاف ہے اور ان حالات کے متعلقات میں بھی فرق ہے۔ مثال کے طور پر جس طرح عوام کو مشاہدۂ حق سے غفلت اور ماسوی اللہ سے آگہی حاصل ہے۔ اسی طرح خواص کو ماسوی اللہ سے غفلت و فراموشی اور حق تعالیٰ سے آگہی و مشاہدہ میسر ہے۔ اسی سے تمام حالات وکیفیات کا قیاس کر لیجیے۔ پس غفلت کی حقیقت یا آگہی کی اصلیت فی نفسہٖ ایک ہی قسم سے ہے اور وہ تمام نفوس کو لاحق ہے تغیر و تبدل کو تو اس کے محلِ استعمال میں ہوتا ہے اور اس مقام یا محل کی شرافت و رذالت کا سبب فی نفسہٖ وہی شرافت و رذالت پیدا کر لیتا ہے اور خوبی یا بُرائی کی نسبت اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے لہٰذا اہل اللہ کے نزدیک مشاہدۂ ذات کی حالت آگہی سے تعبیر کی جاتی ہے، اور انسانی نفس کے اعلیٰ ترین کمالات میں سے ہے اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ ان کی اصطلاح میں غفلت کہلاتی ہے۔ یہ انسانی نقائص میں سے ہے اور حیوانیت سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حضور و مشاہدہ سے مشرف فرمائے اور اپنے نور سے منور کرے۔

Marfat.com

رباعی:

گہ دردِ ترا غفلتِ دل کردہ خراب
گہ آگہیت فگندہ اندر تب و تاب
ای بیخبر این ہمہ غنودن تاکی
بیدار تمام باش یا خوب بخواب

ترجمہ رباعی: اے درد کبھی تو تجھے دل کی غفلت خراب کرتی ہے اور کبھی آگہی تجھے پیچ و تاب میں ڈالے رکھتی ہے۔ اے بے خبر انسان یہ غنودگی کب تک طاری رہے گی۔ یا تو مکمل طور پہ بیدار ہو جا اور یا پھر سو اور خوب جی بھر کر سو۔ (مصنف لکھتا ہے کہ) اس رباعی کے معانی اور اس کے الفاظ سے کیا کچھ مراد ہے اس کا مفصل بیان آگے متن میں آئے گا۔ وہیں متن کے جملوں کے ساتھ ساتھ اس کی تشریح و توضیح بھی کھل کر بیان کر دی جائے گی۔ ظاہری طور پہ عبارت سے جو معنی فوری طور پر ذہن میں آتے ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں ہیں۔ جس کسی کو بھی شعر و سخن سے کچھ لگاؤ ہو گا اس سے پوشیدہ نہیں اور نہ ہی لطف و خوبی چھپے رہتے ہیں۔ لیکن جو معانی صاحبِ ذوق لوگوں کے مذاق کے مناسب ہیں مگر اہلِ ظاہر کے ادراک سے دور ہیں ان کی وضاحت و تشریح ضروری ہے۔ رباعی کا حسنِ بیان اور ظاہری بندشات بالکل آشکار ہیں۔ عیاں کو بیان کی کیا حاجت؟ بلکہ اس کے بیان کرنے سے بھی شعر کے خوشنما رنگ، بے رنگ اور پھیکے ہو جاتے ہیں، اس کا سمجھنا سخن فہمی سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن حقیقت کے معانی کو جس ایجاز و اختصار سے باندھا ہے ان کی مفصل و کماحقہٗ تشریح بظاہر نظر نہیں آتی۔ لہٰذا ان کا اظہار کرنے کی ضرورت آن پڑی ہے اور اُس کی لفظ بلفظ تشریح و وضاحت کر دی گئی ہے۔ فائدہ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ عارفانِ حق کے نزدیک کوئی کلام اور بیان بھی ظاہری، مجازی، باطنی اور حقیقی معنوں سے بالکل مبرّا و معرّا نہیں ہو سکتا۔ شعروں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ بھی کلام ہی کی اک قسم اور بیان ہی کی اک نوع ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ شعر ایک بہتر کلام ہے۔ اچھا ہو تو وہ اک خوب و خوشنما ہے اور بُرا ہو تو وہ زشت و بدنما ہے۔ لیکن جو کچھ عام طور پہ دیکھا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ اکابر و بزرگانِ دین نے جو اشعار حقیقت کے معانی کے بیان یا پند و نصیحت کے طور پہ کہے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر شعری لطف و انداز، باہمی لزومیت، دلوں میں ارتعاش پیدا کرنے، عشقیہ حالات و کیفیات، شاعرانہ رنگینی و رعنائی یا تشبیہات و تلاشِ معانی اور بلند پایہ شاعری میں

Marfat.com

مستعمل محاسن شعری سے بالکل مبرّا و معرّا ہوتے ہیں۔ جس مطلب کی کسی بات یا مسئلے کو وہ الفاظ میں موزوں کرتے ہیں جو وزن کی قید کی بنا پر اس امر کو بڑے اختصار سے بیان کر دیا جاتا ہے۔ وہ چونکہ بآسانی یاد اور حفظ ہو جاتے ہیں، لہذا اس لحاظ سے کارآمد ہوتے ہیں۔ مگر شعریت کے لحاظ سے سوائے وزن یا قافیہ کے ان میں کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اشعار کی درستی و نادرستی یا اس کے حُسن و قبح کی طرف بھی چنداں توجہ نہیں فرماتے۔ اگر اتفاقاً کبھی کبھار شعر و سخن ہی کے فیض سے یہ امور ان کے ہاں جمع ہو جائیں تو وہ اُسے کسی شمار میں نہیں لاتے۔ اور حقیقت سے ناآشنا استادانِ فن شعر و سخن کے اشعار میں صرف فن شاعری ہی کا کمال ہوتا ہے ان میں اکثر و بیشتر اشعار سراسر مجازی ہوتے ہیں اور حقیقت سے بالکل بے بہرہ۔ ان میں محض مبالغہ ہوتا ہے یا جھوٹ، کیونکہ اُنھیں حقیقت سے سروکار نہیں ہوتا۔ اُنھیں تو فقط شعر کا رنگ جمانا مقصود ہوتا ہے۔ اگر شعر و سخن کے فیض یا کثرتِ بیان سے اتفاقیہ طور پر یہ اعلیٰ ترین معانی جمع ہو جائیں تو وہ صرف حُسن اتفاق ہے جس کا اعتبار نہیں، کیونکہ حقیقت میں اُنھیں ان معانی کا ادراک نہیں ہوتا، کیونکہ وہ عالم بے عمل اور فاعل بغیر فعل کے قائل ہوتے ہیں۔ للذا ان امور کا یکجا جمع ہو جانا محض تائید آسمانی ہے۔ جو کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ استادِ ازل ایسے شاگردوں کو خود ہی تعلیم دیتا ہے اور روح القدس ان کے قلوب پر القاء اور وارداتِ قلبی کی صورت میں امداد و اعانت کرتا ہے۔ جس سے کسی حالت میں بھی اُن سے فروگزاشت یا کوتاہی نہیں ہوتی۔ ان شاگردانِ رحمان کا کلام اتنا جامع ہوتا ہے کہ اہلِ ظاہر اور اہلِ مجاز ان کے شعری لطف و انداز کے شیفتہ و فریفتہ ہوتے ہیں اور اپنے عجز کے معترف ہوتے ہیں۔ وہ ان کی ظاہری صورت پہ فریفتہ ہوتے ہیں۔ اور اہلِ حقیقت اور عارفانِ حق ان کے اسرار و رموز کی تصدیق اور اقرار کرتے ہیں۔ اور اُس سے اپنے نصیبے کا فیض حاصل کرتے ہیں۔ اس سے ہماری مُراد ہے کہ شعر میں بیشک دانائی ہوتی ہے، اور ایسے بیان میں سحر بیانی ہوتی ہے۔ الغرض رباعی کی تشریح کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے اور متن کی عبارات کی تشریح کرنی چاہیے۔ یہ سمجھ لیجیے کہ کسی چیز سے غفلت عبارت ہے اس چیز کے نہ جاننے سے، اور کہا جاتا ہے غفلت ہے پیروی کرنا نفس کا اس معاملے میں جو نفس چاہے۔ چونکہ غفلت بذاتہ مطلق عدم واقفیت ہے للذا وہ جب کسی خاص چیز سے متعلق ہو جائے اور کسی خاص امر سے مخصوص ہو جائے تو اُس چیز سے غفلت

Marfat.com

عبارت ہوگی اس چیز سے ناواقفیت سے۔ بعض نے کہا ہے کہ غفلت عبارت ہے اپنی مرغوب چیزوں کی خاطر نفس کی متابعت کرنے سے، یعنی نفس کا اپنی مرغوب و محبوب چیزوں کے حصول کی طرف متوجہ ہوجانا اور اسی میں منہمک ہوجانا اور کھوئے جانا۔ لیکن یہ اصطلاحی معنی ہیں جو اہل مجاہدہ نے اصطلاح کر لیے ہیں۔ بعض کے نزدیک غفلت وقت کا بیہودہ گنوانا ہے یعنی بعض اہل ریاضت کے نزدیک غفلت کے معنی اپنے وقت کو یونہی نکمے پن میں بیکاری میں گنوانا اور ایسے کاموں میں مشغول رہنا جو غیر شرعی اور ممنوعہ نہ ہوں مگر جن کا نتیجہ کوئی خیر یا بھلائی بھی نہ ہو۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ اس گروہ کے نزدیک قلب کے حق تعالیٰ کی ہستی کو نہ جاننے اور اپنی توجہ کو ظاہری اور ذہنی طور پر دُنیا کی مختلف ظاہری صورتوں اور طرح طرح کی شکلوں پر مرکوز کرنے کا نام ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ اس گروہ یعنی عارفانِ حق کے نزدیک غفلت عبارت ہے نفس ناطقہ کی مرتبۂ الوہیت سے عدم توجہ سے اور حق جل جلالہٗ کے حضور و شہود سے غافل ہونے اور نفس کے مختلف امکانی اعتبارات کی طرف متوجہ ہونے سے جو کثیر التعداد ظہورات میں ذہنی اور خارجی مراتب میں ظاہر ہیں۔ کائنات میں جو کچھ بھی موجود ہے وہ ان دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا وہ موجود ذہنی ہے یا موجود خارجی۔ اور یہ معنی باقی سب معانی سے اعلیٰ و فائق ہیں۔ کیونکہ باقی سب معانی اسی معنی کے تحت ہیں۔ اسی کے تابع اور اسی کی شاخیں ہیں۔ (تنزیہہ) حق تعالیٰ کی ہستی ذہنی و خارجی اضافت (نسبت) سے برتر ہے۔ حق تعالیٰ کو خارجی موجود بھی اسی لیے کہا جاتا ہے تاکہ کم عقل لوگوں کو یہ وہم نہ ہوجائے کہ وہ موجود ذہنی ہے۔ وگرنہ حق تعالیٰ کی ذات، ان سب مراتب سے بلند و بالا ہے۔ ذہن و خارج کو اسی نے بنایا ہے وہی ہے جو ذہنی اور خارجی طور پر موجود ہے اور وہ ہر شے پر محیط ہے۔ عقل انسانی میں اتنی اہلیت ہی نہیں کہ اپنی قوت کے بل بوتے پر اس مرتبے کی فضیلت کو پاسکے۔ سوائے اس کے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنی بے وجہ عنایات بے غایات سے اگر چاہتا ہے تو بعض خاص اولیائے کرام کے لیے اس پوشیدہ راز سے پردہ اُٹھا دیتا ہے۔ اور ان کی چشمِ بصیرت سے پردہ ہٹا دیتا ہے۔ ورنہ فلاسفہ اور حکماء و علماء اس حقیقت کے ادراک سے محروم ہیں اور نہ ہی یہ بات پوری طرح عبارات میں سما سکتی ہے۔ اور نہ ہی کماحقہٗ بیان ہوسکتی ہے تاکہ جو کچھ ان پہ کشف ہوا ہے اسی ڈھنگ سے سمجھا دیا جائے۔ راستے کا دکھانا عارفوں کا کام ہے اور مطلوب تک پہنچانا حق تعالیٰ ہی سے مختص ہے۔ قصّہ کوتاہ

Marfat.com

یہ کہ غفلت چونکہ مشاہدہٗ ذات کے نہ ہونے اور مختلف دنیوی شکل وصورتوں پہ متوجہ ہو جانے سے ہے، لہٰذا شک نہیں کہ غفلت پراگندگیٔ خاطر اور دل کی پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ یعنی ان مختلف دنیاوی اعتبارات کی طرف متوجہ ہونا اور ان کثیر التعداد موہومات میں پھنس جانا دل کی پریشانی کا موجب بنتا ہے بلکہ وہ خود ہی پریشانی ہے۔ کیونکہ پراگندہ خاطر اسی متفکر اور متذبذب دل اور متورد علائق میں پھنسے ہوئے کو کہتے ہیں اور دلی طمانیت (سکونِ قلب) وحدتِ ذات کے مشاہدے کا نتیجہ ہے بلکہ تسکین سے مراد ہی دل کی یہ یکسوئی ہے اور دل عبارت ہے نفس ناطقہ سے جو روح انسانی بھی ہے۔ اور حکماء کبھی کبھار اپنی اصطلاح میں اُسے قوت عاقلہ سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں، یعنی ہر چند کہ اس سرو ناز یعنی لفظ دل کا اطلاق گوشت کے اسی لوتھڑے پر بھی کیا جاتا ہے جو انسان کے بائیں پہلو میں ہے لیکن عارفان ذات کے نزدیک اکثر و بیشتر اس لفظِ دل یا قلب سے مراد نفس ناطقہ یعنی روحِ انسانی ہی لی جاتی ہے۔ یہاں بھی مراد انہی معنوں سے ہے۔ فلسفہ و حکمت کی اصطلاح میں بعض جگہ نفس ناطقہ کو قوتِ عاقلہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ اسی لیے بتا دیا گیا ہے تاکہ دوسری عبارات میں ناواقف لوگ ان الفاظ کو اگر دیکھیں تو ان کی مراد کو سمجھ سکیں اور عالموں سے

تو یہ بات ڈھکی چھپی نہیں اور آگاہی جو غفلت کا متضاد لفظ ہے اسے ان معانی کی موافقت سے سمجھنا چاہیے چونکہ آگہی اور غفلت میں عدمیت اور ملکہ (مہارت) کا ٹکراؤ ہے لہٰذا چاہیے کہ غفلت کے معانی کے بالمقابل آگہی کے معنی بھی مذکورہ بالا گروہوں کے لحاظ سے الگ اور علیحدہ ہوں، یعنی جو لوگ غفلت کے معنی اپنی مرغوب چیزوں کے لیے نفس کی عدم متابعت سے لیے ہیں تو پھر چاہیے کہ ان کے نزدیک آگاہی کے معانی انہیں مرغوب چیزوں کے لیے نفس کی عدم متابعت لیے جائیں۔ اور جو لوگ غفلت کے معنی یونہی بے کار و فضول تضیعِ اوقات سے لیتے ہیں تو پھر ان کے نزدیک آگاہی کے معنی وقت کو بیہودہ نہ گنوانے کے لیے جائیں اور جن لوگوں کے نزدیک آگہی عبارت ہوتی ہے ہستیٔ حق تعالیٰ کے پا لینے اور مختلف دنیوی صورتوں کی طرف توجہ نہ کرنے سے، اور حق بات یہ ہے کہ ہے بھی ایسے ہی۔ نقشبندی خواجگان (خدا ان کی ارواح کو پاکیزہ کرے) کی اصطلاح میں آگاہی سے مراد یہی حضوری کی حالت ہے۔ پس اس مقام پر حق عزّوجلّ کی ہستی کا وجدان اور اس واحدیکتا و یگانہ کا کسی غیر کی مزاحمت کے بغیر مشاہدہ میسّر ہوگا۔ یہاں لفظ "اینجا" سے ہماری مراد وہی رباعی ہے کہ جس کی تشریح ہم نے اس وارد (باب) میں سالکان راہ اور عارفان حق کے مذاق کے مطابق کی ہے۔ لہٰذا اہلِ حقیقت کے ذوق کے موافق لفظ آگہی سے مراد وہی آخری معنی ہیں کہ اعتبارات کے لحاظ کے بغیر ہستی حق کا وجدان

۱۲۲۹۲

Marfat.com

اور تب و تاب کے یہ دو الفاظ جو رنج و بے چینی کی خبر دیتے ہیں وہ ان معنوں میں نہیں جو رنج و اضطراب کہ ہجر یا فراقِ محبوب پہ ہوتا ہے، بلکہ یہ اضطراب محبوب کے حضور اور مشاہدے کے وقت کا ہے۔ جیسے کسی عارف نے بھی کہا ہے۔ یعنی کہ رباعی کے دوسرے مصرع میں یہ تب و تاب کے لفظ جو آئے ہیں، اس کی وجہ وہی آگہی ہے، یا بالفاظ دیگر وہی حالتِ مشاہدہ ہے۔ یہ ان معنوں میں ہرگز نہیں جو ہجر و فراق کی حالت میں ہوتے ہیں۔ بلکہ اس تب و تاب سے مراد وہ بیقراری اور شدتِ اشتیاق ہے جو عشاق پہ محبوب کے وصل و مشاہدے کے وقت غلبہ پالیتی ہے۔ دیکھئے شہادت کے لیے خواجہ حافظ شیرازیؒ کے یہ اشعار!!

بلبلے برگِ گلے خوش رنگ درمنقار داشت ۔ و ندراں برگ و نوا خوش نالہای زار داشت

گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست ۔ گفت مارا جلوۂ معشوق دراں کار داشت

(کہ ایک بلبل کی چونچ میں گلاب کی ایک خوش نما پتی تھی۔ گلاب کی وہ عاشق زار اس ساز و سامان کے ساتھ بھی زار زار رو رہی تھی۔ میں نے کہا کہ عین وصال کی حالت میں یہ گریہ و زاری کاہے کو ہے۔ کہنے لگی مجھے جلوۂ محبوب نے اس کام میں لگا رکھا ہے۔) یہ وہ بات ہے جسے صاحبِ حال لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ پھر گل و بلبل کی بھی تخصیص کیسی؟ ہر شے اپنی زبانِ حال سے محوِ گفتگو ہے اور اپنی حقیقت کا اظہار کر رہی ہے اور عارفوں کے ساتھ سوال جواب کرتی ہے۔ صرف گوشِ شنوا ہونا چاہیے جو ہر چیز کا بیان سن سکے اور ایسی زبان بہم پہنچائے کہ ہر کسی سے بات کی جاسکے۔ لہٰذا بلبل کی طرح گلِ وحدت کے مشاہدے کے ذوق و شوق سے گریاں و نالاں رہ اور پروانے کی طرح شمعِ حقیقت سے عینِ وصال میں بھی سوزاں رہ۔ بلاشبہ یہ پیچ و تاب اصحابِ حق آگاہ کے سوا اور کو نصیب نہیں ہوتا۔ یہ آگہیٔ ذات اور مشاہدۂ حق کا ثمرہ ہے۔ یعنی یہ پیچ و تاب اور یہ سوز و ساز جو ذوق و شوق فراواں کی قوت سے مشاہدے کے وقت ان احبابِ الٰہی کو حاصل ہوتا ہے جنھیں اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسروں کو نہیں۔ اور یہ آگہیٔ ذات کا ماحصل اور مشاہدۂ خداوندی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ واصلانِ ذات کی بیقراری کچھ اور ہی چیز ہے، اور ہجر کے ماروں کا اضطراب کچھ اور شے ہے۔ عشاق کے سوا یہ کسی اور کے فہم میں نہیں آسکتا اور پچھلی رباعی کے پہلے دو مصرعوں میں جو لفظ گہ (گاہ) آیا ہے وہ وقت اور زمان پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی سالک جس وقت تک زمان سے باہر نہیں آتا اور ابن الوقت ہوتا ہے، اس کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی

Marfat.com

آگاہ ہوتا ہے اور کبھی غافل۔ کیونکہ زمان کو خود قرار نہیں لہٰذا اُس کے ماتحت اور متعلّقین کو بھی قرار نہیں یعنی لفظ گہ (گاہ) کا مخفف ہے اور رباعی کے پہلے دو مصرعوں میں آیا ہے، وہ وقت اور زمان پہ دلالت کرتا ہے۔ اُس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب تک سالک کا باطن زمان و مکان کی نسبتوں کی قید سے باہر نہیں نکلتا اور وقت اور اپنے حال کا تابع ہوتا ہے تو اوقات کا تغیّر و تبدّل اس کے احوال میں ادل بدل کرتا رہتا ہے۔ ایسا آدمی صاحبِ مقام نہیں ہوتا۔ کبھی تو وقتی تقاضوں کے بموجب آگاہ ہوتا ہے اور کبھی غافل، کیونکہ زمانے کو خود قرار نہیں، سو جو اُس کے تحت میں آئے گا یا جس کا اُس سے تعلّق ہوگا یقیناً وہ بھی اک حال پر نہ رہ سکے گا۔ فائدہ کامل عارفین جو صاحبِ مرتبہ اور صاحبِ مقام ہوتے ہیں ان کے متعلّق سلوک کی اصطلاح میں کہا جاتا ہے کہ وہ زمان و مکان کی حدود سے باہر آگئے۔ اس بیان سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ان کامل الحال لوگوں پر زمانہ ظاہری طور پر نہیں گزرتا وہ تو ہے ہی گزرنے والا۔ یا یہ کہ ان کے ظاہری تشخص سے تینوں زمانوں یعنی ماضی حال، مستقبل کا رابطہ منقطع ہو جاتا ہے، یا انھیں اپنے لیے مکان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ تو اک امر محال ہے۔ معانی کو یوں سمجھنا تو ایسے صوفیا یا بزرگوں کی اصطلاحات سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ اس بات کی حقیقت یوں ہے کہ جب تک سالک گوناگوں تعینات میں ہوتا ہے اور اُس کی باطنی حالت میں طرح طرح کا ادل بدل ہوتا رہتا ہے۔ یعنی جب تک دائمی مشاہدہ نصیب نہ ہو جائے اور حضوری و مشاہدۂ حق میں دوام اور مستقل قرار پیدا نہ ہو، اس کے متعلق کہتے ہیں کہ فلاں ابھی تک زمان و مکان کی قید سے نہیں چھوٹا۔ وہ ہنوز طفلِ راہِ سلوک ہے یا ابن الوقت، کہ کبھی ایسے ہے اور کبھی ویسے۔ اگرچہ کاملوں کے حال میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے۔ لیکن وہ ان کے حال کے ضعف یا قوت کے اعتبار سے ہوتی ہے نہ کہ مطلقاً اس حالت کے سلب ہو جانے سے، اور متوسّط درجے کے بزرگ کبھی بالکل غافل اور کبھی آگاہ۔ جب سالک کے باطن میں عالمِ بالا کی طرف رجوع یا انتظار پاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ ہنوز مکان کی قید سے آزاد نہیں ہوا۔ اور ابھی تک مکان و جسم سے تعلّق رکھنے والی سمتیں اور جہتیں اس کی نظر سے مخفی نہیں ہوئیں۔ وہ ابھی عروج کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ جب سالک سلوک کی منازل طے کر لیتا ہے اور اُسے دائمی مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے اور حضوری و مشاہدے کا ملکہ اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اُس آگہیٔ ذات کے اس کے باطن کو چھوڑنے کا کوئی خدشہ و احتمال نہیں رہتا اور وہ

Marfat.com

باوقار مرتبہ پالیتا ہے اس کے احوال میں کوئی تغیر و تبدل نہیں آتا اور زمانے یعنی ماضی وحال و مستقبل کے موہوم امتیاز اُس کی چشم بصیرت کے حجابات نہیں بنتے تو کہتے ہیں کہ فلاں زمان کی قیود سے باہر آگیا۔ اور اب وہ ایک بالغ سالک اور ابوالوقت ہوگیا۔ اگرچہ ان گوناگوں کیفیات و ایسے سالکوں کو بھی اس گوناگونی میں اک مقام اور قرار حاصل تھا۔ مگر ان سب کیفیات میں معتبر وہ تغیر کی حیثیت تھی جس کا تعلق زمان سے تھا۔ اور سالک کے باطن کا رجوع اطراف و اکناف یعنی اوپر، نیچے، دائیں، بائیں اور آگے پیچھے سے بے نیاز ہوکر صرف ذاتِ حق تعالیٰ ہی پر مرکوز ہوجاتا ہے اور اُس بے کیف ذات کی طرف اس کی بے کیف توجہ دائمی ہوجاتی ہے اور وہ ہمہ تن ذات الٰہی کا منتظر اور آئینہ دار ہوجاتا ہے تو اُسے کہتے ہیں کہ وہ مکان کی قیود سے آزاد ہوگیا۔ یعنی اوپر نیچے کا احساس اس کی قوتِ ادراک کا جال نہیں بنتا۔ اور رباعی میں لفظ غنودن سے مُراد فنائے اوّل ہے جس کی تعبیر وجود عدم مقام جذبہ اور مرتبہ رنگارنگی سے کی جاتی ہے۔ یعنی رباعی میں اس لفظ غنودن سے مُراد فنائے اول ہے جو سلوک کی ابتدا میں سالکوں پر ماسوی اللہ سے فراموشی اور اک قسم کا تغافل طاری ہوجاتا ہے۔ تو ان اوقات میں گھڑی دو گھڑی کے لیے یا اپنی قوت حال کے مطابق اس سے کم و بیش وقت کے لیے بے ہوشی طاری ہوجاتی ہے اور انھیں اس عالم کی کوئی سدھ بدھ نہیں رہتی اور اس طریق کے بزرگوں کی توجہ سے اکثر مبتدیوں کی بھی یہ حالت ہوجاتی ہے، اور اس کیفیت کے گزر جانے کے بعد اُنھیں پھر افاقہ ہوجاتا ہے۔ نقشبندی سلسلے کی اصطلاح میں اس حالت کو وجود عدم کہتے ہیں یعنی اپنے نہ ہونے کی کیفیت کا پیدا ہوجانا، اور یہ حالت نقشبندی جذبے کے معاملات کی ابتدائی حالت ہے۔ اس کیفیت کو حاصل کرنے کے لیے خیالات سے خالی ہونا اور کثرت سے مراقبہ کرنا بڑا مفید ہوتا ہے۔ چونکہ اس کیفیت کو دوام نہیں ہوتا۔ کبھی رونما ہوجاتی ہے اور کبھی جاتی رہتی ہے۔ اس لیے اسے بھی تلوین (رنگارنگی) کے مرتبے کی کیفیات میں شمار کرتے ہیں۔ یہاں بھی اس کی تعبیر لفظ غنودن یعنی اُونگھ سے کی گئی ہے۔ اونگھ کی حالت میں انسان کبھی بالکل بے خبر ہوتا ہے اور کبھی اُسے افاقہ ہوتا ہے۔ اور بے خبر کا لفظ جو (اے) کا منادیٰ ہے وہ اسی نشہ و مستی کے اعتبار سے لایا گیا ہے وہ اس مقام کے مالکوں کے نصیب میں ہوتا ہے، اور بے خبری اس کے لوازمات میں سے ہے۔ یعنی یہ لفظ بے خبر جس سے رباعی میں مخاطب کو ندا دی گئی ہے۔ اس حالتِ جذب و مستی کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ اس مقام کے مالکوں کے ہاتھ سے امتیاز کی ڈوری چھوٹ جاتی ہے۔ جذب کا جتنا زیادہ غلبہ ہوگا اتنی ہی

Marfat.com

اپنے آپ سے بے خبری زیادہ ہوگی۔ شعور کی فراموشی اور افاقہ اس حالت کے لوازمات میں سے ہیں۔ اور بیداری کنایہ ہے ہشیاری اور بقا کے مقام سے، اور اُس مرتبۂ جمال کی طرف اشارہ ہے جیسے قرآن کہتا ہے کہ نہ اُسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، اور چوتھے مصرع میں لفظ بیداری سے مُراد مستی کے بعد ہشیاری اور فنا کے بعد بقا سے ہے جو کاملانِ حق کو سلوک کے تمام مراتب طے کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس وقت عارف کو مراتب و مدارج کا امتیاز پھر سے پیدا ہوجاتا ہے، اور ان کا کماحقہٗ پاس واحساس اور تحفظ کرنے لگتا ہے۔ لیکن ابتدا میں حاصل ہونے والا امتیاز ایک الگ چیز ہے اور آخیر میں حاصل ہونے والا امتیاز اُس سے علیٰحدہ چیز ہے۔ وہ امتیاز تو سبھی عوام کو حاصل ہوتا ہے لیکن یہ امتیاز خاص الخاص بندوں یعنی خاصانِ حق کو نصیب ہوتا ہے۔ وہ امتیاز خود بینی اور ناحق شناسی سے پھوٹتا ہے، اور یہ حقیقت بینی اور لقائے حق کے جمال باکمال سے منعکس ہوتا ہے جیسے نہ کبھی اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند یعنی حق سبحانہٗ تعالیٰ کے علم میں کبھی فتور (گڑبڑ) نہیں آتا۔ وہ پاک ذات ہمہ اوقات دانا و بینا ہے۔ تاویل اونگھ افاقے میں فتور ہے نیند کے آنے سے، اور نیند لاحق ہوتی ہے حیوان کے ڈھیلے پڑ جانے سے دماغ کے اعصاب اوپر اُٹھنے والے بخارات کی رطوبات سے یوں کہ حواس ظاہری رُک جاتے ہیں احساس سے کلی طور پر۔ فارسی زبان میں اونگھ کو سنتہ کہتے ہیں۔ اور حاصل کلام یہ کہ اس حالت میں پورے طور پر افاقہ (تخفیف۔ فرحت) میں فراموشی اور ظاہری حواس کے احساس میں فتور واقع ہوجاتا ہے۔ اور نوم کے معنی نیند کے ہیں اور اس حالت میں اس عالم کا قطعاً شعور نہیں رہتا۔ اور ظاہری حواس بالکل معطل ہوجاتے ہیں۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نہ تو خدا تعالیٰ سے علم اجمالی زائل ہوتا ہے جسے علم کلیات کہتے ہیں، اور نہ ہی تفصیلی علم زائل ہوتا ہے جسے جزئیات کا علم کہتے ہیں بے شک آسمانوں یا زمین کی کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ چوتھے مصرعے میں لفظ "باش" میں دوامی کیفیت ہے جو پوری ہشیاری اور فنا کے بعد بقا کا لازمہ ہے۔ سو چوتھے مصرعے میں آنے والا لفظ "باش" اسی حالت کے دوام اور قرار کی خبر دیتا ہے۔ یعنی دائمی طور پر پورا بیدار رہ اور ہمیشہ اسی مقام پہ قائم رہ، اور یہ دوام اور دائمی قیام مکمل ہشیاری اور بقائے بعد الفنا کے لوازمات میں سے ہے۔ اور خواب کے معنی ہیں مکمل فنا اور کسی شے کی ذات اور نشان کے زوال سے جو پھر بشری وجود میں لوٹ کر نہیں آتی، یعنی رباعی میں لفظ خواب سے مُراد

Marfat.com

مکمل فنا ہے، جیساکہ بیداری سے جو خواب کا متضاد لفظ ہے، ہم نے حالتِ بقا مراد لی۔ اور اونگھ سے ناقص (نامکمل) فنا مراد لی جیسے اصطلاح میں وجود عدم اور فقہی اصطلاح میں ذات یا نشان کا زوال کہتے ہیں۔ یعنی جب کپڑا نجاست سے آلودہ ہوجائے اور اُسے دھوئیں۔ اگر نجس شے کا جسم زائل ہوجائے اور آخر کار اُس گندگی کا رنگ باقی رہ جائے تو کہتے ہیں کہ اس شے کو زوال آگیا، اور اسی طرح کپڑے کو بھی پاک سمجھتے ہیں۔ اگر اس کا رنگ بھی زائل ہوجائے جو اس کا نشان تھا تو سمجھتے ہیں کہ ذات و نشان بھی زائل ہوگئے۔ ایسا کپڑا یقیناً زیادہ پاک ہے۔ اسی طرح سلوک میں جب سالک اپنی خودی اور انانیت کے داغ دھبوں سے پاک ہوکر فنا فی اللہ ہوجاتا ہے اور اُس میں نفسانیت کے کچھ آثار باقی رہ جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں زوالِ عین حاصل کرگیا۔ وہ ان پاکبازوں کی جماعت میں داخل ہوجاتا ہے جنھیں اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ جب مکمل فنا حاصل ہوجائے اور خودی کا نام و نشان تک باقی نہ رہے اور وہ بقا باللہ کی منزل پالے تو کہتے ہیں کہ فلاں کو نام و نشان کا زوال حاصل ہوگیا۔ اور نفسانی داغ دھبوں سے بالکل پاک ہوگیا۔ اُسے فنائے کامل حاصل ہوگئی۔ اور یوں فنا ہونے والا شخص پھر کبھی بشری غفلتوں اور حرص و ہوا کے احکام کی طرف نہیں پلٹتا، جیساکہ خواجۂ خواجگان (خدا ان کے رازوں کو پاکیزہ کرے) فرماتے ہیں کہ وجودِ عدم تو وجودِ بشریت میں لوٹ کر آجاتا ہے مگر وجود فنا وجودِ بشریت میں کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ خواجۂ خواجگان سے ہماری مُراد خواجہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ المعروف شاہ نقشبند ہے اور مذکورہ بالا جملہ انہی کا قول ہے۔ اور وجودِ عدم کے معنی کا اوپر ذکر آچکا ہے، یعنی فنائے اوّل یا ابتدا میں پیدا ہونے والی فراموشی اور عدم افاقہ کی حالت ہے۔ اور وجود بشریت سے مُراد عوام الناس کی طرح غافلانہ انداز میں خودی کا امتیاز اور ماسوی اللہ کا شعور رہے اور وجود کے فنا ہونے سے مُراد مکمل اور کامل فنا ہے جو آخیر میں جاکر حاصل ہوتی ہے۔ سو حضرت خواجۂ خواجگان کے مقولے کا ماحصل یہ کہ سلوک کی ابتدا میں جذب کی کیفیت سے پیدا ہونے والی یہ فراموشی اور مدہوشی پھر سے خودی کے امتیاز اور ماسویٰ کے شعور کی صورت میں لوٹ آتی ہے، اور ایسی حالت کے مالک کچھ وقت (عرصے) کے بعد ہوش میں آجاتے ہیں۔ اور دوسرے عام لوگوں کی طرح انسانی کاموں میں مشغول ہوجاتے ہیں اور دُنیا کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ جب سلوک کی منازل طے ہوجاتی ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے مکمل و کامل فنا نصیب ہوجاتی ہے اور چشمِ بصیرت سے امکانیت کا پردہ بالکل اُٹھ جاتا ہے۔ فنا فی اللہ ہونے کی سعادت سے مشرف باب ہونے والے ایسے حضرات پھر کبھی اپنی خودی کی طرف لوٹ کر

Marfat.com

نہیں آتے۔ اور نہ ہی اس دُنیاوی جال میں پھنستے ہیں۔ اگر اس مرتبے کو پا لینے کے بعد افاقہ اور شعور ہو بھی تو وہ سالک کی خودی سے بہت دُور ہوتا ہے۔ یعنی اس مکمل فنا کے حصول کے بعد اگر کاملان ذات کو مراتب کا امتیاز رہے تو وہ نچلی سطح پہ آ کر خلق خدا کی طرف رُخ اُن کے رُشد و ہدایت کے لیے کرتے ہیں ۔ اس وقت ان کے شعور و افاقہ کو ان کی اپنی ہستی اور بشریت سے نسبت نہیں ہوتی۔ اب ان کی ہر نسبت کا منسوب اور ان کی ہر اضافت کا مضاف اللہ کی طرف سے عطا کیا ہوا وہ وجود ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بقا باللہ سے مشرف فرما دیا ہے اور جس کے ظاہر و باطن کو خدا نے اپنے نور سے منور کر دیا ہوتا ہے۔ یہ حدیث قدسی کہ تو میرے ذریعے سے سنتا اور میرے ہی ذریعے سے دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے انہی برگزیدہ بندوں پر صادق آتی ہے کیونکہ اس آدمی کی سماعت و بصارت اُسی سمیع و بصیر کا مظہر اور تجلی گاہ بن جاتی ہے۔ یہ تمام وجودی کمالات جو صفاتِ خداوندی ہیں مخلوق کے مظاہر اور آئینوں میں جلوہ گر ہو جاتے ہیں ۔ جس طرح ظاہری اعتبار سے آوازیں ہوا ہی کے باعث سنی جاتی ہیں اور ہوا الفاظ سے مخمور و مفرح ہو کر کان کے سوراخ تک پہنچتی ہے۔ اور اُسی نور کی وجہ سے تمام حاضرات و ناظرات دکھائی دیتے ہیں اور اندھیرے میں ظاہری آنکھ کی بینائی کام نہیں کرتی۔ اسی طرح درحقیقت یہ سب احکام و آثار افعال و احوال حضرت وجود ہی کی بدولت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ لہٰذا دراصل اور واقعتاً جو کچھ بھی سُنا جاتا ہے وہ ذاتِ حق ہی کی بدولت سُنا جاتا ہے اور جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ بھی اسی کی بدولت دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ خود خدا ہی سُنتا ہے اور وہی دیکھتا ہے۔ اور یہ اضافی شنوائی و بینائی کو درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے نسبت ہوتی ہے۔ اُس کی مانند کوئی سننے والا اور دیکھنے والا نہیں۔ ہر چند کہ یہ حالت عام طور پر سبھی پہ طاری ہوتی ہے اور واقعتاً سب کو حاصل ہوتی ہے، لیکن اللہ کے برگزیدہ بندوں یعنی عارفان ذات کی خصوصیت ان پہ اس حقیقت کے انکشاف کی بنا پر ہے کہ ان پر یہ معانی بالکل منکشف ہو جاتے ہیں اور وہ فنا فی اللہ کی منزل سے گزر کر باقی باللہ ہو جاتے ہیں۔ جس طرح عارفانِ ذات سبھی کو اپنی طرح اسی نور وحدت سے منور دیکھتے ہیں۔ اسی طرح محجوبؒ بندے ان بزرگوں کو بھی اپنی طرح اس امر سے بالکل محروم سمجھتے ہیں اور اپنی طرح خودی و نفسانیت میں مبتلا سمجھتے ہیں۔ اور آدمی قیاس کرتا ہے اپنے ہی نفس سے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تو نے بیداری و خواب کے الفاظ سے بقا و فنا مُراد لی ہے۔ اور آخری مصرعے میں ان میں جو تردید وارد ہو جاتی ہے وہ یکسانیت پہ مبنی ہے، لہٰذا مقام فنا پہ مقام بقا کی

Marfat.com

اولیت اور کمال ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس گروہ کا اقرار کر لیا جو اہلِ بقا کو اہلِ فنا کی نسبت کامل تر سمجھتے ہیں۔
اس سوال کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ یعنی اگر کوئی کہے کہ متن میں بیداری و خواب کے الفاظ جو رباعی میں اپنے
حقیقی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں اُن سے مُراد بقا و فنا لی گئی ہے اور آخری مصرعے میں بیداری و خواب
میں وارد ہونے والی تردید دونوں حالتوں کی یکسانیت کی خبر دیتی ہے، یعنی مکمل طور پہ بیدار رہ یا خوب سوجا
تو پھر مرتبۂ فنا پہ مرتبۂ بقا کی اولیت و کمال جو تمام اصحابِ سلوک کے نزدیک مسلم الثبوت ہے وہ کیسے معلوم ہوئی۔
اور عارفانِ ذات اس کے اقراری ہیں، یعنی کہ وہ اہلِ بقا کو اہلِ فنا کی نسبت کامل تر شمار کرتے ہیں اور اُسے ہی آخری
یعنی انتہائی درجہ سمجھتے ہیں تو میں کہوں گا کہ کلام میں تقدم (پہلے آنے والے لفظ) ہی اولیت و کمال کو ثابت
کرتا ہے۔ یہ ہے جواب اس مذکورہ بالا سوال کا یعنی کہ کسی چیز کا اول الذکر ہونا ہی موخر الذکر پہ اس کی اوّلیت و
کمال کو ثابت کرتا ہے۔ سو حاصل کلام یہ ہے کہ بہتر یہی ہے کہ دائماً بیدار رہو اور بقا اور مکمل ہشیاری کے
مقام پہ فائز ہو جاؤ اور اسی حالت کو دوامی اور دائمی بنالو، کیونکہ اس سے رشد و ہدایت کے بہت مفید
مطلب نتائج کا ثمرہ ملتا ہے اور اگر ایسا نہ کر سکو اور اپنی اہلیت کی کمی یا سلوک کی کاملیت میں کسی خلل
کے باعث اس مقام کو نہ پہنچ سکو تو پھر چاہیے کہ بالکل ہی نہ سو جاؤ اور مکمل فنا حاصل کر لو، تاکہ بین بین
کی حالت یعنی اونگھ تمھاری محویت اور مشاہدے میں خلل نہ ڈالے اور اعتبارات کا امتیاز تیر سے دل کی
رکاوٹ نہ بن جائے، اور اس مقولے کے بموجب کہ مست و مجذوب اصحاب معذور ہوتے ہیں۔ تو بھی
اللہ تعالیٰ کی حفاظت و حمایت میں مامون و مصئون رہ سکے۔ اور شاعر نے اس رباعی میں اپنے آپ کو
اپنے تخلص سے مخاطب کیا ہے جو مغائرت کی خبر دیتا ہے وہ اس لیے کہ وہ اس وقت متنبہ کرتا ہے
اپنے نفس کو اس کے اوپر وارد ہونے والے حالات سے ظاہر ہوتی ہیں دو حیثیتیں اور دو مغائر چیزیں۔
لفظ شاعر سے مراد اپنی ذات ہے جیسے مجازی اعتبار سے ان اشعار کو مجھی سے نسبت ہے، لیکن اس
آیت کریمہ کے بموجب کہ تم کو اور تمھاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، از روئے حقیقت
ہر امر کی نسبت حق تعالیٰ ہی سے ہے۔ پس حاصل مطلب یہ کہ اس رباعی میں میں نے اپنے آپ کو لفظ درد
سے ندا دے کر مخاطب کیا ہے جو میرا تخلص ہے۔ اور یوں آپ ہی اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنے والے
اور مخاطب میں ایک اعتباری مغائرت ظاہر کی ہے وہ اس لیے کہ اس وقت یعنی یہ رباعی کہتے وقت میں
خود ہی اپنے نفس کو ان وارداتِ قلبی سے آگاہ کر رہا ہوں جو آگاہ کرتے اور ہونے والے کے درمیان

Marfat.com

ظاہر ہوں۔ دو حیثیتیں اور دو چیزیں جن میں اضافی اجنبیت ہو وہ باہم مغائر ہوں گی خواہ وہ حقیقت میں مغائر نہ بھی ہوں۔ پس خطاب کے لیے کافی ہے یہاں یہ تغائر۔ قصہ کوتاہ یہ کہ مجھے غفلت و تباہی سے نکل کر سلوک و آگہی میں داخل ہو جانا چاہیے۔ ہر چند کہ یہ جملہ رباعی کی شرح کی ابتدا میں نہیں آیا لیکن ہے اسی کا ماحصل یعنی جدوجہد کرنی چاہیے تاکہ نفس ناطقہ (روح) سے غفلت جاتی رہے، اور گوناگوں کیفیات کی تباہی کی منزل طے کر کے تمکین یعنی باوقار مقام حاصل ہو جائے، اور سلوک و رشد و ہدایت کا دروازہ کھل جائے اور شعور کی مزاحمت کے بغیر آگہی، حضوری اور مشاہدۂ ذات میسر ہو جائے، کیونکہ تیری اس چند روزہ زندگی کی بیداری تو اک وہم و گمان ہے اور موت کی دائمی نیند در پیش ہے، یعنی یہ موہوم ہوش و افاقہ جسے تم عرصۂ حیات سے تعبیر کرتے ہو اور جس نے تمھیں روزی کے تردّد و تفکر میں ڈال کر محو جستجو بنا رکھا ہے سوائے تیرے توہم کے اور کچھ نہیں۔ جلد ہی موت کی نیند آن پہنچے گی اور تجھے ان دنیاوی امور سے بےخبر بنا دے گی پس اس دُنیا کے مکروہات پہ چند روز صبر کر اور اخروی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کر۔ ہماری یہ زندگی تو شرارے کی ہستی کی مانند ہے۔ اور فرصت صرف اسی قدر ہے جتنی کہ یہ اعتباری ہستی جو مخلوقات کو اس دُنیا میں حاصل ہے وہ شرارے کی ہستی کی مانند ہے جسے ثبات نہیں اور اس عرصۂ حیات کی مہلت اتنی ہی ہے جتنی کہ بیان کر دی گئی۔ پس ہستیٔ بےبود کے معانی کے گہرے مطالعے اور خوب غور و خوض سے پتہ چلے گا کہ ہم اپنے اس ظہور کی شرم کے مارے فنا کی طرف کوچ کر رہے ہیں اور پانی کے بلبلے کی طرح مارے شرم کے آب آب ہوئے جاتے ہیں۔ شرم سے مراد انفعالی حالت ہے۔ پس جب اس حقیقت کا انکشاف ہو گیا کہ ممکنات ظہور میں منفعل ہیں اور ظہور کا فاعل حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں تو اس دنیا میں اپنی اور دوسروں کی عجیب فنا دکھائی دیتی ہے تو یہ تمام اضافتیں اور نسبتیں موج و حباب کی طرح سراپا آب ہی آب نظر آتی ہیں۔ رباعی:

از شرم ظہور خویش نایاب شدیم
یعنے چو حباب در دمی آب شدیم
مانند شرر ہمیں قدر فرصت بود
یک چشم کشودہ باز در خواب شدیم

Marfat.com

ترجمہ رباعی: ہم اپنے ظہور کی شرم کے مارے نایاب ہو گئے۔ یعنی حباب کی مانند پل بھر میں آب آب ہو گئے۔ شرارے کی مانند ہمیں یہاں بس اتنی فرصت (مہلت) ہی تھی کہ ہم نے ایک مرتبہ آنکھ کھولی اور پھر سو گئے۔ اس سے پہلے کے تمام جملے گویا اسی رباعی کی تشریح تھے اور مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ قلبِ سلیم رکھنے والے اسی سے سمجھ جائیں گے۔

Marfat.com

هوالناصح

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے کہ ہر چیز اس کے سوا باطل ہے اور ہر نعمت اس کے سوا زائل ہونے والی ہے اور درود و سلام ہو اس کے رسول محمد صلعم پر جو دُنیا اور اُس کے اندر ہر چیز کی مذمت کرنے والے ہیں، اور آپؐ کی آلؓ اور اصحابؓ پر کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دُنیا کی طرف مائل نہیں۔ اما بعد پس یہ پچاسواں (۵۰) وارد ہے جو بلاغ المبین کے نام سے موسوم ہے۔ بلاغ مبین بدیہی امور کے بیان کو کہتے ہیں نظری امور کے اثبات کے لیے جیسے تو کہتا ہے دُنیا فانی ہے اور تمھاری مراد اس سے یہ ہے کہ معاملے کا دُنیا سے منقطع ہو جانا۔ پس دُنیا کا فانی ہونا لازماً سمجھا جاتا ہے، کیونکہ تو دیکھتا ہے موت کو اپنی ہی نوع کی ہر روز اور دنیوی تعلقات سے دل کے منقطع ہونے کی فضیلت سمجھی جاتی ہے۔ دیکھنے سے اور طبعاً دل چمٹتا ہے دُنیا سے، پس کامل لوگ جو مرجع خلائق ہیں اولیاؒ میں سے اور نائب ہیں رسول اللہ صلعم کے نہیں بیان کرتے، مگر کھلا کھلا بیان کرنا تاکہ دکھائیں لوگوں کو وہ چیز جس کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں لازماً۔ پھر وہ بلاتے ہیں لوگوں کو بدیہیات کے ساتھ ثابت شدہ نظریات کی طرف یہاں تک کہ ہو جاتی ہے ان کی حجت، حجتِ بالغہ (مقصد کو پالینے والی) اور ان کا بیان برہانِ قاطع ہوتا ہے۔ اور پیغام بر کو نہیں ہے مگر کھلا کھلا پہنچا دینا، کیونکہ پیغام ظہور کے مقام کی انتہا ہے ظاہر حق کے لیے؛ اور آخری مرتبہ ہے عبد اور معبود کے درمیان تقرب کا تنزل کی جانب، اور ہوتا ہے سبب بندے کو پہنچانے کا اللہ کی طرف

Marfat.com

اور رسول جو ہیں نہیں بیان کرتے کھول کھول کر مگر اسی امر مبین کو جو ظاہر ہوتا ہے لوگوں پر لازماً اور ان کے بیان میں حجت بالغہ اللہ کے لیے ہوتی ہے اسی لیے وہ ثابت کرتے ہیں اعتبارات ظاہریہ کو، اور مقرر کرتے ہیں احکام شریعہ جو جامع ہوتے ہیں معاش اور معاد کے لیے، اور ان کا پہنچانا ہوتا ہے پہنچانے کے کمال کے ساتھ اور ان کا بیان انتہائی طور پر صراحت کرنے والا ہوتا ہے اور انھوں نے بنایا ہے امور ظاہریہ اور امور باطنیہ کو ایک ہی توحید کی نسبت کی شدت اور قوت کے ساتھ۔ اور ہو گئی حقیقت اور شریعت ایک ہی بات ان کے طفیل سے اور احکام شریعہ سب کے سب پہنچانے والے ہیں حقیقت کی طرف تخصیص کے ساتھ اور پہنچایا انھوں نے لوگوں کو حق کی طرف آسانی کے ساتھ تفہیم میں تردد کے بغیر فقط شریعت کے اتباع کے ساتھ، اور بنایا راستہ عام خواص اور عوام کے لیے، اور الشرع اللہ کا راستہ ہے جس میں کوئی کجی نہیں ہوتی۔ وہ صراطِ مستقیم ہے کہ جس نے اس پر استقامت کی اور اُس پہ چلا اُس نے نجات پائی اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ ہلاک ہوگیا اور گمراہ ہوگیا۔ خاص طور پہ شریعتِ مصطفویہ جو کہ عین وسطی راہ ہے ہدایت کے مقام کے لیے، اور جس کی تعبیر کی گئی ہے اللہ کے کلام میں اللہ کی ہدایت سے اور وہی ہدایت ہے۔ پس اے محمدؐ لو! ہم بھی فیصلہ کرتے ہیں ظاہر پہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اور ہمارے ذمے فرق کھلے کھلے پہنچا دینا ہے (بلاغ مبین) اور ہم تمھیں بلاتے ہیں طریق محمدیہ کی طرف جو ہماری اصطلاح میں محمدیت خالصہ سے تعبیر کی گئی ہے۔ اور وہ عظیم منزل ہے اور مقام ہے جو واقع ہے شریعت کے وسط میں اور اُس کا مغز ہے، اور وہ پہنچانے والی ہے خاصیت کے ساتھ شریعت کی حقیقت تک آسانی کے ساتھ بغیر اس کے اسرار کے سمجھے اور اتباع کرنا ہے اس آخری طریقے کا اعتقاداً اور عملاً۔ پس اعتقاد رکھو اس کے مطابق جو کچھ ہم نے لکھا اور ہم نے لکھنے میں کوئی افراط و تفریط نہیں کی۔ اور عمل کرو اُس کے مطابق جو میں نے کہا اس بارے میں اور ہمارے پاس کتاب (تحریر) ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے پس اُسے لے لو اور اس کی تلاوت کرو اور سمجھو جو کچھ اس کے اندر ہے شاید کہ تم فلاح پاؤ۔

دنیا اور اہل دنیا کی بے ثباتی کے بیان کا باب

دُنیا اور اہلِ دُنیا کی بے ثباتی اور اس جہان اور اہلِ جہان کے محسوسات و معقولات کی

Marfat.com

ناپائیداری محتاج بیان نہیں۔ اور جو کچھ پوشیدہ یا مخفی ہے اور آناً فاناً ہر چیز سے لاحق بھی ہے اور انسانوں کی اکثریت اُسے پا نہیں سکتی (دریافت نہیں کر پاتے) اس کے متعلق ہم نے تجدد امثال والے باب الموسوم "خلق جدید" کی شرح میں اور دیگر مواقع پر بھی ذکر کر دیا ہے۔ اگر غور و خوض سے کام لیا جائے تو مُدعا حاصل ہو جائے گا۔ یعنی دُنیا اور اہلِ دُنیا کی حقیقت یہ ہے جو ہم اب بیان کریں گے۔ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ذی روح نفوس کے لیے دنیا عبارت ہے اس جہان کی مدّتِ حیات سے یعنی کہ دُنیا مُراد ہے موت تلک جسم و روح کی بقا سے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ چاہتے ہیں دنیاوی زندگی، اور متاعِ دُنیا زندگی کی یہی راحتیں اور رنج ہیں، اور حق بات تو یہ ہے کہ یہ متاع سے بھی بہت کم۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ آپؐ فرما دیجیے کہ دُنیا کا تمتع محض چند روزہ ہے، کیونکہ آخر یہ چند روزہ زندگی ہے کیا چیز؟ اور اس زندگی کی راحتوں، لذتوں اور آلام کی کیا مقدار کہ آدمی نہ تو رنج و آلام کا پوری طرح متحمل ہو سکتا ہے اور دکھ درد کی تاب نہ لاتے ہوئے مر جاتا ہے، اور نہ ہی لذت و سرور سے مکمل طور پر لطف اندوز ہونے کی تاب و تواں رکھتا ہے۔ اور عین طرب و نشاط میں شادی مرگ ہو جاتی ہے اور وہ فنا کی راہ لیتا ہے۔ اس امر کی مفصل شرح اللہ تعالیٰ نے "شفاءٌ للناس" والے باب کے اندر اس آیت کریمہ کے ذیل میں کروائی ہے کہ اے ہمارے رب ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیے جس کی ہم کو سہار نہ ہو۔ اور وہی عربی عبارت جو مجھے عالم خواب میں دکھائی گئی اس مقام پر وہ بھی درج ہے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ جتنا عرصۂ حیات بھی یادِ الٰہی، نیک کاموں، اور باقیات الصالحات (ہمیشہ رہنے والی نیکیوں) میں گزر جائے وہی آخرت کی کھیتی میں داخل ہو کر عاقبت کے لیے محمود ہو گا۔ آخرت میں کام آنے والی نیکیوں کے بیج ادھر ہی بوئے جاتے ہیں۔ اِدھر زندگی جتنی غفلت، بُرے کاموں اور فانی چیزوں کے حصول میں صرف کی جائے گی وہ بھی آخرت کی کھیتی میں داخل ہو کر مذموم آخرت کا باعث بنے گی۔ کیونکہ اخروی بدلیوں کے بیج بھی ادھر ہی بوئے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ اہلِ دُنیا اور دُنیا کے بندے اُنھیں کہتے ہیں جو تن پروری اور ان چیزوں کے حصول میں دل و جان سے مشغول رہیں جن پر اکثر و بیشتر لوازماتِ زندگی کا دار و مدار ہے یعنی کہ وہ دولت کے متلاشی اور خود غرض ہوں۔ حیا و مروّت، وفا و محبت جن میں نام کو نہ ہو، اور جو باطنی تزکیہ اور قلبی صفائی سے قطعاً ناآشنا ہوں، دُنیا کو دین پر فضیلت دیں اور دو خوف اکٹھے نہیں ہو سکتے، خوفِ دُنیا اور خوفِ آخرت، ان میں سے اکثر و بیشتر تو ایسے شرپسند، شیطان اور بد فطرت و بدسرشت، نااہل اور سبکسار اور

Marfat.com

سہل انگار ہوتے ہیں کہ ان پر سگ دُنیا کا اطلاق بالکل راست آتا ہے۔ اور اگر ایسے نااہل، ناہنجار اور مُردار خور کتوں سے قطع نظر کر کے اہلِ دُنیا سے مُراد صرف نیک منش دُنیادار اور نیک نہاد لوگ ہی لیے جائیں اس کی بھی گنجائش ہے۔ بہرکیف یہ اصحابِ دُنیا ہی کا حصّہ ہے۔ دُنیا کی زیب و زینت انہی کے وجود سے ہے۔ اگر یہ سب نہ ہوتے تو دُنیا برباد ہو جاتی۔ اور فرمایا نبی پاکؐ نے کہ دُنیا سے بچو، پس اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ ہاروت و ماروت سے زیادہ سحرزدہ کر دینے والی ہے۔ تارک الدنیا وہ لوگ ہوتے ہیں جو تن پروری میں مصروف نہ ہوں۔ کیونکہ وہ اس مقولے کے مطابق کہ آخر تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ وہ بغیر کسی طمع کے یہ ادا کریں بھی مگر اس کے حصول کے لیے تگ و دو نہیں کرتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انھیں بن مانگے ہدیوں کی شکل میں بہت سی کشائشیں بہم پہنچا دیتا ہے۔ اور دوسرے بندوں کے ساتھ ان کی آشنائی اور دوستی محض فی سبیل للہ اور بے غرضانہ ہوتی ہے۔ اگرچہ کبھی کبھار محض اتفاقیہ طور پر غرض بھی بیچ میں آن ٹپکتی ہے۔ وہ ہر کسی کے ساتھ حیا و مروّت سے پیش آتے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات مصلحتاً بے مروتی بھی کرتے ہیں لیکن ہمہ تن ہمہ اوقات وہ دینی اور اخروی کاموں میں مصروف رہتے ہیں اور اس دُنیا کی طرف لازمی بشری تقاضوں کے مطابق ہی توجہ کرتے ہیں۔ جان لو کہ دُنیا فانی ہے اور موہوم اعتبارات سے عبارت ہے، جو دھوکا دیتی ہے تمہارے داہموں کو ان سے اور تمھیں دھوکا دیا دنیاوی زندگی نے حقیقت کا ادراک نہ پانے کی وجہ سے، اور دُنیا کی زندگی نہیں ہے مگر دھوکے کی ٹٹی اور اگر تم نے صبر کیا اور تم نے چھوڑ دیا اتباع اپنے اوہام اور اپنی خواہشات کا، اور تم نے تقویٰ اختیار کیا اور بچے نفسانی اور طبعی آلائشوں سے، اور تم نے کیا وہ جس کا تمھیں حکم دیا اللہ نے حقیقت کو منکشف کرنے کے بارے میں شرع مصطفویؐ میں اور طریق محمدیؐ میں تو بے شک یہی پُرعزم کام ہیں۔ اور جھلا یو کہ خوش ہوتے ہیں اس سے جو ان کے پاس ہے اموال دُنیا میں سے اور وہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے اس بات پر جو وہ کرتے ہیں نہیں ہیں ترک دُنیا میں سے، ان کے بارے میں یہ گمان مت کرو کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے اور وہ تو رنگا رنگ عذابوں میں مبتلا ہوں گے، اور ان کے لیے عذابِ الیم ہے افکار و ترددات کثیرہ کے ساتھ۔ نہیں کم کیا جائے گا ان کے لیے عذاب اور نہیں ہے ان کے لیے کوئی دوست اور مددگار۔ وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور اُس پہ توکل کیا اور سچائی کی نشست پر بیٹھے اور وہ نہیں جاتے امراء اور سلاطین کے دروازوں پر، یہی اللہ کے بندے ہیں اور انہی کے لیے دُنیا و آخرت

Marfat.com

میں عزت ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے، عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے قناعت عطا کر کے اور ذلیل کرتا ہے جسے چاہتا ہے طمع کی آزمائش دے کر۔ اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ ہمیں صبر فراغت سے عطا کر، اپنی جناب سے فقر کی روزی میں اور ثابت رکھ ہمارے قدم توکل کے مقام پر اور مدد فرما ہماری ظاہری و باطنی نصرت کے ساتھ اور عطا کر ہمیں اپنی جناب سے اچھا رزق، بے شک تو علیم و خبیر ہے۔ اللہ، اللہ اصلی بادشاہت وہ نہیں جو ان لالچی گداؤں کی نظروں کو لبھانے والی یہ ظاہری عظمت و شان و شوکت ہیں۔ جو ہوا و ہوس کے ماروں کو حسین نظر آتی ہے۔ دُنیا کے مال و متاع پہ شاہانہ غرور و تکبّر تو اک گناہ ہے۔ عظمت و کبریائی وہی ہے جو حق تعالیٰ کی حمایت و اعتماد پہ کی جائے۔ خدا آگاہ بادشاہوں کو غرور زیب نہیں دیتا۔ یہ دُنیا اس لائق نہیں اور درویش خدا مست کو ان کے سامنے عجز و انکسار سے کام نہیں لینا چاہیے تاکہ دُنیا غالب نہ آجائے۔ تم میں سے بعض ایسے ہیں جو دُنیا چاہتے ہیں اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جو آخرت چاہتے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ سینوں کے اندر ہے۔ رباعی:

تا کے مغرورِ پادشاہی بودن
ہنگامۂ کبر جہان پناہی بودن
امروز بہرچہ میتوانی مے ناز
فردا تو بیادِ کس نخواہی بودن

ترجمہ رباعی: بادشاہت پہ کبر و ناز تا کجے اور جہاں پناہی کے ہنگاموں میں کب تک مصروف رہوگے۔ آج جس چیز پہ چاہے اترا لے، کل قیامت کے دن تجھے کسی کی یاد بھی لاحق نہ ہوگی۔ یہ عبارت حکمرانی کے متعلق ہے، اگرچہ بظاہر بادشاہوں کا حصہ نظر آتا ہے۔ مگر ذرا غور کرو تو یہ حکومت ہر زندہ انسان کو اپنے حال کے مطابق حاصل ہے، جو اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا پر حکمرانی کرتا ہے۔ اپنے ہی ارادے سے حرکت کرتا ہے اور جتنی بادشاہت اُسے عطا کی گئی ہے اس پہ پورا تصرف رکھتا ہے، اپنے فرزندوں بال بچوں اور ماتحتوں، لگے بندھوں اور نوکر چاکروں پہ حکم چلاتا ہے۔ لہٰذا یوں ہر شخص بادشاہ ہے اور اپنی بادشاہت کا جواب دہ ہوگا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم سب راعی ہو اور ہر راعی کو اس کی رعیّت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ جہاں پناہ تو بادشاہوں کو مجازی طور

Marfat.com

پر کہتے ہیں کہ سلطنت کے باشندوں کی بہبود و سلامتی ان کے وجود سے قائم ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر آدمی اپنے لیے جہاں پناہ ہے کہ اُس کے ساتھ اس کی اپنی دُنیا قائم ہے۔ امروز (آج) سے مراد اس ہستی موہوم کا یہ میدان ہے۔ اور فردا (کل) سے مُراد مرنے کے بعد کا زمانہ (فردائے قیامت)۔ آج اگر سلیمان علیہ السلام کی طرح وہ شاہ زمانہ ہے اور ہوا اُس کا تخت لے کر چلتی ہے، اور اگر آبِ حیات کی بدولت سکندر جہاں ہے تو کیا؟ حاصل مطلب یہ کہ اس دُنیا کے ظاہری اسباب اور اقتدار کے حصول پہ فریفتہ نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جو خدا کے نبیؑ بھی تھے، اپنے اس عام تزک و احتشام و اقتدار کے ساتھ جو ان کے بغیر کسی اور کو حاصل تھا اور نہ ہوگا، بالآخر نہ وہ رہے اور نہ وہ ٹھاٹھ۔ فرض کرو اگر سلاطین میں سے کوئی ان کے جاہ و مرتبے کا جھوٹا دعویٰ کرے بھی اور توہمات سے اسی فریب میں وہ بزعم خود اپنی بادشاہت کو قائم و برقرار سمجھے۔ لیکن حقیقت میں نہ تو اُسے قرار ہوتا ہے نہ ثبات۔ اُس کی سلطنت کا تخت ہر لحظہ فنا کی طرف رواں دواں اور وہ خود اس ملک سے گریزاں۔ حضرت سلیمانؑ کے تخت کی مناسبت سے لفظ رواں نے جو لطف پیدا کر دیا ہے، وہ ظاہر ہے۔ وہ تخت ہوا میں اڑتا تھا (بربادمیرفت) اور آخر برباد ہو کر رہ گیا۔ اور پھر سکندر اور آبِ حیات سے اُس کی محرومی کا قصہ بھی خاصا مشہور اور زبان زد عوام و خواص ہے کہ چشمۂ آبِ حیات تک پہنچ کر بھی محروم رہا۔ یہ بات بادشاہوں اور امیروں کے لیے بالخصوص اور ہر شخص کے لیے بالعموم مناسب حال ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا رباعی میں اس کی تشریح ہو چکی کہ تم سب راعی ہو اور ہر راعی کو اس کی رعیّت کے متعلق باز پرس ہوگی۔ لہٰذا اس مختصر سی مہلت اور وقت کو غنیمت جانو۔ نیکی کا بیج بوؤ، کیونکہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یا پھر ندامت و حسرت باقی رہ جائے گی۔ خود اپنے آپ کو اور دوسرے اہلِ جہان کو دیدۂ عبرت نگاہ سے دیکھو۔ موقع کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے کیونکہ یہ عرصۂ حیات پھر حاصل نہ ہوگا۔ اور جتنی تھوڑی بہت فرصت ہے وہ بھی ہاتھ نہ آئے گی۔ دُنیا تو عملوں کا گھر ہے۔ جس نے جو کچھ بویا وہ دارِ آخرت میں وہی کچھ کاٹے گا۔ کیونکہ وہ تو دارالجزا ہے۔ پس جہاں تک ہو سکے نیک کاموں میں کوتاہی نہ کر، اور اپنے قیمتی وقت کو ضائع نہ کر، کیونکہ آخرت میں ندامت اور پچھتاوے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور کوئی شخص بھی کہنے سے کہ ہمیں لوٹا دے تاکہ ہم نیک کام کر سکیں کبھی اس دُنیا میں دوبارہ نہ آسکے گا۔ مزید وعظ و نصیحت کتابوں میں درج ہے اور تجھے بھی خدا نے عقل و شعور دے رکھا ہے۔ تم پر خدا کی سلامتی و کرم ہو۔ یعنی نیک اور بھلے

Marfat.com

کاموں، ذکر اذکار، اخلاق کو سنوارنے سدھارنے والی باتوں کی جزئیات تک کی تفصیل فقہ سلوک اور اخلاق کی کتابوں میں درج ہے اور اُن کے سمجھنے کے لیے خدا نے ہمیں اور تمھیں عقل و شعور دے رکھے ہیں۔ اس لیے یہاں ہم ہر جزو کی تفصیل میں نہیں گئے، اور اپنے کلام کو سلام و اکرام کے دعائیہ کلمات پر ختم کر دیا۔ اور اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ پند و نصیحت تو ہر کسی کے ذہن کی تختی پر مرقوم ہیں اور ہر شخص کو اپنی نیکی اور بدی معلوم ہی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں واضح طور پہ آیا ہے کہ قسم ہے انسان کی جان کی، اور اُس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا، پھر اس کو بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں کا) اس کو القا کیا یقیناً وہ مُراد کو پہنچا جس نے اس جان کو پاک کر لیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو فجور میں دبا دیا۔

ایک عمدہ نصیحت ہر جزوی فعل کو بیان کر کے خدا کے بندوں کو طعن و طنز اور لعنت ملامت کا ہدف بنانا اور اوروں کے دلوں پہ بوجھ ڈالنا اور خود پرے ہٹ جانا تو بے اثر ناصحوں اور بے خبر واعظوں کی رسم و راہ ہے۔ جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کوئی کسی کی بات نہیں سنتا۔ اور کسی ایک ہی جزوی امر کے گرد گھومتے رہنے سے تو خیر و شر کی ساری باتیں معلوم نہیں ہو جاتیں۔ اور کسی کے کہنے سے کسی کا دل کسی چیز کی طرف نہ تو مائل ہوتا ہے اور نہ ہی بیزار۔ جب تک کہ حق جل جلالہٗ جو مُقلّب القلوب ہے دلوں کو کسی ایک طرف نہ گھُما دے۔ لہٰذا عارفانِ حق پہلے تو اپنی نیک صحبت کی برکت سے اپنے مخلص پیروکاروں کے دلوں کو ماسوی اللہ سے پاک کرتے ہیں اور پھر اپنی محبت کے جذب و کشش سے اُنھیں حقیقت تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کی حضوری اور مشاہدے سے مشرف فرما دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد وہ امر معروف اور نہی عن المنکر کی کُلیّات اُنھیں سمجھاتے ہیں، اور اسی ضمن میں بعض جزئیات بھی بیان کر دیتے ہیں لیکن فی الحقیقت اُنھیں معانی کلّی کا دکھانا ہی مقصود ہوتا ہے۔ بالکل اہل ظاہر کے برعکس جنھیں ہر امر کا جزئی بیان ملحوظ خاطر ہوتا ہے۔ وہ اسی کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔ اگرچہ اسی تقریب میں کلی معنی بھی درمیان میں آتے ہیں۔ مگر یہ مقلدین عوام کو محض شرع کے ظاہر کا درس دیتے ہیں۔ اور محقّقین بھی ظاہر شریعت ہی کی تعلیم دیتے ہیں، اور ساتھ ہی اُنھیں ان کی استعداد کے مطابق شریعت کی حقیقت سے بھی بہرہ مند کرتے ہیں۔ اور ان کے باطن میں نورِ ہدایت کا چراغ روشن کر دیتے ہیں۔ اس کی روشنی میں وہ بُرے اور بھلے کو خود دیکھتے ہیں اور شرّ سے پرہیز اور نیکی سے التفات کرتے ہیں۔ لہٰذا عارفان ذات اور اولیا اللہ کی ہدایت ہی کلّی ہدایت ہے اور عالموں اور

Marfat.com

صالحوں کی ہدایت جزئی ہدایت ہوتی ہے۔ اور دونوں حق سبحانہ تعالیٰ کی ہدایت کے مظہر ہیں، اور اسی جل شانہ، کی ہدایت حقیقی ہدایت ہے۔ اور بے شک جسے خدا نے ہدایت دی وہی ہدایت یافتہ ہوا۔ رباعی:

شاہا چو گدا با دل غمناک نشیں
بیباک چنیں نہ زیر افلاک نشیں
زاں پیش کہ با خاک برابر گردی
از تخت فرود آ و بر خاک نشیں

ترجمہ رباعی: اے بادشاہ تو بھی افلاک کے اس خیمے تلے یوں بیباکانہ زندگی بسر نہ کر بلکہ گداؤں اور مسکینوں کی طرح غمناک و غمگین دل کے ساتھ زندگی گزار، اس سے قبل کہ تجھے سپرد خاک کر دیا جائے اپنے اس تختِ شاہی سے نیچے اُتر اور خاک نشین بن جا۔ اس رباعی میں بھی اسی طرح کلی طور پر وعظ و نصیحت ہے جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ یعنی پہلے مصرع میں بادشاہ سے تخاطب ہے خواہ اس جہانِ آب و گل کا بادشاہ ہو یا اقلیم دل کا، غمگینی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ امر کلی تمام نیکیوں میں سر فہرست ہے۔ کیونکہ جس کسی کے دل میں آخرت کا غم و اندیشہ ہوگا یقیناً اس سے نیک کام کے سوا اور کچھ ظہور پذیر نہ ہوگا، اور یہ بات بخشش اور مغفرت کا موجب سمجھی جاتی ہے، کیونکہ قلب کی رقّت خدا کی رحمت کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور دوسرے مصرعے میں جہاں بیباکی سے روکا گیا ہے، لفظ افلاک سے مراد گردشِ افلاک ہے جو زمانے کے تغیّر و تبدّل کا موجب ہے۔ یقیناً اس امر کا تصور بہت سے نیک کاموں پر منتج ہوتا ہے۔ جو کوئی بیباکانہ زندگی نہیں گزارے گا اس کی نگاہ میں دنوں کا یہ الٹ پھیر (ردّ و بدل) ہر وقت سامنے رہے گا۔ وہ خدا سے ڈرتا رہے گا، اس کے تمام احوال کا انجام بخیر ہوگا۔ اور تیسرے مصرع جس میں ہر شخص کی موت اور سپرد خاک ہونے کا ذکر ہے۔ یقیناً اس کا مطالعہ تمام احوال کا اصلاح کنندہ ہے، کیونکہ تمام شرّ و فساد اور گناہ موت کے بھلاتے ہی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ چوتھے مصرعے میں خاک نشینی کا حکم ہے۔ جس سے مراد حق تعالیٰ کے حضور میں عاجزی و انکساری ہے۔ یہی اس کے کلی معانی ہیں اور تمام عبادات میں سر فہرست۔ کیونکہ ہر شرّ سرکشی و غرور و خود غرضی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور تخت سے نیچے اُترنے سے ہماری مُراد ہے غرور و تکبّر کی مسند سے نیچے اُترنے اور خودی و انانیت

Marfat.com

کے دعوے کو ترک کرنے سے - آخری مصرعے میں لفظ "فرود" پہ وقف کرنا چاہیے (رکنا چاہیے) اور حرف (د) کو (الف) سے ملا کر نہ پڑھنا چاہیے تاکہ شعر کا وزن درست رہے - اور اس قسم کا استعمال استادانِ شعر و سخن کے کلام میں آیا ہے اور تتبّع کرنے والوں پہ پوشیدہ نہ رہے گا -

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑے رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو حکیم احکم ہے۔ جس نے پیدا کیا اور برابر بنایا اور علیم اعلم ہے۔ جس نے اندازہ کیا اور ہدایت دی اور درود و سلام ہو اس کے رسول محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم احمد مجتبیٰ پر، اور آپؐ کی آل اور اصحابؓ ہدایت کے ستاروں پر۔ اما بعد یہ اکاونواں (۵۱) باب ہے جو حکمتِ کاملہ سے موسوم ہے۔ حکمت کے معنی ہیں علم بڑی بڑی کے احوال کا جیسے کہ وہ نفس امر میں ہو۔ اگر وہ طاقتِ بشریہ کے مقدور کے مطابق ہو تو یہ حکمتِ ناقصہ ہے، جیسا کہ حاصل ہوتی ہے تمام مجازی حکماء کو انسانی افراد میں سے، اور اگر یہ بلا لحاظ طاقتِ بشری کی قید کے ہو جو حکمتِ کاملہ ہے جیسے کہ یہ حاصل ہے حکیم حقیقی جلّ برہانہٗ کو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ علیم ہے اس کا اسی طرح جیسے وہ ہے نفس امر میں حسبِ علم الٰہی جو کہ اس کی ایجاد اور انوکھے پن کا سبب ہے۔ اور بے شک اس نے احاطہ کر لیا ہے ہر چیز کا علم کے لحاظ سے، اور کتنے ہی قدرتِ الٰہیہ کے عجائب ہیں جو نفس امر میں واقع ہے مگر بشری طاقت ان کے ادراک کی قدرت نہیں رکھتی اور اُس کی ماہیت کے ادراک سے عاجز ہے۔ حکمت کاملہ کے مظاہر میں سے کچھ بھی نہیں، مگر وہ کہ جسے سکھایا ہو اللہ نے اپنی جناب سے علم۔ جیسے انبیاءؑ اور اولیائے کرام پس حکماءؒ جنھیں فلاسفہ کہا جاتا ہے ان کی حکمت ناقص ہے ان کی عقلوں کے نقص کی شراکت کی وجہ سے جسے طاقت بشریہ کہا جاتا ہے اور اولیا جنھیں صوفیا کہا جاتا ہے وہ بھی حکماء کے زمرے میں داخل ہیں۔ اور اشراقی اگر

Marfat.com

تو اہلِ باطن میں سے ہیں اور کشف میں سے کیونکہ ان کا کشف اور ان کا عرفان خارج نہیں النفس و آفاق کی بات سے، اور نہیں طلوع ہوا ان پہ حقیقت کا سورج جو کہ النفس و آفاق سے ورا ہے۔ اور دکھاتا ہے اللہ تعالیٰ اُنھیں اپنی آیات، ظلالیہ آفاق میں اور ان کے اپنے نفسوں میں یہاں تک کہ ان کے لیے کھول دیتا ہے وہ باتیں اور ان کے لیے جو ان کی پیروی کرنے والے ہوتے ہیں خالص محمدیوں کے بیان میں سے بے شک یہ حق ان آیات سے ورا ہے۔ اور حجت قائم ہوتی ہے نفس کے ساتھ اور حجت بالغہ اللہ کے لیے ہے۔ اور خالص محمدی مظاہر ہیں حکمتِ کاملہ کے بالجملہ جس چیز کا تقاضا کرتی ہے حکمتِ کاملۂ الٰہیہ کہ ظاہر ہو اس کا مقتضیٰ۔ پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے انسان اور بھیجا افرادِ انسانی میں سے رسول انھی میں سے، پڑھتا ہے ان کے اوپر اس کی آیات اور اُنھیں پاک کرتا ہے اور سکھاتا ہے اُنھیں کتاب اور حکمت اور معیّن کیے ہر رسول کی امّت میں سے صدیق، جنھوں نے کہ اس نبیؐ کی تصدیق کی، جیسے کہ تصدیق کرنے کا حق ہوتا ہے۔ اور ہوئے اس کے خلیفہ، یہاں تک کہ بھیجا اللہ نے خاتم النّبیینؐ کو اور مکمل کیا ان سے ہر رسالت کو اور ختم کیا، اور ان کی اُمّت میں بھی ظاہر کیا صدیقوں کو، پس وہ خلفا ہوئے۔ اور ائمہ کو اور اولیاء کو اور ظاہر کیا اپنے حبیب کی نسل سے ایک چمکدار سورج کو جو پردے کو کھولنے والا ہے، دُنیا کو ہدایت دینے والا ہے اور خالص محمدیؐ ہدایت سے رہبری کرنے والا ہے، چلنے والا ہے مسلکِ نبویہ پر مددگار ہے دین میں پہنچانے والا ہے حق یقین کی طرف اور بنایا اُسے محمدیوں کا امیر اور امانت دار بیٹھنے والا، پس پاک ہے اللہ بہترین پیدا کرنے والا رب!!

بدن کے ساتھ نفس کے تعلق کے بیان کا باب

حق سبحانہ تعالیٰ نے انسانی روحوں کو اپنی حکمت بالغہ سے جسموں سے متعلق کر رکھا ہے اور اُنھیں جسموں پہ قابض بنایا ہے، تاکہ حضرتِ انسان پر جو اللہ جلّ شانہ' کا نائب ہے، فلکی یا ارضی یا کلی و جزوی چیزوں میں سے کچھ بھی پوشیدہ نہ رہے۔ کیونکہ کسی شے سے مکمل نسبت حاصل کیے بغیر اس شے کا علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر یہی تشبیہہ جسم انسانی سے لاحق نہ ہوتی تو وہ انسان نہ ہوتا، صرف فرشتہ ہوتا اور تشبیہی امور سے غافل (نابلد) رہتا۔ اگر انسان میں روحانی تنزیہہ نہ ہوتی تو وہ حیوانِ مطلق ہوتا اور تنزیہی اُمور سے آشنا نہ ہوتا۔ پس اس حکیمِ مطلق نے اپنی حکمتِ بالغہ سے اسے ملکوتی اور حیوانی مرکب کی شکل میں پیدا کیا۔

Marfat.com

اور انسانیت کے بلند و پست مراتب کو انہی اجزا کی کمی و بیشی سے متعلق کر دیا۔ یعنی جس شخص میں حیوانی اوصاف پہ ملکوتی اوصاف غالب ہیں وہ کامل تر ہے اُس شخص کی نسبت جس میں حیوانی اوصاف غالب ہوں۔ اور حیوانی امور سے بالکل انقطاع کر کے صرف فرشتوں کے اوصاف پیدا کرنا کمالِ انسانیت نہیں ہے، کیونکہ یہ حالت تو سبھی فرشتوں کو حاصل ہے اس میں انسان کی کیا فضیلت۔ اسی طرح ہمہ تن حیوانی امور میں مصروف ہو جانا بھی انسانی کمال نہیں ہے۔ کیونکہ یہی کیفیت تو تمام حیوانات کو بھی حاصل ہے۔ پھر انسان کو ان پہ کونسی خوبی و برتری ہوئی۔ لہٰذا کامل انسان وہ ہے جو ملکوتی اور حیوانی امور کو اپنی ذات میں یکجا کر کے ہر مرتبے کے موقع محل کے مطابق کام کرے اور ملکوتی جانب کو غالب اور حیوانی کو مغلوب رکھے۔ یعنی حضور نبی کریم صلعم (ان پر خدا کا درود و سلامتی) کی شرع کے مطابق عمل کرے اور شریعت کی حقیقت کا علم سیکھے اور محمدیؐ طریق کے مسنون اوصاف و اخلاق اپنائے اور باطنی کمالات پیدا کرے۔ اور یوں تمام مراتب کا مجموعہ بن کر ذاتِ حق کا آئینہ دار اور محمدیؐ طریق سے فیض یاب ہو کر انسان کامل بن جائے اور حاوی ہو جائے اس پہ جو کچھ دُنیا میں خلق و امر میں سے ہے۔ یہ ہے روح کے بدن کے ساتھ تعلق پیدا کرنے اور اُس پہ متصرف (قابض) ہونے کی حکمت کا بیان، کیونکہ تنزیہی حُسن بھی اسی تشبیہی آئینے میں نظر آتا ہے اور کمال تشبیہہ بھی اسی مرتبے میں سمجھ آتا ہے۔ رباعی:

موجود چو در عالم اظہار شدیم
آگہ ز ہمہ نہفتہ اسرار شدیم
ای درد ز بیرنگی خود فہمیدیم
وقتیکہ بصد رنگ نمودار شدیم

ترجمہ رباعی: ہم اس عالم اظہار میں وجود میں آئے تو ہم تمام چھپے ہوئے اسرار و رموز سے آگاہ ہو گئے اے درد سینکڑوں رنگوں میں نمودار ہوئے تو اپنی بے رنگی کا پتہ چلا۔ (مصنف رباعی کی تلمیحات کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ) عالم اظہار سے مراد عالمِ شہادت ہے۔ پوشیدہ اُسرار و رُموز سے مراد عالمِ غیب ہے۔ بیرنگی سے مراد مادہ سے علیحدگی اور سینکڑوں رنگوں میں نمودار ہونے سے مراد مادہ کا قرب و نزدیکی ہے۔ سو رباعی کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب ہم اس عالم شہادت میں آئے تو ہم پہ عالمِ غیب کے اسرار و رموز منکشف ہوئے۔ نفس ناطقہ (روح) کا تجرد زمانی اس وقت سمجھ میں آیا جب ہم نے مادہ سے قرب پیدا

Marfat.com

کیا اور آلات بنائے ۔ چیزیں اپنی اضداد ہی سے پہچانی جاتی ہیں ۔ کیونکہ ہر شے کا امتیاز اس کی ضد ہی سے پیدا ہوتا ہے ۔ پس تمام امور اور چیزوں کا ظہور ان کی حیثیّات و اعتبارات و اختلاف کی بنا پر ہوا ۔ لہذا مجردات (غیر مادی چیزوں) کو مادیات سے ہی پہچانا جا سکتا ہے ، اور علم الٰہیات کو علم طبیعات سے ۔ اسی لیے علم الٰہی کو جو علمِ حکمت ہی کی اک نوع ہے علم مابعد الطبیعات بھی کہتے ہیں ۔ ورنہ ہستی کے لحاظ سے الٰہیات طبیعات پہ مقدم ہیں ۔ اور اسی لیے اسے علم ماقبل طبیعات بھی کہتے ہیں ۔ کیونکہ پاک و پاکیزہ خو روح جسمانی کثافتوں کے قرب کے بغیر اپنی لطافتوں کے ادراک سے محروم تھی ۔ یعنی کہ انسان جسمانی آلات پہ تصرف حاصل کرنے سے پہلے اپنی مادی حالت اور اُس کی لطافتوں سے محروم تھا اور اُسے اپنی استعداد میں پائے جانے والے کمالات اور ان کے اوصاف کی تفصیلات کا ادراک نہ تھا ۔ اس کا علم حضوری و مشاہدہ علم حصولی (اکتسابی) علم کی تفصیلات کو نہ دیکھ سکتا تھا ۔ لہذا اس آیتِ کریمہ کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے ۔ پھر ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست کر دیتے ہیں ۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو ان کے لیے اس قدر ثواب ہے کہ کبھی منقطع نہ ہوگا ، کے بھی یہی معانی ہیں ۔ کہ ہم نے انسان کو عمدہ ترین سانچے میں ڈھال کر بنایا یعنی اس کی روح کو عالم بالا کے فرشتوں کا سا بنایا جس کا تعلق اس غیر مادی اور الٰہیات کے عالم سے ہے ۔ پھر اس کے بعد ہم نے اُسے پست سے پست تر کر دیا ۔ یعنی پہلے ہم نے انسانی ارواح کی تخلیق فرمائی اور پھر اُسے مادہ اور جسمانی آلات کے قرین بنایا تاکہ وہ ان پہ مفصل اور مکمل تصرف کے بعد کلیات اور جزئیات کا ادراک کر سکے اور پھر کمال حاصل کرے ۔ اور اس آیت کریمہ میں مومنین اور صالحین کو جو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے ، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُنھیں مادہ کا قرب نہیں بخشا ، یا آلات پہ تصرف نہیں دیا ، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مومن اور صالح لوگ عارفانِ ذات ہوتے ہیں وہ اس پست سے پست تر مقام میں گرائے جانے کے باوجود یعنی رُوح کے مادی اور جسمانی قرب کے باوجود بھی جسمانی لذتوں میں گرفتار نہیں ہوتے ۔ اور ہمیشہ اپنی توجہ کو اس عالم مجردات ہی پہ مرکوز رکھتے ہیں ۔ بلکہ اس مرتبے سے پہلے کی نسبت بھی زیادہ معرفت اور مناسبت پیدا کر لیتے ہیں ۔ اور ہمیشہ اس ذات پاک و واحد کے مشاہدے میں مصروف رہتے ہیں ۔ اس جہان سے حاصل ہونے والا جو کچھ تھا وہ سمیٹ کر اپنے ساتھ لے گئے اور دُنیاوی نقصانات و مضرّات سے محفوظ رہے ۔ لہذا اس قسم کے بندوں نے اگرچہ بظاہر تو پستی

Marfat.com

کی طرف نزول کیا لیکن حقیقت میں وہ اعلیٰ علّیین کی بلندیوں ہی پر رہے۔ اور اُس کریم مطلق کے اجرِ عظیم اور بلا احسان، عطا و بخشش کے سزاوار ٹھہرے اسی لیے قرآن پاک کہتا ہے کہ اُنھیں اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ کیونکہ روح کے لیے مفصل کمالات کی تفصیل کا ادراک تو انہی آلات پر موقوف ہے۔ اور اس جملے میں آلات کو اسی آیت کریمہ کے مطابق مادیات کہا گیا ہے۔ یعنی انسانوں کو خوبصورت سانچے میں ڈھالا لیکن وہ اس پست اور نچلی سطح پر آئے بغیر مرتبۂ کمال کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ انسانی ترقی کا تعلق علم سے ہے اور علم کا حاصل کرنا نفس کے آلاتِ جسمانی پہ تصرف پر موقوف ہے یعنی انہی پستیوں پر جسم و جان کی جدائی کے بعد وہ حاصل کردہ ملکہ یا ملکات باقی رہیں گے، اور اس میں عقلی یا نقلی لحاظ سے کوئی شک و شبہ نہیں۔ یعنی کہ جب روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گی تو یہی ملکات (پوری مہارتیں) جو روح نے انہی آلات کی بدولت حاصل کیے ہیں وہ زائل نہ ہوں گے اور بدستور باقی رہیں گے اور نیکیوں اور برائیوں کے نتائج اس کے ہمراہ ہوں گے۔ یہ بات عقلی دلائل سے بھی ثابت شدہ ہے، اور علوم منقول یعنی شرع کی زبان بھی مسلّم الثبوت اور واضح و عیاں ہے کہ انسانی ارواح کو دُنیا میں اسی لین دین (تجارت) کے لیے بھیجا گیا تھا۔ جس کا نفع یا فائدہ وہ اگلی دُنیا میں پائیں گے۔ جن لوگوں نے اس تجارت کی قدر نہ پہچانی اور اس دُنیا کے ناقص مال ہی خرید کیے وہ گھاٹے اور نقصان میں رہ گئے۔ اور اپنے ہاتھ سے نقدی بھی گنوا بیٹھے (یعنی اگلے جہاں میں سزا و عقوبت سے لاعلمی) انہی کے متعلق قرآن نے فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے۔ تو سودمند نہ ہوئی ان کی یہ تجارت اور نہ ہی یہ ٹھیک طریقے پر چلے۔ رباعی:

نیرنگیِ تشبیہہ ضرورت افتاد
در عالمِ تنزیہہ کدورت افتاد
آں دل کہ چو آئینہ صفا آئین بود
اکنوں بگرفتاریِ صورت افتاد

ترجمہ رباعی: نفس انسانی کو اس عالم تشبیہہ میں نیرنگی ہائے زمانہ سے ضرورتاً واسطہ آن پڑا جس سے عالم تنزیہہ میں کدورتیں آن پڑیں، اور وہ دل جو آئینے کی طرح صاف و شفاف تھا اب انہی صورتوں اور ان کی تشبیہوں کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔ (مصنف خود ان اشارات و کنایات کی کڑیاں یوں کھولتا ہے کہ) روح انسانی کو اس عالم تشبیہہ پہ متوجہ ہونے اور اربعۂ عناصر کے اس مرکب بدن سے تعلق و واسطہ مجبوراً د

Marfat.com

بالضرورت آن پڑا۔ کیونکہ اس کے بغیر ابدی سعادت کا اکتساب ممکن نہ تھا۔ لہٰذا غیر مادی اور بالائی عالم میں روح انسان کو اس مادی جسم کی کثافتوں اور کدورتوں سے پیوست ہونا پڑا۔ سو وہ دل جو شیشے کی طرح صاف اور شفاف تھا اور اعتبارات موہومہ کے جال میں نہ پھنسا تھا اب وہ رنگ برنگی صورتوں اور ان کی تشبیہات میں کھو کر رہ گیا ہے۔ اعتبارات کا امتیاز اس کا دامن گیر ہے۔ اللہ ہی اُسے بخشے اور اس بات کا اُسے نفع پہنچائے، اور انبیا کے سردار، گناہگاروں کے شفاعت گزار حضور سرورِ کائنات (ان پر خدا کا درود و سلام) کے طفیل اُسے ضرر سے مامون و مصئون رکھے۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ڈال دیا اپنے بندے پر قول ثقیل اور بنایا اُسے لوگوں کے لیے ہدایت دینے والا اور درود و سلام ہو اس کے رسول محمدؐ صلعم پر جس نے اللہ کے سوا کسی کو خلیل نہ بنایا اور آپ کی آلؑ اور اصحابؓ پر جنھوں نے اپنے رب کا راستہ اختیار کیا، اما بعد پس یہ باونواں (۵۲) باب ہے جو قول ثقیل سے موسوم ہے۔ اگر قول بوجھل ہو زبان پر لفظاً یا کانوں پر اس وجہ سے جو اس کے اندر ہوں بُرے معنی پس وہ قبیح اور مذموم ہے اور وہ فصحا اور عارفین کے کلام میں نہیں آتا۔ اور اگر ہو وہ ثقیل معانی کی کثرت اور اس کی عظمت بہت سے لوگوں کے دلوں پر واقع ہوتی ہو تو وہ قول اچھا اور قابلِ تعریف ہے اور یہ بلیغ اور عارف لوگوں کے کلام میں ہوتا ہے جیسا کہ اللہ عزّوجل نے اس اعتبار سے فرمایا ہے۔ بے شک ہم ڈالیں گے تم پر ثقیل قول۔ پس جب اللہ نے ڈالا مجھ پر قول ثقیل اور وہ ہے لفظ (کن) اور میں ہو گیا موجود انسانی طور پر اس کے حکم سے۔ پس میں نے کہا اے رب مجھ میں کچھ طاقت نہیں اس قولِ ثقیل کے اُٹھانے کی، اور وجود کے بوجھ نے میری کمر توڑ دی اور میرا سینہ ان قیود سے تنگ ہو گیا۔ کہا نہ ڈر اور نہ رنجیدہ ہو، ہم نے دُور کر دیا تجھ سے تیرا وہ بوجھ جس نے تیری کمر کو توڑ دیا اور ہم نے کھول دیا تیرے لیے تیرا سینہ اور بلند کر دیا تیرے لیے ذکر تیری انانیت کی بلندی کے ساتھ، پس دیکھ کہ بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ پس یہ مقام تنگی و آسانی کے

Marfat.com

اجتماع کا مقام ہے۔ تقیّد (بندش) کی حیثیت سے تنگی اور آزادی کے لحاظ سے آسانی۔ بیشک عُسر (تنگی) کے ساتھ یُسر (فراخی) ہے۔ پس جب تو فارغ ہو ان اعتبارات کے حقوق کی ادائیگی سے تو لگ جا اچھی طرح خالص عبادت میں اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جا۔

اس بیان کا باب کہ امتیاز ایک ایسی مصیبت ہے جو نفس سے کبھی زائل نہیں ہوتی

امتیاز کو مصیبت کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس سے دوئی پیدا ہوتی ہے۔ اور دوئی ہی دوری و مجبوری کی اصل ہے، اور محبوب سے دوری و مہجوری ایک بہت بڑی مصیبت ہوتی ہے۔ اگرچہ وصل کا ادراک بھی امتیاز ہی سے تعلق رکھتا ہے، لیکن تیز بینی و تیز نگاہی اس قسم کے وصل کو بھی جدائی ہی کے زمرے میں شمار کرتی ہے۔ وہ شوق کی فراوانی کی وجہ سے قرب و وصال کی حالت میں باقی رہ جانے والی مغائرت کو بھی روا نہیں رکھتی۔ یہ انتہائی نزدیکی بھی خدا کے فضل سے مستقل طور پر تمام وقت حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ پاک ذات ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے لیکن اُدھر نفس انسانی کو لاحق ہونے والا یہ امتیاز بھی ایک ایسی شے ہے جو مرنے کے بعد بھی زائل نہیں ہوگی اور اس کے نتائج اور پھل بھگتنے پڑیں گے۔ امتیاز کو مصیبت ہم نے اس ذات بیچون ووحدہٗ لاشریک کے غلبۂ شوق کی حالت میں کہا ہے۔ اور یہ کلام عالمِ مستی کی طرف اشارہ کرتا ہے ورنہ بیداری وہشیاری کے اعتبار یعنی مقامِ بقا کے اعتبار سے یہی امتیاز اک بڑی زبردست نعمت ہے جو قرب و وصال کا موجب بنتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو مشرف فرما کر عارف ذات بنا دیتا ہے۔ بے امتیازی کا مزہ بھی امتیاز ہی کی بدولت ہاتھ آتا ہے۔ سمجھنے والے ان دونوں مطالب کو سمجھ جائیں گے۔ مزید وضاحت مزہ کرکرا کر دے گی۔ قاعدہ عارفوں کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ اک خاص حالت اور کیفیت کی پیداوار ہوتی ہے اور سارا وقت ایک سی حالت تو رہتی نہیں، لہٰذا ہر لفظ کو سمجھنے کے لیے اس حالت وکیفیت کا سراغ لگانا ضروری ہے جس کی وہ لفظ خبر دیتا ہے۔ اور ان کے تمام اقوال کو ایک ہی حالت کے موافق نہ جانچنا چاہیے اور ہر قول کو اس مقام کے تعلق و واسطہ سے سمجھنا چاہیے جس پر وہ دلالت کرتا ہے۔ اور ہر لفظ کو اس کے مناسب مرتبے پر رکھتے ہوئے اس کے اصل اور

Marfat.com

بنیادی مطلب کی ڈور ہاتھ سے نہ چھوڑنی چاہیے۔ اس صورت میں تمہیں بزرگوں کے کلام کو سمجھنے میں کسی قسم کی مشکلات پیش نہ آئیں گی۔ اور سارے شکوک و شبہات بھی دُور ہو جائیں گے۔ یہ بات سمجھ لیں کہ بارگاہ حق سے اپنے نیک بندوں پر فیض رسانی ان کے وقت اور حال کے تقاضوں کے بموجب ہوتی ہے، جس کے لیے اُنھیں جامع کلمات عطا کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے کہ نہ کوئی تر اور نہ خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔ بعض آیات قرآنی منسوخ شدہ ہیں اور بعض ان کو منسوخ کرنے والی ہیں۔ اور احادیث نبویؐ میں بھی مختلف مطالب بیان کیے گئے ہیں۔ وہ ناواقف لوگ جو حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تمام الفاظ وکلمات کا ایک ہی ڈھنگ سے اطلاق کریں حالانکہ وہ خود بھی ہمہ اوقات ایک ہی ڈھنگ سے بات نہیں کرتے۔ کبھی زبان پر خوشی و مسرت کے الفاظ لاتے ہیں اور کبھی حزن و ملال کی باتیں کرتے ہیں، کبھی آخرت کے مطالب بیان کرتے ہیں اور کبھی ان کے لبوں پر دنیوی معیشت و روزی کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اسی سے قیاس کر لیں کہ وہ اوقات اور تقاضاجات کے مطابق کلام کرتے ہیں اور اپنے بیان کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھتے۔ پس سمجھ لے کیونکہ وہ فائدہ پہنچاتا ہے تمھیں بہت زیادہ فائدہ مطالب کے سمجھانے میں اور انسان ہمیشہ ایک حال میں نہیں ہوتا۔ انسانیت کے مقام میں دوام کے ساتھ بلکہ اللہ ہر روز اک نئی شان میں ہوتا ہے اس کے ساتھ کہ وہ نہیں ہے اپنی ذات کی حد میں متغیر ہونے والا۔ رُباعی:

از محفل ہستی ست برون آسودن
شادی وطرب ہست نعم آفزودن
ہرچند ہمہ بعیش و عشرت گذرد
کم نیست مصیبت اینکہ باید بودن

ترجمہ رباعی: مکمل آسودگی اور آسائش تو اس محفل ہستی سے باہر ہی مل سکتی ہے۔ اس جہان فانی کی خوشی و مسرت اور طرب و انبساط کا مطلب ہے اپنے غم کو بڑھانا۔ اگرچہ ساری زندگی عیش و عشرت میں گزرتی ہے لیکن جنھوں نے اپنی ہستی کو مٹا دیا ہو ان کے لیے یہ کیا کم مصیبت ہے کہ نہ ہوتے ہوئے بھی ان اعتباری قیود وسلاسل میں جکڑے رہیں۔ (مصنف خود رباعی کی تشریح یوں کرتا ہے کہ) یہاں ہستی سے مراد یہ ہستی موہوم ہے جسے ہم حیوانی زندگی کہتے ہیں۔ اور آدمی جب تک بقید حیات ہے تو بہمہ وجوہ آسودہ

Marfat.com

حال ہونا تو اک امر محال ہے۔ یعنی ؏ قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں۔ شادی و طرب کے الفاظ سے ہماری مراد وہ خوشی ہے جو اس وجود کے اعتباری امور کی بنا پہ حاصل ہوتی ہے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ ایسی خوشیاں اور مسرتیں تو آنے والے غم و اندوہ کی پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ ہر چند کہ ساری عمر عیش و عشرت میں ہنستے کھیلتے گزری لیکن جنھوں نے اپنی ہستی کو مٹا دیا ہو ان کے لیے یہ کیا کم مصیبت ہے کہ ایسی قیود کا پابند رہنا پڑے اور فطری آزادی سے محروم رہیں۔ سر دردی جتنی بھی کم ہو اتنی ہی بہتر ۔ وہ نازک مزاج جو کسی کی بات تک برداشت نہیں کر سکتے وہ زندگی کے بار گراں کو کیسے اُٹھا سکیں گے جو حق پرستی کے راستے کا ایک رکاوٹی پتھر ہے۔ اس سر کا ہونا ہی سر دردی کا باعث ہے۔ میرا (مصنف کا) اپنا شعر ہے ؎ درد سر ما ہماں سر ما ست ٭ باری کہ بدوش ماست دوش ست ۔ ہماری سر دردی کا باعث ہمارا یہی سر ہے۔ یہی سر جسے ہم کندھوں پہ اُٹھائے پھرتے ہیں اس سر دردی کا باعث ہے۔ وہ نازک مزاج جو مطلق آزادی کے آگے بھی سر نہیں جھکاتے تو وہ اس مقید ہستی میں گرفتاری کو کیسے روا رکھیں گے جس میں خودی کے امتیاز کا پہلو بھی شامل ہو۔ اسی لیے کہا کہ جس کے کہا کہ میں اشتہا (بھوک) رکھتا ہوں عدم کی، اس کا کوئی وجود نہیں ہے ۔ یہ قول سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رح سے منسوب ہے۔ جب اُنھوں نے اپنے اس قول میں عدم کی خواہش ظاہر کی ہے، ان کے نام کو متن میں نہ لکھ کر پوشیدہ اس لیے رکھا گیا ہے تاکہ ان کی خواہش کے مطابق عمل کیا جا سکے۔ اور چونکہ موجودات کا بالکل معدوم ہو جانا ناممکن نہیں تو شرح میں ان کے اسم گرامی کو ظاہر کر دیا گیا۔ اور اس قول کے معانی یہ ہیں کہ میں ایک ایسا عدم چاہتا ہوں جس کا کوئی وجود نہ ہو ۔ اور کہنے والے کی مُراد عدم سے شاید بے علم وجود ہو اور وجود سے مراد علم و امتیاز ہے، ورنہ عدم کا تو وجود ہوتا ہی نہیں جس کی تمنا کی جائے کہ ایسا عدم جس کا کوئی وجود نہ ہو۔ اسی بات کو ایک اور عزیز نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ میں چاہتا ہوں عدم کو نہ لوٹنا ہو کبھی بھی۔ ہائے موت کی مصیبت ۔ لیکن مصیبت در مصیبت یہ کہ موت جو فنا ہی کی ایک صورت ہے وہ روح کے فنا ہونے کا موجب نہیں بنتی اور وہاں (پسِ مرگ) بھی روحی تعین باقی رہتا ہے۔ اور جزا و سزا کا سارا ہنگامہ اسی سے متعلق ہے ۔ حاصل مطلب یہ کہ اگرچہ موت کے بعد روح کو ایسی حیوانی حیات تو دامن گیر نہ ہوگی جو اب ہے لیکن پھر بھی یہ اندیشہ! امکانی تعین کے باقی رہے گا۔ عالی ہمت آزاد منشوں کی طبع نازک تو اپنے لیے کسی مرتبے کی قید کو بھی برداشت نہیں کر پاتی، خواہ وہ مرتبہ میسّر

Marfat.com

ہو یا نہ ہو۔ وہ شانِ خداوندی جو اُن میں جلوہ گر ہے۔ لہذا وہ امکانی معانی کی طرف سر نہیں جھکاتے۔

رباعی: گر زندہ ام آلودہ یا فکار تنم

در مردہ ہماں بہشت و دوزخ وطنم

یارب تو بگو بذات پاکت سوگند

کز دوش چگونہ بارِ ہستی فگنم

ترجمہ رباعی: جب تک زندہ ہوں تو اپنے ان جسمانی افکار میں آلودہ ہوں۔ جب مر جاؤں گا تو پھر وہی بہشت و دوزخ میری قیام گاہ ہوگی۔ اے خدا تجھے تیری ہی ذات پاک کی قسم تو خود ہی بتا کہ میں ہستی کے اس بوجھ کو کندھوں سے کس طرح اُتار پھینکوں۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) آدمی جب تک زندہ ہے وہ حیوانی زندگی کے تقاضوں کے جال میں اسیر ہے اور اسی دنیاوی زندگی کے معاش و روزی کے تردد اور تفکر میں مبتلا ہے۔ اور مرنے کے بعد جنّتی تو جنت ہی کے عجائبات میں فریفتہ رہے گا اور دوزخی دوزخ کی سزا و عقوبتوں میں مبتلا رہے گا۔ لہذا وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے اعتبارات کے اس جال سے رہائی کی التجا کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جذباتِ ربانی سے کوئی جذبہ اُس پہ نازل ہو جائے اور ذات باری تعالیٰ اپنی خاص عنایات سے ان اعتباری امور کے لاحق ہونے کے باوجود بھی اُسے دین و دُنیا کے توہمات سے آزادی عطا فرما کر اُسے اپنی بے کیف ذات کے مشاہدے سے مشرف فرمائے اور اپنے لطف و کرم سے نوازے۔ خدا کی پاک ذات کو جو تمام اضافات و مناسبات سے مبرّا ہے۔ اسے قسم دینے میں جو لطف و خوبی ہے وہ ظاہر ہے، اور یہ لفظ سوگند بھی اسی خصوصی قرب کی خبر دیتا ہے جو ایسے معاملات میں شوق و محبت کی فراوانی سے عشّاق اور معشوقوں میں رونما ہوتے ہیں، نہ یہ کہ بے ادبی کے طور پر۔ اس کی لذت و کیفیت کو صاحبِ معاملہ کا دل ہی جانتا ہے۔ محبوب بھی اپنے عاشقوں کو محبوبیت ہی کی بنا پر سوگند دیتے ہیں۔ اور یہیں سے ان قسموں کی رموز کو سمجھ لینا چاہیے جو حق تعالیٰ اپنے پیارے محبوب نبی کریم صلعم کے سامنے کھاتا ہے۔ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ جو قسم کھائی جاتی ہے اس کی دو وجوہات ہوتی ہیں۔ ایک تو جس کی قسم کھائی جائے اس کی تعظیم کی وجہ سے جیسا کہ خدا اور رسولؐ یا قرآن اور بزرگوں کی قسم کھاتے ہیں، تاکہ ان نامی گرامی حضرات سے تعلق دینے دلانے کی وجہ سے اس کی بات کی عظمت بھی سننے والوں کے دلوں پہ اثر کرے اور وہ اس کی بات پہ یقین کر لیں، اور اس کا اعتبار

Marfat.com

کریں۔ اور یوں قسمیں وہ دوستوں، عزیزوں، دشمنوں اور مخالفوں کے سامنے یکساں طور پر کھاتے ہیں۔
ایک تو جس کی خاطر قسم کھائی جائے اس کی محبت کی بنا پر جیسے دوست دوستوں کی سوگند کھاتے ہیں، تاکہ وہ اس محبت اور تعلق خاطر کی بنا پر جو قسم کھانے والے اُس عزیز یا دوست سے ہے، اس کی بات سننے والے کے دل پر اثر انداز ہو اور وہ اس کی بات کو سچ تسلیم کرلے اور صحیح مان لے۔ ایسی قسمیں دوست دوستوں کے سامنے اکثر کھاتے ہیں، اور کبھی کبھار دشمنوں اور مخالفوں کے سامنے بھی چنانچہ اپنے عزیزوں کی قسم کھانا اک عام دستور العمل ہے۔ پس وہ پہلی وجہ یعنی عظمت کی قسم کھانے والی وجہ بندوں ہی سے مخصوص ہے اور اُس کا تصور بارگاہِ خداوندی میں جائز نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ سب عظمتوں سے عظیم تر ہے سوائے اس کے کہ حق تعالیٰ خود اپنی عظمت کی قسم آپ کھائے، کسی دوسرے کی گنجائش نہیں۔
دوسری وجہ کہ قسم محبت کی بنا پر کھائی جائے وہ عبد یا معبود کسی ایک سے مختص نہیں۔ اگر حق تعالیٰ ایسی قسم اپنی مخلوق کی کھائے تو روا ہے۔ چونکہ مخلوقات کا منبع و مبدا محبت ہی ہے۔ اور یہ کلمات کہ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں، پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا، اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کی وسیع ترین رحمت نے ساری موجودات کو اپنی رحمت کی چادر کی وسعتوں میں لپیٹ لیا۔ واجب الوجود کو اپنی موجودات سے اک عجیب قسم کی مشفقانہ نسبت ہے جس کا بیان ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے اپنے کلام پاک میں اکثر دُنیا کی کئی چیزوں کی قسم کھائی ہے جس کا راز عوام کی نظروں سے مخفی ہے، اور قسم کیوں نہ کھائے کہ وہ اپنی خالقیت اور پروردگاری کے لحاظ سے ہر مخلوق کو اتنا عزیز اور پیارا سمجھتا ہے کہ اتنا پیار کسی آدمی کو آدمی سے نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ ان موجودات کی سلامتی چاہتا ہے۔ قرآنی قسموں کا اصل راز کہ خداوند تعالیٰ نے موجودات و مخلوقات میں سے سورج۔ چاند، ستاروں، دن، رات، پہاڑوں اور انجیر وغیرہ کی قسمیں کھائی ہیں اس حقیقت کلام کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

Marfat.com

والنّاصح

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو وہّاب، توّاب اور غفّار ہے، ہر اس کے لیے جس نے توجہ کی اور جو مطیع ہوا مٹا دیتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ اُسی کے پاس اُم الکتاب ہے۔ درود و سلام اس کے رسول محمد صلعم پر جو رب الارباب کے محبوب ہیں اور آپؐ کی آل رضؓ و اصحابؓ پر جن کے لیے طوبیٰ اور بہترین مرجع ہے۔ اما بعد پس یہ ترپنواں (۵۳) باب ہے جو البصائر من الرب سے موسوم ہے۔ یہ بصائر ہیں تمھارے رب کی طرف سے، اور ہدایت و رحمت ہے ایمان رکھنے والی قوم کے لیے۔ بصیرۃ کے معنی ہیں حجّت اور بصائر اس کی جمع ہے۔ جیسے اللہ عزّوجل نے کہا، بلکہ انسان اپنے نفس پر بصیرت ہے یعنی حجت ہے۔ پس اخفش نے کہا یتا یا اُسے بصیرت جیسے تم کسی آدمی کو کہتے ہو کہ تو اپنے نفس پر حجّت ہے۔ پس ہر انسان حجّت ہے اپنے نفس پر اپنے رب کی طرف سے یعنی حجتِ بالغہ۔ اللہ حجّت بالغہ ہے اور متنبہ کرتا ہے اُسے اُس کا نفس طبعی طور پر اچھائیوں اور برائیوں سے اللہ کے الہام کے ساتھ اور الہام کرتا ہے اس کا رب اس پر اس کا فجور اور تقویٰ۔ پس فلاح پائی جسے اللہ نے پاکیزہ کیا اور ذلیل و خوار ہوا جسے اس نے دھنسا دیا (گناہوں میں) پس زمانی نسبت کے اعتبار سے نہیں باقی رہتیں برائیاں اور نیکیاں مگر اُس کے کرنے اور حاصل ہونے کے وقت اور اُس کے بعد مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اور فنا کر دیتا ہے اس قول کے مقتضا کے مطابق کہ ہر چیز ہلاک

Marfat.com

ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرے کے۔ اور باعتبار نسبت زمانی اس کے آثار و نتائج اور باقیات الصالحات باقی رہتے ہیں ہمیشہ اور اُس کے ثمرات اور آنے والی برائیاں اور ان کی سزائیں بھی۔ پس بخش دیتا ہے اللہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے اور بدل دیتا ہے ان کی برائیوں کو نیکیوں میں اپنی اس رحمت سے جو اس نے اپنے نفس پہ لکھ رکھی ہے، اور عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے اپنے عدل کے ساتھ اور ضائع نہیں کرتا احسان کرنے والے کے اجر کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے احسان کے ساتھ اور بنا تا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اس کے اعمال کو ناکارہ اپنے جلال اور قہر کے تقاضے کے تحت اور نسبت سرمدیہ کے اعتبار سے، نہیں فنا ہوتی کوئی چیز بھی اعمال میں سے کبھی بھی اور نہیں نکلتی ممکن چیز انفعال سے کبھی بھی اس مرتبۂ واجب کے سامنے۔ یہ انفعال اور نقص ذاتی بندے کے حق میں عیب شمار نہیں کیا جاتا بلکہ قبول کرتا ہے اللہ اُسے اچھی طرح سے، اور بنا تا ہے اس عجز کو اپنی قدرت کا آئینہ، اور یہ نقص مظہر ہوتا ہے اس کے کمال کا۔ اور یہ سرکشی اس کی رحمت اور بخشش کا مورد ہوتی ہے۔ نہ مایوس ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے بے شک اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے گناہ سب کے سب۔ ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنے نفسوں پر۔ اگر تو نے نہ بخشا اور ہم پہ رحم نہ کیا تو ہم ضرور نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ پس آ گئیں تمھارے پاس دلیلیں تمھارے رب کی طرف سے۔ پس جس نے دیکھ لیا اس کا فائدہ اپنے نفس کے لیے ہے اور جس نے اندھاپن اختیار کیا اس کا وبال اس کی جان پہ ہے۔ اور میں تم پہ داروغہ نہیں ہوں۔

سرمدی، دہری اور زمانی نسبت کے بیان کا باب

کشف و وجدان کی بدولت جو کچھ مجھ فقیر کو دکھائی دیا اور جو عرفان کی کسوٹی پہ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے وہ یہ ہے کہ دراصل زمانِ حقیقی جو زمانِ اضافی کے اکھاڑ پچھاڑ اور اُس کا منبع و مبدا ہے، عبارت ہے حضرت وجود کی ذات الوجود کی بقائے نفسی کی حیثیت کی جانب درازیٔ مدت کی نسبت سے کیونکہ یہ زمانِ حقیقی جو واجب الوجود کی کمالی صفات میں سے ایک صفت ہے، جسے اصطلاح میں قدم ذات اور روح کے دوام سے تعبیر کیا جاتا ہے جو اصل مدعا اور مفہوم کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔ گویا کہ زمانہ اور ذات سرمدی (حق) اصل مدعا ہی کی شانیں ہیں، اور یہ دونوں اسم اصل حقیقت کے اسماء میں سے ہیں۔ چونکہ زمانہ بھی واقعے کے مطابق صحیح ہے للٰذا وہ بھی دہر ہی میں داخل ہے۔ لہٰذا علمی مرتبے میں اس درازیٔ

Marfat.com

مدّت کی ایک نسبت سے تین نسبتیں پھوٹیں۔ جس طرح زمانہ اگرچہ واحد متصل ہے اسے تین حالتوں پر تقسیم کیا جاتا ہے، یعنی ماضی، حال اور مستقبل اسی طرح اصل واقع جو ایک ہی معنی رکھتا ہے زمانوں کی تین نسبتوں یعنی سرمدی، دہری اور زمانی نسبتوں سے تعبیر ہوا۔ دوسرے لفظوں میں قدیم سے قدیم کی مناسبت سے سرمدی نسبت، حادث کی قدیم سے مناسبت سے دہری نسبت، اور حادث کی حادث سے مناسبت کے لحاظ سے زمانی نسبت۔ ان تینوں کی آگے دو دو قسمیں ہیں۔ حقیقی اور اضافی۔ پس اس ذاتِ قدیم کو جو اپنی ذاتی ہمیشگی سے نسبت ہے۔ وہ حقیقی سرمدی نسبت ہے، اور ان اضافی قدما کی باہمی نسبت اضافی سرمدی ہے۔ اور ان ذاتی حدوث اور زمانی حدوث والوں کو جو ذات قدیم جل شانہٗ سے نسبت ہے وہ حقیقی دہری نسبت ہے۔ اور ان زمانی حدوث والوں کو دیگر زمانی قدما سے جو نسبت ہے وہ اضافی دہری نسبت ہے۔ ان زمانی حدوث والوں کو جو نسبت اپنے زمانی حدوث سے ہے وہ حقیقی زمانی نسبت ہے۔ اور ان اضافی حدوث کو جو نسبت باقی زمانی حدوث والوں سے ہے وہ اضافی زمانی نسبت ہے۔ سو درحقیقت ہے ایک وہی بقائے وجود کی درازیٔ مدّت جو ان اضافات و اعتبارات کے لحاظ سے ان تمام نسبتوں میں تقسیم ہوئی اور سرمدی دہری زمانی اور حادث اور قدیم کے ناموں سے موسوم ہوئی وہی حقیقی درازیٔ مدت الموسوم عرصہ اور وہ بیتنے والی (گزرنے والی) ہوگئی۔ جس طرح ظاہری درازیٔ مدت کو صورت اور فاصلہ کا نام دیا گیا، اور اس عرصہ و فاصلہ کی مجموعی طور پر حرکت کی تیزی اور دیری سے زمانہ پیدا ہوا۔ پس زمانے کے اندازے کا آغاز فلک الافلاک کی حرکت سے ہوا جو تمام فاصلوں پر محیط ہے۔ چونکہ آسمان کی شکل مدوّر ہے (گول ہے) اس کی حرکت کا آغاز اور انجام فی الحقیقت سوائے اضافی اور اعتباری سے متمیز نہیں ہوتا۔ پس اس اضافی آغاز کو ازل کہتے ہیں اور ان اضافی ازلوں کی انتہا نہیں۔ لہذا زمانے کے آغاز کی جانب سے اُس کے لاانتہا ہونے کی وجہ سے اُسے ازل الآزال کہتے ہیں اور اعتباری انجام کو ابد کہتے ہیں۔ اضافی ازل کی طرح اعتباری ابد بھی بے شمار ہیں۔ چنانچہ زمانے کے آخیر کو اس کے لاانتہا ہونے کی وجہ سے ابدالآباد کہتے ہیں۔ پس اگر حقیقی زمانے کا امتیاز کرکے اور اس اضافی زمانے کو علیحدہ کرکے محدد کو بھی حقیقی زمانے کو مدنظر رکھتے ہوئے جیسے قدامت ذات سے تعبیر کرتے ہیں ہم حادث زمانی کہہ دیں تو بجا ہے۔ اور اگر اس اضافی زمانے کو زمانہ سمجھ کر عرش کو قدیم زمانی جانیں تو روا ہے۔ کیونکہ عرش کا حدوث زمانی آیات اور احادیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ اور ہو بھی کیسے سکتا ہے

Marfat.com

کیونکہ یہ زمانہ اس کا معلول ہے۔ اور معلول کا علّت پر تقدّم غلط بات ہے۔ یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ یہ اضافی زمانہ تین حالتوں میں تقسیم ہوا۔ موجودیتِ حالیہ کی وجہ سے حال کہلایا، اور حال کی دونوں جانب ماضی اور مستقبل ہوئے۔ ابدی جانب مستقبل کہلائی اور ازلی جانب ماضی، حال ان کی وسطی حد ہے جو ماضی کا آخر اور مستقبل کی ابتدا ہے۔ ان تینوں میں سے ہر ایک زمانہ بہت سے امتیازات سے تعبیر ہوا مثلاً گھنٹے، دن، مہینے اور سال وغیرہ۔ لہذا بقائی حیثیت سے زمانے کی حرکت ازل سے ابد کی طرف ہے۔ جس طرح ماضی موجود تھا اسی طرح حال بھی موجود ہے اور مستقبل بھی کبھی موجود ہو جائے گا۔ اور کٹ جانے (گزر جانے) کی حیثیت سے زمانی حرکت ابد سے ازل کی جانب ہے۔ چنانچہ ماضی گزر گیا، حال بھی گزر رہا ہے اور مستقبل بھی گزر جائے گا۔ اور ہر لحظہ ابد کی طرف سے ایک جزو اس حیثیت سے ازل کے اجزا میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور مستقبل کا ہر لحظہ حال میں داخل ہو کر ماضی بنتا جاتا ہے۔ حرکات کا اختلاف حیثیات کے اختلاف کے لحاظ سے ہے جس طرح کہ افلاک کی حرکات کا اختلاف کہ ایک مشرق سے مغرب کی جانب ہے اور دوسرا مغرب سے مشرق کی طرف رواں ہے۔ اور نفس الفلک کے لحاظ سے افلاکی حرکت نہ شرقی ہے نہ غربی۔ پس ازل و ابد کی یہ ساری حیثیات وغیرہ محض اضافی اور اعتباری ہیں اور زمانہ فی نفسہٖ جوں کا توں ہے۔ نہ ازلی ہے نہ ابدی۔ بلکہ ازل اور ابد دونوں پل بھر میں اس مرتبہ میں جمع ہو جاتے ہیں جمع کرنے والے اللہ کی قدرت سے، کیونکہ وہی اوّل ہے اور وہی آخر، اسے ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔ اور واقعتاً جس طرح کئی موجودات میں ایک ہی وجود جلوہ گر ہے، اسی طرح مختلف کیفیات میں ایک ہی بقا پیدا و ہویدا ہے۔ اور سارے اُمور اُسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ سبھی کو اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

مذکورہ بالا بیان تحقیق اور تقلید سے بلند تر ہے اور محض فضلِ رحمانی اور تائیدِ ربانی پہ موقوف ہے۔ اور عقل و فہم سے ماورا ہے۔ اس کا تعلق دیکھنے سے نہیں، نہ ہر صاحبِ عقل و نظر اس کے دیکھنے کا اہل ہے سوائے اس کے جو خود معرفت کی وجہ سے تیز بین و تیز نگاہ ہو۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ چونکہ فانی اضافیات بھی دہری اور سرمدی نسبت کے لحاظ سے لازوال باقیات میں سے ہیں، اور ان کے آثار اور نتیجے واقعتاً ہر حال میں ثابت ہیں۔ لہذا بہتر اور مناسب یہی ہے کہ تم بھی اپنی نیکیوں، اطاعتوں اور عبادتوں کو حق واجب الوجود سے منسوب کر کے اسی ذاتِ قدیم کے حوالے کر دو، اور تم سے جو نیکی بھی سرزد ہو اُسے اللہ ہی کی طرف سے سمجھو تاکہ اُس کے نتائج اور پھل تمہیں ملتے رہیں۔ اور ہمیشہ رہنے والی نیکیوں کا ذخیرہ

Marfat.com

بڑھتا رہے۔ اور اپنے گناہوں، لغزشوں اور تقدیروں کو اپنی ممکنہ حقیقت سے منسوب کرتے ہوئے اپنی فانی ذات کے ذمے ڈالتے جاؤ اور جو بھی گناہ تم سے سرزد ہوں انھیں اپنی طرف سے سمجھو تاکہ وہ مٹتے رہیں اور نقصان نہ پہنچائیں۔ ہر چند کہ درحقیقت ہر شے اللہ ہی کی طرف سے ہے جیساکہ فرمایا گیا کہ آپؐ کہہ دیجیے کہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ آدمی کے گناہ اس آیت کریمہ کے کلمات میں (کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا) ملیامیٹ ہوجاتے ہیں اور شیطان کی سرکشی و نافرمانی ان الفاظ کے طفیل (کہ اے رب تو نے مجھے گمراہ کیا) ابدالآباد تک باقی رہتی ہے۔ پس ہمیشہ حضورِ حق میں شرمسار، امیدوار، نادم اور بخشش کا طالب رہنا چاہیے اور اپنے آپ کو گنہگار اور قصوروار سمجھ کر نادم ہونا چاہیے کیونکہ ندامت توبہ ہے، گناہوں سے تائب ہوکر خدا سے اُس کی رحمت اور عفو کی دُعا و التجا کرنی چاہیے۔

رباعی:
کردیم گناہ و مورد قہر شدیم
افسوس کہ تلخ کام ازیں زہر شدیم
ہر چند زمانہ کرد عصیاں ہمہ محو
شرمندہ زروی نسبت دہر شدیم

ترجمہ رباعی: ہم نے گناہ کیے اور اُس کے قہر کے مستوجب ٹھہرے۔ صد حیف کہ اس زہر سے ہمارا تالو کڑوا ہوگیا۔ ہر چند کہ زمانے نے ہمارے تمام گناہوں کو مٹادیا لیکن دہر کی نسبت کی بنا پہ ہم شرمسار ہوئے۔ (مصنف خود اس کی توضیح یوں کرتا ہے کہ) گناہ عبارت ہے ان کاموں سے جو شرعی طور پر ممنوع ہوں اور ان صغیرہ اور کبیرہ (چھوٹے بڑے) گناہوں کی تفصیلات مسائل کی کتابوں میں درج ہیں۔ ان پہ جزا دینا یا معاف کردینا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اور گناہ کی حقیقت عبارت ہے ان افعال سے کہ فاعل کو نہیں کرنے چاہئیں۔ اور گناہ کرنے والے کا اپنا دل بھی بے اختیار گواہی دیتا ہے کہ میں نے بُرا کیا جو یہ کام کیا۔ جیساکہ حدیث شریف میں ہے کہ اپنے دل سے پوچھ لو خواہ تمھیں کوئی دیوانہ فتویٰ ہی کیوں نہ دے دے۔ اور کبیرہ گناہ عبارت ہیں ان کاموں سے جو ہرگز نہیں کرنے چاہئیں۔ اور دل بھی ان کی ممانعت پہ تاکیداً گواہی دے دے اور یہ وہی کام ہیں جن سے شرع مصطفویؐ نے منع فرمایا ہے۔ اور کائنات کے اُس افضل ترین بشر کی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ احکام کی شکل میں پھیل گئے، سوائے ان چھوٹے موٹے گناہوں کے جو بعض اوقات بعض اشخاص کے حق میں دوا دارو کی طرح روا ہوتے

Marfat.com

ہیں، جیسا کہ کسی نے اس مصرع میں کہا ہے کہ ع گر ضرورت بود روا باشد ۔ اگر سخت ضرورت ہو تو وہ کام روا ہے ۔ اور گناہ پہ مورد قہر ہونے سے مُراد اس بُرے کام کے نقصان سے اثر پذیر ہونا ہے۔ کیونکہ قہر کے معنی غلبے کے ہیں، یعنی کہ اس گناہ کا بڑا اثر آدمی پہ غالب آجاتا ہے اور نفس میں سرائیت کر جاتا ہے ۔ اور وہ اپنی نظروں میں بھی ذلیل ہو جاتا ہے۔ اطاعتوں اور عبادتوں کا بجالانا طبعاً قدر و منزلت بڑھاتا ہے ۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ تم میں سے اللہ کے نزدیک وہی مکرم و محترم ہیں جو متقی و پرہیزگار ہیں ۔ تلخ کلام ہونے سے مراد ہے اچھی حالت کے تغیر پذیر ہونے سے اور معتدل ذائقے سے بے مزہ ہو جانے سے ۔ گناہ کو زہر سے اس لیے نسبت دی گئی ہے کہ زہر زندگی کا کوڑا کرکٹ ہے یا گندی بدرو ۔ اور گناہ سے دل پژمردہ و مردہ ہو جاتے ہیں ۔ پس زمانہ جو رَو کی طرح بہتا چلا جا رہا ہے کہ کسی کام کو اس کے وقوع پذیر ہونے کی حالت تک ہی قائم رکھتا ہے، لیکن دہری نسبت میں جو اصلی واقعے کی آئینہ دار ہوتی ہے ۔ اس میں اس کام کی صورت جیسی تھی ویسی ہی موجود رہتی ہے ۔ اے خدا اگرچہ تو ہم گنہگاروں کی خطا و نسیاں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل معاف فرما دے گا، لیکن ہم نابکار گنہگار اپنے ان اعمال زشت پہ ندامت سے نہ نکل سکیں گے، لہذا اسے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرما دیجیے اور ہماری بدیوں کو بھی ہم سے زائل کر دیجیے اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دیجیے ۔ دانشوروں نے تین نسبتیں مقرر کی ہیں ۔ یعنی سرمدی، دہری اور زمانی ۔ سرمدی نسبت قدیم کو قدیم سے ہے ۔ دہری قدیم کو حادث سے اور زمانی حادث کو حادث سے ہے ۔ جیسا کہ پہلے تفصیلاً لکھا جا چکا ہے ۔ اور ان نسبتوں کا مختصر بیان یہی ہے جس کا ہم نے ذکر کر دیا ہے اور مفصل معقولات کی کتابوں میں درج ہے جو صاحبِ علم لوگوں سے چھپا نہ رہے گا ۔ ہر امر کا جزئی بیان جو دوسری کتب میں مرقوم ہے ۔ یہاں اس کتاب میں اس کا لکھنا ہمیں مقصود نہیں وہ چھوڑی ہوئی ہڈی کو چچوڑنے والی بات ہو گی ۔ ہاں بعض جگہوں کی مناسبت اور ضرورت کے لحاظ سے مختصراً کچھ نہ کچھ لکھ دیا گیا ہے، ہمیں دیگر حقائق اور دقائق کا انکشاف کرنا مطلوب ہے ۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت سے مجھ ادنیٰ انسان کو مطلع اور متمیز فرمایا ہے ۔ اسی لیے اس باب کے آغاز میں ان تین نسبتوں کی تقسیم کو اک نئے انداز میں لکھ دیا ہے ۔ میں تو تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں ۔ لہذا اس مجموعے کے دیکھنے والے کو چاہیے کہ پہلے ظاہری علم پڑھے بعد ازاں باطنی علوم کی طرف رجوع کرے ۔ ان علوم کے پڑھنے کے بعد

Marfat.com

ہو سکتا ہے کہ ان مقدمات کی تحریر جو ظاہر و باطن اور علم و عمل کا نتیجہ ہے قاری پہ ظاہر ہو جائے اور کارکنان قضا و قدر ان اسرار و رموز سے پردہ اُٹھا دیں ۔ نہ تو فقط ظاہری علم کام آئے گا، اور نہ ہی باطنی ذکر اذکار اور اوراد و وظائف سے کام چلے گا۔ محض خدا کا فضل درکار ہے تاکہ حقیقت کی راہیں کھُل جائیں ۔ بہر کیف متن کے مطالب کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اُس کی تشریح پہ توجہ دینی چاہیے ۔ پس جو کچھ موجود ہوتا ہے وہ زمانی نسبت کی حیثیت سے زمانے کے ساتھ ساتھ گزرتا بھی جاتا ہے ۔ کیونکہ زمانے کو خود قرار نہیں جو کچھ اس کے تحت میں آئے گا وہ اُسے بھی نیست و نابود کرتا چلا جائے گا ۔ لیکن دہری نسبت میں گزشتہ احوال بھی ثابت و قائم رہتے ہیں اور سرمدی نسبت میں بڑے عمدہ طریق سے، لہذا ان کے نزدیک جو ہو چکا ہے، ہو رہا ہے یا آگے چل کر ہو گا وہ اب بھی حاضر ہے ۔ وہاں ماضی و مستقبل سب حال ہی ہیں ۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ کو انتظار کی نوبت نہیں آتی ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ صبح ہے، نہ شام اور یہی بات رباعی کے مطلب کی وضاحت کر دیتی ہے ۔ کہ اگرچہ زمانیات سے جو کچھ بھی وجود میں آتا ہے وہ زمانے کی ہمراہی سے ہی ہر لحظہ کٹتا چلا جاتا ہے ۔ لیکن دہری اور سرمدی نسبت میں قائم و ثابت رہتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو کچھ اب ہے یا پہلے تھا یا بعد میں ہو گا وہ اب حاضر ہے اور صبح و شام کا پہلے یا بعد میں آنا خداوند تعالیٰ کے ہاں نہیں ۔ وہاں زمانے کے لحاظ سے آگے پیچھے کا خدشہ نہیں ۔ جس سے یہ تینوں زمانے اس واحد حالت میں خلل انداز ہو سکیں ۔ رباعی :

ما بندۂ آن حُسن و جمالیم ہمہ
وارستہ ز ہر فکر و خیالیم ہمہ
مستقبل و ماضی علما میدانند
ما درویشیم مست حالیم ہمہ

ترجمہ رباعی : ہم سب تو اُس کے حُسن و جمال کے غلام ہیں اور ہر فکر اور خیال سے آزاد ہیں ۔ ماضی، حال و مستقبل کا حال تو عالم لوگ جانتے ہیں ۔ ہم تو درویش ہیں اور حال مست لوگ ہیں ۔ (مصنف کی اپنی شرح کے مطابق) حسن و جمال سے مُراد مرتبۂ کمالات خداوندی ہے جنھیں صفاتِ الٰہیہ کہتے ہیں ۔ وہ ہمیشہ ایک ہی کیفیت میں جوں کے توں رہتے ہیں ۔ ہر فکر و خیال سے وارستگی سے مراد دلی سکون کی حالت اور دل کا ماسوی اللہ کے خیالات سے خالی ہونا ہے ۔ لفظ مستقبل سے مراد خواہشات کی طوالت اور لفظ ماضی

Marfat.com

سے مراد گزشتہ حالات پر افسوس کرنا ہے اور حال سے مُراد ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ کرنا ہے جو ہر لحظہ حاصل ہے، اور لفظ حال میں درویشی کی کیفیت اور ماضی و مستقبل کی مناسبت سے جو لطف و خوبی ہے وہ بالکل عیاں ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا حال کیا ہے۔ معنی ہیں جو وارد ہوتے ہیں دل پر بغیر تصنّع اور تکلّف کے اور بغیر کھینچنے کے، اور جو نہ اکتساب خوشی یا خوف یا دل گرفتگی، دل کشادگی، ہیبت یا رغبت وغیرہ، اور وہ زائل ہو جاتا ہے نفس کی صفات کے ساتھ۔ برابر ہے اس کے بعد کوئی مثال آئے یا نہ آئے۔ جب وہ ٹھہر جاتا ہے اور ہو جاتا ہے متمکن تو اُسے مقام کہا جاتا ہے۔ پس احوال عطیے ہوتے ہیں اور مقامات کمائے ہوئے ہوتے ہیں اور احوال آتے ہیں عین جُود سے اور مقامات حاصل ہوتے ہیں کوشش صرف کرنے سے۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے سجایا دُنیا کے آسمان کو چراغوں سے اور بنایا اُنھیں شیطان کے لیے انگاروں کی شکل میں مار بھگانے کا سامان، اور اسی کی ہیبت و وحشت ہے آسمانوں اور زمین میں اور درود و سلام ہو اس کے رسول محمدؐ مرسلین پر اور آپؐ کی آلؑ و اصحابؓ پر جو ملّت و دین کے سورج اور ہدایت کے ستارے ہیں پیروی کرنے والوں کے لیے۔ اما بعد پس یہ چونواں (۵۴) باب ہے جو زینت الکواکب کے نام سے موسوم ہے، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے جب امکان کے دائرے کو گھمایا تو اُسے مزیّن کیا اعتبارات کے نقاط سے جیسے مزین کیا آسمانِ دُنیا کو ستاروں کی زینت سے، پس ہر اعتبار ظاہر ہوا حق کے ظہور سے، جیسے کہ ہر ستارہ منور ہوتا ہے اس کے نور سے۔ اور محفوظ کیا اعتبارات کے درجات کو اور ان کے حقوق کی ادائیگی کو۔ محفوظ کرتا ہے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں سوئے ادب سے حفاظت کرتے ہوئے ہر سرکش شیطان سے۔ پس برائیوں سے اجتناب کر اور بھلائیوں کی طرف سبقت کرو۔ پس ہر چیز باطل اعتبارات میں سے کفر کی طرح ہے اور فسق منحوس ستارہ ہے اور پہنچاتا ہے نحوست کو اپنے منظورین کی طرف اور وہ کفّار اور فاسق ہیں۔ جن کے اوپر بُرائی کا دائرہ ہے اور اعتبارات حقّ میں سے جیسے کہ اسلام میں تقویٰ ہے، نجم سعد ہے۔ اور وہ پہنچاتا ہے سعادت کو اپنے منظورین کی طرف، اور وہ مسلمان و متقی ہیں جن کو چن لیا اللہ نے دُنیا اور آخرت میں، اور وہی ذات ہے جس نے بنائے تمھارے لیے ستارے

Marfat.com

تاکہ تم ان سے ہدایت پاؤ بر و بحر کی تاریکیوں میں۔ ہم نے کھول کر بیان کر دیں آیات، جاننے والے لوگوں کے لیے۔ ہدایت دے اللہ ہمیں اور تمھیں ہدایت کے ستارے سے، اور پہنچائے ہمیں اور تمھیں نیک بختی کی سعادت تک اپنے حبیب کے طفیل، جن کا معراج فرش سے عرش ہے اور جن کا حکم عرش سے فرش تک ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور درود و سلامتی ہو ان کی آلؑ اور ان کے اصحابؓ پر:

ستاروں اور کواکب کے استعارات کے مطالب کے بیان کا باب

حقیقت کے مطلب اور کثرت میں وحدت کے معانی کو مشاہدے کے استعاروں کے متعدد الفاظ اور مناسب تشبیہات کے ذریعے کثیر التعداد کلمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے کہ توحید کا مطلب عام مطالب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اسی لیے اس کے واسطے افلاکی الفاظ ہی سے تشبیہ دینا بہتر اور علوی امور سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے مثل اعلیٰ۔ جس طرح عالم اجسام میں عرش تمام اشیا پہ محیط ہے اور جہات کی حد بندی کرنے والا ہے، اسی طرح عالم حقیقت میں وجود مطلق تمام ظاہری اور باطنی موجودات پہ حاوی ہے۔ جو کچھ بھی ہے دائرۂ وجود کے تحت ہے۔ اس دائرے کا نام استوائے رحمانی ہے جو تمام مراتب سے بلند و بالا ہے۔ عالمِ حقیقت میں اس کی حقیقت کا اصل مظہر حقیقت محمدیہ ہے (ان پہ خدا کا درود و سلام ہو)، جو تمام حقائق پہ فائق ہے اور تمام اہلیتوں اور قابلیتوں کی حد بندی کرنے والی ہے۔ اور ظاہری عالم میں اُس کا ظاہری مظہر عرشِ عظیم ہے۔ اور اللہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ اور وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے۔ اسی کے نیچے وجوب کا دائرہ ہے جس کا نام وجوب الوجود ہے اور عالمِ حقیقت میں اس کا مظہر تمام ممکنات کا وجود بالغیر ہے۔ اور ظاہری عالم میں کرسی ہے کہ جو تمام افلاک اور اُس کے متعلقات پہ محیط ہے۔ یہ عرش اور کرسی دوسرے جملہ آسمانوں سے نہیں، بلکہ جس طرح اجرام فلکی کے ڈھانچے عناصر سے بنے ہوئے ڈھانچوں سے مختلف اور الگ ہیں۔ اسی طرح کرسی و عرش بھی افلاک کے ڈھانچوں سے متمیز اور مخصوص ہیں۔ ہر چند کہ ان میں فلکی شمولیت ہے لیکن افلاک سے وہ اعلیٰ و ارفع ہیں اور مخصوص اور ممتاز احکام بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ کیونکہ آیات و احادیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں عرش کا ذکر آسمانوں سے الگ کیا ہے اور کرسی کا الگ، اور سات آسمانوں کا علیحدہ ذکر بہت سی جگہوں پہ کیا ہے۔ اور آٹھویں فلک کو فلک ذات البروج

Marfat.com

اور فلک دنیا اور یونہی اسما و اوصاف سے بھی تعبیر کیا ہے ۔ لہذا کلام الٰہی کی طرز بیان انداز سے یوں پتہ چلتا ہے کہ یہ آٹھوں آسمان جو فلک شمس، قمر، زہرہ، عطارد، مریخ، مشتری و زحل اور ایک فلک ثابت ہے ۔ وہ الگ چیز ہیں اور یہ عرش و کرسی الگ چیز ہیں ۔ پس ہم محمدیؐ افلاک کے فضل کے قائل نہیں اور نہ ہی بعض عارفوں کی طرح ان پہ زائد افلاک کو بڑھایا ہے ۔ بلکہ ہم انہی سات متحرک ستاروں کے افلاک اور فلک ثابت کے اقراری ہیں ۔ لیکن کلام الٰہی کے مطابق عرش و کرسی کو الگ شمار کرتے ہیں ۔ کرسی کے مظہر اس دائرہ وجوبی کے نیچے ایک امکانی دائرہ ہے جسے دائرہ کُن فیکون کہتے ہیں۔ عالم حقیقت میں اس دائرے کا مظہر دنیوی موجودات کا مرتبہ حقائق ہے ۔ اشیا کے حقائق اس مرتبے میں ثابت ہیں اور ظاہری عالم میں اس کا مظہر فلک الثوابت ہے جسے فلک البروج سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اور دائرہ کن فیکون کے نیچے ملکیت اور تصرف کا دائرہ ہے ۔ خارج میں اس کا مظہر فلک زحل ہے اس کے نیچے بقا کا دائرہ ہے اور اس کے مظہر فلک مشتری کے اجسام ہیں ۔ اس کے نیچے فنا کا دائرہ ہے جس کا مظہر فلک مریخ ہے ۔ اس کے نیچے نورانی دائرہ ہے جس کا مظہر فلک شمس ہے ۔ اُس کے نیچے مسرت و انبساط کا دائرہ ہے جس کا مظہر فلک زہرہ ہے ۔ اس کے نیچے جزئی تقدیروں (اندازوں) کا دائرہ ہے جس کا مظہر فلک عطارد ہے ۔ اس کے نیچے حسن و جمال کا دائرہ ہے جس کا مظہر فلک قمر ہے ۔ اس کے نیچے دائرہ جلال ہے جس کا مظہر آتشیں کرہ ہے ۔ اس کے نیچے لطافت کا دائرہ ہے جس کا مظہر ہوائی کرہ ہے ۔ اس کے نیچے شفقت کا دائرہ ہے جس کا مظہر آبی کرہ ہے ۔ اُس کے نیچے نزولی کرہ ہے جس کا مظہر خاکی کرہ ہے ۔ اس کے نیچے تالیف (الفت و موافقت) کا دائرہ ہے جس کا مظہر جمادات ہیں ۔ اس کے نیچے تولید (افزائش نسل) کا دائرہ ہے جس کا مظہر نباتات ہے ۔ اس کے نیچے حیاتی دائرہ ہے اُس کا مظہر حیوان ہے ۔ اور اُس کے نیچے پھر وہی جامعیت مطلق کا دائرہ جو پہلے تھا ۔ وہی اوّل ہے اور وہی آخر ۔ اس کا مظہر انسان ہے اور کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صنّاعوں سے بڑھ کر ہے ۔ رباعی :

عالی و دُنی بر تو نظر دوختہ است
وز حسن تو ناز ہر کس آموختہ است
از فیض تو آب و رنگ بر روی زمین
وز نور تو بر تو انجم افروختہ است

Marfat.com

ترجمہ رباعی: کیا اعلیٰ کیا ادنیٰ سبھی کی نظریں تیری ہستی پہ گڑی ہیں۔ ہر کسی نے ناز و ادا تیرے ہی حسن سے سیکھے ہیں۔ سطح زمین پہ یہ آب و تاب اور رنگ و روپ تیرے ہی فیض سے ہے۔ اور تاروں کی یہ سبھا تیرے ہی نور سے جگمگا رہی ہے۔ (مصنف کی اپنی تصریح کے مطابق) لفظ عالی سے مراد افلاک اور نجوم و کواکب اور دیگر اجرام فلکی ہیں، مادی ہوں یا غیر مادی۔ لفظ دُنی (ادنیٰ) سے مراد اربعہ عناصر اور موالید ثلاثہ ہیں جیسا کہ تیسرے اور چوتھے مصرع میں انہی کی طرف اشارا کیا گیا ہے۔ نظر گاڑ دینے سے مراد ہے حقائق ممکنہ کی ذات واجب الوجوب سے وجودی فیض حاصل کرنے کی استدعا و التجا ہے۔ حُسن سے ہماری مراد حضرت وجود کے حُسن ازلی کا ظہور ہے۔ ناز سے مراد اپنی خودی و انانیت کا دعویٰ خواہ قالاً ہو یا حالاً۔ لفظ فیض سے مراد وجودی مسرّتیں اور کمالات اور آب و رنگ سے مراد وجودی رنگ ہے جسے موجودیت کہہ لیجیے اور افروختن (جگمگاتے سے) مراد موجود ہونے سے ہے۔ رباعی کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ اے حقیقی اور بلند شان والے فیاض مطلق تمام موجودات و مخلوقات نے خواہ فلکی ہوں یا ارضی اپنی ہستی اور موجودیت کا فیض تیری سرکار ہی سے پایا ہے۔ اور سبھی تیرے محتاج ہیں۔ تیرے ہی وجود کے ظہور سے ان میں انانیت و خودی کا دعویٰ پیدا ہوا جس کا اظہار بعض زبانِ حال سے کرتے ہیں اور بعض زبانِ قال سے، یہ تیری غنا و استغنا ہی تو ہے جو امیروں، شاہوں اور گداؤں میں تکبّر و غرور و کبریائی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ تیرے وجود کے انبساط (کشادگی) کے فیض ہی سے تمام موجودات میں وجودی کمالات اور موجودیت کے رنگ کی جھلک ہے۔ تیری ہستی کے نور ہی سے ساری مخلوقات منوّر اور موجود ہے۔ فلک حقیقی کے نجومی اعتبارات کے ستاروں کو اسی نورِ واحد سے منور سمجھتے ہیں اور دفترِ وحدت کے ہندسہ دان امتیازات کی کثرت کو وحدانی ہیئت سمجھے ہیں۔ فلک حقیقت کے نجومیوں سے ہماری مراد عارفانِ ذات ہیں اور لفظ حقیقت سے مراد مرتبۂ وجود حقیقی ہے جو تمام موجودات کی اصل الاصل ہے اور حقیقت کو فلک سے تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ جس طرح آسمان اپنی ظاہری صورت سے تمام اشیا پہ محیط ہے اسی طرح باطنی لحاظ سے مرتبۂ حقیقت اعتبارات کی ان کثیر التعداد صورتوں پہ حاوی اور ان میں شامل ہے۔ اور ان اعتباری تعینات کو ستاروں سے اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ جس طرح ستارے بظاہر فلک کے جسم میں قائم و غیر متحرک نظر آتے ہیں اسی طرح تمام اعتبارات بھی اپنی اصل میں ثابت و قائم ہیں۔ اور محض علم فرائض کے جاننے والا فارض نہیں ہیں۔ کیونکہ اشیا کے حقائق ثابت ہیں۔ نورِ واحد کے کلمات مقصود وہی مرتبۂ حضرت وجود ہے جو معنئ واحد ہے دفترِ وحدت کے

Marfat.com

ہندسہ دانوں سے مُراد پھر عارفانِ ذات ہے جو پہلے جملے کے الفاظ کے تھوڑے تغیر و تبدل سے مناسب الفاظ اور عمدہ طریق سے دہرا دیے گئے ہیں ۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے یعنی نورِ وجود کے محیط ہونے کا بیان ۔ رحمان جو ہے وہ عرش پر قائم ہوا ، یعنی درست کیا عرش کو ۔ چونکہ جب حاوی ہونے والے نے درست کیا تو جس پر حاوی ہوا جاتا ہے وہ بھی طبعاً خواہش مند ہوتا ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے محدد کو درست کیا اپنے متمکن ہونے کے ساتھ ، اور اگر کہا جائے کہ معاملہ نہیں ہوتا مگر جسمیات میں ، اور اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جب امورِ منزہ معنویہ کو تعبیر کیا جاتا ہے تشبیہہ سے سمجھانے کے لیے الفاظ میں تو اُسے تعبیر کیا جاتا ہے اسی طرح ۔ پس محذور نہیں جیسے کہ بیان کیا رحمان عزوجل نے اپنے کلام میں اپنے عرش پر متمکن ہونے کے ساتھ اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلک اعظم کو بنا دیا ایک جسم جو مساوی پھیلا ہوا تمام اجسام کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے اور اللہ کی رحمت رحمانیہ کے استوا کے ساتھ ، اور اس کے احاطے کے ساتھ ، تمام موجودات کے احاطے کے ساتھ عموماً اور اطلاقاً اور اس معنی کے اظہار کے لیے اس کے پیچھے اپنا یہ کلام لیا ہے کہ اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین اور دونوں کے بیچ میں ہے ، اور جو کچھ پاتال کے نیچے ہے ۔ پس جو اُس کے اوپر متمکن ہوا ہے وہ وجودِ رحمانی ہے ۔ پہلے مکونات جسمانیہ میں ذاتی اولیت کے ساتھ ۔ پس وہ عرش ہے اور جو اس پر متمکن ہوا وہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے ۔ اور اگر موجوداتِ مجرّدہ میں سے ، پس وہ عقلِ اوّل ہے ۔ اور جو اُس پر متمکن ہوا اطلاقی حیثیت سے اور جامعیت سے ان مراتب کے لیے مجردات و مادیات میں سے پہلے پہل وہ حقیقتِ محمدیہ ہے ۔ (اُس کے صاحب پر درود و سلام) اور یہ حقیقت جامعہ پہلا تعین ہے تمام تعینات پر اپنی عمومیت کے لحاظ سے ، اور یہ حقیقت الحقائق اور عقلِ صادرِ اوّل ہے مراتب المجردات میں اور عرش متعین اوّل ہے مراتب مادیات میں اور پھر اللہ تعالیٰ متمکن ہوا تقدم اور تاخر کے ساتھ اپنی علت اور معلول ہونے کی حیثیت سے تمام موجودات پر عقول اور نفوس اور سماوات اور عناصر (اربعہ) اور موالید (ثلاثہ) میں سے جس طرح کہ اُس نے کہا وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا تمھارے لیے وہ جو زمین میں ہے سب کا سب ، پھر متوجہ ہوا آسمان کی طرف ۔ پس اُس نے درست کر دیا سات آسمانوں کو اور اُن میں ہر چیز سے آگاہ ہے ۔ اور یہاں ایک نکتہ ہے ۔ میری مراد ہے کہ ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں افلاک کے برابر کرنے کا گہرائی کی جانب سے ۔ اسی لیے آغاز کیا اُس نے مخلوقات کے بیان سے جو مرکز کی جانب ہیں ۔ پھر متوجہ ہوا فلک کے تسویہ کو بیان کرنے کی طرف جانبِ شہود سے

Marfat.com

اور یہاں استوا کے ساتھ الیٰ کا صلہ استعمال کیا، اور ایک گزشتہ آیت میں ارادہ کیا فلک اطلس کی کجی کو درست کرنے کا اور نازل کیا صلہ ذلک الاستوا پہ لفظ علیٰ کا، اور جان لو کہ پیچھے لاتا آسمان کے تسویہ کو اور زمین اور جو کچھ اس میں موجود مخلوقات میں ان کے بعد ترتیب کے منہج پر ابتدا کی جانب سے بیان کی نسبت سے جیسے کہ پیچھے لایا اپنا متمکن ہوتا عرش پر لفظ "ثُم" کے ساتھ۔ آسمانوں اور عرش کی تخلیق کے بعد جب کہ اللہ نے کہا وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں اور پھر عرش پر متمکن ہوا اور "ثُم" کے ساتھ عطف فرق کے لیے ہے اور جملوں میں علیحدگی، وقت میں توقف کے لیے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عقل و نقل کے مخالف ہے نظراً اور بداہتہً۔ پس اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور جو کچھ عالم مجردات اور مادیات میں ہے۔ اسی کے لیے ہے خلق اور امر۔ اور وہی ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ احاطۂ تامیۂ وجودیہ، اطلاقیہ، تقیدیہ، اجمالیہ، تفصیلیہ، نوریہ، صوریہ، حقیقیہ، مجازیہ، ذاتیہ وصفیہ کے ساتھ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ تصدیق کی جاتی اُس کے احاطے کی ہر چیز کے ساتھ۔ اور نہ ہونا وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے بلکہ بعض کا محیط ہوتا اور بعض کا نہ۔ اور یہ ظاہر نہیں ہوتا اللہ کے کلام سے۔ بلکہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے ہر جانب سے، کیونکہ واجب بلند ہے ممکنات میں سے تمام جہات (سمتوں) سے، اور عالی و مطلق بلند ہوتا ہے تمام حیثیات سے۔

سبحان ربی الاعلیٰ، سبحانہ ربی الاعلیٰ اور سبحان ربی العظیم و سبحان ربی العظیم۔ تیرا نور پھیلا ہوا ہے اور تیرا ظہور محیط ہے۔ پس جو نہیں دیکھتا انوار کو پس وہ خود میں ہی چھپا ہوا ہے، اور جو ایمان لے آیا ستاروں پر پس اُس نے کفر کیا۔ پس جو کوئی ان تمام اضافی انوار کو جو دُنیاوی اعتبارات ہیں اپنی حقیقت بین نظر میں نہ لائے گا وہ اُس نور حقیقی کی شعاعوں کے قہر و دبدبے میں چھپ جائے گا اور جو ان اعتباری ستاروں کی طرف مائل ہو کر ان مقیدات کے جال میں پھنس گیا اس پر بھی حجاب ہی پڑا رہا اور حقیقت کو چھپانے والا ہی رہا۔ مشتری (ستارہ) اسی کی انگوٹھی کا نگینہ ہے اور زہرہ (ستارہ) اس کی جلوہ ریزی سے رقصاں ہے۔ چونکہ ستاروں کا ذکر چل رہا تھا اس لیے مشتری اور زہرہ کے نام بھی اسی مناسبت سے عبارت میں آگئے اور مشتری اور انگشتری کے الفاظ کی باہمی مناسبت ظاہر اور زہرہ کا اس کی جلوہ افروزی سے رقص کرنا بھی عیاں کہ اُسے رقاصۂ فلک کہتے ہیں۔ حاصل مطلب یہ کہ ستاروں کی اثر آفرینی اس موثر حقیقی کے فیضان سے ہے اور ان سے ظاہر ہونے والے تمام آثار و احکام تقدیر ربانی ہی سے ہیں۔ آسمانوں کے پیالوں میں اسی

Marfat.com

کی شراب ہے اور ستارے اسی کے تابع فرمان ہیں، مراد یہ کہ آسمانوں کے یہ جام اور کاسے اسی شراب قدرت و معرفت سے پُر ہیں ورنہ عناصر کی اس پیداوار میں یہ اثر آفرینیاں کہاں سے آئیں اور ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں ورنہ ان میں سعادت اور نحوست کے اثرات کیسے ظاہر ہوتے۔ ان جملوں کے ساتھ آیت قرآنی اور حدیث نبوی کے یکجا آجانے سے عبارت میں عجیب لطف پیدا ہو گیا ہے۔ رباعی:

اے دردؔ ہر آنچہ در وجود ست اینجا
تبعیت حُکم او نمود ست اینجا
گردون پشتی کہ خم شد از بہر رکوع
خورشید سری کہ در سجود ست اینجا

ترجمہ رباعی: اے دردؔ یہاں وجود میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی کے حکم کے تابع ہے۔ فلک کی پشت اگر خمیدہ ہے تو اُسے رکوع کی حالت سمجھئے۔ سورج اگر سر کی مانند نگوں ہے تو گویا وہ سر بسجود ہے۔ (مصنّف کی اپنی وضاحت کے مطابق) حقائق ممکنہ سے جو کچھ کہ وجود میں آیا وہ علّت ہوں یا معلول وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم اور فرمان کے تابع ہیں۔ بلکہ فاعل حقیقی فقط ہے ہی وہ۔ اس کے سوا کسی اور کو قوت اور طاقت نہیں۔ پشت فلک کے خم ہونے کو رکوع سے جو تشبیہہ دی گئی ہے، یا سورج کی گول شکل کو سر اور پھر اس کے طلوع و غروب کے وقت سر بسجود ہونے کی تشبیہہ نے شعر میں جو محاسن پیدا کر دیے ہیں وہ بالکل واضح اور ظاہر و عیاں ہیں۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

سب تعریف اللہ کے واسطے ہے جو ہدایت کرنے والا ہے صراطِ مستقیم کی طرف اور درود سلام ہو اُس کے رسول محمدؐ صلعم پر اور اس کی آلؓ اور اصحابؓ پر جو تھامنے والے ہیں مضبوط سہارے کے ، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اما بعد پس یہ پچپنواں (۵۵) باب ہے جس کا نام عروۃ الوثقیٰ ہے۔ عروۃ الوثقیٰ سے یہاں مراد اللہ کی طرف سے مداومت کے ساتھ توجہ کرنا ہے اور اس نسبت کا ملکہ حاصل کرنا ہے اور قائم اور مضبوط حضورِ قلبی نفس کے اندر حاصل کرنا۔ پس جس نے اس سہارے کو مضبوطی سے تھاما تو اللہ نے نازل کیں اس پر برکات اس دنیا میں اور نجات دے گا اُسے آخرت میں آگ سے اور داخل کرے گا اُسے جنّت میں جس میں کوئی شبہ نہیں۔ پس تم پر لازم ہے کہ یہ نسبت شریفہ حاصل کرنے کا قصد کرو اور جدوجہد کرو اللہ کے راستے میں تزکیۂ نفس کے ساتھ اور اہتمام کرو دل کی صفائی کا ایسے جیسے اہتمام کرنے کا حق ہوتا ہے اور غنیمت جانو صحبت ان کی جن میں تم یہ نسبت عظمیٰ پاتے ہو عطا فرمائے اللہ ہمیں اور تمہیں ہمیشگی کی توجہ اس طرف جسے تعبیر کیا گیا ہے حدیث میں احسان کے ساتھ اور جو کوئی چہرے کو جھکا دیتا ہے اللہ کے لیے وہی محسن ہے۔ پس اس نے عروۃ الوثقیٰ کو مضبوط تھام لیا۔

Marfat.com

سلوک کے حالات اور بعض احادیث و آیات کی تاویلات کے بیان کا باب

اب ان امور کا بیان آرہا ہے جن کا تعلق سلوک سے اور ان حالات سے ہے جو سالکوں کو راہِ طریقت میں پیش آتے ہیں، یا پھر انہی مذکورہ بالا حالات سے نسبت رکھنے اور انہی کی تائید کرنے والی بعض احادیثِ نبوی اور آیاتِ قرآنی کی تاویلات سے ہے۔ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ قاعدے کلیے کی رو سے وہ امور جو اللہ تک رسائی سے متعلق یا مشروط ہیں، اور وہ حالات و کیفیات جو سالکوں کو راہِ طریقت میں پیش آتے ہیں ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں سوائے اس کے کہ ہر طریقہ یا سلسلہ والے اپنی اپنی اصطلاح میں اُنھیں مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں، اور حاصل سب کا ایک ہی ہے۔ چنانچہ ہر سلسلے والے ان اشیا کو اپنی لغت میں علیحدہ علیحدہ ناموں سے ذکر کرتے ہیں، اور بعض جگہوں میں اتفاقیہ طور پر زبان کی باہمی موافقت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ اور جزئی رو سے ان امور میں سے ہر امر یا ان حالات و کیفیات میں سے ہر حالت اور ہر کیفیت سالکوں میں سے ہر فرد واحد پر ایک خاص انداز سے وارد ہوتی ہے جو دوسروں میں نہیں ہوتا۔ ہر شخص کا معاملہ الگ اور ہر کسی کی کیفیت جدا ہے۔ حتیٰ کہ ایک ہی طریقت والوں کا معاملہ ایک دوسرے سے نہیں ملتا۔ اگرچہ وہ ایک ہی طریق سے ذکر اذکار یا اوراد و وظائف اور مراقبات وغیرہ کرتے ہیں اور ایک ہی شخص سے اُنھوں نے یہ طریقہ سیکھا ہوتا ہے اور اس طریقے کی نسبت کے حصول سے مشرّف ہوتے ہوتے ہیں لیکن حق تعالیٰ سے ہر کسی کا معاملہ الگ الگ ہے۔ ہر کُندنظر کی نگاہ اس امتیاز کو نہیں پاسکتی۔ چونکہ ہر طریقے والوں کی حقیقت ایک ہی ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی مختلف صورتوں پر بھی اتحاد و یکانگت ہی کو حکم فرما سمجھنا چاہیے اور جزئی امتیازات جن کا رفع کرنا محال ہے اُنھیں معتبر نہیں سمجھنا چاہیے جس طرح کہ تمام انسانی نسلیں اگرچہ ظاہری صورت میں مختلف ہیں مگر حقیقت میں سبھی متحد ہیں لہٰذا ہر طریق (سلسلے) کے کامل انسانوں کو بھی متحد سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ ان سب کا مطلوب ایک ہی ہے اور قرب خداوندی یا اس کی نزدیکی کے ایک ہی معنی لینے چاہئیں۔ ان کی اقسام میں خواہ اختلاف اور طریقوں میں فرق ہی کیوں نہ ہو، پس محمدیؐ طریقت کے پیروکاروں کا طریقہ تمام مراتب کو مکمل اور تمام کرنے والا ہے۔ اس کی صعودی مثال اُس جنس سے ہے جو تمام جنسوں پر حاوی اور محیط

Marfat.com

ہوتی ہے، اور نزولی شان بنی نوع انسان سے ہے جو اشرف المخلوقات ہے۔ اس عالی طریقہ کا ظہور نوعِ انسانی کے ایک افضل واکمل فرد کا آئینہ دار ہے۔ یعنی یہ طریقہ سراسر حضور خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے منور ہے۔ آہ زہے نصیب اور شوق زیارت۔ محبوب کا ذکر جس شکل میں بھی کیا جائے بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھنا۔ (یعنی راہ میں گُل نہ ہوجائے) اور ہماری مغفرت فرمادیجیے۔ تو ہر شے پر قادر ہے۔

نجات حاصل کرنے کی ہدایت اور درجات کے ماحصل پہ دلالت

تمام ذکر اذکار، اوراد و وظائف اور سیر وسلوک کی اصل یہ ہے کہ دل کو ماسوی اللہ کے پھندوں سے آزاد رکھا جائے اور دائمی حضوری اور مشاہدہ میسر آجائے۔ اور مصیبتوں میں صبر، قضائے الٰہی پہ رضا، ناپسندیدہ باتوں پہ تحمل اور نفسانی خواہشات سے رُکے رہنے کی قوت کی باگ ڈور ہاتھ میں رہے۔ جب تمھیں یہ سعادت نصیب ہوگئی تو پھر سبھی مقامات اور سارے مراتب حاصل ہوگئے۔ کشف و کرامات کا شیفتہ و فریفتہ نہ بن کہ یہ تماشے تو کفار سے بھی ظہور پذیر ہوجاتے ہیں، اُنھیں استدراج کہا جاتا ہے۔ تمھیں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دُعا مانگنی چاہیے جو کرامت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ دوسروں کی بات چھوڑ اُنھیں اپنے ہی ظنی مقامات اور بشارات میں مگن رہنے دے جو اُنھوں نے بزعم خود اپنے لیے تراش رکھے ہیں۔ تُو تو محمدی طریق میں شامل ہے۔ تو اپنے آپ کو ان قطعی بشارتوں کا مصداق بنالے جو کلام الٰہی میں محمدیوں کے حق میں وارد ہوئی ہیں، اور اپنے رب کے ساتھ زبردست قرب و نزدیکی پیدا کرلے۔ اور اللہ کی اس رفاقت و قرب میں دوامی ملکہ پیدا کرلے۔ جب تیری روح پہ اسمائے ذات و صفات کے ملاحظہ کے بغیر اس ذاتِ پاک سے دائمی رجوع راسخ ہوگیا اور حضوری حق اور مشاہدہ ذات سے آسودہ حال ہوگیا تو پھر تجھے کسی مرتبے یا مقام کے حصول کی تمنّا نہ کرنی چاہیے کیونکہ غوث اور قطبوں کی حالت کا ماحصل یہی ہے۔ دل کو دُنیاوی مرادوں سے خالی کرلے اور اپنے خیالات و توہمات پہ نازاں نہ کر، برگزیدگی حق اور انتخاب الیہ کے یہ مراتب جو تمام مشہور و معروف مراتب سے بھی فائق ہیں، وہ اس طریق اور اس فریق کے خاص الخاص بندوں کے نصیب میں ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ان کا تعلق کوشش اور سعیِ حصول سے نہیں۔ نہ ہی ایسی نعمت عظمیٰ کا خیال ہر کسی کو زیب دیتا ہے۔ اُمت کے ان سرداروں کی ہمسری کا گمان ہر کسی کو کرنا بھی

Marfat.com

نہیں چاہیے۔ پس غنیمت سمجھ کر شکر کے سجدے بجا لانے چاہئیں کہ ان برگزیدہ سادات کے صدقے جو حالات و مقامات کاملانِ حق کے لیے مخصوص تھے وہ مخلص محمدیوں کو بڑی آسانی، فراوانی اور عمومیت سے نصیب کر دیے گئے۔ اور تمام مراتب کے خاتم یعنی سرورِ کائنات نبی کریم صلعم اور ان کی آل اولاد کے ضمن میں بھی فرمانبرداری اور متابعت کو حق تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ لہٰذا بڑے سکونِ قلب کے ساتھ جو تھوڑی بہت زندگی ہے اسے ان صاحبِ اختیار کی مرضی اور خدا و رسولؐ کی رضا کے مطابق گزار دے، اور دُنیا کی ان تمام موہوم صورتوں کو اپنے صفحۂ دل سے مٹا دے۔ کتاب و سنت کی پیروی کر، اپنے دل کو ان کے علاوہ دوسرے وسوسوں سے مجروح نہ کر۔ رباعی:

علمی کہ ہمہ صرف جز و کل کردیم
جز جہل نبود چوں تامل کردیم
اکنوں ناچار بہر صید وحشی
ما دیدہ و دانستہ تغافل کردیم

ترجمہ رباعی: ہم نے اپنی ساری دانست اور علم کو جز و کل ہی پہ صرف کر دیا۔ اور جب ذرا غور کیا تو پتہ چلا کہ جو کچھ کیا سب جہل ہی تھا۔ اب ہر وحشی شکار کی طرح مجبور و لاچار ہو کر ہم نے جان بوجھ کر تغافل سے کام لینا شروع کر دیا ہے۔ (مصنّف کی اپنی وضاحت کے مطابق) اپنے حاصل مصدری معنوں میں علم کا مطلب دانست ہے اور مصدری معنوں میں دانستن (جاننا) ہے۔ اور کسی چیز کے صرف کر دینے سے مُراد اس چیز کا استعمال ہے۔ جز و کل سے مُراد حضرت وجود کے کثیر اور مفصل اعتبارات سے ہے۔ اور جہل جو علم کا متضاد ہے، یا اُس کے معنی نادانست کے ہیں یا نہ جاننے کے۔ تامل سے مُراد غور کرنا اور انجام پہ نظر دوڑانا ہے۔ لفظ وحشی سے مراد ذاتِ مطلق کا لا اعتبار و لاتعین مرتبہ ہے جو کسی قید و شرط کے جال میں نہیں پھنستا اور اُسے شکار کرنا عبارت ہے اس مرتبے کے مشاہدہ کے حصول سے، اور تغافل کے معنی آگاہ ہونے کے باوجود جان بوجھ کر غافل بننا ہے۔ اور دیدہ و دانستہ کے الفاظ اس کی صراحت اور تاکید مزید کرتے ہیں۔ "معلوم ہمہ است" کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر میں بھی اکثر صیاد اور بڑے بڑے شکاری وحشی جانوروں کو شکار کرنے اور اُنھیں سدھانے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کرتے ہیں۔ بظاہر تو ان کی طرف سے تغافل و تجاہل برتتے ہیں اور توجہ نہیں دیتے تاکہ وہ وحشی جانور خود بخود جال میں آن پھنسے اور پھر دوڑ بھاگ نہ کرے۔ پس حاصل مطلب

Marfat.com

یہ ہوا کہ ہم نے وجود مطلق کے کثیر التعداد اور مفصّل مراتب کے ادراک کے لیے دانستہ یا نادانستہ جو حکمتِ عملی بھی اپنائی ان موہومات میں ہماری امتیازی قوت پھنس کر رہ گئی اور جب حقیقت پہ غور کیا اور کام کے انجام پر نظر دوڑائی تو پتہ چلا کہ یہ دانست سوائے جہل کے اور کچھ نہ تھا۔ خواہ وہ نادانست کے معنوں میں ہو یا نادانستن کے معنوں میں ہو۔ یعنی کہ شے کی حقیقت کبھی دریافت نہیں ہو پاتی، لہذا اس شے کی حقیقت کو پانے کا ارادہ اس حقیقت کے نہ پانے ہی سے پھوٹتا ہے۔ اس مقام پہ نایافت کا اعتراف کر لینا ہی عین یافت ہے لہذا حضرت وجود مطلق اور ذات الوجود (جیسے کہ وہ ہیں) ان مشاہدہ کے حصول کے لیے ہم نے جان بوجھ کر تغافل سے کام لیا اور یوں اپنے آپ کو دریافت مشاہدہ کے مشاہدہ ہی میں گم کر دیا۔ کیونکہ اطلاقی حیثیت سے بھی اس مرتبۂ ذات کی طرف متوجہ ہونے کا مطلب گویا مطلق کو مقید کرنا ہے، جیسا کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ جو اس نسبت کے زبردست مالک تھے اُنھوں نے چند جملے لکھے ہیں کہ مشاہدے کا کمال یہ ہے کہ مشاہدے کا شعور بھی نہ رہے اور مشاہدے کی یہ کمال محویت کہ مشاہدے کا ادراک بھی نہ رہ جائے اور جو صرف کاملانِ حق ہی کو نصیب ہوتا ہے، وہ ایک الگ چیز ہے اور عام مشاہدہ جو شہود کا نہ ہوتا ہے اور جو غافلوں کو حاصل ہوتا ہے وہ بالکل الگ چیز ہے۔ ان رموز کو وہی سمجھتا ہے جو واقف کار ہو۔ ظاہر بین اور محجوب لوگ اس امر کو نہیں پا سکتے۔ یہ مقولہ کہ علم حجابِ اکبر ہے۔ یہاں علم کو بڑا حجاب اس کے اپنے شعور کی جہت سے کہا گیا ہے، کیونکہ علم امتیاز کا منبع و مبدا ہے اور امتیاز مغائرت کا باعث ہوتا ہے اور مغائرت (اجنبیت) کو بدنصیبی کی حقیقت سمجھیے۔ جس علم کو حجاب اکبر کہتے ہیں وہ علم العلم ہے نہ کہ ذات العلم جو وصل کا منبع و مبدا اور عین ذات ہے۔ وگرنہ قرب و وصل کا اطلاق بھی نہیں کیا جاسکتا پس علم ہی ہے جو اک اعتبار سے تقرب کا باعث ہے اور ایک اعتبار سے دوری کا موجب اور یہ آیت کریمہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں سے بے نیاز ہے۔ یہ بھی علمی لحاظ سے ہے جو دوری اور جدائی کا باعث ہے اور اللہ تعالیٰ کو عالم اور اہل عالم سے بے نیازی حاصل ہے کہ کسی کی قوت ادراک کا ہاتھ اس کی حقیقت کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر یہی علم جو جدائی کا لازمہ ہے آدمی سے اُٹھا لیا جائے اور مکمل فنا حاصل ہو جائے تو دوری اور فاصلے درمیان سے اُٹھ جاتے ہیں، کیونکہ دوری اور فاصلہ اسی علم کی حیثیت سے حاصل ہوتے تھے۔ جسے حجاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وگرنہ اسی علم پر نظر رکھیں تو عین عالم ہے اور قرب و وصل کا موجب ہوتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس کے کہ وہ تمھاری رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ رگِ

Marfat.com

گردن ہر چند کہ آدمی کے قریب ہے بلکہ عین اس کا جسم ہے اور اُس کے جسمانی اعضا میں سے ہے ، لیکن وہ اپنے تقریب کے ادراک سے محروم رہے ۔ اور وہ مرتبہ جسے عین العلم اور عین الوجود کہتے ہیں وہ اپنی حضوری کے علم سے معمور ہوتا ہے اور فراق میں نہ بدلنے والے اپنے وصل پہ مسرور بھی ۔ اور حقیقت یوں ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ تم سے تمھاری اپنی نسبت سے بھی زیادہ قریب ہے ۔ کیونکہ موجودات میں تو وجود کے سوا اور کچھ موجود ہی نہیں ۔ پس وجود سے بڑھ کر کوئی شے موجود کے قریب تر نہیں ہوتی ۔ تصفیہ اس بیان کا حاصل مطلب یہ ہے کہ حضوری و مشاہدہ ذات کا اتنا ملکہ پیدا کر لینا چاہیے جس سے تجھے حق سبحانہٗ تعالیٰ سے اتنی ہی آگاہی حاصل ہو جائے جتنی کہ تیرے نفس کو تیرے علم حضوری سے ہے ۔ یعنی کہ آگاہی سے شعور و غیر شعور کا تعلق ہی نہ رہے ۔ کیونکہ وصل و قرب اور نزدیکی عبارت ہے اسی حالت سے اور وہ آگاہی جو علم العلم سے پیدا ہوتی ہے اور تکلّف اور عمل سے ہاتھ آتی ہے ایسی کیفیت ہے جو سالکوں کو ابتدا میں حاصل ہوتی ہے اور جب تک اس مرتبے تک نہ پہنچے سلوک میں معتبر نہیں ۔ ہر چند کہ کاملان ذات کو یہ دونوں کیفیتیں ہر وقت حاصل ہوتی ہیں ۔ لیکن چونکہ وہ خود بالکل فنا فی الذّات ہو چکے ہوتے ہیں اور بقائے دوست باقی ہوتی ہے ، اپنے متعلق اس آگاہی کے ادراک کو بھی وہ حق تعالیٰ کی عطا کردہ وجود ہی سے منسوب کرتے ہیں ۔ وہ رکاوٹ اور حجاب نہیں بنتا بلکہ سراپا نور ہوتا ہے ۔

پس جب حق تعالیٰ تک رسائی کا اپنی ہستی کو مٹائے اور نفسانی و جسمانی خواہشات کو دبائے بغیر تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تو ہر کسی کے لیے اپنی ہستی کو مٹانا اور نفس امارہ کو مارنا لازمی اور ضروری ہے ، بلکہ عین فرض ہے ۔ بارگاہِ خداوندی کا یہ فرمان کہ جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے ، واجب التسلیم ہے یعنی جب اللہ تک رسائی کا دار و مدار حالتِ فنا کو حاصل کرنے کی سعی اور نفسانی خواہشات کو مٹانے کی کوشش ہی پر ہے تو پھر سب طالبانِ حق کے لیے اپنے نفس امارہ کو مارنا ، اپنی انا و خودی کو فنا کرنا لازم و واجب ہے ۔ کیونکہ نفس کے ساتھ اسی جہاد کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے ، اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جہادِ اکبر فرمایا ہے ۔ اپنی نفسانی خواہشات اور جسمانی لذات کو بالکل منقطع کر دینا اس راہ کا اک اہم فریضہ ہے ۔ جسمانی خواہشات سے مراد وہ شہوات ہیں جو حیوانی طبع سے پیدا ہوتی ہیں جیسے کھانے پینے ، جماع کرنے ، دشمن سے لڑنے بھڑنے کی شہوتیں اور اسی طرح کی دیگر حیوانی خواہشیں اور نفسانی خواہشات عبارت ہیں ان لذّات سے جو دیگر حیوانات کے علاوہ صرف انسانی نفس کا لازمہ ہیں جیسے حُبِ جاہ ، غرور ، تکبر ، دنیوی

Marfat.com

رفعتیں، لوگوں میں اپنی شیخی بگھارنا، اترانا اور کثرتِ مال ومنال اور ایسے ہی دیگر امور جو انسان سے مخصوص ہیں۔ سوال اگر تم یہ کہو کہ اشیا سے اُن کے ذاتی تقاضے زائل نہیں ہو سکتے، جب تک وہ اشیا ہیں تقاضے بھی رہیں گے۔ پھر ان کے باوجود بھی ان کے تقاضوں سے انقطاع کیسے ہو سکتا ہے۔ اور زندگی میں زندگی سے کنارہ کشی کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ تو اک امرِ محال ہے۔ جواب انقطاع سے یہاں ہماری مُراد ان اُمور کے ناپسندیدہ تقاضوں کے انقطاع سے ہے، نہ کہ مکمل ومطلق انقطاع یعنی کھانا، پینا اور دیگر حیوانی کام کو صرف ضرورت کے مطابق اور نیک نیتی سے عمل میں لایا جائے۔ حلال و حرام میں امتیاز کو مدِّ نظر رکھا جائے۔ اور بالکل انھی اُمور کا آلۂ کار بن کر یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیں پیدا ہی صرف ان افعال کے لیے کیا گیا ہے۔ حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرنا چاہیے۔ ہر کام کے موقع محل کی پہچان کرنی چاہیے، اپنی ملکیتی تقاضوں کو جو حق تعالٰی نے تمھیں ودیعت فرما رکھے ہیں انھیں حیوانی اور شیطانی تقاضوں پر غالب رکھنا چاہیے۔ الغرض اللہ کے ساتھ اک نسبت پیدا کر لینی چاہیے۔ اس کے بعد یہ تمام اُمور جو دوسروں کو دشوار نظر آتے ہیں تم پر آسان ہو جائیں گے اور سختی ومشقت کے رنج والم کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اس حقیقت کو بڑی رضا و رغبت سے قبول کر کے اپنی ہستی کو مٹا دینا چاہیے۔ یعنی کہ نفس امارہ کے خلاف بڑی رضا و رغبت سے جہاد کرنا چاہیے اور اُسے مار دینا چاہیے۔ اختیارات کی باگ ڈور اپنے نفس وجسم کے حوالے نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کے برعکس عمل پیرا ہونا چاہیے۔ ہر چند کہ بظاہر یہ کام انسان پر بڑا دشوار اور گراں گزرتا ہے لیکن درحقیقت اس سے بے شمار فائدے اور بہت سی منفعتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے، اور وہ تم کو طبعاً گراں معلوم ہوتا ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمھارے حق میں خیر ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمھارے حق میں باعثِ خرابی ہو۔ اور اللہ تعالٰی جانتے ہیں اور تم پورا پورا نہیں جانتے۔ پس فنا فی اللہ کا مقام حاصل کرنا چاہیے، اپنی رضا کو خدا کی رضا میں گم کر دینا چاہیے، اپنی قوت اور طاقت سے بری ہو کر اللہ تعالٰی کی قوت وقدرت سے مدد مانگنی چاہیے۔ کیونکہ اس کے سوا کسی اور کو قوت اور طاقت حاصل نہیں۔ جو کچھ بھی ہے اسی کی جلوہ گاہ ہے۔ تیرا وجود گناہ ہے، اس سے گناہ کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ خودی وانانیت کا یہ دعویٰ درحقیقت شرکِ خفی ہے۔ اور شرک تمام جرائم سے بدتر بلکہ کفر ہے اور تمام قسم کے شرّ و فسادات اور گناہوں کی جڑ ہے۔ باقی گناہ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں ہیں۔ سو پہلے تو اس اصلی گناہ سے توبہ استغفار

Marfat.com

کرنی چاہیے تاکہ تم اس کے پیچھے آنے والے دوسرے گناہوں سے بچ جاؤ۔ جب اس گناہ کبیرہ بلکہ سب سے بڑے گناہ سے توبہ نصیب ہوگئی تو اس وجود کے سب اندھیرے تم سے یوں چھٹ جائیں گے گویا یہ گناہ نہ تھا بلکہ تمھیں گناہوں سے توبہ کرنے والا تھا۔ جب شرط فوت ہوجائے تو مشروط بھی فوت ہوجاتا ہے۔ جب گناہ سے توبہ نصیب ہوگئی اور اس سے مشروط تاریکیاں اور کدورتیں بھی دُور ہوگئیں تو پھر گناہ سے توبہ کرنے والا معصوموں کی مانند ہوگیا۔ بلکہ اس سے بھی اک درجہ آگے بڑھ کر اللہ غفّار کو عزیز تر ہوگیا۔ کیونکہ اس گناہ کی لذّت کو چکھنے کے بعد اُسے محض اللہ کی رضا کے لیے ترک کر دیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکی پسند کرنے والوں کو عزیز رکھتا ہے۔ یہاں توبہ کرنے والوں کو پاکیزگی پسندوں پہ اس لیے مقدم رکھا گیا ہے کہ وہ قدر و منزلت میں فائق تر ہیں۔ اور معرفت اور جامعیت میں زیادہ کامل ہیں۔ **سوال** اگر یہ کہا جائے کہ انبیائے کرام بھی تو معصومین ہیں، اور اس بیان سے یہ ظاہر ہوا کہ تائب کا درجہ صالح سے بڑھ کر ہے تو اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ دیگر تائب اس سلسلے میں انبیا سے فاضل تر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے خیالات سے بچائے۔ **جواب** ہر چند کہ انبیائے کرام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ہر امر کی اچھائی برائی اور اُس کے نفع نقصان سے خوب آگاہ کر رکھا ہے۔ اور ان پہ ہر امر کو کماحقہٗ منکشف کر رکھا ہے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ کہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں، یہ بھی نفع نقصان کے اسی علم کی خبر دیتی ہے۔ لہٰذا انبیا حضرات نے ہر عمل کے راز کو کماحقہٗ جان پہچان کر اُسے ترک کیا۔ کہتے ہیں کہ کسی تائب یا صالح نے اس بصیرت سے نہ تو گناہوں کو ترک کیا ہے اور نہ ہی اطاعت بجالایا ہے، تائبین اور صالحین کا مقابلہ امت محمدیہؐ کے مومنین کے ساتھ ہے نہ کہ انبیائے کرام کی جماعت کے ساتھ جو بالکل علیحدہ ہے۔ دوسروں پہ ان کا قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ **فائدہ** یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگرچہ انبیائے کرام ان معلوم عوام صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے مامون و مصئون ہیں اور اولیائے کرام بھی ان سے محفوظ لیکن وہ اپنے اس امکانیت کے داغ کو ہمیشہ اپنی نظر میں کبائر سے بھی بڑا گناہ سمجھتے ہیں، اور ہر گھڑی توبہ و استغفار کرتے رہتے ہیں۔ اور خود کو واجب الوجود کے سائے میں چھپاتے ہیں۔ اپنی نیکیوں اور عبادتوں کو بھی گناہوں ہی میں شمار کرتے ہیں۔ نیکیوں کی اچھائیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔ یہ آیت مذکورہ اسی امر کی خبر دیتی ہے۔ اور سورہ الفتح کی یہ آیت کریمہ کہ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے اور آپ پر اپنے

Marfat.com

احسانات کی تکمیل کر دے بھی اسی معاملے پر روشنی ڈالتی ہے وگرنہ حضور سرورِ کائنات ﷺ (ان پر خدا کا درود و سلام) تو تمام چھوٹے بڑے گناہوں کے داغ سے پاک تھے۔ لہٰذا تمام تر توجہ حضورِ پاک ﷺ ہی کے اتباع پر مرکوز رکھنی چاہیے اور اپنی ہستی کو مٹا کر فنا فی الرّسول اور فنا فی اللہ ہو جانا چاہیے۔ جب خدا کے فضل سے تمھیں یہ سعادت نصیب ہو گئی تو اس وقت تم میں یہ اہلیت پیدا ہو جائے گی کہ تم میں بقا کے آثار نمودار ہو جائیں اور تجھے اس نور الانوار یعنی اللہ تعالیٰ کا نور حاصل ہو جائے جس سے تو راہِ ہدایت کو دیکھ سکے اور تجلّی ذات سے اقتباس کر سکے گا، اور اس آیت کریمہ کے رازِ نہاں کو پالو گے کہ وہ نورٌ علیٰ نور ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اس نور تک جس کو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ گویا کہ فنا فی اللہ کا مقام حاصل کرنے کے بعد ہی بقا باللہ کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ کہ جب تک تم اپنی ہستی کو مٹاؤ گے نہیں بقا کا مقام نہ پا سکو گے اور جب تم میں بقا کے آثار نمودار ہوں تو اس وقت اس عطا شدہ وجود پر اُس وجود مطلق کی نورانیت منکشف ہو جائے گی جو نور الانوار ہے اور اُس نور کی بدولت راہِ ہدایت کو پا کر تم اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے اور تجلیات ذات سے شرفیاب ہو جاؤ گے، بلکہ تم یہ راز بھی پا سکو گے کہ فقط وہی اک نور ہے جو فقط اپنے آپ پر منکشف ہوا اور جس نے مرتبۂ امتیاز میں نورٌ علیٰ نور کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے نورِ ہدایت سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ اس وقت تو اس وسیع نور کو دیکھے گا جو عرش سے لے کر تمام اشیا پر محیط ہے اور تمام آسمان اور زمین جو کچھ بھی ان میں ہے اسی نور سے ظاہر ہے، جدھر کو بھی نگاہ اُٹھاؤ گے اسی نورِ بسیط کو محیط پاؤ گے۔ اور اس مقام پر تم یہ نغمہ الاپنے لگو گے کہ جدھر کو بھی رُخ کرو ادھر اللہ تعالیٰ ہی کا رُخ ہے، اور اس پردے سے یہ تجلّی ظہور پذیر ہو گی کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ نورِ بسیط سے مُراد حضرت باری تعالیٰ کا وہ مرتبہ اطلاق ہے جو تمام فلکی اور ارضی مقیدّات پر چمکا اور جس سے تمام موجودات اور مخلوقات نے ظہور پایا۔ کیونکہ وہ تمام اشیا پر حاوی ہے۔ وہی ہے جس سے ہر چیز پیدا و ہویدا ہوئی ہے ہر سمت اسی کے ظہور کا جلوہ ہے۔ آسمان اور زمین اسی کے نور سے پُر ہیں تو اس وقت اس نورِ وجود کی شعاعوں کی چکاچوند اور ہیبت سے ماسوی اللہ سبھی کچھ تیری نظروں میں فنا ہو جائے گا۔ اور تمام سیارے ستارے نورِ خدا کے غلبے سے ماند پڑ جائیں گے۔ پس اس وقت تیرے حال پر خدا کی ہر قسم اور سوگند صادق آئے گی کہ قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہونے لگے یعنی جب مذکورہ بالا حقیقت تم پر آشکارا ہو گئی

Marfat.com

تو اُس وقت اس نور کے غلبے کی وجہ سے تمام اشیا کو سچ سمجھوگے۔ اور جس طرح سورج طلوع ہونے کے بعد سب ستارے نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، اسی طرح اس نور کے ظہور کے بعد سب موجودات کے تشخصات تیری چشمِ بصیرت سے اوجھل ہو جائیں گے اور تیری نگاہ ان ستاروں اور دیگر اشیا کے آثار پر ہرگز نہ پڑے گی۔ وہ جلوۂ حقانی تمام اعتبارات کو بے نور کر دے گا۔ گویا کہ حق تعالیٰ نے یہاں عارفانِ ذات کی اسی حالت کی قسم خود کھائی جو کہا کہ قسم ہے ستارے کی جب غروب ہونے لگے۔ سوال اگر تم یہ کہو کہ نورِ آفتاب کے سامنے ستاروں کے چھپ جانے کی مثال سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح نورِ حق کے سامنے دُنیاوی موجودات عارفوں کی چشمِ بصیرت سے مخفی ہو جاتی ہیں اور اس نور کے سوا اور کچھ نہیں رہ جاتا۔ اگرچہ اپنی اپنی ذات میں وہ موجودات سب موجود ہوتی ہیں۔ لیکن عارف لوگ اُنھیں نہیں دیکھ پاتے جس طرح کہ دن کے وقت سورج کے سوا اور کوئی ستارہ نظر نہیں آتا۔ حالانکہ وہ ستارے وہاں موجود ہوتے ہیں۔ سو اہلِ شہود کے مذاق کے مطابق یہ معانی درست ہیں، لیکن اہلِ وجود کے مذاق کے مطابق یہ کیسے راست آسکتے ہیں کہ وجود تو ان کے نزدیک فقط حق تعالیٰ کا وجودِ مطلق ہے اور ماسویٰ اللہ کو وہ معدوم کہتے ہیں۔ کسی شے یا حقیقت کو پالینا یا نہ پالینا تو الگ رہا۔ جواب مذکورہ بالا مثال سے مراد یہاں فقط ان مخلوقات و موجودات کے اُس نورِ وحدت کے سامنے گم ہو جانے سے ہے۔ وحدت الوجود یا وحدت الشہود کے ہر سالک کے لیے لازم ہے کہ اس میں یہ مشاہدہ پیدا ہو سکے۔ بلکہ ہر مومن اور مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس حالت تک پہنچے تاکہ حقیقی ایمان حاصل کر سکے اور سیر و سلوک کا نتیجہ ظاہر ہو۔ لہٰذا اس تمام بیان سے ہماری غرض اس کیفیت کے اظہار سے ہے جو سلوک میں سالک کو پیش آتی ہے نہ کہ وحدت الوجود یا وحدت الشہود کے کسی امر کو ثابت کرنا یا جھٹلانا۔ ہم مخلص محمّدیوں کو وحدت الوجود یا شہود کے مسئلہ سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم تو آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں اس امرِ حق کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور توحیدِ محمّدی کو بیان کر رہے ہیں اور وہی توحیدِ مطلق ہے۔ اس توحید کے اسیر جو وحدتِ وجود اور شہود کی قیود میں جکڑے ہوئے ہیں وہ اپنی اپنی جزوی عقل کے مطابق جدھر چاہیں محمول کریں۔ ہاں ہاں اُنھوں نے بھی ہمارے رب کے کلام سے، جو کلامِ الٰہی ہے، اور ہمارے آقائے نامدار کے فرمودات سے جو احادیث ہیں یہی نتائج اخذ کر کے بعض وحدت الوجود کے قائل ہو گئے اور بعض وحدت الشہود کے۔ خالص محمّدیت (اس کے صاحبان پر سلامتی ہو) کی جامعیت سے غافل رہ کر وہ فقط ایک ہی ڈھنگ سے آشنا ہو کر رہ گئے۔ ہم محمّدیوں کا

Marfat.com

مسلک تو توحید مطلق ہے جو شہود یا وجود میں سے کسی ایک کی قید کی پابند نہیں ۔ ہمارا نظریہ دونوں پہ مشتمل ہے ۔ یہ قیود و شرائط تو محدثات (حدوث کرنے والی اشیا) میں سے ہیں ۔ ان کی پابندی ان کی حقیقت سے ناآشنائی اور تنگیٔ ظرف کی غماز ہے ۔ خدا نے چاہا تو ان مطالب کا مفصل اظہار اس باب میں کیا جائے گا جو ہم توحید محمدیؐ کے بارے میں لکھیں گے ۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ فقط ایک اُسی کو دیکھنا چاہیے ، اسی کو سمجھنا چاہیے اور اس حالت سے کیف و سرور حاصل کرنا چاہیے اور پہلے ہی سے اس امر کی کیفیت کی دریافت میں نہ کھو جانا چاہیے ۔ اس کیفیت میں دوام حاصل کرنے کے بعد ذاتِ واحد پہ پوری توجہ مرکوز کرنی چاہیے ۔ آخر کار دنیاوی مشاغل سے یہ قطع تعلق تجھ پہ تیری استعداد کے مطابق حقیقت کا انکشاف کر دے گا اور تجھے سکونِ قلب نصیب ہو جائے گا اور تم حق الیقین کے درجے تک پہنچ جاؤ گے ۔ اس وقت تمھارے دل سے ہر قسم کے شکوک و شبہات دُور ہو جائیں گے ۔ اس مقام پہ پہنچے بغیر خاطر خواہ تسکین قلب حاصل نہیں ہوتی ۔ یہی وہ مقام ہے جسے بزرگوں نے مقامِ فنا سے تعبیر کیا ہے ۔ یعنی جب تیری مشاہدے کی نظر سے ماسوی اللہ کے وجود غائب ہو گئے اور اُس نور مطلق کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیا تو اس حالت کو اکابر دین اور بزرگانِ اسلام نے فنا فی اللہ سے تعبیر کیا ہے ۔ اور جب اللہ تعالیٰ محض اپنی عنایت سے تمھیں اس نور میں محویت کی سعادت بخشے اور اُس مشاہدہ نور کو بھی اس گھڑی تو وہی نور سمجھے اور پھر یہ سمجھ بھی باقی نہ رہے اور کمالِ مشاہدے سے حضوری کا ادراک بھی نہ رہے ، ایسی حالت کو فنائے فنا کہتے ہیں اور یہاں عنایت اللہ کی قید اس لیے لگا دی گئی کہ مشاہدۂ ذات میں کلی محویت اکتسابی چیز نہیں اور کسی توسّط یا توسّل سے حقیقت کا انکشاف نہیں ہوتا ۔ ہر چند کہ اس سعادت کا حصول بھی کسی حیلے بہانے کے بغیر نہ ہو گا لیکن دراصل اس رسائی کا وسیلہ صرف اللہ تعالیٰ کی قبولیت و پذیرائی اور اُس کا جذبہ ہے ۔ جب خدا تعالیٰ نے تمھیں قبول فرما لیا اور اسی ایک نور کے مشاہدے میں محویت عطا فرما دی تو اس وقت اس نور کے شاہد کو بھی تم وہی خود سمجھو گے ۔ بلکہ اس مشاہدے کے غلبے میں اس امتیاز کی دانست بھی گم ہو جائے گی ، اور اس حالت کو سلوک کی منازل میں فنائے فنا سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس مقام پہ فنا کے معانی کا ادراک یعنی بقائے موہوم کا اثر بھی باقی نہیں رہتا ۔ اور کلی فنا ظہور پذیر ہوتی ہے ۔ اور ہر قسم کی مثبت اور منفی نسبتیں بھی زائل ہو جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے جو بزرگوں نے کہا ہے کہ اللہ کے سوا اللہ کو کوئی نہیں پہچانتا اور اللہ کے سوا کوئی اور اللہ کا ذکر نہیں کرتا ۔ بزرگوں کا یہ مقولہ اسی فنائے فنا کی حالت کی خبر دیتا ہے اور توحید تمام اضافات کو گرا دیتی ہے

Marfat.com

کے بھی یہی معنی ہیں - رباعی :

اے باعثِ پیدائے ہر نفس الامر
پرسی زمن گم شدہ گر نفس الامر
شد حکم تو چون نغمہ نقوش عالم
جز امر تو نیست ہیچ در نفس الامر

ترجمہ رباعی: اے مالک تو جو کہ ہر موجود کی پیدائش یا ظہور کا باعث ہے، تم اگر مجھ معدوم سے امر واقعی کے معانی پوچھتے ہو تو میں کہوں گا کہ سب نقوش عالم (مخلوقات) منقوش نغمہ کی طرح ہیں جو گانے والے کی آواز میں موجود ہوتے ہیں - اسی طرح سوائے تیرے حکم (کن) کے فی الواقع کچھ موجود نہیں. (مصنف خود ان تلمیحات اور کنایات کی کڑیاں یوں کھولتا ہے کہ) رباعی کے مصرعوں کی ردیف یعنی لفظ نفس الامر سے پہلے مصراع میں مراد ہے وجود نفس الامر ہی سے، دوسرے مصرعے میں اسی سے مُراد بیانِ امر واقعی ہے اور چوتھے مصرعے میں اس سے مراد نفس الواقع ہے - لفظ پیدائی سے مراد مرتبۂ اعتبار میں ظہور ہے. پرسیدن سے مراد عطائے قدرت بیان ہے. اور گم شدہ سے مراد معدوم ہونا ہے - لفظ حکم سے مراد وجود (اپنے مصدری معنوں میں) جو کہ لفظ کن کی بنا پر نکلتے ہیں - نقوش سے مُراد موجودات اور منقوش نغمے اسی کے ظاہری شعبے اور مقام ہیں - اور لفظ امر سے مراد ہے حقیقتِ وجود - پس رباعی کا مطلب یوں ہوا (کہ شاعر اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے) کہ اے خالقِ کائنات تو ہی ہر موجود کے اس مرتبۂ امتیاز میں ظہور کا باعث بنا ہے. اور تمام موجودات کو اس نفس الامر کے اعتبارات میں تمہی نے گرفتار کر رکھا ہے. ہر چند کہ یہ عالم ہے سراسر اعتبارات ہی لیکن علم فرائض کے جاننے والے کے فرض سے متعلق نہیں جس طرح کہ طلوع آفتاب اور وجودِ روز (دن) کی مستقل و دوامی رفاقت اگرچہ اعتباری امر ہے لیکن وہ بھی فرائض کے جاننے والے کے فرض پر موقوف نہیں - لہذا اگر تو اس معدوم ہستی یعنی مجھ بندۂ ناچیز کو قوت بیان عطا فرما کر یہ چاہتا ہے کہ امر واقعی بیان کروں تو حقیقت یہ ہے کہ تیرا وجود ظلّی (اپنے مصدری معانی میں) موجودات عالم کے ظاہری وجودوں میں نمودار ہوا - اور جس طرح کہ نغمہ کے نقوش میں مغنّی کی آواز کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوتا اسی طرح تیرا حکم (کُن) یعنی "ہوجا" مخلوقات کی مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہوا. جیسا کہ اس آیت

Marfat.com

کریمہ سے واضح و آشکارا ہے کہ جب وہ (خدا) کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا معمول تو یہ ہے کہ اُس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ تیرے ہی وجود کی حقیقت ہے جو فی الواقع موجود ہے بلکہ لفظ واقع بھی اس کی نسبتوں میں سے ایک نسبت ہے۔ کیونکہ وہی اوّل ہے اور وہی آخر اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن۔ اور اللہ تعالیٰ ہر ہستی کا علم رکھتا ہے۔

Marfat.com

هوالناصح

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

سب تعریف اللہ ہی کے واسطے ہے جو صبور اور قیوم ہے کہ جس نے تیار کیا عاقبت کو متقین کے لیے اور بنایا آخرت کو پہلے سے بہتر خالص محمدیوں کے لیے اور درود و سلام ہو اس کے رسول محمد صلعم پر جس نے کہ استقامت اختیار کی جیسے کہ اُسے حکم دیا گیا اللہ رب العالمین کی طرف سے، اور آپ کی آلؓ واصحابؓ پر جو صبر کرنے والے راست رو تھے۔ اما بعد پس یہ چھپنواں (۵۶) باب ہے جو کہ عاقبت الامور کے نام سے موسوم ہے۔ یعنی جو اللہ کے معاملات کا انجام۔ پس جو کوئی گیا اللہ کی طرف انتخاب اور چناؤ کی راہ سے اور حاصل ہوئی اس کے لیے نسبت تامہ اس کے دوسرے نام سے، اور وہ پہنچا قرب کے مراتب میں سے آخری مرتبے کو اور اُس پر سلوک مکمل ہوگیا۔ تو اُس کے اوپر معاملات کے نام کے تمام انجام منکشف کردیے جاتے ہیں صحیح کشف کے ساتھ، اور وہ دیکھتا ہے ہر معاملے کا انجام بصیرت کی نگاہ سے اور اللہ اُسے بصیر بنا دیتا ہے۔ پس وہ عمل کرتا ہے بصیرت کے ساتھ اور لوگوں کو متنبہ کرتا ہے ان کی غلطیوں پر اور اُنھیں حکم دیتا ہے اس چیز کا جو اُنھیں فائدہ دیتی ہے آخرت میں، اور روکتی ہے اس چیز سے جو آخرت میں ضرر دیتی ہے، اور اُنھیں برانگیختہ کرتا ہے صبر و استقامت پر اور اللہ ہی سے توفیق ہے ؛

Marfat.com

صبر و استقامت کے بیان کا باب

صبر و استقامت کا بیان اور ان کے حاصل کرنے کا حکم بلاؤں پر صبر کے بغیر اور راضی برضائے حق ہوئے بنا قلبی اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ دل کا علاج رضا بقضا ہی میں ہے، اور ایک گھڑی بھر کا صبر دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجیے (جن کی یہ عادت ہے) کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کی ملک ہیں، اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔ ہر چند کہ متن میں ذات الصبر اور ذات الاستقامت کی حقیقت کو صریحاً بیان نہیں کیا گیا، لیکن صبر و استقامت کی حالت کے فوائد کی بنا پر ان کے متعلق کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور دلائی اور اُس کے حاصل کرنے کا حکم بھی سنایا، کیونکہ عالموں اور عاقلوں کے لیے امور حقہ کی اتنی خبر ہی درکار ہے تاکہ وہ اس کے مطابق عمل کر سکیں اور اُس کے مفید مطلب نتائج سے بہرہ یاب ہو سکیں۔ وہاں حقیقت کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ وہ حقیقت فہم ہوتے ہی نہیں۔ لیکن اب جب کہ شرح میں تفصیل درکار ہے تو ہم حقیقت کی کچھ نہ کچھ وضاحت کیے دیتے ہیں۔

ذات الصبر اور ذات الاستقامت کی تحقیق کے بیان کا باب

یہ سمجھ لو کہ صبر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام صبور بھی ہے۔ جس طرح کہ شکر بھی اسی کی صفات میں سے ہے جس پر یہ آیت کریمہ شاہد ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ صبور بھی ہے اور شکور بھی۔ ان دونوں اسموں نے اسمائے جلالی اور جمالی کے اعتبار سے امتیاز پایا۔ کیونکہ یہ عالم اسی کے اسمائے حسنیٰ کا ظہور ہے۔ جلالی اسماء موجودات سے وجود کو اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ اور جمالی اسماء اشیا کو وجود کے لباس میں ملبوس کرتے ہیں۔ چونکہ وجود اپنی ذات میں موجودات کا ایجاد کرنے والا ہے جس طرح کہ نور طبعاً اشیا کو روشن کرنے والا ہے۔ پس اسمائے جلالی کے تقاضے کے مطابق موجودات سے وجود کے اکھاڑ پھینکنے پر وہ اپنی قضا (حکم) پر خود ہی صابر بھی ہے، کیونکہ اپنے ظہور کے پیش نظر حضرت واجب الوجود اپنے کمالات کا اخفا اور پوشیدگی نہیں چاہتا اور اپنی قضا (حکم، تقدیر) پر صابر بھی ہے کیونکہ اپنی حکمت بالغہ کے تقاضے کے بموجب ہر شے کو اُس کے وقت معینہ پر ظہور میں لایا اور

Marfat.com

مختلف زمانوں میں اشیا کی ایجاد کے تقدم و تاخر پہ توجہ دی، اور سنت الٰہی میں کسی قسم کا تغیر و تبدل رونما نہ ہوا۔ نہ ہی اس کی قدرت کاملہ نے عجلت سے کام لیا۔ بندوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دینے کے لحاظ سے بھی اس ذات پاک کو صبور کہا جا سکتا ہے کہ سزا و جزا کا وعدہ اس نے قیامت پہ ٹال رکھا ہے اور فی الحال وہ اپنی اسی قضا ہی پہ صابر ہے جیسا کہ ظاہری علما نے بیان کیا ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ اسمائے جمالی کے اعتبار سے شکور ہے۔ ان جمالی اسمائے حسنیٰ کے تقاضوں کے بموجب، وہ موجوات کو اپنے ہی رنگ میں رنگتا ہے اور اپنے کمالات کا یہی اظہار حق تعالیٰ کا اپنی ذات کے لیے شکر ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شکور اپنی نعمتوں کے بیان کے لحاظ سے ہو۔ کیونکہ اس نے اپنے کلام پاک میں اپنے بندوں کے لیے نعمتیں ایجاد کرنے کو خود بیان کیا ہے۔ جیسا کہ سطحی علما سمجھتے ہیں۔ استقامت بھی اس حی و قیوم کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے۔ کیونکہ وہ قائم بالذات ہے اور قائم بذاتِ غیر نہیں۔ منطقی جوہر کو جو قائم بالذات کہتے ہیں تو وہ مجازی معنوں میں اس کا اطلاق کرتے ہیں نہ کہ حقیقی معنوں میں۔ کیونکہ قیام کا متضاد اعراض ہے۔ (وہ اشیا جو قائم بالذات نہ ہوں) سو سالک جس وقت تمام اسمائے حسنیٰ اور ان کی تابع صفات کے پردوں سے نکل کر قیومیت کی صفت حُسنِ تجلّی سے مشرف ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کی تابع صفات میں سے ہے۔ اس وقت اُسے استقامت نصیب ہو جاتی ہے جو تمام بزرگیوں کی سردار ہے اور وہ تمام حالات میں راستی ہی پہ قائم رہتا ہے اور مستقل قرار و قیام پیدا کر لیتا ہے۔ وہ رنگا رنگی کے مراتب سے اوپر نکل کر تمکین کے باوقار مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قائمین کو سیدھا کرنے والا ہے، اور اپنے بندوں کو استقامت دینے والا ہے۔ وہی طاقتور اور مضبوط ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں با فراغت صبر عطا فرما، اور ہمارے قدموں کو جمائے رکھیے، اور کافر لوگوں پہ ہماری مدد فرما۔ (ہمیں کفار پہ غالب کیجیے) یہ سمجھ لینا چاہیے کہ صبر اور بے صبری کا اطلاق دو حالتوں پر کیا جاتا ہے۔ ایک تو کسی پسندیدہ چیز کے کھو جانے پہ اور دوسرے کسی مکروہ چیز کے مل جانے پہ۔ پس چیز کی محبت اور رغبت جتنی شدید ہو گی اس کی گم شدگی پہ اتنی ہی بے صبری زیادہ ہو گی۔ اور جس امر سے جتنی نفرت اور کراہت زیادہ ہو گی اس کے پا لینے میں اتنی ہی بے صبری غالب آئے گی۔ لہٰذا جب تک ماسوی اللہ سے مکمل طور پہ قطع تعلق اور اللہ تعالیٰ کا پورا پورا توسّل و توسّط پیدا نہیں ہوتا۔ بلاؤں پہ صبر اور راضی برضائے قضا کی باگ ڈور ہاتھ میں نہیں آتی۔ اور جب تک اُس شکور و صبور ذات کی تجلی دل پہ نہیں پڑتی تو یہ ناشکرا انسان جس کے حق میں خود خدا نے فرمایا ہے کہ وہ بڑا ظالم و ناشکرا

Marfat.com

ہے، شکر کی سعادت و نعمت سے مالا مال نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک حضرت صبور جل جلالہٗ اس کے دل پر تجلّی ریز نہیں ہوتا اور یہ ضعیف البنیاد انسان جس کے متعلّق خدا نے خود قرآن میں فرمایا ہے کہ جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (حد ا باحت) سے زیادہ جزع فزع کرنے لگتا ہے، وہ بلاؤں کی سہار نہیں کر سکتا۔ اللہ شکر اور صبر کرنے والے لوگوں کے دلوں کو منور کرتا ہے اپنی شکوریت اور صبوریت کے نور سے۔ پس وہ قادر ہوتے ہیں شکر پر اور صبر پر۔ پس یہی لوگ کامیاب ہیں۔ پس ایمان کے دو نصف حصّے ہیں آدھا شکر اور آدھا صبر۔

صبر و استقامت کے متعلّقات کے بیان کے فوائد

صبر اس راہ (سلوک) کی ضروریات میں سے ہے۔ حالتِ صبر کے حاصل کیے بغیر حُسن ایمان کا قیام اک امر محال ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ جہان میں جو کچُھ بھی معرضِ وجود میں آئے وہ تیری ہی مرضی اور خواہش کے مطابق ہو پس جو کچُھ تمھاری مرضی یا خواہش کے خلاف ہے۔ اس پر صبر کرنا اور اسے برداشت کرنا لازم ہے، تاکہ حُسن ایمان اور بندگی کے مناسب ترین ستون یعنی تسلیم و رضا کے معاملے میں خلل نہ آنے پائے اور وہ خلل تیرے باطن کو بدمزہ اور پریشان نہ کر دے۔ اسی لیے حضور رسولِ کریم صلعم نے فرمایا تھا کہ صبر آدھا ایمان ہے۔ کیونکہ تمام (مکمل ایمان) یہ ہے کہ نہ تو دُنیا کی نعمتوں سے فرحت حاصل ہو اور نہ ہی دنیوی آلام سے تیرگی آنے پائے، جیسا کہ قرآن حکیم کی واضح نص ہے کہ جو چیز تم سے جاتی رہے اس پر انتہا رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں۔ لہٰذا صبر جو بلاؤں مصیبتوں میں تحمل و سہار کا نام ہے نصف ایمان ٹھہرا، اور استقلال جو ان مقامات کا منتہٰی اور سیر و سلوک کا ماحصل ہے اس میں کیا صبر اور کیا شکر، کیا رضا و کیا تسلیم، کیا قناعت اور کیا توکل، سبھی کمالات شامل ہیں۔ کیونکہ استقلال کے بغیر ان مذکورہ بالا امور میں سے کوئی بھی ہاتھ نہیں لگتا۔ گویا استقامت و استقلال مکمل ایمان ہے کہ وہ دنیوی نعمتوں کے ملتے وقت اِترانے سے روکنے میں بھی کام آتا ہے اور بلاؤں کے نزول کے وقت ان سختیوں کو برداشت کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ یہ استقلال کا معاملہ سب معاملات کی آخری حد ہے۔ اسی لیے آخر کار اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مقبولؐ کو استقلال و استقامت کا یوں حکم دیا کہ آپؐ جس طرح کہ آپؐ کو حکم دیا ہے مستقیم رہیے۔ مفسّرین لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی

Marfat.com

توحضور پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ سورۂ ھود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ اس لحاظ سے کہ یہ آیت کریمہ سورۂ ھود میں ہے اور حدیث شریف کا مطلب ہے کہ بوڑھا کر دیا مجھے سورۂ ھود نے کیونکہ اس میں مجھے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے استقلال و استقامت کا فرمان دیا ہے۔ اور استقامت اک کٹھن گھاٹی اور عظیم بات ہے۔ اس کی عظمت کے مشاہدے نے مضمحل کر دیا اور میں بوڑھا ہوگیا۔ یہ بھی سمجھ لو کہ جس طرح اوامر معروف (نیک کاموں) کی ادائیگی اسی فرمان استقامت میں داخل ہے اسی طرح نواہی منکر (غیر شرعی کاموں) کی ممانعت بھی استقامت میں داخل ہے۔ کیونکہ اوامر یعنی نیک کاموں کے کرنے کا حکم ہے۔ اور نہی منکر میں بُرے کاموں سے رُکنے کا حکم ہے۔ یہ دونوں حکم حقِ تعالیٰ ہی کے ہیں اور اللہ جو چاہتا ہے اس کا حکم دیتا ہے۔ استقلال کی دو قسمیں ہیں: ایک ظاہری استقامت اور دوسری حقیقی استقامت۔ ظاہری استقامت اکثر مستقل مزاج، شجاع اور غیور کو بھی حاصل ہوتی ہے، اور وہ اپنی قراردادوں پر قائم رہتے ہیں، اور سختیوں اور مصیبتوں میں لڑکھڑاتے نہیں۔ یہ شریف النفس اور مضبوط دل لوگوں کا کام ہے اور استقامت حقیقی وہ جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص الخاص بندوں کو ان کی قوتِ مشاہدہ تائید ربانی اور قرب و نزدیکی کے باعث سلوک کی تمام منزلیں اور مرتبے طے کرنے کے بعد عطا کرتا ہے۔ اور دونوں استقامتوں کے درمیانی فرق کو وہی سمجھ سکتا ہے جو بقائے ظاہری اور بقائے حقیقی کا فرق جانتا ہو، کیونکہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ بقائے ظاہری جو تمام موجودات کو حاصل ہے، اور حقیقی بقا جو مکمل فنا کے بعد اولیائے کرام پر اللہ کے عطا کردہ وجود کو بقا باللہ کی صورت میں میسّر ہوتی ہے۔ پس جتنا فرق ان دونوں میں ہے اتنا ہی فرق ظاہری اور حقیقی استقامت میں ہے اور راہِ راست کی طرف ہدایت دینے والا وہی ہادئ برحق ہے۔ صبر کی قسموں، ان کے مراتب کے فرق اور دیگر متعلقاتِ صبر کا ذکر خدا نے چاہا تو اُس باب کی شرح میں آئے گا جس کا نام صبرِ جمیل ہے۔

تنقیح (کانٹ چھانٹ۔ آراستگی و پیراستگی)

بعض اولیائے کرام کے ملفوظات اور حکایات سے یہ استفادہ بھی ہوتا ہے کہ مکروہات پر صبر کرنے کی بجائے راضی ہوجانا چاہیے، کیونکہ جو کچھ بھی ظہور پذیر ہوتا ہے (یعنی مکروہ یا مرغوب) وہ اسی محبوبِ حقیقی کے افعال ہیں۔ لہٰذا دوست کی رضا کے مطابق راضی ہوجانا چاہیے نہ کہ مجبوراً ان

Marfat.com

پر صبر کرنا چاہیے، بلکہ رضا سے بھی آگے بڑھ کر ان پر بھی شکر کرنا چاہیے۔ اور اس مقام سے آگے بڑھ کر اُسے بھی مشاہدۂ محبوب میں گم کر دینا چاہیے۔ جس طرح کہ ان میں سے کہنے والے نے کہا کہ نہیں ہے سچا اپنے دعوے میں وہ شخص جو اپنے مولی کی ضرب پر صبر نہیں کرتا تو راضی نہیں اپنے مولا کی ضرب پر اور ایک اور نے کہا کہ نہیں ہے سچا اپنے دعوے میں وہ شخص جو شکر ادا نہیں کرتا اپنے مولی کی ضرب پر، اور کہا رابعہ بصری نے کہ نہیں ہے سچا اپنے دعوے میں جو نہیں بھولتا ضرب کو اور ضرب کے دکھ کو اپنے مولی کے مشاہدے میں اس قسم کی باتیں غلبۂ مستی کی اطلاع دیتی ہیں اور حقیقت سے ناواقفیت کی غمازی بھی کرتی ہیں، نیز یہ حالت دائمی اور دوامی بھی نہیں ہوتی جیساکہ اس صاحبِ حال کے الفاظ سے اب بھی ان تمام امور کے امتیازات کا اثبات اور ان کے باہمی فرق کا احساس ہوتا ہے۔ پس اگر معاملہ یوں ہو کہ احساس کا فقدان اور حواس کا تعطل ہی بہتر ہو تو انبیائے کرام (ان پر خدا کی سلامتی ہو) اور اولیاء اللہ نہ صابر ہوتے نہ راضی اور نہ ہی شاکر، کیونکہ وہ ان تمام حالات و معاملات سے گزر کر مشاہدۂ ذات میں مستغرق تھے۔ اور صبر و شکر و رضا کے لیے ان امور کا احساس ضروری ہے جن پر انسان صابر و شاکر اور راضی ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنے وجود کا شعور بھی درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رسولِ مقبول صلعم کو صریحاً فرمایا کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ رہو، اور صبر کرو اس بات پر جو وہ کہتے ہیں، اور انہیں چھوڑ دو اچھی طرح چھوڑنا، اور وہ نہیں کہتا کہ راضی ہو جاؤ اس سے جو یہ کہتے ہیں کہ شکر ادا کرو اس پر جو یہ کہتے ہیں۔ پس حقیقتِ حال یہ ہے کہ عوام کو طبعاً بعض چیزوں سے کراہت ہوتی ہے اور بعض سے رغبت۔ وہ مکروہات پر ناراض اور بے صبر ہو جاتے ہیں اور پسندیدہ اشیا یا امور پر خوش و خرم ہو جاتے ہیں۔ اور سالک ان چوپائے جیسے حیوانات کے مرتبے سے باہر نکلتا ہے اور سلوک کی ابتدائی منزل کو طے کر کے وسطی مقام اور صعودی حالت کو پہنچتا ہے تو اس مقام کی بلندی کی وجہ سے یہ نچلی چیزیں اس کی نظر سے چھپ جاتی ہیں۔ اور مستی کے غلبے کی وجہ سے کسی شے کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا احساس ہی نہیں رہتا۔ بلکہ وہ تو دبھی محویت سے گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ لیکن جب اسے انتہا کے مقام تک پہنچاتے ہیں اور مستی کے بعد ہشیاری کے مقام پہ لے آتے ہیں جو کہ کامل ترین ہونے کا مرتبہ ہے تو وہ پھر مختلف مرتبوں میں تفریق کرتے لگتا ہے۔ اور ہر امر کی حقیقت کو کما حقہٗ پا لیتا ہے۔ اور جن امور پہ صبر لازم ہوتا ہے ان پہ صبر کرتا ہے۔ جن میں رضا درکار ہو ان میں راضی ہوتا ہے اور جن میں شکر ضروری ہو ان امور میں شکر ادا کرتا ہے، گویا ہر مرتبے کا پورا پورا حق ادا کرتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ

Marfat.com

قضائے الٰہی پر راضی ہونا، بلاؤں مصیبتوں میں صبر کرنا یا نعمتوں پر شکر ادا کرنا یہ تو مشہور عوام باتیں ہیں۔ پس رضا کا تعلق قضا سے ہے جو اللہ تعالیٰ کا مجمل اور کلی حکم ہے۔ (یعنی مجمل طور پہ بھی اور کلی طور پر قضائے الٰہی پر راضی ہوجانا چاہیے اور بلا و مصیبت پر صبر اک جزئی حکم ہے جو ہر کسی فرد واحد کو پیش آتی ہے پس صبر کا تعلق قدر سے ہے جو کہ اک جزوی اور تفصیلی امر ہے۔ نعمتوں پر شکر بھی اک جزئی امر ہے اور اس کا تعلق بھی قدر و طاقت ہی سے ہے۔ پس رضا اصل اور کل کے حکم میں قضا کی طرح ہے اور قدر اور صبر اور شکر کی اصل فروعات اور جزئیات کے حکم میں ہے جیسے قدر فرع ہے قضا کی۔ پس تمام افعال الٰہی میں سے رضا اجمالی طور پر انبیا و اولیائے کرام کو حاصل ہوتی ہے کہ وہ تفصیلی مقام میں جزئی امور کے اندر بلا و مصیبت پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں کے عطا ہوتے پر شکر کرتے ہیں۔ پھر اس کا کیا مطلب کہ مصیبت اور نعمت دونوں یکساں ہوگئے جو آیات و احادیث کے خلاف بھی ہے اور خلافِ عقل بھی۔ اور فرض کیا اگر یکساں ہو بھی جائیں تو اس میں کونسی خوبی ہے کہ یہ حالت تو پتھر ڈھیلے اور کنکر کو بھی حاصل ہے۔ مزہ تو اس میں ہے کہ ان تمام امتیازات کے احساس کے باوجود وحدت الٰہیہ کے مشاہدے میں محو رہنا چاہیے۔ اور ان تمام پراگندگیوں کے باوجود مشاہدۂ ذات میں آسودگی پانی چاہیے اور نقشبندی سلسلے میں جو یہ کہتے ہیں کہ انجمن میں بھی خلوت ہونی چاہیے، اس کی اصلیت اور حقیقت یہی ہے۔ رباعی:

دردؔ آنکہ بمیدان بلا تاختہ است
از خویش بریدہ با تو پرداختہ است
در عشق تو چوں بسمل پروانہ و گوی
جان دادہ و دل سوختہ سر باختہ است

ترجمہ رباعی: اے دردؔ جس کسی نے بلا و مصیبت کے میدان میں دھاوا بولا۔ پہلے وہ اپنے آپ سے کٹ کر تیری طرف متوجہ ہوا۔ تیرے عشق میں گھائل اور نیم جان پروانے اور گیند کی طرح سر دھڑ کی بازی لگادی، دل کو جلایا۔ (مصنف کی اپنی توضیح کے مطابق) بلا اہلِ محبت کے لیے لازم ہے۔ جتنی کہ محبت اور خصوصیت قوی ہوگی اتنی ہی بلائیں شدید ہونگی۔ سب سے شدید بلائیں انبیائے کرام پر، پھر اولیا اللہ پر اور علیٰ ہذا القیاس ہوتی ہیں۔ پس بلاؤں کی سہار اور راضی برضائے قضا ہونے کے لیے پہلے تو اپنی نفسانی خواہشات اور دیگر ہوا و ہوس سے مکمل انقطاع اور ساتھ ہی حق تعالیٰ کی حضوری و مشاہدہ کا توسل ضروری ہے تاکہ نفسانی اور

Marfat.com

جسمانی خواہشات و لذات کے انقطاع کی وجہ سے وہ بلائیں اور مصیبتیں دل پر گراں نہ گزریں اور ادھر حضوری و مشاہدے کے باعث روحانی کشادگی اور قلبی انشراح میں خلل نہ آئے اور نہ ہی طبیعت میں گھٹن آئے تاکہ ان لاحقوں کے باعث مشاہدۂ محبوب سے محروم و محجوب نہ ہو جائے۔ بلکہ اُسے مزید قرب و نزدیکی حاصل ہو اور خصوصی نسبت پیدا کر لے تاکہ نعمتوں کے وجود میں اپنے نفس کا گھونٹ بھرنا بھی شامل ہو اور بلاؤں کے نزول میں کسی قسم کی غرض و نفسانیت کے عمل دخل بغیر محبوب حقیقی کی رضا مطلوب ہو۔ پس شاہراہِ عشق و محبت کے مسافروں (سالکوں) کو چاہیے کہ محبوب کی راہ میں سر دھڑ کی بازی لگائیں، دل سوزی اور جانگدازی کا شعار اپنائیں، اور بالکل محبوب ہی میں محو ہو جائیں۔ رباعی کے تیسرے اور چوتھے مصرعے میں صنعت لف و نشر کے ساتھ بسمل کے جان دینے اور پروانے کے جل مرنے نے جو لطف پیدا کیا ہے، وہ شعر و سخن فہم احباب سے پوشیدہ نہیں۔ کمر ہمت باندھ لے۔ سختیوں اور مصیبتوں پہ مسکرانا سیکھ۔ صبر و استقلال کے حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ ہمت کو بلند رکھنا چاہیے۔ خدائی فریضوں اور ارادوں ہی پہ عزم بالجزم رکھنا چاہیے۔ کمر استقلال خوب کس کر باندھ لینی چاہیے اور کسی رنج والم سے شکستہ خاطر نہیں ہونا چاہیے۔ آفتوں، مصیبتوں اور بلاؤں کے نزول کے وقت راضی اور خوش ہونا چاہیے اور دکھوں، دشواریوں اور صدموں کے وقت ہمت مردانہ کو بروئے کار لانا چاہیے تاکہ ان سر دردیوں کی شدت تیرے دل پہ اثر انداز نہ ہو اور مشکل کام بھی آسان معلوم ہو۔ اور طمع و ہوا و ہوس تیرا آرام حرام نہ کر دیں اور تیری طبعی پست ہمتی تجھے اپنی نرم و نازک و سازگار چیزوں کی طرف نہ بھگائے، کیونکہ بلند ہمت اور اولوالعزم لوگوں کا شیوہ یہی ہے۔ اس سے دُنیا میں بھی اچھے نتائج مرتب ہوتے ہیں اور عاقبت میں بھی سراسر خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے۔ صبر و جوانمردی ہی افضل ایمان ہے اور یہ بات کم ہمت لوگوں سے نہیں ہو سکتی۔ بے شک اللہ تعالیٰ عالی ہمت لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ اور یہ راستہ ان لوگوں کا ہے جنھیں اللہ نے چُن لیا دُنیا و آخرت میں اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو بھٹک گئے اُس کے راستے سے وہ امرِ حق پہ ثابت قدم نہیں رہتے اور اُنھیں وسوسوں میں ڈالتے ہیں شیطان جنات میں سے اور انسانوں میں سے، اور وہ عبادت نہیں کرتے اللہ کی، طریق محمدیؐ اور سیدھے راستے پر۔ اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سُست کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور نہیں دیکھ پاتے حق کو اور ان میں سے ایسے ہیں جو عبادت کرتے ہیں اللہ کی کنارے پر رہ کر۔ اگر اُنھیں بھلائی پہنچتی ہے تو اُس

Marfat.com

پر مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی آزمائش پہنچتی ہے، تو پھر جاتے ہیں۔ اس کی دُنیا اور آخرت دونوں خسارے میں ہیں اور یہ بڑا کھُلا کھُلا نقصان ہے۔ بہر کیف کچھ عرصہ ثابت قدم رہ۔ تیرے قدم لڑکھڑانے نہ پائیں۔ اپنے دل کے چہرے کو اضطراب کے ناخنوں سے نہ چھیل اور اتنا غیر مستقل مزاج نہ بن۔ یہ وقت بھی ماضی کی طرح گزر ہی جائے گا۔ یہ ناپائدار کلفتیں چھٹ جائیں گی۔ یہ جملہ اس لیے لکھ دیا تاکہ دنیاوی سختیوں کی برداشت تیری نظروں میں آسان لگے۔ اور اس استدلال سے ان کا خاتمہ اور قلع قمع تجھے صاف نظر آنے لگے۔ کیونکہ جو معاملہ تمھیں اب در پیش ہے وہ بھی پچھلے مکروہ یا مرغوب معاملات کی طرح گزر ہی جائے گا۔ وہ نہ رہے تو یہ بھی عنقریب ختم ہو جائے گا۔ بلکہ ہر لحظہ مٹتا جا رہا ہے۔ چونکہ تو اسی کے توہمات میں کھویا ہوا ہے تجھے اس کا خاتمہ نظر ہی نہیں آتا۔ اور اس کی سہار تجھ پہ ناگوار گزر رہی ہے۔ جب یہ حالات ہی نہ رہیں گے تو پھر ان حالات کی مقتضی تکلیفیں اور ملال کیسے رہ پائیں گے۔ اس سے پہلے بھی تم کو مکروہ اور ناگوار حالتیں پیش آئی ہوں گی اور تم نے صبر و شکیب کا جامہ بھی چاک کیا ہو گا، اب اُن کا نام و نشان نہیں اور سوائے ندامت کے اب تیرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ یہ چند فقرات میرے پہلے جملے کی تائیدی دلیل ہیں۔ یعنی لازمی بات ہے کہ ہر شخص کو زندگی میں کوئی نہ کوئی ناگوار طبع صورتِ حال پیش آئی ہو گی۔ جس نے اُس کے صبر و قرار کو چھین لیا ہو گا۔ اب جو سامنے ہے وہی کچھ موجود ہے۔ ان بھولی بسری باتوں کا کوئی نام و نشان تک باقی نہیں۔ اب تو اُس بے صبری اور بیقراری میں کی ہوئی حرکات پہ ندامت اور پچھتاوے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ جب اللہ ارادہ کرتا ہے اپنے فیصلے اور قدرت کے نفاذ کا تو سلب کر لیتا ہے عقل والوں کی عقلیں یہاں تک کہ نافذ کر دیتا ہے قضا و قدر۔ اور جب ان کا وہ معاملہ گزر جاتا ہے تو لوٹا دیتا ہے ان پر ان کی عقلیں۔ اس وقت ندامت کا کوئی فائدہ نہ رہا۔ اور تجھے غفلت میں دھکیل دیا۔ یعنی جب سختیاں اور ناپسندیدہ امور نہ رہے یا لذت کشی اور شہوت رانی کا وقت ہی نہ رہا اور تجھے ان شائستہ کاموں یا ناز یبا امور کی لذّت اور رنج کے توہمات میں ڈال دیا۔ لہٰذا کاموں کے انجام پر نظر ڈال اور سوچ سمجھ کر قدم اٹھا۔ جب معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ میں نے بیان کر دیا تو پھر چاہیے کہ کام کے انجام پر نظر رکھ اور امور کے مآل کو پیش نظر رکھ اور موجودہ رنج یا راحت کو خاطر تلے نہ لا اور آغاز ہی سے ہر کام کے انجام کو دیکھ، غرضیکہ جو کچھ بھی کرو سوچ سمجھ کر کرو۔ اندھا دھند نہ کود پڑو تاکہ عاقبت کار تمھیں نہ سزا بھگتنی پڑے اور نہ شرم اُٹھانی پڑے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریلؑ آئے پس

Marfat.com

انھوں نے کہا اے محمدؐ زندہ کر جتنا تو چاہتا ہے، بے شک تو مرنے والا ہے، اور محبت کر جس سے تو چاہتا ہے، بے شک تو اُس سے جدا ہونے والا ہے۔ اور کام کر جو تو چاہتا ہے بے شک تو اس کی جزا دیا جائے گا اور جان لے مومن کا شرف اس کا رات کو قیام کرتا ہے۔ اور اُس کی عزت اُس کا بے نیاز ہونا ہے لوگوں سے۔

حاشیہ آرائیؑ

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہر کام کا انجام عبارت ہے اس عمل کے زمانہ ما بعد سے، پس جو عمل بھی وقوع میں آتا ہے، پھر جونہی اس عمل کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو اس کام کے انجام کا معاملہ مشروع ہو جاتا ہے اور اُس کام کی اچھائی یا بُرائی کی بنا پر اس کی جزا یا سزا اس فعل کے فاعل کی طرف عاید ہونے لگتی ہے۔ پھر اچھے یا بُرے کام پہ حاصل ہونے والی پشیمانی پچھتاوا یا سلامتی و برکت بھی عالم عاقبت کی ابتدا میں داخل سمجھو۔ موت کے بعد عالم برزخ یا قیامت کے دن بہشت و دوزخ جو کچھ بھی ظاہر ہوگا وہ سب عاقبت کے وسطی اور آخری مراحل میں داخل ہے۔ لہذا جو کام بھی کرنا ہو پہلے اس کے انجام پر نگاہ رکھو کہ اس کام کے بعد تجھے دُنیا میں اس کا ثمرہ ملے گا اور پھر آیات و احادیث کے مطابق برزخ اور قیامت میں اس کا کیا نتیجہ ہوگا اور آخر کار یہ تجھے بہشت میں لے جائے گا یا دوزخ میں۔ اس سوچ بچار کے بعد اگر دل بھلے نتیجے پر گواہی دے تو اُس کام میں ہاتھ ڈال دینا چاہیے، اور اگر دل اس کی بری پاداش پہ گواہی دے تو اُس سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔ اور کسی کام کے موجودہ وقت میں فقط اس کے وقتی رنج و راحت کو ہی مدنظر نہ رکھنا چاہیے۔ اے اللہ تعالیٰ ہمارے کاموں کا انجام بخیر کر اور بچا ہمیں دُنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے۔ اگرچہ اس بات کا کہنا بہت آسان اور سہل ہے مگر اُس پر عمل کرنا بہت مشکل اور دشوار ہے۔

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

ہم نے تمھیں مطلوبہ گوشہ دکھا دیا۔ ہم اگر نہیں پہنچ سکے تو شاید تم ہی پہنچ جاؤ۔ یعنی یہ مذکورہ بالا مطلب اگرچہ بالکل واضح، آشکار اور سہل الفہم ہے، ہر شخص اس کے معنی سمجھ سکتا ہے اور اس آیت کریمہ کے مطابق کہ پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں کا) اس پہ القا کر دیا۔ ہر آدمی اپنے بُرے

Marfat.com

یا بھلے کا ادراک کر ہی لیتا ہے، لیکن اس راہِ راست پر چلنا اور اس مرقومہ عبارت کے مطابق عمل کرنا مشکل کام ہے جو تائیدِ ربّانی کے بغیر میسّر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اپنی کوتاہیوں پہ نگاہ ڈالتے ہوئے یہ شعر موزوں ہوا کہ اگرچہ اس عاصی پُر معاصی کے حال و قال یعنی قول و فعل میں تضاد ہے، تاہم تمھیں وہ گوشۂ عافیت دکھائے دیتا ہوں، شاید کوئی اور بندۂ خدا اس کی بدولت منزلِ مقصود کو پالے۔ اپنی سی کوشش ضرور کر، ہر چند کہ انسان رضائے مولیٰ کے سامنے بے اختیار و مجبور ہے مگر چونکہ بظاہر مجازی اختیار تو اسی سے منسوب ہوتا ہے اور پھر جمادات و نباتات کی طرح انسان مطلق بے حس اور بے ارادہ بھی نہیں۔ وہ اپنے ارادے سے حرکات کرتا ہے، اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے سعادتیں حاصل کرنے کی کر اور مذکورہ بالا امور کے لیے عزم بالجزم کر کے سعیٔ فراواں کر۔ اور کوشش دو قسموں کی ہوتی ہے۔ ایک سعیٔ ظاہری اور دوسری سعیٔ باطنی ظاہری جو ہے وہ نفس کے اعضاء و جوارح کو تحریک دیتا ہے اس چیز کی طرف جس کی طرف تو متوجہ ہو۔ اور باطنی سعی نفس کا حواس کو متوجہ کرنا جس طرف تو متوجہ ہو۔ پس آدمی کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے نیکی کمانے پہ ہمت صرف کرے اور سعی و کوشش کرنے میں دریغ نہ کرے۔ بھلے اور شائستہ کاموں کا ارتکاب کرے، اور ممنوعہ اور ناپسندیدہ کاموں سے پرہیز کرے، جتنا کچھ مجازی اختیار اس سے منسوب ہے اس کے مطابق وہ نیکیوں ہی کا قصد کرے ورنہ حقیقتاً ارادہ تو ارادۂ خداوندی ہی ہوتا ہے۔ اور وہی کچھ ہوتا ہے جو اس کی مرضی ہو۔ خدا نے ہر آدمی کو جس کام کے لیے پیدا کیا ہوتا ہے، وہ وہی کرے گا۔ چاہے ہے سو آپ کرے ہے۔ اور تم نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ چاہتا ہے۔ شدنی امور میں انسان محض مجبور و ناچار ہوتا ہے۔ بڑی اضطراری اور مجبوری کیفیت ہوتی ہے جو مقدر میں ہو اس میں لاچاری ہی لاچاری ہے۔ وہ یقیناً ہو کر رہے گا۔ کسی فوق الطاقت بلا کے نزول کے وقت ایسی مجبوری ہوتی ہے جو برداشت سے باہر ہوتی ہے۔ عوام اپنے کام میں مجبور اور خواص اسرار و رموز کے اظہار پہ مامور ہوتے ہیں۔ پس تمام مجبوری و لاچاری کے مشاہدے کے باوجود بھی سارے عارفانِ ذات بھلے اور بُرے کاموں کے سلسلے میں بے اختیاری طور پہ وعظ و نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رسائی کی راہ دکھاتے رہتے ہیں کیونکہ قدرت نے اُنھیں اسی کام کے لیے تخلیق کیا ہوتا ہے اور اُنھیں یہی کام سونپ رکھا ہوتا ہے۔ اور ان کا کام تو ہے پیغام رسانی۔ اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں بناتا مگر اس کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو۔ حق سبحانہ تعالیٰ بندوں کو ان کی طاقت اور سہار کی وسعت کے مطابق ہی مکلف بناتا ہے، جو امورِ انسانی

Marfat.com

طاقت سے باہر ہوں۔ اللہ ان کا کسی کو مکلّف نہیں بناتا۔ لہذا اسے ما فوق الطاقت شرعی کاموں کا مکلّف نہیں بنایا اور نیک اور ممنوعہ کام ایسے نہیں کہ جن کے موافق عمل کرنا ممکن نہ ہو، بلکہ وہ انسانی وسعت سے کم تر ہی ہوتے ہیں۔ لہذا استدعا کی گئی کہ اے ہمارے رب ہم پر کوئی سخت حکم نہ دیجیے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔ یعنی دوسری امتوں پر تو مشقّت طلب کام آپ نے ڈالے تھے جیسے انسانوں کا قتل، نجس جگہ کا کاٹنا۔ دن رات میں پچاس نمازیں، ایک چوتھائی زکوٰۃ اور اسی قسم کے دیگر مشقت طلب اور تکلیف دہ کام۔ اگرچہ یہ سب کام انسانی طاقت کے مطابق ہوتے ہیں، لیکن تو اپنے فضل و کرم سے ہم پر ان کا بوجھ نہ ڈال اور اپنے ارادے کے بموجب اس بوجھ میں کمی کر دے۔ تو نے خود ہی تو فرمایا ہے کہ ہمیں ساتھ احکام میں آسانی منظور ہے اور تمھارے ساتھ احکام و قوانین مقرر کرتے میں دشواری منظور نہیں۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہر کسی پر حکم کا تقرر اس کی طاقت کے مطابق ہوتا ہے جیسے کہ بعضوں کو نماز کے لیے وضو کا حکم ہے اور بعض کو تیمم کا۔ بعض کو نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کا حکم ہے اور بعض کو بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے اور علیٰ ہذا القیاس، سارے امور میں ایسے ہی احکام ہیں۔ اسی طرح طریقت میں ہر شخص کے متعلق الگ حکم ہے اور عمل وہ اپنی طاقت کے مطابق کرے گا اور جس کام کے کرنے کی خدا نے قدرت دی ہو اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ کے بندوں میں ان کے مرتبوں اور درجوں کا باہمی فرق بھی اسی طاقت اور قدرت کے مطابق ہے۔ پس جو کوئی اپنی طاقت کے مطابق جو کچھ کر سکتا ہے اگر وہ وہی کر دکھائے اور اپنی دانست میں اس نے کوئی کوتاہی نہ کی ہو وہ اپنے درجے میں گویا کامل انسان ہے۔ اگرچہ بعض دوسروں کے مقابلے میں جن کی طاقت اور قدرت اس سے کہیں بڑھ کر ہے وہ ناقص و کم تر ہی کیوں نہ ہو۔ اسی فرمانِ خداوندی سے سمجھ لیجیے کہ ہم نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ پس باز پرس بھی ہر کسی کے علم و دانست کی وسعت ہی کے مطابق ہوگی۔ نادانستہ یا بھول چوک والے کاموں پہ تو قابلِ معافی سمجھے جاؤ گے۔ اور اے ہمارے رب ہم پہ دارو گیر نہ فرمائیے۔ اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں اسی سلسلے کی دُعا ہے جو اس کے احسان و شکر اور فضل و کرم کی بنا پہ ہے۔ اور بشارت کے بموجب بھی کہ اُٹھالی گئی میری اُمت سے خطا و نسیان جس طرح کھانا پینا جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اگر بھول چوک سے یا سہواً کھا پی لیا جائے تو روزہ باطل نہیں ہوگا۔ ہر کام کی اچھائی یا بُرائی اس کام کی نیت کی درستی یا نادرستی پہ ہے۔

Marfat.com

بہرکیف جو بات سمجھ بوجھ سے باہر ہو اس پر حساب کتاب کیسا؟

حاشیہ آرائی

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نفس کی وسعت و کشادگی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علمی وسعت اور دوسری جسمانی وسعت جیسا کہ کلام اللہ میں آیا ہے کہ علم اور جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے، سو علمی وسعت عبارت ہے عقل و ہوش، وسعتِ علم، ظہور عرفان اور انکشافِ حقیقت سے، اور اس مرتبے میں کمی بیشی کے لحاظ سے انسانی درجوں میں بڑا فرق ہے۔ خدا بندوں میں سے جسے چاہتا ہے زیادہ علمی وسعت عطا کر دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے کم وسعت عطا کرتا ہے۔ اور اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے مختص فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر بندے سے اس کی سمجھ بوجھ کے مطابق معاملہ کرتا ہے، کیا دُنیا اور کیا آخرت میں۔ خدا کہتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں۔ عالموں کا ثواب بھی جاہلوں سے بلند تر ہے اور ان کا عذاب بھی دوسروں سے زیادہ ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں منفعت بخش علم کا، اور تیری پناہ میں آتا ہوں اس علم سے جو فائدہ نہیں پہنچاتا۔ اور جسمانی وسعت عبارت ہے تنومندی، بدنی قوت، صحت مندی، حواس کی تیزی اور دیگر مادّی قوتوں کی سلامتی، بلاؤں کی سہار اور سرداری، حکمرانی اور پیشوائی سے اور اس جسمانی وسعت میں بھی اپنے اپنے حال کے مطابق مدارج میں بہت فرق ہے۔ ہر شخص سے پوچھ گچھ بھی اس کی طاقت و قدرت کے مطابق کی جائے گی۔ غریبوں کو سلطنت کے امور کے متعلق نہ پوچھیں گے اور کمزوروں ناتوانوں کو طاقتوروں کے زمرے کی طرف نہ گھسیٹیں گے۔ عدل و انصاف کے متعلق رؤسا و اُمرا سے مواخذہ ہوگا اور عبادت سے متعلق باز پرس اس کی قوت کے مطابق ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ پس ظاہر ہوگئی وہ بات جو اللہ جلّ علا نے کہی کہ نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے مطابق اور دوسرے معنی ہیں کہ نفس کی وسعت وہ ہے جس کا تقاضا کرتی ہے اس کی ماہیت اور اُس کی استعداد، پس واجب جل علا جس کی عطا بڑی جلیل ہے جاری کرتا ہے اس کی ماہیتِ ممکنہ پر ایسا فیضان جس قسم کے فیضان کی وہ استدعا کرتا ہے اور سوال کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سخی ہے اسراف کرنے والا نہیں، کیونکہ اگر اُس نے دیا نفوس کو وہ کچھ جو اُن کی استعداد سے زیادہ ہو داخل ہو جاتا ہے اس کا وجود اسراف میں کیونکہ سخاوت مال کا صرف کرنا ہے اس

Marfat.com

مقام پر جس کا وہ مستحق ہوتا ہے اگر وہ صرف کیا جائے غیر مناسب جگہ پر تو بے شک یہ اسراف ہے۔ پس اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی نفس کو ایسی کسی چیز کے کرنے کی یا کسی چیز سے روکنے کی اِلّا یہ کہ جس کی استدعا کرے نفس اس کے حکم یا نہی کے ساتھ۔ پس وہ احکام اور وہ مناہی جو آئے ہیں شریعت میں اللہ کی مقرر کی ہوئی تکلیفیں ہیں جس کی استدعا کی نفوس نے اللہ کی جناب سے۔ پس اللہ نے اس کی دُعا قبول فرمائی کیونکہ وہ پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہے، جب وہ اسے پُکارے۔ پس امور اور احکام کا اختلاف انبیائے کرام میں سے شریعتوں اور دینوں میں ہوتا ہے اوقات اور زمانوں اور لوگوں کی استعدادوں اور احوال کے اختلاف کی مناسبت سے۔ بلکہ اختلاف کیا بعض نے شریعتِ واحدہ میں ایک نبی سے اور تھے بعض معاملات اپنی ابتدا میں اس کے خلاف، جو تھے اپنی انتہا میں اور یہ اختلافات ہوتے ہیں امور جزئیہ میں جو کہ مختلف ہوتے ہیں اشخاص کی استعداد کے ساتھ اور اوقات کے ساتھ نہ کہ امور کلیہ میں کہ نہیں مختلف ہوتے اس میں نفوس انسانیہ تمام حالات میں کیونکہ وہ متفق ہیں اصل میں ۔ ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے امور کلیہ میں اسی لیے تمام شریعتوں کے کلیات ایک ہیں اور ہم رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہر وہ چیز جسے لے کے آئے ہیں نبی حق ہے۔ پس ہماری شریعت تمام شریعتوں کو منسوخ کرنے والی ہے اور ہمارا نبی خاتم الانبیا ہے۔ (انبیا پر اور آپؐ پر درود و سلام)

اور ہمارا راستہ راستوں میں سے بہترین راستہ ہے اور یہ طریق محمدی ہے (اس طریق والے پر درود و سلام) (اور ہمارا حاکم احکم الحاکمین ہے اور ہمارا ناصر خیر الناصرین ہے جل شانہ۔ اور ہماری زندگی آخرت کی کھیتی ہے اور ہماری موت ملا دینے والا پُل ہے۔ ہمارے نبیؐ کے صدقے جسے حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ کہو کہ میری نماز میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ الغرض دنیا اک افسانہ ہے اور دُنیا کے دوامی اعمال کے نتائج کو افسانہ اس لیے کہا کہ افسانے بھی پچھلے لوگوں کے احوال پہ مشتمل ہیں جو ہماری مانند اسی طرح زندہ و قائم تھے اور اپنے حالات کو اسی حال حاضر پر سمجھتے تھے اور پچھلے لوگوں کے افسانوں کی طرح نہ سمجھتے تھے۔ اب وہ خود انہی افسانوں میں داخل ہو گئے۔ اور اب سوائے ان کے حالات کے لوگوں کی زبان پر اور کچھ بھی نہیں۔ پس اسی طرح اپنے آپ کو اور اپنے باقی ہم عصروں کو رفتگان ہی کی جماعت میں شمار کرنا چاہیے۔ بہت جلد ہمارے یہ حالات بھی آنے والی نسلوں کے لیے قصہ کہانی بن کر رہ جائیں گے۔ بلکہ اب بھی ہر لحظہ جو گزر رہا ہے اس موجودہ لحظہ کے سامنے افسانے سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ ہر چند کہ دنیوی زندگی سراسر ناپائدار ہے لیکن بُرے یا بھلے اعمال کے نتائج قائم و برقرار

Marfat.com

رہیں گے اور ان کی سعادت یا بدبختی فاعل ہی کی ذات سے منسوب کی جائے گی۔ کیا دُنیا اور کیا آخرت یعنی یہاں بھی اور وہاں بھی - رباعی :

ای بیخود غفلت بچہ فرزانہ شوی
تا چشم پُر آب ہمچو پیمانہ شوی
امروز ز افسانہ ترا خواب آید
فرداست کہ میخوابی واف انہ شوی

ترجمہ رباعی : اے غافل تو کب تک اس دُنیا کی رنگینیوں میں کھویا رہے گا اور آخر تو کس چیز سے عقل حاصل کرے گا۔ یعنی کیسے عاقبت اندیش بنے گا تاکہ اس کی ہشیاری سے تم پر رقّت طاری ہو اور تیری آنکھیں آنسوؤں سے جام کی طرح پر ہو جائیں۔ آج قصّے کہانیاں سن کر تجھے نیند آجاتی ہے کل تم خود جب ابدی نیند سو جاؤ گے تو دوسروں کے لیے ایک افسانہ بن جاؤ گے۔ (مصنف خود رباعی کی تلمیحاتی کڑیاں یوں کھولتا ہے) ۔ بیخود غفلت ہونے سے مراد ہے۔ دُنیا کے ناپائیدار عجائب پہ فریفتہ ہونے سے، فرزانہ شدن سے مراد عاقبت اندیش ہونا اور انجام کار کو نگاہ میں رکھنا ہے۔ چشم پُر آب ہونے سے مُراد ہے سوز و گداز اور رقّتِ قلب کا پیدا ہونا۔ چشم پُر آب اور لبریز پیالے کی تشبیہ میں جو حُسن و خوبی ہے، وہ بالکل عیاں ہے۔ پیمانے سے مراد بھرا ہوا جام ہے، نہ کہ خالی جام۔ لفظ امروز سے مراد زمانۂ حال اور افسانے سے مُراد یہاں پچھلوں کے قصّے کہانیاں ہیں۔ تیسرے مصرعے میں خواب سے مراد غفلت میں ڈوب جانا ہے۔ فردا سے مراد مستقبل یعنی آنے والا زمانہ ہے۔ چوتھے مصرعے میں خواب سے مُراد ابدی نیند یعنی موت، اور آخری مصرعے میں لفظ افسانہ سے مراد ہے رفتگان اور مردگان کے زمرے میں شامل ہو جانا۔ اب رباعی کا مطلب یوں ہوا کہ اے انسان تو جو اس دُنیا کے ناپائیدار عجائبات پہ لٹو ہو رہا ہے اور دن رات اسی دُنیا کے حصول میں کوشاں و سرگرداں ہے، آخر کس چیز سے تمھارا یہ روّیہ بدلے گا تاکہ تو عاقبت اندیش ہو جائے اور انجام کار پہ نگاہ رکھے۔ عارفوں کا دل تیری حماقت پہ کُڑھتا ہے اور ہدایت کے تقاضوں کی بنا پر وہ حیران و ششدر رہیں کہ تجھے کس طرح تنبیہہ کی جائے اور کیسے تجھ پہ حقیقت کا انکشاف کیا جائے سوائے اس کے کہ رحمتِ خداوندی کا کوئی جذبہ کارفرما ہو تاکہ تیرے دل میں سوز و مستی، گداز اور رقت پیدا ہو جائے۔ اے نادان اتنی سی بات سمجھ لے کہ جس

Marfat.com

طرح تو نے آج پچھلوں کے قصّے کہانیوں کو حسبِ نیند آور سمجھ رکھا ہے، جیسے کہ دُنیاداروں کی عام عادت ہے، اور تو ان پچھلوں کے قصّے کہانیوں سے کوئی عبرت حاصل نہیں کر رہا، پس اسی طرح عنقریب وہ زمانہ بھی آجائے گا کہ تو بھی اس فانی جہان سے کوچ کر جائے گا، ابدی نیند سو جائے گا اور آنے والوں کے لیے ایک افسانہ بن کر رہ جائے گا۔ پس تم جاہلین میں سے نہ ہو۔

Marfat.com

هُوَالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو مشرف کرتا ہے اپنے بندوں کو فنا اور بقا کے شرف کے ساتھ اور ان کی تکریم کرتا ہے اور اُنھیں معرفت عطا فرماتا ہے اور سلوک سکھاتا ہے اور ہدایت دیتا ہے سیدھے راستے کی اور درود و سلام ہو اس کے پیغمبر محمد صلعم پر جو بڑے مہربان رسولؐ تھے۔ اور آپؐ کی آلؓ اور اصحابؓ پر جنھوں نے بڑی کامیابی پائی۔ پس یہ ستاونواں (۵۷) باب ہے جو فوز العظیم کے نام سے موسوم ہے۔ لغات میں فوز اضداد میں سے ہے بمعنی فلاح و نجات اور فنا و ہلاک۔ کیونکہ اس باب میں فنا اور بقا کا بیان ہے۔ اس باب کو اس نام سے موسوم کرنے کا سبب اس کلمے کا دونوں معانی پر دلالت کرتا ہے۔ اور جان لو کہ فنا ذاتی ہے ممکن چیز کے لیے کیونکہ وہ دونوں جانب سے ضرورت کو سلب کرنے والی ہے۔ پس ممکن و مسلوب چیز جو ہے فنا ہونے والی ہے اپنی ذات کے ساتھ اور باقی رہنے والی ہے اللہ کی بقا کے ساتھ، ذات کے ساتھ واجب الوجوب کی ذات کے ضمن میں اور وہ واجب بالغیر ہے پس یہ حاصل ہوتی ہے سالکین کو اس حقیقت کے ادراک سے اور زیادہ عقل دوڑاتا اس معنی پر مضبوط کیفیت ہے نفس کے اندر ان کے سارے نفوس سے اضافات کے گرانے کے ساتھ اور منسوب کرتا ہے معاملات کو اللہ کے ساتھ سارے کے سارے۔ اور اللہ ہی کی طرف امور لوٹتے ہیں۔ پس ہو جاتے ہیں فانی اللہ کے اندر اور باقی رہنے والے اُس کے ساتھ اور وہ مستغرق ہو جاتے ہیں

Marfat.com

اپنے رب کے مشاہدے میں پس وہ اُسی سے دیکھتے ہیں اور اسی سے سنتے ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

معرفت و سلوک کے سلسلے میں فنا و بقا کے بیان کا باب

فنا و بقا کی حقیقت کا بیان اور ان کی ماہیت کا اظہار کہ فنا کس طریق سے حاصل ہوتی ہے اور بقا کس طرح میسر ہوتی ہے۔ عارفوں کے انداز میں معرفت و وجدان کی سبیل کا تذکرہ، نیز کاملانِ حق کی طرف سے سلوک کی خود وضع کردہ اصطلاحات کے بموجب ان حالات کا بیان۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ فنا کے لغوی معنی ہیں ختم ہونا اور نیست و نابود ہو جاتا اور اصطلاحی معنی دنیوی نقوش کا صفحۂ دل سے مٹ جانا اور دل کا خیالات و خطرات سے خالی ہونا کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فنا اوصافِ مذمومہ کا گم جاتا ہے۔ جیسے کہ بقا اوصافِ محمودہ کا وجود ہے۔ اور یہ حاصل ہوتی ہے اخلاق کی تہذیب سے اور ریاضیات کی کثرت سے، اور فنائے آخر جو ہے عالم ملک الملکوت کے احساس کا معدوم ہوتا ہے اور وہ ہے عظمت باری میں مستغرق ہو جانے کے ساتھ اور مشاہدہ حق کے ساتھ۔ اور بقا کے لغوی معنی دُنیا میں زندہ رہنا اور جینا ہے اور اصطلاحی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وجود کے ساتھ باقی رہنا۔ اور حضوری و مشاہدۂ ذات میں دوام پیدا کرنا۔ اور اپنے آپ میں تجلیات کمالاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کرنا ہے۔ رباعی:

خلقی در جست و جوی مال و جاہی
جمعی بتلاش دلبر دلخواہی
ہر کس بخیال آرزوی دارد
مائیم و تمنای دل آگاہی

ترجمہ رباعی: دُنیا کا اک گروہ دنیوی مال و منال اور جاہ و منصب کی جستجو میں لگا ہوا ہے۔ کوئی گروہ اپنے محبوب اور من پسند دلبر کی تلاش میں مشغول ہے۔ ہر کسی کے دل میں کوئی نہ کوئی آرزو ہوتی ہے۔ ہم ہیں کہ ہمارے دل میں آگاہی کی تمنا سمائی ہوئی ہے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) مخلوق کی ایک جماعت مال و منال اور جاہ و منصب کے اسباب کے حصول میں لگی ہوئی ہے۔ کسی گروہ کو جسمانی لذّات دامنگیر ہیں اور اپنے من پسند محبوبوں سے عشق لڑاتے ہیں۔ پس آدمیوں کے ہر ایک گروہ

Marfat.com

نے بزعم خود کوئی نہ کوئی خیال عام باندھ رکھے ہیں اور تا تمام آرزوؤں کی تکمیل کی خواہش پیدا کر رکھی ہے۔ ما اور یہ اہل اللہ اور صاحب فقر و غنا لوگوں کا طائفہ ہے جو حقیقت یہ ہے کہ دُنیا و مافیہا کے تارک ہیں ، بلکہ ماسوی اللہ کو بالکل ترک کیے بیٹھے ہیں۔ جیسا کہ یہ مقولہ ہے کہ اہل آخرت کے لیے دُنیا حرام ہے اور انہی میں سے اہل اللہ کا گروہ ہمیشہ حق سبحانہ تعالیٰ سے یہی تمنا کرتے ہیں اور دُعا مانگتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو ہمیشہ حضوری و مشاہدۂ ذات سے لبریز رکھ اور کسی لمحے بھی ہمیں ہماری اپنی طرف نہ چھوڑ ، اور دُعا کرتے ہیں اے اللہ! نہ حوالے کر مجھے میرے نفس کے ، پلک جھپکنے کا عرصہ بھی۔ چونکہ اس رباعی کے معانی و مطالب ماسوی اللہ سے کُلّی انقطاع اور توسّطِ ذاتِ حق کی خبر دیتے ہیں جو فنا و بقا کی حالت کے لیے عین مناسب ہیں ، اسی بنا پر فنا و بقا کے اس باب کی ابتدا ہم نے اس رباعی سے کی ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف دائمی توجہ درحقیقت صفاتِ خداوندی میں سے ایک صفت ہے اس کی اپنی ذات کی نسبت سے۔ اور خود فراموش گاری اور دوسروں کو بھلا دینا عدم کا تقاضا ہے اور ممکنات کی حقیقت یہی ہے۔ چونکہ توجہ اور آگہی وجودی معنی ہیں اور صفاتِ الٰہیہ کا علم ہے ، لہٰذا ذات کے لیے نفس ذات کا ادراک اصلاً وصفِ حقِ تعالیٰ ہے ، اور پھر متابعت اور شمولیت کے لحاظ سے وہ مخلوقات میں سے دوسروں کو بھی اس سے مستفیض فرماتا ہے۔ اپنے بعض بندوں کو دوامی آگہی اور اپنی بے کیف ذات کی طرف دائمی توجہ عطا فرماتا ہے۔ اور تمام کمالات کے رنگوں میں جیسے سماعت ، بصارت ، ارادہ وغیرہ وغیرہ جو حقیقت میں اللہ ہی کی صفات ہیں ، لہٰذا اپنے ظہور کے لیے اُس نے اپنے بندوں میں بھی یہ اخلاق پیدا کر دیے ہیں اور نسیان یا فراموشی جس کے معنی عدم کے ہیں ، یقیناً عدم ہی کے مفہوم کا مقتضی ہے اور عدم ہی کے اعتبارات و اضافات میں داخل ہے اور ممکنات کی حقیقت ہے۔ **سوال** اگر تم یہ سوال کرو کہ تم نے متن میں حق سبحانہٗ تعالیٰ سے دوامی توجہ کو صفات الٰہیہ میں سے ایک صفت کہا ہے جو اسے اپنی ذات سے ہے یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ صفت تو عرض (قائم بذاتِ دیگر) ہے جو قائم بذاتِ موصوف ہے۔ اور ایک عرض دوسرے عرض پہ قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ ہی توجہ تو ذات کا کام ہے اور ذات ہی سے متوجہ ہوتی ہے نہ کہ صفت سے۔ پس چاہیے تھا تم یہ کہتے کہ اپنے ہی نفس (ذات) سے دوامی توجہ فی الحقیقت ذاتِ حق کا وصف ہے نہ کہ صفات کا۔ **جواب** ہمارا یہ اطلاق مجازی طریق سے تھا نہ کہ حقیقی طور پہ ، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ آنکھ دیکھتی ہے اور کان سنتا

Marfat.com

ہے۔ حالانکہ دیکھنے یا سننے والا تو ان صفات والا شخص ہوتا ہے۔ ان صفات کو ذات سے نسبت کی حاجت ہوتی ہے اور ذات ان کی محتاج ہوتی ہے۔ اسی لیے اس کی توجہ اور رجوع کو ان سے منسوب کر دینا ہی مناسب ہے۔ خواہ مجازی طور پر ہو اور حقیقت میں وہ اس شخصیت کے سوا کسی اور کا کام نہ ہو۔ حضرتِ حق کی ذات (جیسی کہ وہ ہے) ہر قسم کی نسبتوں اور اضافتوں سے مبرّا ہے اور توجہ دینے والے اور جس پہ توجہ دی جائے دونوں میں مغائرت ضروری ہے خواہ اعتباری ہی کیوں نہ ہو۔ تو اسی سے سمجھ لو کہ جب سالک کو خود اپنے آپ اور دوسروں سے فنا و نسیان (فراموشکاری) حاصل ہو جاتی ہے وہ اسی عدم کے تقاضے سے ہے۔ یعنی کہ ماسولی اللہ کی حالت سے جو نیستی اور خود فراموشی نصیب ہو جاتی ہے اور اپنی خودی کا شعور بھی جاتا رہتا ہے۔ سب عدمی اعتبارات کے آثار اور مقتضیات کی کیفیتیں ہیں جو اس کی ممکنہ حقیقت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور ممکن کی حقیقت کو عدم ان معنوں میں کہا گیا ہے کہ ممکن ذاتی طور پر معدوم ہوتا ہے اور وہ واجب الوجود کی بدولت موجود ہوتا ہے۔ ذاتی وجوب تو فقط حق تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ ورنہ عدم خود کوئی ایسی چیز نہیں جو ممکن کی حقیقت بن سکے۔ عدم کے آثار و مقتضیات کے معانی عبارت ہیں منفی معانی سے (یعنی چھین لینے یا سلب کر لینے سے) نہ یہ کہ عدم خود آثار وجود کا منبع و مبدا ہے۔ عدم کا اپنا مطلب ہی جب نیست و نابود ہے تو اُس کے آثار ہست کیسے ہو سکتے ہیں۔ جاہلانِ زمانہ محققین کی اس قسم کی عبارات کے معانی سمجھتے ہی نہیں جن میں انھوں نے لکھا ہے کہ وجود ہر خیر و برکت کا منبع ہے اور عدم ہر نقص و شرّ کا منبع ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نیکیاں اور بھلائیاں حضرتِ وجود کی بدولت ظہور پذیر ہوتی ہیں اور شرّ و فساد عدم کے تقاضوں کی بدولت وجود میں آتے ہیں۔ یہ بالکل غلط سوچ ہے۔ عدم کا اپنا مفہوم جب نیست ہے تو وہ موجودات کے ظہور کا منبع و مبداء کیسے بن سکتا ہے۔ پس اس کلام کا مطلب یوں ہوا کہ جو کچھ موجود ہے، وجود کی نظر میں سب خیر ہے۔ اگرچہ بعض ممکنہ حقائق کی نسبت سے شرّ ہو۔ اور شرّ مطلقاً معدوم ہے پھر جس قسم کی آگہی و حضوری ذات سے پیدا ہوتی ہے صفاتِ الٰہیہ ہی کے فیض کے توسّل سے ہے۔ سالکوں کو آگہی و عرفان، حضوری و مشاہدے میں سے جو کچھ بھی نصیب ہوتا ہے وہ صفاتِ ذاتِ خداوندی کے فیض سے ہے جو اللہ بندوں پر کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ساری مذکورہ بالا کیفیاتِ وجودیہ معنوں میں ہیں اور وجود ہی کے کمالات سے ہیں، اور وجود ہی میں ظہور پذیر اور جلوہ فرما ہوتی ہیں۔ جیسے کہ سہو اور نسیان

Marfat.com

عدم کے نسب اور اس کے اعتبارات میں سے ہے۔ اور حقیقت ممکنہ جو اضافاتِ وجودیہ اور عدمیہ کا اہل ہے اور جو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں ہوتی اور نہیں ہے کسی معاملے کا ان دونوں میں سے ہو ناضروری اس کے لیے۔ کبھی کبھی اسے متصف کیا جاتا ہے آثار عدم سے، اور کبھی اسے متصف کیا جاتا ہے کمالاتِ وجود سے اور بدل دیے جاتے ہیں اس کے نقائص اس کے اندر وجود کے انعکاس سے کمالات کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ اپنا اخلاق بناتے ہیں۔ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اُس کے۔ اور یہی فراموشی اور نسیان جو عدم کے مقتضی ہیں مرتبۂ وجود ذات (جو سراسر علم ہی علم ہے) کی عکس ریزی اور پرتو سے حضوری و آگہی میں بدل جاتے ہیں، اور وجود و عدم کے تقابل کی وجہ سے تمام حقائق ممکنہ جو پردۂ عدم میں مخفے جب نورِ وجودِ مطلق سے منوّر ہوئے تو ان کے تمام نقائص اس عکس سے کمالات میں بدل گئے۔ جہالت کی جگہ علم نے لے لی اور غفلت کی جگہ حضوری نے، دیکھئے یہ آیت کریمہ "وہی اللہ ہے جو تمھارے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے اور کتنی بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ کی جو سب صنّاعوں سے بڑھ کر ہے۔ لہٰذا عارفان ذات جو اس حقیقت سے آگاہ ہوتے ہیں ان کے آبگینۂ دل سے غفلت اور فراموشی کا زنگ بالکل اُتر جاتا ہے۔ اور اُس کی بجائے اُنھیں حضوری اور مشاہدۂ ذات کی صفائی نصیب ہو جاتی ہے۔ وہ دائمی طور پر مشاہدۂ ذات میں محو رہتے ہیں۔ وہ اس نسبت کا خصوصی ملکہ پیدا کر لیتے ہیں اور اپنی ہستی کو بالکل مٹا دیتے ہیں اور بقا باللہ کے مقام سے مشرّف ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے جسے فنا و بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور گذشتہ اکابرین نے فنا و بقا کا جو بیان لکھا ہے اس میں بھی اسی حالت کی طرف اشارہ ہے۔ ہمیں اور تمھیں اور بقائے کامل کے صدقے جس نے مکمل کیا اور مہر لگا دی سلام ہو اُس پر فنا الفنا کے اعتبار سے بھی کیا جاتا ہے کیونکہ فراموشی و نسیان جسے فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے، تبدیل ہو جاتی ہے حضوریٔ ذات و آگہی سے جسے بقا سے منسوب کیا گیا ہے۔ فنا الفنا ہی بقا ہوتی ہے کیونکہ وہ بے خبری اور نسیان و فراموشی جو ابتدائے سلوک میں جذبے کے ظہور کی بدولت میسر ہوئی تھی اسی کو سالکوں نے لفظ فنا سے تعبیر کیا۔ اب اس حالت میں وہ حضوری و مشاہدے میں بدل گیا جسے بقا بعد از فنا کہا جاتا ہے اور وہ فنا جو عدم کا اثر تھی بالکل نیست و نابود ہو گئی۔ اس مقام پر فنا کی وہ حالت جس سے عمومی کیفیت میں سالک متّصف تھا، اور جو حقیقتِ ممکنہ کے جملہ آثار میں سے تھی اب وہ اس کے باطن سے مکمل

Marfat.com

طور پہ دُور ہو گئی اور وہاں پورے طور پہ بقا باللہ بن گئی، عارف لوگ عین واثر کا زوال کہتے ہیں اس کا راز اسی سے سمجھ لینا چاہیے۔ اور اس پیغامِ ربانی کو اسی مقام سے سننا اور سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا۔ زوال عین واثر کے کلمات کے لیے اگلے اور پچھلے صوفیائے کرام کی سلوک کے لیے وضع کردہ اصطلاحات کا ذکر غفلت و ہشیاری اور فنا و بقا کے عنوانات سے اُس سے پچھلے باب میں آچکا ہے جس کا نام بلاغ الناس ہے۔ اور مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کا ترجمہ اور اُس سے متعلق اشارات و کنایات کی تشریح بھی کون وفساد کے عنوان تلے پچھلے ایک باب میں آچکا ہے جس کا نام نسبت اللہ ہے۔ اور تمام معانی کا الہام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ **رباعی:**

تا پردہ کشائی عالمِ کیف و کمیم

پیدا کن جلوہ حدوث و قدیم

از ہستی ما فنا پذیرہ صورت

مانند سراب نقشبند عدمیم

ترجمہ رباعی: جب تک ہم اس عالمِ شہادت یعنی عالمِ اجسام کی پردہ کشائی کرتے رہے ہیں۔ ہم حادث و قدیم کے ظہور کے نمائندے ہیں۔ ہماری اس ہستی سے فنا صورت پذیر ہوتی ہے۔ ہم سراب کی مانند نیستی کو ہستی کا رنگ دینے والے ہیں۔ (اب دیکھئے مصنّف اب ان استعارات، تلمیحات و کنایات کی خود توضیح و تشریح یوں کرتا ہے۔) پردہ سے ہمارا مقصود ادراک و اظہار ہے اور لفظ پردہ کشائی فاعلی معنوں میں مفید ہے یعنی کہ پاتے والا اور ظاہر کرنے والا، اور عالمِ کیف وکم سے مراد عالمِ اجسام ہے۔ کیونکہ کیف وکم عرض (قائم بالغیر) اور اپنے موضوع سے قائم یعنی جس کا جوہر جسم ہے۔ جائز ہوگا اگر عالمِ ارواح کو بھی مراد لے لیا جائے، کیونکہ ہرچند کہ نفس ناطقہ (روح) کو کمیت (مقدار) لاحق نہیں، لیکن نفسی کیفیات لاحق ہیں، اور وہ اسی کے جوہر سے قائم ہے دوسرے مصراع میں لفظ پیدا کن سے مراد نمائندہ اور جلوہ سے مراد ظہور اور حدوث سے مُراد معنئ امکانی اور قِدم سے مُراد معنی وجوبی ہے اور لفظ ہستی جو لفظ "فا" کا مضاف ہے سے مُراد اعتباری ہستی، فنا سے مُراد اضافی فنا، صورت پذیرہ فتن سے مُراد مشہود ہوتا ہے۔ اور سراب سے مراد وہ خلاف

Marfat.com

واقع امر یا بات ہے جس کا گمان گزرتا ہے نقش بستن سے مُراد قید خاص یں مقید ہونا ہے۔ لفظ عدم سے مراد اعتباری عدم اور رباعی کا مطلب یوں ہوا کہ جب تک ہم اس عالم اجسام یعنی اس عالم شہادت کے ظاہر کنندہ ہیں خواہ ہم عالم ارواح یں ہوں۔ ہستی اس امکانی اور اُس وجوبی ہستی کے ظہور کے نمائندہ ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں نسبتیں ہم میں ہمیشہ جلوہ گر ہیں۔ ہماری اسی اعتباری ہستی کی بدولت ہماری اعتباری فنا ظاہر ہوتی ہے۔ لہذا اس خلاف واقع امر کی مانند جس پہ حقیقت کا گمان گزرتا ہے۔ ہم عدم اعتباری کی قید میں مقیّد کی مانند ہیں وگرنہ ہم کبھی بھی نیست ونابود نہ ہوں گے یا یہ کہ ہم نے سراب کی مانند ہستی کو "ہست" کے رنگ یں نمودار کیا ہے کہ ہم بذات خود محض نیست ہیں اور ہست نما ہو گئے ہیں۔ اور دونوں معنی متحد ہیں انجام کے لحاظ سے یہاں مُراد وجود ظلّی کا انتساب ہے جو کہ ماخوذ ہے وجود اصلی سے جو کہ اخذ کرنے کا منشا و مبدا ہے اور ماہیت ممکنہ کا خالی کرتا اور اُس کا الگ کر لینا ہے اس سے اور موجودات ساری کی ساری وجودات ہیں حضرتِ وجود کے ضمن یں نہ اس لیے کہ وہ وحدہٗ لاشریک کی موجودات ہیں۔

Marfat.com

هوالناصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

سب تعریف اللہ کے واسطے ہے۔ وہی ہمارا ناصر اور معین ہے اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام جس کو بھیجا اُنھیں رسول امین بنا کر اور ان کی آل ؑ پر اور اصحاب ؓ پر جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا۔ امابعد پس یہ اٹھاونواں (۵۸) باب ہے جو فتح مبین کے نام سے موسوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک سے فرمایا، کہ بے شک ہم نے عطا کی تمھیں ایک کھلی اور واضح فتح۔ تاکہ بخش دے اللہ تمھارے اگلے اور پچھلے گناہوں کو اور مکمل کرے تم پر اپنی نعمت اور دکھائے تمھیں سیدھی راہ۔ فتح مبین سے مُراد ہے شرحِ صدر (سینے کا انشراح) کی حقیقت اور مکمل انکشاف اور اضافات کا اسقاط (گرادینا) توحید کے غلبے کے ساتھ اور مشاہدے کے استغراق کے ساتھ یہاں تک کہ سبب ہوجائے اضافی گناہوں کی بخشش کا جو کہ امکانیت کے مقتضیات میں سے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلعم بشر تھے ہماری طرح، نہیں انھوں نے ارتکاب کیا گناہوں کا ہماری طرح۔ کیونکہ اولیاءؒ اللہ ان کے طفیل ہوتے ہیں محفوظ کبائر سے، پس منسوب کیا ان کی طرف اللہ نے اعتباری گناہوں کو تمام اسمائے کے ظہورات کی نعمت کی تکمیل کے لیے، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو غفار و ستار ہوتا اُس کا کیسے واضح ہوتا اور اُسے ہدایت دی سیدھے راستے کی جس میں کوئی کجی نہیں۔ اور وہ بشری عجز کا دیکھنا ہے ہر حالت میں جیسے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا اے اللہ مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا بنادے اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنادے۔ پس اے محمدیو! تم پر لازم ہے کہ تم اتباع

Marfat.com

کرو اپنے رسول صلعم کا اور اپنی کوتاہی کا اعتراف کرو، اور بن جاؤ چھوٹے عاجز بندے اپنی نظروں میں ہمیشہ کے لیے تاکہ بنائے تمھیں اللہ بڑا لوگوں کی نظروں میں قادر، قوی، عارف، کامل جامع کمالات کے لیے۔ پس یہ تمام امانتیں اور کمالات سے منسوب کیے گئے ہیں پہنچاؤ اپنے اہل کو۔ نہیں ہے کوئی طاقت اور نہ قوت مگر اللہ کے ساتھ مگر وہ بلند مرتبہ اور عظمت والا ہے۔

عوام کے اجتماع کے وقت اپنے حال کی حفاظت کے بیان کا باب

جس وقت درویش کی طرف خلق خدا کا رجوع بکثرت ہو جائے اور اُس کی جانب قبولیت کی ہوائیں چلنے لگیں تو اُسے چاہیے کہ اس وقت اپنی حفاظتِ حال کی پوری کوشش کرے، کیونکہ ایسے اوقات میں بشری تقاضوں کے مطابق بعض کم ظرف، خام کار اور ادھورے سالکوں کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ وہ طرح طرح کے توہمات میں پھنس جاتے ہیں۔ اور خلق خدا کا یہ ہجوم ان کی حق بینی کے لیے اوٹ بن جاتا ہے۔ وہ عبودیت کی حقیقت اور بندگی کے عجز کو دریافت کرنے کے سلسلے میں غافل ہو جاتے ہیں، اور وہ اپنے ناکارہ پن پر نظر نہیں ڈالتے جو ذاتی طور پر ماہیاتِ ممکنہ کا نصیب ہے۔ لوگوں کی تعریف و توصیف کے فریب میں آکر وہ مغرور ہو جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ شاید ہم ایسے ہی ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں، اور یہ نہیں جانتے کہ بھلا ممکن الوجود مخلوق میں قوت کہاں کہ وہ اپنے کسبِ کمال کی نمائش کرے، اپنے ذاتی نقائص سے باہر نکلے۔ یہ تو سب اس واجب الوجود جمیل کا فضل و کرم ہے کہ اُس نے اپنے کمالات کے حسن و جمال کو اُن کے آئینے میں ظاہر کیا۔ اور اس میں اپنی تجلیات کا عکس ڈالا۔ ہمیں اس مقام کے مناسبِ حال ایک عجیب حکایت یاد آگئی۔ گوشِ ہوش سے ذرا دھیان کے ساتھ سنیں اور امکانی قوتِ نمو کا مطالعہ فرمائیں۔

حکایت

ایک شخص کو ایک گھوڑا کہیں سے مفت ہاتھ لگا جو بڑا پٹو، سست رفتار، اڑیل اور سرکش تھا۔ کچھ عرصہ تو اُس شخص نے گھوڑے کو اپنے پاس رکھا اور مدتوں تک اس کے نقائص کو رفع کرنے کی کوشش کی۔ اور جہاں تک بن پڑا، اس کی خوراک اور تیمارداری میں کوئی دریغ نہ کیا۔ صرف اس اُمید

Marfat.com

پہ کہ شاید اس کے وہ نقص دُور ہو جائیں اور میدانِ جنگ میں کام آسکے۔ لیکن اس بدذات گھوڑے پہ کسی چیز کا کوئی اثر نہ ہوا اور اُس بیچارے سپاہی کی ساری کوششوں کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ مجبور ہو کر آخرکار اس کے دل میں خیال آیا کہ اس بسیار خور جانور کو بیچ ہی دینا چاہیے تاکہ اس بلا سے نجات حاصل ہو۔ ایک چابک سوار سے اُس کی جان پہچان تھی۔ اس کے پاس گیا، اُسے گھوڑے کی ساری کرتوتیں بتائیں اور کہا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔ تم جیسے بھی مناسب سمجھو اس کا کوئی گاہک ڈھونڈو اور اسے بکوادو۔ چابک سوار نے کہا اسے کل منڈی میں لے آنا خدا نے چاہا تو سودا ہو جائے گا۔ وعدے کے مطابق سپاہی گھوڑے کو منڈی لے گیا، چابک سوار اکیلا ہی گھوڑے کو ایک طرف میدان میں لے گیا۔ اس پر سوار ہو کر خوب کوڑے برسانے لگا۔ گھوڑا گرم ہو گیا تو وہ تیزی سے اسی طرح سواری کرتا ہوا منڈی کی طرف لے گیا اور اس گھوڑے کی صفتیں بیان کرنے لگا کہ اس گھوڑے میں ہوا کی سی تیزی ہے، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تختِ رواں جیسا بانکپن۔ ایک ہی جست میں قلعوں کی دیواریں پھاند جاتا ہے۔ اور ایک ہی دوڑ میں جنگل بیابانوں کو عبور کر جاتا ہے۔ ایک دن میں سو کوس فاصلہ طے کر جاتا ہے۔ اس کی یہ باتیں سُن کر لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے تاکہ اُسے خریدیں۔ سپاہی تھا بے وقوف۔ جب اُس نے ہجوم کو دیکھا اور یہ باتیں سنیں تو چابک سوار کو ایک طرف بلا کر چپکے سے اس کے کان میں کہنے لگا کہ اگر واقعی یہ گھوڑا ایسا ہی ہے تو میں اُسے نہیں بیچوں گا۔ چابک سوار اسے لعنت ملامت کرنے لگا اور کہا اے عقل کے اندھے تو نے گھوڑے کو اتنی مدّت اپنے پاس رکھا اور اس کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکا۔ اب جب کہ میں نے لوگوں کو چکنی چپڑی باتوں سے بہلایا پھسلایا تو تُو بھی دھوکا کھا گیا۔ پس انسانی نفس و طبیعت کی مثال تو اُس نکمے گھوڑے جیسی ہے۔ بے شک نفس امارہ تمھیں برائیوں کی طرف لے جاتا ہے اور فضل ربانی اور قبولیت سبحانی وہ چابک سوار سمجھیے جو ایک نکمے اڑیل ٹٹو کو لوگوں کی نظروں میں حسین وجمیل دکھا دیتا ہے۔ اور اپنے کمالات کے ظہور کا غلبہ اس چابک سوار کی شاہسوارانہ مہارت ہے جس سے وہ گھوڑے میں تیزی پیدا کر دیتا ہے۔ اور اپنی حقیقت سے ناآشنا احمق انسان کی مثال اس احمق سپاہی کی سی ہے جو اتنے طویل عرصے میں بھی اپنے گھوڑے کی عادات کو نہ بھانپ سکا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے کہ ان کو قابو میں کر لیتے۔

سوال اس حکایت کی مثال اور مندرجہ بالا تقریر سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ حال تو نفس امارہ

Marfat.com

اور ناقص نفوسِ انسانی کا ہے جو اس نکمّے گھوڑے کی طرح ہیں، نہ یہ کہ یہ تمام بنی نوع انسان کے شامل حال ہے۔ صاحبانِ نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ یعنی کامل و اکمل انسان تیز رفتار اور بانکے سجیلے گھوڑوں کے مالک بھی اسی ناقص و معیوب حالت میں داخل ہیں تو پھر اس حقیقتِ انسانی پر اس کا مجموعی اطلاق کیسے صحیح ہوگا۔ اور اس اوپر والے بیان سے تو مفہوم یہی نکلتا ہے کہ انسانی حقیقت بذاتِ خود کوتاہ و ناقص ہے جس میں ناقصوں اور کاملوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ لہٰذا اس مفہوم کو ذرا کھل کر بیان کرنا چاہیے، تاکہ ہر کند ذہن بھی سمجھ سکے اور شک و شبہ دُور ہو جائے۔ **جواب** انسانی افراد کو نقص و کمال کی باہمی نسبت حاصل ہے۔ مدارج کے فرق کے لحاظ سے ایک کسی ایک نسبت سے ناقص اور دوسری نسبت سے کامل ہے اور اگر واجب اور ممکن، عبد اور معبود، خالق اور مخلوق کا مقابلہ کریں تو پھر کیا ناقص اور کیا کامل سبھی ناقص و قاصر ہیں۔ لہٰذا عارفانِ حق جو ہمیشہ مشاہدۂ ذات میں محو رہتے ہیں۔ کبھی بھی اپنے آپ میں سوائے نقص و قصور کے اور کچھ نہیں دیکھتے۔ اپنے میں جو اچھائی اور خوبی نظر آتی ہے اسے اللہ کی طرف سے کہتے ہیں جیساکہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے کہ اے انسان تجھ کو جو کوئی خوشحالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور جو کوئی بدحالی پیش آوے تو وہ تیرے ہی نفس کے سبب سے ہے۔ پس کامل اپنے کمال کے ثبوت کے ساتھ ناقص ہوتے ہیں اپنی آنکھوں میں اور وہ کہتے ہیں اپنے رسولؐ کی سنت پر چلتے ہوئے کہ اے خدا! تمہیں کما حقہٗ پہچان نہ سکے اور اے اللہ ہم کما حقہٗ تیری عبادت نہ کر سکے، اور وہ اپنے علم اور عمل کی کوتاہیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ اور وہی ہیں جو دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادتِ الٰہی میں کھڑے رہتے ہیں۔ رباعی:

ہر لحظہ بطبعم ہوسی می گردد
در دامن دل خار و خسی می گردد
یارب تو مرا بخویش گرویدہ کنی
ترسم کہ بمن خلق بسی می گردد

ترجمہ رباعی: اے خدا ہر لحظہ بشریت کے تقاضوں کے مطابق ہوا و ہوس میری طبع کے گرد منڈلاتی رہتی ہیں۔ میرے دل میں انہی خواہشات اور ہوسوں کے کانٹے چبھتے رہتے ہیں۔ اے خدا تو مجھے اپنی طرف مائل کر رہا ہے یعنی اپنی صفات کا مجھ پر پرتو ڈال رہا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مخلوق کا ہجوم میرے

Marfat.com

گرد اکٹھا نہ ہو جائے جس سے میرے اس رابطے میں رکاوٹ آجائے۔ (مصنّف خود رباعی کی توضیح یوں کرتا ہے کہ طبع سے مراد بشری حالت ہے اور ہوس سے مُراد بشری تقاضے، گرویدہ ہونے سے مُراد تعلّق پیدا کرنا ہے۔ دامنِ دل سے مُراد وہی دل ہے جسے ہم نفس ناطقہ کہتے ہیں یعنی روح، اور یا پھر انسان کے بائیں جانب والا وہی گوشت کا لوتھڑا جو سارے حیوانات کو بھی میسّر ہے۔ خار و خس سے مراد حدیثِ نفس یا دل میں آنے والے طرح طرح کے خیالات۔ رب سے مُراد مرتبۂ الوہیتِ حق۔ گرویدہ کرنے سے مُراد ہے اپنی صفاتِ خداوندی سے متصف کرنا۔ خلق سے مراد اہلِ دُنیا جیسا کہ عالم سے مراد کبھی اہلِ عالم یا دنیا والے بھی لیتے ہیں۔ رباعی کا مطلب یوں ہوا۔ کہ تقاضائے بشری کے مطابق ہر لحظہ اسی کی مقتضیات میرے گرد منڈلاتی رہتی ہیں۔ میں اس قیدِ حیات کا مقیّد اور مجبور ہوں اور میرے دل کے دامن میں ہر گھڑی (دل خواہ روح یا وہی گوشت کا لوتھڑا) نفسانی خواہشات اور مختلف خیالات کے کانٹے چبھتے رہتے ہیں اور پھر اسی تعلق سے پہلے دل میں کسی فعل کا ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس فعل کو عملی صورت دے دی جاتی ہے لہذا اگر دل میں کسی قسم کا خیال پھٹکنے ہی نہ پائے تو بشری تقاضوں کے مطابق یہ بشری حرکات کاہے کو سرزد ہوں۔ ہر چند کہ ضرورت کے مطابق خیالات کا گزر جو آگہی ذات میں رکاوٹ نہ ڈالیں اور حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرنے والی مقتضیات کی ممانعت نہیں وہ تو کامل ترین انسانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ لیکن وہ دل جو صرف ذاتِ خداوندی کی طرف متوجہ ہو وہ کسی غیر کی طرف اتنی سی توجہ بھی جائز نہیں سمجھتا لہذا خدا کے حضور میں دُعا کرتا ہے کہ اے خدا! تو مجھے صفاتِ خداوندی سے متصف فرما اور مجھ پہ اپنی تجلّی کا عکس ڈال تاکہ میں تیرے مشاہدے کے غلبے کی بنا پہ تیری ہی سنّت کے مطابق سب کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی کسی کے ساتھ نہیں ہوں۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں تو نے اتنی خلقت کو میری طرف مائل کر دیا ہے اور مجھ سے ملاقات کا اُنھیں مشتاق بنا دیا ہے، ایسا نہ ہو کہ میری یہ مرجعیت نفع کی بجائے نقصان پہنچا دے اور میرے اور حقیقتِ حق کے درمیان حجاب حائل ہو جائے۔ اے خدا! مجھ سے میرا پردہ ہٹا دے اور آج میری نگاہ تیز کر دے۔ اس وارد کے ورود کا بیان یوں ہے کہ ایک دن شہر کے شریفوں، نجیبوں، زمانہ بھر کے برگزیدہ لوگوں، شاعروں، ادیبوں، ماہرینِ فن، باوقار شخصیتوں اور ظاہری شان و شوکت والے لوگوں کا ایک جمِ غفیر اور انبوہِ کثیر مختلف گروہوں اور ٹولیوں کی شکل میں اکٹھے ہو کر اس حُسنِ ظن اور عقیدت و ارادت اور محبت و اتحاد کی مناسبت سے جو اُنھیں میری ذات

Marfat.com

بھی ادھر آنکلے، اپنے حُسنِ خُلق کا اظہار اور غلامی کا اقرار کیا اور جھک کر تسلیمات بجالا کر قدم بوسی کی اور پھر غلاموں کی طرح مؤدب کھڑے ہو گئے۔ عجز و نیاز کا چہرہ زمین پر رکھا جس سے پرستش کا گمان گزرے، وہ اس اظہارِ مسرت و شادمانی پہ جامے میں پھولے نہ سماتے تھے۔ جب خالقِ حقیقی نے اپنی خاص عنایت اور تائید آسمانی سے اپنی حقانیت کے غلبے سے اس اہل مجمع پہ ان کے نقائص ظاہر فرمادیے اور ان تمام اصحاب کو جو مجموعۂ فضائل تھے ان کی ظاہری اور باطنی آنکھوں پہ ان کا بشری عجز ظاہر کر دیا میرے اس مرید مطلق نے ان مریدوں پر ارادے کا دروازہ کھول دیا اور شیطانی بہکاوے اور نفسانی دعووٗں سے سرتابی اور سرکشی کی مجال نہ دی اور اُنھیں اپنی اطاعت پہ یوں سرگرم رکھا اور افترا جیسے فاسد خیالات کو ان کے دل سے گزرنے نہ دیا یعنی یہ دعوی کہ وہ چاہتا ہے کہ ہم پر فضل کرے پیدا نہ ہونے دیا۔ اس وقت مالکِ حقیقی کی بندہ پروری اور کارسازی کا عجیب معاملہ در پیش تھا۔ اپنی حقیقی بندگی اور اصلی عبودیت کی حقیقت جو ہمیشہ مجھے نصیب تھی مجھ پہ حد سے زیادہ اثر انگیز ہوئی۔ سبھی بے اختیار اور مجبور نظر آتے تھے ان کی طرف قطعاً کوئی توجہ ہی نہ تھی۔ اس ہجوم و کثرت میں وحدت اور وحدت میں قرب و نزدیکی کی اک عجیب حالت رونما ہوئی۔ شاہدِ حقیقی کے مشاہدے کا دروازہ اتنے زور سے کھُلا کہ بظاہر بھی یہ کثرت پسند نہ آئی اور ان میں رہنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ جلوت کی اُس عین حالت میں بھی خلوتِ خاص نصیب ہوئی۔ فرطِ اشتیاق سے گریہ طاری ہو گیا۔ اپنے آپ پر ضبط کر کے اس بندۂ ناچیز نے تن تنہا پا پیادہ بیابان و دریا کا رخ کیا، کسی کو اپنے ہمراہ آنے کی اجازت نہ دی۔ سبھی کو وہیں بیٹھے چھوڑا اور اُس وقت اس حالت کے اظہار کو بھی روا نہ سمجھا۔ آنسوؤں کے سیلاب میں آگے بڑھتا گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھ بھی نہ رہا تھا بس اپنے خدا کے ساتھ بہت سوال و جواب اور قیل و قال اور کبھی خود سے خود کلامی کرتا جا رہا تھا۔ اپنی بندگی کی حقیقت کو دیکھتے ہوئے خود کو ملامت کرتا تھا۔ چنانچہ اس تمام کیفیت کے دوران یکایک یہ دونوں پہلی اور دوسری رباعی موزوں ہو کر زبان پر آئی۔ چلتے چلتے میں ساحلِ دریا پہ جا پہنچا۔ آنکھ کھولی تو بہت سے لوگ درختوں اور ندیوں کی پوجا کر رہے تھے اور بعض اسی طرح کی مختلف قسموں کی پوجا پاٹھ میں مصروف تھے۔ بہت سے لوگوں کو کھیتی باڑی اور دیگر کاموں میں مصروف پایا اور بہت سے اپنے نفس اور پیٹ پوجا میں لگے ہوئے ہیں۔ پس اسی مقام کے مناسب اور اسی وقت کے لائق دل پر جو واردات گزری سو گزری۔ ہاں سب کچھ یاد رہ گیا، اس

Marfat.com

حالت کے گزر جانے کے بعد گھر لوٹ کر اپنی واردات کو حیطۂ تحریر میں لے آیا۔ انھوں نے ایک تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ لیکن عباد عبارت ہے بندوں کو دوسروں کے خاص معاملے میں فریب دینے سے جو انہی جیسے ہیں۔ ادھر مکر الٰہی عبارت ہے حقیقت واحدہ کی گوناگوں صورتوں اور مختلف انواع میں حضرت وجود اور اُس کے مظاہر کے مطابق ظاہر کرنے سے، پس حق تعالیٰ ہی بہترین چال چلنے والا ہے۔ بندوں کی تدابیر بھی الٰہی تدابیر کی شاخیں اور ٹہنیاں ہیں۔ دیکھئے فرمانِ خداوندی کہ ان سے پہلے جو لوگ ہو چکے ہیں اُنھوں نے تدبیریں کیں۔ سو اصل تدبیر تو خدا ہی کی ہے۔ سبھی نے اسی سے فریب کھایا ہے۔ اور ظاہری اعتبارات و امتیازات میں مبتلا ہو کر حقیقت بینی سے محروم رہے ہیں اپنے بندوں میں سے خدا جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے، برگزیدہ بناتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کے قلب کو اپنے نور سے منور اور اپنی ہدایت سے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔ حق تعالیٰ کی پکڑ سے بے فکر رہنا نادانی ہے۔ اور مخلوقات کے ہجوم کو دیکھنا سراسر پریشانی ہے۔ حق تعالیٰ کی گرفت سے بے فکری جاہلوں کا کام ہے جو پشیمانی اور ملال کا موجب بنتا ہے۔ اور یہ بھی سراپا جھوٹ اور جہالت اور گمراہی اور گھاٹا ہی گھاٹا۔ جیسا کہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ کیا اللہ کی ناگہانی پکڑ سے بے فکر ہو گئے، سو سمجھ رکھو کہ خدا تعالیٰ کی پکڑ سے بجز اُن کے جن کی شامت آ گئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔ جس طرح یہ خام کار صوفی اور ادھورے عارف گمان کرتے ہیں کہ ہم ان اعتبارات موہومہ میں ہرگز اسیر نہیں بلکہ یوں سمجھتے ہیں کہ دُنیا کے ان توہمات سے ان کے باطنی کاروبار اور مشاہدے میں کوئی خلل یا خرابی پیدا نہیں ہوتی، کیونکہ ہم تو حقیقت میں سب قیود سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اے سادہ لوحو! تمھاری یہ سوچ بھی اللہ تعالیٰ کا اک فریب ہے جو اسی نے تمھیں دیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی رضا مراتبِ وجود کے اظہار میں ہے تو پھر تمھارے چھپانے سے کیسے چھپ سکے گی، اور وہ حق تعالیٰ کی تدبیر (پکڑ) جو ساری موجودات پہ محیط ہے تم اس کے احاطے سے باہر کیسے آ سکو گے، لہٰذا انبیائے کرام (ان پہ خدا کی سلامتی ہو) جنھیں کامل عرفان اور معرفت حاصل تھی جب اُنھوں نے خدا کی مرضی کو ایسے پایا تو بڑی رضا و رغبت سے اس فریب کو قبول کرتے ہوئے مراتب کو ثابت کیا، اور حقیقت بین ہوتے ہوئے بھی ہر مرتبے کے لیے حفظ مراتب کو کماحقہٗ ملحوظ خاطر رکھا۔ چونکہ وہ جان بوجھ کر اُس کے حکم کے مطابق ان قیود کے پابند ہوتے ہیں۔ وہ فریب کھانے والوں کے زمرے میں داخل نہیں ہیں۔ بلکہ وہ

Marfat.com

اس گروہ میں محسوب ہوتے ہیں جسے اس بات کا حکم دیا گیا ہو، اور اُس فریب کے نقصان کی بجائے اُنھیں امرِ حق کی اطاعت کا نفع پہنچتا ہے اور تا ابد پہنچتا رہے گا۔ سو ہمیشہ اپنے حال پر نظر رکھنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ کہیں غفلت تمھیں کسی مصیبت میں مبتلا نہ کر دے۔ اور یہ کثرتِ خلق تمھیں پریشانی میں نہ ڈال دے۔ جب آ گئی اللہ کی مدد اور فتح خلق کے تیری طرف رجوع کرنے کے لباد سے میں اور بابِ الفتوح کے کھُلنے کی صورت میں تم پر اور تم نے دیکھ لیا لوگوں کو اہلِ اخلاص میں سے کہ داخل ہوتے ہیں اللہ کے دین میں خاص انداز میں یعنی مناسبت ازلی اور نسبت اعتقادی کے ساتھ جو ان کے اندر ودیعت کی گئی ہے ابتدا سے استعداد کے اندر قضا کی نسبت سے، کثیر فوجوں کی شکل میں اور لشکریوں کی صورت میں قسم قسم کے۔ پس تسبیح بیان کر اپنے رب کی تعریف کے ساتھ کمالاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کرتے ہوئے ابدیت کے مرتبے میں اور لوگوں کے لیے فیض رسانی کے دروازے کی حیثیت اختیار کر اور عدم فیض رسانی سے اللہ سے پناہ مانگ۔ بے شک وہ اپنی ربوبیت کے تقاضے کے تحت اور اپنی ذاتی رحمت کے مقتضیٰ کے تحت بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ ہوشیار رہ ہوشیار۔ کثرت و قلت کی طرف توجہ مبذول نہ کر، مخلوق کے اقرار و انکار کا خیال دل میں نہ لا۔ اور پریشانیٔ خاطر کی وادی میں قدم نہ رکھ، ہمیشہ اپنی چشمِ بصیرت کو حق تعالیٰ پر جمائے رکھ۔ خلقت کی طرف دیکھ ہی نہ، ان کا ردّ و قبول بے معنی ہے۔ اختیار تو اسی مختارِ حقیقی کے ہاتھ میں ہے، یعنی مخلوق کے اقبال یا اعتراض کا کوئی اعتبار نہیں۔

ان کے ردّ و قبول کی بنا پر دل کو پریشانی اور تشویش میں ہرگز نہ ڈالنا چاہیے، نہ ہی اس پر غمگین یا خوش و خرّم ہونا چاہیے۔ یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ ہی وہ مغموم ہوتے ہیں کیونکہ دلوں کے اختیارات کی باگ ڈور دلوں کے بدل دینے والے، اسی مختارِ حقیقی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جدھر چاہے ان کی باگ ڈور موڑ دیتا ہے، لہٰذا پچھلے بزرگوں نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اپنا معاملہ خدا کے ساتھ درست رکھنا چاہیے اور ماسوی اللہ پر توجہ نہیں دینی چاہیے۔

ریاکاری اور مکاری سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ہر کام خلوص نیت سے خدا ہی کے لیے کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نیتوں کو جانتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے لوگ جو چاہیں کہیں۔ اگر لوگ کسی کے نیک اعمال کے باعث ہی کسی کو نیک کہتے تو پھر بیچارے عابدوں زاہدوں کو یونہی بُرا بھلا نہ کہتے اور نہ ہی عارفوں پر طعنہ زنی کرتے بلکہ وہ تو انبیا کو بھی ناحق قتل کیے بغیر راضی نہ ہوتے، اور اپنے بھائی بندوں کی فضیلت کو ہرگز قبول نہ

Marfat.com

کرتے ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہے جو تائید ربانی کے بل بوتے پر اُنھیں اپنے خاص بندوں کے سامنے لاجواب کرکے اُن کا اقراری کر دیتا ہے، لیکن یہ منافقین جب ان لوگوں کو ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں بے شک ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ ہم تو استہزا کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی استہزا کر رہا ہے اُن کے ساتھ اور ڈھیل دیے چلا جاتا ہے ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگرداں ہو رہے ہیں۔ الغرض لوگوں کے اقرار و انکار کو مدِّنظر نہیں رکھنا چاہیے اور ہر لحظہ اسی عالم سرّ وخفی کے مشاہدے میں محو رہنا چاہیے۔ حق تعالیٰ تمھارے مابین معاملے کا فیصلہ خواہ اِس آیت کریمہ کے مطابق فرمائے کہ تو اُنھیں ڈرائے یا نہ ڈرائے ان کے لیے ایک برابر ہے۔ یہ ایمان لانے کے نہیں، اور خواہ اس آیت کریمہ کے مطابق فیصلہ کرے کہ اے نبیؐ جب خدا کی مدد اور فتح آ پہنچے اور آپؐ لوگوں کو اللہ کے دین یعنی اسلام میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں وہی کام کرنا چاہیے جو تمھارے حوالے کیا گیا ہے۔ دوسرے جانیں اور ان کا کام۔ یہ یاد رکھو کہ اس روز کوئی کسی دوسرے کا بارِ گناہ نہ اُٹھائے گا۔ لہٰذا کبھی غفلت شعاری سے کام نہ لو اور حقیقت بینی سے چشم پوشی نہ کرو۔ خبردار ہشیار رہنا ایسے اوقات میں قدموں کے پھسلنے سے غفلت تم پر غلبہ نہ پاجائے اور غفلت کے پھندے میں نہ پھنس جاؤ۔ اور تیری چشمِ بصیرت اور دیدۂ دل حقیقتِ حق کے دیدار سے محروم نہ رہ جائیں۔ اور حقیقت بینی عبارت ہے ہر امر (جیساکہ وہ ہے) کی فی نفسہٖ حقیقت کے دریافت کرنے سے، لہٰذا ہر وقت حق سبحانہٗ تعالیٰ کے مرتبۂ واجبیت کے مشاہدے میں محو رہنا چاہیے جو تمام نیکیوں، بھلائیوں اور کمالات کا جمع کرنے والا ہے۔ اور کسی وقت بھی اپنے دل کو اپنے عجز اور انکساری و کوتاہی کے دیدار و شعور سے غافل نہ رکھنا چاہیے۔ وہ تو ممکنات کا نصیبہ ہے۔ بلکہ خود کو محض معدوم سمجھتے ہوئے فناء مطلق کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور سوائے اس وجودِ مطلق کے کسی اور موجود کو جاننا پہچاننا نہ چاہیے۔ تجھے جو کمال کی نسبت دیتے ہیں وہ ایک تہمت سے زیادہ نہیں آئینے کی مانند وہ تیرے اندر جو صورتِ حال بھی دیکھتے ہیں وہ ان کی اپنی صورت کے سوا اور کچھ نہیں۔

یہ لوگ خیر و کمال سے جو نسبت بھی تجھ سے منسوب کرتے ہیں وہ تہمت سے زیادہ کچھ نہیں کیونکہ تمام نیکیاں اور سارے کمالات تو فی الواقع اسی حضرت واجب الوجوب سے منسوب ہیں جو اس واجب تعالیٰ کی حقیقت ہے۔ بیچارہ ممکن الوجود جس پہ ذاتی طور پر عدم پہلے ہی سبقت لے گیا ہو اس کے

Marfat.com

خوانِ نعمت میں ہے ہی کیا؟ اور یہ اہلِ دُنیا اور تیرے ہم عصر مجازی اعتبار سے تیری شخصیت کے آئینے میں جو خوبی و وصف دیکھ رہے ہیں یہ بھی محض ان کا حُسن ظن ہے۔ یہ ان کا اپنا پاک باطن ہے جو انھیں ادھر نظر آرہا ہے۔ اپنے دل کو ایسے توہمات سے پاک صاف رکھ کیونکہ نیک سرشت لوگ تجھ میں سوائے خیر و خوبی کے اور کچھ نہ دیکھ پائیں گے اور بد باطن سوائے بدی کے اور کچھ نہ دیکھیں گے۔ آدمی اپنے ہی نفس پر قیاس کرتا ہے۔ ان کی لعن طعن بھی بے بنیاد، اور ان کی صاحب سلامت بھی ناقابل اعتماد۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ کتنی خلق خدا نہروں اور درختوں کی پوجا کرتی ہے اور ان کے سامنے ماتھا ٹیکتی ہے لیکن درخت اور دریا اس بات سے بالکل بے نیاز۔ یعنی ایسے لوگوں کی ارادت و عقیدت کا کیا اعتبار۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہندوؤں کے اس انبوہِ کثیر میں سے بعض دریاؤں کی پوجا کرتے ہیں اور بعض درختوں کی اور اُن کا کتنا احترام کرتے ہیں۔ بتاؤ بھلا درختوں اور دریاؤں میں کیا بزرگی ہے جو یہ ان کے معتقد ہوگئے۔ وہ اپنے ذہنوں میں خود ہی ایک چیز کو تراش لیتے ہیں اور اُس کے معتقد ہوجاتے ہیں۔ مگر ان دریاؤں اور درختوں کو ان کی اس پوجا پاٹھ اور عقیدت کی کوئی پرواہ نہیں۔ پس آدمی میں اگر مخلوق سے اتنی بے نیازی بھی نہ ہو تو وہ دریاؤں اور درختوں سے بھی گیا گزرا۔ **سوال** اس تحریر میں جو بیان آیا ہے اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اپنے ذہنوں میں خود ہی کوئی چیز تراش لیتے ہیں اور اسی کے معتقد ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا اس امر میں فی نفسہٖ کسی بزرگی یا کمال کے ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ اور اس بات سے بزرگوں سے انکار کا گمان گزرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے گناہوں سے بچائے۔ **جواب** خدا نہ کرے ہماری یہ مُراد ہرگز نہیں۔ ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ اپنی بزرگی یا کمال کو خاطر میں نہ لانا چاہیے اور نہ ہی لوگوں کی عقیدت و ارادت پہ اعتماد کرنا چاہیے اور ہمیشہ اپنی کوتاہیوں پہ نظر رکھنی چاہیے جو بزرگوں کا شیوہ ہے۔ اور تمام کمالات کے حصول کو اللہ کی طرف سے سمجھنا چاہیے اور حقیقت میں اُنھیں حق تعالیٰ ہی سے منسوب کرنا چاہیے اور اس کی اس عنایت کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور یہ امانتیں جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے حوالے کی ہیں اُنھیں اُن کے مالکوں کی طرف لوٹا دینا چاہیے جیسا کہ اس آیتِ کریمہ سے واضح ہے کہ بے شک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ اہلِ حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دو اور درختوں اور دریاؤں کی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ اگر ظاہر میں ان باطل دیوتاؤں کی شراکت سے تمھاری بھی (اللہ کے بندوں کی) پرستش ہونے لگے تو چاہیے کہ کلمۂ طیبہ پڑھ کر یعنی یہ کہہ کر کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود

Marfat.com

نہیں تمام ماسوی اللہ کی نفی کردو، اور ان دریاؤں کی طرح دیگر اوصاف سے بھی متصف ہو جاؤ، یعنی ہمیشہ پانی کی طرح فروتنی (انکسار) کی سعی کرو، اور دس زبانیں رکھنے والے گل سوسن کی طرح چپ سادھ رکھو۔ اگر دریا بنے ہو تو بیکراں بننے کی کوشش کرو۔ اگر درخت بنے ہو تو درخت طور بن جاؤ تاکہ تم کسی نزدیکی راستے سے لوگوں کو بڑی سرعت سے کعبۂ مقصود تک پہنچا سکو۔ اور اُس درخت طور کی تجلی سے ساری دُنیا کو منور کردو، اپنے آپ کو پانی کی طرح پاک اور صاف رکھو اور دوسروں کی تطہیر پہ بھی ہمت صرف کرو۔ خود پاکباز بن کر دوسروں کو پاکباز بناؤ۔ دل میں سوز و گداز پیدا کرو اور طبع میں روانی، عجز و انکسار اختیار کرتے زبان ہوتے کے باوجود گل سوسن کی طرح چپ سادھ لو جو دس زبانیں رکھنے کے باوجود خموش ہوتا ہے۔ یعنی حفظ مراتب کی لبساط سے قدم آگے نہ بڑھاؤ۔ غفلت کی وادیوں میں گھوڑے نہ دوڑاؤ۔ اپنی خودی و انانیت پہ مت اتراؤ، وادی غفلت میں گھوڑے دوڑانے سے مُراد ہے حق تعالیٰ سے ناآگہی اور یونہی بیہودہ اور لغو کاموں میں لگے رہنا۔ ہر امر کی حقیقت کو نہ سمجھنا اور اعمال کی اصلاح و خرابی سے بے خبر ہونا جن کے نتائج بھگتنے پڑتے ہیں اور وہم سے مراد خودی، تکبر، غرور، سرکشی اور بغاوت جو امکانی انانیت کی راہ سے صاحبِ علم ممکنات میں پیدا ہو جاتی ہیں، اور جو کچھ واجب الوجود کے تقاضے کے مطابق کاملانِ ذات میں جو حلم پیدا ہوتا ہے اُسے کبریائی، بزرگی اور استغنائے حق کہتے ہیں جو اپنے ان مظاہر میں جلوہ فرما ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے اندر اخلاق خداوندی پیدا کر لیے کیونکہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے۔ کبریا میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے۔ پس ملا لیا اُنھیں اللہ نے اپنی کبریائی کی چادر کے ساتھ اور اپنی عظمت کی تہبند کے ساتھ اپنے حبیب کے صدقے جسے اس نے پکارا اس پکار کے ساتھ کہ اے چادر اوڑھنے والے ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(تو اللہ کے پاک اور پاکباز بندوں کا اپنے مطابق قیاس نہ کر۔ تجھے ان سے کیا نسبت دیکھو لفظ شیر (بمعنی درندہ حیوان) اور شیر (بمعنی دودھ) لکھنے میں ایک جیسے ہیں لیکن ان کے خواص و اوصاف میں زمین آسمان کا فرق ہے) خود آگاہ انسان کا دل ایسے خیالات میں پناہ خداوندی میں ہوتا ہے، یعنی قلب حقیقت آشنا ہے، اور وہ روح جسے اللہ تعالیٰ کی طرف راہ ہے وہ غفلت اور جہالت سے پیدا ہونے والے ایسے خیالات سے اللہ کی پناہ میں ہوتے ہیں اور اس دُنیا کے توہمات پہ فریفتہ

Marfat.com

نہیں ہوتے لوگ خواہ ان سے کتنی عقیدت و ارادت رکھتے ہوں، کتنا ہی ادب و احترام کرتے ہوں، وہ اسے اپنی طرف منسوب نہیں کرتے۔ بلکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ ہر مشکل میں وہی معبودِ حقیقی اپنی پرستش کرانا چاہتا ہے اور امکانی حقیقت ہر طرح سے عبودیت و بندگی کا اظہار کرتی ہے۔ معبودِ حقیقی سے مُراد ذاتِ حق تعالیٰ ہے جل شانہ جو اطلاق رُو سے سب کا معبود ہے اور بندگی کے لائق اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لفظ پرستش سے مراد ہے، کلّی پرستش اور عام عبادت جو تمام افراد کی اپنی سچی عبادت یا جھوٹی عبادت میں شامل ہے۔ مقصود یہ کہ جب اس معبودِ حقیقی نے بندوں کو پیدا ہی اپنی عبادت کے لیے کیا ہے اور لوگوں کی کلّی پرستش اور عام عبادت میں خود ہی ظہور فرما ہے۔ پس حق سبحانہٗ تعالیٰ کی عبادت مختلف صورتوں اور متفرق انواع میں عابدوں کی استعداد کے مطابق ظاہر ہوتی ہے۔ اور مطلق بندگی کا مرتبہ جو معبودِ حقیقی اور باطل الاہوں کا مرتبہ ہے بندوں میں جلوہ گر ہوتا ہے اور درحقیقت یہ ساری عبادتیں ایک ہی معبود جل شانہٗ کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ کیونکہ دراصل عبادت کا حقدار فقط وہی ہے جیساکہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ تمام امور اُسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مقبول صلعم سے فرمایا تھا کہ اپنے مخالفوں سے کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے مسلّم ہوتے میں برابر ہے یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ پس وہ عبادات جن کا مضاف امکانی تشخصات ہیں ظاہری اعتبار سے ان کا یہ نام رکھ دیا گیا ہے اور شرع میں ایسی باطل عبادتیں خود اور اُن کا بجالانا کفر ہے اور وہ باطل دیوی دیوتا ہیں۔ کلمہ شریف یعنی لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر ان کی نفی کرنی چاہیے ایسی عبادت جہنم واصل کر دے گی۔ کیونکہ وہ ذات اسمائے جلالی کی تجلّی گاہ ہے۔ اور ایسی عبادت کرنے والے عابد اسمائے حسنیٰ میں سے اسمِ مُضلّ کے مظاہر ہیں۔ اور قرآن پاک کہتا ہے کہ جسے وہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور ہر وہ عبادت جو ظاہر میں بھی حق تعالیٰ سے منسوب ہو اس میں عابد کو سوائے ذاتِ حق تعالیٰ کے اور کچھ منظور نہیں ہوتا اور کوئی امکانی تشخص حتیٰ کہ خانہ کعبہ تک بھی اس کا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس لحاظ سے تو وہ اس مرتبے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو جہات سے آزاد و مبرّا ہے۔ جیساکہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ میں اپنا رُخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ایسی عبادت کو شریعت میں سچی عبادت کہتے ہیں اور اس پر

Marfat.com

عمل پیرا ہوتا عین ایمان ہے۔ ایسی عبادت کا مقصود بھی وہی معبود حقیقی ہے جس کا اثبات کلمۂ طیبہ میں باقی الاہوں کی نفی کرنے کے بعد آیا ہے، اور ایسی عبادت جنت میں لے جاتی ہے جو حق تعالیٰ کے جمالی اسما کی جلوہ گاہ ہے۔ اور ایسی عبادت کرنے والے عابد اسمائے حسنیٰ میں سے اسم "ہادی" کے مظاہر ہیں۔ اور جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور تمام عبادات کا مرجع وہ ذات جامع کمالات ہے جو جلال و جمال کا مجموعہ ہے۔ اور کوئی مخلوق اس کے احاطۂ اطاعت سے باہر نہیں جس کی شاہد قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں۔ ہر چند کہ موجودات کا ہر موجود عمومی اور اطلاقی طور پر اسی حق تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہے۔ دیکھیے یہ مختلف آیات کریمہ کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی قالاً یا حالاً بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں۔ نیز یہ اللہ ہی کے سامنے سب سر خم کیے ہوئے ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمینوں میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے، اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کے وقتوں میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کی تخلیق کو عبادت کے لیے مخصوص اس لیے بنایا کہ اس عبادت سے مراد خصوصی عبادت ہے اور اس جنّ و انس کے تشخصات کے ظہور پر موقوف ہے۔ انسانی حقیقت اور جنّی ماہیت کے وجود میں لانے کی علتِ غائی یہی خصوصی عبادت ہے، کیونکہ اس خاص طریقے سے کوئی مخلوق بھی خدا کی عبادت نہیں کرتی۔ بلکہ اس عبادت کے ظہور کے لیے ذاتی مقصد حضرت انسان کی تخلیق ہے، اور اسی کے ضمن میں جنّی ماہیت آ گئی جو انسانی ماہیت ہی کا ایک جُزو ہے اور اسی میں داخل ہے۔ آیت مذکورہ میں انسانوں کی نسبت لفظِ جنّ کو جو پہلے لایا گیا ہے۔ وہ کُلّ پہ جزئی تقدم کے اعتبار سے ہے نہ کہ جنّ کی عبادتِ خداوندی کے واسطے جنّ کی انسان پر فضیلت اور اولیّت کے لحاظ سے۔ کیونکہ جنّی افراد نے انسانی افراد ہی سے عبادت اور پرستش کا ڈھنگ سیکھا اور رسول کریم صلعم پہ ایمان لائے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ اے رسولؐ آپؐ ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سُنا پھر اپنی قوم میں واپس جا کر اُنھوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے جو راہ راست بتلاتا ہے۔ سو ہم تو اس پہ ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور چونکہ عبادت کا یہ خاص طریقہ جنوں اور انسانوں ہی سے مخصوص ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت مذکورہ میں اپنی

Marfat.com

عبادت کے لیے مخلوق کی انہی دو قسموں کی تخصیص کر دی ہے۔ اور مُراد اس سے یہ ہے کہ انسانوں اور جنوں کی اسی قسم میں ایسی عبادت ظہور پذیر ہوگی اور دونوں قسموں کے بعض افراد اس خصوصی عبادت میں مشغول رہیں گے۔ اگرچہ اس قسم کی عبادت کرنے کی استعداد خدا نے سارے افراد میں ودیعت فرمائی ہے لیکن اس پہ عمل پیرا وہی ہوتا ہے جس کے مقدّر میں ہو۔ ورنہ اس بات کا کیا مطلب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہو، اور یہ اس کے برعکس عمل کریں۔ کیونکہ جو اللہ نے چاہا وہ ہوگیا اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ اور اگر عبادت سے مراد عبادتِ عامہ ہو جو ہر کسی کے نصیب میں ہے یعنی فقط اپنے ارادے کی پیروی اور مشیّت ایزدی عمومی مقصد ہو تو پھر جنّ و انس کی تخصیص نہیں۔ بلکہ اس عبادت سے مُراد ساری مخلوقات کی عبادت ہے، جیسے کہ تم کہتے ہو کہ سارے جن اور انسان اسی کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ یعنی سارے جہان کو اسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اور جزو پر کُل جیسی دلالت تمام زبانوں کے محاورے میں رائج ہے۔ تتبع کرنے والوں پر یہ چھپا نہ رہے گا۔ کیونکہ اللہ عزّوجل نے خود فرمایا ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ پس اس کی مراد یہ ہے کہ وہ تمام موجودات کا نور ہے نہ آسمانوں اور زمین کا فقط۔ اور ان دونوں کے ساتھ اس نے اپنے نور کو محصور کر دیا، کیونکہ تمام مخلوقات کا نور اس کے وجود کے نور سے ہے اور وہ تمام چیزوں کا خالق ہے، پس یہ خوب سمجھ لے۔

اے خدا اس گنہگار بندے کو اپنی خالص عبادت سے شرفیاب فرما اور اپنے نفس امارہ اور ہوا و ہوس کی بندگی سے نجات دے۔ گنہگار بندے سے مراد میری اپنی ذات ہے کہ اپنی سمجھ کے مطابق یہ نالائق بندہ خدا کے سب بندوں سے زیادہ گنہگار ہے اور سب سے زیادہ پُرتقصیر اور اپنی نگاہ میں اس غفورالرّحیم کے سامنے ذلیل وحقیر ہے۔ لیکن چونکہ وہ عیوب کو ڈھانپ لینے اور گناہوں کو بخش دینے والا خدائے مہربان ستّر (۷۰) مہربان ومشفق ماؤں سے بھی بڑھ کر مشفق ومہربان ہے لیکن اپنی ممکنہ حقیقت کی کوتاہیاں ہمیشہ میری نظر کے سامنے ہیں۔ ہمارا کیا ہوا یا اَن کیا (نہ کیا ہوا) ایک برابر ہیں۔ یہ بندۂ پُرتقصیر فی نفسہٖ سراپا عیب ونقص ہے اور گھاٹے ہی گھاٹے میں ہے۔ اس کے فضل کے سوا کہیں پناہ نہیں اور اُس کے عفو کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ اے اللہ! میں پناہ میں آتا ہوں تیری اُس عمل کے شرّ سے جو میں نے کہا اور اُس عمل کے شرّ سے جو میں نہیں کرتا۔ اور اُس شرّ سے جو میں جانتا ہوں اور اُس شرّ سے جو میں نہیں جانتا۔ خالص عبادت ہمارا مقصود وہ عمل ہے جو خودی کی آمیزش اور نفسانی اغراض کے شائبہ سے پاک ہو اور خالصتہً اللہ ہی کے لیے

Marfat.com

کی جائے، اس میں آخرت میں کسی اجر، جزا اور دُنیا میں کوئی اچھا نتیجہ ملحوظ نہ ہو۔ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی اور اُس کے حکم کی بجا آوری منظور ہو۔ مثلاً کوئی آدمی اپنے محبوب کی خدمت کرتا ہے، لہذا اُس وقت اُسے نہ تو نوکر چاکروں کی طرح اس خدمت گزاری پہ کوئی صلہ یا انعام ملحوظ ہوتا ہے اور نہ ہی غیروں اور بیگانوں کی طرح اس کے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ وہ احسان کر رہا ہے۔ محبوب کی طرف سے اس خدمت گزاری کا موقع دینے پہ خود اپنے آپ پر اُس کا احسان سمجھتا ہے، اور اس خدمت کا صلہ وانعام اسی خدمت ہی کو سمجھتا ہے۔ وہ اس خدمت گزاری میں فقط محبوب کا تقرب حاصل کرنے کے لیے مصروف ہے۔ بلکہ قرب کے اس موقع پر مقربانِ ذات کے لیے خدمت میں خادم ومخدوم کا امتیاز بھی نہیں رہتا۔ وہ فنافی الذات ہو کر بقائے محبوب بن جاتے ہیں۔ پس ہو جاتی ہے ان کی سماعت اس کی سماعت اور ان کی بصارت اس کی بصارت، اور اُسی سے وہ سنتے ہیں اور اسی سے وہ دیکھتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ عمل کی تین قسمیں ہیں۔ ایک عمل دُنیا کے لیے ہے اور وہ غافلوں اور کافروں کا عمل ہے۔ ایک عمل آخرت کے لیے ہے وہ مومنوں اور بھلے آدمیوں کا کام ہے اور ایک عمل خالصتہً اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ مقربانِ ذات اور نیکوترین آدمیوں کا عمل ہے۔ ہوا وہوس کی بندگی عبارت ہے ہوا وہوس اور نفس امارہ کی پیروی سے۔ اور اس بندگی سے رہا ہونا یا آزاد ہونا عبارت ہے نفس امارہ اور طبیعت پہ غالب آنے اور محکوم سے حاکم کے درجے تک پہنچنے سے۔ پس اے میرے حقیقی مالک جب مجھ پہ اپنے بندوں کو مہربان کر کے میری طرف متوجہ فرما دیا ہے، شاید اس سے تمہیں مجھ بے حقیقت کی تربیت منظور اور مجھ ناقبول کو قبول کرنا مقصود ہے۔ یعنی خداوندا تو نے جو لوگوں کے دلوں کو اپنے اس کمینہ بندے پہ مہربان کر دیا ہے، اور ان کے باطنوں کو میری طرف متوجہ فرما دیا ہے جو وہ ملاقات کے لیے کھنچے چلے آتے ہیں اور میرے متعلق نیک گمان رکھتے ہیں۔ اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید قدرت کو اس نالائق بندے کی تربیت منظور ہے۔ اور شاید اس نالائق وحقیر بندے کو جسے کوئی قبول نہیں کرتا قابلِ قبول بنانا چاہتا ہے۔ تیرے ہی علم میں سب اندازے ہیں۔ کیونکہ ہر وضع کو کوئی نہ کوئی اثر ہی مرتب کرتا ہے۔ اور ہر عمل کسی نہ کسی نتیجے پر منتج ہوتا ہے۔ پس یہ درویشانہ وضع قطع اور حقیرانہ گزر بسر انسان کی پورے طور پر اصلاح کرتی ہیں اور دخل دیے بغیر خود بخود ہی تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب نصیب ہو جاتا ہے۔ اور مستقل طور پہ اچھے وصف اور عمدہ اخلاق میسر ہو جاتے ہیں، اور سعی و کوشش کیے بغیر ہی لاانتہا ترقیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ یہ تو محض انتخاب و برگزیدگی کا مرتبہ ہے۔

Marfat.com

بیچارے اخلاص برتنے والے مخلص اس دولت سے محروم ہیں۔ اور اُس کے بندوں پر سلام نازل ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا ہے۔ خداوندا کسی کو علم پہ ناز ہے اور کسی کو اپنے عمل پر اعتقاد ہے اور میرا اعتماد فقط تیرے فضل و کرم پر ہے۔ پس ہر کسی کے ساتھ اس کی تمنّا کے مطابق سلوک کر جو کچھ علم و عمل والوں کے شایاں ہے ان پہ اتنا کرم کر، اور مجھ ناکارہ انسان کو وہ کچھ عطا فرما جو تیرے فضل اور تیری رحمت کے شایانِ شان ہے۔ ؎ آں ایشانند و من چنینم یارب ۔ یارب وہ ویسے ہیں جیسا کہ میں نے لکھا اور میں ایسا ناکارہ ہوں جیسا کہ تیرے سامنے ہوں۔ رباعی :

در گلشنِ دہر بسکہ غفلت کاری
تخم گنہی بہر طرف میکاری
از روی خدا نیامدت شرم اے درد
باشد کہ زروی خلق شرمی داری

ترجمہ رباعی : اس باغِ عالم میں بہت غفلت سے کام لے رہے ہو اور مزرع حیات میں ہر سو گناہوں کے بیج بو رہے ہو۔ اے درد تجھے خدا سے تو شرم نہ آئی، شاید کہ تمھیں خلق خدا ہی سے شرم آجائے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) غفلت کار سے مراد ایسا آدمی ہے جو کاموں میں غفلت برتے۔ اے درد تو غفلت کار ہے اور غفلت سے کام لے رہا ہے، تو دُنیا کی اس کھیتی میں غفلت بونے والا ہے۔ تخم گناہ کاشتن سے مراد وہی سیدھی بات گناہ کرنا ہے۔ تم خطا و نسیان میں بڑے الٹے تلّلے کر رہے ہو۔ پہلے دو مصرعوں میں قافیہ معانی کے اختلاف کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا غفلت کار فاعلی معنوں میں ہے جس کے ساتھ یائے خطاب متصل ہے اور دوسرے مصرعے میں فعل حال ہے کاشتن مصدر سے، اور صیغہ مخاطب ہے۔ ہرچند کہ تقصیرات کو دیکھتے ہوئے ایسے امور کا تخاطب تمام اہل عالم کے لیے شایاں اور تمام بنی نوع انسان کے سزاوار ہے۔ انسانیت کے ہر فرد واحد کو بابائے انسانیت حضرت آدم علیہ السلام کی طرح توبہ و استغفار کرتے ہوئے یہ دُعا کرنی چاہیے کہ ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا۔ میں نے بحیثیت انسان اپنی ذات کو مدّنظر رکھتے ہوئے کسی دوسرے کو مخاطب نہیں بنایا۔ میں نے خود کلامی کی ہی یہ سوچ کر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بزرگوں یا اہل زمانہ میں

Marfat.com

سے کوئی بُرا منائے اور اُسے فقط اپنی ہی ذات سے متعلق سمجھ بیٹھے۔ اگر وہ انصاف سے کام لیں۔ مخالفت کو چھوڑ کر فقط آدمیت سے کام لیں اور دوسرا روپ نہ دھار لیں تو وہ کبھی بھی تکبّر کی راہ پر نہ چلیں اور عار کی بجائے نار اختیار نہ کریں۔ اور نہ سمجھ لیں کہ حقیقتاً یہ تخاطب اور یہ عتاب تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ اور کائنات کے سارے افراد کے لیے تہذیب و ادب سکھانے والا ہے۔ لہذا رباعی کا مطلب یوں ہوا کہ اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے مصنف یا شاعر کہتا ہے کہ از بسکہ تو ہر وقت کاموں میں غفلت ہی کرتا ہے اور عرصۂ حیات کو گناہگاری میں بسر کر رہا ہے۔ یعنی کہ زندگی فضول اور لغو کاموں میں صرف کر رہا ہے۔ لہذا اگر تمھیں خدا سے شرم نہیں محض اللہ ہی کے لیے ایسے بُرے کاموں سے اگر تم باز نہیں آسکتے تو چاہیے پھر خلق خدا ہی سے کچھ حیا کر لو۔ انہی سے شرم کھاؤ کہ لوگ تو تمھیں فقیر اور درویش کہتے ہیں۔ پھر جو کچھ درویشانہ وضع کے خلاف ہے کم از کم وہ تو نہ کرو۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مقام تہمت سے پرہیز کرنا تو ریا میں داخل نہیں، اسی لیے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بچو تہمت کی جگہوں سے دکھاوے کے طور پر بھی اور سناتے ہوئے بھی یہ غیر مفروضہ عبادتوں میں دخل انداز نہیں ہوتیں اور فرائض کی ادائیگی کا بھی ریا کاری میں شمار نہیں ہوتا۔ یہ نہیں چاہیے کہ کوئی آدمی فقط اس ڈر سے لوگوں کے سامنے نماز فرض ادا نہ کرے کہ وہ ریا کار کہیں گے اور اُسے کسی اور وقت پہ اُٹھا رکھے کہ تنہائی میں فقط اللہ ہی کے لیے قضا کر کے پڑھ لے۔ یاد رکھو ریا کاری کا یہ مرض ان زاہدوں کے دل میں پیدا ہوتا ہے جو حقیقت نا آشنا ہوں۔ عارفین اور محققیّن جو مخلوق کو اللہ کے اسم "الظاہر" کا ظہور سمجھتے ہیں۔ ریا اور فریب کے داغ دھبوں سے ان کے دل بالکل پاک ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں ایسا خیال کبھی نہیں اُٹھتا اور اگر مخلوق کے ظاہری اعتبار کو اپنی نگاہ میں رکھیں تو بھی یہ عمل نیک دوسروں کی ہدایت اور تربیت ہی کے لیے ان کے سامنے ادا کرتے ہیں۔ یہ معاملہ بھی ان کے اور ان کے خدا کے درمیان ہے۔ خلقت خدا اور اُن کے درمیان حائل نہیں ہو سکتے اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ مرشد کی ریا مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہوتی ہے۔ ملامتی بننا تو فضول حرکت ہے اور کسی پکڑ سے آزاد اور بے قید ہو جانا کچھ دشوار نہیں۔ انبیا و اولیائے کرام جو تبلیغ اور رشد و ہدایت کی راہ پہ گامزن رہے، اُنھوں نے نیکیاں اور نیک کام لوگوں کے سامنے کیے ہیں۔ ورنہ وہ بچارے کس سے سیکھتے اور سعادتوں کے خزانے کہاں سے جمع کرتے۔ اُنھوں نے بے ریائی بھی

Marfat.com

انہی کی دیکھی ہے اور ریاکاری و مکّاری کی مذمت کا بیان بھی انہی سے سُنا ہے۔ سو اس باب کے ورود کے سلسلے میں ان تمام لوگوں کی صورت حال اور مرشد کی فرمانبرداری کا جو قصّہ بیان کیا گیا ہے وہ اپنے ہی کمال کے اظہار یا اس قسم کے دوسرے خیال سے نہیں لکھا۔ بلکہ اس آیت کریمہ کو مدّنظر رکھتے ہوئے سپرد قلم کیا کہ بے شبہ ایسے قصوں میں دانش و بینش والے لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔ یہ دوسروں کی تربیت کا سبب اور اسرار و رموز کے انکشاف کا باعث بنتے ہیں۔ صاحب دل اور سننے والے لوگوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔ اور ان کے حالات و واقعات پہ ایک قسم کا تبصرہ ہے۔ بے شک اس میں عبرت ہے اس کے لیے جس کا دل ہو، اور یا جس نے کان لگایا اور وہ خود مشاہدہ کرنے والا ہو۔

Marfat.com

هو الناصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ وہ اُسے کامیاب کرے تمام دینوں پر چاہے یہ بات مشرکوں کو بُری لگے ۔ اللہ پاک ہے اور بلند ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ وہ اپنے تمام بندوں پر با اختیار ہے اور ان کا لوٹنا اسی کی طرف ہے۔ پس اللہ انھیں خبر دے گا اس بات کی جو وہ کرتے تھے، اور درود و سلام ہو اس کے رسول صلعم پر جسے دیا گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جو نہیں دیے گئے باقی رسول اور آپ ؐ کی آل ؑ پر اور اصحاب رضؓ پر جو کہ با عزت بندے ہیں ۔ اور وہی ایمان دار مسلمان ہیں۔ امابعد یہ انسٹھواں (۵۹) باب ہے جو دینِ حق کے نام سے موسوم ہے۔ اور جان لو کہ دینِ حق وہ ہے کہ جس کی گواہی دی حق نے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ہے ۔ گواہی دی اللہ نے کہ نہیں کوئی معبود سوائے اُس کے یعنی وجود دلالت کرتا ہے اس کی وحدت پر اُس کے نفس کے ساتھ ۔ اور نہیں ہے اس میں اشتراک لفظی بلکہ لفظ وجود میں اشتراک معنوی ہے اور موجودات وجودات نہیں ہیں۔ اور جو کوئی شرک کرتا ہے اللہ کے ساتھ وہ گمراہی میں بہت دُور نکل گیا ، یا اُس نے گناہ عظیم کا افترا کیا جو معاف نہ ہونے والا گناہ ہے بے شک اللہ نہیں بخشتا اگر اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخش دیتا ہے اس سے کم کم جس کے لیے چاہتا ہے اور جو کوئی اقرار کرتا ہے وجودات کے متعدد ہونے کا اس کے پاس کوئی عرفان نہیں ہے اور جو کوئی پکارتا

Marfat.com

ہے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور یہ ایک کھلا کھلا معاملہ ہے۔ یقینی باتوں میں سے جسے کسی دلیل کی احتیاج نہیں اور کافی ہے اللہ گواہ اپنے نفس کے ساتھ اپنی وحدت میں۔ اور رسول جسے بھیجا اللہ تعالیٰ نے توحید کے بیان کے لیے اور اظہار دین حق کے لیے۔ ظاہر کرتا ہے اُسے کلی طور پر جمع وفرق اور تشبیہہ اور تنزیہہ سے کلمۂ توحید اور آداب شرعیہ کی تعلیم کے ساتھ، چاہے یہ بات مشرکوں کو بُری لگے ان کی عقلوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ وہ استعداد نہیں رکھتے اضداد کو جمع کرنے کی امتیاز اور اتحاد میں سے اور وہ پڑ جاتے ہیں تردّد اور شبہات میں محسوسات کے ادراک سے اور اس کی کثرت سے پارہ پارہ ہو جاتے ہیں جیسے حیوانات۔ وہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ، اور وہ نہیں احاطہ کر پاتے دونوں جانبوں کا جمع اور فرق میں سے۔ یا تو وہ ہوتے ہیں دوئی کے پردے میں لپٹے ہوئے جیسے بتوں کے پجاری اور خلط ملط کرتے ہیں بت کو اور صمد کو ایک وجود میں، اور یا وہ ہو جاتے ہیں عینیت کے گمان کرنے والے جیسے دہریت اور پڑ جاتے ہیں الحاد و زندقہ میں اور فوت ہو جاتی ہے ان سے وہ چیز جو اللہ اور اُس کے رسول کو مطلوب ہے آیات و احادیث میں سے پس وہ ایمان رکھتے ہیں کتاب کے حصے پر اور کسی حصے کا انکار کر دیتے ہیں۔ پس نہیں ہے بدلہ جو کوئی ایسا کرتا ہے تم میں سے سوائے ذلت و رسوائی دُنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن وہ لوٹائے جائیں گے شدید عذاب کی طرف اور اللہ غافل نہیں ہے جو وہ کرتے ہیں۔

عبودیت (بندگی) کی حقیقت اور ربوبیت (پروردگاری) کے بیان کا باب

اس امر کا بیان کہ عبودیت (بندگی) کی حقیقت اپنے رب کے مرتبۂ ربوبیت کی مکمل فرمانبرداری ہی سے عبارت ہے۔ بندہ اس سے روگردانی یا سرکشی کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ ہر مخلوق بندوں کے اس خالق کی غلام ہے اور اپنے معبود کی عبادت میں کسی شرط یا قید کے بغیر سرگرم ہے جیسا کہ ابھی آگے آئے گا۔ مرتبۂ ربوبیت ہر مقام پر بندگی کے ہر مرتبے پر غالب اور حاکم ہے۔ انسانی افراد کے لیے لفظ عبد کی تخصیص ان کی اپنی عبدیت (بندگی) کے شعور کی بنا پر ہے ورنہ تو ہر ممکن الوجود اسی کا غلام ہے۔ اسی اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کے جلال میں سرنگوں ہے، اور اسی واجب الوجود کے مرتبے کے سامنے

Marfat.com

عاجز، قاصر، حقیر، ذلیل اور نادم ہے۔ ممکنات کی ماہیت کا نصیب ہی ذاتی ہے، ندامت ہے اور وہ واجب تعالیٰ سے ہمیشہ بخشش کی طلب کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس کے عیبوں کو اپنے وجوب کے دامن میں ڈھانپ لے اور اُس کے نقائص کے داغ دھبوں کو اپنے کمالات کے پانی سے دھو ڈالے۔ اے اللہ میں نے بُرا عمل کیا اور اپنے نفس پہ ظلم کیا، پس مجھے بخش دے۔ مجھے بخش دے۔ مجھے بخش دے کیونکہ نہیں بخشتا گناہ سوائے تیرے کوئی بھی۔ رباعی:

اے فطرت امکانی خجلت تاثیر
شرمت باد از طبع ذلت تقریر
گر بندۂ حق شوی وگر بندۂ نفس
در ہر صورت ز بندگی نیست گزیر

ترجمہ رباعی: اے فطرت امکانیہ انسانیہ تیری حقیقت خجالت و ندامت کے سوا اور کچھ نہیں۔ تجھے اپنی طبع ذلت بیان سے شرم آنی چاہیے۔ تو خواہ خدا کا بندہ ہے یا اپنے نفس اور ہوا و ہوس کا دونوں صورتوں میں تجھے بندگی سے گریز نہیں۔ (مصنف نے خود وضاحت یوں کی ہے کہ) اگرچہ مخاطب تو فطرت امکانیہ اور حقیقت بندگی سے ہے جو بالعموم ہر ممکن الوجود کا حصہ ہے، لیکن ہماری مراد یہاں بالتخصیص حقیقت انسانیہ ہے کیونکہ اپنی امکانیت اور بندگی کا تفصیلی علم انسانی افراد ہی کو حاصل ہے یعنی کہا یہ ہے کہ اے انسانی امکانی فطرت کہ تیری حقیقت کے پلّے سوائے ندامت و انفعال کے اور کچھ نہیں۔ اس کی ہستی کا نتیجہ سوائے خجالت کے اور کچھ نہیں۔ پس تمھیں چاہیے کہ اپنی اس طبع ذلت بیان کی حقیقت کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ شرمسار و نادم و خجل رہے اور اپنے دل کو نخوت، غرور و تکبر کے ناخنوں سے نہ چھیلے کیونکہ اگر تم اپنے نفس کو کماحقہٗ پہچان کر اس معبود حقیقی کی عبادت و اطاعت میں ہمہ وقت مصروف رہو اور ہمیشہ اللہ جل جلالہٗ کی حضوری و مشاہدے میں محو رہو۔ یہ ممکن الوجود بیچارہ تو اسی واجب الوجود کے سامنے ہمیشہ ذلیل و خوار اور ناچیز ہی ہے۔ خدا نہ کرے اگر تم ہدایت کے رستے سے بھٹک کر گمراہی کی وادی میں جا گرو اور اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کی راہ اختیار کرو اور اس آیت کریمہ کے مصداق بن جاؤ کہ اے پیغمبرؐ تم نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں بھی اگرچہ حقیقت میں تم اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

اس صفاتی نام (اَلْمُضِلّ) کے مظہر اور اس کے بندے ہی ہو لیکن مجازی اعتبار سے ایسے لوگوں کو ہوا و ہوس کے بندے بھی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا عالی ہمت لوگ جہاں تک بن پڑے اپنے لیے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی بندگی کو ظاہری اور مجازی طور پر بھی روا نہیں رکھتے۔ اپنے نفس کی رسوائی کے لیے ان کی نظر میں ایک حقیقی بندگی کا مطالبہ ہی کافی ہے۔ کسی اور کی اعتباری اور مجازی بندگی کا بوجھ ایسے عالی قدر لوگ کیسے اُٹھا سکتے ہیں۔ اور ان کی طبع عالی حرص و ہوا کے لیے ماسوی اللہ کی متابعت کیسے کر سکتی ہے۔ جب کہ قرآن پاک کا بھی واضح فرمان ہے کہ اپنے خدائے واحد کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔ اے انسان تیرا خمیر ہی عبودیت سے گوندھا گیا ہے، تجھ سے جہاں تک ہو سکے اپنے مالک و معبودِ حقیقی کی بندگی اور عبادت میں سرگرم رہ، ورنہ تیری پست فطرت خواہ مخواہ ان دنیاوی مراتب میں سے باطل خداؤں کو اپنے ذہن میں تراش لے گی اور ان کی اطاعت اور خدمت میں مشغول ہو جائے گی۔ انسان کے لیے یہ ایک فطری بات ہے وہ کبھی بیکار نہیں بیٹھتا۔ دیکھو خدا نے خود فرمایا ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو سوائے عبادت کے اور کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا۔ انسانوں اور جنات کی تخلیق اور پیدائش ہے ہی اس کام کے لیے تاکہ وہ اس ذاتِ مطلق کی عبادت میں مشغول رہیں خواہ وہ اُس وحدہٗ لاشریک کی خصوصی عبادت میں مصروف رہیں جو کامل ترین انسانوں کا خاصہ ہے اور خواہ ان ارباب ظاہر کی عام عبادت میں جٹے رہیں، جنھیں ہم جھوٹے خداؤں کے نام سے پکارتے ہیں جیسا کہ محجوب حضرات کرتے ہیں اور حقیقت فی نفسہٖ یوں ہے کہ اگرچہ نفسانی خواہشات کی پرستش جنھیں ہم اِلٰہ باطل کہتے ہیں شرک جلی ہے۔ مگر اس آیت کریمہ کے بموجب کہ تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔ یہ بھی اسی واحدِ حقیقی کی عین عبادت ہے۔ پاک ہے وہ سرکشی کی اطاعت سے سرکشی کے ساتھ، اور بھولنے والے کے ذکر سے اس کے نسیان کے ساتھ۔ اس لفظ پرستش کا ماحصل عبادت، خدمت، متابعت اور اطاعت ہے۔ چنانچہ محاورے میں خدا پرست، بت پرست، آشنا پرست کے الفاظ رائج ہیں۔ اور کھانے پینے کے موقع پر بھی اس لفظ کا استعمال دیکھنے میں آتا ہے جیسے میخوار و مَی نوش کو مَی پرست بھی لکھتے ہیں۔ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نفسانی خواہشات کی پرستش یعنی اپنی ہوا و ہوس کی پیروی و اطاعت اور یہ کھانا، پینا، سونا اور پہننا اگرچہ تن پروری ہی میں داخل ہے گویا کہ اس بت پرستی اور باطل خداؤں کے زمرے میں سے ہے۔ اور ظاہری اعتبار کے

Marfat.com

لحاظ سے شرک جلی (کھلا شرک) ہے جسے ہر ظاہر بین بھی پہچان سکتا ہے۔ لیکن اس آیت کریمہ کی حقیقت کے بموجب کہ تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔ یہ بھی اس واحد حقیقی جل شانہٗ کی عین اطاعت اور متابعت ہے۔ اعتبارات موہومہ کی کثرت اس کی وحدت میں خلل انداز نہیں ہو سکتی۔ اور تمام امور کا مرجع وہی ہے۔ کوتاہ فہم لوگوں کو اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا تھا تو وہ حیران ہو کر یہ الفاظ کہتے تھے کہ سب خداؤں کو ملا کر ایک ہی خدا بنا دیا ہے۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ یعنی حبیب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم توحید کے معانی بیان فرماتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ تمھارا اللہ صرف ذات واحد ہے اور تمھارے ذہنوں میں گھومنے والی باطل خداؤں کی کثرت اس خداوند تعالیٰ کی وحدت میں حائل نہیں ہو سکتی۔ اور فی الحقیقت حق سبحانہٗ تعالیٰ کے بغیر جو واحد و یکتا ہے اور کوئی معبود نہیں تو کوتاہ فہم اور ناقص ذہن والے لوگ جو حقیقت کے ادراک سے قاصر تھے وہ آنحضرتؐ کے کلام کے مفہوم کو نہ سمجھتے ہوئے تعجب کرتے تھے اور حیران ہو کر یہ بات کہتے تھے کہ کیا پیغمبر اسلامؐ نے سب خداؤں کو ایک ہی خدا میں بدل دیا ہے، جو بڑی عجیب بات ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ حجاب کے مارے ہوئے ہمارے یہ دل تو اس کثرت میں اس سلطان جل شانہٗ کی وحدت کا نظارہ نہیں کر سکتے۔ اور مخلوق کی یہ طرح طرح کی صورتیں ہمارے دل و دماغ کی تختی سے مٹ نہیں سکتیں، وہ مرتبۂ شہود تو ہم پر منکشف نہیں ہوتا جس کی طرف ہمیں خدا کا رسولؐ بُلا رہا ہے۔ لیکن وہ کافر چونکہ باطنی طور پر اندھے تھے تو حضرت سرورِ کائناتؐ ان کو معذور سمجھ کر ان کے حق میں دُعا فرماتے تھے اور بارگاہِ خداوندی ہی سے ان کے لیے اس حقیقت کے انکشاف کی استدعا کرتے کیونکہ تمام مطالب و مقاصد تک پہنچانے والا وہی ہے۔ اور کہتے اے اللہ! اس (میری) قوم کو ہدایت دے۔ یہ نہیں جانتے۔ سبحان اللہ اگر وہی منظور نظر ہو تو گناہ بھی نیکیاں ہیں۔ خود قرآن فرماتا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو تمھارے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ اور اگر دل کسی اور کی جانب مائل و مشغول ہو تو پھر نیکیاں بھی گناہ ہیں، کیونکہ وہ تمھارے عملوں کو مٹا بھی دیتا ہے۔ لفظ گناہ سے مراد یہاں کبیرہ گناہ نہیں ہیں تاکہ غلط فہم اور غلط سوچ والے کہیں یہ گمان نہ کریں کہ اس بیان کا ماحصل یہ ہے کہ عارفوں کو اپنے گناہوں کے عوض بھی نیکیاں مل جاتی ہیں۔ ایسے باطل خیالات سے خدا بچائے اور یونہی لفظ حسنات سے مُراد فرائض اور واجبات نہیں۔ کہیں کوئی احمق

Marfat.com

اور کمینہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ دل اگر غفلت کا ماتا ہو تو پھر ظاہری نماز، روزہ بھی ادا نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ تو بیفائدہ اور لغو ہے۔ خدا ایسے تو ہمات سے بھی بچائے۔ امر معروف کی فرمانبرداری اور نواہی منکر سے ہر صورت میں احتراز کرنا چاہیے۔ متن والی عبارت سے ہماری مراد ہے کہ جب حضوری اور مشاہدہ میں دوام نصیب ہو جائے اور باطنی آنکھوں کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کا دائمی مشاہدہ ہی منظور ہو تو اس صورت میں بتقاضائے بشریت ایسے عارف سے نادانستہ طور پر کوئی چھوٹی موٹی خطا وقوع پذیر ہو جائے یا کوئی لغو حرکت سرزد ہو جائے یا اجتہاد میں کوئی غلطی ہو جائے تو اس غفور الرحیم سے پوری اُمید ہوتی ہے کہ اس کا گناہوں میں شمار نہ ہوگا۔ بلکہ معاف کر دیا جائے گا۔ اور اگر دل کو ماسویٰ اللہ سے تعلق ہو اور وہ دُنیاوی امور میں مشغول ہو تو اس کی عبادتیں اور بدنی ریاضتیں کسی کام نہ آئیں گی۔ اور ان سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ اغلب گمان یہ ہے کہ بُری نیت کی بدبختی سے وہ نیک اعمال مٹ جائیں گے۔ پس اس مقصد سے ہماری مراد اپنی نیت کے صحیح اور قلب کو صاف اور ہر حال میں اس ذاتِ واحد کے جمال کا مشاہدہ کرنے سے ہے۔ نہ کہ نیک و بد اعمال کے یکساں کرنے سے۔ چنانچہ ہم نے اس امر کی وضاحت متن میں بھی کر دی کہ صاف لکھ دیا ہے کہ اس بیان سے نیک و بد اعمال کی یکسانی مراد نہیں، بلکہ ہر مرتبے میں اس کی خداوندی کے غلبے و قہر کو دیکھنا ہے۔ کیونکہ اللہ تمام امور پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ حقیقت کے معانی اور کثرت میں وحدت کی شمولیت کے اظہار کے بیان سے صوفیا کی مراد اپنے اچھے بُرے اعمال کی یکسانیت نہیں۔ کیونکہ یہ تو کافروں اور ملحدوں کا عقیدہ ہے جو لادینی کی راہ سے اپنے لیے جواز کا طریق ڈھونڈ لیتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ مطلب توحید کے بہانے اپنے آپ کو لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچا لیں۔ اور محققین کی مراد ہے کہ تمام اعتبارات و مراتب کی شانوں (حالتوں) میں حق تعالیٰ کی شانِ خداوندی کو دکھانا اور تمام امور و اضافات میں اس کی ربوبیت (پروردگاری) کے غلبے کو ظاہر کرنا ہے۔ لیکن یہ ناسمجھ لوگ ان کے مرادی معنوں کو نہ سمجھتے ہوئے غلط فہمی کے کنوئیں میں جا گرتے ہیں اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اللہ معاف کرے ایسے معاملے والے اصحاب سے کوئی ایسی بات ظہور پذیر ہو ہی نہیں سکتی جو خلاف شرع ہو۔ وہ تو سراپا خیر محض ہوتے ہیں۔ چہ جائیکہ جاہلانہ و عامیانہ قسم کے خیالات ان کے دل و دماغ سے گزرنے پائیں۔ دیکھو یہ فرمان کہ لے لو جو ہم کہتے ہیں ورنہ ہو جاؤ غافلوں میں سے۔ یہ جملہ پہلے جملے ہی کی شاخ ہے جو ہم بُرے بھلے اعمال کی یکسانیت کے بارے میں اوپر لکھ چکے ہیں اور یہاں استغفار اس باطل خیال

Marfat.com

کی بناپر کی گئی کہ ایسے مقدس، پاکباز اور مقربینِ خدا جو فنا فی الذات ہو کر بقا باللہ کی منزل تک پہنچ چکے ہیں اور جو کہیں بھی سوائے خیر و کمال اور حسن و جمال کے اور کچھ دیکھتے ہی نہیں، جو نور توحید سے منور ہو چکے ہیں جنھوں نے اپنے دل و دماغ کی تختی سے کثرت کے نقوش کو دھوڈالا ہے۔ ان سے شرعی احکام کی خلاف ورزی کا سان گمان تک نہیں ہونا چاہیے اور ان کے الفاظ و کلمات کے مفہوم کو نہ سمجھتے ہوئے اپنی ہی غلطی اور بدگمانی کی بنا پر ان پر بے جا اعتراض نہ کرنے چاہئیں۔ کیونکہ اللہ کے یہ برگزیدہ بندے کہیں بھی سوائے خیر و کمال کے کچھ دیکھتے ہی نہیں۔ پہلے تو وہ خود خالص خیر بن جاتے ہیں اور کسی صورت شر و فساد کا منبع نہیں رہتے۔ یہ بزرگوار جب حق تعالیٰ کی توحید بیان کرتے ہیں اور اُس کے اسرار و رموز کو آشکارا کرتے ہیں تو نا سمجھ جاہل عوام کے دلوں میں ایسے بے بنیاد شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا حاصل کلام یہ کہ ان آیات کی تہ تک پہنچنا چاہیے اور غافلوں کی طرح شور و غل نہیں مچانا چاہیے۔ رباعی:

دیدم چو کشت زار آب و گل خود
جز او نگرفتیم زخود حاصل خود
جیبی بدر و بکن تماشائے بہار
ای دانہ توئی عقدہ صد مشکل خود

ترجمہ رباعی: جب ہم نے آب و گل کی اپنی اس کھیتی کو بغور دیکھا تو حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے ظہور کے سوا اور کچھ نہ دیکھا۔ اے انسان ان اعتباری اور موہوم امور میں پھنس کر تو خود اپنی ان تمام مشکلات و الجھنوں کا باعث ہے۔ خودی کے اس پردے کو پھاڑ دے اور بہار کی رنگینیوں اور رعنائیوں کو دیکھ یعنی کمالاتِ خداوندی کا مشاہدہ کر جو جا بجا بکھرے پڑے ہیں۔ (خود مصنف اس رباعی کی وضاحت یوں کرتا ہے کہ) دیدن سے ہماری مراد حقیقت شناسی ہے۔ اور کشت زار سے مُراد وہ صفاتی کمالات ہیں جو ان بدنی آلات یعنی حواس عشرہ (حواس ظاہری و باطنی) کے پردے سے ظاہر ہوئے ہیں جیسے کہ قوت سماعت و بصارت وغیرہ۔ آب و گل سے مُراد انسانی سرشت ہے جسے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے گوندھا ہے۔ گرفتن سے مراد پالینا یا معلوم کرلینا ہے۔ حاصل سے مراد نتیجہ مقصود ہے۔ جیب پھاڑ دینے سے مُراد فنافی اللہ کی حالت سے شرفیاب ہونا اور تماشائے بہار کردن سے مُراد کمالاتِ خداوندی کا مشاہدہ کرنا ہے۔ دانہ سے مراد مخصوص تعین

Marfat.com

اور مشروط و مقیّد امکانی تشخص ہے جو ہر کسی کو حاصل ہے۔ عقدہ سے مراد گھٹن دل گرفتگی اور انقباض ہے۔ صد مشکل سے مراد اعتباری امور ہیں جو بشریت کا لازمہ ہیں۔ رباعی کا مطلب یوں ہوا کہ جب ہم نے حقیقت شناسی سے کام لیا اور اپنے صفاتی کمالات پر غور کیا جو ان آلات بدنی کے پردے (چلمن) پہ ظاہر ہوئے اور درحقیقت انسانی سرشت کو حق تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے خود گوندھا۔ ان حقائق کو دیکھا تو سوائے ظہور قدرتِ حق تعالیٰ کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ اور اپنی ہستی اور آفرینش کائنات سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا کہ یہ سب کمالاتِ ربانی ہی کی نمود و نمائش ہے۔ لہٰذا انسان کے ہر مخصوص تعین اور مقید تشخص کو مخاطب کر کے شاعر کہتا ہے کہ تو فنا فی اللہ کی حالت کا شرف حاصل کر، کمالاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کر، تو تم جدھر رُخ کرو گے اُدھر اُسی کا چہرہ پاؤ گے۔ اسے انسانی تعین و تشخّص! تم ہی انسان کی اس ساری گھٹن اور دل گرفتگی کا باعث ہو۔ انسان اعتباری اور موہوم امور میں پھنسا ہوا ہے۔ اگر خودی کا یہ پردہ درمیان سے اُٹھ جائے تو پھر مزے ہی مزے ہیں۔ جب تم نے اپنی ذات کو فنا کر دیا تو پھر عیش ہی عیش ہے، اور مزہ ہی مزہ، دانہ، عقدہ، جیب کا پھاڑنا، دانے کا اُگتے وقت زمین کو پھاڑنا، پھر شاخوں، پتوں، پھول پھلواری کا لہلہانا اور پھر اسی مناسبت سے لفظ کشت زار اور آب و گل۔ یہ سب باہم متناسب الفاظ ہیں جن سے صنعت مراعاۃ النظیر ہوئی اور سخن فہم حضرات سے پوشیدہ نہ ہوگا۔

Marfat.com

ھوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو خالق المخلوقات ہے۔ علتوں اور معلولوں کو جاننے والا ہے۔ اور بھیجنے والا ہے پیغمبروں کو شہادتوں اور دلیلوں کے ساتھ، اور درود و سلام ہے اس کے رسول محمد صلعم پر جو اشرف الموجودات ہیں اور آپ کی آل رضہ پر اور اصحابؓ پر جو احادیث و آیات سے چھٹے ہوئے ہیں۔ اما بعد یہ ساٹھواں (۶۰) باب ہے جو بیّنات سے موسوم ہے۔ بیّن کے معنی ہیں ظاہر، جیسے کہا جاتا ہے شئ بیّن یعنی ظاہر چیز۔ پس بیّنات وہ ہیں جو کہ شواہد و براہین ہیں۔ وہ اسم ظاہر کے مظاہر ہیں۔ پس اس کا ظاہر شاہد و دلیل ہے اس کے باطن کی اور براہین مستند لہ کے ساتھ جو مدلولات ہیں مظاہر ہیں اسم باطن کے لیے اور اُس کا باطن مشہود بالشواہد سے اور مدلل ہے دلیلوں کے ساتھ پس وہ ظاہر ہے اور وہی باطن ہے، اور اُس نے اپنے نفس کے ساتھ ہی اپنے نفس کی رہبری کی اور اُس نے شہادت دی اپنی ذات کے ساتھ ہی اپنی ذات پر، بلکہ اُس نے گواہی دی تمام مشہودات پر اپنی شہادت (موجودگی) کے ضمن میں اپنی صفات اور اپنے اسماء کے ساتھ اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ پس اگر عقلمند لوگ برہانی اور قیاسی معاملات کو تالیف کرتے ہیں ظاہری باتوں سے مطالب نظریہ کو اخذ کرنے کے لیے اور عارفین ظاہر الحق کے مقدمات کو بیان کرتے ہیں باطن الحق کے مراتب کے اثبات کے ساتھ اور چلتے ہیں اُسی سے کی طرف، اور ان کا چلنا ہوتا ہے اللہ کی طرف سے اللہ ہی کی طرف اور اللہ سے اللہ کے ساتھ اللہ

Marfat.com

کے راستے ہیں، اور علل اور معلولات کے تمام ستارے چھپ جاتے ہیں شمس حقیقت کے نور میں ان کی آنکھوں سے ان کے بواطن میں سورج کے چاشت کے وقت جیسے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی اس وقت کے بارے میں جیسا کہ اُس نے کہا ہے قسم ہے سورج کی اور اُس کی دھوپ کی ۔ پس یہ حالت عارف کے لیے ویسی ہے جیسے شعاع کے نیچے چاندنی ہے ۔ پس وہ ہوتا ہے اپنے رب کے ساتھ ایک مقام پر اور وہ بُرج جمع ہے فلک توحید کے بُروج میں سے، اور یہاں عارف کو فنائے تام اور استہلاک کلّی حاصل ہوتا ہے ۔ پس جب وہ نکلتا ہے اس مقام سے اُس کے پاس باقی رہنے کے بعد اُس سے الگ ہوتا ہے اور آتا ہے بُرج فرق میں اور اُس کے مکمل مقابلے میں آتا ہے اور وہ منور ہوتا ہے رب کے نور کے ساتھ، مکمل طور پر اور وہ باقی رہتا ہے اُس کے ساتھ اور اُس کا خلیفہ، گویا کہ اشارہ کیا اس حالت کی طرف جو کچھ کہ کہا اللہ تعالیٰ نے ۔ اور چاند جب کہ اس کے پیچھے چلے آئے، پس اپنے رب کا نور پہنچاتا ہے محجوبین تک اور تجلی کرتا ہے ان کے اوپر جمال کے ساتھ اور ظاہر کرتا ہے نجوم اعتبارات کو قدر اعتدال پر اور بیان کرتا ہے عارف اس زمانے میں اسیر علتوں اور کائناتی معلولات کے رازوں کو ایسے بیان کے ساتھ جو ملا ہوتا ہے اللہ کے ساتھ جو بڑا کھُلا کھُلا ہوتا ہے ۔ کافی و شافی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے ساتھ ۔ اور سچ بات کہتا ہے اور وہ راستے کی طرف ہدایت دیتی ہے ۔

علّت و معلول اور معقولات اور اہل کلام کی اصطلاح میں تطبیق کے بیان کا باب

علل جمع ہے علّت کی اور معلولات جمع ہے معلول کی ۔ اور علّت و معلول کا بیان اُس کے فائدوں اور جدید باریکیوں کے ساتھ یہاں بھی مختصراً درج کر دیا جاتا ہے ۔ اس کی تفصیلات، معقولات کی کتابوں میں درج ہیں ۔ اور اس باب میں متکلمین اور فلسفیوں کی بعض اصطلاحوں کی بطور تمثیل مطابقت سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ ناسمجھ حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر اکثر باہم لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں ۔ اور نہ بات کو سمجھتے ہیں اور نہ حقیقت کو کما حقہٗ پا سکتے ہیں ۔ انھیں اپنے کلام میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آتی اور ہر فرقے کا اختلاف سوائے اصطلاحی اختلاف کے اور کچھ بھی نہیں ۔ کیونکہ جو کوئی جو معنی بھی بیان کرتا ہے پس اس حیثیت سے بھی وہ معانی سمجھ میں آجاتے ہیں، اگر نہ آتے تو قائل ہونے والا ان

Marfat.com

معانی کا اقرار ہی کیوں کرتا۔ اور حقیقت میں حضرتِ وجود کے ایک ہی معنی ہیں جو کتنی ہی حیثیتوں اور کتنے ہی اعتبارات سے جلوہ گر ہے اور ہر شخص کی ایک علیحدہ ہی رنگ میں تسلی کر دیتے ہیں۔ جیساکہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ ہر گروہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس پہ شاداں ہے۔ چونکہ ہر موجود کے پاس وجود کے سوا کچھ نہیں، پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہر کوئی حضرت وجود کی تجلی سے شاداں و فرحاں ہے اور اس وجودی کثرت نے طرح طرح کے اعتبارات سے ہر کسی کو مسرور کر رکھا ہے۔ واحد کے یہ ایک ہی معنی ہزاروں تجلیات میں جلوہ گر ہیں اور محققین جو سراسر نورِ وحدت سے منوّر اور حقیقت امر سے آگاہ ہوتے ہیں ان کے مشاہدۂ ذات میں کوئی چیز بھی رکاوٹ نہیں بنتی۔ اور کسی کی تقریر بھی ان کے علم میں مشکلات کی گرہیں نہیں ڈالتی۔ ان کے دلوں سے تمام حجابات دُور ہو جاتے ہیں اور تمام کدورتیں شکوک و شبہات اور مشکلات رفع ہو جاتی ہیں۔ وہ تمام مشکلات کے لیے مشکل کشا ہوتے ہیں۔ وہ سب کے سب جملہ کمالات کے جامع اور دیدارِ حق کے آئینہ دار ہوتے ہیں اور محبوبِ حقیقی سے بے محابانہ جا ملتے ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ جس شے کو کسی شے کی علّت ٹھہرایا جاتا ہے وہ اس کی محتاج ہوتی ہے۔ اور اُس محتاج شے کو معلول کہتے ہیں، اور علّت کی چار قسمیں ہیں یا علّتِ تام یا علّتِ ناقص اور ناقص یا معلول شے کا جزو ہوتی ہے یا اس سے کوئی خارج چیز۔ پس جو اس کے اجزا کی ماہیت سے قائم ہو اسے علّتِ ماہیت کہتے ہیں اور جو اپنے ہی کسی جزو سے حاصل ہونے والے ظاہری وجود کی ماہیت کے اتصاف سے ٹھہرائی گئی ہو اسے علّتِ وجودیہ کہتے ہیں اور علّتِ ماہیت جو اس معلول شے کا جزو ہے یا اس معلول شے کے وجود کے ساتھ اس وقت یا از روئے قوت واجب نہ ہو وہ علّتِ مادیہ کہلاتی ہے۔ اور اگر اُس معلول وجود کے ساتھ اس وقت واجب ہو تو وہ علّتِ صوریہ ہے، اور یہ دونوں یعنی مادہ و صورت جس طرح ماہیت کے لیے علّت ہیں اور اُس کے نظام کار میں داخل ہیں۔ اسی طرح وہ وجود کے لیے بھی علّت ہیں کیونکہ اس کا دار و مدار انہی دونوں پر ہے۔ لیکن ان دو باقی علّتوں سے امتیاز پانے کے لیے وہ علّتِ ماہیت کے نام سے مخصوص ہو گئے، کیونکہ وہ علّت الوجود اور علّیت الوجود دونوں میں شریک ہیں جو معلول سے الگ ہوتی ہیں۔ یا تو وہ شے اپنے معلول سے جانی جاتی ہے اور وہ معلول میں موثر اور موجد ہوتی ہے، اُسے فاعلیت کہتے ہیں یا یہ کہ وہ اس کی موجد نہ ہوگی اور اس وقت بھی اگر وہی علّت کا معلول ٹھہرا تو اُسے علّتِ غائیہ کہتے ہیں۔ ورنہ اگر وجود ہے تو شرط ہے اور اگر عدم ہے تو

Marfat.com

موانع کا دور کنندہ اور علتِ فاعلیہ اور علتِ غائیہ علت و وجود سے مخصوص ہیں، کیونکہ ماہیت کے برعکس اُس کا انحصار انہی دو پر ہے۔ اور علت مادیہ اور علتِ صوریہ بجز مرکب کے نہیں پائی جاتیں جیسا کہ ظاہر ہے اور علتِ غائی نہیں ہوتی۔ بجز فاعل کے اختیاری طور پر کیونکہ وہ (علتِ غائی) فعل کا موجب نہیں ہوتی۔ اگرچہ یہ جائز ہے کہ وہ اس کے فعل کے لیے مفید ہو۔ کبھی اسے بھی باہم مشابہت غائیۃ کہہ لیتے ہیں۔ یہ علتِ غائیہ اگر ذہن میں ہو اور معلول خارج میں تو ان دونوں کے درمیان کسی ایک ہی چیز سے منسوب ہونے کی وجہ سے علت اور علیّت کا تعلق ہوتا ہے مگر وجود ذہنی اور وجود خارجی کے اختلاف کے اعتبار سے اور علتِ تامہ تمام وجوہ سے ماہیتاً اور وجوداً اس شے کی محتاج ہوتی ہے یا فقط وجوداً۔ علتِ تامہ کے لیے معلول کا وجود واجب ہے اور علتِ ناقص اس کے برعکس ہے۔ جان لیجیے کہ علت کی طرح معلول کی بھی چار قسمیں ہیں۔ موجودہ مصنوعات سب کی سب انہی اقسام میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک بشری اور حیوانی مصنوعات ہیں جیسے کہ تخت اور ایسی ہی دوسری اشیا جو انسان نے بنائی ہوں۔ یا ان گھروں کی طرح جو بعض حیوان بناتے ہیں ایک قسم مصنوعاتِ طبیعیہ ہے۔ جیسے کہ معدنیات نباتات اور حیوانات جن کی صفت کو مجازی طور پر نیچر سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ تخت کے بنانے کی نسبت بظاہر نجّار (بڑھئی) سے منسوب کی جاتی ہے مگر از روئے حقیقت تمام اشیا کا صانع وہی خالق حقیقی جل جلالہٗ ہی ہے۔ مصنوعات کی ایک قسم نفسانیہ بسیط ہے جیسے آسمان ستارے اور دیگر ارکان، ایک قسم روحانیہ الٰہیہ ہے جیسے جسمانی ڈھانچہ، غیر مادّی صورت، نفس اور عقل۔ ہر صانع انسان اپنی صناعت میں اپنی صنعت کی تکمیل کے لیے چھ چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک ڈھانچہ ہے۔ جیسے تخت بنانے کی لکڑی، دوسرے جگہ یا مکان جہاں وہ بنانا چاہے۔ تیسرے وقت یعنی جتنی مدت میں بنایا جائے۔ چوتھے اوزار جیسے ہاتھ پاؤں، پانچویں آلات جیسے تیشہ و آرہ، چھٹے حرکات جیسے ہاتھ پاؤں کی حرکتیں جنبشیں، ہر قدرتی صانع کے لیے ان میں سے چار چیزیں ضروری درکار ہیں۔ ڈھانچہ وقت، مکان اور حرکات۔ اور ہر نفسانی صانع کو ان میں سے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ڈھانچہ اور حرکات اور حق تعالیٰ جو قادرِ مطلق ہے اُسے مذکورہ بالا اشیا میں سے کسی شے کی حاجت نہیں۔ کیونکہ ان سب چیزوں یعنی ڈھانچے، زمان و مکان اور حرکات و آلات وغیرہ کے سلسلے میں اس کا فعل ہی خالص اختراع و ایجاد اور اس کی صنعت ہے ہی نئی چیز کا پیدا کرنا جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ وہ سب

Marfat.com

صناعوں سے بڑھ کر صناع ہے۔ جو اللہ نے چاہا ہوگیا اور جو اللہ نہیں چاہتا، نہیں ہوتا، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس اسے وہ ہستی کہ تو ہی علل و معلولات کا موجد ہے اور تمام موجودات کی علت ہے:

رباعی:
ظاہر ز تو کردہ عقل معقولیہ
درپردہ نہفتہ از تو مجہولیتہ
افراد وجود موجد و موجود اند
مرات تو علیۃ و معلولیتہ

ترجمہ رباعی: یا خدا عقل کی معقولیت تیرے ہی حضور سے حاصل ہوتی ہے اور مجہولیت تیرے ہی نورانی عکس میں گم ہیں یعنی ان کے اخفا کا باعث بھی تیری ہی قدرتِ کاملہ ہے۔ کائنات میں جو کچھ موجود ہے کیا افراد کیا وجود، کیا موجد اور کیا موجود سب تیرے ہی وجود مطلق کی بدولت موجود ہیں۔ لہٰذا یہ علیت اور معلولیت تیرے ہی وجود واجب کے آئینہ دار ہیں۔ (مصنف خود اس رباعی میں مستعمل تلمیحات و اشارات و کنایات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ) یہاں خداوند تعالیٰ سے تخاطب ہے کہ عقل کو معقولیت تیری ہی بدولت ملی۔ عاقل و معقول کے مراتب میں وہ وجود مطلق جلوہ گر ہے۔ لفظ معقولیت سے مراد اُس کے مصدری معانی یعنی عقل ہے۔ چونکہ دریافت کرنے یا ادراک کرنے کے لیے معقول بطور مصدر بھی آتا ہے۔ اور یائی مصدری کی صراحت یہی ہے کہ وہ صفات کو مصدر بنا دیتی ہے اور گاہے اُسے حاصل مصدری معانی بھی دے دیتی ہے۔ اُس عاقل سے منظور بھی عقل ہی ہے کہ اس معلول اوّل میں خود حق سبحانہٗ تعالیٰ نے عقل ہی کی تخلیق کی۔ جیسا کہ اس مقولے سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل تخلیق کی اور اُسے معقولات کا ادراک کرنے والی بنایا۔ سب سے پہلی چیز جسے اللہ نے پیدا کیا وہ عقل ہے اور اُسے بنایا معقولات اور کلیات کا ادراک کرنے والا، پس اس کی عاقلیت معقول ہے۔ یعنی مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ اور موجود ہے اللہ سبحانہٗ کی ایجاد کے ساتھ۔ عقل امور معقولہ ہے جس کا ادراک قوتِ عاقلہ کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ محسوسات کی قسم میں سے نہیں۔ چونکہ عقل کے فاعلی اور مفعولی مراتب علم ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ تمام عالم کے معلولات، یہ ظہورات علم ہی کی شاخیں ہیں۔ اس بنا پر کہا گیا ہے کہ فعل نے تجھی سے معقولیت حاصل کی۔ چونکہ چھپنے چھپانے کا تعلق جہالت و جہل سے ہے، لہٰذا پردہ میں چھپانے کو

Marfat.com

جہل و مجہولیت سے نسبت دی گئی ہے۔ اور اس کا باعث بھی حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہی کو گردانا گیا ہے۔ کیونکہ امور مجہولہ بھی اسی حضرت وجود واجب کے عکس تلے ہیں اور بشرط لاشی وجودی کے مرتبے میں گم ہیں اور عدم نہ تو معلولیت نے اطلاق قابلیت رکھتا ہے اور افراد، اور نہ ہی مجہولیت کے اطلاق کی اہلیت رکھتا ہے اور افراد، علّت و معلول، ایجاد، موجد و موجود سب اسی وجود واجب ہی کی بدولت ہیں۔ پس علّت اور علّیت بھی حضرت وجود مطلق کے مرتبے کی آئینہ دار ہے جو اپنی ذات میں واحدِ مطلق ہے۔ وہی ہے جو ہر جگہ ظاہر اور عیاں ہے۔ وہی ذات پاک تمام اشیا کی خالق ہے۔ اس کے سوا اور کون ہے جسے فاعلیت سے نسبت دی جائے یا اس کے فعل سے اثر پذیر ہو۔ کیونکہ علّت و معلول جو فاعل اور منفعل ہیں وہ افراد کے وجود ہیں اور اُس کی فاعلیت کے مظہر، کیونکہ انفعال (اثر پذیری) بھی فعل ہے۔ حقیقی فاعلیت تو کیا عقلاً اور کیا نقلاً حضرت واجب الوجوب ہی سے مخصوص ہے۔ پس علّت و معلول جن میں باہم فعل و انفعال (اثر پذیری) کی مجازی نسبت ہے وہ منجملہ موجودات ہیں جو کہ وجود مطلق ہی کی ہم جنس چیزیں ہیں ان سب میں ایک ہی وجودی معنی ظاہر ہیں چونکہ انفعال بھی فعل ہے۔ یہ بھی اسی ذاتِ واجب سے منسوب ہے اور اُس کے سوا اور کوئی فاعل موجود نہیں۔ **سوال** اگر تم یہ کہو کہ رکاوٹوں کا دُور کرنا بھی علّتوں میں داخل ہے اور یہ منفی معانی ہیں۔ تو پھر یہ بات کیسے درست آئے گی کہ ساری علّتیں جملہ موجودات اور ہم جنس وجودوں سے ہیں۔ **جواب** وجودِ مطلق جو مرتبۂ لابشرط ہے وہ تمام مثبت اور منفی مراتب میں شامل ہے۔ یعنی مرتبۂ بشرط شے اور مرتبۂ بشرط لا شے ہیں۔ پس جس طرح علّتیں وجود کے مرتبۂ بشرطِ شے کے افراد ہیں اسی طرح وجود بشرط لاشی کے افراد سے رکاوٹوں کا دُور کرنا ہے، اور سب کی سب مثبت یا منفی علّتیں وجود مطلق ہی کے افراد سے ہیں۔ اسی سے سمجھ لو۔ اور حکما کی اصطلاح میں واجب تعالیٰ علّتِ موجبہ ہے جسے علّتِ موجدہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی علّت تامہ جو دوسری علّتوں کی محتاج نہیں۔ وجوب کے معنی ہیں رکاوٹ کے مقابلے میں وجود کی طرف کی ضرورت جو عدم کی جانب کی ضرورت ہے اور ضرورت کے سلب ہونے کا امکان دونوں طرف ہی سے ہے، لہٰذا حضرت وجود کو وجوبی حیثیت سے دیکھیں تو واجب ہے، اور ذاتی لحاظ سے وجودِ محض ہے جس کے معنی ہیں نکلنے کا منبع و مبدا اور اُس کی موجودیت کو دیکھیں تو مصدری معانی میں وجود ہے جو ذات الوجود کا سایہ اور اس کی پہلی صفت ہے۔ پس واجب وہ ہے جو موجود بالذات ہو اور قدیم بالصفات ہو اور اسی کے

Marfat.com

Marfat.com

اور ان کے موقع محل اور مُراد میں تھوڑا ردّ و بدل واقع ہوا جو پہچان کے لیے خاص تھیں اور یوں شرعی منقول اور عرفی منقول میں امتیاز پیدا ہوا۔ اور باوجود ان حقیقی اور مجازی معانی کی تبدیلی کے وہ لفظ متروک نہ ہوئے اس سبب کے باوجود خالص محمدیؐ حضرات وہی اسمائے توقیفیہ زبان پر لاتے ہیں اور اہلِ اسلام کے غیر مشترک الفاظ تاکیداً زبان پر نہیں لاتے، باوجودیکہ اپنے رسولِ مقبولؐ کے فرمودات کے مطابق وہ حق تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو لاتعداد اور بے شمار جانتے ہیں۔ اور ان ناموں کے بغیر اُسے نہیں پکارتے۔ اُسے بے نام اور بے نشان بھی کہتے ہیں۔ وہ تعبیرات میں سے کسی تعبیر کو بھی حق تعالیٰ کی ذات کے لیے جائز نہیں سمجھتے۔

بنام آنکہ او نامی ندارد ہر نامی کہ خوانی سر برآرد

(شروع اس پاک نام سے جس کا کوئی نام نہیں، تم خواہ اُسے کسی نام سے پکارو وہ سر اُٹھا کر ملتفت ہو جائے گا)۔ پس سمجھ لینا چاہیے کہ حکما چونکہ حق تعالیٰ کو واجب کہتے ہیں لہٰذا اُسے علّتِ موجبہ بھی کہتے ہیں یعنی چونکہ وہ خود واجب بالذات ہے لہٰذا دیگر موجودات جو واجب بالغیر ہیں ان کا موجب بھی ہے اور حقائقِ ممکنہ کو چونکہ اس کے ذاتی وجوب کی شمولیت وجوب بالغیر حاصل ہو جاتا ہے اسے علّتِ موجدہ بھی کہتے ہیں اس لحاظ سے کہ وہ اشیا کے ایجاد کرنے والا ہے۔ اور علّتِ موجبہ اور علّتِ موجدہ کہنے سے ان کا مطلب یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اشیا کی ایجاد و تخلیق کے سلسلے میں دیگر اسباب کا محتاج نہیں۔ لہٰذا حق تعالیٰ کو علّتِ تامہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے صادرِ اوّل کو بغیر کسی دوسری وساطت یا وسیلہ و واسطے کے پیدا کیا ہے جیسا کہ ان کا مقررہ قول ہے کہ واحد سے صادر نہیں ہوتا بجز واحد کے۔ وہ اس راز سے واقف نہیں کہ صادر ہونے والی اوّل ہستی اس کی اپنی ذات ہی ہے۔ خدا نے چاہا تو اس مطلب کی تشریح اور تفصیل اس باب کی شرح میں بیان کی جائے گی جو انہی معنوں میں ہے کہ ہر موجود صادرِ اوّل اسی کا وجود ہے۔ ان کے نزدیک علّت کی چار قسمیں ہیں۔ علّتِ مادیہ، علّتِ صوریہ، علّتِ فاعلیہ اور علّتِ غائیہ اور ان سب کے مجموعے کو علّتِ تامہ کہتے ہیں۔ ان چاروں علّتوں اور علّتِ تامہ کا بیان اوپر بالتفصیل ہو چکا ہے۔ ہاں ان چاروں کی مثالیں یوں ہیں، مثلاً تخت کی لکڑی گویا اس کی علّتِ مادّیہ ہے جس میں قوت کے لحاظ سے تخت بننے کی اہلیت تھی۔ اس تخت کی شکل علّتِ صوریہ ہے، جس میں کہ وہ تخت اب موجود ہے۔ مادّے کے بھی مادے اور اُس کی سرشت کے لحاظ سے کئی نام ہیں۔ اس لحاظ سے کہ اس پر مختلف صورتیں وارد ہوتی ہیں۔ اور

Marfat.com

استعداد کے اعتبار سے اُس کا ڈھانچے اور قابلیت کا صورتوں میں ڈھلنا پھر اسی کا عنصر جس سے کہ اس کی ترکیب کی ابتدا ہوتی ہے اور اس کی جڑ یا اصل اس حیثیت سے کہ اس کے اجزا کے کھلنے کی انتہا اسی کی طرف ہوتی ہے۔ اور کبھی عنصر اور بنیادی جڑ کی تفسیر و تعبیر اس کے برعکس دوسرے الفاظ سے بھی کی جاتی ہے، لہذا عنصر کا اطلاق اسی طرف تحلیل کے سبب سے ہے اور اسطقس کا اطلاق اس کی ترکیب کی ابتدا اور علتِ فاعلیت کی بنا پر۔ مثال کے طور پر تخت کے لیے بڑھئی جو اس کا فاعل اور اس کام پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی علت غائی ہے، چنانچہ اس پر تخت نشینی۔ اور حق واجب الوجود کو علتِ تامہ ان معنوں میں نہیں سمجھتے کہ وہ ان سب علّتوں کا مجموعہ ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ بلند ہے اس سے، لیکن حق سبحانہٗ تعالیٰ کو ان چہارگانہ علل یا اسباب جو کسی ترکیب کے لیے لازم ہیں، ان کا جامع ہونے کی وجہ سے نہیں کہتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک بھی حق سبحانہٗ تعالیٰ واحد حقیقی ہے۔ اور واحد حقیقی کی تعریف میں متکلمین نے لکھا ہے کہ اس کے اجزا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتے اور حکما کے نزدیک وہ جو کثرت کا منبع نہ ہو۔ پس ایسے وہم و گمان کی کیا گنجائش۔ یہ جملہ ہی مذکورہ بالا دعویٰ کی دلیل ہے کہ حق تعالیٰ کو علتِ تامہ کہنے سے حکما کی مراد ترکیب کے لیے لازم ان چہارگانہ علّتوں کی مجموعیت نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی حق تعالیٰ واحدِ حقیقی ہے۔ اس بارگاہِ اقدس میں ترکیب کو کیا عمل دخل جیسا کہ متکلمین کی مقرر کردہ تعریف یعنی وہ چیز جس کے جزو نہ ہو سکیں، بھی ترکیب کی نفی کرتی ہے۔ لہذا واحدِ حقیقی کے وہ معنی جو حکما کے نزدیک ثابت شدہ ہیں، یعنی وہ جو کثرت کا منبع نہ ہو، یقیناً وہ بھی ترکیب کی نفی کرتے ہیں کیونکہ پہلے معنوں کی نسبت دوسرے معنی وحدت اور بساطت (وسعت) کے زیادہ قریب ہیں۔ پھر واجب تعالیٰ پر علتِ تامہ کے اطلاق سے ان چہارگانہ علتوں کی مجموعیت کی گنجائش کہاں رہ گئی۔

متکلمین اور حکما میں واحدِ حقیقی کے معنوں کا اصل اختلاف یہ ہے کہ دونوں فرقے حق تعالیٰ کی وحدت کے قائل تو ہیں ان کا باہمی اختلاف اس بات پر ہے کہ متکلمین کے نزدیک تو حق تعالیٰ سے کثیر التعداد افعال معرضِ ظہور میں آتے ہیں، اور وہ بھی حق تعالیٰ ہر شے کی بلا واسطہ توفیق پر قادر ہے، لہذا ان کے نزدیک واحدِ حقیقی کی وحدت کا اتنا بیان ہی کافی ہے کہ ترکیب کو اس کے ہاں عمل دخل نہیں۔ مگر حکما کہتے ہیں کہ واحد سے نہیں صادر ہوتا بجز فعل واحد۔ وہ کہتے ہیں واحد تعالیٰ نے پہلے عقل کو جو صادر اوّل ہے اور عقل اوّل کی دوگانہ حیثیت ہے ایک امکان بالذات اور دوسری وجوب بالغیر، یا دو حیثیتیں ان معنوں

Marfat.com

ہیں کہ ایک حیثیت علّیت اپنے معلول کے لیے اور دوسری حیثیت معلولیت اپنی علّت، فعل ثانی کے لیے۔ اس نے فلک اوّل کو پیدا کیا اور اُس سے قیاس کر لینا چاہیے۔ مرتبہ بعد مرتبہ پھر یہ دُنیاوی مراتب وجود میں آئے، لہٰذا ان کے نزدیک واحدِ حقیقی کے یہی معنی مناسب ترین ہیں کہ وہ کثرت کا منبع نہ ہو لیکن دونوں گروہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ واحدِ حقیقی کے لیے دونوں تعریفیں ہی درست ہیں یعنی کہ اس واحد کے جزو نہیں بن سکتے اور یہ کہ وہ کثرت کا منبع نہ ہو۔ وحدت کے کئی مراتب ہیں۔ ایک مرکبات و کلیات کی وحدت جو اجزا کے ترکیب پاتے اور افراد کے جمع ہوتے سے ہے۔ اس وحدت میں خلل نہیں آتا۔ ایک ہے جزئیات و مفردات کی وحدت جو ترکیب پانے یا افراد کے اجتماع کی حیثیت نہیں رکھتی۔ ایک اضافی اور اعتباری وحدت جو ہر کثرت اور مجموعیت میں شامل ہے۔ اور ایک حقیقی وحدت جو فقط اللہ تعالیٰ کے نصیب میں ہے۔ جس میں کسی طرح بھی خلل نہیں آنے پاتا اور کوئی امر متعدد وجوہ کی بنا پر اُسے کثیر نہیں بنا سکتا، ہی کوئی نسبت اپنے اعتبار سے اُسے واحد بنا سکتی ہے۔ وہ بذاتِ خود واحد ہے، بلکہ وحدت اور وحدانیت عین اس کی اپنی ذات ہے۔ اس مرتبۂ اقدس میں نہ تو ترکیب کی کثرت کا گزر ہے نہ ہی وحدتِ وسعت کو وہاں شرف باریابی ہے۔ وہ تمام اعتبارات سے پاک ہے اور تمام اضافات اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس ان سب نے جو کچھ کہا ہے یا جو وہ کہہ رہے ہیں سب اسی کی تعریفیں ہیں، باوجود اس کے کہ اُس کے شایانِ شان طریق سے کوئی بھی کما حقہٗ اس کی تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ واقعی میں احاطہ نہیں کر پاتا تیری ثنا کا جیسے تو نے خود تعریف کی اپنے وجود کی۔ کیونکہ ممکنات جو ذاتی عدمیت رکھتے ہیں وہ اس ذات سبحانہٗ کی ثنا خوانی سے عہدہ برآ کیسے ہو سکتے ہیں۔ جس کی حقیقت عین اس کا وجود ہے اس کی ثنا (تعریف) خود اس کی اپنی ذات ہی ہے۔ باقی جو کچھ بیان میں آتا ہے اس کے اعتبارات اور اضافات سے متعلق ہے۔ پس وہی ہے کہ میں تعریف کرتا ہوں اُس کے نفس کی جیسے کہ تعریف کرنی چاہیے اس کے علاوہ کسی کی نہیں۔ پس متکلمین اور حکما نے اس واحدِ حقیقی جل جلالہٗ کی تعریفوں میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی اپنی ذہنی استعداد کے مطابق ہے اور ان کے مابین جو مشکلات، تردداتِ اور جھگڑے واقع ہو جاتے ہیں۔ وہ ان کے اپنے ہی ذہنوں کے تراشے ہوئے قواعد و ضوابط کے مطابق ہوتے ہیں۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ ان سب امور سے پاک اور مُبرّا ہے۔ وہ ان کے علم اور خود ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے نہ یہ کہ ان کے علم یا ان کے اپنے احاطے میں ہے۔ وہ تو محجوب لوگ ہیں جو حقیقت سے غافل ہیں۔

Marfat.com

اور حق سبحانہ تعالیٰ ان کی نظروں سے اپنے نورانی حجابات کے پردے میں ہے، جو ان کی اپنی عقلوں اور فہموں کے حجابات ہیں۔ جس طرح کہ عوام اور جاہلوں کی نظروں سے تاریکی کے پردوں میں چھپا ہوا ہے جو ان کی اپنی ہی حماقت اور جہالت کے پردے ہیں۔ بے شک اللہ کے لیے ستر ہزار پردے ہیں اس کے نور کے نور اور ظلمت سے سوائے اس کے کہ حق جل جلالہٗ اس آیت کریمہ کے بموجب کہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مختص کر دیتا ہے اور محض اپنے رسولِ مقبول کے صدقے جس کے لیے چاہتا ہے اس بندے کے قلب کو نور ہدایت سے منوّر کر دیتا ہے اور حقیقت کے انکشاف سے نوازتا ہے تو پھر اس وقت یہ حقیقت کھلتی ہے کہ واحدِ حقیقی کی وحدت اگرچہ کثرت کا منبع نہیں لیکن سب کثرتیں اسی سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اور اگرچہ وہ جز ہے جس کے اجزا نہیں بن سکتے مگر سبھی مرکبات اسی سے ترکیب پاتے ہیں، ہر واحد اسی سے واحد اور ہر مفرد اسی سے مفرد بنتا ہے اور اُسے کوئی کام کسی کام سے ہٹا کر مشغول نہیں کر سکتا اور اگرچہ وہ ہوتا ہے ہر روز نئی شان میں۔ اس کے مرتبۂ وجود میں اس کی وحدت عین اس کی ذات ہے۔ اور اپنے اعتبارات و اضافات سے بھی کیونکہ وہ مرتبہ تمام اضافات سے مبرّا ہے۔ اور تمام اعتبارات اسی مرتبے سے لیے جاتے ہیں۔ اور تمام اضافات کا مرجع بھی وہی مرتبہ ہے۔ اور تمام انتسابات کا لگاؤ بھی اسی مرتبے پہ صادق آتا ہے۔ اور تمام کے تمام امور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور دوسرے مراتب جو بعض اضافات کو سلب کرنے کی حیثیت رکھتے ہیں، نہ ان کے تمام مجموعہ جات میں ان مراتب میں بعض اعتبارات کے لیے ایجابی حیثیت ہوتی ہے نہ کہ ان کے سارے مجموعے کی، اور جو کُل سے محض یہ اضافت ہے کُل کا مضاف الیہ بھی وہی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو اور غفلت نہ برتو، یہ ایک مخفی حقیقت ہے اور اُسے نہیں دیکھ پاتا مگر وہی جو دیکھتا ہے رحمان کے نور سے۔

تحقیق

جس طرح اس علیم مطلق جل شانہٗ نے اس حقیر فقیر کو اکثر امور میں خاص اصلاح سے ممتاز فرمایا ہے، اسی طرح اس امر میں بھی یعنی واحد حقیقی کی تعریف میں بھی مجھ پہ متکلمین اور حکما کی تحریر سے بحث و تفصیلات کا ایک جداگانہ دروازہ کھولا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ واحد کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور اضافی۔ حقیقی وہ جس میں زیادتی اور تکرار کا امکان نہ ہو، کیونکہ واجب تعالیٰ میں نہ تو زیادتی ممکن ہے اور نہ ہی اس کے

Marfat.com

اپنے نفس کی بار بار دہرائی جائز ہے، اور اضافی وہ ہے جس میں یہ دونوں باتیں (یعنی ایزادی اور تکرار) ممکن ہو، جیساکہ عددی واحد جو ان گنت زیادتیوں کی طرف ترقی کر سکتا ہے، اور اپنے ہی بار بار دہرائے جانے سے اس پہ کثرت کا گمان گزرتا ہے۔ اسی سے کثیر التعداد نئی باتیں (چیزیں) نکل سکتی ہیں۔ اسی واحد اضافی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک جزئی وحدت اور ایک کلی جزئی وحدت، جیسے جزئی امر واحد جس کے تحت کوئی افراد نہیں ہوتے۔ اور کلی اس امر واحد کلی کی طرح جو افراد پر مشتمل ہوتا ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک واحد بالجنس جو حقائق کی مختلف انواع میں شامل ہے، جیسے کہ حیوان جس کے معنی واحد کے ہیں مگر متعدد انواع پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور ایک واحد بالنوع جو ایک ہی حقیقت والے افراد پہ مشتمل ہو۔ جیسے انسان جس کا مفہوم واحد ہے۔ لیکن خود کثیر التعداد افراد پہ مشتمل ہوتا ہے۔ پس اس واحد حقیقی جل شانہٗ کا مرتبہ جو ان تمام مرتبوں اور اس وحدت و کثرت کا موجد ہے اور عالم اور اہلِ عالم سے بالکل بے نیاز ہے۔ اور نہیں متحد ہوتا اپنے علاوہ کسی کے ساتھ اور نہ اس میں حلول ہوتا ہے۔ اگرچہ وہی سبب ہے تمام موجودات کے وجود کا اور اس اضافی واحد کا مرتبہ ان تمام مراتب اور اس وحدت و کثرت کے ظہور کا سبب ہے۔ اور نہیں ہے اس کا وجود خارج میں ذات کے ساتھ اور وہ ہوتا ہے موجود معدودات میں، پس واحد میں واحد اور کثیر میں کثیر یہ بات اخذ کر لے۔ کیونکہ یہ بات تجھے بہت فائدہ دے گی مسائل کی مشکلات میں توحید وجودی اور شہودی میں سے، اور یہ کنجی ہے گنجلک اُمور کے تالوں کی۔ عطا کی اللہ تعالیٰ نے سخاوت تیرے ہاتھ میں اور وہ علیم و حکیم ہے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔

حاشیہ آرائی

بعضوں نے وحدت کے تمام موجودات میں شمول کی بنا پر اُسے وجود کے برابر سمجھا ہے۔ اور ہر موجود کو وہ وحدت کی ایک قسم ثابت کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ کہتے ہیں کہ کثرت میں بھی وحدت ہے اور بہت سی اشیا میں سب سے بعید ترین چیز۔ وحدت سے متصف ہوتے کی بنا پر انھیں بھی وحدت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی خاص عشرہ بھی دوسرے عشروں کی نسبت واحد عشرہ ہے۔ لیکن یہ بھی درحقیقت اس حقیقی وحدت سے کماحقہٗ آگاہ نہیں ہیں۔ اور وحدت کو عام امور ہی میں شمار کر کے اُنھوں نے اسے تمام ذہنی اور خارجی موجودات سے لاحق لکھا ہے۔ اور بعض جو وحدت کو نفس الوجود سمجھتے

Marfat.com

ہیں۔ کیونکہ تشخص ثابت ہر موجود کا معین ہے، پس ہوتی ہے وحدت شخصیہ نفس الوجود۔ وہ وجود سے وحدت کی مغائرت سے انکار کرتے ہیں۔ وہ بھی اصل حقیقت سے غافل ہیں۔ ان دونوں گروہوں میں باہمی طور پر بڑے سوال و جواب ہوتے ہیں اور ان میں بے جا قسم کی لے دے بھی رہتی ہے۔ وہ حقیقت کو پا نہیں سکتے اور خواہ مخواہ یونہی باہم الجھتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ کیونکہ جس مرتبے میں ماہیت، وجود اور تشخص ایک ہی ہو۔ اس مرتبے کی وحدت بھی عین اس کا وجود ہے۔ کیونکہ اس مرتبے میں جس طرح وجود سے مراد ہے مزید چیزیں نکلنے کا منبع اور حاصل مصدری معنی اسی طرح وحدت سے منظور بھی حاصل مصدری معنی ہی ہے نہ مصدری معانی، یہ نفس الوحدت بعینہٖ نفس الموجود ہے اور علیٰ ہذا القیاس اس مرتبے میں ماہیت و تشخص سے مقصود بھی ان دونوں کے حاصل مصدر کے نکلنے کا منبع ہے نہ کہ ان سے نکلنے والے امور کا۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ اس مقام پر وجود، تشخص وحدت بلکہ تمام کمالات عین وہی ہے وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ مصدری معنی کے مرتبہ میں ایک وحدت ہی کے معانی کی کیا تخصیص ہے کہ ان معنوں میں تو وجود بھی ذات الوجود پر زائد ہے اور اسی سے نکلا ہوا۔ اور نفس الوجود کے اعتبارات سے تمام اضافات کے رنگ میں موجود اور عام امور میں داخل ہے۔ پس ماہیت، تشخص، وجوب اور وحدت انہی نکلنے والے معانی میں یقینی ہیں کہ بناؤ اور حصول کے لحاظ سے وجود کی مانند نفس الوجود پہ زائد ہیں۔ اللہ جل شانہٗ کی شان سب سے بلند ہے۔ پس یہ بحث مباحثے کرنے والے اگر بات کی تہ تک پہنچیں تو وہ ضرور سمجھ جائیں گے کہ ایک مرتبہ کے حاصل مصدری مُراد ہیں اور ایک مرتبہ سے مصدری معانی ملحوظ ہیں۔ پھر بھی مشکلات اور شکوک و شبہات کا درمیان لانا نافہمی کی وجہ سے ہوگا۔ اگر ہر معنی کو اس کے اصل مقام پہ محمول کریں تو کوئی خوف و اندیشہ نہ ہوگا۔ **فائدہ** یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دانشور حضرات چاہتے کہ وہ اپنے علم اور علمی قوت کی بنا پر حقیقت کی تہ کا ادراک کریں اور چونکہ علم طبعاً مغائرت اور کثرت کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ وہ عالمیت اور معلومیت کا امتیاز پیدا کرتا ہے پس جب وہ اپنے و دانش کے وسیلے سے حقیقت دریافت کرنے پہ توجہ مبذول کرتے ہیں تو حضرت واجب الوجود سبحانہٗ تعالیٰ اپنے اعتبارات میں سے کسی ایک اعتبار اور اپنی مختلف حیثیتوں میں سے کسی ایک حیثیت ان کے علم کی رسائی میں دے دیتا ہے۔ اور انھیں اُس کے خاص اعتبار یا اُس مخصوص حیثیت کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہو پاتا، اگرچہ وہ اپنے ذہن میں اس کو عام معنی یا مفہوم مطلق سمجھ لیتے ہیں۔ اور اسی دریافت کو وہ حقیقت کی دریافت سمجھ بیٹھتے ہیں مگر فی الحقیقت وہ حقیقت کے انکشاف کے شرف سے مشرف نہیں ہوتے۔ اور ان کی چشمِ بصیرت سے پردہ قطعاً دُور نہیں ہوتا۔ اور وہ نہیں پیروی کرتے مگر گمان

Marfat.com

ہی کی، بے شک گمان جو ہے حق سے بے نیاز نہیں کرتا۔ وہ محض بے سند خیال کا اتباع کر رہے ہیں جو محض قیاسی باتیں ہیں۔ مثال کے طور پر اُنھوں نے ایک جسم دیکھا اور جب اُنھوں نے اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے غور و خوض کیا تو ان کی سمجھ میں تین دوریوں یعنی طول، عرض اور عمق میں منقسم ہونے کی حقیقت آئی اور وہ کہنے لگے کہ ہم نے جسم کی حقیقت دریافت کر لی کہ جسم تقسیم ہو سکتا ہے طول، عرض اور گہرائی میں حالانکہ وہ جسم کی حقیقت اور اس کی تہ سے قطعاً آگاہ نہیں ہوتے۔ وہ صرف اس تقسیم ہونے والے اعتبار کو ہی سمجھ سکے۔ پھر جب ذرا اور گہری نظر سے دیکھا اور چاہا کہ اس کی تہ تک پہنچیں تو اسی قسم میں جلوہ فرما ذات الوجود نے پھر ان کے ناقص علم کی بدبختی سے اپنے اعتبارات کی طرف اُن کا رُخ موڑ دیا۔ اور وہ ڈھانچے اور صورت کے امتیاز کے فرق میں جا پڑے اور کہنے لگے کہ اب ہم سمجھے جسم درحقیقت ڈھانچے اور صورت سے مرکب ہے۔ اور اسی بات کو ثابت کرنے کے لیے دلائل و براہین دینے لگے۔ اپنے مطلب کو یوں ثابت کرنے کے بعد جب ذرا اور غور و فکر کیا تو اُنھیں معلوم ہوا کہ کچھ بھی دریافت نہیں کر پائے۔ ڈھانچہ خود ایک مبہم امر ہے، اور صورت جو خود جوہر دراز ہے اعتبار سے زائد اور کچھ نہیں، لیکن اس ڈھانچے اور صورت کی حقیقت معلوم کرنی چاہیے جو جسم کی اصلیت ہے۔ پھر غور و فکر کیا پھر اسی طرح ذات الوجود نے اُنھیں اپنی دیگر حیثیات کی طرف مائل کر دیا اور عظمت والی بارگاہ میں بار شرفیابی عطا نہ کیا۔ اور اپنی وحدت کی خلوت گاہ کی راہ نہ دکھائی۔ اُنھوں نے پھر وہی رٹ لگائی کہ ہم نے حقیقت پالی کہ ڈھانچہ اور صورت دونوں جوہر ہیں اور ان میں حالیت (حال) اور محلیت (محل) کی باہمی نسبت ہے اور ان کا باہمی مستقل ساتھ ہے۔ نہ صورت ڈھانچے سے الگ ہو سکتی ہے اور نہ ڈھانچہ صورت سے۔ لیکن اگر وہ انصاف کریں تو پھر بھی اُنھوں نے حقیقت کا کیا پایا کہ یہ ساری چیزیں جوہریت، حالیت، محلیت اور ملازمت سب کی سب اعتبارات کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ اور وہ اس امر کے ادراک سے بھی قاصر رہے جس سے کہ یہ تمام نسبتیں منسوب ہیں۔ اُنھوں نے جس قدر ہاتھ پاؤں مارے ان کے ہاتھ سوائے چھلکے کے اور کچھ نہ آیا۔ علیٰ ہذا القیاس ان کی تمام تحقیقات پیاز کے چھلکے کی طرح تہ در تہ ہیں اُنھیں مغز سے کوئی حصّہ نہیں ملا۔ اگرچہ آخر کار بڑی خواری و خرابی کے بعد حیران و سرگرداں ہو کر تنگ آ کے اُنھوں نے سبھی کو واحدِ حقیقی کے وجود سے مستند شمار کر لیا۔ لیکن اس صورت میں بھی اُنھیں یقین، تسکین، اطمینان اور ایمان کے سلسلے میں کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ اور ہرچند کہ اعتبارات میں ایسا کوئی

Marfat.com

امر ظاہر نہ ہوا جس کے بارے میں اعتبار کیا جائے۔ اور مضافات میں بھی مضاف الیہ کا جزو پیدا نہ ہوا۔ لیکن وہ حقیقت میں بھی مجاز کے سوا کچھ نہیں دیکھتے اور واحدِ حقیقی اور مرتبۂ لااعتبار سے بھی سوائے اعتبار و امتیاز کے سوا کچھ نہیں چنتے تو پھر اعتباری مراتب اور اضافی امور کا کیا کہنا؟ ان کے نصیب میں سکون و اطمینان نہیں ہوتا، نہ ہی ان کے حصے میں دین و ایمان آتا ہے۔ وہ شکوک و شبہات کے ایچ پیچ میں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں اور فضول اور لغو بحثوں میں الجھے رہتے ہیں۔ وہ تھوڑا بہت اگر جانتے بھی ہیں تو اس سے کہیں بڑھ کر بیہودگی میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے یہ مثل مشہور ہے۔ کف گیر (کڑچھا) ہلاتے رہو، کڑچھا چلاتے رہو۔ محنت اور دُھواں کھائے بغیر حلوے کا مزہ نہیں آتا۔ وہ بے فائدہ اتنی مغز ماری اور سر دردی سے کام لیتے ہیں۔ ان کی فلاح و بہبود کی کوئی صورت نہیں۔ نہ وہ کوئی چیز چکھتے ہیں بس وہ خیال خام پکارتے رہتے ہیں اور آخر میں انگشت حیرت و ندامت کاٹتے رہ جاتے ہیں۔ وہ انبیاؑ و اولیائے کرام (ان پر خدا کا درود و سلام) جو حقیقت کے کشف سے فیضیاب ہو چکے ہوتے ہیں وہ بالکل گم اور خموش ہوتے ہیں (جو پا گیا ہے راز وہ گم ہے خموش ہے) ان کے دل نورِ خداوندی سے منور ہوتے ہیں۔ ان کا معاملہ اصل کے مرتبے تک پہنچ چکا ہوتا ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ انہیں بی یبصر اور بی یسمع (مجھی سے سنتا ہے اور مجھ ہی سے دیکھتا ہے) کی خلعت پہنا دیتا ہے۔ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کے حال کی شرح یہ مقولہ بن جاتا ہے کہ اللہ کو اللہ کے سوا نہیں پہچانا جا سکتا اور اللہ کا ذکر اللہ کے سوا نہیں کیا جا سکتا۔ اور خدا کے ان منتخب بندوں پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ تم جدھر کو بھی رُخ کرو اُدھر ہی کو اللہ کا رُخ پاؤ گے۔ اور اس آیت کریمہ (کہ سب امور اسی کی طرف لوٹ جائیں گے) کے اسرار ان پر کھل جاتے ہیں۔ وہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کے زمرے میں ہوں گے کہ بہت سے چہرے اس روز بارونق ہوں گے، اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ بغیر کسی سر دردی کے نعمت خوار اور محض عنایت خداوندی سے محرم اسرار ہوں گے۔ بڑے ذوق و شوق سے مے محبت پی رہے ہوں گے۔ محبوبِ حقیقی سے ہمکنار ہوں گے۔ دونوں جہانوں کی فلاح و بہبود انہی کو حاصل ہے اور مشاہدۂ ذات بھی انہی خوش نصیبوں کے حصے میں ہوگی۔ اعتبارات میں سے ہر اعتبار اور اضافات میں سے ہر اضافت و نسبت میں اسی ذاتِ واحد کو دیکھتے ہیں۔ ہر خس و خاشاک اور کانٹے سے وصال محبوب کے پھول چنتے ہیں۔ تجلیات محبوب کے ظہور کے علاوہ دیدار دوست میں کوئی شے حائل نہیں

Marfat.com

ہوتی - ان صاحب بصیرت اصحاب کی آنکھوں سے جلوۂ یار ، کبھی اوجھل نہیں ہوتا - وہ ان نفوس ناطقہ کے مالک ہیں جو اس سے خوش ہیں اور وہ اُن سے خوش ہے - وہ قلب مطمئنہ کے مالک ہوتے ہیں - اور انہی کے دامن تلے عامۃ المسلمین ہیں جو حکمت و عرفان سے کوئی حصہ نہیں رکھتے اور ان دیکھے اور نا سمجھے صرف سُن سُنا کر ایمان لے آتے ہیں اور اس حکم کے تحت ہیں کہ تم پر عجائز کا دین اختیار کرنا لازم ہے - یہ لوگ بھی اچھا ثمرہ اور نتیجہ پا کر خیرات و برکات پہ فائز ہو جائیں گے - انھیں بھی مخلص پیروکاروں کی تقلید کرکے بغیر کسی سر دردی کے مفت میں حلوہ مل گیا - مومن میٹھا ہوتا ہے اور مٹھاس کو پسند کرتا ہے ، انہی کے حق میں آیا ہے - اگرچہ وہ حقیقت امر کو بالکل نہیں سمجھتے لیکن بظاہر کلمۂ طیبہ پڑھ کر کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ، ہر چند کہ خواص کی طرح فاعلیت حق کا مشاہدہ نہیں کر پاتے لیکن اپنی زبان سے یہ اقرار ضرور کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا اور کسی کو قوت اور طاقت نہیں ہے - یہ تھوڑی بہت ظاہری مشابہت اور متابعت بھی فائدے سے خالی نہ ہوگی - ایمان اور اسلام کی برکت سے آخر نجات رونما ہوگی - کیونکہ جس کسی نے کلمۂ طیبہ پڑھا ، نفی و اثبات کا ذکر کیا ، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا -

قصہ کوتاہ یہ کہ حکما کے حق تعالیٰ کو علت تامہ کہنے کو مجموعی معنوں میں نہ لینا چاہیے کہ وہ لازماً قابل ترکیب ہے جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے ، بلکہ ان معنوں میں لینا چاہیے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنی ذات واجب میں تمام جہات کا جمع کرنے والا ہے - اپنی موجبیت میں وہ کسی دوسری علت کا محتاج نہیں ، وہ بذاتِ خود علتِ موجبہ ہے ، برعکس دوسری علتوں کے جو ایک دوسرے کی محتاج ہوتی ہیں - لفظ "بل" (اضراب) ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ کو علتوں کی مجموعیت کی حیثیت سے علتِ تامہ نہیں کہتے ، بلکہ اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ جس طرح حق سبحانہٗ واجب بالذات ہے ، اسی طرح اپنی موجبیت میں بھی وہ کسی کا محتاج نہیں اور جمیع جہات کے الفاظ سے مُراد تمام حیثیات و اعتبارات واجبہ ہیں جو اسی کی ذات کی مختلف شانیں ہیں - حاصل مطلب یہ کہ اپنے ذاتی وجوب کے رنگ میں وہ اپنی ذات میں تمام کمالات کا جمع کرنے والا ہے - اور اُس کی اضافی صفات بھی حقیقی صفات ہی کی طرح ہیں - ان دونوں کے درمیان فرق و امتیاز اعتباری ہے حقیقی نہیں - بے شک یہ کمالات ہیں ذات سبحانی کے اللہ وحدہٗ لاشریک ہے - اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے اور موجودات ممکنہ جو قائم بالغیر ہیں - ان کا تقرر وہ اپنی ہی ذات واحد و بے مثال سے کرتا ہے - وہ کسی امر کی شراکت اور کسی کی مدد کے بغیر ہی علتِ موجبہ ہے جس نے

Marfat.com

اللہ کے ساتھ شرک کیا اُس نے بہتانِ عظیم باندھا اور گنہگار ٹھہرا۔ اس کے برعکس دیگر ممکنہ علّتیں جن میں سے ہر ایک دوسرے کی محتاج ہے۔ مادی علّت سوائے صوری علّت کے وجود پذیر نہ ہوگی اور صوری علّت سوائے علّتِ مادی کے ظہور پذیر نہ ہوگی۔ اور اگر مادّی علّت نہ ہو تو فاعلی علّت کس کام کی؟ اور ان تینوں علّتوں کے بغیر علّتِ غائی صورت پذیر نہیں ہوتی۔ ان سب علّتوں کے مجموعے کو علّتِ تامہ کہا گیا ہے۔ اور یہ امر مفہوم اور لیے گئے معانی سے زیادہ کچھ نہیں کیونکہ اس کا خارج میں وجود نہیں۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ ایسا نہیں ہے، وہ مستقلاً موجود بالذات ہے، بلکہ خود ہی وجود ہے اور خود ہی موجود بھی۔ اور یہ سب کثیر التعداد حقائق ممکنہ مفہومات کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ جیسے نسب اور اضافات جو منسوب کیے جاتے ہیں ایک ہی شخص کی طرف اور نہیں موجود ہوتا خارج میں سوائے ایک شخص اور اس کے سوا نہیں کہ اضافات اور نسب اعتباری معاملات ہیں اور ان کا وجود نہیں ہوتا مگر ذہن میں۔ پس اضافات (اضافتیں) مرتبۂ امکان میں مضاف ہی کے نقائص ہیں جو خود ناقص ہے۔ اور اپنی ذات میں (بذاتہٖ) اپنے طرفین سے یعنی وجود و عدم سے محروم ہے۔ اور کمالات کی سب اضافتیں منسوب ہیں مرتبۂ وجوب سے کہ فی نفسہٖ کامل مرتبہ ہے اور عین وجود ہے اور وہ مرتبہ ہے اس واحد ذات الوجود کا جو تمام دنیوی اور اخروی مراتب پہ محیط ہے۔ اور اس کے سوا کوئی موجود، کیا ذہنی، کیا خارجی، کیا اعتباری اور کیا حقیقی طور سے وہ اپنی ذات میں نقص و کمال کی تمام وضاحتوں سے مبرّا ہے۔ حتّٰی کہ لفظ وجود، وجوب کی اضافت کا نقطہ اس کی کبریائی و عظمت کے دامن کو نہیں چھو سکتا۔ اور کوئی عبارات و اشارات اس مرتبۂ انور کا تعارف نہیں کرا سکتی، کیونکہ وہ سب سے زیادہ معروف ہے۔ اور تمام مشہودات میں وہی جلوہ گر ہے۔ اور وہ ہر چیز پہ گواہ ہے۔ الغرض اس عیاں مرتبے میں بیان کی کوئی گنجائش نہیں۔ حق بات یہ ہے کہ جس نے خدا کو پا لیا اُس کی زبان گنگ ہوگئی۔ چنانچہ مجھ ناچیز ہی کا ایک شعر ہے۔ ؎

عقل در توصیف ذاتش ابکم ست ہرچہ واضح کردہ باشد مبہم ست

(عقل اس کی ذات کے وصف بیان کرنے سے گونگی ہے۔ میں جتنی بھی وضاحت کرتا چلا جاؤں اتنا ہی اخفا (پوشیدگی) بڑھتا جاتا ہے۔) **دقیقہ** اگر وجود و عدم کے معانی اچھی طرح سمجھ میں آجائیں تو کسی بات میں کوئی دشواری پیدا نہیں ہوتی۔ مشکل بس یہی ہے کہ لوگوں کی اکثریت وجود و عدم کے مفہوم کو نہیں سمجھتی اور لفظ وجود سے کسی خارجی امر کو مراد لیتے ہیں جو اس کے عدمی معانی ہیں اور لفظ عدم سے کسی وجودی امر کو

Marfat.com

مراد لیتے ہیں جو عدم میں داخل نہیں ہے اور اپنے اس جہل مرکّب کی وجہ سے حقیقت کے دریافت کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ نہ تو معارف کی باتیں سن کر انھیں فائدہ ہوتا ہے، نہ حقائق کا دیکھنا ہی انھیں سود مند ہوتا ہے۔ اور وہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں کہ ان کے دل ہیں مگر وہ سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں مگر اُن سے وہ سنتے نہیں۔ اور ان معانی کے سمجھنے یا نہ سمجھنے میں حصول علمی یا بے علمی کا چنداں عمل دخل نہیں۔ صحیح قوتِ ادراک چاہیے ہمارے زمانے کے ان ہم عصروں اور جاہل بے علموں کا کیا ہی کہنا۔ ان سے پہلے بھی اکثر و بیشتر کج فہموں اور ظاہری عالموں میں شاید اسی قسم کی استعداد تھی کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں ایسے کلمات لکھے ہیں جو صریحاً اس مطلب کو نہ سمجھنے کی دلالت کرتے ہیں۔ پس ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔ قصّہ کوتاہ متن کی عبارت سے استفادہ یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو علّتِ موجبہ کہنے سے حکما کا مقصود اس سبحانہٗ تعالیٰ کے کسی دوسرے کے محتاج ہونے کا اظہار ہے۔ پس اگر یہی کچھ سمجھ لیا جائے بعینہٖ یہی مراد ہے جو علمانے عقائد میں لکھی ہے۔ اور اُس کی قدرتِ کاملہ مخلوقات کو پیدا کرنے میں ظاہری اسباب کی محتاج نہ تھی۔ اور علّت و معلول اور خالق و مخلوق کا حاصل ایک ہی ہے، اور اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں یعنی جو کچھ عقائد کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ نہ اس کی کوئی پشت پناہی کرنے والا ہے نہ مددگار ہے۔ اور یہی اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور توانا ہے اور مخلوقات کی تخلیق میں اسے کسی امر کی حاجت نہیں، نہ ہی کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔ پس اگر بات کی تہ کو سمجھ لیں تو علّتِ موجبہ بھی درحقیقت انہی معنوں میں کہا گیا ہے۔ اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کو لفظِ علّت کی شراکت سے خواہ مخواہ علّتوں کی دوسری قسموں کی طرح خیال کرنا حقیقت کو نہ پا سکنا ہے وہ سب علّتیں تو درحقیقت معلولات ہی ہیں۔

اصل مطلب تک پہنچنا چاہیے اور لفظوں کے چکر میں نہ پڑنا چاہیے۔ ہر چند کہ بہتر یہی ہے کہ اس درخشاں شرع محمدیؐ کے متعلق ایسے غیر اصطلاحی الفاظ لب تک نہ لانے چاہئیں جو عوام کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کریں، انھیں وہم میں ڈال دیں لیکن اسلامی عارفوں اور فلسفیوں کی نئی نئی اصطلاحات کو سنتے ہیں انھیں سمجھے بغیر ہی جاہلوں اور احمقوں کی طرح ان پر کفر کا فتویٰ صادر کریں، اور نہ ہی ان تحریروں سے اپنے دل میں شکوک و شبہات لانے چاہئیں، کیونکہ اصطلاحات میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔ حقیقت پہ نگاہ رکھنی چاہیے اور ہر گفتگو کی مشکلات کے زنگ دل کے آئینے سے صیقل کر دینا چاہیے۔

Marfat.com

(دُور کرنا چاہیے) اس تحریر سے ہماری مُراد ان فلسفیوں کی طرفداری نہیں جو مشرّف باسلام نہ ہوئے، بلکہ اپنی عقل و دانش کو اپنا رہنما بنایا اور حقیقی معنوں میں پیغمبر اسلام علیہ السّلام کی پیروی اختیار نہ کی۔ ہرگز نہیں، ایسا ہرگز نہیں، مخلص محمّدی جو فقط حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم کے تابع اور پیروکار ہیں۔ وہ کسی ایسے کشف و معرفت کا اعتبار نہیں کرتے جو قرآن و سنّت کے مطابق نہ ہو۔ پھر ان سے ایسی بات کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔ بلکہ اس تحریر سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اے قاری! اس کتاب کے مطالعہ سے تیرے قلب پر حکمت کا وہ دروازہ کھول دے جس کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ جسے حکمت عطا کی گئی۔ پس اسے خدا نے بڑی بھلائی (خیر کثیر) عطا فرمائی۔ درودِ دل کے آئینے میں حکمت الٰہیہ جلوہ فرما ہو جائے تاکہ ہر کسی کا بیان تیرے لیے صاف و آسان ہو، اور تیرا نفس مطمئنہ ادھر اُدھر کی سب مخالفتوں کو چھوڑ دے اور ہر کسی کی سمجھ بوجھ کی حقیقت تجھ پہ آشکارا ہو جائے، اور تو ہر کسی کی دریافت کی تہ تک پہنچ جائے اور ان معانی کو پالے کہ تم جدھر کا بھی رُخ کرو وہ تمھارے سامنے ہے۔ چونکہ علّت و معلول میں فعل و انفعال کی باہمی نسبت بھی ہوتی ہے۔ اگر مجازاً انھیں خالقین و مخلوقین بھی کہہ دیا جائے تو کوئی اندیشہ و مضائقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں خدا نے خود کو احسن الخالقین کہا ہے۔ پس اس قیاس پر اگر حق تعالیٰ کو جو جاعل (بنانے والا) ہے اور تمام اشیا کا صانع ہے (لفظ "جعل" قرآن مجید میں جابجا تخلیق کے معنوں میں آیا ہے)، کوئی جاعل کہہ کر اُسے تمام موجودات کی علّت بیان کرتا ہے اور مخلوقات کو مجعولات اور معلولات لکھتا ہے۔ ظاہر ہے ان معنوں میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حاصل مطلب یہ کہ اصطلاحاتی بحثوں میں نہ پڑنا چاہیے، اور اس امر کا صحیح ادراک کرنا چاہیے جس کے لیے وہ اصطلاح وضع کی گئی اور جو موضوع بحث بنا، اصطلاحی اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں اور حیثیات کے لحاظ سے بھی سوائے اعتباری امتیاز کے اور کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ مرکب تام جو صدق اور کذب کا متحمل ہوتا ہے موسوم کیا جاتا ہے اپنے حکم پر شامل ہونے کی وجہ سے۔ قضیہ اور صدق اور کذب کے احتمال کی حیثیت سے جُز اور اُس کے حکم کا فائدہ ہونے کی حیثیت سے، اخبار اور جز ہونے کی حیثیت سے دلیل میں سے مقدمہ اور اسی حیثیت سے کہ وہ طلب کیا جاتا ہے دلیل سے مطلوب اور اس حیثیت سے کہ حاصل ہوتا ہے دلیل سے نتیجہ اور اس حیثیت سے کہ واقع ہوتا ہے علم میں اور اُس کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے مسئلہ اور اس حیثیت سے کہ اس کا

Marfat.com

ہونا مشتمل اسناد تام کے لیے کہ جس پر سکوت ہی اچھا ہے۔ اور اس کا ہونا اپنی ذات کے لیے کلام اور مقصودیت کی قید کے اوپر اور اُس کے اوپر سکوت کے وجوب کے ساتھ جملہ اور اُس کا متوسط ہونا جملہ مستقلہ کے درمیان معنی معین کرنے کے لیے جس سے وہ متعلق ہوتا ہے یا اس کے اجزا سے متعلق ہوتا ہے جملہ معترضہ !! پس ذاتِ واحد ہے۔ پس عبارات کا اختلاف اعتبارات کے اختلاف کے ساتھ ہے، مثلاً نحوی جس چیز کو مبتدا اور خبر کہتے ہیں۔ منطقیوں (فلسفیوں) کے نزدیک موضوع و محمول کا مفہوم بھی وہی ہے۔ اہل بیان و معانی اُسے مسندالیہ و مسند کہتے ہیں۔ پس تیرا حسن واحد ہے اور ہماری عبارتیں متفرق۔ عبارات میں فرق ہے مراد ایک ہی ہے، لہذا وہ معنی جو مبتدا و خبر، موضوع و محمول اور مسندالیہ و مسند پر صادق آتے ہیں فی نفسہٖ وہ سب ایک ہی معنی ہیں۔ اختلاف ہوا تو ہر اہلِ فن کی اصطلاحات میں آکر ان کے الفاظ اور پھر جن امور پہ وہ دلالت کرتے ہیں ان کے معانی کے چکّر میں پڑ کر یونہی بیہودہ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور ایسے تنازعوں اور جھگڑوں کا پیدا کرنا بلاشبہ جاہلوں کا کام ہے اور یہ جھگڑے ان کی حقیقت ناشناسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ حیف صد حیف! محبوب کا حُسن جو آشکارا نظر آرہا ہے اور دل کو لبھاتا ہے، وہ خود اک امرِ واحد ہے اور اس کے چاہنے والے اس کی دلکش اداؤں اور دلفریب حرکات و سکنات کو گو مختلف عبارات میں بیان کرتے ہیں لیکن وہ سب ایک ہی محبوب پہ دلالت کرتے ہیں اور تمام عشاق کی مُراد فقط اسی محبوب حقیقی سے ہے، ورنہ صورت و اعتبار کے لحاظ سے وہ مختلف انداز میں گفتگو کرتے ہیں اور مختلف قسم کی تعریفیں کرتے ہیں۔ لہذا اگر تو اُس مطلوبِ حقیقی کا طالب ہے اور اس محبوبِ حقیقی کی شرابِ عشق سے مست و سرشار ہے، تو تیرے لیے لازم یہ ہے کہ تو اس چھیڑ چھاڑ سے باہر نکل آ، اور مشاہدے کا دروازہ وا کر، اور سمجھ لے کہ سب امور کا مرجع وہی ہے، یعنی اہلِ صفا جو ہر وقت اپنا باطن صاف و شفاف رکھتے ہیں اور ہمیشہ اسی محبوب کے مشاہدے میں مستغرق رہتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کے مناظروں اور مباحثوں کے زنگ کو اپنے دل کے آئینے سے دور کر دیں۔ اپنے دل پہ حق تعالیٰ کی حضوری و مشاہدے کا دروازہ کھولیں کہ ہر امر لوٹ کر ادھر ہی کو جاتا ہے۔ جو کچھ بھی ہے اسی سے ہے۔ اور وہ تمام مخلوقات پر محیط ہے اور یہ ساری موجودات اسی کی نشانیاں ہیں۔ جو کچھ زمینوں میں ہے اور آسمانوں میں ہے، اسی کی میراث ہے اور اُسی کی ہستی پہ گواہ ہے۔ ہر طرف سے راستہ اُدھر ہی کو

Marfat.com

کھلتا ہے۔ ہر راہ پہ اندھا دُھند نہ چل پڑا۔ اللہ کی طرف جانے والوں کا ہمسفر بن۔ بے جا قسم کی ان بحثوں اور شکوک و شبہات پیدا کرنے والی تقریروں کو سطحی و ظاہری ملاؤں کے حوالے کر کے اُنھیں تاریکیوں میں سرگرداں کر دیا گیا ہے۔ ان کو انہی پہ چھوڑ دے اور آپ اپنی راہ اختیار کر، کیونکہ مثل مشہور ہے کہ ملّا جو یہ کہتا ہے کہ کیوں نہ کہوں، اور وہ درویش جو کہتا ہے کہ کیوں کہوں۔ ان چون و چرا کرنے والے دونوں کو کسی کسی چراگاہ میں چھوڑ دو، یعنی ہر مُلّا جو ظاہری علم کا دعویٰ رکھتا ہے، وہ لوگوں کو ہر امر کے سلسلے میں اور جاہل طبع لوگوں کو ان کے طبعی جہل کے مطابق سوال و جواب اور چون و چرا کے چکّر میں نہ ڈال دے تو وہ خود ملاؤں کے زمرے کے نا قابل ہے، اس لیے اُس نے اپنے وطیرے کو بھلا دیا اور ہر درویش جو صفائیٔ قلب کے درپے ہو مگر پھر بھی لوگوں کو بحث و تکرار اور لڑائی جھگڑے میں ڈال دے اور چون و چرا کرے تو وہ اہل حقیقت کے گروہ سے خارج ہے۔ وہ اپنی بے خلافی اور صاف دلی کی درویشانہ روش کو کھو بیٹھا۔ پس ایسے ملّا اور ایسے درویش دونوں کو کسی چراگاہ میں بھیج دینا چاہیے۔ کیونکہ وہ بھی حیوانات ہی میں سے ہیں، وہ آدمیت کی راہ سے باہر نکل گئے ہیں۔ کیونکہ جس طرح یہ بے خلاقی، صفائیٔ قلب، حقیقت بینی اور انصاف پسندی، جو بھلے اور اللہ والے لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے کہ یہ سب اوصاف ذاتی شرافت و حُسنِ آدمیت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ جنگ و جدال، مغائرت، مناظرے اور مباحثے، حق پوشی اور تعصب بُرے آدمیوں اور گمراہ بحث کرنے والوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ اس کے سوتے بھی بد نفسی اور انسانی جہالت سے پھوٹتے ہیں۔ ایسے اُمور تو حیوانات سے بھی ظہور پذیر نہیں ہوتے۔ پس جو آدمی نیکوں اور بدوں کے زمرے سے خارج ہو جائے اور ان میں سے کسی میں بھی داخل نہ ہو تو یقیناً اس کا شمار حیواناتِ مطلق میں ہو گا۔ بلکہ وہ ان سے بھی بدتر ہے جیسے کہ قرآن میں آیا ہے کہ وہ چوپائے حیوان ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ تعلیم یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اکثر حقیقت نا آشنا لوگ غیرت اور تعصب میں تفریق نہیں کرتے، اور دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ اور اپنے تعصب کی بنا پہ ہر وقت جوش میں رہتے ہیں۔ لوگوں سے کڑوی کسیلی باتیں کرتے ہیں۔ اور کہتے یہ ہیں کہ ہم میں دینی غیرت ہے۔ اگر آدمی میں غیرت نہ ہو تو وہ اس کی بے دینی اور ایمانی کمزوری کی خبر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ درشتی اور بد اخلاقی جو ان جاہلوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ تعصب کی راہ سے ہے جو قابلِ مذمّت ہے نہ کہ غیرت کی وجہ سے جو قابلِ ستائش ہے۔ ان پہ ان ہر دو اُمور کا فرق ظاہر نہیں ہوا ہے کہ وہ اس

Marfat.com

کی بنا پہ ایک کا دوسرے سے امتیاز کر سکیں۔ تعصب اور غیرت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ نفسانیت و غیرت میں ہے۔ غیرت ایک قابلِ تعریف امر ہے جیسا کہ غیرتِ خداوندی غیرتِ انبیا (ان پر خدا کا درود و سلام) اور غیرتِ اولیا (انھیں خدا کی خوشنودی حاصل ہو) مشہور ہے۔ نفسانیت ایک قابلِ مذمت چیز ہے اور عوام کے نزدیک معیوب ہے۔ بے غیرتی اک عیب ہے اور بے غرضی اک ہنر ہے جس طرح اگر غیرت نہ ہو تو دنیوی امور کا نظام اور اُخروی اُمور کا سرانجام احسن طریق سے ظہور میں نہیں آسکتا، اسی طرح جب تک انسان بے غرضی اختیار نہ کرے تو انسان میں نہ تو اتفاق اور حصولِ محبت اور نہ ہی نفاق و دشمنی کو دُور کرنے کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی دوسری سرداری پیشوائی، ولایت اور قربِ حق تعالیٰ پہ فائز ہو سکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ عداوت رکھ، کیونکہ وہ انتقام لیتا ہے۔ یہیں سے کہتے ہیں کہ نفس کا مارنا راہِ سلوک کا پہلا قدم ہے اور سلوک کے تمام مقامات و منازل کی ابتدا ہے (یعنی دیباچہ ہے) تمام طریقوں والے اس امر پہ متفق ہیں اور اخلاق کو سنوارنے میں نفس کشی سرفہرست ہے۔ اور ان سب میں حمیت (غیرت) و تعصب کا امتیاز نہایت ضروری اور ان ہر دو کے اصل منبع کو بیان کرنا چاہیے تاکہ مخلص محمدیؐ حمیت و غیرت کے قلعے میں اپنے دین و ایمان کو ان دشمنوں کے فتنہ و شر سے محفوظ رکھ سکیں اور بے تعصبی کے راستے اپنے دلوں پہ ہدایت و تربیت کے دروازے کھولیں، کیونکہ تعصب فیض کے دروازے کو بند کر دیتا ہے۔ اور دونوں جانب پہ حصولِ فیض اور فیض رسانی کی راہوں کو بند کر دیتا ہے۔ جب کہ جو کچھ حاصل کیا جائے حمیت اس کی پاسبانی کرتی ہے۔ لہٰذا تعصب کو جو فیض یابی میں اک رکاوٹ ہے دل سے بالکل دُور کر دینا چاہیے۔ اور اس کی جگہ حمیت کو بٹھانا چاہیے جو اس خزانے کی نگہبان ہے۔ ان دونوں امور کی حقیقت یہ ہے کہ تعصب کا منبع تو جہالت ہے اور احمقوں اور مقلدوں کو لاحق ہوتی ہے۔ یعنی جب وہ کسی سے اپنے اعتقادات کے خلاف کوئی بات سنتے ہیں یا کسی سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا دیکھ لیں جو ان کی طبیعتِ ثانیہ بن جانے والی عادت کے خلاف ہو تو جہالت کی بنا پر بے حوصلہ ہو جاتے ہیں اور ایسی حرکتیں کرنے لگتے ہیں جو نہیں کرنی چاہئیں وقتی اصلاح و عدالت کے سلسلے میں سزا دیتے وقت حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور اصلاح کی بجائے مزید فساد برپا کر دیتے ہیں۔ آخر وہ کیوں تنگ نہ آئیں۔ نہ ان احمقوں نے اپنے ہی دین کی حقیقت کو سمجھا ہوتا ہے نہ ہی دیگر مذاہب کی حقیقت کو پہچانتے ہیں۔ فسادیوں کی واہی تباہی باتیں سُن کر

Marfat.com

ان سادہ لوح بھولے انسانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات کی خلش پیدا ہو جاتی ہے جس کے دور کرنے سے وہ عہدہ برآ ہو نہیں پاتے۔ اسی بنا پر بنا سوچے سمجھے وہ لڑائی جھگڑائی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور خود کو اور دیگر ہم نصیحتوں کو بھی بدمزہ کرتے ہیں۔ اور حمیت اور غیرت کا اصل منبع علم ہے جو عاقلوں اور محققوں کا حصہ ہے، یعنی ان بزرگوں پر چونکہ ہر امر کی حقیقت صاف طور پر واضح ہوتی ہے اور ان کی باطنی آنکھوں سے پوشیدگی کا پردہ بھی دور ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی نادان سے کوئی بے اصل بات سنتے یا کوئی ایسا فعل دیکھ لیتے ہیں جو انھیں نہ کرنا چاہیے تھا تو اپنی ہدایت، حکمت، حقیقت آشنائی اور اطمینان نفس کی بدولت ان کا علم و فضل جوش مارتا ہے اور غیرت جاگ اٹھتی ہے اور انھیں ترغیب دیتی ہے کہ ان ناواقفوں کی رہنمائی کر کے انھیں امر واقعی سے آگاہ کریں۔ خواہ تحریر و تقریر سے ہو یا ڈانٹ ڈپٹ اور سزا سے جیسے بھی بن پڑے۔ ان بھٹکے ہوئے ہوؤں کو راہِ راست پر لانا چاہیے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو اسی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا اور اولیائے کرام کو بھی اسی کارِ خیر کے لیے پیدا کیا۔ عوام پر ان کی خفگی اور غصہ ایسے ہی ہوتا ہے جیسے استاد کی شاگرد سے خفگی اور بیٹے کی تہذیب و تادیب کے لیے باپ کا غصہ و ناراضگی جو دونوں علم اور رحم سے پیدا ہوتے ہیں کہ جہالت یا عداوت سے اور استاد اور باپ کبھی حد سے زیادہ قہر و غصہ نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کا مقصود بچے کی اصلاح ہوتی ہے نہ کہ اس کا بگاڑ۔ پس ظاہر ہوا کہ تعصب فساد کا سبب ہے اور حمیت اصلاح کا سبب ہے۔ سبحان اللہ عارفانِ حق جو دنیوی اور اخروی تمام مراتب کو جانتے پہچانتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علم و حکمت کے امانتدار ہوتے ہوئے بھی اپنے ذاتی جہل سے غافل نہیں ہوتے جس کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ بے شک انسان بڑا ظالم اور جاہل واقع ہوا ہے اور حقیقت کے نہ پا سکنے پر ہمیشہ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ نہ پایا جا سکا وہ ان کے فہم کا قصور ہے اور جو کچھ پا لیا گیا ہے وہ وہم پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ہر امر جو اپنے اندر معلولیت کی حیثیت رکھتا ہے اور اس صاحب کو معلوم نہیں یا وہ اسے سمجھ ہی نہیں سکتا کہ یقیناً یہ معاملہ ان کے اپنے فہم کا قصور ہے۔ ورنہ تمام حقائق و علمی صورتیں معلومات الٰہیہ میں شامل ہیں۔ اور وہ ذات باری تعالیٰ ہر امر کی حقیقت کو خوب جانتی ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ وہ ہر شے کے جاننے والا ہے۔ اور جو کچھ دریافت ہو گیا اور سمجھ میں آ گیا تو اس یافت کا منبع دلالت وہم ہے، کیونکہ اعتبارات و اضافات کے

Marfat.com

سوا اور نہ تو کچھ معلوم ہوتا ہے نہ فہم میں آتا ہے، اور کسی شے کی ذات جیسی کہ وہ ہے ادراک میں نہیں آئی۔ کوئی شک نہیں کہ اعتبارات موہومہ امور ہیں اور ذہنی وجودات میں داخل ہیں۔ پس پا لینا یا نہ پانا دونوں امور بے اعتبار ہیں اور اللہ علیم وحکیم ہے۔ **سوال** اگر تو یہ کہے کہ اس بیان سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے علم کے سوائے ہر موجود کی یافت بالکل وہم سے پیدا ہوتی ہے۔ پس پھر عوام اور خواص کی یافت میں کیا فرق ہوگا۔ اور یافت کے صحیح یا غلط ہوتے اور حکمت و عدم حکمت کا تعین کیسے ہوگا؟ **جواب** جواباً میں یہ کہوں گا کہ اس تحریر سے ہماری مراد کسی یافت یا نایافت کی نہ کا بیان کلیتہً و اطلاقاً اعتبارات کے ملاحظہ اور ان کے افراد کی قید کے بغیر بلحاظ تقیید و جزئیت۔ جیسے کہ تمام اعلیٰ وادنیٰ اور کامل و ناقص مراتب میں فرق اور امتیاز ہے۔ اسی طرح خواص اور عوام کی دریافت کے اندر ہیں۔ درست و نادرست اور حکمت اور عدم حکمت کے درجات میں فرق ہے۔ دانشوروں نے حکمت کی تعریف یوں لکھی کہ موجودات کی علمی صورتوں کا علم جیسے کہ وہ فی نفسہٖ ہیں۔ پس یہی بشری طاقت ہی وہم ہے۔ اسے سمجھ لو کہ یہ طاقت بشری کے مطابق کائنات میں اس کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں۔ لہٰذا سبھی کو اسی ہی کو سونپ دو، اور حقیقت علم کا وہی لائق اور سزاوار ہے جس کا علم عین اس کی اپنی حقیقت ہے۔ اور یہ بات فقط حق تعالیٰ ہی سے مخصوص ہے، لہذا سب مجازی علما اور ان کی اعتباری معلومات کو علیم حقیقی کے حوالے کیجیے۔ اور اس ساری کثرت کی ڈور اسی ایک وحدت حقیقی کے ہاتھ میں دے دینی چاہیے، تاکہ ان اعتباری کثرتوں کے امور تھیں پراگندگی کے بھنور میں نہ ڈال دیں اور حقیقت کے مشاہدے سے غافل نہ کر دیں، جیساکہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ ہر گروہ ان لوگوں میں سے جو کہ متفق ہیں استعداد میں اور برابر ہیں عقل میں، یا پیروی کرتے والے ہیں ایک ہی متبوع کی، خوش ہوتے ہیں جو ان کے پاس ہے کھل جاتے ہیں اور مطمئن ہوتے ہیں ان معتقدات سے جو کہ ثابت ہو گئے ان کے نزدیک یا تو د سمجھنے سے یا کسی کا تتبع کرنے سے۔ اور اللہ جانتا ہے حقیقت اس چیز کی جو اُن کے سینوں میں ہے اور ہر ذی علم سے بڑھ کر جاننے والا موجود ہے۔ آہ وہ معانی جو دل پہ نازل ہوتے ہیں وہ الفاظ میں نہیں سماتے۔ اور نہ ہی عبارات ان کے بیان میں مدد کرتی ہیں اور دلی مطلب پورا نہیں ہوتا۔ لفظ آہ جو رنج واضطراب پہ دلالت کرتا ہے۔ وہ مطالب حقیقیہ کے ورود کے انتہائی جوش وخروش اور معارف کی نزول کی کثرت اور طاقت بشری کی نامساعدت بیان کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اس جامع مرتبہ حقیقت کے جو حقائق اور دقائق عارف ذات کے دل پہ نازل ہوتے ہیں اور اس مقام پر مطالب کے تقدم و تاخر اور لفظوں اور صداؤں سے مشروط مقدمات کی ترتیب کے

Marfat.com

حجابات بھی اٹھا لیے جاتے ہیں، بلکہ ان معانی کے نزول میں یکایک اور دفعۃً کہنے کی گنجائش بھی نہیں محض کشف ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا جونہی بیان کرنے کا ارادہ دل میں پیدا ہوتا ہے اور توجہ اُدھر مائل ہوتی ہے تو الفاظ کے آگے پیچھے ہوتے اور ان لفظوں اور صداؤں کے تقید زمانی کی وجہ سے عجب دل تنگی اور وحشت کا اطلاق ہوتا ہے اور ظاہری عبارات ان باطنی انکشافات کے پردے کو ہٹا نہیں سکتیں۔ جس کسی سے جتنا کچھ بیان ہو گیا، وہ کر دیتا ہے اور جو بات پردۂ اخفا میں رہ گئی، سو رہ گئی، اس کے علاوہ ان ظاہری حروف و نقوش سے داغداروں کا باطن عارفین کے مطلب کو چھوتا تک نہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ اسے نہیں چھُو سکتے مگر طاہر و مطہر لوگ، میرا سینہ تنگ ہوتا ہے۔ اور میری زبان بول نہیں پاتی۔ اے میرے رب میرا سینہ فراخ کر دے۔ اور میرا معاملہ آسان فرما۔ اور میری زبان کا عقدہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھیں۔ ضیق (دل تنگی) تقید کے مقتضیات میں سے ہے۔ اسی لیے اسے مقید کیا گیا اور اُسے منسوب کیا گیا۔ سینے کی طرف جو کہ انسان کے مقید اعضا میں سے ہے۔

اور مُراد سینے سے اہلِ سینہ ہے یعنی انسان کا نفس۔ جیسے کہا جاتا ہے عالم اور اُس سے مُراد اہلِ زمانہ ہوتے ہیں۔ اور انطلاق اطلاق کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے مطلق کے جاری و ساری ہونے سے مقیدات میں اور اُس کا شامل ہونا اس کے اندر۔ پس نہیں حاصل ہوتا یہ انطلاق بیان میں اطلاق کے طریق پر زبان میں سے جو کہ مخصوص جُز ہے بدن کے اعضا میں سے اور نہیں بات کرتی زبان اظہارِ مطلب میں جیسا کہ اس کا حق ہوتا ہے۔ پس زبان دُعا کرتی ہے اپنے ربِّ اعلیٰ سے جس نے کہ احاطہ کر رکھا ہے تمام مراتب اطلاقیہ اور تقیدیہ کا۔ تاکہ وسیع کر دے میرا سینہ یعنی میرے دل کو منوّر کر دے اپنے اطلاق کے شہود کے نور کے ساتھ، کاملیت کے ساتھ اور تمامیت کے ساتھ، طاقتِ بشریہ کی مقدار کے مطابق تاکہ وسیع ہو جائے اس سے میرا سینہ اور آسان کر دے میرے لیے اپنے عطا کردہ وجود کی آسانی کے ساتھ میرا معاملہ جو کہ میرا وجودِ موہوم ہے اور اپنی بلندی پر وہ بوجھل اور دشوار ہے سوائے تیری مدد کے ساتھ۔ اور یہ بات تجھ پر بڑی سہل اور آسان ہے تاکہ تو آسان کرے میرے لیے تمام امور کو برکت کے ساتھ۔ اور مطلق آسان کر دینا تیرے ہی لیے ہے اور کھول دے میری زبان کی گرہ یعنی مجھے عطا کر بیان شافی کافی جس میں کوئی پوشیدگی نہ ہو تاکہ لوگ میری بات سمجھیں اور ذہن میں سوجھ بوجھ حاصل کریں اور پہنچ جائیں اس

Marfat.com

ذات کی طرف جس کی طرف میں اُنھیں بلاتا ہوں اور وہ وسیلہ یقین کے ساتھ حاصل کریں اور وہ جان جائیں کہ کہ وہی ہے جو منسوب کرتا ہے طاقت اور قوت کو اپنے نفس کی طرف، اس کے پاس کوئی عرفان نہیں ہے۔ نہیں ہے کوئی طاقت اور قوت مگر اللہ کے لیے۔ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود پکارتا ہے تو اُس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اس کی، نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ اس مطلب کے عبارت میں نہ سما سکنے کے سبب سے اور سینے کی تنگی کی وجہ سے نارسائی کی طرف اشارہ ہے جو بالکل صحیح ہے۔ عیاں کو بیان کرنے کی کیا حاجت؟ کہ بیان کا تعلق نظری اُمور سے ہے۔ بدیہی (واضح) مقدمات کو جمع کر کے نظری مطلب نکالنے کے لیے ترتیب دیتے ہیں اور اُسے برہان یعنی دلیل کہتے ہیں۔ بدیہی مرتبہ جو عیاں ہے اس کا بیان کرنا اک زائد سی بات اور تحصیل حاصل ہے۔ لہٰذا ذات الوجود اپنی کثرت کے اعتبار سے نظری اور بدیہی مراتب پہ محیط ہے۔ وہ عارفوں کو بیان پہ اکساتی اور اُنھیں معرفتِ حق کے بحرِ بیکراں میں ڈال کر ان کی زبان کو دراز (گنگ) کر دیتی ہے اور وہ اپنی اچانک آمد سے مشاہدۂ ذات میں مستغرق و محو لوگوں کے لبوں پہ مہرِ سکوت لگا دیتی ہے اور اُنھیں اس مقولے کا آئینہ دار بنا دیتی ہے کہ جس کسی نے اُسے پہچان لیا یا ع جو پا گیا ہے راز وہ گم ہے خموش ہے۔ پس اس باب کو ہم اس فقرے پہ ختم کرتے ہیں جو تمام مراتب کو ختم کرنے والے مرتبے پہ دلالت کرتا ہے اور ان ظاہر معانی کے عیاں ہونے کی وجہ سے بیان کو ختم کرتے ہیں۔ اسی سے ابتدا ہے اور اسی پہ انتہا ہے۔ رباعی:

برخیزد اگر ز دل قیود باطل
محو از نظرت شود شہود باطل
یعنی کہ وجود حق بروی اظہار
برقع افگندہ از نمود باطل

ترجمہ رباعی: دل سے اگر باطل کی بندشیں دور ہو جائیں تو تیری نظر سے باطل کا مشاہدہ محو ہو جائے یعنی کہ حق تعالیٰ نے اظہار کے چہرے پہ نمودِ باطل کا برقع ڈال رکھا ہے۔ (مصنف رباعی کی وضاحت خود یوں کرتا ہے کہ) باطل قیود سے مراد عالم کی یہ موہوم تعینات ہیں۔ اور ان کے دل سے اُٹھ جانا عبارت ہے انسانی نفس کا نفسانی خواہشات و لذّات و مکروہات سے تقاضائے بشری کے مطابق ہی التفات کرنے سے اور ان اعتبارات کا نظر شہود سے محو ہو جانے سے مراد ہے اس حقیقت کو پا لینے سے کہ

Marfat.com

حقائق ممکنہ تمام کے تمام عدمی معانی ہیں اور ان میں حضرتِ وجود کے سوا اور کوئی موجود نہیں۔ یعنی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے روئے اظہار کی ان کثیر التعداد شاخوں اور طرح طرح کے اعتبارات کا برقع اوڑھ رکھا ہے۔ اور اپنے آپ کو ان حجابات میں چھپایا ہوا ہے۔ عدم جو اک باطل چیز ہے وہ کبھی وجود میں نہیں آتی۔ امرِ حق کے سوا کچھ بھی پیدا نہیں اور وہی وجود حق ہے۔ ہمارے رب نے یہ ساری کائنات یونہی باطل تو نہیں بنائی۔

Marfat.com

هوالناصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے ہر حالت میں اور شکر اسی کے لیے ہے اس کی اس نعمت پر جو اُس نے کی مجھ پر بزرگی دینے اور فضیلت دینے کے ساتھ، اور درود و سلام ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کمال کے مراتب کے ختم کرنے والے پر اور آپ کی آلؓ اور اصحابؓ پر جو فضیلتوں والے ہیں۔ اما بعد پس یہ اکسٹھواں (۶۱) باب ہے جو نعمت اللہ سے موسوم ہے پس شکر ادا کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔ نعمت وہ ہے جس سے احسان اور نفع کا قصد کیا جائے۔ پس جب احسان کیا اللہ نے تم پر وجود کے عطیے کے ساتھ اور تمھیں وجود دیا اور بنایا تمھیں موجودین میں سے اور تمھیں دی نعمتِ کمالاتِ وجودیہ زندگی میں سے اور علم اور سماعت اور بصارت وغیرہ میں سے پس تم پر لازم ہے کہ تم اس کا شکر کرو ان کمالات کو استعمال کر کے بھلائی کے مواقع پر اور نہ انکار کرو اپنے رب کی نعمت کا جھوٹی شکایات کے ساتھ۔ جو کہ واقع ہوتی ہیں تمھارے سینوں میں تمھارے نفسوں کی خواہشات کے برانگیختہ کرنے پر۔ اے رب اس قوم کو کیا ہو گیا۔ کیا یہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔ کیا یہ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا کفر کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ جانتے ہیں اللہ کی نعمت کو پھر اس کا انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر کافر ہیں۔ اے محمدؐ لو! غنیمت جانو اس نعمت غیر مترقبہ کو جو اللہ نے تم پر کی اس کتاب کو دیتے ہوئے۔ پس اسے پکڑ لو قوت کے ساتھ اور یاد رکھو جو کچھ اس کے اندر ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ بے نیاز کر دیا تمھیں حق تعالیٰ

Marfat.com

نے تمام کتب سلوک و تصوف و اخلاق سے یہ کتاب عطا کر کے اور مکمل کر دیا تمھارے لیے تمھارا دین اور تمام کر دی اپنی نعمت اور دین اسلام کو تمھارے لیے پسند فرمایا۔ پس طلوع ہوتا ہے تم پر خالص محمدیت کا سورج، اسی کے مطالعے سے جو درخشاں ہے افقِ اعلیٰ پر جو کبھی غروب نہیں ہوتا۔ اللہ میرا رب ہے اور تمھارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو اور اُس کے رسول کی جو میرے اور تمھارے متبوع ہیں انھی کی پیروی کرو۔ اسی طرح وہ مکمل کرتا ہے تم پر اپنی نعمت تاکہ تم سر تسلیم خم کر دو۔

شکر و شکایت کے بیان کا باب

اس امر کا بیان کہ انسان کا حال کسی وقت بھی شکر و شکایت کی اہلیت سے خالی نہیں ہوتا۔ پس اگر چشمِ بصیرت نعمتوں پر کھولی جائے جو شکر کا مستوجب ہیں تو یہ عین سعادت ہے، اور اگر ان اُمور پر نظر امتیاز ڈالی جائے جن سے شکایت لازم آتی ہے تو یہ انتہائی دکھ کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت انسان پر رحمت کرے۔ راضی برضائے حق ہو کر ہمیشہ شکر و شکایت کی کشمکش میں مبتلا رہتا ہے اور سکون و اطمینان کی باگ ڈور ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے سوائے اس کے جو داخل ہو گیا اللہ کی حمایت اور اس کی حفاظت میں، پس وہ ہمیشہ شاکر و راضی ہوتا ہے۔ اور انسان جب کسی امر کا ادراک کرتا ہے جس سے طبعاً اسے اختلاف یا نفرت ہو تو فطری طور پر اس کی شکایت کرنے لگتا ہے۔ پس وہ گلہ شکوہ اگر حد سے تجاوز نہ کر جائے تو وہ فطری دلالت میں داخل ہے۔ چونکہ لفظ اُخ اُخ مندرجہ بالا تکلیف یا دکھ پہ دلالت کرتا ہے وہ شکوہ و شکایت میں شمار نہیں ہوتا۔ اور اگر اسی امر کے تقاضے کی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ شکوہ ہے اور بے طاقتی اور بے صبری میں ضعیف البنیان انسان لاچار و مجبور ہے۔ خود قرآن کہتا ہے کہ انسان کی تخلیق ہی ضعیف ہوئی۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ محض اپنے انتخاب سے اپنے خواص (خاص الخاص) بندوں کو مصیبتوں میں صبر اور قضائے الٰہی پر راضی رہنے کی قوت عطا فرما دیتا ہے۔ اور اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے مختص کر دیتا ہے۔ اور جس وقت انسان کسی من پسند امر کا ادراک کر جائے تو فطری طور پر خوش و خرم ہو جاتا ہے۔ پس یہ خوشی و مسرت اگر حد کے اندر ہے تو فطری حرکت شمار ہوگی۔ اور اگر اُس کے عوض میں کوئی قولی یا فعلی تعریف کی جائے تو اسے منعم کے شکر سے منسوب کیا جائے گا۔ اب میں انسان کی ناشکری و شکر گزاری کی اصل حقیقت بیان کرتا

Marfat.com

ہوں۔ سمجھ لیجیے کہ شکوے کا باعث یہ ہے کہ انسان چونکہ کل و جزو کا ادراک رکھتا ہے اُسے نعمتوں کی شکل میں جو کچھ ملتا ہے اس کے تمام ٹکڑوں کو مجموعی طور پر اپنے تصوّر میں لاتا ہے اور ان کی ممکنہ صورتوں کو اپنے ذہن میں تراشتا ہے۔ چونکہ ممکنات کے مراتب میں باہمی فوقیت و برتری کا امتیاز کرتا ہے وہ حاصل شدہ امر پہ قناعت نہیں کرتا اور اس کے بلند مرتبے کے حصول کی تمنّا کرتا ہے۔ وہ خواہ کتنی ہی نعمتوں کا مالک کیوں نہ ہو لیکن استعدادی بلندی کے باعث حاصل شدہ نعمتوں پر اکتفا نہ کرتے ہوئے شکر نہیں کرتا اور مزید طلب کرتا ہے۔ زیادہ طلبی کی یہی قوت نفس انسانی کی عظمت و ترقی کا باعث بنتی ہے۔ اگر اسے باقی رہنے والے امور کے سلسلے میں بجا طور پر استعمال کیا جائے تو اعلیٰ علیّین کے بلند درجات کا موجب بنتی ہے اور اگر فانی خواہشات نفسانی پر بے جا طور پر صرف کیا جائے تو اسفل السافلین کے پست ترین طبقات کا سبب بنتی ہے۔ حاصل ہونے والی نعمت و دولت اصل خوشی اور مسرّت دو وجہ سے ہوتی ہے۔ ایک تو حقیقت شناسی اور معرفت کی راہ سے اور دوسرے پست ہمتی و حماقت کی راہ سے، حقیقت شناسی اور معرفت سے ملنے والی خوشی کو شکر کی ادائگی کا نام دیتے ہیں۔ یعنی خدائی انعامات کے تمام مراتب کی حقیقت کو سمجھ کر اس کی کمی و بیشی کی کیفیت کو کما حقہٗ دریافت کرکے جو کوئی انعام بھی اُسے حق تعالیٰ نے عطا کیا ہوتا ہے اس پہ راضی ہو کر اپنے نفس کو زیادہ طلبی سے روکتا ہے۔ کیونکہ اس کی تو کوئی حد و انتہا ہی نہیں اور انعامات کے تمام مراتب کو حاصل کر لینا کسی ایک بندے کے لیے محال و دشوار شمار کرتا ہے۔ لہٰذا یوں جو کچھ اُسے قدرتِ کاملہ نے عطا کیا ہے اسی پہ قناعت کر لیتا ہے اور خوش و خرم ہو جاتا ہے۔ اور اپنے دل کو بے آرام اور پریشان نہیں کرتا۔ دوسرے لوگوں کے سامنے ان انعامات کے بیان کو اللہ تعالیٰ کے شکر کا بیان ہی سمجھتا ہے۔ جیسا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں نبیؐ پاک (ان پر خدا کا درود و سلام ہو) کو فرمایا کہ اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجیے (یعنی زبان سے قولی شکر بھی کیجیے) چاہیے کہ بدنی اعضا کے ساتھ بھی جہاں تک ہو سکے ان انعامات کے متعلق مناسب نیک اعمال میں مصروف رہے (فعلی شکر) کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ شکر عبارت ہے اللہ تعالیٰ کے جملہ انعامات پہ اپنے بدنی اعضا اور ظاہری و باطنی قوا کو صرف کرنے سے۔ پس اس قسم کو خوب سمجھ کر اس کے مطابق اقوال و افعال کا سرزد ہونا ادائے شکر ہے۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ ایسے شاکر و شکرگزار بس کہیں خال خال ہی نظر آتے ہیں جیسے خالقِ کائنات جل شانہٗ نے خود فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں

Marfat.com

شکر گزار تھوڑے ہی ہیں۔ اور جو خوشی پست ہمتی و حماقت سے حاصل ہو اُسے شکر نہیں کہتے۔ وہ تو اک قسم کا فخر ہے یعنی اترانا جو کم ظرف، کم حوصلہ، بر خود غلط، پست فطرت، کم ہمت اور جاہل ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور حیوانوں جیسے اکثر انسانوں سے سرزد ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں واضح طور پر آیا ہے کہ زمین پر اترا کر اور اکڑ کر نہ چل، اللہ تعالیٰ ایسے شیخی خورے بندوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اللہ کے عارف اور عاقل بندے اس قسم کے گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ معرفتِ حق کے تقاضے سے امرِ حق کے سوا اور کسی بات کا اظہار نہیں کرتے۔ اور ان کے عقلی ثالث (سرپنچ) کے بچھڑ جانے کا بھی کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ مسیلمہ کذاب (جھوٹے دعویدار) کا دعویٰ نبوت اور ہے اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوّت کچھ اور ہے۔ شیطنت کو آدمیت سے کیا نسبت؟ فرعونیت کو موسائیت سے کیا مناسبت؟ بادشاہوں کا غرور نفسانیت کی بنا پر ہوتا ہے اور درویشوں کا افتخار جلوۂ الوہیت سے۔ حاصل مطلب یہ کہ اللہ سے نسبت اور دلِ آگاہ کے حاصل ہوتے اور عرفان و اطمینان قلب میسر ہونے کے بعد آدمی سے جو کچھ بھی ظہور پذیر ہوگا یقیناً وہ راستی اور نیک نیتی پر مبنی ہوگا اور جو کچھ غفلت، سرکشی، جہالت اور کوتاہ بینی سے حاصل ہوگا یقیناً وہ غلط ہوگا، بُرے ارادے سے ہوگا اور ابتر۔ اگرچہ بظاہر خوشنما ہو اور اُس وقت اس کی بُرائی نظر نہ آتی ہو، لیکن آخر کار اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا اور نہ ہی وہ مطلوب تک پہنچنے کا راستہ کھولے گا کیونکہ ابتدا ہی سے اس غافل کو اس فعل کی علّتِ غائی نظر نہ آئی اور وہ اس کی ظاہری علّت ہی پر فریفتہ رہا۔ خبردار، ہوشیار دنیاوی لذات و آلام پر ہمت صرف نہ کر، دل کو ظاہری عُسرت سے تنگ نہ کر، اور دنیوی معاش کی آسائش و فراخی کی طرف مت دوڑ۔ بیماری کے ازالہ میں اتنی ہمت صرف نہ کر، اور صحت کی بیباکانہ وار ہنسی نہ اُڑا۔ یہ اُمور تو خود بخود جس طرح گزر رہے ہیں گزرتے جائیں گے اور جب تک زندگی ہے تم رنج و راحت کی اس کشمکش سے فارغ نہ ہو گے۔ اور تم کبھی ایک ہی حال میں آسودہ نہ رہ سکو گے۔ بسا اوقات تو مکروہ بھی من پسند نظر آئے گا اور گاہے مطلوب بھی معیوب دکھائی دے گا۔ عیش و نشاط کے امور اندوہ زا ہوں گے۔ اسبابِ جمعیت سے پریشانی بڑھے گی۔ لہذا ساری کوشش جمعیتِ قلب کے لیے صرف کر دے اور اِدھر اُدھر این و آں کو نہ دیکھ۔ رباعی:

گر نالۂ دل مرا صدای چنگ ست
گاہی دلم از نوای نے دلتنگ ست

Marfat.com

از نغمۂ شکر و شکوہ ام نیست گزیر
تا تار نفس ہست ہمین آہنگ ست

ترجمہ رباعی: کبھی تو میرے دل سے نکلنے والے نالے ہی پہ مجھے چنگ و رباب کی سروں کا گمان گزرتا ہے اور کبھی میرا دل تنہائی کے سُریلے سروں سے اکتا جاتا ہے۔ مجھے شکر و شکایت کے نغمہ سے مفر ممکن نہیں۔ جب تک تارِ نفس قائم ہے یہی نغمے اور سُریں پھوٹتی رہیں گی۔ (مصنّف کی اپنی وضاحت کے مطابق) نالۂ دل سے مُراد دل کا غمگین و دردمند ہوتا ہے اور حاصل مطلب یہ کہ کبھی انسان کا حال یوں ہوتا ہے کہ عین غم و اندوہ کے عالم میں اپنے درد و اندوہ سے لذت پاتا ہے اور خوش ہوتا ہے جیسے عاشقوں کی حالت ہوتی ہے کہ اُن کا وہ دردِ عشق ہی ان کے لیے لذتِ عشق کا کام دیتا ہے اور اس کیفیت میں ان کے دل سے نکلنے والے نالوں ہی میں ان کے لیے چنگ و رباب کے سُروں کی لذّت ہوتی ہے اور نولئے نئے سے ہمارا مقصود عیش و نشاط کے اسباب ہیں اور کبھی انسان کا حال ایسا ہوتا ہے کہ شادی و مسرّت کے اسباب بھی دل تنگی اور غمگینی کا موجب بنتے ہیں جیسے کہ ہجر کے ماروں کی حالت کہ طرب و نشاط کے سارے سامان مہیا ہوتے ہوئے بھی دردمند جیسے چمن اور سرو سمن کی سیر میں بھی دوستوں کی جدائی اور ان کی یاد اذیّت ناک ہوتی ہے، جیسے کہ فقیروں کی حالت۔ کہ یہ تارکِ دُنیا حضرات دنیوی اسباب سے ایسے بیزار اور تنگ ہوتے ہیں۔ جس طرح دُنیا دار بندے ان کے فقدان سے اور یہ اپنے فقر و فاقہ میں یوں مست و سرشار اور خوشحال ہوتے ہیں۔ جیسے کہ دنیا دار اشیائے خورد و نوش کی فراوانی پہ۔ اور نغمۂ شکر و شکوہ سے ہمارا مطلب ان کلمات کا بیان کرتا ہے جو شکر و شکایت کے مناسب ہوں اور جب تک زندگی ہے انسان ایسے حالات سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ کیونکہ یہاں جو کچھ بھی موجود ہے سب فانی ہے اور فنا احوال کے اسی تغیر و تبدل سے عبارت ہے۔ لہذا چشمِ بصیرت ان مختلف اُمور پر نہ کھولنی چاہیے اور اپنے دل کو غم و شادی کا یوں گرویدہ نہ بنانا چاہیے۔ دیکھئے قرآن پاک کی یہ واضح آیت کریمہ کہ جو چیز تم سے جاتی رہے اس پر رنج و افسوس نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی اتراتے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ اطمینان قلب کے حصول کے لیے ہمہ اوقات ہمت صرف کرنی چاہیے اور اپنی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی حضوری و مشاہدۂ ذات کی نسبت کی حفاظت پر مبذول کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمھیں اپنے حبیبؐ کے صدقے

Marfat.com

اس نسبت سے حصّہ دے ۔ اور رباعی میں تار ، آہنگ ، نئے چنگ ورباب اور اسی قسم کے دیگر مناسب الفاظ لائے گئے ہیں ۔ سخن فہم حضرات سے ان کا لطف پوشیدہ نہ ہوگا ۔ عجب تماشا ہے کہ اختیار کو اس میں کوئی عمل دخل نہیں ، یعنی آمد ہے آورد نہیں ۔ گاہے دل کا یہ حال ہوتا ہے کہ نفسیاتی مکروہات کے ہوتے ہوئے بھی شاد و شاد کام ہے ۔ اُسے قطعاً پرواہ نہیں ہوتی ۔ اُسے ان چیزوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ۔ تعجب تو اس تماشے پہ ہے جسے ہر آدمی ہر وقت دیکھ بھی رہا ہے ۔ یہ اسی طرف سے نظر آرہا ہے کہ ہر چند کہ ارادی امور میں انسان کو اختیار معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن فی الحقیقت اسے کچھ اختیار نہیں ہوتا ۔ اگرچہ ناپسند و مکروہ چیزوں کا وجود اور وہ امور جو انسانی طبع کے مخالف ہوتے ہیں اور ظاہر میں نفس کی اذیت کا باعث لگتے ہیں لیکن جب بعض اوقات غور کیا جائے تو یوں دکھائی دیتا ہے کہ دل ہرگز ان چیزوں کی طرف متوجہ ہی نہیں گویا کہ یہ عوارض کسی اور کو لاحق ہیں اور اس معاملے میں اس کی شراکت ہی نہیں بلکہ ان مکروہات سے ناراضی کی بجائے خوشی و لذت حاصل کرتا ہے اور شرابیوں (شراب نوشوں) کی طرح اسے شراب جتنی کڑوی ، کسیلی اور تند و تلخ ملتی ہے اتنی ہی زیادہ لذت آتی ہے اور کبھی باوجود اس کے کہ نفسانی خواہشات و لذات کے سامان مہیّا ہوتے ہیں اور بظاہر وہ اتنے زیادہ مکروہ بھی نہیں لگتے ، لیکن پھر بھی دل تنگی ، پریشانی ، اور پریشان حالی کا اسیر ہے یعنی بسا اوقات انسان کو یوں اتفاق ہوتا ہے ظاہری اسباب تعیش اور سامان طرب نفسانی میسر ہوتے ہوئے بھی طبیعت میں گھٹن و پریشانی ہے ۔ اگرچہ اس وقت کوئی مکروہ چیز رونما نہیں ہوتی اور آج بھی وہی حال ہے جو کل یا پرسوں تھا ۔ لیکن وہ اس وقت وہی دل تنگی و گرفتگی جو کسی طرح کھلنے کا نام ہی نہیں لیتی ۔ تھوڑی دیر بعد یہ کدورت خود بخود زائل ہو جائے گی اور اُسے کشادگی اور فراخی مل جائے گی ۔ ورنہ زندگی بسر ہوتی تو کیسے ؟ ایسی حالت سبھی پہ طاری ہوتی ہے ۔ سوائے ان بندوں کے جو اس بحث سے خارج ہیں یعنی گھٹن اور کشائش کی یہ حالت حقیقت انسانی کے اتحاد اور نوعی معنی کے اتفاق سے کم و بیش تمام انسانی افراد پہ ان کے درجات کے فرق کے مطابق طاری ہوتی ہے اور عمومیت کے لحاظ سے یہ معاملہ ہر فرد بشر کے شامل حال ہے ۔ اور خصوصیت کے لحاظ سے بعض دیگر بعض کی نسبت شگفتہ اور بعض دیگر بعض کی نسبت ہمیشہ گھٹن میں ہوتے ہیں جیسے کہ مفلس لوگ ، امیروں اور متمول اصحاب کو ہمیشہ خوش و خرم ہی تصوّر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو امیر ہیں اُنھیں غم و اندوہ سے کیا کام ؟ اور امیر لوگ غریبوں کو ہمیشہ غم و اندوہ ہی

Marfat.com

کا شکار سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دونوں امر وہم و گمان کے ان مارے ہوئے انسانوں کے اپنے ہی وہم و ظن کا نتیجہ ہیں۔ یہ امیر بیچارے بعض اوقات افکار و تردّدات میں یوں مبتلا ہوتے ہیں کہ ان مفلسوں نے خواب میں بھی کبھی ایسی مصیبت نہ دیکھی ہوگی۔ اور بعض اوقات غربت و افلاس کے مارے بے سر و سامان لوگ یوں فارغ دل اور فارغ البال ہو بیٹھتے ہیں اور باہم خوب سرور اُٹھاتے ہیں۔ وہ دُنیا کے ان امیروں کو خاطر تلے نہیں لاتے۔ بلکہ اُنھیں موجود ہی نہیں سمجھتے اور وہ پروردگار جل شانہٗ وعم نوالہٗ تو اپنے بندوں میں سے ہر کسی کو اک نئے ڈھنگ سے تسلی دیتا ہے اور بندگی کا عجز بھی انھیں اک نئے ڈھنگ سے سکھاتا ہے تاکہ اپنے رب کی ربیّت (پروردگاری) کو دریافت کر سکیں۔ اور بندگی کے جوئے سے گردن باہر نہ نکالیں۔ اور خارج از بحث حضرات سے مراد ہے انبیاؑ و اولیائے کرام (ان سب پر خدا کا درود و سلام ہو) کہ اللہ کے یہ برگزیدہ اصحاب پر اگرچہ بتقاضائے بشریت ایسے سب حالات طاری ہوتے ہیں۔ مگر اُنھیں چونکہ اللہ کا دوامی قرب اور دائمی رفاقت نصیب ہوتی ہے۔ وہ دُنیا کے ان اہل شادی وغم میں شمار نہیں ہوتے۔ اور موجودات کے تمام مظاہر میں تجلّیٔ حق کا مشاہدہ کرنے کے باعث ان بزرگواروں پر ماسوی اللہ کے خوف و ہراس اور حزن و ملال کا اطلاق نہیں ہوتا جیساکہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ ہمارے حضور میں پیغمبر ڈرا نہیں کرتے، یا پھر یہ آیت کریمہ کہ یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ (کسی مطلوب کے فوت ہونے پر) مغموم ہوتے ہیں۔ یعنی خوف و ہراس یا حزن و ملال کی حالت اور دیگر تمام حالات ان کے اپنے رب کے ساتھ معاملے میں کوئی خلل یا گڑبڑ پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ یہ ساری صورتیں ان کے مقام کی ترقی کا موجب ان کے مکمل توسل و توسط کا باعث اور خصوصی قرب کے معاون اور مزید خلوص و اخلاص کا سبب بنتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے یہ بندے کسی وقت بھی مشاہدۂ ذات سے غافل نہیں ہوتے۔ اور اُس کے سوا کسی اور کو موجود نہیں پاتے۔ جیساکہ یہ آیت کریمہ شاہد ہے کہ یہ سب پیغمبر ایسے تھے کہ اللہ کے پیغام پہنچایا کرتے تھے اور اس باب میں اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے، اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا ان کا خوف ماسوی اللہ سے خوف نہیں ہے، خوف خدا ہے خواہ کسی صورت میں ہو۔ ان کا حزن و ملال کسی غیر کے لیے نہیں حق تعالیٰ ہی کے لیے ہے خواہ کسی چیز کا ہو۔ ورنہ تو انبیائے کرام (ان سب پر خدا کی سلامتی ہو) کے خوف و حزن کی صورت بھی اسی قسم میں وارد ہوتی ہے۔ جیساکہ

Marfat.com

حضرت یعقوب علیہ السلام (ان پر اور ہمارے پیغمبر پاکؐ پر درود) نے فرمایا کہ مجھ کو یہ بات غم میں ڈالتی ہے کہ اس کو تم لے جاؤ، اور میں یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ اس کو کوئی بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے بے خبر ہو۔ اور حق تعالیٰ نے بھی ان کے بارے میں فرمایا کہ غم سے (روتے روتے) ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں۔ پس اگرچہ بظاہر تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیے کا خوف تھا کہ ایسا نہ ہو کہیں وہ یوسفؑ کو کھا جائے لیکن حقیقت میں ان کے حق میں یہ خوف بھی خوفِ الٰہی ہی ہے کہ وہ بھیڑیے میں بھی فاعلیتِ حق کو مشاہدہ کرتے تھے۔ اور بتقاضائے بشریت اسمِ ضارّ (ضرر رساں) کی تجلّی کے مظہر سے ڈرتے تھے۔ ہر چند کہ ظاہر میں ان کے رونے اور غم کا سبب بیٹے کی جدائی ہی تھی، لیکن دراصل اس جمیل حقیقی جل شانہٗ کا عشق ہی جوش مار رہا تھا کہ ان کے لیے اس مظہرِ جمال میں جلوہ فرما تھا۔ اور بھی کئی آیات قرآنی اور احادیث نبوی انبیائے کرام کے ان جلالی مظاہرِ حق سے ڈرنے اور غم کھانے کی خبر دیتی ہیں جیسا کہ حضرتِ موسیٰ اور ہارون کی گفتگو جب انھیں فرعون کے پاس جانے کا حکم ملا تو انھوں نے کہا کہ اے ہمارے رب بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پہ زیادتی کریں اور ہم پر سختی کریں۔ پس اللہ تعالیٰ انھیں اس سے روکتا ہے اور ان کے خوف کو دُور کرنے کے لیے اپنی معیّت کا احساس دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم اندیشہ نہ کرو، کیونکہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سب کچھ سنتا دیکھتا ہوں اور جادوگروں کے جادو کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا۔ پس یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کی نظربندی سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ایسی معلوم ہوتے لگیں جیسے سانپ کی طرح چلتی دوڑتی ہوں، سو موسیٰؑ کے دل میں تھوڑا سا خوف پیدا ہوا۔ ہم نے کہا کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔ اور حضرت زکریاؑ نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں اپنے پیچھے موالی سے۔ اور ہمارے اپنے پیغمبر پاکؐ کا اپنے صاحبزادے (ان پہ اور نبی پاک پہ درود و سلام) کی رحلت و مفارقت کے وقت اپنے ملال کا تاکیداً ذکر فرماتے ہوئے کہا۔ بے شک اے ابراہیم! ہم تمھارے فراق میں ملول ہیں۔ حالانکہ دیگر انبیاءؑ خود حضور پاکؐ کی اپنی صحبت کی برکت سے اپنے ہم نشینوں کو تائید و نصرت ربانی کی مانند حزن و ملال اور خوف نہ کھانے کی تعلیم دیتے تھے۔ دیکھیے یہ آیت کریمہ جب حضورؐ اپنے رفیق حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس مقصود یہ کہ ہر حال میں خدا کو یاد رکھنا چاہیے اور اُسے ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر سمجھنا چاہیے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ جب ایسے حالات میں قلب انسانی کا الٹ پلٹ ظاہر ہو اور اُس کے رنگ

Marfat.com

ی گردش بلاوجہ بلکہ گاہے اسبابِ ظاہری کے خلاف بھی نظر آئے تو معلوم ہوا کہ شکر و شکایت نعمتوں اور بلاؤں ہی سے مخصوص نہیں جو متاعِ دُنیا ہیں اور جنھیں حق تعالیٰ نے قلیل کہا ہے۔ بلکہ اس کا حالات و وارداتِ قلبی پہ مدار ہے۔ اگر وہ چاہیں تو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اُسے خوش رکھتے ہیں اور اگر چاہیں تو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اُسے ناخوش رکھتے ہیں۔ یعنی اللہ کے نیک بندے جو بلند ہمت ہیں، اور حضور پاکؐ کے فرمانبردار اور تابع ہمیشہ اپنے رسولِ مقبولؐ (ان پر خدا کا درود و سلام) کے طفیل مازاغ البصر (نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی) کے سُرمے کو مدِّ نظر رکھتے ہیں اور دُنیا کی نعمتوں یا مصیبتوں کو دل پہ یوں اثر انداز نہیں ہونے دیتے کہ اُنھیں اپنے شکر و شکایت کا موجب بنالیں۔ بساطِ عالم کا سارا متاع فقط راحت و رنج ہی تو ہے جو خود بھی بہت قلیل ہیں۔ وہ نعمتیں اور بلائیں خود اپنی ذات کی بقا کے لحاظ سے اور ان اہلِ نعمت یا اہلِ مصیبت کی بقا کے لحاظ سے، کیونکہ اس ناپائدار زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور دُنیا کے ہر لحظہ بدلتے ہوئے حالات کو قرار نہیں۔ کیا خود خدا نے نہیں فرمایا کہ کہہ دے اے پیغمبر کہ دُنیا کا یہ مال و منال بہت قلیل ہے۔ راحت و رنج، دل گرفتگی یا شگفتگی تو اللہ کی طرف سے ہے وہ غم و اندوہ یا طرب و نشاط کے اسباب سے بالکل مشروط نہیں۔ اگر حق سبحانہٗ تعالیٰ چاہے تو کارکنانِ قضا و قدر سے جو کہ فرشتے ہیں یہ حکم دے دے کہ بندوں کو نعمتوں کے حصول کے باوجود بھی غیر مطمئن رکھو اگر وہ چاہے تو یہ حکم دے دے کہ ان دنیاوی نعمتوں کے بغیر ہی اُسے دیگر عطیّات سے خوش و خرم رکھو۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ بعض لوگ فطری اور جبلی طور پر دل گرفتگی اور گھٹن کا شکار ہوتے ہیں۔ اگر وہ کسی رنگین بزم میں بڑی زیب و زینت

کے بعد بھی آئیں تو بھی ان کے ماتھے کے شکن اور دل کی گرہ کھلنے نہیں پاتی۔ اور مسرّت و خوشی کے ان لمحات میں بھی انجام کار وہ آفت و مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور دوستوں میں صلح صفائی کی باتیں بھی یوں کرتے ہیں گویا کہ وہ انتہائی عداوت سے دشمنوں کے ساتھ لڑ رہے ہیں اور بڑے زود رنج اور سخت بدماغ ہوتے ہیں۔ بعض لوگ جبلی و فطری طور پہ ہشاش بشاش ہوتے ہیں۔ اگر دل گرفتہ، پژمردہ و مردہ دل تردّدات و تفکّرات کے مارے ان کی صحبت میں آنکلیں تو وہ اپنے دل سے کدورتوں اور تشویشوں کے زنگ کو رگڑ ڈالتے ہیں اور ان شگفتہ مزاج والے ہنستے مسکراتے چہروں کے فیض سے شاداں و فرحاں ہو جائیں کیونکہ وہ لوگ اپنی ذات میں باغ و بہار ہوتے ہیں۔ وہ دنیوی رنج و آلام کے سائے سے بھی دُور رہتے ہیں۔ اپنے رنج و غم کے دن اور دُکھ بھری گھڑیاں بھی بڑی خوشدلی، خوش مزاجی اور خندہ

Marfat.com

پیشانی سے گزارتے ہیں۔ وہ غصّے و غیظ و غضب کی کڑوی کسیلی باتیں بھی ہنسی مذاق اور لطافت و ظرافت سے یوں ادا کرتے ہیں کہ گراں نہیں گزرتیں۔ ان دونوں گروہوں کے اختلاف کی یہ کیفیّات ان کے مزاجوں اور طبیعتوں کے اختلاف کے مطابق ہوتی ہیں۔ بعض کو قدرت نے ویسے بنایا ہے اور بعض کو ایسے۔ یہ سب انداز سے اسی غالب حکمت والے کے ہیں۔ جیساکہ اکثر مشاہدے میں آیا ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جنھیں دوسروں کی نسبت دنیوی نعمتیں زیادہ میسّر ہیں، لیکن پھر بھی ان کی زبان سے شکوہ و شکایت کے علاوہ کوئی اور لفظ نکلتے ہی نہیں اور بعض عزیزان بڑی سخت تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوتے ہوئے بھی شکر کے علاوہ کوئی اور لفظ زبان پر لاتے ہی نہیں اور ان مصائب میں بھی خوش و خرم ہیں۔ یعنی اکثر مجلسوں میں یہ تجربہ بھی ہوا کہ اگرچہ بعض لوگ دوسروں کی نسبت دُنیاوی اسباب زیادہ رکھتے ہیں لیکن وہ ہمیشہ شکوہ و شکایت اور گلہ گزاری ہی کرتے ہیں اور اس کا سبب ان کی حرص کا غلبہ اور علائق دنیوی سے زیادہ تعلق ہے جس سے ان کی تمام تر توجہ دنیوی مزخرفات پر مرکوز ہوتی ہے۔ دنیوی اور اخروی امور میں تمیز کرنے سے عقل قاصر رہتی ہے اور علوی نعمتوں سے اُنھیں کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی۔ اور وہ بزعم خود بڑے عقلمند بنتے ہیں حالانکہ حقیقت میں یہی لوگ احمق ہیں ورنہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو یوں بے آرام کاہے کو کرتے۔ اور نہ ہی حرص و لالچ اور تمناؤں کا دامن یوں پھیلاتے۔ اے کمیتو جو ہوتا ہے وہ تمھارے اختیار میں نہیں ہے۔ تمھیں تو اتنا علم بھی نہیں کہ اگلے لمحے میں کیا ہونے والا ہے۔ کبھی تو معاملات بالکل خلافِ قیاس ظہور پذیر ہوتے ہیں اور کبھی قیاس کے مطابق واقع ہو جاتے ہیں۔ تو پھر اپنے ہی قیاس کو یقینی سمجھ کر اپنے حالِ حاضر کو بدمزہ کر لینا اور موہوم امور کے خیالات سے اپنے موجودہ اوقات کو تلخ کر لینا یا ظاہری اور جسمانی تکالیف کے ساتھ روحانی اور باطنی اذیت کو بھی بڑھا لینا کہاں کی عقلمندی ہے، یہ تو جہالت کا کرشمہ ہے، یا دماغ اور مزاج کا خلل ہے۔ صحیح دماغ اور صحیح عقل و دانش تو اس کا تقاضا نہیں کرتے۔ پس یہ زیادہ تفکرات و ترددات یا تو جہالت کی وجہ سے یا دماغی خلل کی بنا پر انسان کو لاحق ہوتے ہیں، یا تنہا جہالت اور نافہمی سے، یا مزاج میں خلل کے باعث کہ ناپسند امور کے وقوع میں آنے اور من پسند باتوں کے میسّر نہ آنے سے جی تنگ آجاتا ہے۔ جب طبعی افعال میں بہت کمی و کوتاہی ہو جاتی ہے تو خلطیں اپنے اصل حال پر نہیں رہتیں۔ اور اعتدال کی راہ سے بھٹک جاتی ہیں۔ اور بھڑک اُٹھتی ہیں۔ سوداوی خلط غلبہ کر لیتی ہے اور دل چین و سکون چھن جاتا ہے۔ ہر چند کہ عقل معقول امور کی دلالت

Marfat.com

کرتی ہے اور وہی کچھ سمجھاتی ہے جو سمجھانا چاہیے لیکن مزاج کا یہ خلل عقل پہ غالب آجاتا ہے اور آرام و سکون کو دل کے پاس پھٹکنے نہیں دیتا۔ لہٰذا ایسے اشخاص کو صرف دانشمندوں اور بزرگوں کی صحبت کچھ فائدہ نہیں دیتی، انھیں فصد بھی کھلوانا چاہیے اور مُسہل (جلاب) بھی ضروری ہے۔ اگر مقدور ہو تو نفسانی مرغوبات یا من پسند شغلوں میں مصروفیت کافی تسکین بخش ثابت ہوتی ہے اور اگر یہ فقط جہالت کی راہ ہی سے ہو تو پھر یقیناً بزرگوں کی صحبت کسی حد تک تسکین دے سکتی ہے اور کبھی کبھی یہ اتفاق بھی ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی صحبت سے آہستہ آہستہ اس سکون و اطمینان میں ایک مستقل ٹھہراؤ سا پیدا ہوجاتا ہے اور پھر وہی ملکہ حاصل ہوجاتا ہے اور اُس شخص کی ملکیت بن جاتی ہے۔ سبحان اللہ ان ادنیٰ لوگوں کی اکثریت اپنے حال سے بے خبر ہوتی ہے اور وہ نہیں جانتے کہ انھیں طبیبوں کے پاس جانا چاہیے یا عارفوں کی صحبت میں۔ ہر مرض کا علاج اس مرض کے خصوصی معالج سے کروانا چاہیے یا طنی امراض کچھ اور ہیں اور ظاہری کچھ اور۔ اگر دوا کی ضرورت ہو تو طبیبوں کے پاس جاؤ، اگر دُنیا کی طلب ہو تو امیروں کے پاس جاؤ، اگر مولیٰ کی طلب ہو تو عارفوں کے پاس جاؤ۔ تاکہ وہ شافی مطلق کی تاثیر سے تمھارے باطنی مرض کا علاج کریں۔ اور کبھی بزرگوں کی توجہ سے ظاہری مرض بھی دُور ہوجاتے ہیں اور ان کی دُعا سے تنگی فراخی میں بدل جاتی ہے۔ اور اپنی مقبول دُعاؤں کے بل بوتے پہ بلاؤں کو بھی رد کردیتے ہیں۔ کیونکہ دُعا کے سوا قضا کو اور کوئی چیز رد نہیں کرسکتی۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں پیدا ہی اسی لیے کیا ہے کہ لوگوں کو خدا تک پہنچائیں لہٰذا رشد و ہدایت اور اخروی رہنمائی کا کام ان کے حوالے کیا، اور دُنیاوی نظم و نسق امیروں اور بادشاہوں کو سونپ دیا۔ ظاہری امراض کا علاج طبیبوں کو تفویض کیا پس ان امور میں سے اگر کہیں شاذ و نادر صاحبِ تاثیر عارفوں کے ہاتھوں تقدیر کے مطابق کام ظہور پذیر ہوجائے اور ان کی توجہ کی برکت سے مرض جاتا رہے اور صحت حاصل ہو جائے۔ کچھ اکھاڑ پچھاڑ اور بناؤ سنوار ہوجائے تو انھیں ماہر طب یا مدبر امرا کے زمرہ میں شمار نہ کیا جائے کیونکہ یہ تو اولیا کی کرامات میں سے ہے۔ ان امور کے ہونے یا نہ ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ان چیزوں کے جمع ہونے سے اُن کے کام میں خلل نہیں آتا۔ اس کے برعکس ہر گروہ کے مخصوص امور جن کا ظہور خاص طور پہ انھی کی ذات سے ہوتا ہے۔ ان کا ظہور لازم و ضروری ہے ورنہ ہر صنف کے لوگ اپنی صنف میں کیسے داخل ہوں یا دوسری اصناف سے امتیاز پائیں تو کیسے؟ قصہ کوتاہ یہ کہ ان گلہ گزاریوں کے برعکس بھی جو بعض عزیز سخت مصیبتوں اور شدید دکھوں میں مبتلا ہوتے ہوئے بھی خوش و خرم رہتے ہیں وہ چند وجوہ کی بنا پر ہے۔ ایک تو عمر کے تقاضے کی راہ سے جیسا کہ بچے اور جوان اپنی عمر و کم سنی کی وجہ سے ہر سو ہنستے مسکراتے اور اٹھکیلیاں کرتے پھرتے ہیں اور

Marfat.com

قطعاً پرواہ نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ ماتم، بیماری، تنگدستی، مفلسی اور دیگر ایسے ہنگاموں میں جو عاقلوں کو مکدر و منغض کر دیں، کبھی ان حالات میں بھی ان پہ ہنسی یوں غالب آجاتی ہے کہ وہ اپنی ہنسی کو روک ہی نہیں سکتے۔ یہ یا تو اس وجہ سے ہوگا کہ عقل جاتی رہے فاتر العقل امتیاز کہاں سے لائے۔ جیسے کہ پاگل و دیوانے جو اپنی خرابیٔ حال کے باوجود بھی ہنستے قہقہے لگاتے ہیں کہیں کوئی فکر و فاقہ نہیں ہوتا۔ یا پھر بے غیرتی اور پست فطرتی کی وجہ سے، جیساکہ ارباب طرب و نشاط اور مسخرے لیکن حقیقت میں یہ سارے گروہ غم و اندوہ سے نجات یافتہ نہیں، بلکہ وہ حیوانات میں شمار ہوتے ہیں۔ ایسی بے فکری اور بے حسی قابلِ ستائش نہیں۔ یہ حیوانیت کے غلبے اور انسانیت کے ضعف سے پیدا ہوتی ہے اور قطعاً اعتبار اور اعتماد کے قابل نہیں کہ ان کی کوئی قسم ایسی کہ پل میں روتے دھونے لگتے ہیں اور مغموم ہو جاتے ہیں اور دوسرے ہی لمحے کسی معمولی سی چیز کی خاطر لڑکھڑا جاتے ہیں۔ اور نفسانی وسوسوں، وہمی خیالوں، باطل تشویشوں اور فاسد گمانوں کے ہاتھوں اپنی جان سے بیزار ہو کر گریہ و زاری کرتے تھے اور بے حقیقت تردادات اور بے اصل تفکرات جن کا کوئی سر پیر نہ ہو ان سے خواہ مخواہ پریشان و حیران و سرگرداں ہو کر شکوہ و شکایت کرنے لگتے ہیں۔ اور تھوڑے سے صدمے یا تھوڑی سی مصیبت و تکلیف سے وہ بخیالِ خود مرے جاتے ہیں اور گلہ گزاری، گریہ زاری کرتے اور واویلا مچاتے ہیں۔ اور وہ جو قابلِ تعریف ہے وہ بھی چند وجوہ سے ہے۔ ایک تو چالاکی و ہوشمندی سے جیسے کہ دانا اور عقلمند لوگ، تکالیف و مصائب و بلاؤں کے نزول پہ زیادہ غم و اندوہ ظاہر نہیں کرتے، وہ اپنے آپ پہ ضبط کر کے لوگوں کے سامنے اپنی بے وقعتی اور سبکی نہیں ہونے دیتے اور دوسرے غیرت، شجاعت یا استقلال کی راہ سے جیسے کہ جنگجو حضرات اور سپاہی جنگ کے دوران مصیبتوں اور دیگر شدائد میں شاداں و فرحاں نظر آتے ہیں۔ اور شکوہ و شکایت کا دروازہ نہیں کھولتے، ایک راضی برضائے خدا، فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی راہ سے، جیسے کہ انبیا و اولیائے کرام (ان پر خدا کی سلامتیاں ہوں) کو حاصل ہوتی ہے۔ ان کی یہ بے فکری اور بے غمی اللہ کے قرب و رفاقت اور ما سوی اللہ سے قطع تعلق کی بنا پر ہوتی ہے اور حقیقت میں اللہ کے یہی بندے ناجی ہوتے ہیں۔ جس طرح ایسے صاحبانِ ایمان پہ شیطان یا نفس غلبہ نہیں پا سکتا کہ ان پہ اپنا حکم چلائے اسی طرح پھر کسی بلا یا مصیبت کی کیا مجال کہ ان پہ اپنا غلبہ یا تسلط جمائے کہ اللہ نے انکار کیا اس بات سے کہ وہ بنائے آزمائش کے لیے کوئی دلیل اپنے مومن بندے

Marfat.com

کے جسم پر- پس چاہیے کہ پہلے تو ظاہری طور پر تکلّف و اہتمام سے اپنی اس شکایت کی عادت کو دور کرو جو تمھاری طبیعتِ ثانیہ بن چکی ہے اور زبان پر شکر کے کلمات لاؤ تاکہ وہ الفاظ اپنی برکت سے تیرے باطن کو شاکر اور راضی بنائیں۔ اگر تم ظاہراً شکر کرو گے تو یقیناً خدا تمھیں مزید دے گا۔ یہ بیان سلوک کی راہ و روش سکھانے کے لیے لایا گیا ہے، یعنی چونکہ مقامِ رضا پر یکایک پہنچنا تو بڑا دشوار بلکہ محال کام ہے کیونکہ وہ مقاماتِ قرب کا انتہائی مقام ہے۔ لہٰذا پہلے تو تکلّف سے کام لیتے ہوئے اپنی زبان کو شکوہ و شکایت سے بند کرنا چاہیے اور شکوہ شکایت کی اس عادت کو جو ماں باپ کی نافرمانبرداری کی وجہ یا کوئی اور وجوہ کی بنا پر تیری طبیعتِ ثانیہ بن چکی ہے اسے دُور کرنا چاہیے اور اُس کی بجائے خود کو شکر کے الفاظ کا عادی بنانا چاہیے تاکہ اس مجاہدے کی برکت سے تیرے دل پر حالتِ شکر طاری و ساری ہونے لگے اور آہستہ آہستہ دل اور زبان کی موافقت میسّر آجائے اور حضرت شاہ نقشبند قدس اللہ سرّہ العزیز نے جو کاسبِ رضا کو حبیبِ خدا لکھا ہے وہ کسبِ رضا یہی تو ہے کہ اگر مقدر میں ہو تو کچھ اسی تکلف و رضا کے بعد سالک مقامِ رضا پہ فائز ہو جاتا ہے۔ اور پھر تکلّف بیچ میں سے جاتا رہتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو ہم تمھیں مزید دیں گے۔ یعنی اگر تم ظاہری شکر کرو گے تو ہم زیادہ کر دیں گے تمھارے باطنی شکر کی حالت نیز نعمتوں کی ایزادی کا موجب بھی ہے یعنی شکر گزاروں کو نعمتوں کا وجود زیادہ نظر آتا ہے اور نعمتوں ہی کے دیکھنے میں آنکھ کھولتے ہیں برعکس کفرانِ نعمت کرنے والوں کے جو مکروہات کے سوا کچھ نہیں دیکھتے اور اسی کفرانِ نعمت کی بدبختی و شامت سے ان کی بدبینی (تاریک بینی) بڑھتی چلی جاتی ہے جیسے کہ شکر کی برکت سے شکر گزار بندوں کی خوش بینی بڑھتی جاتی تھی۔ بہرکیف بلا نام ہے پریشانیٔ قلب کا اور نعمت اس کے برعکس سکونِ قلب کا۔ یعنی نعمتوں کے بڑھنے یا نہ بڑھنے یا ابتلا کی حالت کے ہونے یا نہ ہونے سے قطع نظر حقیقت یہ ہے کہ بلا (مصیبت) وہی امر یا چیز ہے جو دل کو تشویش میں ڈال دے اور پریشان حال بنا دے گو وہ نعمت ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو۔ پس دراصل وہ بلا ہی پریشان حالی بن گئی اور نعمت وہ شے ہے جو دل کے لیے سکون و اطمینان کا باعث بنے خواہ بلا کی شکل میں کیوں نہ ہو۔ پس فی الواقع نعمت طمانیت و سکون قلب ٹھہری۔ جب اپنے دل کو پرسکون و مطمئن پاؤ تو شکر کے سجدے ادا کرو اور اُسے غنیمت سمجھو اور جب پراگندہ دلی رونما ہو جائے تو اس بلا پر صبر کرتا کہ تو اجر سے محروم نہ رہے یعنی جب دل کو خوشی

Marfat.com

کی حالت میں پاؤ اور اپنے رب سے راضی و خوش ہو تو شکر کے سجدے کر وان کی بدولت اس کیفیت کو مزید بڑھاؤ اور ایسے گرانمایہ و قیمتی وقت کو غنیمت جان اور اس حالتِ تشکر کو بڑھانے پہ ہمت صرف کر کیونکہ یہی دلی سکون اور جمعیتِ خاطر حاصل زندگی ہے۔ باقی سب لغو، فضول اور تضیعِ اوقات ہے۔ جب پریشانی اور پراگندگی رونما ہو اور دل بے سکون اور بے چین ہو جائے تو صبر کی راہ پہ گامزن ہو کر اس بلا کو صبر و تحمل سے برداشت کر، ہرگز تنگ دل نہ ہو اور غیر مستقل مزاجی کے راستے پہ نہ چل۔ وقتی طور پر بتقاضائے بشریت جوش و خروش کا یہ شعلہ جو تیرے سینے سے بھڑک اُٹھا ہے تھوڑی دیر بعد خود بخود ہی بجھ جائے گا۔ اس کا ذکر بھی کبھی زبان پہ نہ لا، کہ اقوال کی کدورت دلوں پہ بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ ورنہ آہستہ آہستہ وہ پراگندگی اور پریشانی زائل ہو جائے گی۔ گلے شکوے کے الفاظ کو کبھی ظاہراً نہ کہنا اس سے ناشکری اور بے صبری کی حالت کو تقویت ملتی ہے، پھر وہ ظاہر و باطن دونوں پہ طاری ہو جاتی ہے اور ذہن و باطن سے نکل کر ظاہر و خارج میں نظر آنے لگتی ہے اور دُگنی ہو جاتی ہے۔ ورنہ بصورتِ دیگر صبر و تحمل کی برکت سے باطنی بدمزگی اور تلخی جواب تک محض ذہنی طور پر موجود ہے ابھی تک اُس نے خارج میں قدم نہیں رکھا آہستہ آہستہ وہ نیست و نابود ہوتی چلی جائے گی اور آخر کار رضا و تسلیم حق حاصل ہو جائے گی۔ لہذا محض معصیت کے خیالات ہی پہ عوام سے مواخذے کا حکم نہیں جب تک وہ بُرا فعل خارج میں وقوع پذیر نہ ہو جائے کیونکہ فیصلہ ظاہر پہ کرتے ہیں۔ اور خواص کے نزدیک باطنی امر کی طرح (کے موافق) صبر و تحمل بھی ابتدائی درجے میں داخل ہی سمجھتے ہیں اور جزا کی سزاوار کسی اچھی چیز اور صبر و تحمل دونوں کی حقیقت یہی کچھ ہے کہ کسی چیز سے نفرت اور کراہت ہونے کے باوجود اُسے برداشت کرنا چاہیے اور اس پہ صبر کرنا چاہیے۔ اور خلاف طبع ہوتے کے باوجود اس پہ بے چینی اور بیقراری کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ ہر چند کہ صبر اور تصبّر (مشکل سے صبر کرتے) کا فرق ظاہر ہے۔ جیسا کہ صبر و رضا میں فرق ہے۔ کیونکہ صبر میں ظاہری صبوری (حالتِ صبر) باطنی کے مطابق ہے اور اُس پہ تصنّع یا بناوٹ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس کے نتائج عمدہ اور پھل بہترین ہوتے ہیں۔ اور تصبّر میں ظاہری صورت بناوٹی ہوتی ہے اور باطنی کے برعکس بڑی پھیکی اور بے لطف سی کیفیت ہوتی ہے۔ اس قسم کی حالت خود فریبی۔ لیکن اس سب کے باوجود ہو سکتا ہے وہ دولتِ صبر کے حصول کا وسیلہ بن جائے اور اس مرتبے کا زینہ ہی ثابت ہو۔ کیونکہ صبر آہستہ آہستہ رضا کے درجے تک لے جاتا

Marfat.com

ہے۔ اور کامل سکونِ قلب کے نصیب ہونے کا باعث بن جاتا ہے۔ بہر حال بشری و بندگی کے تقاضوں کے مطابق رنج و راحت کی کمی بیشی کی یہ کیفیت اور شگفتگی اور دل گرفتگی کی ایسی حالت زندگی میں سبھی پہ وارد ہوتی ہی رہتی ہے۔ لیکن خواص کا انقباض (دل گرفتگی) بھی عوام کی کشادگی سے بہتر ہوتی ہے۔ ابرار کی نیکیاں مقربین کی لغزشیں ہیں۔ قبض سے ہماری مراد دل کی گھٹن اور بسط سے مراد کشادگی و فراخی۔ سلوک کی اصلاح میں قبض عبارت ہے باطنی لذات کے نہ ہونے سے اور کیفیت مشاہدے میں کمی سے اور اس بنا پر سالک دل گرفتہ ہونے سے، اور بسط عبارت ہے مشاہدے کی کیفیت میں باطنی لذّات سے لطف اندوز اور شادکام ہونا اور یوں سالک کے شگفتہ دل ہو جانے سے۔ مختلف اوقات کی نسبت سے جب تک زندگی ہے یہ حالت عوام و خواص میں سے ہر کسی کو درپیش آتی رہتی ہے۔ مختلف حالتوں اور کیفیتوں کا فرق اور امتیاز تو رہتا ہی ہے، ہاں خواص کو ان کی حالتِ بسط کی نسبت سے جو انقباض ہوتا ہے وہ عوام کے بسط کی حالت سے بدرجہا بہتر و برتر ہے۔ اگر اُس انقباض کا ذرہ بھر پر تو بھی عوام کے باطن پر پڑ جائے تو اُنھیں مکمل کشائش و فراخی کی کیفیت نصیب ہو جائے۔ کیونکہ جب یہ بات صحیح ہے کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کی لغزشیں ہوتی ہیں تو پھر مقربین کی بعض لغزشیں

بھی یقیناً ابرار کی نیکیاں ہوں گی۔ کیونکہ یہ پہلی بات کا بالکل دوسرا رُخ ہے، ورنہ ایک کو دوسرے پہ محمول کیسے کیا جا سکتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جملہ مذکورہ متن میں دو معنوں میں لازم ہے اور دلالت کرتا ہے جانبین کے محمول ہونے پر۔ اس کے برعکس نہ تو ابرار کے گناہوں میں مقربین کی نیکیاں بننے کی اہلیت ہے اور نہ ہی مقربین کی نیکیوں میں ابرار کی لغزشیں بننے کی اہلیت ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جو امور پورے طور پہ نیکیاں ہیں وہ عوام یا خواص کسی کے حق میں لغزش یا خطا نہیں ہو سکتے۔ اور وہ اُمور جو مکمل طور پر خطا و گناہ ہیں وہ مقربین یا ابرار میں سے کسی کے حق میں نیکیاں نہیں ہو سکتیں۔ اور جو امور ان کے بین بین ہیں اور طرفین میں کسی طرف کے غلبے یا تبدیلیٔ اوقات، حالات کے اختلاف یا اشخاص کے ردّوبدل (تغیّر و تبدل) کی بنا پر ضعیف واقع ہوتے ہیں۔ اور ان کے شایان ہونے کے لحاظ سے ان کے احکام میں بھی تغیّر و تبدّل ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ امور غلبے والی جانب ہی میں شمار ہوتے ہیں۔ پس سمجھ لیجیے کہ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جب میرے قلب پہ پردہ ڈال دیا جاتا ہے تو پھر سوائے اس ذات سبحانہٗ کے اور کون ہو سکتا ہے جس میں تغیّر و تبدل کو دخل نہ ہو۔ یعنی حضور

Marfat.com

رسول کریم صلعم جن کی ذات پر جا کر نبوّت اور قربت حق ختم اور تمام ہوجاتے ہیں۔ یہ فرمائیں کہ جب کبھی میرے دل پر پردہ گرادیا جاتا ہے، مُراد یہ ہے کہ میں بھی تمھاری طرح بشر ہوں۔ سو گاہے میں بر تقاضائے بشریت اس بشریت کی طرف متوجہ ہوجاتا ہوں، اور بعض اوقات وہی حالت دیگر اوقات خاص سے مختلف یعنی کمتر کیفیت کی ہوتی ہے تو پھر باقی اٹیّوں میں سے کس کو یارا کہ وہ ایک ہی حال پر قائم اور دائم ہونے کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ حالت تو خود اسی ادل بدل کی کیفیت سے عبارت ہے۔ **سوال** اگر تم کہو کہ عادتوں سے صاحب حال اور صاحب مقام سالکوں میں تفریق کی ہے۔ جس طرح حالت عبارت ہے تغیر پذیر کیفیت سے اسی طرح مقام سے مُراد ہے اک دوامی دائمی حالت اور اس بیان سے یوں سمجھ آتی ہے کہ اکملین میں تغیر و تبدل باقی رہتا ہے تو پھر تلوین (گوناگونی) طرح طرح کی حالتوں کے مالکوں اور سالکوں میں کیا فرق ہوگا۔ **جواب** گوناگوں کیفیات والے اصحاب تو بالکل متغیر الحالات ہوتے ہیں اور ظاہراً اور باطناً ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا سلوک کی اصطلاح میں یہ حالت عبارت ہے ان کیفیّات سے جو تمام کی تمام تغیّر پذیر رہتی ہیں (ادلتی بدلتی رہتی ہیں) اور سالکوں کے باطن سے کچھ عرصہ بعد بالکلی زائل اور نیست و نابود ہوجاتی ہیں اور سلوک کی اصطلاح میں مقام عبارت ہے اس قائم و دائم حالت سے کہ جس کی وجہ سے اکملین کے باطنوں میں اس حالت کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے اور وہ انھی کی ملکیت بن جاتی ہے۔ چنانچہ ان بزرگواروں کے نصیب میں مستقل حضوری اور مشاہدہ ہوتا ہے جس میں دوامی و دائمی کیفیت بن جاتی ہے۔ اس امر کی بقا کے اعتبار سے جو ایسے بزرگواروں کے پاک نفوس میں ثابت ہوچکے ہیں۔ لیکن وصفی اور نسبتی لحاظ سے مثلاً سرور، ملال، ہنسی اور رونا یا گھٹن اور کشائش جیسے تغیرّات مقام تمکین والوں کو بھی لاحق ہوجاتے ہیں۔ پس اس مقام سے مراد دائمی یا دوامی حالت ہوگی تو بھی اس کے باوجود بھی تغیّر کا شائبہ باقی رہ جاتا ہے۔ اسی لیے اسے حالتِ قارہ کہا گیا ورنہ لفظ حالت کا اطلاق بالکل جاتا رہتا ہے۔ پس فقط اسی واحد ذات واجب تعالیٰ جلِ شانہٗ کے ہاں تغیّر و تبدّل کو راہ نہیں۔ بیچارہ ممکن الوجود جو وجود و عدم کے ضروری امور سے بھی معرّا ہے وہ اپنے ذاتی امکان سے باہر کیسے آئے کہ دوامی و دائمی حالت کا دعویٰ کرے۔ وجوب کا واجب ہونا اور وجودی کمالات بھی فقط حق تعالیٰ ہی کا حصّہ ہے اور اُس جیسی کوئی شے نہیں اور وہ سمیع اور بصیر ہے۔ حق جل شانہٗ نے اس آیت کریمہ میں پہلے اشیا کی ذات حق سے مماثلت کی نفی کی ہے اور اُس کے بعد اپنی سماعت اور بصارت

Marfat.com

کا اثبات فرمایا ہے۔ تو استفادہ یہ ہوا کہ وجودی کمالات کی ان صفتوں سے ممکنات میں سے کوئی بھی متصف نہیں ہوا اور فقط ہر صورت میں وہی سمیع و بصیر ہے اور اگر سماعت، بصارت یا ارادے اور قدرت وغیرہ کی صفاتِ کمال کی نسبت ممکنات سے کی جائے تو اس انداز سے اک گونہ مماثلت تو ہو جاتی ہے۔ مگر یہ جو کہتے ہیں کہ بندوں کی سماعت اور بصارت کانوں، آنکھوں اور وجود ہوا اور روشنی پر موقوف ہے۔ چونکہ یہ بذاتِ خود سمیع و بصیر نہیں تو گویا درحقیقت وہ سماعت و بصارت نہیں رکھتے۔ اور فی الواقع سمیع و بصیر حق تعالیٰ ہی ہے جو ظاہری اسباب کے توسّل و توسط کا محتاج نہیں۔ اگر ذوقِ سلیم ہو تو یہ توجیہات معلوم کی جا سکتی ہیں کہ یہ تکلّفات کی قسم ہیں، کیونکہ آیت کے الفاظ آلات و اسباب کے توسط کے وجود اور عدم وجود پر دلالت نہیں کرتے۔ خلق کی حق سے مماثلت کی نفی اور کمالاتِ ذات کے اثبات کا بیان ہے۔ باقی لوگ جو اس سے سمجھیں سو سمجھیں۔ نکتہ گویا اس آیت کریمہ میں کہ حق تعالیٰ جیسی کوئی شے نہیں ممکنات کے وجود کی نفی فرمائی ہے۔ یعنی کہ ان موجودات کے وجود نہیں ہیں ورنہ وہ مماثل ہو جاتے۔ اور سمیع و بصیر کے الفاظ میں ان سے وجود کی کمالات کی نفی کی گئی ہے۔ اور ان کمالات کے اثبات کو اس مرتبے سے مخصوص کیا گیا ہے جو منشا و مبدا کے معانی میں عینِ وجود ہے۔ ان حقائقِ ممکنہ کے پلّے سوائے عدم اور اُس کے نقائص کے اور کچھ نہیں۔ لیکن چونکہ یہ حضرت وجود کے مظاہر اور آئینہ دار ہیں اور اسی سے موجود ہیں اس لیے حقیقت بین حضرات کی نگاہوں میں خوب و محبوب ہیں اور اک علیحدہ انداز سے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر چند کہ وہ وہی ہے (یعنی اس جیسا کوئی نہیں) لیکن جو کچھ اس سے ہو وہ بھی خوب و مرغوب ہے۔ یعنی اگرچہ حُسنِ کمالات ذاتی طور پر حضرت وجود ہی کے نصیب میں ہیں اور اس سلسلے میں اس کا کوئی شریک نہیں لیکن اسی حضرت وجود کے ضمن میں (کی شمولیت سے) یہ موجودات اس کے کمالات کے آئینہ دار بن گئے۔ عشّاق جس طرح بغیر پردے کے بھی روئے محبوب میں محو ہوتے ہیں اسی طرح آئینہ خانے میں بھی اسی دلدار کے جلوے کے شیفتہ و فریفتہ ہیں اور اس تمام کثرت کو اسی وحدت سے متعلق سمجھتے ہیں اور سبھی کے ارتباط کی ڈوری کو ایک ہی شخص کے ہاتھ میں سمجھتے ہیں۔ رباعی:

ربط بتو ہر گدا و شاہی دارد
گہ حال خوشی و گہ تباہی دارد

Marfat.com

یعنے کہ بسان دانہ ہای تسبیح
ہر دل در خود نہفتہ راہی دارد

ترجمہ رباعی: ہر شاہ و گدا کو تجھی سے ربط ہے خواہ خوشی کی حالت ہو یا تباہی کی۔ یعنی کہ تسبیح کے دانوں کی طرح ہر دل میں ایک اپنی ہی راہ مضمر ہے (مصنف خود حسبِ معمول رباعی کی وضاحت یوں کرتا ہے کہ) کلمۂ ربط سے ہماری مُراد وجود کے فیض کی راہ ہے۔ اور لفظ تو میں تخاطب ذات باری تعالیٰ سے ہے جو ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ اے خدا اگرچہ ہر شاہ و گدا اور ہر غنی اور فقیر میں بظاہر محتاج اور محتاج الیہ کی نسبت ہے، لیکن حقیقت میں سب تیرے ہی محتاج ہیں اور کسی دوسرے کی وساطت کے بغیر ہی تیرا وجودی فیض ہر موجود کو پہنچتا ہے۔ اور یہ وسیلے اعتباری اُمور کے سوا اور کچھ نہیں۔ فی الواقع سبھی کو تجھی ہی سے کاروبار ہے۔ اور تو ہر کسی کے دُکھ سکھ میں اس کا مونس و غمخوار ہے۔ ہر صاحبِ دل کو تیرے ہی حضور میں خصوصی راہ و رسم اور مخصوص نسبت ہے جس کی کسی دوسرے کو مطلق خبر نہیں ہوتی۔ اور تو جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کو بھی اور ظاہر کو بھی۔ رباعی کے شعری محاسن کو بیان کرنا اک زاید از ضرورت امر ہے۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو کہ ممیز کرتا ہے نبوت کی قسم کو ولایت کی جنس سے عام سے خاص کی تمیز کے ساتھ، اور مراتب و مناصب کے فضل کے ساتھ ان میں سے بعض کا بعض پر رتبے اور مقام میں اور درود و سلام ہو اُس کے رسول محمد صلعم پر اور آپؐ کی آلؓ کرام اور اصحابؓ عظامؓ پر۔ اما بعد یہ باسٹھواں (۶۲) باب ہے جو قول الفصل کے نام سے موسوم ہے۔ بیشک یہ قول فصل ہے، اور یہ ہزل نہیں ہے۔ قول فصل ایسا کلمہ ہے جو الگ کرتا ہے حق اور باطل کو، یا پھر حق میں ہی بیان کرتا ہے ایک مرتبے کو دوسرے مرتبے سے الگ حقیّت اور احقیّت (حق ہونا) مختلف امور حقیت میں یا فقط باطل میں بطلان کی قوت اور اس کے ضعف کے مراتب ہیں ہزل کے برعکس کیونکہ وہ اس طرح نہیں ہوتا بلکہ وہ تو کھیل تماشے کی باتوں کی جنس سے ہے۔ اور سامع کو کوئی معتدبہ فائدہ نہیں پہنچاتا۔ اور متکلم کی اس سے غرض نہیں ہوتی مگر کھیل تماشا۔ پس جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس باب میں اصطلاحاتِ منطقیہ میں سے نبوّت اور ولایت کے مراتب کے بیان کے سلسلے میں جو کچھ کہ تکلّم کیا اس میں محقّق نے اب تک اس نہج پر اور یہ نہیں ہے ہزل میں سے یا تخیلات و استعاراتِ شاعریہ کی جنس میں سے جو کہ نہیں ہے محل اعتماد بلکہ یہ جو قول فصل ہے جو کچھ واقع کے مطابق ہے رازوں کو کھولنے والا ہے، تصدیق کرنے والا ہے نوعِ نبوت کی انبیائے علیہ السلام کے مراتب کے امتیاز کے ساتھ اور ثابت کرنے والا ہے جنس ولایت

Marfat.com

اولیائے کرام کی اقسام کے اختلاف کے ساتھ اور مشتمل ہے بہت سے فوائد پر اور خبر دینے والا ہے نئے نکات کی - یہ میرے رب کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ فضلِ عظیم والا ہے -

نبوت و ولایت کے بیان اور
ان میں منطقی قواعد کے لحاظ سے نسبت کا باب

نبوت کی نسبت کی کیفیت کا بیان حضرات انبیاءؑ کے رو بخلق ہوتے میں ہے اور ولایت کی نسبت کی کیفیت اولیائے کرام کے رو بحق ہونے میں ہے (انھیں خدائی خوشنودی حاصل ہو) ان ہر دو امور میں ہر کسی کی ماہیت اور علّت کا بیان - نیز اس امر کا بیان کہ نبوت و ولایت چونکہ کلّی امور میں سے ہیں اور منطقی حضرات کلیّات میں نسبت کو ان چار نسبتوں میں سے ثابت کرتے ہیں - یکسانیت، اختلاف (مغائرت) بے قید خصوصیت کا عموم اور خصوصیت کا کسی وجہ سے عموم - پس ان میں باہمی نسبت کونسی ہے؟ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے - تحقیق یہ جان لو کہ نبوّت حضرت انسان کے لیے کمالات کا کامل ترین اور قرب حق تعالیٰ کا انتہائی مرتبہ ہے، اور دوسرے کمالات مثلاً رسالت، اولوالعزمی اسی مرتبہ نبوّت کے اکمل و افضل ہونے میں شامل ہیں وہ کوئی الگ یا علیحدہ امر نہیں کہ یہ گمان کیا جائے کہ چونکہ اولوالعزم رسول ان نبیوں سے افضل ہیں جو اولوالعزم نہیں، اور جو غیر مُرسل ہیں - رسالت اور اولوالعزمی نبوّت سے فاضل تر ہو۔ ایسا بھی نہیں بلکہ یہ تمام کمالات کیا رسالت اور کیا اولوالعزمی، کیا خلافت اور کیا امامت کیا ولایت و حکمت یہ اسی جامع اور عالی قدر مرتبۂ نبوت کے اطراف و جوانب ہیں - افضلیت اور فوقیت کے اطلاق کے لیے مغائرت (غیر پن) درکار ہے - شامل کرنے والے مرتبے سے شامل ہونے والے مرتبوں کا مقابلہ کچھ زیب نہیں دیتا - مثلاً یہ نہیں کہا جا سکتا کہ زید کا سر زید سے زیادہ اونچا ہے - یا زید کا پاؤں زید سے زیادہ نیچا ہے - برعکس اس کے گرچہ یہ اجزا باہمی طور پر بلندی و پستی رکھتے ہیں لہٰذا سر کو اوپر اور پاؤں کو نیچے کہنا روا ہے - لہٰذا نبوّت کے اصل منصب کا ان اعلیٰ و ادنیٰ مراتب سے مقابلہ نہیں کرنا چاہیے - کیونکہ اس مرتبے کی شان و بلندی میں اسی مرتبۂ نبوت ہی کی رفعت و کمال ہے - اور اس مرتبے کی خامی و پستی کے لباس میں اسی مرتبۂ شاملہ کی خامی و پستی ہے - اور ارد گرد کے دیگر کمالات میں ایک دوسرے سے امتیاز کیا جا سکتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ ولایت کا مرتبہ حکمت

Marfat.com

کے مرتبے سے برتر ہے۔ اور رسالت کا منصب خلافت کے منصب سے زیادہ فائق ہے۔ اگرچہ نبوت خاص معنوں میں ہے اور ولایت عام معنوں میں۔ لیکن ولایت، نبوّت کی حقیقت کے اجزا میں داخل ہے۔ جیساکہ حیوان انسانی حقیقت کا ایک جزو ہے۔ اور حکمت اور ولایت میں عموم وخصوص بعض وجوہ سے ہے۔ بعض جگہ ولایت پائی جاتی ہے اور حکمت نہیں پائی جاتی اور بعض جگہ اس کے برعکس۔ بعض جگہ یہ دونوں مطالب یکجا جمع ہیں۔ اسی طرح رسالت اور امامت میں بھی عموم وخصوص اسی بنا پر ہے بعض جگہ میں بعض پائی جاتی ہے بعض جگہ ہر دو بہم یکجا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام (ہمارے نبی اور ان پر درود وسلام) کی دُعا کی وجہ سے ان کی نسل کو نبوت وامامت کے فیض کا شرف بخشا گیا، باوجودیکہ وہ انبیأ و مرسل نہ تھے۔ اور دوسرے انبیائے مرسلین باوجود رسالت کے امامت کا مرتبہ نہ رکھتے تھے۔ رسالت وامامت کی سعادت کی یکجائی حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت خاتم المرسلینؐ (ان پہ درود وسلام) ہی کے نصیب میں مخصوص کردی۔ اور نبوّت ورسالت کے ختم ہوجانے کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کو امامت اور اُس کے کمالات کا شرف بخشا۔ اور حضور پاکؐ کی مقبول دعاؤں کے مطابق حضورؐ کی آلؓ پہ آلؑ ابراہیم کی طرح ساری برکتیں نازل کیں اور اُن کو فیض خاص کا سرچشمہ بنایا۔ اولوالعزمی اور خلافت میں عموم وخصوص بھی اسی طرح ہے، اور علیٰ ہٰذا القیاس۔ ان مراتب میں سے ہر مرتبہ میں اک نسبت ہے جس کا امتیاز اس بیان کے مطابق کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر واحد کی تفصیل کہاں تک لکھی جائے کہ یہ معاملہ بہت طول چاہتا ہے۔ عاقل کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔ خلق خدا کو دعوتِ حق دینے پہ ہمت صرف کرنا اور معجزات کا ظہور پذیر ہونا نبوّت کے شرائط ولوازمات میں سے ہے اور مقام فرق تک مکمل طور پہ نزول فرما کر احکام خداوندی کی شدّ ومد سے تبلیغ کرنا رسالت کے لوازم سے ہے۔ اپنے ہی طریق یا سلسلے کو دوسرے طریقوں سے ممتاز کرنا اور پہلی شریعتوں کو منسوخ کرنا اولوالعزمی کے لوازم میں سے ہے۔ اور دنیوی اسباب کے ہوتے ہوئے بھی اپنے دامن کو ان سے داغدار نہ ہونے دینا اور اُن سے کوئی استفادہ نہ کرنا اور حتی الوسع تمام طور طریقوں اور صورتوں میں فقط اسی کی مکمل پیروی اور پورا پورا اتباع کرنا جس کی طرف سے وہ خلیفہ ہے۔ یہ سب باتیں خلافت کے لوازمات میں سے ہیں۔ اپنے زمانے کے قرب کے باوجود بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت تیس سال تک ہوگی، خلافت الٰہیہ میں قید زمانی نہیں ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ خود زمانی نہیں جو اس کی خلافت کی مدّت ختم ہوجائے۔ وہ ہر زمانے میں ہر کسی کے قریب ہے جیساکہ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ آپؐ سے لوگ میرے متعلق پوچھتے

Marfat.com

ہاں کہہ دیجیے کہ میں ان کے قریب ہوں۔ اس خلافت میں اطوار و اوضاع میں متابعت کی بجائے اسی اخلاقِ خداوندی کو بشری طاقت کے مطابق اپنانا اور انہی اوصافِ الٰہیہ سے متصف ہونا ہے۔ ذاتی تقدس اخلاق کی پاکیزگی اور وقتی تقاضوں کے مطابق تلوار کو بھی نیام سے باہر نکالنا امامت کے لوازمات میں سے ہے۔ ماسویٰ اللہ سے قطعی نجات، حق تعالیٰ کی طرف دائمی توجہ ولایت کے لوازمات میں سے ہے ۔ اور صحیح دریافت اور پھر اپنے علم کے مطابق عمل کرنا حکمت کے لوازمات میں سے ہے۔ اب مذکورہ بالا امور سے یہ خیال نہ کر لینا چاہیے کہ ان مراتب کے مالکوں کو فقط یہی خصوصی کمالات ہی حاصل ہوتے ہیں ۔ اور وہ دیگر فضائل سے محروم اور بے بہرہ ہوتے ہیں ۔ نہیں ایسا نہیں ہے، بلکہ ہماری مراد تو یہ ہے کہ ان مراتب کے مالکوں میں سے ہر فرد میں مجموعی طور پہ کمالات و فضائل جو ہوں گے سو ہوں گے۔ لیکن ان لازم اور مخصوص کمالات سے خالی ہونا ان کے لیے روا نہیں۔ لہٰذا مندرجہ بالا مقدمات و مطالب ان لوازم کے انخلا کے مانع ہیں نہ کہ مانع اجتماعِ کمالات۔ رباعی :

این کون و مکان جملہ ز آیات حق ست
منظہر پئے اظہار ظہورات حق ست
اثبات خدا آنچہ کنی نفی تست
نفی کہ نمائی بخود اثبات حق ست

ترجمہ رباعی : یہ کون و مکان (دونوں جہاں) اللہ تعالیٰ کی جملہ نشانیوں میں سے ہیں اور یہ سب حق تعالیٰ کی ذات کے ظہور کے مظاہر ہیں۔ جتنا حق تعالیٰ کا اثبات کرو گے اتنی ہی تمھاری اپنی ذات کی نفی ہے اور اگر اپنی نفی کرو تو گویا تم نے حق تعالیٰ کا اثبات کر لیا۔ (حسب معمول شاعر رباعی کی تلمیحات و اشارات و کنایات کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ) لفظ کون سے ہماری مراد ہے جو کچھ کہ کائنات میں ہے، اور یونہی مکان سے مراد جو کچھ کہ اس میں ہے، گویا کون و مکان کے دو لفظوں کا یہ مجموعہ تمام موجوداتِ ممکنہ پہ مشتمل ہے، خواہ مکانیات و غیر مکانیات، مادیات و مفردات کی قسم سے ہوں۔ اگر یہ کہا جائے کہ لفظ کون عام ہے جو مکانیات پہ بھی صادق آتا ہے، اور لفظ مکان خاص ہے جو غیر مکانیات پہ صادق نہیں آتا سوائے اپنے نفس کے کیونکہ مکان غیر مکانی ہے یعنی مکان کے لیے مکان نہیں ورنہ تسلسل لازم آتا لہٰذا صرف لفظ کون اپنی عمومیت و شمولیت کی وجہ سے یہاں کافی تھا اور ہی سب ممکنات کی دلالت کر دیتا

Marfat.com

تو پھر لفظ مکان کو یونہی بے فائدہ اور بلا ضرورت کا ہے کو لایا گیا تو ہم کہیں گے کہ یہ مادیّت و مجرّدات کے امتیاز کی وضاحت کے لیے ہے تاکہ ذہن تمام موجودات عالم کا مجموعی احاطہ آسانی سے کر سکے، اور بات جلدی سمجھ میں آجائے۔ نیز ان دونوں لفظوں کے محاورات میں عام رائج ہونے کی وجہ سے۔ محققین کے کلام میں بھی اکثر جگہوں پر یہی ترکیب آئی ہے وہ بھی خاص کے ذکر کے بعد عام کا ذکر کرتے ہیں۔ اور یہ نہایت معقول، پر لطف اور مفید بات ہے، کیونکہ ان کی باہمی ترکیب کے بغیر ان میں سے فقط کسی ایک لفظ کو لائیں اور دوسرے کو ساتھ نہ لائیں۔ اس صورت میں شعر میں موجودہ رنگ پیدا نہ ہوتا۔ حاصل کلام یہ کہ کائنات کی ہر موجود شے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ کیونکہ ساری ممکنہ موجودات ذات واجب کے وجود پہ دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ ساری مصنوعات اپنے صانع کی ہستی کی گواہی دیتی ہیں۔ اور یہ سب اس کے ذاتی کمالات اور اسی کے اسمائے حسنیٰ کے ظہور کے مظاہر ہیں۔ لہٰذا بارگاہِ اقدس حق تعالیٰ میں کمالی صفات کا جتنا بھی اثبات کیا جائے گا اور خیر و کمال کی نسبت کی جتنی تخصیص اُس حضرت وجود سے کی جائے گی بلاشبہ اتنی ہی گویا حقایق ممکنہ اور ان ماہیات سے خیر و نیکی کی نفی ہوگی۔ خیرات و کمالات کی نسبتوں کی نفی کا جتنا اطلاق ممکنات کی جانب کیا جائے گا بلاشبہ وہ حق عزّ و جلّ کے حضور میں تمام نیکیوں اور کمالات کے اثبات کا باعث ہوگا۔ کیونکہ وہی سننے والا ہے، وہی دیکھنے والا ہے، وہ جو ارادہ کرتا ہے ویسے ہی کر گزرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ یہ خدا ہی کا کام ہے جس نے ہر چیز کو مناسب انداز پر مضبوط بنا رکھا ہے۔ اور ہر شے کی مضبوطی اسی کی قدرتِ کاملہ سے ہے۔ جو کچھ بھی پیدا ہے اسی کی صنعت سے پیدا ہوا کیونکہ یہ حقائق ممکنہ جب ذاتی طور پر وجود سے محروم ہیں لہٰذا وجودی کمالات میں سے اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں رکھتے۔ یہ حق تعالیٰ کا وجود واجب ہی ہے جو تمام موجودات میں پھیلا ہوا ہے سارے اعتبارات میں اسی کے کمالات کی تجلّی ہے۔ ساری مصنوعات اسی کی صنعت کے مظاہر ہیں۔ اس نے اپنی قیومیت سے ہر شے کو مضبوطی بخشی، سب اسی کے فرمانبردار ہیں اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اگر مرتبۂ الوہیت کی جانب سے امکانی مرتبے کی طرف دیکھو اور بلندی سے پستی کی طرف آؤ تو چار و ناچار مفصل امکانی مراتب کا اثبات کرتے ہو اور من و تو کے باہمی امتیاز میں کھیلتے ہو، کیونکہ ہر چیز کا خالق تو وہی ہے اس کی طرف مخلوقات کو پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں آتا اور اُس کے وجود کو موجودات کو ظہور میں لانے کے سوا اور کچھ زیب نہیں دیتا۔ اگر حق کی جانب سے خلق کی طرف ملاحظہ کرو اور اوپر

Marfat.com

سے نچلی طرف متوجہ ہو تو بے اختیار ہی نچلے درجوں اور مرتبوں کا اثبات کرنا ہوگا۔ اور مہم من و تو کا امتیاز پیدا ہوگا، یعنی جب تم ذات الوجود کا اُس کی موجودیت کے امتیاز و نشان کے ساتھ تصوّر کرو تو اس مرتبۂ واحد سے ایک حیکہ نسبت نکلتی ہے اور اُسی وجود کے موجود ہونے کا مفہوم نکلتا ہے۔ اور یہ مفہوم اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ وجود کے معنی یہاں موجود ہی کے ہیں، وہ امر اسی سے کھنچا ہوا ہے اور وجود ظلّی ہے، اور جب اس موجودیت پہ غور کروگے تو دو مرتبوں میں پاؤگے۔ ایک تو موجودیت بالذات کے مرتبے میں اور دوسرے موجودیت بالغیر کے مرتبے میں۔ پس تم اول الذکر مرتبے کو واجب اور موخر الذکر کو ممکن پاؤگے۔ اور جب ممکنات کے سلسلے میں غور کروگے تو دو چیزیں سامنے آئیں گی ایک جوہر اور ایک عرض۔ اور جوہر کا ملاحظہ کروگے اسے بھی دو حصّوں میں منقسم پاؤگے، ایک مادی اور دوسرا غیر مادی (مجرد) مادّی کا مشاہدہ کروگے۔ اس کی بھی دو قسمیں سامنے آئیں گی۔ ایک حساس جو ارادے سے حرکت کرتی ہے اور دوسری غیر حساّس۔ اور جب ارادے سے حرکت کرنے والے حسّاس پہ نگاہ دوڑاؤگے اسے بھی دو صورتوں میں پاؤگے۔ ایک ناطق (بولنے والا) ایک غیر ناطق (نہ بولنے والا) پس غیر ناطق سے حیوان اور ناطق سے انسان مراد لوگے۔ اور علیٰ ہٰذا القیاس۔ تم نے سب کثیر التعداد مراتب اور انواع و اقسام کی جہات دریافت کرلیں، اور اس تمام کثرت کا مشاہدہ کرلیا۔ پھر اگر اپنی طرف سے اُدھر کو اس کی طرف صعود کروگے (اوپر چڑھوگے) اور ادھر سے اُدھر کی طرف مائل ہوجاؤگے تو اعتبارات کی نفی کے سوا اور کچھ ظہور پذیر نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر موجود اسی وجود پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اگر اپنی طرف سے حق کی طرف رجوع کیا اور عروج کا ارادہ کیا تو اعتبارات موہومہ کی نفی کے سوا اور کچھ سمجھ میں نہ آئے گا۔ اور ہر موجود فقط اسی ایک وجود واجب پہ گواہی دے گا، کیونکہ جب تم نے اپنی پہچان کے سلسلے میں غور و خوض کیا اور یہ ارادہ کرلیا کہ خود کو شناخت کرسکو تو پھر تم سمجھ جاؤگے کہ تم حیوان ناطق ہو۔ پھر اگر یہ سوچا کہ حیوان کیا چیز ہے تو تم پہ کھل جائے گا کہ حیوان نشو و نما پانے والا، حس کرنے والا اور ارادے سے حرکت کرنے والا جسم ہے۔ پھر اگر سوچا کہ جسم کیا چیز ہے تو تم پہ کھل جائے گا کہ وہ جوہر ہے۔ جوہر کی حقیقت پہ غور کرنے سے پتہ چلا کہ موجودِ ممکنہ ہے مزید سوچا کہ موجود کیا چیز ہے تو پتہ چلے گا کہ موجود فقط وہی اک ذات الوجود ہے۔ وہی خود وجود بھی ہے اور خود ہی موجود بھی، اور اس تمام کثرت کا یہ امتیاز تو نسبتوں اور اضافتوں سے پیدا ہوا۔ لیکن نفس الوجود میں کثرت نہ آئی۔ ہر جگہ وہ حقیقتِ

Marfat.com

واحدہٗ جلوہ فرما ہے۔ تمام مراتب کی ابتدا میں تم نے وجود کو مختصراً سمجھتے ہوئے اس کی تفصیل دریافت کرنے کا ارادہ کیا اور ان تفصیلی مراتب کے آخر میں بھی وہی وجود دریافت ہوا۔ وجودی اعتبارات کو ظاہراً بھی دیکھا اور باطناً بھی وجودی نسبتوں کا ادراک لیا۔ وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے، وہی باطن اور ہر شے کو جاننے والا ہے۔ ہر موجود کی ہستی اس کی ذات پر دلالت کرتی ہے۔ اور جو کچھ بھی ہے اُسی سے ہے۔ ہر چیز اُسی کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔ وہ سبوح ہے اور قدوس ہے۔ وہ اللہ بلند و بالا ہے اور نہیں ہے کوئی چیز مگر یہ کہ تسبیح کرتی ہے اللہ کی خود اپنے نفس کے لیے تسبیح کے سلسلے میں، اور وہ عزت و جلال والا بہت تسبیح بیان کرتا ہے اپنی ذات کی اور اشیا کی، چیزیں جو تسبیح کرتی ہیں اس کے تتبع میں تسبیح کرتی ہیں اس کی تعریف کے ساتھ اور تسبیح کرتی ہے اس کے لیے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ تسبیح کے معنی ہیں پاکی یا خدا کو پاکی سے یاد کرنا۔ پس ہر شے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ یعنی ہر مقیدّ موجود اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ وہ واجب الوجود اپنی ذات کے لحاظ سے پاک ہے، اور ان تمام تقیدّات اور اضافات سے مبرّا ہے۔ اور اطلاقیت کی قید سے بھی برتر ہے۔ اور حمد کے معنی ثنا ہیں، لہٰذا ہر ممکن الوجود اللہ تعالیٰ ہی کا محتاج ہے۔ اس کا یہی وجود ممکنہ اسی واجب جل جلالہٗ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے۔ حمد کا مفصل ذکر متن کے خطبے کی شرح میں آچکا ہے۔ اب ہم پھر اپنے اصل مطلب کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ اوپر سے نچلی طرف توجہ کرتے وقت ظہور کے سبھی مراتب کا مکمّل اثبات ہو جاتا ہے اور نیچے سے اوپر کی طرف توجہ کرنے سے ذہن میں اعتبارات ہی آتے ہیں جیسے کہ یہ بیان پہلے آچکا ہے۔ لہٰذا رسولؐ جو اپنا رُخ خلقِ خدا کی طرف رکھتے ہیں اور اوپر سے نچلی طرف آتے ہیں ان کی نسبت زیادہ مناسب و بہتر ہے۔ رسول کے معنی ہیں بھیجا ہوا اور یہ سب رسول حضرات (ان سب پر سلام و درود) اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ ان کا رُخ ہمیشہ خلق کی جانب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ برگزیدہ بندوں کا سہارا و پشت پناہ اور ہر گام پر ان کا حامی و مددگار ہوتا ہے اور ہر کام میں اللہ کے سوا نہ کوئی پشت پناہ ہے اور نہ ہی مددگار۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس کی طرف سے نصرت پانے والے ہیں۔ رسولانِ حق کا ماسوئی اللہ کی طرف رُخ کرنا ان کے قربِ خداوندی کی قوت کے کمال اور مرتبۂ الوہیت سے عین اتحاد کی بنا پر ہے جو کہ اولیائے کرام کے روبحق ہونے سے بدرجہا بہتر و برتر ہے۔ کیونکہ ایک چیز کے دوسری چیز کی طرف رُخ کرنے کے لیے مغائرت (غیر جنسیت)

Marfat.com

درکار ہے۔ کوئی شخص کبھی اپنا رُخ اپنی طرف ہی نہیں کرتا۔ ہر کسی کا رُخ دوسرے کی طرف ہوتا ہے۔ لہٰذا انبیائے کرام (ان پر خدا کا درود و سلام) کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اصل سے واصل ہے اور اولیائے کرام (خدا ان سے راضی ہو) جو سائے کے پردے میں ہیں ان کی مثال عکس کی سی ہے۔ اگرچہ ظاہری اعتبار سے آئینے کی طرف متوجہ ہونے والا شخص عکس کو دیکھتا ہے جو اس سے علیحدہ چیز ہوتی ہے۔ وہ اپنی طرف نگاہ نہیں کرتا، لیکن حقیقت میں وہ اپنے ہی حسن کا نظارہ کر رہا ہوتا ہے اور اپنے ہی مشاہدے میں مستغرق ہے ہر چند کہ وہ ظاہر میں اصل کے نظارے کے لیے آنکھیں کھولتا ہے اور ماسویٰ کی طرف سے مُنہ موڑ لیتا ہے لیکن واقعتاً اصل سے غیر جنس (مغائر) ہے اور وہ مشاہدے کی حقیقت سے بے خبر ہی رہا۔ پس پیغمبر حضرات کہ نزول تام کے مقام پر اُتر آتے ہیں، ان کی نسبت اعلیٰ و ادنیٰ ہے یعنی حق کی طرف سے مخلوق کی طرف تشریف فرما ہوتے ہیں اور اتحاد کے باوجود بھی انھوں نے امتیاز کی ڈوری ہاتھ سے نہ چھوڑی، عین جمع کی حالت میں بھی فرق کی بنیاد رکھی۔ وہی نائب حق ہیں، وہی اللہ تعالیٰ کے خلیفے ہیں، اور ان کی توجّہ سنت الٰہیہ کے عین مواقف ہے۔ وہ اِدھر ہی کو بھیجے گئے تھے۔ جب کہ اللہ کے رسول، اللہ کے نائب اور خلیفہ ہیں پس وہ متوجہ ہوئے مخلوق کی طرف اور وہ جلوہ نما ہوئے ان پر حق کے انداز میں جو ان کی دُعا کو قبول کرنے والا ہے۔ اللہ نے ان کو بھیجا دُنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کے نزول کے ضمن میں۔ پس اُنھوں نے ثابت کیے مرتبے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا خلائق کو اور اُنھوں نے بیان کیں شرعی قیود اور پسندیدہ امور۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ لہٰذا احکام خداوندی مراتب ظاہرہ کے اثبات سے لٹکے ہوئے ہیں یعنی رسولوں کے اس رو بحق ہونے سے شریعتوں کے احکام کو اثبات مراتب سے مربوط کیا گیا۔ اور نیک کاموں اور ممنوعہ (برے کاموں) کو بیان کیا گیا جو حق و باطل میں امتیاز کرنے والے ہیں۔ کفر و اسلام کا امتیاز واضح کیا گیا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا اظہار کیا گیا، دینوی و اخروی فلاح ظہور میں آئی اور ظاہری و باطنی طور پر جو کچھ بھی انسان کے لیے مفید ہے اسے بیان کیا گیا، اللہ کے رسولوں نے فرمایا کہ ہمارا ربّ جانتا ہے کہ اے اہل عالم ہم تمھاری ہی طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمّے تو صرف واضح طور پر حکم کا پہنچا دینا تھا۔ یعنی اُنھوں نے کہا کہ ہم تو خدا کے بھیجے ہوئے ہیں، ہم از خود نہیں آئے۔ مراد یہ کہ اپنی ہی خودی کے توہمات میں پھنس کر نہ ہم تمھاری طرح اعتبارات میں کھوئے ہوئے ہیں اور نہ ہی تمھاری طرح غفلت کی وجہ سے ان تقیّدات کے مقیّد ہیں۔ بلکہ حقیقت بینی کے کمال اور

Marfat.com

اللہ کی طرف سے نازل کیے جانے کے سبب ہم تمھاری طرف متوجہ ہوئے ہیں اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے ذمّے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم تک روشن اور واضح پیغام پہنچادیں۔ یعنی وہ جو اعتباری امور سے ان سب عوام پر ظاہر اور عیاں اور روشن ہے۔ ہم بھی انھی مراتب کا اثبات کرتے ہیں اور ان کی غلطی و درستی سے آگاہ کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کو فلاح و نجات مل جائے۔ اور جس کسی کی قسمت اور مقدر میں ہو اس پر اس بیان سے حقیقت کی راہ کھل جائے اور بےچارے عوام کو کوئی نقصان نہ پہنچے کیونکہ ہم تو بھیجے گئے ہیں خواص اور عوام کی طرف، ہمارا کام تو ابلاغِ مبین یعنی واضح و روشن طور پر پیغام پہنچانا ہے۔ ابلاغِ خفی اولیائے کرام کا کام ہے۔ وہ پوشیدہ اُمور کے متعلّق گفتگو کرتے ہیں اور جو کچھ عوام کی نظروں سے اوجھل ہے اس کے اظہار پر لب کشائی کرتے ہیں۔ چونکہ امر مبین اک روشن راہ ہے لہذا عوام کی طرح اولیا بھی ہمارے تابع ہیں۔ اور رسالت کا یہ منصب ولایت کے مراتب پر حاوی و شامل ہے اور اولیائے کرام اور مومنین کو رسولوں کے اتباع سے گریز نہیں ہے۔ ان کی برہان، برہانِ لمی ہے۔ دلیل تالیف کیا ہوا قیاس ہے یقینی باتوں میں سے برابر ہے کہ وہ ہو ابتداً اور یہی ضروریات ہے یا درمیانے درجے کے ہوں اور یہی نظریات میں حدِ اوسط جو ہے اس میں اس کے سوا چارہ نہیں کہ ہو کوئی سبب نسبت اکبر کا نسبت اصغر کی طرف۔ پس اگر ہو اس کے ساتھ اس نسبت کے وجود کی علت خارج میں بھی تو وہ برہانِ لمی ہے۔ کیونکہ وہ لمیّت کا فائدہ پہنچاتی ہے یعنی ذہن اور خارج میں علیّت کا۔ جیسے ہمارا کہنا کہ یہ شخص خلطوں کے لحاظ سے متعفّن ہے۔ پس ہر متعفن الاخلاط بخار زدہ ہوتا ہے۔ پس یہ بخار میں مبتلا شخص متعفّن الاخلاط ہے جیسے کہ وہ سبب ہے بخار کے ثبوت کا ذہن میں، اسی طرح وہ سبب ہے بخار کے ثبوت کا خارج میں۔ اور اگر ایسا نہ ہو، بلکہ نہ ہو علّتِ نسبت مگر ذہن میں ہی تو برہانِ انی ہے۔ جیسے ہمارا کہنا کہ یہ شخص بخار زدہ ہے اور ہر بخار زدہ متعفّن الاخلاط ہوتا ہے۔ پس یہ متعفّن الاخلاط ہے اور اگر یہ ہو سبب ثبوت تعفّن اخلاط کا ذہن میں مگر یہ کہ اس کے لیے کوئی علّت موجود نہیں خارج میں۔ بلکہ معاملہ بالعکس ہے یعنی تعفّن اخلاط سبب ہے ثبوت بخار کا خارج میں۔ یہاں حاصل مطلب یہ ہوا کہ برہانِ لمی کی صورت میں جس طرح پہلے علّت کا ادراک دکھایا جاتا ہے اور پھر علّت کی وجہ سے معلول کو دریافت کیا جاتا ہے۔ اسی طرح پیغمبران (ان پر درود و سلام) پہلے تو صانعِ حقیقی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر اس کی بنا پر مصنوعات کی دریافت کرتے ہیں اور اولیائے کرام جن کا رُخ حق تعالیٰ کی طرف

Marfat.com

ہوتا ہے اور عروج کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کی نسبت ثانوی حیثیت کی ہے۔ سو رسالت میں رو بخلق
ہوتا ہے اور مقام نزول کے مالک پیغمبروں کو دعوتِ حق کی تبلیغ کا کام سونپا گیا اور عروج کی طرف متوجہ
ہونے والے اولیائے کرام اپنی اس حالت کے لحاظ سے دعوتِ خلق کے کام پہ مامور نہیں ہیں اور کرامات
کا ظہور بھی ولایت کی شرائط میں سے نہیں ہے۔ اور یہ بعض کامل اولیا جو لوگوں کے رشد و ہدایت اور دعوتِ
حق میں لگ جاتے ہیں تو وہ نبوت کے کمالات کے حاصل کر لینے کی بنا پر ہے۔ اور عروج کے بعد نزول کی طرف
آنے کی وجہ کے ساتھ کہ ولایت کی اس نسبت کی وجہ سے، اولیا کی نسبت ثانوی حیثیت کی نسبت ہوتی ہے۔
یعنی خلق کی طرف سے خالق کی طرف جاتا ہے، یعنی اللہ کی طرف سفر۔ انبیائے کرام (ان سب پہ خدا کی سلامتی
ہو) اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہیں سے دونوں کے فرقِ مراتب کا اندازہ کر کے حقیقت کو
دریافت کر لینا چاہیے۔ از خود کسی طرف کو جانے میں تو اپنے ارادے اور قصد کا عمل دخل بھی ہوتا ہے، خواہ
مجازاً ہی ہو اور حقیقتاً نہ ہو۔ اور یہ بھیجے جاتے میں اپنے ارادے اور قصد کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ نہ حقیقت کی
رو سے اور نہ مجازی رو سے۔ وہ تو فقط بھیجنے والے کی مرضی ہے حقیقتاً ہو یا مجازاً، حق بات تو یہ ہے
کہ ولایت کی نسبت کو حاصل کرتے میں ارادے کی کیفیت ہے اور اس میں سعی و کوشش کو بھی عمل دخل ہے
اور یہ سلوک کے اکتساب اور ذکر اذکار کی دائمی مشغولیت اور کیفیت و حالات کے مطالعے سے بھی
حاصل ہوتی ہے اور اکابر دین کی اسی محبت سے حضوری و مشاہدے میں دوام کی جھلک آجاتی ہے اور
اُس کا ملکہ میسر آجاتا ہے۔ نبوّت کے منصب پہ مشرّف ہوتے ہیں۔ اللہ کے انتخاب و برگزیدگی کی نسبت
کا تعلق ہے۔ وہاں کسی قسم کی سعی و کوشش کا عمل دخل نہیں۔ یہ اپنی کوشش سے حاصل کردہ چیز نہیں
ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا اپنے انتخاب ہی سے مقام نبوت پہ فائز کر دیا۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ اولیائے
کرام جو حق تعالیٰ کے مشتاق ہوتے ہیں۔ وہ ہر گھڑی اپنی خودی و انا سے بیزاری و نفرت کا اظہار کرتے
ہیں۔ اور ماسوی اللہ سے کلّی طور پہ منقطع ہو کر اعتبارات کی نفی اور نسبتوں سے مکمل انقطاع کر لیتے ہیں۔
یعنی کہ وصالِ محبوب کے صاف شفاف پانیوں کے یہ پیاسے چونکہ معشوقِ حقیقی کا عریاں وصل
چاہتے ہیں، جو عبارت ہوتا ہے ذاتِ پاک کے مشاہدے سے۔ لہٰذا وہ اعتبارات کے حجابوں کو
ہر لحظہ دُور کرتے رہتے ہیں۔ اور اضافتوں اور نسبتوں کے لباسوں کو دم بدم پھاڑتے رہتے ہیں۔ لیکن
اگر وہ حضور رحمت عالمؐ (ان پر خدا کا درود و سلام) کا کامل اتباع کرتے ہوئے الحیامن الایمان

Marfat.com

(ایمان حیا سے ہے) کی عینک اپنی چشمِ بصیرت پر لگائیں تو یقین ہے کہ ان کی نگاہ بڑی تیز ہو جائے گی۔ کہ ان اعتباری پردوں کے باوجود بھی جو وہ چاہتے ہیں وہ اُنھیں زیادہ خوب اور حسین نظر آئے گا، جیسے کہ پوشاکیں محبوب کی مزید زینت و آرائش کا موجب بنتی ہیں۔ حیف صد حیف یہاں تک ہو سکے حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل اتباع کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ محب ہونے کی نسبت محبوبیت میں بدل جائے اور مُرید ہونے کی نسبت مراد پانے میں ظہور پذیر ہو۔ اور دیکھئے اس کی وضاحت اس آیت کریمہ میں کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتّباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے، بہر حال یہ معاملہ اس تقاضے کی بنا پر ہے کہ سب چیزیں اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہیں جو بے اختیار ہی ہوتا ہے۔ ورنہ اولیا اللہ کی راہ و رسم تو وہی ہے جس کا بیان آ چکا ہے۔ ان کی دلیل انی ہوتی ہے۔ دلائل اور ان کی قسموں کا مفصّل ذکر آ چکا ہے۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جس طرح برہان انی میں پہلے معلوم دریافت کیا جاتا ہے اس کے بعد علّت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ولایت کی نسبت میں پہلے مصنوعات کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اس کے بعد صانع کی معرفت کا سراغ لگایا جاتا ہے۔ اور انفس و آفاق کے توسط سے اُس حکیم مطلق کی معرفت کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ آیتِ کریمہ کہ ہم عنقریب ان کو اپنی قدرت کی نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دکھا دیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی حتیٰ کہ یہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ یہ قرآن حق ہے اسی مقام کے متعلق خبر دیتی ہے۔ اور وہ قربِ نبوت ہے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ذاتِ اقدس سے اپنے معاملے کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ پیغمبر نے دیکھا جو کچھ کہ دیکھا اور ہم نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ کہ نازل فرمائی تھی۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ولایت جنسی مفہوم ہے جو مختلف حقائق اور متفرق انواع پر مشتمل ہے۔ یعنی جس طرح مختلف انواع اور متفرق حقائق میں جنسی معنی شامل ہوتے ہیں، اسی طرح ولایت کا مفہوم بھی متعدد اقسام اور کثیر التعداد حقائق پر مشتمل ہے۔ اس لیے کہ اولیائے کرام کی بہت سی قسمیں ہیں۔ بعض مجذوب ہوتے ہیں، بعض سالک، بعض تنہائی پسند و گوشہ نشین، بعض اربابِ جلوت و عشرت، بعض مجرّد اور بعض مقیّد اور قید و بند کے قائل اور علیٰ ہذا القیاس۔ اور بھی قسمیں ہیں اور نبوت اسی نوع کا مفہوم ہے۔ نوعی قسم کی ماہیت وہ ہے جو ہوتی ہے اس کے افراد میں برابر۔ بے شک ماہیتِ نوعیہ ہر فرد میں اسی چیز کی متقاضی ہے جس کا تقاضا وہ کسی دوسرے فرد میں کرتی ہے، جیسے انسان۔ بے شک تقاضا کرتی ہے زید میں اسی چیز

Marfat.com

کا جس کا تقاضا کرتی ہے عُمر میں - یہ برعکس ہے ماہیتِ جنسیہ کے اور وہ یہ ہے کہ جو نہیں ہوتی افراد میں برابر برابر - حیوانیت انسان میں تقاضا کرتی ہے بولنے کا اور اس کے علاوہ کسی اور میں تقاضا نہیں کرتی - پس نبوت ولایت کی طرح مختلف انواع پر مشتمل نہیں - بلکہ نوعی مفہوم کی طرح وہ حقیقتِ واحدہ ہے اور تمام انبیائے کرام (ان کا درود و سلام) کا وطیرہ ایک ہی اسلوب پر رہا - وہی خلقِ خدا کو توحید کی دعوت دینا اور شریعتِ الٰہیہ کا اظہار کرنا، اور وہ ایک دوسرے سے صنفی طور پر اختلاف نہیں رکھتے ہیں - قرآن شریف کی یہ آیتِ کریمہ کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے انہی معانی کی خبر دیتی ہے - کیونکہ یہ بزرگوار ایک ہی کام (تبلیغ) پر مامور تھے - کلیات میں ان کے اندر حقیقی اتفاق ہے - پس انبیائے کرام کا اختلاف صنفی اختلاف ہے یعنی جزئی اختلافات - مخصوص اشیا کے حرام و حلال ہونے اور طاعات و عبادات کے بجالانے کے طریقوں پر ہے جو زمانے اور شخصی استعدادات کے مطابق واقع ہوئے - یہ ظاہری اختلافات ہیں حقیقی نہیں ایسے ہی جیسے کہ صنفی اختلافات ہوتے ہیں - اور رومی اور حبشی اگرچہ شکلوں میں مختلف ہیں لیکن حقیقتاً انسانیت میں ایک ہی ہیں - اور ان سے ایک کی دوسرے پر فضیلت ایسے ہی ہے جیسے زید کی عمر پر یعنی انبیائے مرسل کی انبیائے غیر مرسل پر - اور اولوالعزم انبیا کی غیر اولوالعزم انبیا پر جتنی کچھ حقیقت ثابت ہے وہ اسی قسم کی فضیلت سمجھنی چاہیے جیسی زید کی فضیلت عمر پر کیونکہ انسانیت کے لحاظ سے ان میں فرق نہیں ہوتا ان میں وصفی فضیلت ہوتی ہے - اسی اعتبار سے قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی - اور ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اسی لحاظ سے ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے - اور اولیائے کرام کا اختلاف ان مختلف انواع کے اختلاف کی طرح ہے جن کی حقیقت بھی مختلف ہوتی ہے - یعنی وہ کلّی اختلاف رکھتے ہیں اور کلّیات میں بھی فرق (تفریق) و جدائی پیدا کر لی ہے - جو لوگ ان کے احوال، کتب اور اقوال سے واقف ہیں ان سے پوشیدہ نہ ہوگا - ان میں سے ایک کی دوسرے پر فضیلت ایسے ہی ہے جیسے گھوڑے کی بکری پر فضیلت ہوتی ہے، کوئی نادان آدمی حیوانات سے ہماری اس تشبیہ و تمثیل کو جو محض کلّی اختلاف کے سمجھانے کے لیے لائی گئی ہے - اولیائے کرام (خدا ان سے راضی ہو) کے حضور میں بے ادبی و گستاخی پر محمول نہ کرے - بیشک تمثیل ہوتی ہے مثل لہٗ کے معنی کے انکشاف کے لیے اور اس کے اظہار کے لیے اور اُس کے رازوں سے حجاب اُٹھا دینے کے لیے اور معاملے کی وضاحت کے لیے جو مشترک ہونا

Marfat.com

ہے۔ اس کے اور ممثل کے درمیان اسی لیے پھیل گئیں امثال قطب الیہ میں جو نازل ہوئیں انبیاء پر اور پھیل گئیں بلیغ لوگوں کی عبارتوں میں اور فصحا کے محاورات میں اور حکما کے اشاروں میں اور علماء کے مرادی معنوں میں اور لازم نہیں اس کا ہونا ممثل لہ، ہونا ممثل لہ کا بعینہٖ ممثل اور متحد اپنی ذات میں بلکہ تمثیل تو ایک حکم کا اثبات ہے ایک چیز میں اس کے ثبوت کے لیے دوسری چیز میں ایک سبب کی وجہ سے جو ان دونوں میں جمع ہے۔ جب نبوت میں نوعی مفہوم پایا تو نوع انسانی ہی سے تمثیل دی گئی۔ اور ان کے افراد کے اضافی اور ظاہری اختلافات کی مثال نوع انسانی کے تشخصات و تعینات کے امتیازات سے دی گئی۔ اور ولایت میں چونکہ جنسی مفہوم ثابت ہوا اس جنسی مفہوم کے اثبات کے لیے حیوانی معانی کی جنسیت سے دی گئی، جس سے ان میں حقائق کا اختلاف اس جنس کی انواع کے اختلاف کی طرح ظاہر ہو گیا۔ پس اس قسم کے عامیانہ شبہات تو جاہلوں اور منکروں کے دلوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتا اس بات سے کہ بیان کر دے کوئی مثال بھی خواہ مچھر کی ہو، خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو۔ سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں خواہ کچھ ہی ہو وہ تو یقین کریں گے کہ بیشک یہ مثال تو بہت ہی موقع کی ہے۔ ان کے رب کی جانب سے، اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے ہیں سوچا ہے کچھ بھی ہو جائے وہ یوں ہی کہتے رہیں گے کہ وہ کونسا مطلب ہو گا جس کا قصد کیا ہو گا اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ تمام اولیائے اللہ جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں وہ حقیقت کے مرتبے میں متحد ہیں اور نوعیت کے مرتبے میں مختلف ہیں۔ یعنی مرتبۂ ولایت جو جنسی مفہوم ہے اس میں یہ سب بزرگوار متحد ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی دوستی ان سب کے لیے ثابت و مسلّم ہے۔ لیکن اپنی نوعیت کے مراتب میں فصل خصوصی کے الحاق جیسے حرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے فرق اور اختلاف رکھتے ہیں جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نزول نوعِ نبوت کو ممتاز کرنے والی خصوصیت ہے۔ جس طرح ولایت کو بمنزلہ جنس کے اور نبوت کو بمنزلہ نوع کے بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے نزول حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اسی طرح نوع کو ممتاز کرنے والی خصوصیت کہا گیا ہے۔ اور حق بات یہ ہے کہ انبیاء و اولیا میں فرق کرنے والا یہی امر ہے۔ ورنہ جنس ولایت کے مرتبے میں اولیا بھی انبیا کے شریک ہیں۔ جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام کا وحی لانے کا سلسلہ نوع نبوت کے لیے امتیازی خصوصیت ٹھہری، اسی طرح ہر ولی اللہ کو امتیازی خصوصیت لاحق ہوتی ہے۔ اور اس کی خصوصی ولایت کو عام ولایت سے ممتاز کر دیتی ہے۔ یعنی ہر ولی اللہ کو دوسروں سے فرق دینے

Marfat.com

والا امر خاص لاحق ہوتا ہے۔ یہاں ولایت عامہ کے الفاظ سے مراد ولایت کی عمومیت و شمولیت کا اظہار ہے۔ جیساکہ لفظ جنس کی قید سے ظاہر ہے۔ نہ کہ اس سے وہ ولایت عامہ مقصود ہے جو اصطلاحاً عامۃ المسلمین کے نصیب میں ہے۔ منظور یہ ہے کہ یہ بھی اک خاص امر اور جنسی ولایت کی مختلف انواع سے اک نوع ہے۔ سوال اگر یہ کہا جائے کہ امتیازی خصوصیت تو نوع کے کلی معانی میں لاحق ہوتی ہے۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نزول پہ امتیازی خصوصیت کی مثال جو نبوت کے معانی کو ولایت کے معانی سے خصوصیت بخشتی ہے اور تمام انبیا کے حال میں کلّی طور پر شامل ہے تو صادق آگئی، مگر یہ جو تم نے کہا کہ ہر ولی کو بھی امتیازی خصوصیت لاحق ہوتی ہے اس کے کیا معنی ہیں کہ یہاں یہ ایک فردِ واحد سے عارض ہوتا ہے۔ جواب میں یہ کہوں گا کہ یہاں ہر ولی سے مراد ہر ولی کی نوع ہے اور ایسے اولیائے کرام جو ایک ہی امتیازی خصوصیت سے مخصوص ہیں اور ولایت میں ہم مرتبہ ہیں، ان میں اختلاف ظہور پذیر نہ ہوگا۔ وہ ایک ہی ڈھب پر رہیں گے۔ سوال اگر تم یہ کہو کہ چلو یہ شبہ تو زائل ہوا لیکن ابھی دوسرا شبہ باقی ہے کہ جس طرح جنس و نوع کلّی معنی میں ہے۔ اسی طرح فصل اسی طرح فعل (امتیازی خصوصیت) بھی کلّیات میں داخل ہے تو حضرت جبرئیل کے نزول کو فصل (امتیازی خصوصیت) کیسے کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ تو ایک فرشتہ ہیں۔ وہ فرد واحد ہیں، وہ افراد نہیں۔ جواب میں یہ جواب دوں گا کہ افراد کی تعداد ضروری نہیں۔ مثلاً سورج جو کلّی ہے اور ہے فرد واحد۔ اس کے ساتھ ہم نے حضرت جبرئیل کے نزول کو فصل (امتیازی خصوصیت) کہا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو۔ پس نزول کے معنی کلّی ہیں اور ہر بار کا نزول افراد میں داخل ہے۔ پس یہ سمجھ لو چونکہ میں نے انبیائے علیہ السلام کی نوع کے سلسلے میں امتیازی خصوصیت (فصل) کا ذکر کیا ہے۔ اور اولیائے کرام (خدا ان سے راضی ہو) کے انواع کی امتیازی خصوصیت کا بیان نہیں کیا لہٰذا ان امتیازی خصوصیتوں کے اظہار کی عدم ضرورت کے لیے بہت ہی امتیازی خصوصیات کہا گیا، اس لیے کہ وہ بہت زیادہ اور بے شمار ہیں۔ اور ہمیں تمام امتیازی خصوصیتوں کے علم کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ منطقی حضرات بھی ان کے سمجھانے کے لیے چند مثالیں پیش کرتے ہیں جو ناطق (بولنے والے صاحبِ عقل) صاہل (ہاتھ پاؤں مارنے والا اونٹ) اور ناہق (ہینگنے والا گدھا) وغیرہ ہوتی ہیں۔ اور تمام انواع کی امتیازی خصوصیات کو نہیں جانتے۔ یعنی منطقی بھی جو اس قواعد کے بانی ہیں وہ بھی تمام انواع کی امتیازی خصوصیات کو نہیں جانتے۔ بلکہ وہ تمام انواع اور ان میں سے کئی کو پہچانتے تک نہیں۔

Marfat.com

جن کی کوئی حد اور انتہا نہیں تو پھر ان کی امتیازی خصوصیات کا کیا ذکر ؟ وہ فقط یہی چند مذکورہ بالا مثالیں ان امتیازات و انواع و اقسام کے سمجھانے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ پس ہم نے بھی اگر ایک مثال بیان کر دی تو کافی ہے۔ دوسری امتیازی خصوصیتوں کے بیان کی ضرورت نہیں۔ اور بحث کے معقولہ موضوعات کو مثالوں کی اتنی حاجت بھی نہیں رہی اور ولایت و نبوت کے درمیان عمومیت و شمولیت مطلق کی نسبت ہے جو جنس اور نوع میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ جہاں ولایت تو پائی جا سکتی ہے نبوت نہیں پائی جا سکتی۔ لہٰذا جہاں نبوت پائی جا سکتی ہے، ولایت بھی پائی جا سکتی ہے۔ چونکہ عموم و خصوص کی یہ نسبت ولایت و نبوت میں ثابت اور مسلّم ہے، لہٰذا انبیا علیہ السلام اولیا کی نسبت خواص ہیں، اور اولیائے کرام ان کی نسبت سے عوام ہیں۔ سو ولایت مفہوم عمومی ٹھہرا جو اولیائے کرام کے ساتھ انبیا علیہ السلام میں مشترک ہے۔ اور نبوّت مفہوم خاص ہے جو انبیا اور اولیا کے درمیان نشانِ امتیاز ہے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ نوعی معنی میں انبیائے علیہ السلام کے اتفاق کے باعث کسی نبی نے کسی دوسرے نبی کی تکذیب نہیں کی (جھٹلایا نہیں) اور ان میں اختلاف نہیں، مگر جزئی جیسے کہ انسان جو نوع کلّی ہے اس کے افراد زید و عمرو وغیرہ درحقیقت متفق ہیں گو صورت میں مختلف۔ یہ عبارت نبوّت کی نوعیت کے اثبات سے متعلّق ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ تمام انبیا علیہ السلام جس طرح اپنی انسانیت میں متفق الحقیقت ہیں اسی طرح امر نبوت میں بھی متفق الحقیقت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناسخیت (منسوخ کرنے والا) اور منسوخیت (منسوخ ہونے والا) کہ وہ تو درحقیقت اپنے آپ ہی سے انکار ہو جائے گا۔ اور یہ شریعتوں یا دینوں کو منسوخ کرنا یا منسوخ ہونا تو مختلف زمانوں اور استعدادوں کے اعتبار سے واقع ہوتا ہے۔ جو اختلاف حقیقی میں شمار نہیں ہوتا۔ وہ تو ظاہری اختلافات میں سے ہے جیسے کہ افراد انسانی کو ظاہری شکلوں میں اختلافات لاحق ہو جاتے ہیں۔ یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ انبیاؑ میں باہمی طور پر استعدادوں کا فرق نہیں۔ اور ان سب کی حقیقت ایک ہی ہے۔ کیونکہ یہ بات تو خلاف واقع ہے بلکہ ہر نبی کی استعداد علیحدہ اور حقیقت الگ ہے اور جائز ہے کہ بعض ان معانی میں بھی متفق ہوں۔ لیکن لفظ متفق الحقیقت سے ہماری مراد ان کے منصب نبوّت میں اتفاق ہے، اور اولیائے کرام کا اختلاف اس لیے ہے کہ ان کی حقیقتیں مختلف ہیں اور انواع متعدد، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اسی بات کو ہم نے اولیاؑ کے اختلافات کے باوجود دوبارہ ان کی حقیقت کی تاکید کے لیے دہرایا ہے۔ تاکہ یہ نافہم سمجھ جائیں، کہ انھوں نے اپنے اختلافات کی وجہ سے اپنے

Marfat.com

ولایت کے معاملات میں ایک دوسرے کی نفی یا تنقیص نہیں کی، ان میں سے کسی کی ولایت پر شبہ نہیں۔ جنسیت کے مرتبے میں وہ بھی الگ ہیں۔ بلاشبہ ان میں سے ہر کوئی اللہ تعالیٰ کا دوست ہے اور بارگاہِ حق جل شانہ، کا مقرّب ہے۔ اور اس بات میں سب بزرگواروں کو اتفاق ہے اور جنسی معنی ان سب میں شامل ہیں۔ وہ نوعی مرتبے میں اختلاف رکھتے ہیں اور کلّی اختلافات درمیان میں لاتے ہیں۔ اور اعمال، مصروفیات، احوال، اوضاع و اقوال اور ذوق وغیرہ مختلف ہیں۔ اور اس مرتبے میں حقائق اور استعداد کے تقاضوں کے مطابق اُنھوں نے اختلافات پیدا کیے ہیں۔ اور ہر نوع کے افراد دیگر انواع کے افراد سے یوں جدا ہو گئے ہیں کہ گویا ان میں مکمل غیریت ہے اور اُنھوں نے پوری جدائی پیدا کر لی ہے، یہاں تک کہ اس مرتبے میں اولیاؒ میں سے ایک نے دوسرے کو زندیق کہہ دیا (ملحد) یعنی ایک نے دوسرے سے اس قدر اختلاف کیا کہ ایک دوسرے کے الحاد کا قائل ہو گیا۔ مشہور ہے کہ پچھلے اولیائے کرام میں سے ایک جس کی بزرگی سب سلسلوں میں مسلّم ہے اپنی مجلس میں ہمیشہ اپنے ایک ہم عصر ولی کو زندیق (ملحد) کہتے تھے حالانکہ اُس دوسرے کی بزرگی بھی سبھی کے نزدیک مسلّم ہے۔ جب حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا کہ اس زمانے میں قطب کون ہے تو فرمایا وہی زندیق ہی ہو گا۔ پس معلوم ہوا جس حیثیت سے اسے بے دین کہا وہ اُن کے نوعی اختلاف کی حیثیت تھی۔ اور جس حیثیت سے اس کی تصدیق کی وہ ان کی جنسی اتفاق کی حیثیت تھی۔ اس معاملے میں مزید شناخت کے لیے ان بزرگوں کا نام نہیں لیا گیا۔ جو کوئی بزرگان سلف کی کتابیں پڑھتا اور ان کے اقوال کا مطالعہ کرتا ہے اُسے پتہ چل ہی جائے گا۔ نیز اس لیے بھی کہ ہمارا مقصد تو تمام اولیاؒ کی حقیقت (سچائی) سے پورا پورا انصاف کرنا ہے۔ ان میں سے بعض کا ایسے متنازعہ فیہ مقام پر ذکر کرکے گویا اُن کا انکار کرنا ہے، جسے ہم نے اپنے ذمّے لینا پسند نہ کیا، اور اختلاف کے باوجود ان کے باہمی اتفاق کو ثابت کرنے کے لیے یہ مقولہ لکھا گیا ہے۔ جب عوام ان بزرگواروں کے کلام کو دیکھیں گے تو معاملے کی تہ تک پہنچے بغیر بعض کو حق پہ سمجھیں گے اور بعض کو باطل پہ، یعنی چونکہ نافہم عوام جن سے حقیقت اوجھل ہے محققین کی تحقیقات اور معارف (علوم) میں اختلاف اور تنازعہ دیکھتے ہیں اور اس بات کی حقیقت یعنی کہ اس اختلاف کی اصل وجہ کا ادراک کیے بغیر ہی ہر گروہ کے حمایتی بعض کو حق اور بعض کو باطل سے نسبت دے دیتے ہیں۔ اے عقل کے اندھو، اے کم نگاہو! یہ کیا جاہلانہ بات ہے۔ بات کی حقیقت اور اُس کی تہ تک پہنچو اس کا سرّ نہاں سمجھو، بغیر سوچے سمجھے

Marfat.com

خواہ مخواہ جوش و خروش کا کیا مطلب ؟ ہر چند کہ اجتہاد میں لغزش جائز ہے۔ لیکن اس پہ کسی حد تک ثواب و عطا ہے۔ یعنی ان محققوں کا فرمان بھی مجتہدوں کے فرمان کی مانند ہے۔ پس اگر اجتہادی امر میں خطا بھی جائز ہے۔ دیکھئے یہ مقولہ مجتہد غلط بھی ہو سکتا ہے اور صحیح بھی لیکن جس طرح صحیح اجتہاد کرنے والے کو اس کے صحیح اجتہاد کے بدلے دس درجے ثواب ہے، اسی طرح خطا کار مجتہد بھی اجر و ثواب سے محروم نہیں رہتا۔ اُسے بھی اس اجتہادی غلطی کے باوجود ایک درجہ مل ہی جاتا ہے۔ پس ان کے ان مختلف امور اور متضاد تحقیقات میں بھی صحیح و غلط ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے۔ بہذا تمام وہ اولیا نیک و خوب ہیں اُنھوں نے جو کچھ کہا یا کیا ہے نیک نیتی سے کہا، اور اعمال کی جانچ نیت سے کی جاتی ہے۔ وہ سب کے سب حقدار اور خدا رسیدہ ہیں۔ پس جب معاملہ یونہی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو تمام اولیائے کرام اپنی دید و فہمید کے مطابق کلّی اختلافات کے باوجود حق پر ہیں۔ کیونکہ ان کی نیت نیک اور درست تھی۔ بلا شبہ وہ خدا رسیدہ انسان تھے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ان کی استعدادات کے مطابق ان پہ ان معانی کا الہام کیا۔ چنانچہ بلا تشبیہ، نازل شدہ ہر آسمانی کتاب اُس نبی کی زبان میں تھی ورنہ اللّٰہ کی زبان تو نہ عربی ہے، نہ سریانی، باوجود اس کے کہ سب زبانیں اسی کی ہیں۔ پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہوتا ہے۔ لیکن اولیائے کرام کے یہ اختلافات ذات و صفاتِ حق سبحانہٗ کی تحقیقات اور دیگر مسائل حقیقی مطالب کی وضاحت کا باعث بنے۔ ان باطنی علما کا حق سبھی پہ ثابت ہے اور ان کے اختلافات عین رحمت ہیں۔ اور اسی ضمن میں مقولہ بھی ہے کہ علما کے اختلافات باعثِ رحمت ہوتے ہیں۔ اگر یہ بزرگوار ایسے اختلافات بیان نہ کرتے تو ہم متاخرین اور مقلّدین بچارے تمام امور کا احاطہ کس طرح کرتے۔ ان امور پہ حاوی ہو کر طریق محمدیؐ کے راہِ راست کی ہدایت کیسے پاتے۔ اللّٰہ انھیں جزائے خیر دے۔ لہٰذا ہر کسی کے لیے لازم ہے کہ وہ جس کسی کا پیروکار ہو اس کا مکمل اتباع کرے نہ کسی دوسرے کی متابعت کا انکار کرے اور نہ اقرار۔ اس بیان سے استفادہ ہوا کہ پیروکاروں اور مقلّدوں میں سے ہر کسی کے لیے راہ راست اور مناسبِ حال یہی ہے کہ جن کی متابعت کرتا ہے دل و جان سے ہمہ تن مصروف ہو کر ان کا اتباع کرے اور اُنھیں دوسروں سے زیادہ حق پہ سمجھے اور حق تعالیٰ نے اُسے جس نوع کے اندر داخل کیا ہے۔ خواہ مخواہ اس سے باہر نکلنے کا قصد نہ کرے کہ یہ اک لغو اور بیہودہ حرکت ہو گی۔ ایسا ضعیف الاعتقاد آدمی اگر تکلف کر کے بغیر سوچے سمجھے اگر دوسری جماعت میں داخل ہو بھی جائے تو وہاں اس کو کیا ملے گا اور

Marfat.com

کیا کھلے گا، سوائے اس کے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کی چشمِ تحقیق کو کھول دے، اور ہر کسی کی حقیقت اس پر آشکارا کر دے۔ بے اختیاری کی اس صورت میں نہ تو حق پوشی سے کام لے اور نہ ہی سرکشی کرے جیساکہ قرآنِ حکیم واضح طور پر کہتا ہے کہ حق کو ناحق کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کی جس حالت میں کہ تم جانتے ہو۔ اولیائے دیگر اور دوسرے سلسلوں کا انکار بھی نہیں کرنا چاہیے اور تمام انبیائے کرام کے اقرار کی طرح پہلے اولیائے کرام کا اقرار بھی کرنا چاہیے اور ان کے مراتب ادب میں سرِ مُو بھی فروگذاشت نہیں کرنی چاہیے۔ اہل مجتہدوں کی مانند سب کو نیک نیت اور راہِ راست پہ سمجھنا چاہیے لیکن مجتہد کی طرح اپنے متبوع (مرشد) کو سب سے زیادہ صحیح و راست سمجھنا چاہیے۔

تنبیہہ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اجتہاد کی نسبت کی یہ مثال جس میں درستی و غلطی کا احتمال ہے ملی جلی محمدیت کے مالکوں پر صادق آتی ہے اور ان کی وہ اجتہادی خطائیں جن میں دیدہ دانستہ ملاوٹ نہیں ہوئی نیز قابلِ معافی ہیں۔ اور حقیقت سے بالکل خالی بھی نہیں کہ محمدیت خالص کے مالکوں پہ اس اجتہاد کی نسبت کا اطلاق جائز نہیں جس میں خطا و صواب کا احتمال ہو۔ ان کی نسبت اتحادی نسبت ہے جو غلطی کے شائبہ تک سے پاک و مبرّا ہے۔ وہاں انھوں نے اپنے اجتہاد کو قطعاً کوئی عمل دخل نہیں دیا۔ وہ دوٹوک بشارت (خوشخبریاں) جو قرآن حکیم میں مومنوں کو دی گئی ہیں ان کے مقاماتِ سلوک میں وہ بشارتیں ہیں۔ ان کی تحقیقات سراسر آیات قرآنی کی تفسیر اور احادیثِ نبوی کی تفصیل ہیں۔ لہٰذا وہ ظاہری امور میں بھی اجتہاد کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور ان تمام اہل حق مجتہدوں کو حقیقت جامعۂ محمدیت کے خوشہ چین سمجھ کر حق بین مجتہدوں کے عمل کو اختیار کیا۔ اور سارے مجتہدوں میں وہ محمدی حقانیت کو شامل سمجھتے ہیں۔ اور باطنی راہ میں اپنے مرشدوں کو اسی طرح محمدیت سے پُر اور لبالب سمجھتے ہیں، اور ان کے معمول کے اوراد و وظائف کو پیغمبر پاک ؐ سے منقول اوراد و وظائف سمجھتے ہیں۔ اور ان کے اصطلاح کردہ مقامات و بشارات کو بشارات نبوی ہی کی شاخیں سمجھتے ہیں اور طالبوں کو ان طریقوں کی تلقین کرتے ہیں۔ اور حق شناس بزرگوں کے کیا کہنے جو وسعتِ الٰہیہ اور جامعیت محمدیہ کے مشاہدے کے باعث تمام سلسلوں کے بزرگوں کے لیے دل میں خلوص رکھتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کی طرف جانے والے راستے خلائق کے سانسوں کی تعداد کے برابر ہیں، اور اللہ کی طرف معاملات لوٹائے جاتے ہیں۔ طریق سبیل (راستے) کو کہتے ہیں اور وہ ہے انسان کی استعداد اور حقیقت کا تقاضا فیض کے لیے فیض رساں سے۔ اور فیض پہنچایا جاتا ہے ہر موجود کو اس کی استعداد کی نسبت سے اور اُس کی حقیقت کے

Marfat.com

تقاضے کی نسبت سے عطیے دینے والے کی طرف سے، جس کا عطیہ عام ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوئے اللہ جل جلالہٗ کی طرف جانے والے راستے خلائق کے نفوس کی تعداد کے برابر۔ پس تمام کثیر التعداد امور اور مختلف اشیاء میں سے ہر چیز لوٹتی ہے حقیقت میں اللہ کی طرف جو تنہا جمع کرنے والا ہے وہی ہستی کہ جس کی طرف سے ابتدا ہے اور اسی کی طرف انتہا ہے، اور وہی ابتدا کرتا ہے اور وہی لوٹاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ جنس نوع سے عام ہے اور اعلیٰ و ارفع بھی۔ بعض محققوں کے نزدیک اس حقیقت کا انکشاف ہوا، اُنھوں نے اسے دوسرے پہ مقدم سمجھا اور ولایت کے نبوّت پر افضل ہونے کے قائل ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ میرا جھنڈا سب سے بلند ہے۔ یعنی جب بعض محققوں کی نگاہ میں جنسیّت کی راہ سے نبوّت کی نوعیت کی نسبت، ولایت کو تقدم، رفعت عمومیت اور شمولیت حاصل ہے تو وہ مذکورہ بالا کلمات کہنے لگے اور ان اقوال کی شہرت کی بنا پر ایسے قائل حضرات کے ناموں کے ذکر کی ضرورت نہیں، اور اس قول کے باقی ماندہ حصّے کو کہ خاصہ مشہور ہے بیان کرنے کو جی نہیں چاہتا اور حکایت کے طور پر بھی ایسے الفاظ کا ظاہری عبارت میں لانا گراں گزرتا ہے (مصراع) با خدا مستی کن و با مصطفےٰ ہشیار باش۔ (خدا سے مستی کرو مگر حضورِ مُصطفیٰ میں سراپا ہشیار رہو)۔ ادب کے ایسے مقام پر احتمالی معانی کے الفاظ کا استعمال بھی زیب نہیں دیتا جن میں بے ادبی و گستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔ مومنوں کو انتہائی حزم و احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ قرآن میں واضح ارشاد ہے کہ اے ایمان والو تم لفظ راعنا مت کہا کرو، اور انظرنا کہہ دیا کرو۔ بہر حال اس قول کی تشریحات و تاویلات اور دیگر ایسے اقوال والد بزرگوار کی کتاب مستطاب نالۂ عندلیب میں بڑے شائستہ انداز میں درج ہیں۔ اور وہ لوگ جن کی بصیرت کی نگاہ اس امر پر پڑی ہے کہ خاص عام سے بزرگ تر ہے۔ جیسا کہ انسان نوع ہے اور حیوان جنس ہے اور انسان حیوان سے فاضل تر، بزرگ تر اور کامل تر ہے اُنھوں نے نبوّت کو ولایت سے افضل قرار دیا۔ اور اُنھوں نے نوعی خصوص کے رستے اس کی بزرگی اور حقیقت کو پا لیا اور اُس کی جامعیت اور ہمہ گیر شمولیت کو حقیقت اور ماہیت کے مطابق مشاہدہ کیا کہ جنس تو نوع کی ماہیت کا ایک جزو ہے۔ تو اُنھوں نے نبوّت کو ولایت پر فضیلت دی، جیسا کہ حضرت انسان حیوان سے افضل اور بزرگ تر ہے اور حیوان اسی کی حقیقت کا اک جزو ہے۔ تم جدھر کو رُخ کرو، اُدھر کو اُسی کا رُخ ہے۔ اور ہر شخص (ذی مذہب) کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ عبادت میں مُنہ کرتا رہا ہے۔ ہر کسی کے لیے کوئی نہ کوئی طرف ہے۔ اور اس طرف کا ہیر پھیر کرنے والا بھی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ لہذا کسی طرف کو چھوڑنا نہیں چاہیے اور ہر امر کے راز کو سمجھنا چاہیے۔

Marfat.com

اور ہر کسی کو اس کی سوچ سمجھ میں معذور سمجھنا چاہیے۔ اور خود اپنے بزرگوں کے عقیدے پہ قائم رہنا چاہیے۔ ثابت رکھے اللہ ہمیں اور تمہیں طریق محمدیؐ پر اور عطا فرمائے ہمیں اور تمہیں اتباع مصطفویؐ۔ رباعی

انسان کہ اخیر شد ز حیوان و نبات
اکمل گردید از ہمہ موجودات
حاصل ز تنزل نبود غیر عروج
حق را خوانی اگر رفیع الدرجات

ترجمہ رباعی: انسان جو نباتات اور حیوانات کے بعد آیا عام موجودات سے کامل ترین بن گیا۔ اگر حق تعالیٰ کو رفیع الدرجات ہونے کا ورد کرو تو نزول و تنزل میں بلندی و عروج کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ لگے گا۔ (مصنف خود رباعی کی وضاحت یوں کرتا ہے کہ) یہ رباعی اس مدعا کی دلیل ہے کہ نوع جنس سے اشرف ہے اور نبوت ولایت سے افضل ہے۔ کیونکہ انسان اگرچہ نباتات و حیوانات کے بعد ظہور پذیر ہوا اور ظاہر میں سب سے پیچھے وجود میں آیا لیکن معرفت میں ساری کائنات سے کامل ترین ہے اور اشرف المخلوقات ہے۔ سو اصل میں مراتب نزول میں تنزل سے کمالات کے انتہائی مراتب تک عروج حاصل ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے خود کو رفیع الدرجات کہا ہے۔ اگر معاملہ برعکس ہوتا تو رفیع الدرجات کیسے صادق آتا۔ پس جو کوئی نزول کی جانب ظاہر میں سب سے پیچھے ہے وہی باطنی طور پہ عروج کی سمت میں سب سے بلند تر اور کامل تر ہے۔ کیونکہ اس نے عروج اور نزول کے دائرے کو پوری طرح طے کیا ہے۔ اور وہ ادنیٰ و اعلیٰ تمام مراتب کا حاوی ہے۔ اُس نے اُس ذاتِ مطلق سے جو تمام اشیا پہ محیط ہے کلّی مناسبت پیدا کر لی ہے۔ اور اللہ تمام اشیا کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ چونکہ اوپری (سرسری) رائے میں علّیین کے فرشتوں کی ظاہری بلندی ہر کسی کو معلوم ہے۔ اور پاکیزگی و طہارت صرف فرشتوں میں پائی جاتی ہے اور وہ مقام معلوم میں ہمہ اوقات حق تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیے نظر آتے ہیں۔ اور ہمیشہ اس مرتبہ پہ قیام پذیر ہوتے ہیں جہاں وہ نہیں سرکشی کرتے اللہ کی اس چیز کی جس کا اُس نے اُنھیں حکم دیا ہے۔ اس لیے بعض عارف فرشتوں کے رسولوں کو بشری رسولوں سے افضل سمجھتے ہیں اور اس فرشتگی (فرشتہ پن) کو حاصل کرنا عین انسانی خوش بختی تصور کرتے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ حق اور سچ وہی ہے جو اہل حق کا عقیدہ ہے، یعنی بشری رسول ملکی رسولوں سے افضل ہیں، کیونکہ ملکیت فرشتگی یا فرشتہ پن بھی حیوانیت

Marfat.com

کی طرح جامعہ انسانیت کی حقیقت کا اک جُز ہی ہے اور اعلی و ادنیٰ مراتب کی یہ عالی شان آمیزش ہی حقیقی بلندی ہے اور یہ خدائے بزرگ و برتر کا سایہ ہے جو بظاہر اکثر کی نگاہ سے پوشیدہ رہتا ہے۔ اور فرشتوں کی وہ بلندی اور دیگر بلندیاں اضافی اور اعتباری ہیں جو سب کو معلوم ہیں۔ ان فرشتہ خو فرشتہ سیرت انسانوں کا کیا کہنا جن پہ خود فرشتوں کو بھی یہ شبہ گزرا تھا کہ وہ یوں کہنے لگے ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں آپ کی، لیکن اللہ جمع کرنے والا ہے اللہ کی مقتضیٰ کے مطابق ان کے ساتھ اس بلندی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا۔ بیشک جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ فقط فرشتہ پن اور محض حیوانیت ہر ہر امر کی افراط و تفریط کی طرح جملہ نقائص اور عیوب میں سے ہیں۔ یہ حقیقت جامعہ انسانیت جو جملہ مراتب کی پورے اعتدال کے ساتھ جامع ہے اور ان تمام کو اوسط درجے ہی میں جمع کر لینا عین سعادت و کمال ہے۔ کیونکہ تمام امور میں وسطی راہ ہی بہتر ہے۔ بہترین امور میانہ روی کے ہیں۔ ہدایت دے اللہ ہمیں اور تمھیں سیدھے راہ کی اور مشرّف کرے ہمیں اور تمھیں تحقیق کی حقیقت کے ساتھ خلاصۃ الموجودات سید السادات (ان پر خدا کا درود و سلام) کے صدقے۔

Marfat.com

هوالنّاصح

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو وحدانیت کے ساتھ واحد ہے اور انفرادیت کے ساتھ منفرد ہے۔ اور درود و سلام اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو انسانی کمالات کے خاتم ہیں اور وجوبیہ، امکانیہ مراتب کے جامع ہیں۔ اور آپ کی آلؓ پر جو پاکیزہ ہیں انانیت سے اور آپ کے اصحاب پر جو پاک ہیں نفسانیت سے۔ امابعد پس یہ تریسٹھواں (۶۳) باب ہے جو موعظت سے موسوم ہے۔ اے لوگو تمھارے پاس آئی نصیحت تمھارے رب کی طرف سے اور شفا اس چیز سے جو تمھارے سینوں میں ہے۔ اور ہدایت و رحمت مومنین کے لیے۔ موعظت کے معنی نصیحت کے ہیں اور یہ خبر دینا ہے عالم کا جاہل کو ضرر رسان امور کے بارے میں اُسے روکتے ہوئے اور ڈراتے ہوئے اور خوف زدہ کرتے ہوئے اور مذمت کرتے ہوئے اور ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکی سے، اور امورِ نافعہ کے بارے میں خبر دینا ہے حکم کے ساتھ اور وعدے کے ساتھ اور ترغیب و تحریص شوق دلاتے، انگیخت دینے اور تعلیم دینے کے ساتھ۔ اور حقیقی نصیحت کرنے والا تو خود اللہ علیم ہی ہے۔ اور وہ ڈالتا ہے عارفین کے دلوں میں معاملہ جو فرق کرنے والا ہوتا ہے حق اور باطل کے درمیان۔ پس وہ سکھاتے ہیں اس کے مطابق جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے اور بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے پند و نصائح نرمی اور رحمت کے ساتھ شاید کہ وہ لوگ تقویٰ اختیار کریں، اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں اور حقیقت کی طرف پہنچ جائیں اور محققین کا بیان

Marfat.com

اکثر اوقات ہوتا ہے کلّیت کے طریق پر بالعموم جزئیات کے منکشف کرنے کے لیے اس کے ضمن میں ایک ذہین وفطین آدمی پر کیونکہ جب وہ اُسے پالیتا ہے تو غور وفکر کرتا ہے کلیات امور پر اور اُس کے احوال کا اور تصاریف کی جانچ تول کرتا ہے اور بحث کرتا ہے اس کی حکمت کے بارے میں جو اس لیے ظاہر ہوتی ہے اور جس نے اُس کے لیے ممکن بنایا کہ اُسے جانے اس کے حقائق کے ساتھ اور اُس کی طرف رہبری کی ہے اور

جب جب وہ آگے بڑھتا ہے، بڑھتا جاتا ہے ہدایت میں، یقین میں، نور میں، بصیرت میں، تحقیق میں اور عرفان میں اور زیادہ ہوجاتا ہے اللہ کے پاس قرب اور عزت میں اور اگر ہوتا ہے مخصوص خطاب کیا جانے والا کُند ذہن یا غیر واقف ان کے خصائص سے، پس وہ اُسے سکھاتے ہیں جزئیات ضرورتاً اور اُسے متنبہ کرتے ہیں جزئیت کے طریقے پر بالخصوص اس وقت میں۔ پس اس کے لیے چاہیے کہ اکتفا کرے سننے اور اطاعت کرنے پر، کیونکہ امور کی جزئیات میں تفکر اور اُس کے بارے میں اور اس کی عظمتوں کے بارے میں کیونکہ جزئیت کے طریق پر اُسے مکمل فائدہ نہیں دیتی۔ بلکہ جب جزوی عقل والا آدمی غور کرتا ہے اُس بارے میں تو وہ چیز چھپ جاتی ہے اور بند ہوجاتی ہے۔ اور جتنا زیادہ وہ غور کرتا ہے اتنا ہی زیادہ متحیر، متشکک اور دہشت زدہ ہوجاتا ہے، اور اللہ سے دُور ہوجاتا فاصلے کے لحاظ سے، پس نصیحت میں دو قسم کی نصیحتیں ہیں۔ نصیحت اجمالیہ (مختصر) اور نصیحت تفصیلیہ (مفصل) اور ان دونوں کے لیے آگے دو قسمیں ہیں۔ اسم لازم اور اسم متعدی۔ پس نصیحت کلّیہ جو ہے ایسی نصیحت ہے جو اجمالی، جامع اور حاوی ہے تمام جزئی نصیحتوں پر۔ اور نصیحت جزئیہ نصیحت تفصیلیہ ہے غیر شاملہ۔ اس کی تفاصیل کی نہ کوئی حد ہے اور نہ انتہا ہے۔ اور عارف کی نصیحت اپنے آپ کو نصیحت لازمہ ہے۔ اور اُس کا نصیحت کرنا اپنے پیروکاروں کو نصیحت متعدی ہے اور اللہ ہی سے توفیق ہے اور وہی نصیحت کرنے والا شفیق ہے۔

اعتبارات کی خرابی کے باوجود موجودات میں خودی ویکتائی کے بیان کا باب

یہ سمجھ لو کہ ہر صاحب علم موجود دعوے میں مبتلا ہے۔ باوجودیکہ اعتبارات ومقیّدات (جن وہ خود

Marfat.com

بھی داخل ہے) کی خرابی وہ ہر وقت اچانک دریافت کرتا ہی رہتا ہے۔ پھر بھی حقیقت کا کوئی ادراک نہیں کر پاتا۔ ہر کوئی بذاتِ خود اپنا ہی معتقد ہے۔ اپنی ہی سچائی کا اقراری ہے۔ اور اسی اپنی پیروی کے ضمن میں دوسرے امور کا اعتقاد اور اقرار بھی کرتا رہتا ہے۔ مثلاً جو بات اس کی سمجھ میں آجائے تو کہتا ہے کہ ٹھیک ہے، سچائی یونہی ہے اور جس بات کو نہیں سمجھتا تو کہہ دیتا ہے کہ میں اس بات پر یقین نہیں کرتا۔ یہ غلط ہے درست نہیں ہے۔ اور اگر دل تھوڑا بہت اس بات کو مان لے تو کہہ اٹھتا ہے کہ شاید ایسے ہی ہو لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ اور پھر جس کسی پر اعتقاد رکھتا ہے، اپنے دل کی گواہی سے رکھتا ہے ورنہ اگر ہزار آدمی بھی اس شخص کی سچائی کی گواہی دیں اس پر اثر نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ ہر آدمی پہلے تو اپنی ہی ذات کا معتقد ہے اور حضرت وجود جو اس کی اپنی ذات میں بھی جلوہ فرما ہے۔ پہلے تو اپنی ہی ذات کی حقانیت پہ مائل کرتا ہے اور پھر دوسرے مراتب میں بھی اپنی حقانیت دکھاتا ہے اور ادھر گرویدہ کرتا ہے۔ لہذا عارف لوگ جن کی نظر سے حق کبھی پوشیدہ نہیں رہتا ساری موجودات کی حقانیت کے اقراری ہیں۔ اور ہر وقت یہی ورد کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آخر تو نے یہ ساری کائنات کو یونہی بے معنی تو نہیں بنایا اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر۔ اور تقدیر کا اچھا یا بُرا ہونا اللہ کی طرف سے ہے اور موت کے بعد اُٹھائے جانا حق ہے۔ جنت حق ہے۔ آگ حق ہے اور پل صراط حق ہے۔ اور میزان حق ہے، حوضِ کوثر حق ہے اور ہر وہ چیز جسے نبیوں نے جذب کیا حق ہے۔ پس یہ سب کے سب اور عارفین ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جیسا کہ وہ ہے اپنے اسماء کے ساتھ اور صفات کے ساتھ اور قبول کرتے ہیں اس کے تمام احکام اور اُس کا اقرار کرتے ہیں اور جس طرح ایمان حق اور واقع ہے اسی طرح کفر بھی حقیقتاً باطل ہے۔ پس ہو جا عارف جامع، واسع اور خلیفہ وسعت والے اللہ کے لیے حقیقی طور پر۔ وہ اللہ کہ اسی کے لیے ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ شاید کہ اللہ تجھے دے خالص محمدیت اور ظاہر کرے تم پر اس جامع اور شامل طریقت کی عظمت، اللہ کے رسولؐ کے صدقے، کہ جس کا نور مخلوقات میں سب سے پہلا ہے اور اُس کا ظہور آخری ہے۔ پس وہ محیط ہے سب کی سب موجودات پر ابتدا سے انتہا تک۔ اور اُن کا راستہ تمام راستوں اور طریقوں پہ احاطہ کیسے ہوئے ہے۔ پس خالص محمدیوں کی نظر سے جو اپنے مولیٰ حضور سرورِ کائناتؐ کے کامل اتباع سے تمام حقائق پہ حاوی ہیں اور تمام حقائق سے آشنا ہیں، کوئی بات

Marfat.com

بھی ڈھکی چھپی نہیں رہتی۔ نہ موجودات کے کسی ایک کا حال ان کی نظروں سے پوشیدہ ہے، اور ہر کسی راستے کی حقیقت اور راز کو پا لیتے ہیں - ہر کسی کی دادرسی کرتے ہیں۔ ہر کسی کی فریاد سنتے ہیں۔ کلی استعداد رکھتے ہیں۔ اور یہ اللہ کے فضل سے ہے، وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مختص کر دیتا ہے۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ ایسے صاف ضمیر اور پاک دل عزیز ان سے ہر کسی کو اتفاق کرنا چاہیے، اُن سے منافقت ہرگز زیب نہیں دیتی - پاک باطن لوگ خود ہی سب کو قابل معافی سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ استعداد کے مالکوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ محض اپنے اعتقادات پر خوش و خرم رہتے ہیں۔ اور پھر جس کسی سے اپنے عقیدے کی مناسبت زیادہ رکھتے ہیں اس کی زیادہ تعریف و توصیف کرتے ہیں۔

۔ اور جس میں کم دیکھتے ہیں اس کی کم تعریف کرتے ہیں۔ اگر کسی میں خود سے اختلاف پاتے ہیں اس کے انکار کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اگر تضاد پاتے ہیں تو عداوت پہ اُتر آتے ہیں، اور یہ کم عقل لوگوں کا کام ہے۔ جو لوگ عقل کل کے مظہر ہیں وہ ان تقیدات میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اور بغیر کسی تعصب اور اختلاف کے ہر امر کا ادراک کرتے ہیں جیسا کہ وہ ہے۔ اور انبیائے کرام (ان پہ خدا کا درود و سلام) کو کفار کی مخالفت اور ان کی لڑائی جھگڑے میں جو کچھ پیش آیا اور جو لڑائی بھڑائی اُن سے ہوئی۔ ان اسرار و رموز کا مفصل بیان اُس باب کی شرح میں آچکا ہے جو آیات کے متعلق نصائح ہیں، معہ فوائد اور رموز کے۔

باطل دعوؤں اور سچے دعاوی میں فرق اور لازمی شامل امور پہ تحقیق کا باب

چونکہ اس باب میں موجودات کی انانیت کے دعوے کا ذکر تھا اگر اس اضافی موجود سے بھی بہ تقاضائے بشریت ایسے کلمات سرزد ہوں جن پہ اس پوشیدہ دعوے کا وہم یا گمان گزرے تو اُمید واثق ہے کہ حق شناس حضرات معاف فرمائیں گے۔ کیونکہ آخر میں بھی تو تمہاری طرح بندہ بشر ہی ہوں۔ اور خدا گواہ ہے کہ ہم نے دوسری نوع (قسم) سے جو حقیقت بینی کی نفی کرتے ہیں اس حق بات کا اظہار نہیں کیا۔ محض حق کا تقاضا کرنے والوں کو معلوم ہے اور اللہ تو سینوں (دلوں) تک کی باتوں کو جانتا ہے اور اگر خدا کو گواہ ٹھہرانے کے باوجود بھی کوئی شخص ہماری بات کا یقین نہ کرے اور حق و باطل دعوے کا فرق اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو،

Marfat.com

اور وہ حق اور باطل کے آثار و علامات دریافت کرنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور صرف ظاہری الفاظ ہی کو نگاہ میں رکھتا ہے اور بات کی تہ کو نہیں پہنچتا تو پھر ایسے بد باطن، سخت منکر کا علاج کسی شخص سے بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ اس قسم کے دعوے اُسے انبیا و اولیائے کرام کے کلام میں بھی نظر آئیں گے۔ کیونکہ ظاہر میں تو کسی آدمی کا کلام بھی اس امر سے خالی نہ ہوگا۔ کیونکہ کلام سے استفادہ انہی معانی کا ہوتا ہے اور یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اور خواص و عوام جو کچھ بھی کہیں گے ان کے شامل حال ہوگا۔ ہاں اس کا جو مدعا اور نتیجہ ہوگا حتیٰ کہ یہ امر سکوت میں بھی پوشیدہ ہے اور ہر قول و فعل میں چھپا ہوا ہے اس عام دعوے کے معنی ادعائے مدعا ہے اور ہر صاحب علم و ذکا موجود سے منسوب۔ چنانچہ اگر کوئی شخص زبانی اس دعوے سے انکار کرتا ہے اور نفسانی توڑ پھوڑ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ یہ بھی دعوے ہی کی ایک صورت ہے، اور حقیقتاً اس آلودگی سے مبرّا نہیں ہے۔ یہ منکر شخص جو خواہ مخواہ انکار کرتا ہے یہ بھی اسی دعوے کی راہ سے ہے پس حقیقت امر یہ ہے کہ جو کوئی جان بوجھ کر، تکلفاً خود کو بے ہنر اور نالائق کہتا ہے مگر دل سے نہیں جانتا یا سچائی اور راستی کے اظہار کی بنا پر قدرے ہنر و لیاقت کو بھی اس میں شریک کر لیتا ہے۔ ایسے شخص کو دھوکے باز، مکّار، جھوٹا اور فریبی کہتے ہیں۔ اور جو شخص ان دیکھے اور سمجھے بغیر کسی بات کا لحاظ کیے بغیر خواہ مخواہ فضول ہی اپنے عیبوں کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرتا ہے یا پھر اپنے کمالات کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے اسے لغوگو اور سادہ لوح کہتے ہیں، اور جو بڑے فخر و مباہات سے اپنے گناہوں اور عیبوں کو بار بار گنواتا یا دہراتا ہے یا اپنی فضیلتوں کو، تکبّر اور نخوت و رعونت سے چٹخارے لے لے کر بیان کرتا ہے اُسے بے غیرت، بے حیا، بے حمیت اور ہوا و ہوس کا مارا، مغرور اور متکبّر سمجھتے ہیں۔ اور جو کوئی اپنی سمجھ کے مطابق بڑی بے تکلّفی اور انصاف سے محبت کے تقاضے کی بنا پر بغیر کسی اختلاف و لاف و گزاف کے اپنے عیب و ہنر کو صحیح صحیح بیان کر دیتا ہے اُسے نیک منش، صاف گو، انصاف پسند اور سازگار کہتے ہیں۔ اور جو کوئی کمالاتِ الوہیت کے مشاہدے میں اپنے امکانی عیبوں اور نقصوں پر نظر رکھتا ہے اور کوئی تراش خراش یا آرائش نہیں کرتا اور تجلّیات کے ان مظاہر میں ان کمالات کا ظہور اللہ ہی کی طرف سے سمجھتا ہے اور درحقیقت اُسے اُن سے منسوب نہیں کرتا اور ہر مرتبے اور جانب کا پورا پورا حق ادا کرتا ہے اور وہی کچھ کہتا ہے جو کہنا چاہیے۔ اس کا کلام لوگوں کی ہدایت کا باعث بنتا ہے۔ اور اُس کا بیان دوسروں کی سعادت کا موجب ہوتا ہے۔ اللہ کے ایسے بندوں کو کامل یا ولی کے نام سے موسوم

Marfat.com

کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان تمام نیتوں کو جانتا ہے اور تمام بھیدوں اور رازوں سے واقف ہے ۔
بہرکیف جب عوام و خواص سبھی کا کلام ظاہر میں اس عام دعوے سے خالی نظر آتا ہے اور شبہ کرنے والے کا کلام بھی اسی کے دعوے ہی پہ دلالت کرتا ہے ۔ پس اگر ہم سے بھی یہ عمل سرزد ہو جائے تو کیا ہوا ۔ کیونکہ ہر وہ عمل کہ عموماً سبھی کے شامل حال ہو، عیب نہیں ہوتا ۔ عیب وہ ہوتا ہے جو بعضوں میں ہو اور بعضوں میں نہ ہو ۔ اور ہنر بھی وہی جو بعضوں میں ہو اور بعضوں میں نہ ہو ۔ اور ایسے امور جو یکساں طور پر سبھی کے شامل حال ہوں، وہ تو لوازم اور مقتضیات گنے جاتے ہیں ۔ نہ انھیں نقائص کہا جاتا ہے اور نہ ہی کمالات ۔ البتہ طبیعی تقاضوں کی حد سے تجاوز اُسے عیب و ہنر میں داخل کرا دیتا ہے ۔ مثلاً انسان کے فطری اعمال جو سبھی عوام و خواص کے شامل حال ہیں، جیسے کھانا، پینا، سونا اور اسی قبیل کے دوسرے امور بذات خود نہ عیب ہیں اور نہ ہنر، نہ اطاعت ہیں اور نہ گناہ، نہ ہی نقص اور نہ کمال ۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کھانا کھانا ہنر ہے یا عیب ہے یا وہ عبادت ہے یا گناہ اور یا نقص یا کمال ۔ جب ان میں ارادۃً کمی بیشی کی جائے تو وہ عیب و ہنر، نقص و کمال اور اطاعت و گناہگاری کے زمرے میں داخل ہو جاتے ہیں ۔ چنانچہ ارادۃً کم کھانے اور کم سونے کو ریاضت کہتے ہیں ۔ بسیار خوری اور زیادہ سونے کو عیب، نقص اور غفلت سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر یہ کمی بیشی بلا ارادہ اور بغیر قصد کے ہو تو اُسے مرض کہتے ہیں ۔ مثلاً اگر کسی کو خود بخود ہی بھوک میں کمی ہو جائے اور وہ کم کھائے تو یہ نہیں کہ فلاں آدمی ریاضت کر رہا ہے، بلکہ کہتے ہیں کہ اُس کی بھوک ماری گئی یا معدے میں کوئی خلل پیدا ہو گیا ہے یا کسی کو بھوک حد سے زیادہ لگے تو کہتے ہیں کہ اُسے جوع البقر کی بیماری لاحق ہو گئی ہے ۔ اور اگر نیند کسی پہ خود بخود غالب آ جائے اور وہ دن رات سوتا ہی رہے تو کہتے ہیں کہ اُسے یا سبات (زیادہ نیند آنے) کی بیماری لگ گئی ہے ۔ اور اگر بالکل نیند نہ آئے تو کہتے ہیں کہ اُسے سُہر (نیند نہ آنے) کی بیماری ہو گئی ہے ۔ بہرکیف جو امر علم سے جمع ہو اور وہ عمل جو ارادے سے کیا جائے اور اختیار کی صورت میں تیرے آئینے میں ظہور پذیر ہو وہ خیر و شر کے امور میں شمار ہو گا اور اُسے آدمی سے نسبت دی جائے گی ۔ کیونکہ بے اختیار یہ بات انسانی ذہن میں آ جاتی ہے اور بعض امور میں وہ اپنے آپ کو مختار اور بعض میں مجبور سمجھتا ہے ۔ پس جب دُنیا کی موہومات اور دُنیا والوں کا معاملہ اسی ڈھب پر ہے تو جہاں تک ہو سکے ان توہمات سے منقطع ہو جا اور کسی کا دل نہ دکھا ۔ رباعی :

Marfat.com

در بزم جہاں کہ وہم نسبت ست آئین
از آمد رفت خلق فارغ بنشین
چون آئینہ ہر کہ پیشت آید اے درد
اُو را تو باد نما و خود ہیچ مبین

ترجمہ رباعی: اس بزمِ کائنات میں جس کی آئین بندی کو وہم سے نسبت ہے یہاں لوگوں کے آنے کی خوشی اور جانے کا غم نہ کھا۔ اے درد جب آئینے کی طرح جو کوئی تمھارے سامنے آتا ہے تو اُس کو وہی آئینہ دکھا اور اُس میں خودمت دیکھ۔ (مصنف خود رباعی کی مزید تشریحات یوں کرتا ہے کہ) بزم جہاں سے مراد یہی جہاں ہے جس میں اضافت بیانیہ ہے۔ اور اُسے لفظ بزم سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح کہ اہلِ بزم کچھ وقت کے لیے ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں اور پھر آخر کار بکھر جاتے ہیں۔ ہر کوئی اپنے اپنے گھر چلے جاتا ہے۔ اور محفل برخاست ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اہلِ جہاں جو اس وقت تو باہم اکٹھے دکھائی دیتے ہیں آخر وہ بھی اس بزم دُنیا سے اُٹھ جائیں گے اور ہر کوئی اپنے اصلی گھر یعنی اگلی دُنیا کو سدھار جائے گا اور اس بزم کی آئین بندی کو وہم سے نسبت اس لیے دی کہ زندگی کی مدّت جو طویل نظر آتی ہے اور موجودات کا سالہا سال تک نظر آتا سب وہم ہی کی دلالت کی راہ سے ہے۔ وہم اس قطعی حرکت کو موجود اور قائم بنا کر پیش کرتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں تو حرکت توسّطی کے اعتبار سے تو ہر موجود کو اک آن (پل بھر سے) زیادہ کی بقا نہیں اور یہ مہ و سال اور یہ واقعات و حالات ہر لمحے میں گم ہیں اور زمانہ فی نفسہٖ اگرچہ اک متصل واحد ہے اور ایسا امر ہے جسے قرار نہیں لیکن اسی اعتبار سے ایک آن (لمحے) سے زیادہ سیّال نہیں۔ اور خلقت کی آمد و رفت سے مُراد مخلوقات کا موجود اور پھر معدوم ہو جاتا ہے۔ فارغ نشستن سے مراد خوشی و رنج میں مبتلا نہ ہونا اور خلق کی آمد و رفت سے مراد عمومی معنی ہی میں یہی لوگوں کا آنا جانا اور فارغ نشستن سے دوسری مُراد لوگوں کی ملاقات کی کثرت و قلت سے التفات نہ کرنا ہے۔ لہذا یہ کہا گیا کہ جو کوئی تیرے سامنے آئے اور جان پہچان بڑھانے کا ارادہ ظاہر کرے تو چاہیے کہ آئینے کی طرح تو اُسے اسی کی شکل دکھا دے اور اپنی صحبت کی برکت سے اُسے خود شناس بنا دے اور خود شیشے کی طرح کچھ نہ دیکھ، نہ اپنی موہوم ہستی کو نہ اس کی موہوم ہستی کو بلکہ ہمیشہ اس ذات باقی کے مشاہدے میں مستغرق ہو جائے۔ کیونکہ عارفوں اور پاکباز و پاک دل بندوں کا یہی شیوہ ہے کہ سراپا آئینہ دیدار اور مظہر جمال یار بن جاتے

Marfat.com

ہیں، جس سے ان کی آنکھیں چار ہوئیں خود اُس کے عیب و ہنر کو نہیں دیکھتے۔ لیکن آئینے کی طرح بغیر الفاظ و صدا کے اُس کی حقیقت اس پہ آشکارا کر دیتے ہیں۔ دیکھئے اس فرمان کو کہ مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ہر کسی کے ساتھ صاف دلی سے ملو۔ دوئی کی تلوار سے اتحاد کی مضبوط رسی کو مت کاٹو، کیونکہ یہ آدمی کی سرشت ہے کہ لگاتار مخالفت سے وہ منحرف اور سرکش ہو جاتا ہے۔ اور جو پند و نصیحت کسی کی تضحیک اور عیب گوئی کے انداز میں کی جائے تو وہ انسان کو ایذا پہنچاتی ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا احباب اور اولاد تزکیہ اور تصفیہ کو اپنے ہی ہاتھ پاؤں دھونے اور پاک کرنے کی طرح سمجھ۔ ان کی تطہیر و تزکیہ کے لیے بڑی مہربانی اور شفقت سے ہمت صرف کر اور ان کی بہتری کے لیے کسی حد تک سختی اور ڈانٹ ڈپٹ سے کام لے لے، کیونکہ اس کے بغیر تہذیب اور ادب آموزی کا کام صحیح ڈگر پہ ہو نہیں سکتا، کیونکہ زیادہ رحمدل پیشوا سے بے حقیقت مقلدین بیباک اور نڈر ہو جاتے ہیں جیسے کہ وہ کسی جابر اور قاہر سردار سے بیزار اور بددل ہو جاتے ہیں۔ ہر کام کی سزا و جزا دینا بھی ضروری ہے۔ ہاں نہ بے پایاں رحمت و شفقت کے انداز میں اور نہ ہی انتہائی قہر و غضب کے ڈھنگ پہ تا کہ حدِ اعتدال سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ اور اُس کے فوائد مرتب ہو سکیں۔ الفت کی ڈور بھی نہ ٹوٹے اور خوف و دہشت بھی طاری نہ ہو جائے۔ کیونکہ سلطان بدر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ فرمودہ ہے کہ ایمان امید و بیم کے بین بین ہے۔ الغرض سنّت خداوندی کے مطابق رحمت کو غضب پہ غالب رکھنا چاہیے اور معاملات پر کسی حکمت عملی کے تحت نگاہ رکھنی چاہیے اور اُس کی اصلاح احوال و اتفاق و اتحاد کی راہ سے کرنی چاہیے۔ کدورت ناچاقی اور دوئی کو درمیان سے نکال دینا چاہیے کیونکہ دنیا کا ہر فرد واحد جو اسی وحدہٗ لاشریک کے مرتبے کا مظہر ہے۔ اور غیریت (غیر جنس) کے دیدار کی تاب نہیں رکھتا اور دوئی کا بوجھ اُٹھانے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ موجودات کا ہر واحد اسی واحد حقیقی جل شانہ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے۔ اور اُس کی وحدت کی جلوہ گاہ ہے۔ اس وجود واحد کی وحدت و وحدانیت کے تقاضے کی بنا پہ کوئی غیر اس کی نظر میں نہیں جچتا۔ وہ دوئی کا بوجھ نہیں اُٹھاتا۔ اس آیت کریمہ کے مطابق کہ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ لہٰذا اس میدان میں ہر کوئی اکیلا ہی دشمن پر حملہ کرنے والا ہے۔ اور یہ مقابلہ ہر کسی کو کسی دوسرے کی شراکت کے بغیر ہی کرتا ہے۔ کوئی بھی اپنے خیال میں خود کو کم (گھٹیا) نہیں سمجھتا۔ ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ دوسروں کی نگاہ میں انسان فقط وہی ہے چنانچہ مجھ

Marfat.com

فقیرہی کی ایک غزل کا یہ شعر بیت ہے (شاہکار شعر) ؎

غرورِ جلوۂ ہستی نیارد سر فرو ہرگز
بشہبازی کشد خود را دماغ ہر مگس اینجا

(جلوۂ ہستی کا غرور یہاں کبھی سر نیچا نہیں کرتا۔ یہاں کی تو ہر مکھی بھی اپنے آپ کو شہباز کی بلندیوں تک پرّاں سمجھتی ہے)۔ حقیقت بین عارفانِ ذات جو غیریت کے توہمات سے نجات پاکر تیزی سے وحدتِ حقیقی کی طرف بڑھ رہے ہیں ہر مرتبے میں اسی وحدتِ خداوندی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر مدعی کو معاف کر دیتے ہیں۔ وہ دل سے جانتے اور مانتے ہیں کہ اس باغِ عالم کا ہر کانٹا گل خیری ہے، اور ہر کوئی اس نعرہ کا قائل ہے کہ میں ہی ہوں اور کوئی نہیں۔ یعنی اس دُنیا کی ہر زشت شے جس کی ظاہری زشتی اور اعتباری برائی اس سے منسوب ہے دوسروں کے حق میں اضافی بدی اور شرارت کی قائل ہے۔ اور ہر کوئی درحقیقت اپنی ذات کو سراپا خیر ہی سمجھتا ہے لہٰذا ہر واحد طبعی طور پر اپنی ہی اچھائی کا اقراری ہے۔ اور کسی دوسرے کو خاطر تلے نہیں لاتے، شعر میں گُل، خار، اور چمن کے الفاظ کی باہمی مناسبت اور تشبیہہ سے جو لطف پیدا ہوا ہے وہ ظاہر ہے۔ "خیری" ایک مشہور پھول کا نام ہے جس نے اور بھی لطف پیدا کر دیا ہے۔ حاصلِ شعر یہ کہ ہر موجود چونکہ اسی واجب الوجود کا مظہر ہے طبعاً اپنی اچھائی کے نشے میں مسرور ہے باوجودیکہ اس بحر ہستی میں کونسا قطرہ ہے جس نے ہوا سے جی لگایا اور پھر حباب بن کر نہ ٹوٹا۔ قطرہ سے مراد مقید امکانی ہے اور اس بحر ہستی سے مُراد ظلّی ہے جو کون و حصول کے معنوں میں آیا ہے۔ دل بھوا بستن سے مراد اپنی موجودیت کا گمان پیدا کرنا ہے اور شکستن سے مُراد فنا و زوال حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ قران مجید بھی واضح طور پر کہتا ہے کہ سوائے اس کی ذات کے ہر شے ہلاک ہوجانے والی ہے، لہٰذا دُنیا کا ہر موجود فنا کا مال ہے اور معدومیت کے قابل ہے۔ ازل سے لے کر ابد تک طرح طرح کی موجودات اور کثیر التعداد ممکنات ظہور پذیر ہوئی ہیں اور ہوتی رہیں گی، اور پھر پنہاں ہوگئیں، اور ہوتی رہیں گی۔ چنانچہ قطرہ و حباب کی مثال انہی معانی کے لیے لائی گئی ہے اور دیگر مثالیں بھی اس دُنیا کے چھوٹے بڑے تعینات کے حال کی وضاحت کرتی ہیں۔ یہ دنیا محض نقش بر آب کی مانند دکھائی دیتی ہے۔ ہستی کے اس بحر متلاطم میں کوئی قطرہ ایسا نہ تھا جو دعوے کی یادِ انانیت سے پُر نہ ہوا ہو اور آخر کار حباب کی طرح جس کے توہمات کا پردہ پھٹ

Marfat.com

نہ گیا ہو، کوئی بلبلہ ایسا نہ ابھرا موج نے جس کا سر کچل نہ دیا ہو۔ اور موج نے بھی کوئی نقش ایسا نہ ابھارا جسے بھنور نے فنا کے کنوئیں میں نہ دھکیل دیا ہو، اور کوئی بھنور ایسا نہ ابھرا جسے سیلاب بہا نہ لے گیا ہو۔ اور کوئی سیلاب ایسا نہ آیا جو اپنی ہی گزرگاہوں میں ختم نہ ہو گیا ہو۔ حاصل مطلب یہ کہ تمام ممکنہ تعینات واعتبارات اور اضافی علل ومعلول جو بمنزلہ موج وحباب وبھنور اور سیلاب کے ہیں ظہور ذات کی آبیاری سے ظاہری وجود تو ہے، لیکن وہ اپنی ناپائدار حقیقت کے تقاضے کی وجہ سے ہمیشہ معرض فنا وزوال میں ہیں۔ تمام امکانی موجودات ہر لحظہ وجود کے مرتبۂ بشرط شئی اور بشرط لاشئی کے مراتب میں گھومتی رہتی ہیں اور وہ مرتبہ لابشرط جو وجود مطلق ہے وہ اپنی پہلی کیفیت پر قائم جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ غرضیکہ اعتبارات کا خانہ خراب ہے۔ تمام اضافات بھی منسوب اسی آپ سے ہیں۔ تغیر وتبدل کی ہر نسبت انہی حادث وامکانی اعتبارات سے منسوب کی جاتی ہے جن کی مثال موج وحباب وغیرہ سے دی گئی۔ لیکن وہ معنی واحد جس سے مراد آب لی گئی ہے وہ کبھی تغیر پذیر نہیں ہوتا اور نہ ہی کثرت میں بدلتا ہے۔ باوجودیکہ از روئے حقیقت یہ سارے رنگ برنگ کے افعال کی فاعلیت کو اسی معنی واحد سے نسبت ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ یہ تمام امکانی اور حادث اضافات انہی محدثات ممکنہ کا مضاف ہیں۔ جیسے کہ ٹوٹنا، بننا، پیدا ہونا اور ناپید ہوجانا انہی موج وحباب وقطرہ وبھنور کے حقائق مخصوصہ سے منسوب ہیں۔ اور نفس آب جو پانی کی ذات ہے وہ ہر حال میں ایک ہی ڈھب پر رہتی ہے۔ نہ موج اس کے ٹوٹنے سے ٹوٹتی ہے اور نہ حباب کے پیدا ہونے سے اس میں کچھ ابزادی ہوتی ہے اور نہ کسی چیز کے پیدا ہوتے سے اس میں کمی آتی ہے۔ بلکہ یہ پانی ہی ہے جو ان تمام اضافی اعتبارات کی پیدائی وناپیدائی کا موجب ہے۔ یہ ساری کثرت اس کی وحدت میں خلل انداز نہیں ہوتی۔ اور تغیّر وتبدّل کو اس کی عظمت کے دامن تک رسائی نہیں۔ تمھارے رب کے نزدیک نہ کوئی صبح ہے نہ شام۔

تذئیل۔ (حاشیہ آرائی)

وحدت الوجود کے قائل حضرات عوام کو سمجھانے کے لیے موجودات کے لیے انہی قطرہ حباب اور موج کی مثال دیتے ہیں۔ اور ذات الوجود کو سمندر بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ سمندر بھی دیگر تعینات کی طرح ایک مقید تعین ہے۔ اگر وہ سمجھیں تو بہتر یہ ہے کہ اپنے مطلب کی یوں وضاحت کریں کہ

Marfat.com

ذات الوجود مثل آب ہے۔ وجود کا اطلاق مرتبہ جو تقیّدِ اعظم اور تعین اکبر ہے، اس کی مثال سمندر کی سی ہے اور تقید وجود جو جزئی ظہورات کے مراتب ہیں کی مثال قطرہ وحباب و موج کی سی ہے اور بذات خود ان تمام اضافات سے مبّرا ہے۔ نہ مطلق ہے نہ مقید، نہ کبیر ہے نہ صغیر، نہ کلّی ہے نہ جزئی، ان تمام مراتب سے مغائرت کے باوجود بھی ان سب سے متحد ہے۔ اور یہ سب کے سب مثلاً سمندر بھی پانی ہے۔ قطرہ بھی پانی ہے، موج اور بھنور بھی پانی۔ باوجودیکہ آب کے معنی اور ہیں اور دریا کے قطرے کے معانی بالکل الگ ہیں۔ پس اس ساری مغائرت کے باوجود حضرت وجود کو موجودات سے بالکل عینیّت (عین میں ہونا) بھی حاصل ہے۔ اور اس کی عینیّت کے باوجود ان سب اعتبارات سے مغائرت بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ عینیت اور مغائرت کے سارے مراتب پہ محیط ہے۔ اور وہ ان سے سراپا غیر ہوتا تو غیریت کے معانی کا احاطہ بھی کرنے والا ہوتا۔ اور اگر صرف تمام سے متحد ہی ہوتا تو وہ عینیت کے معانی کے احاطے میں آجاتا۔ نہیں ایسا نہیں ہے، بلکہ وہ ہر شئے پہ محیط ہے برعکس ان اعتبارات کے کہ جو ایک دوسرے سے امتیاز و علیحدگی کی نسبت رکھتے ہیں۔ اور جزو کل کی باہمی نسبت پیدا کرتے ہیں جیسے کہ کہا جا سکتا ہے کہ سمندر کُل ہے اور قطرہ جزُو ہے مگر قطرہ، قطرہ ہے اور سمندر سمندر ہی ہے۔ قطرہ کبھی دریا نہیں بن سکتا اور نہ ہی سمندر کو قطرہ کہا جا سکتا ہے۔ حالانکہ دونوں جگہ ایک ہی چیز یعنی کے سوا اور کچھ موجود نہیں۔ پس باوجود اس کے کہ وجود معنیً واحد ہے اور اُس مرتبۂ وجود میں کثرت کو دخل نہیں۔ اور موجودات کے وجود نہیں۔ عبد، عبد یعنی بندہ، بندہ ہی ہے اور معبود معبود ہے۔ کبریائی بساطِ واجب میں امکانی مفہوم کو ہرگز راہ نہیں۔ اور وجودی معنوں نے کبھی ممکنات کے فرش پہ قدم نہیں رکھا۔ ہم مٹی کا مال ہیں اور وہ رب الارباب ہے۔ حیف، صد حیف اس آیت کریمہ کے مضمرات کو سمجھ کہ وہی ذات ہے کہ آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔ حقیقت بینی سے منہ نہ موڑ کہ زمین و آسمان کا معبود وہی ہے اور ہر پست و بلند اس بارگاہ عالی کا آستان ہے۔ نہ تو آسمانوں کی بلندی اس کی ربوبیت کی بلندی کو بڑھاتی ہے اور نہ ہی زمینی پستی اس کی عظمت سے کچھ گھٹاتی ہے، بلکہ سب ادنیٰ و اعلیٰ اس ذات حق تعالیٰ کے بلند پہلو میں پستیوں ہی میں داخل ہیں۔ وہی رب اعلیٰ ہے اور اسی پہ یہ انتہائیں ختم ہو جاتی ہیں۔ پاک ہے وہ رب جو بلند و بالا ہے، پاک ہے وہ رب جو بلند و بالا ہے۔ پاک ہے وہ رب جو عظیم ہے۔ اسی کی ذات باکمال کے جمال کا مشاہدہ باعثِ نجات

Marfat.com

ہے ورنہ دنیوی تعینات کا مشاہدہ تو سراسر تکلیفات کا باعث ہے۔ مبارک ہے اس کے لیے، جس نے اسے دیکھا اور ہلاکت ہے اس کے لیے جس نے اُسے بھلا دیا۔ لہٰذا خود کو دیکھنا تو اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑا مارنے کے مترادف ہے۔ اور اپنے ہی گرد گھومنا، گویا اپنے ہی کاموں میں الجھن ڈالنا ہے۔ کیونکہ جب کسی کی نظر اپنے آپ پر پڑے گی اور وہ اپنی اس موہوم خود بینی میں مبتلا ہو جائے گا۔ یقیناً اس نے کوتاہ نظری (کم نگاہی) کے شیشے سے اپنی ہی دُور اندیشی کے پاؤں کاٹ ڈالے اور مشاہدۂ ذاتِ مطلق سے رُک گیا اور تقید کی تنگ گھاٹیوں میں اسیر ہو کر رہ گیا۔ اور اپنی انانیت کے توہمات سے اپنے سینے کی کشادگی میں نخوت و غرور کی گرہیں ڈال کر خود ہی اپنی راہ کی رکاوٹ بن گیا۔ اور محبوبِ حقیقی کے اس وصال سے محروم رہ گیا۔ جس میں فراق کا کھٹکا نہیں، اپنے نفس کے ساتھ دشمنی کر اور بلند مرتبہ ہو جا۔ جس کسی کو بھی دیکھو، اُسے اپنا آپ مت دکھا ؤ یعنی لوگوں کے سامنے خواہ مخواہ اپنے کمالات کا اظہار نہ کرو، اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے لوگوں کے دلوں میں تیری تعظیم و تکریم پیدا کر دے تو اُس کے لیے رکاوٹ بھی نہ بن۔ کیونکہ نہ تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مانع ہو سکتا ہے اور نہ اللہ کے سوا کوئی باعث بن سکتا ہے۔ اور یہ بات تیرے مفید حال بھی ہے۔ تو خود نمائی سے بیکار ہے گا اور نفسانی برائیوں کے نقصانات سے محفوظ رہے گا۔ اور بھی کئی فائدے حاصل کرے گا جن کی تفصیل یہاں کچھ پھسپھسی معلوم ہو گی۔ اگر کوئی تھوڑا بہت امتیاز ہے معلوم ہو جائے گا۔ یہ دوسروں کے لیے بھی مفید ہے، کیونکہ ایسے آدمی سے کسی کو نقصان یا رنج نہیں پہنچتا بلکہ اس سے ہر کسی کو اس کی قسمت اور استعداد کے مطابق نفع و فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ پس اگر تم حقیقت سے آگاہ ہو اپنے آپ کی تراش خراش و آرائش نہ کر، اور ہر گز خود کو درمیان میں نہ لا۔ آگاہ ہونا عبارت ہے کسی امر کی حقیقت کو پا لینے سے جیسی کہ وہ فی الواقع ہے۔ پس جب یہ انکشاف ہو گیا کہ وہی وجود ہے جو ہر مرتبے میں موجود ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ عدم ہے، اور عدم میں موجودیت کی اہلیت ہی نہیں ہوتی اور وجود کا بوجھ اُٹھانے کا اہل ہی نہیں۔ لہٰذا اپنے جزئی تعین و تشخص کو جو اک موہومی اور مفہومی معنی میں اپنے ذہن میں شرافت کی شکل نہ دے۔ اور اپنے اعتباری علم سے اپنے اور حق کے درمیان رکاوٹ اور حجاب نہ بن جا اور اپنے نفسانی غرور سے دوسرے لوگوں کے راہ کی رکاوٹ نہ بن۔ اپنی نخوت کے گھوڑے تعینات کے کوہستانوں میں نہ دوڑا، کیونکہ اس کام کا نتیجہ سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں۔

Marfat.com

اور یہ کام عارفوں کے شایانِ شان نہیں۔ ہر کوئی اپنے تعین کے جال میں اعتبارات ہی کا اسیر ہے۔ اُسے پس اسی کے حال پہ چھوڑ دے اور اپنی حقیقت بین آنکھ پر کسی بات سے بھی نفرت و کراہت کا پردہ نہ ڈال، اور ذاتِ مطلق کے مشاہدے کی ڈوری کو ہاتھ سے مت چھوڑ۔ اپنے اعتقادات کے سلسلے میں دوسروں کو معذور سمجھ۔ ہر کسی کی حقیقت کو اس کے اپنے کاموں میں مجبور سمجھ۔ اعتبارات کے پھندوں میں پھنسے ہوئے تقیدات کے اسیر ہیں۔ تعینات کے زندانیوں (اسیروں) کے پُر تقیدات کی کال کوٹھڑی میں قید ہیں۔ ہر چند کہ تو بھی اس مصیبت میں مبتلا ہے لیکن بے اختیاری کی بنا پر مجبور و لاچار ہے۔ کیونکہ جب کبھی مطلق کے معنی ظاہر ہوں گے انہی جزئی مظاہر میں ظہور پذیر ہوگا اور اک خاص قسم کی کیفیت سے مسرور ملے گا۔ باوجودیکہ عارف کامل اس مرتبۂ اطلاق سے مکمل نسبت حاصل کر لے گا اور ہمیشہ وحدت ذات کے مشاہدے میں مستغرق رہے گا لیکن اپنے بشری تشخص اور جزئی تعین کے تقاضے کی بنا پر خود بھی دوسروں کی کیفیات کی نسبت اک خاص اور منفرد کیفیت رکھے گا، اور اس کی وجہ سے اُسے خاص وضع اور مخصوص حرکات و سکنات نصیب ہوں گی۔ عارف کے یہ اعمال اور افعال توہمات میں پھنسے ہوئے بندوں کی طرح نہیں، اگرچہ صورت میں انہی سے مشابہ ہیں۔ مگر ان کی حقیقت بالکل الگ ہے۔ اور تمام امور میں اپنے آپ کو بے اختیار پاتا ہے اور فاعل حقیقی سوائے اس کے اور کسی کو نہیں جانتا، جیسا کہ عوام بھی بعض اُمور میں اپنے آپ کو مجبور سمجھتے ہیں۔ اور پیدائش، قد کاٹھ، شکل و صورت اور دیگر ایسی چیزوں میں کسی کے اختیار کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو خالق کا کام ہے۔ بندوں کو اس میں کیا دخل۔ پس تجھے چاہیے کہ ہر کام میں حق تعالیٰ ہی کی طاقت اور موت کا مشاہدہ کرے اور لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ کے الفاظ کو اپنا ورد بنا لے۔ جتنے کچھ مخصوص کاموں سے تمہیں خاص بنائیں سو بنائیں۔ اور جتنے عام کاموں کے ساتھ دوسروں کو شریک بنائیں سو بنائیں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ خلوص و بے تکلفی (سادگی) سے کام لے، اور بناوٹ کے کانٹوں سے اپنے آپ کو چھلنی نہ کر۔ یعنی توہمات کے حرص و لالچ، حبّ جاہ و مال، غرور و تکبّر جیسے زاید امور کو اور دیگر تکلفات اور بناوٹی ملمع کاریوں کو نہ اپنا جیسا کہ اکثر بر خود غلط لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے اور موہوم بندشات کے بکھیڑوں کے جو بوجھ بھی لادیں، لادنے دو۔ جس کام کا بوجھ بھی تیرے ذمّے ڈالیں اسے بخوشی قبول کر، جو کام بھی تیرے حوالے کریں، کرنے دے۔ یعنی ہر کام جو تیرے ہاتھوں میں سونپیں اُسے رضا و رغبت سے قبول کر، کیونکہ وہ اس غالب حکمت والے کا اندازہ ہے۔ اس بات کو

Marfat.com

ملحوظِ خاطر رکھو کہ تمھیں اس سونپے جانے والے کام ہی میں اللہ کی رضا ہے۔ لہذا اپنے آپ کو مامور سمجھ کر اُسے احسن طریق سے سرانجام دے۔ اور جو کچھ اس مرتبے کے شایانِ شان ہے۔ اُسے جہاں تک ہو سکے خیر و خوبی سے تکمیل تک پہنچاؤ اور اپنے علم و دانش کے مطابق اس مرتبے کی مراعات میں کوئی کسر نہ چھوڑے کیونکہ بازپرس اسی علم و دانش کی نسبت کے مطابق ہوگی۔ باقی جو کچھ ہونا ہے وہ تو ہونا ہی ہے۔ جو کاروبار تجھے سونپا گیا ہے ہر وقت اسی کو ملحوظ خاطر رکھ۔ اور نہ کیے جانے والا کوئی کام نہ کر، یعنی جب تک تمھیں اس دُنیا میں رہنے کی مہلت ہے تو نیک بندوں کی قسم سے بن۔ کیونکہ تم میں سے جاہلیت میں جو چیدہ چیدہ تھے وہ اسلام میں بھی بہترین ہیں۔ اگر تجھے فقیر و درویش بنائے تو درویشوں کے اچھے گروہ سے بن۔ اور تجھے مسندِ ارشاد پہ فائز کیا ہے تو اسی رشد و ہدایت کے مطابق عمل کر، اور اگر آزاد و تنہا بنایا ہے تو وہی کچھ اختیار کر جو اُس آزادگی اور تجرّد کے شایان ہے۔ اور اگر جامعیت کے تقاضے کے طور پر ان امور میں سے اکثر اشیا کی جامع استعداد دی گئی ہے تو سب کی مراعات ملحوظ خاطر رکھ، اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے حوالے کر کے ہمہ اوقات گریہ وزاری اور خشوع و خضوع سے حق تعالیٰ سے مدد و نصرت طلب کر اور دل و جان سے اس آیت کریمہ کا ورد کر کہ میں اپنے جملہ کام اللہ ہی کو سونپتا ہوں ، بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے۔ کیونکہ اس آیت کریمہ کے معانی سمجھ میں آگئے تو خدا نے چاہا تو حضور و شہود کی نسبت کی قوت تجھ میں پیدا ہو جائے گی۔ اور مشاہدہ ذات کا دروازہ کھل جائے گا نیکیوں اور بھلائیوں میں سے جو عمل بھی کرو گے تو اُس کی نسبت کے نقصان کا گمان تک نہ گزرے گا اور زاہدوں کی طرح اپنے عملوں پہ بھروسہ نہیں کر، اور اگر کوئی کمی رہ گئی ہوگی تو جلدی ہی اس سے مطلع ہو کر ہلاکت سے بچ جائے گا اور گمراہی کے بیاباں سے نجات پا جائے گا اور اپنے آپ کو وحدتِ ذات کے نور میں گم پا کر خود کو فنا سمجھتے ہوئے یہ کہوگے۔ رباعی :

در خارج نیست غیر حق جلوہ گری
ایں جا نبود زما سوا ایش اثری
ہر شخص کہ پیش نظر آید چوں عکس
می بینمش اما بجہاں دگری

ترجمہ رباعی : خارج میں سوائے ذات کی جلوہ گری کے اور کچھ نہیں۔ یہاں ماسویٰ اللہ کا کوئی نام و نشان

Marfat.com

نہ تھا۔ جو شخص بھی سامنے آتا ہے اسے عکس کی طرح دیکھتا ہوں، لیکن کسی اور ہی عالم میں۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) خارج عبارت ہے تشخص سمیت کلّی ماہیت سے، کیونکہ کلّی ماہیت کا تصوّر وجود عدم سے قطع نظر اپنے خاص تشخص میں اس کے ظہور کے بغیر ذہنی موجودات میں سے ہے اور ماہیتی شرکت کے بغیر فقط معنی تشخص کا تصوّر بھی موجوداتِ ذہنیہ میں سے ہے۔ کیونکہ تشخص کی ماہیت کے یہ معانی اس کے وجود و عدم سے قطع نظر اپنی ماہیت کے اعتبار سے خارج ہے۔ اور تمام ماہیات کی طرح موجود ذہنی ہے اور ذہن اپنے تشخّص کے لحاظ سے سارے وجودی مشخّصات کی طرح موجود خارجی ہے۔ اگر ذہن اور خارج میں ان کے مظروفات کے مطابق مطلق عمومیت و خصوصیت ہے لیکن اپنی ذات کے لحاظ سے امتیاز و اعتبار کے مرتبے میں دیگر سارے حقائق کی طرح الگ اور علیحدہ ہیں اور ان سب مراتب کے وجود کے لحاظ سے کم ہیں اور موجود کے لحاظ سے باہم متفق اور موجودات میں داخل ہیں۔ پس گویا کہ حقیقت میں خارج عبارت ہے ظاہر وجود سے، ظاہریت کے اعتبار سے کہ یہ تشخّص اور ماہیت کے جمع ہونے کا مقام ہے جو اس نے تصدیق کی۔ اور مفہوم خارج کے نکالے جاتے کا مبداء و منبع ہے۔ اور خارجی معانی اس مبدا سے نکالے ہوئے۔ اور ذہن نام ہے اس وجود کے باطن کا باطنیت کے لحاظ سے، کہ یہ جگہ ہے ماہیت و تشخص کے امتیاز کی جو اس نے یہ تصدیق کی۔ اور ذہن کے معنی ہیں نکالے جانے کا منبع اور ذہن کا مفہوم ہے وہی نکالے جاتے والے امور۔ بہرحال رباعی میں مراد لفظ خارج سے وہ مرتبہ ہے جو بذاتِ خود موجود ہے اور نہ کسی معتبر کے اعتبار اور نہ علم فرالفق کے جاننے والے کے فرض سے متعلق ہے۔ اس مرتبے میں سوائے اللہ تعالیٰ کی تجلّی کے اور کچھ نہیں اور اس مقام میں ماسویٰ اللہ کا کوئی نشان نہیں۔ یہاں وجود ہے جو خود موجود ہے اور ماسویٰ اللہ سے ان کے تعینات کا امتیاز اس مرتبے میں ذہن و خارج میں اضافی و اعتباری ہے جو درحقیقت توہمات میں داخل ہے۔ پس ان موجوداتِ موہومہ میں سے جو کوئی بھی عارف کے سامنے آتا ہے اور اپنی پیدائی (نمو) کے تقاضے سے نظر آتا ہے اسے عکس کی طرح عالم وہم ہی میں سمجھتا ہے۔ اور خارج میں اس صاحب عکس کو موجود سمجھتا ہے۔ اس مثال کا لطف بالکل واضح و ظاہر ہے۔ اور عکس کی نمود کسی اور ہی عالم میں ہوتے سے ظاہر ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ شخص کا عکس نہیں ہے۔ اور اُس کے بغیر بھی خود کچھ نہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک اللہ تعالیٰ قلب سلیم عطا نہ فرمائے۔

Marfat.com

هُوَالله احد

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو قدرت واقتدار والا ہے۔ اور دینے والا ہے قوت اور اختیار، سلام اس کے بھیجے ہوئے رسولؐ پر جو مقربین اور ابرار کے سردار ہیں اور آپؐ کی چنی ہوئی آلؓ پر اور منتخب صحابہ کبارؓ پر۔ اما بعد پس یہ چونسٹھواں (۶۴) باب ہے جو کاشف الغطا سے موسوم ہے۔ لغت میں کشف کے معنی پردہ اُٹھانا ہے، اور اصطلاح میں اطلاع دینا ہے۔ غیبیّت کے معانی اور جن غیر مشکوک امور حقہ کے متعلّق ان چیزوں کی جو پردے میں ہیں وجود کے لحاظ سے اور شہود کے لحاظ سے، اور غِطا (پردہ) کے معنی وہ چیز جو چھپا دیتی ہے۔ وجود انہی عوام کے لیے پردے کو ہٹا دینے والا ہے اُن سے اُن کے اپنے لیے۔ پس وہ ان کو جانتے ہیں جو کچھ کہ وہ جانتے ہیں۔ اور اللہ کی ہستی چھپانے والی ہے اپنے وجود کو اُن سے عدم ادراک حقیقت کے ساتھ ان کے لیے۔ اور وہ کھولنے والا ہے غوطہ زن کے پردے کو اُن سے اپنے پاک وجود کے ساتھ، پس وہ جانتے ہیں اس کو جو کچھ کہ وہ جانتے ہیں، اور وہ چھپانے والا ہے ان کے نفوس کے لیے ان سے۔ پس وہ ان کو نہیں دیکھتے، بلکہ وہ نہیں دیکھتے کوئی چیز چیزوں میں سے مگر یہ کہ دیکھتے ہیں اللہ کو اس سے پہلے اور اُس کے اندر اور اس کے ساتھ۔ اور پردے کا اُٹھانے والا ان میں سے خاص الخاص ہے ان کے حقائق کو ان پر منکشف کرنے کے ساتھ وجود اور حقانی عطیہ (ہبہ) اور بقا باللہ کے ساتھ بھی اور ان سے پردے کو ہٹانے والے اللہ تعالیٰ کے وجود

Marfat.com

کے ساتھ بھی۔ پس وہ اسے جانتے ہیں اور اُس کی حمد کرتے ہیں اس کی قوت کے ساتھ۔ اور عوام پردے میں ہیں حجاب خلقی کے ساتھ اور خواص پردے میں ہیں سرِّ حقیقت کے ساتھ۔ اور خاص الخاص ظاہر و باہر جو ہیں اللہ سبحانہٗ کے نور کے ساتھ روشن کرتے ہیں جیسے سورج اللہ تعالیٰ کی روشنی کے ساتھ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کلّی طور پہ ان کا پردہ ہٹادیا اور ان کی نگاہ کو آج تیز کر دیا۔ کیونکہ نہیں مخفی اس پر کوئی بھی معاملہ معاملات میں سے خلقت، حقیقت اور وجوبیت اور امکانیت اور شرعاً و عرفاً، اعتباراً اور حقیقتاً اور وہ دیکھتے ہیں اختیار حقیقی اپنے تمام مظاہر میں اللہ کی طرف سے ہے حقیقتاً اور وہ دیکھتے ہیں اختیار مجازی اپنے میدانوں میں مخلوق میں سے مجازاً اور کہتے ہیں زبانِ حال اور قال سے کہ نہ کسی حیثیت سے جبر ہے اور نہ کسی حیثیت سے قدر ہے۔ لیکن معاملہ دونوں کے درمیان ہے بلحاظ اس کے مجموعوں کے۔ پس اسے سمجھ لو اور غفلت نہ کرو۔

جبر و اختیار اور دیگر اسرار و رموز کے بیان کا باب

بندوں کے اپنے افعال میں مختار و مجبور ہونے کے سلسلے میں جو کچھ مجھ پہ واضح ہوا وہ تو لکھ دیا اس بیان کے ضمن میں۔ چونکہ باب کے آخیر میں سالک کے فوائد اور اصلاح حال پہ مشتمل چند جملے آگئے، ان مختصر امور کا مفصل اظہار بھی بفضلِ خدا شرح میں آتا ہے۔ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ جبر و قدر کا مسئلہ بڑا اختلافی مسئلہ ہے اور کم سمجھ لوگوں کے لیے بڑی مشکلات اور شکوک کا مقام ہے اگر وہ بندوں کو محض بے اختیار کہیں تو یہ بات ان کم عقلوں کی سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ وہ خود کو شروع ہی سے مختار دیکھتے چلے آئے ہیں، اور ارادے سے کیے جانے والے افعال کو طبیعی افعال کی طرح بے اختیار نہیں پاتے اور اس صورت میں یہ شبہ ان کے دل و دماغ کے دامن گیر ہو جاتا ہے کہ اگر بندے کا کوئی اختیار نہیں تو اللہ تعالیٰ نافرمانبرداروں کو جو بُرے اعمال کی سزا دے گا تو ظلم کرے گا۔ کیونکہ وہ تو اس کام کرنے میں مجبور تھے۔ (ایسے گمانوں سے خدا بچائے) اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ اگر وہ بندوں کو ایک با اختیار فاعل کہیں تو یہ معانی بھی ان کے ایمان میں خلل ڈالتے ہیں۔ کیونکہ یہ اعتقاد بالکل کھُلا ہوا شرک ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بندے کو اک با اختیار فاعل کہنا اور یوں اُس کی قدرتِ کاملہ کے سامنے واضح طور پہ اک شریک کو لے آنا ہے۔ قدری فرقے والے اس

Marfat.com

اُمت کے مجوسی ہیں۔ یہ لوگ اسی مقولے کے مصداق ہیں۔ کیونکہ آتش پرست یزدان اور اہرمن کے قائل ہیں۔ یزدان کو نیکی کا خدا مانتے ہیں اور اہرمن کو بدی کا خدا کہتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ایسے شرک سے اپنی پناہ میں رکھے) اللہ پروردگار دوجہاں کے چاہے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جب کوئی غلام اپنے مجازی بادشاہ کے سامنے سرتابی کی مجال نہیں رکھتا تو پھر اس مخلوق بندے کو اُس شہنشاہ حقیقی کی مرضی کے خلاف کام کرنے کی مجال کہاں؟ لہٰذا اس سلسلے میں کم عقل لوگوں کے سوال و جواب بڑے بازاری قسم کے ذلیل ہیں۔ ان کے پھکڑپن کی وجہ سے ذہن ان کے دہرانے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اور ان بیچاروں کو سخت مشکل آن پڑتی ہے کہ اگر وہ جبری بنیں تو ملحد ہو جاتے ہیں، اور قدر کے قائل ہوں تو کافر ہو جاتے ہیں۔ اور بات کی حقیقت کو وہ سمجھتے نہیں۔ ہرچند کہ حقیقت سورج سے بھی زیادہ روشن ہے لیکن ان چمگادڑ سیرت لوگوں کی نگاہ سے ہمیشہ پوشیدہ۔ ان چوپایوں جیسے عوام کو سمجھانے کی دشواری کے پیش نظر ہی حضرت امام ابوحنیفہؒ نے یہ الفاظ کہہ دیے کہ اس مسئلہ جبر و قدر نے تو مجھے قتل کر دیا۔ (مار ڈالا) اس لیے نہیں کہ اس عالی قدر مجتہد پہ یہ مسئلہ روشن نہ ہوا تھا۔ اگر ان کی بات کی تہ کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو درحقیقت انھوں نے کہا اک امر واقع ہے۔ اور حقیقت کی رو سے تو ان کلمات میں بے اختیاری ہی کی جانب کو غالب رکھا ہے۔ بلکہ اشارۃً کنایۃً بے اختیاری کو ظاہر ہی کر دیا ہے جو یہ کہا کہ مجھے مسئلہ جبر و قدر نے مار ڈالا، یقیناً مرا ہوا شخص تو محض بے اختیار ہی ہوتا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ میت جب غسّال کے ہاتھ میں کہ ہوتی ہے تو کس حال میں ہوتی ہے۔

البلاغ المبین

تھوڑی عقل کے مالک متشککین اور متردّدین اپنی جہالت ہی کے باعث اپنی سمجھ میں دودلی پیدا کر لیتے ہیں اور مسئلۂ جبر و قدر کی تحقیق میں حیران و سرگردان رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ مسئلہ تو سبھی پہ خود بخود واضح ہے۔ بعض امور میں طبعی طور پہ اپنے اختیار کو وہ صاف دیکھتے ہیں اور اپنی ارادی حرکات کو وہ رعشے والے آدمی کی حرکات کی طرح نہیں دیکھتے اور صریحاً بعض کاموں کے کرنے اور بعض کو ترک کرنے میں اپنے آپ کو قادر سمجھتے ہیں۔ لہٰذا یقیناً اختیاری حیثیت بھی ان میں سے ہے جس کے باعث مختار ہونے کے وہم میں مبتلا ہیں۔ اور بے اختیاری بھی ان کے ذہن میں آتی ہے۔ کیونکہ اختیار تو اسی مختارِ حقیقی کو ہے اور انسان تقدیر الٰہی کے سامنے بالکل بے بس ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تمام احوال اور افعال

Marfat.com

میں بے اختیاری بھی ان کے شاملِ حال ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ قدرتِ حق پہ ایمان لائے ہیں۔ اور ان کا یہ اپنے اختیار کو دیکھنا حیوانی قوت اور جزئی محسوسات کے احساس کی بنا پر ہے اور اختیارِ حق کی یہ دریافت قوتِ عاقلہ اور کلی معقولات کے ادراک کی وجہ سے ہے۔ چونکہ عوام میں اکثر حیوانیت انسانیت پہ غالب ہوتی ہے اور نظری قوت کمزور دکھائی دیتی ہے۔ اُنھیں اللہ تعالیٰ کا اختیار ہرگز نظر نہیں آتا۔ خواص کے اس نوعی شراکت کے کہنے ہی سے وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار کے قائل ہوتے ہیں۔ لیکن خودی کا پردہ ان کے ذہن سے دُور نہیں ہوتا۔ وہ سراسر اپنے گھمنڈ ہی میں مبتلا رہتے ہیں اور جن امور میں نظر آیا صریحاً کسی طرح بھی اپنا عمل دخل نہیں پاتے تو مجبوراً بے اختیاری کے قائل ہوجاتے ہیں۔ یہاں تک بن پڑتا ہے اپنی سمجھ کے مطابق اپنے توہمات کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور وہ خواص جنھوں نے حق تعالیٰ کی مہربانی سے انسانیت کو حیوانیت پہ غالب کر رکھا ہے اور پوری نظری قوت بھی رکھتے ہیں، ہر جگہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یونہی مجازی طور پہ عوام کی نوعی شراکت کی وجہ سے بندوں کے اختیار کے قائل ہوجاتے ہیں۔ بندوں کی کوشش اور ان کے ارادے کے عمل دخل کو ظاہراً دیکھتے ہیں اور مجازی اختیار کے قائل ہوجاتے ہیں۔ اور جہاں تک ہوسکتا ہے قدرتِ خداوندی کے مشاہدے کی ڈور کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور اس آیت کریمہ کو ہمیشہ اپنا مطمح نظر بناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سلسلے (رستے) کو اس طور پہ مضبوط پکڑے رہو کہ تم سب باہم متفق بھی رہو۔ بیشک یہی بزرگوار حضرات اولیا اللہ ہیں۔ اور وہ دوسرے غافل، ہوا و ہوس کے مارے ہوئے خود پرست اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں کہ کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ چونکہ اس حقیقت کا انکشاف اور اس مسئلے کی تہ جیسی کہ وہ بنفسہٖ ہے۔ فعل، ارادے، ایجاب و اختیار اور انہی کی دیگر اقسام کی حقیقت پر موقوف ہے۔ لہٰذا ان کی وضاحت کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے اور یوں بیان کرنا چاہیے کہ جو ان کی سمجھ میں بھی آجائے اور ہر قسم کی رشد و ہدایت دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

فعل و ارادے کی حقیقت

مطلق فعل جو ذاتِ فعل ہے وہ افعال پہ تمام اقسام میں شامل ہے۔ کیا ذاتی فعل اور کیا غیر ذاتی،

Marfat.com

کیا ایجابی اور کیا اختیاری فعل، اور عین ذات ہے دیگر شانوں کی طرح جو حقیقی صفات ہوتی ہیں - اس فعل سے ہماری مراد فعلیت کے نکلنے کے مبداو منبع سے ہے، نہ کہ وہ فعل جو نکالا گیا ہے اور ذات کے زائد کمالات سے ہے - جس طرح کہ دیگر صفات کے عین ہونے سے بھی مراد ہر ایک صفت کے نکلنے کے منشاو مبدا ہی سے ہے نہ کہ صفات کے نکالے ہوئے امور کہ وہ صفات سے زاید ہیں اور اس اصول کے سائے میں شمار ہوتے ہیں جس طرح کون وحصول کے معنوں میں مرتبہ وجود اس کی موجودیت کے لحاظ سے مرتبۂ وجود کا سایہ ہے - اسی طرح نکالے جانے والے منشاو مبدا کے مرتبے کے سائے سے حاصل ہونے والی ہر صفت اپنے ہی سے نکالی جاتی ہے - مثلاً علم بمعنی جاننا، علمیت ہی کا سایہ ہے اور سمع بمعنی سننا اسی سماعت کا سایہ ہے - اور علیٰ ہذالقیاس دیگر تمام صفات اصول کے اعتبار سے عینِ ذات ہیں - اور ذات پر زائد سایوں کی بنا پر ایک دوسرے کا عین بھی ہیں اور ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز - پس ارادہ کرنے کے لحاظ سے ارادہ عین نفس العمل ہے جو فعلیت کے لحاظ سے ہوگا، کسی ایک دوسرے پر مقدم نہیں - فعل پر ارادے کی تقدیم و تاخیر یا فعل کی ارادے پر تقدیم و تاخیر اس مرتبے میں نہیں کی جاتی - اور ایجاب و اختیار کی اضافت بھی اس مقام پر مضاف نہیں بنتی - اس مقام پر ایجاب و اختیار بھی دوسرے اضافوں کی طرح ایک دوسرے کے عین ہیں - اور ان کا امتیاز بھی ان کے مرتبۂ ظلال میں ظاہر ہوتا ہے - اور اگر فعل سے مُراد فعلیت کے لحاظ سے لی جائے جو ذات الفعل ہے اور ارادے سے منظور ہو - نکالے جانے والا امر تو ارادے پر فعل کا مقدّم ہونا مفہوم میں آتا ہے - کیونکہ ارادہ کرنا بھی تو اک ذاتی فعل ہے، اور یہ ارادہ بلا قصد کیے اسی فعلیت کے سبب سے جی میں پیدا ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر ارادے کو اک اور ارادہ چاہیے - اور یوں پھر اک تسلسل لازم آتا ہے - یہی وجہ ہے کہ فلسفی ایجابی فعل کے قائل ہوئے - اور اگر ارادے سے مراد نکلنے کا مبداو منشا لیا جائے اور فعل سے مُراد نکلنے والے معانی لیے جائیں تو پھر ارادہ فعل پر مقدّم معلوم ہوتا ہے - کیونکہ پہلے ارادہ بنتا ہے، اس کے بعد فعل ظہور پذیر ہوتا ہے - اور یہ فعل ارادے کے تابع ہوتا ہے اور قصداً عمل میں لایا جاتا ہے - اگر یوں نہ ہو تو ارادی اور غیر ارادی افعال میں کوئی فرق نہ رہ جائے - اور اسی حیثیت کی بنا پر متکلمین اختیاری فعل کے قائل ہوئے -

Marfat.com

ایجاب و اختیار کی حقیقت کے بیان کا باب

اگر چشمِ بصیرت حق بین ہو تو نظر آئے گا کہ اُس جل شانہٗ کی واجب الوجود کا مرتبۂ ذات ہی ایجاب کا منبع ہے کہ وہ عین اختیار ہے اور منشا اختیار بھی، یعنی عین ایجاب کیونکہ اختیار کا واجب ہونا ایجاب کی حقیقت ہے۔ اور اس کے عدم وجوب میں صریحاً یہ اختیاری کی صورت ہے۔ اور نیز یہی اختیار کے کمال کا باعث ہے اور لازمی۔ اختیار تو اس واجب و مختار حقیقی (اللہ تعالیٰ) ہی کو ہے۔ لہذا ہم محمدؐی جو اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے عمدہ بیان (تحریر و تقریر) میں ممتاز ہوئے ہیں فعل کے اس منبع کو جو بغیر سبب یا وجہ کے ذات واجب تعالیٰ ہی کا امتیاز ہے اور جسے حکما ایجاب سے تعبیر کرتے ہیں ہم اُسے کمال اختیار کہتے ہیں اور اُنھیں واجب الوجود کو اک با اختیار فاعل کہتے ہیں کیونکہ یہی تقریر ہر خاص و عام اور عامۃ المسلمین کے لیے مفید ہے۔ اور محمدؐی جامعیت اہلِ حکمت اور اہلِ کلام سبھی کے شاملِ حال ہے۔ ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہدایت دی ہمیں اس کے لیے، اور ہم نہیں تھے ہدایت پانے والے اگر نہ اللہ نے ہدایت دی ہوتی ہمیں۔ بیشک آئے تمھارے پاس رسولؐ ہمارے حق کے ساتھ۔ پس اختیار عبارت ہے اُس فعل سے جو ارادۃً کیا جائے اور فاعل مختار صاحب ارادہ فاعل کو کہتے ہیں اور متکلّمین نے فاعل مختار کی جو تعریف ان لفظوں میں کی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے ترک کر دیتا ہے۔ یہ تعریف پہلی تعریف کی اک شاخ ہے۔ ان معنوں میں حق تعالیٰ کو فاعل مختار سمجھنا اگرچہ سرسری نگاہ میں مناسب دکھائی دیتا ہے اور اس سے اُس کی قدرت کا کمال ذہن میں آتا ہے لیکن درحقیقت حکمت میں نقص (کمی) کی جانب لے جاتا ہے۔ جو اس حکیم مطلق جل جلالہٗ و برہانہٗ کے علم کے شایان نہیں کیونکہ کام میں جہل کا شائبہ ضرور ہے اور یا بیہودہ و تکمی بات لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہی پھ لیا، وہی کچھ کرتا ہے اور کرتا رہے گا جو اُسے کرنا چاہیے اور جو نہ چاہیے، نہ اس نے کیا، نہ وہ کرتا ہے اور نہ کرے گا۔ وہ جو کچھ عالمِ وجود میں آیا ہے اپنے ارادے سے لایا ہے۔ وہ فاعل مختار ہے۔ کیونکہ یہ بیان اس کے علم و حکمت پر بھی دلالت کرتا ہے اور اس کے کمال قدرت پر بھی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے خیال کے مطابق اپنی طرح ہی نہ تراش لینا چاہیے۔ اس کی قدرت کو اُس کے شایانِ شان طریقے ہی سے دیکھنا چاہیے۔

Marfat.com

اگر حق عزوجل بھی تمہاری طرح ہی ہے تو پھر وہ بھی افراد ہی سے اک فرد ہوا۔ اور قرآن پاک کہتا ہے کہ اُس جیسی کوئی شے نہیں۔ لہٰذا اُسے اسی طور سے دیکھنا اور پہچاننا چاہیے جیسا کہ وہ ہے۔ اور اپنے توہمات ہی میں نہ کھو جانا چاہیے۔

ارادوں اور افعال کی قسموں کا بیان

ذات واجب تعالیٰ کے تقاضے یا خواہش کو ارادۃ اللہ کہتے ہیں۔ اور اُس تقاضے کے ظہور پذیر کرنے کو فعل خداوندی کہتے ہیں۔ اور حقیقی تقاضا، حقیقی ارادہ ہوتا ہے اور حقیقی فعل یعنی اُس مقتضی کو وجود میں لانا اس فاعل حقیقی جل شانہٗ کی ذات سے مخصوص ہے۔ کیونکہ وہ جو چاہتا ہے (ارادہ کرتا ہے) ممکن الوجود ذاتوں کے تقاضے تو اضافی تقاضے ہیں۔ ذاتِ واجب سے ان تقاضوں کی نسبت اس کے جملہ مقتضیات میں سے ہے۔ ان کے ارادے مرادوں میں داخل ہیں۔ اور ان کے افعال معمولات میں شمار ہوتے ہیں۔ پس ممکن کے اس تقاضے کو جو دراصل مقتضیٰ کے علم کلّی کے ساتھ جمع ہو جائے تو اُسے کلّی اضافی ارادہ شمار کیا جا سکتا ہے، جیسے کہ فلکی نقوش و عقول کا حال ہے۔ کیونکہ فلکی عقول و نفوس کلّیات کا ادراک رکھتے ہیں اگر جزوی علم کے ساتھ جمع ہو جائے تو اُسے جزوی اضافی ارادہ کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ انسان و حیوان میں ہے۔ چونکہ انسان کلّی و جزئی کا ادراک رکھتا ہے، وہ کلّی اور جزئی دونوں ارادوں کا مالک ہے۔ پھر اُس کلی ارادے سے تاثیرات یا تصرفات میں سے جو کچھ بھی ظہور میں آئے وہ فعل کلّی میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس جزئی ارادے سے جو کچھ ظہور میں آئے وہ جزوی فعل کہلاتا ہے۔ اگر ممکنات کا یہ تقاضا کسی طریق سے علم کے ساتھ جمع نہ ہو سکے۔ اُسے طبعی خواہش کہتے ہیں۔ اور جو اس راستے سے فعل کی شکل اختیار کرے اُسے طبعی فعل کہتے ہیں۔ اگر فعل طبیعی یا فعل ارادی پر کوئی خارجی امر غالب آجائے خواہ وہ مخالف ہو یا موافق اس غالب امر کے باعث جو کچھ ظہور میں آئے وہ جبری فعل کہلاتا ہے۔ صرف ارادہ حق اور فعل حق ہی ایک ایسی چیز ہے جو مظاہر کے تمام مراتب میں جاری و ساری ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے وہی اس کا الٰہ ہے اور جو زمین سے اس کا بھی وہی الٰہ ہے۔

Marfat.com

ایجاب واختیار کی قسمیں

اختیارِ مطلق تو وہی فعل ہے جو ارادۃً کیا جائے، خواہ وہ واجب سے ہو یا ممکن سے، اور وہ اپنے افراد کے شاملِ حال ہے جنھیں حقیقی یا مجازی اختیار ہو۔ پس اگر وہ اختیار ذاتی ہے اور کسی سبب کا محتاج نہیں تو وہ اختیارِ حقیقی ہے۔ جیسے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا اختیار اور اسی حقیقی اختیار پر ذاتی ایجاب کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، اور اسی مختار حقیقی کو قائم بالذات کہا جا سکتا ہے۔ اور اختیار بالغیر سے ہو اور کسی سبب یا باعث کی حاجت ہو تو وہ مجازی اختیار ہے۔ جیسے کہ بندوں کا اختیار اور اس مجازی اختیار پر ایجاب بالغیر کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ ان اضافی مختاروں کو قائم بالغیر شمار کیا جا سکتا ہے۔ اور فی الحقیقت یہ ایجاب واختیار کچھ بھی نہیں، یہ اختیارِ حقیقی اور ایجاب ذاتی کے ماتحت ہے۔ اسی مجازی صورت میں طبیعی حرکات کے بالمقابل جو تمام قائم بالغیر موجوداتِ ممکنہ سے بے ارادہ اور بے اختیاری میں وقوع پذیر ہوتے ہیں انھیں اختیار کا نام دیتے ہیں اور اس اختیار کے مالک اپنے ارادے کی شراکت کے سبب سے ثواب وعذاب کے مستوجب ٹھہرتے ہیں۔ چونکہ انھوں نے بزعم خود یعنی اپنے خیال میں یہ افعال اپنے ارادے سے کیے ہیں۔ اسی طرح اپنے علم میں وہ اس پہ ثواب یا عذاب پائیں گے۔ اگر کوئی نا سمجھ عارفوں کے انداز سے کے متعلق یہاں یہ کہے کہ وہ عارف لوگ تو ہر جگہ حق تعالیٰ ہی کے اختیار کا مشاہدہ کرتے ہیں اور درحقیقت افعال کی نسبت کسی سے منسوب نہیں کرتے۔ اور وہ نہ خود کو، نہ دوسروں کو درمیان میں لاتے ہیں، تو پھر چاہیے یہ کہ وہ اپنے افعال کے سلسلے میں خیر و شرّ (نیک و بد) کا نتیجہ نہ بھگتیں۔ کیونکہ انھوں نے تو اپنی سمجھ کے مطابق ان افعال کی اصل کو اپنی طرف سے نہیں دیکھا لہٰذا ان کے نتائج بھی ان پر وارد نہ ہوں گے۔ ایسا نہیں ہرگز نہیں، کیونکہ کوئی عارف کسی وقت بھی پتھر اور درخت کی طرح نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی عقل سے عاری ہوتا ہے۔ اور دیگر بشری مقتضیات کی مانند جب تک زندہ ہے ظاہری ہوش و حواس بھی رکھتا ہے۔ اور وہ تمام ظاہری معلومات میں بھی راہ و رسم میں شریک ہوتا ہے تو پھر یہ کہاں سے اور کیسے ہو کہ مجازاً بھی افعال کو اپنے سے یا دوسروں سے منسوب نہ کرے۔ حقیقت کا مشاہدہ الگ بات ہے اور بے علمی اک الگ چیز ہے۔ بلکہ مشاہدے میں علم کی انتہا اور قوت ہوتی ہے جو نفس الواقع کا ادراک کرتی ہے۔ اگر حال کے غلبے سے مستی چھا جائے اور بے ہوشی طاری

Marfat.com

ہو جائے یا جنونی ہو جائے تو یقیناً دیوانہ تو شرعی فرائض سے آزاد ہے۔ جو بالکل فاتر العقل ہو۔ وہ خدا و رسول ؐ کے نزدیک قابلِ معافی ہے۔ اسی لیے حیوانات سے ارادی حرکات کے باوجود بھی باز پرس کے سلسلے میں سوال و جواب کی نوبت نہ آئے گی۔ اور نہ ہی ان کے نفوس میں ثواب و عذاب کا کوئی کھٹکا ہے قصہ کوتاہ چونکہ گفتگو اختیار کے متعلق ہے۔ ہمیں مطلب کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ بندوں کے ساتھ اختیار کی نسبت ان کے حریفوں کی بے اختیاری کے لحاظ سے ہے۔ وہ جمادات و نباتات کی نسبت مختار گنے جاتے ہیں نہ کہ اختیارِ حقیقی سے جو فقط حق تعالیٰ کا امتیاز ہے۔ ان کو اختیار بھی حاصل ہے اللہ کے سوا کسی کو قوت اور طاقت حاصل نہیں تمام موجودات اور قائم بالغیر ممکنات کو بے اختیاری اور مجبوری بھی لاحق ہے۔ وجودی کمالات کے ظہور میں وہ حقیقی موجودیت نہیں رکھتے، نہ ہی ذات واجب الوجود کے ذاتی ایجاب کے مقابل ہیں۔ وجودِ حقیقی وہی ہے، بلکہ ان کی اس اضافی اور مجازی اختیار و بے اختیاری میں تقابل (ٹکراؤ) ہے اور اس قسم کے اختیار کا اطلاق ایسے ہی مجبوروں کو زیب دیتا ہے اور ایسے مختاروں کو مجبور کہنا ہی سزاوار ہے۔ پس تمام موجودات میں یہ مختاری و مجبوری انسانی افراد کی خصوصیات سے ہے۔ اور اُس کے علم و عرفان سے متعلق ہے۔ مصنف ہی کا یہ شعر ہے۔ ؎

وابستہ است باما گر جبر ہست در قدر
مجبور نیز مائیم مختار نیز مائیم

جبر ہو کہ قدر (اختیار) ہمیں سے وابستہ ہے۔ مجبور بھی ہم ہیں اور مختار بھی ہم ہیں۔ گویا اس جبر و اختیار میں بالترتیب عدم اور ملکہ ہے۔ پس اختیارِ مجازی عدم جبر اضافی ہے۔ اس مجاز کے ساتھ جو اس کی حالت میں ہے کہ وہ ہوتا ہے مجبور اضافیہ اور جبر اضافی عدم اختیار مجازی ہے اس کے بارے میں جو اس کی شان میں سے ہے کہ وہ ہوتا ہے مختار مجازی اور حقیقت کی طرف۔ درحقیقت لازم ایجاب اور واحد اختیار تو حق جل شانہٗ ہی کو ہے جو ان کثیر التعداد اور انواع و اقسام کے مظاہر میں جلوہ فرما ہے۔ اور اصل کی اعتبار سے تمام امور کی ڈور اسی ذات پاک کی طرف رجوع کرتی ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ تمام امور کا مرجع وہی ہے اور اُسی کی طرف سب کی بازگشت ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح ذات الوجود کے ایک ہی معنی ہیں باوجود اس کے کہ وہ مختلف النوع موجودات میں ظہور پذیر ہے اور موجودات کے وجود نہیں ہیں۔ اسی طرح اختیار بھی فقط اسی جل جلالہٗ کا اختیار ہے جو اپنے مظاہر

Marfat.com

کی اس کثرت میں ظہور پذیر ہے۔ اور اُنھیں اختیارات نہیں دیے گئے۔ تمھارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور انتخاب کرلیتا ہے ان کے لیے کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ پاک اور بلند ہے اس چیز سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ اس مجازی اختیار کے ثمرات (نتائج) انہی اختیار یافتگان پہ عاید ہوتے ہیں جو مختار حقیقی کے معقولات ہیں، اور انہی سے اُنھیں نسبت دی جاتی ہے، اور اُس سے سوال نہیں کیا جاتا جو وہ کرتا ہے اور وہ سوال کیے جاتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی جہالت و ناقہمی سے موجودات کو بھی وجودات سمجھتے ہیں تو ان اختیارات پانے والوں کو بھی اگر صاحبِ اختیار سمجھیں تو بجا ہے اور وہ عقل کے اندھے معذور ہیں اور اپنے نہ دیکھ سکنے کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک کہتا ہے کہ کیا اندھے اور آنکھوں والے یکساں ہو سکتے ہیں۔ ہر کسی کی بصارت اور فراست الگ الگ ہے۔ ہر کسی کی بصارت اور سوجھ بوجھ بھی الگ الگ ہے۔ حالانکہ ہر جگہ ایک ہی امر جلوہ فرما ہے۔ لہٰذا اگر تم اپنے اعتباری وجود پہ نظر رکھتے ہوئے اعتباری اختیار کو بھی اپنے آپ ہی سے منسوب کرو تو جائز ہے۔ اور اگر وجود حقیقی پہ نگار رکھتے ہوئے حقیقی اختیار کو اسی سے منسوب کرے تو بالکل بجا ہے ہر جگہ اسی کی وحدت کا ظہور ہے تو کثرت کا تعلق تیرے ہی وہم و گمان سے ہے۔ موجود فقط وہی اک امر ہے تو اُسے جس رنگ میں چاہے سمجھ لے۔ رباعی:

از شادی و غم ہرچہ در امکان شمری
از واہمۂ حضرت انسان شمری
در باغ ظہور چون گلت آوردند
خواہی دل ریش و خواہ خنداں شمری

ترجمہ رباعی: اس عالمِ امکان میں جو خوشی اور غمی ہے اُسے حضرت انسان کا وہم ہی شمار کر۔ ظہور کے اس گلشن میں جب تیرا پھول لایا گیا، اُسے چاہے اک زخمی دل سمجھ لے، چاہے ہنستا مسکراتا ہوا دل سمجھ لے۔ (مصنف کی اپنی تشریحات کے مطابق) خوشی اور غم کا تعلق چونکہ موہوم اعتبارات سے ہے اور اسی سے وہ نکلتے ہیں یقیناً وہ موہومات ہی میں شمار ہوں گے اور انسانی قوّتِ وہم سے پھوٹنے والی محسوب ہوں گی۔ حاصل مطلب یہ کہ پھول کی طرح تجھے اس باغ عالم میں عالمِ وجود میں لایا گیا ہے اور ہستی عطا کی گئی ہے فی الحقیقت موجود وہی وجود امر ہے۔ یہ موہوم اعتبارات تو فقط مفہومات ہیں جو

Marfat.com

نیر سے علم کے ساتھ چپکا دیے گئے ہیں۔ لہذا اگر اپنی اس اضافی موجودیت کو تو مکروہ امور کی بنا پر غمگین بنا لے تو یہ بھی ہوسکتا ہے اور اگر مرغوب اور دل پسند امور کی بنا پر اُسے شاد و شاد کام بنا لے، اس کی بھی گنجائش ہے اور فی الواقع موجود تو فقط وہی اک امر حق ہے جیسے کہ پھول اپنی ذات تک تو موجود ہے۔ نہ وہ خنداں ہے، نہ زخمی دل، نہ گریاں۔ پس اگر اس کی پتیوں کے چاک چاک ہو جانے سے اُسے زخمی دل سے منسوب کر دیا جائے تو بھی روا ہے۔ اگر اُس کے شگفتہ ہونے کی بنا پر خنداں کہہ دیا جائے تو بھی بجا ہے۔ یہ رباعی جبر و اختیار کے اسی موضوع بحث میں اسی مناسبت سے بطور تمثیل وارد ہوئی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فی الحقیقت امتیاز حقیقی تو فقط حق سبحانہٗ تعالیٰ ہی کو ہے جو موجود حقیقی ہے اور تمام افعال میں جلوہ گر ہے۔ لہذا اگر مجازی طور پر اسے بندوں سے منسوب کر دیا جائے تو بھی درست ہے۔ اگر حقیقت کے لحاظ سے حق تعالیٰ سے منسوب کر دیا جائے تو بھی صحیح ہے، اختیار کو دیکھنے پرکھنے پر اس کے نتائج اس کے اپنے ظن و گمان کے مطابق مرتب ہوں گے۔ جیسا کہ فرمان مبارک ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں۔ پس وہ میرے بارے میں گمان کر لے جو وہ چاہے۔ کیونکہ حدیث قدسی میں آیا ہے " انسانی علم میں اسی وہم و شراکت کی بنا پر اس حدیث قدسی میں اُسے ظن و گمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کا علم علم نہیں ظن و گمان ہے۔ اور ان کی معلومات محض حظنونات ہیں اور ان کے معتبرات فقط موہومات ہیں۔ علم تو فقط ذات حق تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور معلومات بھی حق جل شانہٗ کی علمی صورتیں ہیں۔ وہ اپنے خاص الخاص برگزیدہ بندوں میں سے جسے چاہتا ہے علم لدنّی سے مشرّف فرما دیتا ہے۔ اس وقت عارف اگر وہم و گمان کے پھندے سے نکل آتا ہے اور بشری طاقت کے مطابق حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے تو اُس وقت اس کا ظن و گمان علم کے معانی اختیار کر لیتا ہے اور یقین میں بدل جاتا ہے اور شکوک و شبہات بالکل دُور ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ہر امر کا فرق کرنا علم و امتیاز سے تعلق رکھتا ہے اور ہر شے کو کسی دوسری شے سے منسوب کرنا اعتباری و مجازی ہے اور اللہ کا اپنے بندوں سے معاملہ بندوں کے ظن و گمان کے مطابق ہے اور حقیقت کی دریافت اعتقاد کے مطابق ہوتی ہے۔ مختار حقیقی نے اختیار کی باگ ڈور امتیاز کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے۔ لہذا قوّت ممیّزہ نے افعال کی تہمت ہر شخص کے ذمہ لگا رکھی ہے۔ یعنی چونکہ اختیار نام ہے اس فعل کا جو ارادۃً کیا جائے اور ارادہ علم و امتیاز سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اختیار کی

Marfat.com

— باگ ڈور کو امتیاز کے ہاتھوں میں بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ تمام نسبتوں کی تمیز کرنے والی وہی ممتاز قوت ہے، اس لیے افعال کی اضافت اس کے حوالے کی گئی ہے اور مجازی فاعلوں کے افعال کو تہمت سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ درحقیقت وہ اختیار سے بے بہرہ ہیں اور حقیقی اختیار نہیں رکھتے۔ یہی ظاہری اختیار حاصل ہے حقیقت میں نہیں۔ لہذا یہ جو بزعم خود اپنے آپ کو مختار سمجھے بیٹھے ہیں وہ اپنے توہمات ہی میں پھنسے ہوتے ہیں اور اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں، یعنی انھوں نے شے کو غلط مقام پر رکھا ہے۔ مجازی اختیار کو حقیقی سمجھ بیٹھے ہیں جیسا کہ قرآن پاک واضح طور پر کہتا ہے کہ ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر زیادتی کیا کرتے تھے۔ یعنی وحدت الٰہی کی حیثیت نہ ہی توہم کی کثرت کا اور نہ ہی ذہنوں میں تفرقہ اور پراگندگی کا باعث بنی بلکہ ان کے حقائق ممکنہ ہی نے جو کثیر التعداد مفہومات ہیں اس معنیٔ واحد کو اپنے آئینوں میں کثرت کی صورت میں دیکھا اور پریشان ہو گئے۔ اور اپنے ہی نفسوں کی حیثیت سے ان پھندوں میں پھنس گئے اور آپ ہی اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے ہیں۔ اور اپنے بھینگے پن سے اختیارات کو دیکھ رہے ہیں اور اُس واحدِ حقیقی کے اختیار کے مشاہدے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اختیار تو اسی کی قدرتِ کاملہ سے مخصوص ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی قدرت و زور کی شمولیت کے باعث نظروں سے مخفی ہے۔ جس طرح وجود واحد اپنی عمومی شمولیت سے موجودات میں چھپا ہوا ہے اور بظاہر یہی موجودات دکھائی دیتی ہیں اور موجودات معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ وجود تو فقط وہی اک وجود ہے، اس میں اختیار بھی فقط اسی کا اختیار ہے۔ جو ان تمام میں شامل ہے جنھیں اختیار دیا گیا ہے اور قوتِ ممیزہ (تمیز کرنے والی قوت) اُسے ہر شخصیت سے الگ امتیاز دے کر اسی شخصیت سے منسوب کر دیتی ہے اور متعدد تشخصات سے اُسے کثیر بنا دیتی ہے۔ علم ہی کثرت کا مبدا ہے اور امتیازی مراتب اسی آئینے میں جلوہ گر ہیں۔ چونکہ مقدورات نے جو اس کی قدرت واحدہ کے مظاہر ہیں کثرت پیدا کر رکھی ہے اور علم کے مرتبے میں کثیر التعداد صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں اختیارِ واحد نے بھی علم کے آئینے میں کثرت پیدا کر لی اور ان مختلف صورتوں کے رنگ میں کثیر نظر آنے لگا۔ چونکہ وہ ظاہر میں ہر شخصیت سے ایک الگ انداز سے متعلق ہے لیکن جزئیت کی راہ سے انہی تشخصات سے منسوب

Marfat.com

ہوا اور ان میں سے ہر ایک کا مضاف ٹھہرا۔ جس کسی سے جتنا اختیار ظاہر ہوا مجازاً اسی سے منسوب ہوا۔ جس طرح شطرنج کی بازی میں ہر مہرے کی چال کو مجازی اعتبار سے اسی مہرے سے نسبت دی جاتی ہے۔ اگرچہ حقیقت میں وہ شاطر کے فعل سے منسوب ہوتی ہے، مگر کہتے یوں ہیں کہ فیل ایسے چلتا ہے اور اسپ ایسے چلتا ہے، شاہ اب فلاں خانے میں پہنچ گیا اور وزیر فلاں خانے میں۔ اور ان افعال کے نتائج یعنی کسی مہرے کا مارے جانا یا گھر جانا سب اعتباری ہے۔ اسی طرح دیگر اضافتیں بھی انہی اعتباری فاعلوں کی ذات کی طرف عاید ہوتی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسپ مارا گیا، شاہ قید میں گھر گیا، اور وزیر کا خانہ بند ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، اسی قسم کے اعتباری امور کو مہروں سے نسبت دی جاتی ہے، اور شاطر کی ذات ان اضافتوں سے مبرّا ہوتی ہے۔ پس جلال و جمال کی صفتیں تو دو شاطروں کی مانند ہیں۔ لہذا جلالی صفت اور جمالی صفت اور مظاہر کی کمی بیشی کے لحاظ سے کبھی جلالی کی بازی غالب آجاتی ہے اور کبھی جمالی کی بازی اور اپنے کمالات کے اظہار کی یہ بازی جو وہ حکیم مطلق خود اپنے آپ ہی سے کھیل رہا ہے ازل سے لے کر ابد تک قائم ہے اور کبھی بھی کسی طرف سے مات کی نوبت نہیں آتی، اور نہ ہی کسی جانب سے اُس کی صفات میں تعطّل پیدا ہوتا ہے۔ ایسے دشوار مسائل کو سہل بنانے اور دیگر بے شمار فضائل کو حاصل کرنے اور عبرت و آگہی پیدا کرنے اور حد کمال تک پند و نصیحت حاصل کرنے اور اس جہان کی تمام صورتوں کو باہم مشابہ دیکھنے اور دُنیا اور اہلِ دُنیا کے تمام اوضاع کے نمونوں میں مشکل دور کرنے اور اس کھیل کی مثال کو دیکھنے اور اس کے اسرار و رموز کو سمجھنے کے لیے غفلتوں کو دُور کرنے والے اُس مُصنف کے رسالے کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو قبلۂ بزرگوارم والد صاحب کی تصنیف ہے۔ کیونکہ اس عالم میں جو کچھ ہوا ہے، ہو رہا ہے اور ہوگا ان تمام کی مثالیں اور نمونے سب کچھ اسی بساط پر معرضِ ظہور میں آتا ہے اور اس کھیل (بازی) کے سامنے باقی تمام کھیلیں بچگانہ کھیلیں اور جاہلانہ کام معلوم ہوتے ہیں اور یہی بازی عارفوں کا کھیل اور سارے زمانے کے لیے اک نمونہ ہے اور صاحب بصیرت اور ہوشمند اصحاب کے لیے آئینہ کائنات ہے اور عام کھلاڑیوں کے لیے ان تمام ممنوعہ، لغو اور فضول کھیلوں کا نعم البدل۔ غرضیکہ اسی کی ایجاد سے خلافتِ الٰہیہ وجود میں آئی، اور کائنات کی حقیقت کے انکشاف میں یہ ساری تگ و دو مسئلۂ جبر و قدر کی اصلیت جیسی ہے واضح ہوجاتی ہے اور ہر قسم کے شکوک و شبہات دور ہوجاتے ہیں۔ پس از روئے حقیقت اختیار فقط اسی حق سبحانہٗ و جل جلالہٗ کو ہے۔ اور از روئے مجاز

Marfat.com

ہر اس شخصیت سے منسوب کر دیا جاتا ہے جو اس کے ظہور کا مقام ہے۔ اگلے پچھلے سارے کلام کا یہی خلاصہ و نتیجہ ہے، یعنی ایجاب و اختیار، فعل اور ارادے کی پیچیدگیوں کو پا لینے کے بعد اور وجوب و امکان کی حقیقتوں کو جو عقلاً و نقلاً ثابت ہی ہو چکی ہیں۔ اور عرفان و تحقیق سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں یہی کچھ حاصل ہوا کہ حقیقی اختیار تو اسی حقیقی قادر مطلق سبحانہ' کو ہے جو آگے تمام اختیار پانے والوں میں جاری و ساری ہے اور سب پہ غالب ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام امور پہ غالب ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کر لیتا ہے کر گزرتا ہے۔ ہاں مجازی اختیار بندوں سے بھی منسوب ہے اور اسی اعتبار سے اس جہاں میں بھی ان سے ان کے اعمال کی باز پرس ہوتی ہے اور اگلے جہاں میں بھی اسی اعتبار سے حساب کتاب ہو گا۔ بہر حال اختیار کے اعتراف میں بھی بے اختیاری ہے اور بے اختیاری کے اقرار میں بھی مجبوری و لاچاری ہے۔ اگر چیزیں جمع کی گئیں ان دو نسبتوں کے ساتھ یعنی دیکھا گیا انہیں دو حیثیتوں میں اختیار میں سے اور جمع کر لی گئیں حقیقی اور مجازی اور تو نے اُسے پایا ایک شامل معاملے کے اطلاق میں ان دونوں حیثیتوں کے لیے۔ پس میں کہتا ہوں زبانِ حال اور قال سے نہ کوئی جبر ہے اور نہ کوئی قدر۔ یہ قول حضرت امام جعفر صادق سے منسوب ہے۔ (ان پہ اور ان کی جدّ پہ خدا کی سلامتی ہو)۔ بات کی حقیقت اور مراد یوں ہے کہ اس قسم کے قضیوں میں جو ایسے دو متقابل (مخالف) امور کے سلب کے مقتضی ہوں جیسے کہ علما نے ذات و صفاتِ خداوندی کی عینیت اور غیرّیت کے بارے میں کہا ہے کہ صفاتِ الٰہی نہ معین طور پہ وہ چیز ہے اور نہ اُس کا غیر ہے۔ اس صورت میں چار قسم کے احتمال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو ان پہ ہر دو اعتبار کی نفی کا احتمال کہ نہ یوں ہے اور نہ توُں ـــ دیکھتے ہوئے ذات مسلوبہ کا مبرّا ہوتا ان دونوں نسبتوں سے۔ دوسرا احتمال ان ہر دو امور کے اثبات کا احتمال ذات شاملہ اور جامع کے دو نسبتوں کے ساتھ مشتمل ہونے کے اعتبار سے کہ نہ ایسا ہے اور نہ ویسا۔ اس کہنے سے استفادہ یوں ہوتا ہے کہ ایسا بھی ہے اور ویسا بھی ہے۔ تیسرا احتمال ایک امر کے اثبات کی وجہ سے یا دوسرے امر کے اثبات کی وجہ سے، یعنی اس وجہ سے ایسا ہے اور فلاں وجہ سے ویسا ہے۔ اور چوتھا احتمال ایک امر کی نفی کی وجہ سے یا دوسرے امر کی نفی کی وجہ سے، یعنی کہ اس وجہ سے یوں نہیں ہے اور فلاں وجہ سے ویسا نہیں ہے۔

پس اُس نہ مجبور اور نہ مختار کے قضیے

Marfat.com

کے معانی یوں ہوں گے کہ فی الحقیقت یہ اعتبارات و اضافات کچھ بھی نہیں۔ بلکہ منظور تو وہی نفس الحقیقت ہے جو ان تمام امور میں شامل ہے، اور یہ انہی معانی کی وضاحت کرتا ہے، لیکن معاملہ ان دونوں معاملوں کے درمیان ہے۔ یعنی معاملہ جو ہے وہ جامع، شامل، اور لپیٹنے والا احاطے میں ہے انہی دو متقابل اعتباروں کے، اور مجاز و اعتبار کے مرتبے میں دیگر تمام مجازی اور اعتباری امور کی طرح ہر دو کا جمع ہوتا بھی ثابت ہے، اور ایک ایک حیثیت سے ہر واحد کے حکم سے، ایک وجہ سے اختیار بھی ہے اور ایک وجہ سے جبر بھی۔ انسان مجبور ہے اپنے اختیار میں۔ پس منکشف کیا جاتا ہے اس پہ جو کچھ کہ منکشف کیا جاتا ہے اور دور کیا جاتا ہے تم سے شبہات اور تردّدات کو، اور حاصل کیا جاتا ہے تمھارے لیے اطمینانِ کامل اور ثابت کیا جاتا ہے تیرے ہاں اختیار بھی اور جبر بھی بمعہ اس بات کے کہ نہیں ہوتا اختیار تمام وجوہ سے اور جبر تمام اطراف سے۔ پس نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ معاملہ دو معاملوں کے درمیان ہے جس طرح کہ انسان کا وجود دو عدموں کے درمیان ہے۔ اور پہلا جبر اور دوسرا پیچھے آنے والا جبر انسان کے اختیار کے لیے عدم سابق اور لاحق کی طرح ہے۔ اس کے وجود کے لیے پس وہ مختار ہے مفعول کے صیغے پر فاعل کے معنی میں مختار نہیں ہے۔ اور اکٹھی کر دی گئی مفعولیت اور فاعلیت انسان کے تشخص میں مجاز کے ساتھ جس طرح کہ دونوں صیغے اسم فاعل اور اسم مفعول جمع کر دیے گئے لفظ مختار میں صورۃً۔ پس انسان جو کہ تمام اضافات اور اعتبارات کا مجمع ہے اور تمام صفات اور کمالات کا مظہر ہے۔ وہ مصدر ہے اللہ تعالیٰ کے فعل کا، پس جس طرح مصادر میں قدیر و قادر ہوتا ہے بمعنیٰ اسم فاعل اور بمعنی اسم مفعول بھی۔ اور کبھی ہوتا ہے معروف اور کبھی ہوتا ہے مجہول اسی طرح ہے قدیر۔ یہ مصدر بھی فاعلیت کے معنی میں ہے مجازاً اور قدیراً اور بمعنیٰ مفعولیت حقیقتاً ہے کیونکہ مصدر حقیقت میں فاعل نہیں ہے بلکہ حقیقت میں مفعول مطلق ہے اپنے فعل کے لیے جو کہ حاصل ہے مصدر کے ساتھ۔ حاصل کلام یہ کہ اس تمام موجودات کے ظہور کا مبداء و منشاء اسی کی رحمت عامہ ہے۔ اگر تم پر یہ نسبت منکشف ہو جائے تو پھر مزے ہی مزے ہیں۔ تیری زبان سے سوائے شکر کے اور کوئی کلمہ نکلے ہی نہ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ان گنت ہیں، ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ یہ جملہ اسی شاخ سے نکلا ہے کہ جب مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہو گیا کہ حقیقی اختیار تو اسی مالکِ حقیقی کا ہے۔ جو کچھ موجود ہے اسی کی رضا سے وجود میں آیا۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے کہ تم کو اور تمھاری ان بنائی ہوئی

Marfat.com

چیزوں کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔ پس طالبانِ حق اور سالکانِ راہِ ہدایت کے مناسب حال یہی ہے کہ وہ ان تمام مخلوقات کے ظہور کا مبداء و منشاء اسی کی رحمتِ رحمانی کو سمجھیں۔ اور اعتباری مکروہات یا اضافی مرغوبات میں سے جو کچھ اُسے ملے سب کو اسی کی نعمتیں سمجھے۔ اس کی وسیع رحمت کی کوئی اتھاہ نہیں اور وہ تمام دُنیا اور اہلِ دُنیا کے شاملِ حال ہے۔ کیونکہ اس رحیم نے جو کچھ کیا اپنی رحمت سے کیا۔ اس کریم نے جس موجود کو وجود بخشا اپنے فضل و کرم سے بخشا۔ ایسے رحیم و کریم کی بارگاہ میں ظلم و ستم کا تصوّر یا جور و جفا کا خیال بھی سراسر غلط ہے اور یہ بڑی ہی غلطی کی وجہ سے ہے کہ ظاہری تکلیفوں کو اس کے غضب پر محمول کرتا ہے اور اس کریم و مہربان کو نامہربان سمجھتا ہے۔ جب قضائے الٰہی پہ راضی ہوجانے کی نسبت تیرے نفس میں راسخ ہوجائے اور اللہ کے جملہ افعال کا حسن نظر آنے لگے اور محبت اور ولایت کا معاملہ مستحکم ہوجائے تو پھر ہمیشہ سکھ اور چین کی بہشت میں رہے گا اور اپنے حق میں اس کی لامتناہی نعمتوں کا مشاہدہ کرے گا جن کی گنتی یا جن کے احاطے کا کوئی امکان نہیں۔ تُو تو پھر ہر وقت اس کی حمد و شکر کے ترانے الاپے گا اور پھر تجھ پہ حقائق کُھل جائیں گے۔ اور اگر تو اپنے آپ پہ ظلم کرے، یعنی شے کو اس کے صحیح و اصل مقام پہ نہ رکھے، اس کی رحمت کو اُس کا غضب سمجھے تو تو اک خارزار میں اور عذاب کے بھاڑ میں جاگرے گا۔ تو شکوہ و شکایت کی اس کال کوٹھری سے کبھی نہ نکل سکے گا۔ دیکھیے قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ کہ ناانصافوں کو اس سے الٹا اور نقصان بڑھتا ہے۔ یہ تو غافل اور جاہل لوگوں کے احوال کا بیان ہے جو حقیقت الامر کو جیسی کہ وہ ہے نہ پاسکے لپتے ہی توہمات کی رَو میں بہے چلے جاتے ہیں اور اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھتے ہیں۔ اللہ کی رحمت کو اُس کا غضب سمجھتے ہیں، اور محبت کرنے والے کو دشمن بنالیتے ہیں۔ جس طرح ایک ناہنجار اور کوتاہ اندیش بیٹا باپ کی زجر و توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) کو اپنے لیے دشمنی سمجھتا ہے اور باپ کی رحمت اور شفقت کے اس عمل کو دشمنی اور عداوت پہ محمول کرتا ہے۔ اے نادان جب مجازی باپ جو ظاہری پرورش کنندہ ہے بھلا اُس کی اپنی ہی اولاد سے دشمنی کی گنجائش کہاں۔ اسی طرح خالقِ حقیقی جو معنوی رب ہے بھلا اپنی مخلوق سے اس کی دشمنی کا کیا احتمال؟ یہ دشمنی تو تم جاہلوں ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور تمھاری استعداد کے برتنوں میں اس کی وہ رحمت و محبت بھی غضب اور دشمنی کی جھلک دیتی ہے۔ کیونکہ پانی کا وہی رنگ ہوتا ہے جو اس کے برتن کا ہو۔ ایسے نالائق لوگ جو اللہ کے دشمن ہوں ہمیشہ اپنے آپ کو

Marfat.com

اک خارِ زار اور عذاب کے بھاڑیں جھونکتے رکھتے ہیں۔ ایسوں کو گھاٹے اور نقصان کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اُنھیں کبھی ذہنی سکون اور اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوگا۔ اے اللہ! ہمیں مشرف کر اپنی نعمتوں کے شہود سے اور کھول دے ہماری آنکھیں اپنی نعمتوں پہ۔ خداوندا ہمیں جو ظالم و جاہل ہیں، قوتِ ادراک عطا فرما اور اپنے نورِ وجوب سے ہمیں حُسنِ بین بصیرت عنایت کر تاکہ جدھر بھی دیکھیں سوائے خیر و خوبی کے اور کچھ نہ دیکھیں اور جدھر کا رُخ کریں سوائے خیر و خوبی کے اور کچھ دکھائی نہ دے۔ اے پروردگار! اپنے پروردوں کے ساتھ تو نے جو کچھ بھی کیا ہے اور کرے گا وہ عین حکمت اور صحیح ہوگا اور رحمت و عنایت کی راہ سے ہوگا۔ اور ہم جو تیری مخلوق ہیں ہم سے بہ تقاضائے بشریت جو کچھ بھی سرزد ہوا سراسر شرمندگی اور ندامت کا موجب ہے اور جہالت اور غفلت کی بنا پر ہے۔ اے غفور الرحیم! ہم گناہگاروں کی خطاؤں کو معاف فرمادے۔ ہدایت کی راہ دکھا اور اپنے لطف و کرم کو دیکھنے کی قوت بخش اور اپنی نعمتوں کے دیکھنے کا دروازہ کھول دے تاکہ دُنیا میں بھی اپنے حال پہ ہونے والی عنایات کا مشاہدہ کرسکیں اور آخرت میں بھی ہمیشہ تیرے رحم و کرم ہی کا مشاہدہ کریں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ اور بیشک ذکر کرنے والے ہیں اللہ کی نعمتوں کا۔ رباعی:

بی لشکر و فوج پادشاہی کردیم
بر مسند فقر کبریائی کردیم
اے درد بدولت فقیری اینجا
در کسوت بندگی خدائی کردیم

ترجمہ رباعی: ہم نے بغیر فوج اور لاؤ لشکر کے بادشاہی کی اور فقر کے تخت پہ شاہی کی۔ اے درد ہم نے درویشی کی بدولت بندگی کے لبادے میں خدائی کی۔ لفظ پادشاہی ہمزہ سے بھی درست ہے اور لفظ پادشا بغیر حرف (ہ) کے اور حرف (ہ) کے ساتھ دونوں طرح سے فارسی لغات میں مستعمل ہے اور رباعی کا مطلب اس آیت کریمہ کے حکم کے مطابق یہ ہے کہ اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجیے (یعنی زبان سے قولی شکر کیجیے) شاعر اللہ کی نعمتوں اور رحمتوں کے شکر کا اظہار کرتا ہے کہ محض اپنے رب کے انتخاب اور برگزیدگی کی بنا پہ ہم دنیاوی جاہ و حشم کے ظاہری اسباب نہ ہونے باوجود بھی صاحبِ حکم ہوئے اور اپنے اعضا، اپنے حواس، اپنی آل اولاد اور اپنے ماتحتوں پہ

Marfat.com

حکم چلایا جو ہماری مملکت اور رعایا کی مانند ہیں اور سید ہونے کے شرف سے ہم اپنے رسول مقبولؐ (ان پہ خدا کا درود و سلام) کی اُمت مرحومہ کے لیے واجب اتباع ٹھہرے۔ اور اپنے اس تمام ذاتی فقر و احتیاج کے باوجود دیگر تمام بنی نوعِ انسان سے ہم محض اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے بے نیاز و غنی ہو گئے۔ اور ہم نے اپنے آپ کو سوائے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے اور کسی کا محتاج نہ پایا اور نہ سمجھا۔ اور اپنی موروثی اور اللہ کے فضل سے ذاتی درویشی اور فقیری کی بدولت ہم بندگی میں بھی خدائی کے مرتبے کے آئینہ دار ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم و احسان سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی غنا و عظمت کا مظہر بن گئے۔

Marfat.com

هُوَ النّاصِر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس کی طرف ہی سے مصنوعات صادر ہوتی ہیں۔ اور اُسی کے ساتھ موجودات کا وجود ہے۔ اور درود و سلام اُس کے رسول محمد صلّی اللہ علیہ وسلم پر جس کا نور اوّل المخلوقات ہے اور جس کا ظہور تمام ظہورات میں سے اکمل ترین ہے۔ اور آپؐ کی آلؓ پر اور اصحابؓ پر جو فیوض و برکات والے ہیں۔ امابعد پس یہ پینسٹھواں باب ہے جو صنع اللہ سے موسوم ہے۔ کہا میرے رب نے کہ جس کی قدرت بڑی ہے کہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صنع سے مراد ہے اُس کی قدرت اور بنانا۔ پس اس نے ایجاد کیا موجودات کو اپنے بنانے کی قدرت کے ساتھ اور استوار کیا مصنوعات کو اپنی قدرت کی مضبوطی کے ساتھ۔ پس ہر موجود چیز کو اس کے ساتھ مساوی نسبت ہے اپنی موجدیت اور موجودیت کی حیثیت سے اور ہر چیز مصنوعات میں سے ہے پہلے اسی کی طرف سے صادر ہونے والی ہے حقیقت کے لحاظ سے اور تمام مراتب میں فرداً فرداً اوّلیت کے احاطے کے لحاظ سے اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور ہرگز کوئی واسطہ نہیں ہے وجود اور موجود کے درمیان بلکہ موجودیت وجودیت کی حالتوں میں سے ایک حالت ہے، اور نکالے جاتے ہیں ہر نکالی جاتے والی حیثیتوں سے پہلے اور اُس کا ظہور صادر ہوتا ہے تمام ظہورات معتبرہ سے پہلے اور یہ موجودیت وجود کا صادرِ اوّل ہے۔

Marfat.com

اور طلوع ہوئی ہے جیسے کہ سورج تمام کی تمام حقائق ممکنہ موجودہ کی زمین پر اور چمک اٹھی زمین اپنے رب کے نور سے اور پھیل گیا فیض اسی حیثیت میں برابر طور پر عقل اوّل سے لے کر موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات، حیوانات) تک اور نہیں تمیز کیا جاتا اس اعتبار سے کہ عقل صادرِ اوّل ہے، اور انسان صادر ثانی ہے، اور نہیں کہا جاتا کہ یہ موجود پہلا ہے اور یہ بعد کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ زمانی نہیں ہے۔ اور تیرے رب کے ہاں نہ صبح ہے، نہ شام اور موجودات میں سے ہر چیز صادر اوّل ہے۔ اور صادر ہوئی پہلے پہل مطلع وجود مطلق سے جو کہ آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔ جس کی شان بہت بلند ہے اور جس کے احسان بہت عام ہیں اور پہلے ہوتے یا بعد میں ہونے کا امتیاز اعتباری اسباب اور اضافی معلولات میں سے ہے۔ بیشک وہ ہوتا ہے مجاز کے ساتھ اعتباری طور پر اور مجازی طور پر جیسا کہ حکمانے کہا ہے کہ صادرِ اول وہ عقل اول ہے اور موجود ثانی (آخر) انسان ہے اور حقیقت کے اعتبار سے اللہ ہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔

اس بیان کا باب کہ ہر موجود وجود کا صادر اوّل ہے

حکما کے نزدیک صادر اوّل (سب سے پہلے نکلنے والا) عقل اوّل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ واحد سے سوائے واحد کے کچھ نہیں نکلتا لہٰذا اس واجب تعالیٰ سے یہی ایجاد کا اک فعل ظہور میں آیا جو عقل اوّل ہے۔ اور عقل اوّل ہی صادرِ اوّل ہے۔ اور اُس عقل اوّل نے عقل ثانی اور فلک اوّل کو پیدا کیا اور علیٰ ہٰذا القیاس دیگر عقول اور افلاک درجہ بدرجہ پیدا ہوئے۔ اور ان علتوں اور معلولات میں علیت اور معلولیت کی باہمی نسبت ہے۔ اور واجب تعالیٰ جو علّت اوّل ہے اس کا معلول وہی عقلِ اوّل ہے۔ اور صوفیا اپنے ایمان اور عقیدے کی راہ سے کہتے ہیں کہ صادرِ اوّل حقیقتِ محمدیہ ہے کہ حق تعالیٰ سب مخلوقات سے پہلے اپنے حبیبؐ (ان پر خدا کا درود اور سلام) کی حقیقت کو وجود میں لایا، اور حقیقت محمدیہ ہی تعین اول ہے اور باقی موجودات اپنے اپنے مدارج کے فرق کے مطابق اسی حقیقت سے وجود میں آئے اور جو لوگ علم حکمت و تصوف سے آشنائی رکھتے ہیں ان معانی کو یوں مطابقت دیتے ہیں کہ حدیث شریف میں اول ما خلق اللہ نوری اور اوّل ما خلق اللہ عقل دونوں آئے ہیں۔ اور یہ دو غیر (مخالف) امور صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ پس معلوم ہوا کہ عقل اوّل بھی عبارت ہے نور محمدیؐ ہی سے اور دونوں لفظوں کے

Marfat.com

معنی ایک ہی ہیں۔ درحقیقت صوفیا اور حکما کا انجام کار ایک ہی ہے۔ مخلص محمدیوں کے نزدیک اس موضوع بحث میں بھی ایک خاص بیان اور مخصوص تقریر ہے جو فلسفی صوفیا کی تحقیقات میں بھی شامل ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ جیسے کہ آرہا ہے پس عقل کرو اور غافل نہ ہو۔ رباعی :

انوار عقول شعلۂ منقل اوست
ہر آئینہ جسم ہمان صیقل اوست
از بسکہ وجودست بہر شی اقرب
ہر چیز کہ ہست صادر اول اوست

ترجمہ رباعی : عقول کے انوار اسی کی انگیٹھی کے شعلے ہیں۔ جسم کا ہر آئینہ اسی کا صیقل کیا ہوا ہے۔ از بسکہ وجود ہی ہر شے کے قریب ترین ہے جو چیز بھی ہے اسی کا صادر اول ہے۔ (مصنف کی اپنی توضیحات و توجیہات کے مطابق) انوارِ عقول سے مراد ذواتِ عقول ہیں، اور شعلہ سے مراد ظہور و تجلّی کا منبع۔ انگیٹھی سے مراد مرتبۂ وجود ظلّی ہے جو ان انواع و اقسام کے ظہورات اور تجلیّات کا مقام ہے۔ اور لفظ "اُو" سے مراد ذات الوجود ہے کہ نکلنے کا منبع ہے۔ آئینہ جسم سے مراد ذات الجسم ہے۔ اور صیقل سے مراد صفائی و چمک دمک اور لفظ وجود سے مراد وہی مرتبۂ مابہ الموجودیت ہے۔ ہر شے سے مراد موجودہ ماہیت، اقربیت سے مُراد بغیر کسی رکاوٹ کے قرب اور ہر چیز کے صادر اوّل ہونے سے مقصود ذات واجب تعالیٰ کی نسبت سے ہر چیز کی حقیقی معلولیت ہے۔ رباعی کا حاصل مطلب یہ کہ ذوات العقول جو مبادی عالیہ ہیں مجازی طور پر حضرت وجود کے ان متنوع ظہورات و تجلیات کا مبداء و منشا ہیں اور وجود ظلّی ہی سے فیض یاب ہوتے ہیں جو ان تمام ظہورات و تجلیات کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ اور ذات الجسم کو بھی جو مطلق و مقید جسمیت پر مشتمل ہے وہ صفائی اور چمک دمک حضرتِ وجود ہی کے پرتو کی بدولت حاصل ہوئی۔ جس نے اس کی ماہیت کے لوہے کو اپنے ظہور کے صیقل سے آئینہ کی طرح صاف شفاف بنا دیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ کیا مادہ اور کیا غیر مادہ سبھی میں ایک ہی حقیقت جلوہ گر ہے اور حقیقت میں یہ حضرت وجود ہی ہے جو ہر جگہ موجود ہے، تو معلوم ہوا کہ ماہیات موجودہ میں سے قریب ترین چیز وجود کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور ہر موجود کسی واسطے اور کسی رکاوٹ کے بغیر مرتبۂ مابہ الموجودیت سے ملا ہوا ہے اور ہر چیز اسی کی صادر اوّل یعنی اسی کا معلول حقیقی

Marfat.com

ہے اور حق جل جلالہٗ ہی فاعلِ حقیقی ہے۔ اور یہ اضافی علّتیں اور معلولات جو مجازی طور پر باہم علّیت اور معلولیت کی نسبت رکھتی ہیں ثانوی معقولات کی طرح ثانوی صادرات ہیں۔ اور اعتباری اضافات میں شمار ہوتی ہیں۔ اور حقیقت میں اس حضرت وجود کے سوا اور کوئی علّت یا معلول اوّل نہیں۔ پس ہر موجود اپنے ظلّی وجود کے اعتبار سے صادرِ اول ہے۔ اور اپنی عینی وجودیت کے لحاظ سے علّت اوّل ہے اور دیگر نازل ہونے والی اضافات کے لحاظ سے بعض دوسری بعض کی نسبت مقدم اور بعض کی نسبت موخر ہیں۔ اور حضرت وجود بذات خود علّیت اور معلولیت کی ان تمام اضافتوں سے مبرّا اور معرّا ہے۔
ع علّت و معلول در دہر دو گم۔ (علّت اور معلول دونوں اس کی ذات میں گم ہیں) خود قرآن کہتا ہے کہ وہ تمھارے ساتھ رہتا ہے، خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو۔ جب حق تعالیٰ خود ہی کہتا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمھارے ساتھ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خلق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ساتھ (معیت) خلق کی موجودیت کے لحاظ سے ہے۔ چنانچہ خلق کی موجودیت حق تعالیٰ کی موجودیت کے ضمن میں موجود ہے لہذا خلق اس کے ساتھ نہیں اگرچہ موجود اسی کے ساتھ ہے۔ اللہ تھا اور نہیں کوئی چیز اس کے ساتھ اور اب بھی وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ وہ تھا۔ اور وہ خلق کے ساتھ ہے اگرچہ خلق سے بے نیاز ہے۔ اور نہیں ہوتے سرگوشی کرتے ہوئے تین آدمی مگر یہ کہ اللہ ان میں چوتھا ہوتا ہے۔ اور نہیں ہوتے پانچ مگر یہ کہ وہ چھٹا ہوتا ہے۔ اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ جو کچھ بھی موجود ہے اُسی کے وجود سے موجود ہے۔ لہذا موجودات میں سے کوئی چیز بھی وجود سے زیادہ قریب نہیں کیونکہ موجود وجود کے اسم مفعول کا نام ہے اور اسی کا موجود کیا ہوا ہے اور وجود جو مصدری فاعلیت اور مفعولیت دونوں معانی میں شامل ہے کہ مراد لی جاتی ہے کبھی فاعل کے معنی کی اور کبھی مفعول کے معنی کی۔ اور وجود اپنے حاصل مصدری معنوں میں اس کے نکلنے کا مبداو منشا ہے۔ اس کے فاعلی اور مفعولی معانی کے نکلنے کا اصل مبدا بھی ہے پس ثابت ہوا کہ دنیوی اضافتوں اور نسبتوں سے کوئی چیز بھی موجود سے وجود کی نسبت زیادہ قریب نہیں بلکہ وجود ہی ہے جو موجود ہے۔ اس بات سے سمجھ لو کہ ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس آیت کریمہ غیر کے ساتھ ضمیر متکلم میں گفتگو فرماتی ہے۔ اور محاورات میں اس کا آنا از روئے تعظیم بھی ہے۔ اور تمام اسماء و صفات ذات کے مجموعی لحاظ سے بھی کہ وہ ذات کے مرتبۂ امتیاز سے اعتباری غیریت بھی رکھتے ہیں۔ حاصل

Marfat.com

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اپنے تمام اسمائے حسنیٰ اور صفات سمیت انسان کے جو جامع مظہر ہے رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔کیونکہ شہ رگ کو صوری قرب حاصل ہے اور خاص الخاص عضو بھی ہے۔اور حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنے حقیقی قرب کے ساتھ بندوں کے قریب ہے اور عموماً جسم وجان سے نزدیک اور حق تعالیٰ کے قریب ہونے سے مُراد ہے تمام اسماء و صفات سمیت حضرت انسان کے قریب ہونا جو اس کے تمام اسماء وصفات کی تجلّی گاہ ہے اور جامع مظہر ہے۔جیسے کہ دیگر مخلوقات کے سلسلے میں صفات کی بعض نسبتوں سے قریب ہے اور بعض نسبتوں سے بعید ہے۔مثلاً فرشتوں کے ساتھ تنزیہی اور تقدیسی صفات کی نسبت سے قریب ہے جو پاکیزگی وطہارتِ ذات ہے۔فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید و تقدیس کرتے ہیں، اور تشبیہی صفات سے جو غفاری اور قہاری ہے بعید ہے جیساکہ فرمان ہے کہ نہیں سرکشی کرتے اللہ کی اس بارے میں جس کا حکم دیتا ہے اور وہ کرتے ہیں وہ چیز جس کا وہ حکم دیتا ہے۔اور علیٰ ہذا القیاس تمام مخلوقات کی مختلف نسبتوں میں سے بعض صفات کی نسبت سے قریب ہیں اور بعض کی نسبت سے بعید۔نوعِ انسانی سے اپنی تمام صفات سمیت قریب ہیں۔یہاں انسان سے ہماری مراد نوع انسانی ہے نہ کہ افراد، کیونکہ افراد کو ملحوظ رکھا جائے تو زمانوں اور اور اوقات کے اختلاف کی بناپر بعض افراد جمالی تجلیات کے زیادہ قریب ہیں اور بعض جلالی تجلیات کے زیادہ قریب ہیں اور بعض اس کی رحمت سے دور ہیں جیساکہ کفّار آخرت میں۔بعض اس کے غضب سے محفوظ ہیں جیسے نیک لوگ دُنیا اور عقبیٰ میں۔حاصل مطلب یہ کہ انسان جو عالمِ صغیر ہے اپنی نوعی صورت اور چھوٹے جسم کے اعتبار سے مجمل طور پر اللہ تعالیٰ کے تمام صفاتی اور اسمائی تجلیات کی جلوہ گاہ ہے۔اور جیسے کہ مجموع عالم جو انسان کبیر ہے اپنی جنسی صورت اور جسم کی بزرگی کے لحاظ سے تفصیلی طور پر ذات و صفات کے تمام جلوؤں کی تجلّی گاہ ہے۔معلولات میں سے ہر معلول کی نسبت علتوں میں سے جس علت سے بھی کی جائے پہلے حقیقت کی رو سے نفس الوجود کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔پھر ادراک کرنے والی ذہنی قوت ماہیات کو نکال کے اس فاعلیت کی اضافت مجازی طریق سے ان نکالے گئے حقائق سے منسوب کردیتی ہے۔

حاشیہ آرائی

اہلِ کلام کے نزدیک موجود ماہیات ہیں اور وجود امر منتزع جیسے ذہن یا قوتِ مدرکہ ماہیات

Marfat.com

میں سے نکالتی ہے۔ اور محققین کے نزدیک موجود وجود ہے اور ماہیات امور منتزعہ جنھیں اس وجود سے نکالا جاتا ہے۔ حقائق کو حضرت وجود ہی وجود میں لاتا ہے ورنہ ماہیت محض امر معقول اور عدمی معنی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ایجاد، اشیا اور افعال فی الحقیقت اللہ جل شانہٗ کے وجود ہی سے سند یافتہ ہیں۔ اور یہ جو بعض اشیا کی ایجاد اور بعض افعال کے اکتساب کو مجازاً بعض حقائق موجودہ سے سند یافتہ کہہ دیتے ہیں۔ وہ ان نورانی مظاہر میں اسی نور وجود کے ظہور کے سبب سے ہے۔ ورنہ درحقیقت یہ اُسی ایک فاعل حقیقی کی فعلیت ہے جو جزئی مظہر میں جزئی فعل اور کلّی مظہر میں کلّی فعل دکھائی دیتا ہے ورنہ ماہیت کا مفہوم بذات خود تو ایک معدوم امر ہے سوائے اس ماہیت کے جس کا وجود اس کا عین ہے۔ وہ فقط اللہ جل جلالہٗ ہے۔ پس حقائق جو فی نفسہٖ معدوم ہوں وہ موجودات کے موجد کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ عدم آثار خارجی کا مبدا نہیں ہو سکتا۔ یہی بات سمجھ لو۔ **سوال** اگر یہ پوچھا جائے کہ عارفین کہتے ہیں کہ وجود خیر محض ہے اور عدم شر محض اور وجود ہر خیر و کمال کا منبع ہے اور عدم ہر نقص و شرارت کا مبدا تو پھر عدم آثار خارجی کا مبدا کیسے نہیں ہو سکتا۔ **جواب** جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے درست ہے اور قابلِ تسلیم، لیکن یہ ناسمجھ محققین کے کلام کا حاصل مطلب نہیں سمجھتے۔ اور اپنے ذہنوں میں عدم کو بھی وجود ثابت کر کے اُسے شرّ محض سمجھتے ہیں اور ہر نقص و شرارت کا منبع جس طرح یہ سُن کر کہ وجود خیر محض ہے اُسے ہر خیر و کمال کا منبع و مبدا سمجھتے ہیں حالانکہ وجود کی یہ موجودیت جو ان ناقص العقل لوگوں کے ذہن میں آتی ہے وہ تو عدمی معنی ہے۔ پس ایسے عقل کے اندھوں کے نصیب میں بزرگوں کی عبارات کے الفاظ کے سوا اور کچھ نہیں وہ بات کی تہ تک نہیں پہنچتے اور اصل مراد کا ادراک نہیں کرتے۔ بزرگوں نے جو وجود کو خیر اور عدم کو شر کہا ہے۔ اس سے ان کی مُراد یہ ہے کہ جو کچھ وجود ہے خیر ہے اور شرّ معدوم ہے اور یہ جو وجود ہر خیر و کمال کا منبع اور عدم ہر نقص و شرارت کا مبدا کہا ہے اس سے یہ منظور نہیں کہ عدم بھی امر وجود میں ہے اور موجودہ نقائص اور شرارتوں کا مبدا بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ تمام نیکیوں اور کمالات کی بھلائی کے اعتبار کا موجب ان کی وجودی حیثیت ہے۔ مثلاً علم جو وجود ادراک ہے وہ خیر و کمال ہے اور جہل جو عدم دریافت ہے شرّ و نقص ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وجود ہر خیر و کمال کا منبع ہے اور عدم ہر نقص و شرارت کا مبدا ہے۔ **سوال** اگر تم یہ کہو کہ جس طرح علم کو وجود ادراک کہتے ہیں اسے عدم نایافت بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور جس طرح جہل کو عدمِ وجدان کہتے ہیں اسی طرح

Marfat.com

اسے عدم نایافت بھی کہا جا سکتا ہے۔ پس اس اعتبار سے وجود نقائص اور شرارتوں کا مبدا کہا جا سکتا ہے اور عدم کو خیرات و کمالات کا منبع۔ جواب علم ایجابی معنوں میں ہے اُسے اُمورِ وجودیہ میں سے منفی معنوں کی نفی سے تعبیر کرنا صریحاً ناروا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عدم کی یافت سلبی معانی کا سلب ہے جو ایجاب میں داخل ہے اور وجودی امور میں سے ہے۔ سلب السلب ایجاب ہوا۔ لہٰذا اس انداز سے بھی وجود خیر و کمال کا مبدا ٹھہرا نہ کہ عدم۔ اور اسی طرح جہل جو اک سلبی معنی ہے عدمی اعتبارات سے ہے اُسے منفی معانی میں ثابت کرنا بھی صریحاً بے ربط بات ہے۔ اسی کے ساتھ ہی سلبی معنوں میں ایجاب بھی سلب ہی میں داخل ہے۔ اور عدمی اضافات سے ہے یعنی کہ ایجاب سلب السلب۔ پس اس اعتبار سے بھی عدم نقص و شرارت کا منبع ٹھہرا نہ کہ وجود۔ پس اسی سے سمجھ لو حاصل مطلب یہ کہ جب ہمیں معلوم ہوگیا کہ حقائق ممکنہ مفہومات سے زائد اور کچھ نہیں۔ حقیقت میں فاعل وہی ہے جس کا وجود اس کی عینِ حقیقت ہے اور وہی جلّ شانہٗ ہے۔ اور یہ سب مجازی فاعل اعتباری فاعل ہیں نہ کہ حقیقی۔ لہٰذا اسی سے اس آیت کریمہ کے مخفی راز کو سمجھ لو کہ تم کو اور تمھاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں چونکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے موجودات کی تخلیق کو اپنے آپ سے نسبت دی ہے اسی طرح ان کے اعمال کی تخلیق کی نسبت بھی اپنے نور ہی سے فرمائی ہے۔ کیونکہ معطوف اپنے معطوف علیہ کے حکم تلے ہوتا ہے۔ پس اعمال کی تخلیق بھی بعینہٖ ان مجازی عاملوں کی تخلیق کی مانند ہے۔ ویسے نہیں جیسے کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ عمل کی تخلیق کو حق تعالیٰ کے اختیار سے منسوب کرتے ہیں اور عمل کا ارتکاب بندے کے اختیار سے تعلّق رکھتا ہے۔ کیونکہ فعل اور انفعال (تاثیرِ فعل) عرض کا مقولہ (مفعول) ہے۔ اور اعراض کے وجود میں ہر آن تجدید ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا عمل جو فعل ہے اس کی تخلیق اس کے ارتکاب پر مقدم نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا وہی ارتکاب اس کی تخلیق ہے۔ ان میں کوئی مغائرت نہیں سوائے اس کے کہ لفظ ارتکاب سے عمل کی نسبت عامل کی طرف ہوتی ہے جیسے کہ عرض کو اپنے موضوع سے ہوتی ہے۔ اور لفظ تخلیق سے خلق کی اضافت خالق کی طرف ہوتی ہے۔ جس سے صانع اور مصنوع کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ پس اگر ان اعتباری امتیازات کے لحاظ سے ارتکابِ عمل کی نسبت مجازاً اور ادباً بندے سے منسوب کر دیں اور عمل کی تخلیق کی اضافت کو حق تعالیٰ سے منسوب کریں تو زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔

Marfat.com

لیکن حقیقتاً اور واقعتاً معاملہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ والا ہے (نہیں ہے طاقت اور قوت سوائے اللہ کے) اور بدونِ خدا کے چاہے تم لوگ کچھ نہیں چاہ سکتے۔ اس سلسلے میں مفصل بحث جبر و اختیار والے باب میں پہلے آچکی ہے۔ غرضیکہ فاعلیت کی نسبت ممکنات کے ہاتھوں سے کیسے دی جاسکتی ہے جو خود اللہ تعالیٰ کی مصنوعات اور مفعولات ہیں۔ ان میں فاعلیت کہاں؟ درحقیقت فاعل وہی ذاتِ واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور جس کی ذاتِ واجب کا کوئی ثانی نہیں۔ جب وہ اپنے وجود میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا اور فاعلی صفت مرتبۂ واجب سے مختص ہے اس میں کیسے شریک بنائے گا۔ اور جو کوئی بلاتا ہے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو تو اس کے لیے کوئی سچی دلیل نہیں ہے۔ حق بات تو یہ ہے کہ وہی معبودِ حقیقی اور فاعلِ حقیقی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کے الفاظ سے باطل معبودوں کی نفی کی طرح ان سب اعتباری فاعلوں کی نفی کرکے حق تعالیٰ کے فاعلِ حقیقی ہونے کا اثبات کرنا چاہیے۔ اور فاسق و فاجر کافروں کی طرح متعدد معبودوں اور کثیر التعداد فاعلوں کا اقراری نہیں ہونا چاہیے اور جو کوئی ممکنات (حقائقِ ممکنہ) کی فاعلیت کے اثبات کا دعویٰ کرتا ہے تو اُس کے پاس اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل اور حجت نہیں ہوتی۔ نہ معقول اور نہ منقول۔ اور جو کوئی نسبت دیتا ہے طاقت اور قوت کو مخلوقات کی طرف اسے مکمل طور پر عرفان سے ہی نہیں۔ حاصل مطلب یہ کہ کلی اعتبار سے صادرِ اول تعین اول ہے جو حقیقتِ محمدیہ (ان پر خدا کا درود و سلام) ہے۔ لیکن چونکہ کُل اپنے جزئیات میں شامل ہے جو اس کے افراد (ٹکڑے) ہیں، سو ہر چیز صادرِ اول ہے۔ لفظ کلیت سے مراد یہاں حقیقتِ محمدیہ کے تمام حقائقِ ممکنہ میں شمول اور احاطے کے معنوں میں ہے۔ اور اُس مرتبے کی ان تمام مراتب پر برتری نہ صرف کلیت کے مفہوم سے ہے جو مفہوم سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ اور جزئیات سے مراد حقائقِ ممکنہ ہیں جو اس کے ماتحت ہیں نہ کہ بعینہٖ جزئیات کے معنوں کے معنوں میں جس سے مُراد کُل کے حصص یا افراد ہوتے ہیں اور کل ان کے بغیر موجود نہیں ہوتا۔ یہ مثال سمجھانے کے لیے لائی گئی ہے تاکہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکے اور یہ پتہ چل جائے کہ جس طرح کُل کا مفہوم اپنے تمام افراد و اجزا میں جاری و ساری ہوتا ہے۔ اسی طرح حقیقتِ محمدیہ بھی ان تمام حقائقِ ممکنہ میں شامل ہے اور عام اشیا پہ محیط ہے۔ اور اس مرتبے کی ہر چیز میں شمولیت کے پیشِ نظر ہر چیز صادرِ اول ہے۔ اگر ہر شے میں یہ صلاحیت نہ ہوتی اور مذکورہ بالا حقیقتِ محمدیہ (ان پہ خدا درود و سلام)

Marfat.com

ہر کہیں شامل نہ ہوتی تو کوئی چیز وجود میں نہ آتی ۔ جیسا کہ یہ فرمان ہے کہ اے محبوب! اگر تمہیں پیدا نہ کرتا تو افلاک کو بھی پیدا نہ کرتا تو افلاک کو بھی پیدا نہ کرتا ۔ کیونکہ جس طرح ذاتی وجوب حق تعالیٰ ہی کا امتیاز ہے اسی طرح ذاتی امکان ہر ممکن کا نصیب ہے ۔ اور ذاتی امکان کے یہی معانی وجوب بالغیر کی تجلّی کے قابل ہوئے ، چونکہ یہی ذاتی وجوب موجودات کے ظہور کا باعث بنا ۔ پس ہر جگہ موجودیت بالذّات (ذاتی موجودیت) حق تعالیٰ ہی کی ہے جو حقائق ممکنہ کے مغائرت کے آئینوں میں ظاہر ہوا ۔ اور امکان بالذّات (ذاتی امکان) حقائق ممکنہ میں تو بغیر کسی حجاب کے وجوب بالغیر کے پرتو کا آئینہ ہو گئے اور اور اگر اس مطلق صلاحیت کی قابلیت جسے صوفیا حقیقت محمدیہ سے تعبیر کرتے ہیں ہر شے میں شامل نہ ہوتی یقیناً کوئی چیز موجود نہ ہوتی ۔ پس وہی (صاحبِ لولاک) والی حقیقت یعنی حقیقتِ محمدیہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے ۔ اور وہ الوہیت کے عرش کی کرسی کی طرح ہے ، اور رحمان عرش پر متمکن ہوا اور اس کی کرسی وسیع ہے آسمانوں اور زمین پر اور آسمانوں اور زمین کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں ہے اور وہ بڑا بلند اور عظیم ہے ۔ پاک ہے اللہ اور وہ اپنی تعریف کے ساتھ ہے ۔ اللہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کام ہے اور حضور پاک ؐ ہر جگہ اس کے آئینہ دار ہیں ۔ حضور ؐ نے فرمایا کہ آئے میرے پاس جبریئل علیہ السلام اور کہا بیشک میرا رب اور تیرا رب کہتا ہے کیا تو جانتا ہے کہ تیرا ذکر کیسے بلند کیا گیا ۔ میں نے کہا اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے ۔ اُس نے کہا کہ میرا ذکر نہیں کیا جائے گا مگر تیرا بھی ذکر میرے ساتھ کیا جائے گا ۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی معیت اور رسالت مآب کے قرب کا انوکھا پن جو ہر وقت اور ہر جگہ ظاہر اور عیاں ہے ۔ خالص محمدیت سورج کی طرح روشن اور ظاہر ہے ہر کسی کی اُسی کے نور سے آرائش ہے اور اُس کے وجود مبارک کی شمع وہ قامت ہے جس کا کوئی سایہ نہیں ۔ ہر موجود کے تشخص کو نور محمدی ہی سے زیب و زینت ہے کہ وہ اللہ کے نور سے ہے اور خلق بھی اس کے نور سے اور خالص محمدیت کی شمع وہ قد رعنا ہے جس کا کوئی سایہ نہیں ۔ اُس کے ظہور کی شدت میں کوئی پوشیدگی نہیں ۔ یعنی جس طرح شمع کا سایہ کسی طرف نہیں پڑتا اُس سرورِ کائنات ؐ کے قدِ رعنا کا بھی ظاہر میں کوئی سایہ نہ تھا ۔ اسی طرح خالص محمدیت مخلص محمدیوں کے باطن میں روشن ہے اور جو اپنے ساتھ "انانیت" کی آمیزش کی تاریکی کا مطلق شائبہ تک نہیں رکھتے بلکہ اپنی برکت سے ملی جلی محمدیت والے اکثر اصحاب کو خلوص کی جانب کھینچ لیتی ہے ۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے ۔ یا رسول اللہ آپ ہی صاحب اختیار

Marfat.com

ہیں اور ہر جگہ ہمارے یار و مددگار۔ رُباعی:

ای معنئ حق مبین از صورت تو
روشن ہمہ عالم شدہ از طلعت تو
ہرگز نبود روزِ قیامت را شب
گر سایہ ندارد چہ عجب قامت تو

ترجمہ رباعی: اے کہ تیری ذات اور تیرے تشخص سے مرتبۂ ذات وصفات حق تعالیٰ آشکارا ہوا۔ آپ کے رُخِ انور سے سارا جہاں روشن ہے، آپ ہی کے طریقِ محمدی سے عالم اور اہلِ عالم کی اصلاح ہوئی۔ اگر آپ کے قدِ رعنا کا سایہ نہ تھا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ آپ محبوبِ خدا ہیں اور قدِ محبوب کو قیامت بھی کہتے ہیں اور قیامت کے دن کی تو کبھی رات نہ ہوگی۔ (مصنف کی اپنی تشریح یوں ہے کہ) معنئ حق کے کلمات سے ہماری مراد ذات و صفات اور اسمائے الٰہیہ ہیں، نیز امر حق اور اسلام بھی، کیونکہ اسلام حق ہے اور کفر باطل ہے۔ لفظ صورت سے ہمارا مقصود تشخص محمدی ہے۔ نیز حضور سرورِ کائنات کی شرع شریف، روشن شدہ عالم سے ہماری مراد اہلِ عالم کا اصلاح پذیر ہوتا ہے۔ اور دُنیا والوں سے فساد و خرابی کی تاریکیوں کا چھٹ جاتا ہے۔ لفظ طلعت سے مراد طریق محمدی کا ظہور ہے جو اُمتِ مرحومہ سے فسادات کی تاریکیوں کو دُور اور اسلامی فرقوں کے احوال کی اصلاح اور مخلص محمدیوں کے باطنوں کو نورانی کرنے والا ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ رباعی حضور سرورِ کائنات کی نعت میں کہی ہے کہ یا رسول اللہ کہ آپ کا وجود مبارک اور آپ کی شرعِ دین متین کی برکتوں سے ذات و صفات خداوندی اور اسمائے حسنیٰ کا عرفان و معرفت نصیب ہوئی۔ جس سے اس طریقِ محمدی کے نور سے تمام عالم منور ہو گیا، اگر آپ کے قدِ مبارک کا سایہ نہ تھا تو تعجب و حیرانی کی کوئی بات نہیں کیونکہ قامتِ محبوب کو قیامت بھی کہتے ہیں اور آپ محبوبِ خدا ہیں یقیناً آپ کا سایہ نہ ہوگا اس لیے کہ روزِ قیامت کی رات نہیں۔ رات کو سایہ سے اور جلوۂ قدِ یار کو دن سے تشبیہہ دینے کے محاسن بالکل عیاں ہیں:

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے واسطے ہے جس نے اپنے راستے کی ہمیں ہدایت دی پہنچانے کے ساتھ اور دکھائی ہمیں اپنی دلیل فضیلت کے ساتھ اور درود و سلام ہو آپ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلسل اور متواتر اور آپؐ کی آلؓ اور اصحابؓ پر جو فضیلتوں والے ہیں۔ اما بعد پس یہ چھیاسٹھواں (۶۶) باب ہے جو کہ موازین القسط کے نام سے موسوم ہے۔ بیشک ہم نے رکھے ہیں عدل کے پیمانے اور عدالت کے ہدایت اور گمراہی میں تفریق کے لیے شریعت مصطفویہ کے قواعد اور طریقت محمدیہ کے ضوابط کے موازنے کے ساتھ تاکہ تم اس سے وزن کر سکو اپنے افعال و اقوال کی کمیت کا اور جان سکو اس سے کیفیت اپنے بوجھوں کی اور وزنوں کی۔ ہلکے پن، بھاری پن میں سے ہدایت اور گمراہی میں۔ اور یہ منکشف کرتا ہے تم پر راز اُس چیز کا جو تم کرتے ہو، جب تم ناپو اعمال کو اور تولو افعال کو اس میں کمی نہ کرو۔ پس کرو وہ چیز جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے اور بچو اس سے جس سے تمھیں روکا گیا ہے۔ اور چلو صراطِ مستقیم پہ راستہ ان لوگوں کا جن پہ اللہ نے انعام کیا ہادیوں اور مہدیوں میں سے اور چلو اس راہ راست پہ نہ کہ ان لوگوں کا جن پہ غضب نازل ہوا۔ اور نہ گمراہوں کا تاکہ تم محفوظ رہو نقصان سے، اور نہ ہو نا شرمندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اور رسولؐ کے سامنے اس دن کہ جس روز کسی نفس پہ ظلم نہیں کیا جائے گا کچھ بھی اور اگرچہ وہ ہو قول میں کمیت کی قلت کے اعتبار سے اور کیفیت کے

Marfat.com

ہلکے پن کے اعتبار سے رائی کے ایک دانے کے برابر یا اس سے بھی کم علم اور امتیاز کی میزان میں جیسے کہ خبر دی اللہ عزّوجل نے جب اس نے کہا کہ ہم رکھیں گے میزان عدل قیامت کے دن۔ پس نہیں ظلم کیا جائے گا کسی نفس پر کچھ بھی اور اگرچہ ہو رائی کے دانے کے برابر جس کو وہ لے کے آیا ہو ہمارے پاس اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے ٭

ہدایت وگمراہی کے بیان کا باب

ہدائیت وگمراہی حق تعالیٰ کی اضافی صفات میں سے ہیں۔ جو ہدائیت پانے والوں اور گمراہوں کی نسبتوں سے متعلق ہیں۔ اور بندوں میں ظاہر ہونے والی یہ ہدائیت اور گمراہی اس کی ہدائیت و اضلال (گمراہی) کا سایہ ہیں، اور یہ اضافی ہادی انبیا و اولیائے کرام ہیں اور مجازی گمراہ کن نفس امارہ اور شیطان ہیں۔ یہ سب اللہ جل شانہ، وعم نوالہٗ کے حقیقی ہادی اور حقیقی مضل کے مظاہر ہیں۔ جیسے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے داعی اور مبلّغ بنا کے بھیجا گیا ہے، اور نہیں ہے میری طرف کوئی ہدائیت کی چیز، پیدا کیا گیا ابلیس مزین کرنے والا اور نہیں ہے اس کی طرف گمراہی میں سے کوئی چیز۔ چونکہ ان مذکورہ بالا صفات میں تقابل ہے تو ان کے مظاہر افراد میں بھی مقابلہ اور مخالفت درمیان میں آگئی اور مردود شیطان اللہ تعالیٰ کے منتخب فرد حضرت آدم علیہ السلام کے مقابل میں آیا اور ہر انسان کا نفس اس کی دشمنی پہ ڈٹ گیا، انبیا و اولیائے کرام کے معاونین و مددگاروں میں فرشتے اور ارواح ہیں جو اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کے فوجی اور لشکری شمار ہوتے ہیں۔ شیطان ابلیس (خدا اُس سے بچائے) کے مددگاروں میں نفس انسانی اور ہوا و ہوس اس راندۂ درگاہ ابلیس کے فوجی اور لشکری گنے جاتے ہیں۔ اور ان فوجیوں اور لشکریوں کے درمیان اس دُنیا اور عالم شہادت میں نوع انسانی کی وسیع سرزمین اور بنی آدم کی جسمانی زمین کے میدانوں اور کارزاروں میں قیامت تک معرکہ آرائی جاری رہے گی۔ دلوں کے بعض شہروں (علاقوں) پہ اہل ہدائیت کی افواج و عساکر کا تصرف ہے اور وہ ان کی حفاظت میں ہیں۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے کہ بیشک میرے بندے جو ہیں نہیں ہے تیرے لیے ان پہ کوئی اختیار اور لشکر جنھیں تم نہیں دیکھتے۔ ایسے علاقے دشمنوں کے شر سے بالکل مامون ومصئون ہیں اور وہاں کے باشندوں کو ہر لحظہ عالم غیب سے مدد اور فوجی کمک ملتی رہتی ہے۔ اور وہ شیطان سے محفوظ اُس قلعے میں خوش وخرم آباد ہیں۔ یہ

Marfat.com

اللہ کے وہ بندے ہیں جن پہ اللہ کی خاص نگاہِ انتخاب پڑی اور اُس نے اُنھیں چن لیا۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مختص کر دیتا ہے اور بعض دیگر دیہات اور قصبوں میں گمراہوں کی فوجوں اور لشکریوں کا تسلط ہے۔ اور وہ اس احاطے میں محصور ہیں جس پر بُرا وقت پڑنے والا ہے۔ اور وہ گمراہی کے اس بیابان سے کبھی باہر نہیں نکل پاتے اور ہر لحظہ انتشار کا شکار ہیں۔ اور خدا ان کو ڈھیل دیے چلا جاتا ہے اور گویا کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگرداں ہو رہے ہیں۔ اور وہ منافق خبیث ہیں اور گمراہ کافر ہیں وہ جنھیں اللہ ہرگز نہیں بخشے گا۔ بعض اشخاص کے باطنوں میں ایسے مقامات بھی ہیں جو گویا ان طرفین کی سرحدوں کے ملنے کی جگہ ہیں۔ وہاں سے بعض اوقات ہدایت کی افواج کا گزر ہو جاتا ہے جس سے خیر و برکت کے انوار ظہور پذیر ہوتے ہیں اور بعض اوقات گمراہ افواج و عساکر کا گزر ہوتا ہے اور شرّ و فساد اور تاریکی و ظلمت کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ اور یہ حال ہے عامۃ المسلمین کا، اور لہٰذا اس مقام کے باسی بس اللہ توکّل چلنے والے سالک ہیں جو دشمنوں کے شرّ سے محفوظ اور ان کی ایذا رسانی سے مامون و مصئون نہیں ہوتے۔ پس انھیں ہر دم چوکس و چوکنّا رہنا چاہیے۔ اور ہر لحظہ ہدایت والی افواج کو زبردست وسیلہ بنانا چاہیے اور گمراہی کی فوجوں کے آنے سے قبل جہاں تک ہو سکے فریضۂ خداوندی سمجھ کر عمل کے حصار میں پناہ لینی چاہیے۔ اور اپنے تقدے اور قلبی سکون کا مال و متاع پختہ ایمان اور عقیدے کے حصار میں لے جانا چاہیے اور فوراً پابرکاب ہو کر اللہ کی طرف دوڑتے ہوئے صبر و استقامت کے مضبوط قلعے میں اقامت گزیں ہوتے ہوئے اخلاص و محبت کے امن والے شہر میں جس میں داخلہ امن و امان کا موجب ہے داخل ہو کر اپنے گھر میں جا بسنا چاہیے جو عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس ہو اور وہیں عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں، مراقبوں اور تسبیح و تقدیس میں مشغول ہو جائے۔ اور اگر اچانک راستے میں گمراہ فوجوں کے نرغے میں آجائے تو فوراً بڑی مستقل مزاجی سے یہ ورد کرے کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر (غیب سے) استقلال نازل فرمائیے اور ہمارے قدم جمائے رکھیے اور ہم کو اس کافر فوج پر غالب کیجیے۔ اور وہیں پہ اپنی قوت ادراک کے گھوڑے کی لگام روک کر غور و فکر کے میدان میں ڈٹ جائے اور حضوری و مشاہدۂ حق کی نسبت کے تیر کو اپنے روحانی یقین و اعتقاد کے ہاتھ میں لے کر خضوع و خشوع کی کمان پہ عجز و نیاز کے قبضے میں لا کر قلبی ذکر کے تیر کے ناکے کو گوشہ نشینی کے چلّے پر چڑھا کر مذکورہ بالا کمان کو جذبِ قلبی کی کشش کی زد میں

Marfat.com

لا کر کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور لاحول ولا قوۃ الّا باللہ کی چاشنی دے کر دشمنوں کی طرف تیر چلا دے۔ خدا نے چاہا تو اس ضعف و ناتوانی کی حالت میں بھی طاقتور دشمنوں پر غالب آجائے گا۔ اور اعمال و اوراد و وظائف کی یہ چھوٹی سی جماعت بھی لہو و لعب والے گروہ کثیر پر غلبہ پالے گی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ کثرت سے بہت چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

عبید ابن عمیر سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا، بیشک ابلیس نے کہا کہ اے میرے رب تو نے مجھے نکالا جنّت سے آدم کی وجہ سے، اور بیشک میں اس کے اوپر استطاعت نہیں رکھتا مگر تیرے غلبے کے ساتھ۔ اللہ نے کہا بیشک تو مسلّط ہے، اُس نے کہا اے رب مجھے زیادہ کر۔ اللہ نے کہا کہ نہیں پیدا ہو گا آدم کے لیے کوئی بچہ کہ تیرے لیے بھی ویسا ہی ایک بچہ ہو گا۔ اس نے کہا اے میرے رب مجھے اور زیادہ کر۔ اللہ نے کہا ان کے سینے تمھارے مسکن ہوں گے اور تم چلو گے ان کے اندر جیسے خون چلتا ہے۔ اس نے کہا اے رب مجھے اور زیادہ کر، اللہ نے کہا کہ تو جس جس کو اپنی دعوت سے بہلا پھسلا لے ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا، اور اولاد میں ان کے ساتھ ساجھا لگا اور ان کو وعدوں کے جال میں پھنسا اور شیطان کے وعدے ایک دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہیں۔ پس آدم علیہ السلام نے کہا۔ اے رب تو نے مسلّط کر دیا اسے مجھ پر اور میں اس سے اپنا دفاع نہیں کر سکتا مگر تیرے ساتھ۔ کہا اللہ نے کہ نہیں پیدا تیرے لیے بچہ مگر یہ کہ میں اس کے ساتھ ایک وکیل جو اس کی حفاظت کرے گا بُرے ساتھیوں سے۔ آدمؑ نے کہا اے رب مجھے زیادہ کر، اللہ نے کہا بیشک اچھائی کے لیے دس اجر ہیں یا زیادہ کر دوں گا اور بُرائی کا ایک ہی ہے یا میں اُسے مٹا دوں گا۔ آدمؑ نے کہا اللہ میاں مجھے اور بڑھا، اللہ نے کہا کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے اس وقت تک جب تک رُوح جسم میں ہے۔ آدمؑ نے کہا اور بڑھا۔ اللہ نے کہا اے میرے بندو جنھوں نے اپنے نفوس پر زیادتی کی مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے گناہ سب کے سب۔ بیشک وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور اے باخبر سامع، اور اے صاحبِ بصیرت ناظر! یہ جان لے کہ میں تیرے سامنے ہدایت و گمراہی کے امور کی علامات و کلیات پیش کر رہا ہوں۔ اور من پسند اور ناپسند چیزوں کی شناخت کے قاعدے لکھ رہا ہوں تاکہ انھی پر قیاس کرتے ہوئے تم اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے

Marfat.com

ان کی تمام جزئیات کو خود بخود پاسکو اور اس (چہ کنم چہ چارہ سازم) گو مگوں کی تباہی و حیرانی کی دلدل میں نہ پھنسو۔ اور آؤ امر معروف کے پاس اور اجتناب کرو ناپسندیدہ بات سے، اور دیکھو وہ چیز جو تیرے کانوں کو اچھی لگتی ہے کہ لوگ کہیں تجھ سے جب تو اُٹھے ان کے پاس سے۔ وہ فوت ہو گیا اور دیکھو اس چیز کو جو تم ناپسند کرتے ہو کہ کہیں لوگ تم سے جب تو کھڑا ہو ان کے پاس، اس نے اس سے اجتناب کیا ابن آدم نے کہ اطاعت کرو اپنے رب کی، پس وہ عاقل کہلائے گا اور اُس کی نافرمانی نہ کر کہ تجھے جہالت سے موسوم کیا جائے۔ بچ حرام چیزوں میں۔ پس تو ہو جائے گا سب سے زیادہ عبادت کرنے والا لوگوں سے اور راضی ہو جا اس سے جو حصہ تیرے رب نے مقرر کر دیا تیرے لیے کہ تو ہو جائے گا لوگوں میں سب سے زیادہ غنی اور احسان کر اپنے پڑوسی سے تو ہو جائے گا ایمان دار اور تو پسند کر لوگوں کے لیے جو تو پسند کرتا ہے اپنے نفس کے لیے تو تو ہو جائے گا مسلمان اور زیادہ نہ ہنس کیونکہ ہنسنے کی زیادتی دل کو مار دیتی ہے۔ معاذ بن جبل رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلعم نے مجھے ہاتھ سے پکڑا تھوڑا سا چلے اور فرمایا اے معاذؓ میں تمھیں وصیت کرتا ہوں اللہ کے تقوے کی، اور سچی بات کی اور ایفائے عہد کی، اور امانت کی ادائیگی کی، اور خیانت کو چھوڑنے کی، اور یتیم پر رحم کرنے کی، اور پڑوسی کی حفاظت کی، اور غصّے کو پینے کی، اور نرم گفتگو کرنے کی اور سلام (سلامتی) کو پھیلانے کی، اور ایمان کے ساتھ چمٹے رہنے کی اور قرآن میں سوجھ بوجھ پیدا کرنے کی، اور آخرت کی محبت کی، اور حساب سے ڈرنے کی، اور اُمید کو تاہ کرنے کی، اور حُسنِ عمل کی، اور میں تجھے روکتا ہوں اس بات سے کہ تو گالی دے مسلمان کو، یا جھوٹے کی تصدیق کرے، یا سچے کی تکذیب کرے، یا عادل امام کی سرکشی کرے، اور یہ کہ تو فساد پھیلائے زمین میں۔ اے معاذؓ ذکر کر اللہ کا ہر شجر و حجر کے پاس اور ہر گناہ پر توبہ کر، پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ طور اور اعلانیہ کی اعلانیہ طور پر۔ پس یہ جان لینا چاہیے کہ اس قاعدے کلیّے کی اصل یہ ہے کہ جو کام یا چیز تیری رُوح کو اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ متوجہ کرے اور حضورِ حق اور مشاہدۂ ذات کی نسبت بڑے سکون اور اطمینان کے ڈھنگ پر حاصل ہو، ایسے کو انشراح اور قلب کو بے خوفی میسّر ہو، جس میں ظاہری اور باطنی پاکیزگی ملے اور دینوی اور اُخروی خوبیاں نصیب ہوں اور واضح طور پر نیک نامی اور نیک انجامی نظر آئے اور تیرے نفس اور جسم پر جس کا بوجھ گراں معلوم ہو مگر باطنی طور پر تیرا سکون و نورانیت بڑھے اور رسول اللہ صلعم پر، قیامت کی خبروں اور

Marfat.com

حق تعالیٰ کی توحید کے تمام شرعی احکام اور دینی امور پر کامل ایمان میسر ہو، اور جو مرشد پہ تیرے اعتقاد کو بڑھائے۔ اور دُنیا کو تیری نظروں میں ہیچ پوچ اور بے وقعت بنا دے اور عالم آخرت کو یقینی ثابت کر دے اور اس چند روزہ حیات فانی کو تیری نظروں سے گرا دے اور موت کی تلخیوں کو تیرے ایمان کے دہن میں شیریں بنا دے اور دنیوی علائق اور ماسوی اللہ کے پھندوں کو گھٹا دے، تیری کمر ہمت کو استحکام بخشے، تیرے توکل و استقلال کو قائم و برقرار رکھے، تیرے اخلاق و اوصاف کو سنوارے اور تیرے افعال اور اعمال کو عمدہ اور پسندیدہ بنائے، تیری عزت و آبرو کو رونق بخشے اور اللہ اور اس کے بندوں کے نزدیک تیری قدر و منزلت کو بڑھائے، تیرے نزدیک محمدیوں کا اجتماع محض اللہ ہی کے لیے ہو اور ان کی کثرت افزائش اور غلبے کا موجب بنے اور اس طریقے کے اکابر دین کی تصنیفات اور تالیفات کی ترویج کا سبب بنے اور بزرگانِ دین کے مزاروں اور قبروں کے نشانات کی بقا اور خالق کی مخلوق کی فیض رسانی کا باعث بنے اور اس عالی مرتبت خانوادہ (خاندان) کے بزرگوں کے لکھے ہوئے مقدمات کے اثبات کے لیے مکمل دلیل اور برہان قاطع ثابت ہو۔ اور حقوق کی ادائیگی کا موجب بنے تو پورے وثوق سے سمجھ لو کہ بلاشبہ وہی عینِ ہدایت ہے۔ دن رات اسی میں اپنے آپ کو مشغول رکھو یقیناً وہ دُنیا اور آخرت میں تیرے لیے مفید ہوگا۔ اور رسولِ کریم صلعم کے صدقے وہ ربّ رحیم تجھے اُخروی نجات دے دے گا۔ اور گمراہی کے امور کی کلیّات کی تفصیل انہی امور ہدایت کے بالکل برعکس ہے یعنی جس چیز سے تیرے اندر غفلت پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ سے ناآشنائی اور بے نصیبی رونما ہو، جو تیرے باطن کو پراگندہ و پریشان کرے، سینے کی تنگی اور قلبی خطرات کو بڑھائے اور تیرے ظاہر و باطن کو صوری (ظاہری) اور معنوی داغ دھبوں سے داغدار کرے اور تیری دُنیا و عاقبت کو خراب و تباہ کرے اور بدنام اور بدانجام بنائے اور تیرا نفس اور طبیعت جن خواہشات کی طرف رغبت کرے اور تیرے باطن کو پراگندہ و تیرہ و تار بنائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرے ایمان کو کمزور کرے اور قیامت کی باتوں اور دیگر دینی و شرعی اُمور کے متعلق تیرے دل میں شکوک و شبہات پیدا کرے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کے وجود کو عقلی منتزعات میں سے ثابت کرے۔ اور ملحدوں کی طرح وحدت الوجود کا قائل کر دے اور حق تعالیٰ کی صفات کمالیہ کو محض علمی اعتبارات کر کے دکھائے اور بالآخر صفات کی نفی پہ جا خاتمہ ہو اور تمام مظاہر عالم میں وہ جاری و ساری حقیقتِ واحدہ تمہیں افراد کی کلی اور طبیعی حقیقت

Marfat.com

کی مانند دکھائی دے، اللہ ایسی بد بلاؤں سے اپنی پناہ میں رکھے۔ اور جو بات پیر و مرشد سے تیری حقیقت کو سست کر دے اور دنیا کو تیری نظروں میں بہت حسین اور جمیل ظاہر کرے اور جس سے تیرا ذہن عالم آخرت کو تسلیم نہ کرے اور اس فانی زندگی کو جو غنیمت کر کے دکھائے اور یہاں تک ہو سکے تجھے اس فانی زندگی کا حریص بنا دے۔ موت کو تیرے لیے سخت گراں اور ناگوار بنا دے اور اس سے تجھے سخت متنفر کر دے۔ علائق دنیوی اور ماسوی اللہ کے پھندوں کو مضبوط اور تجھے سست بنائے۔ تیرے توکل اور استقلال میں خلل آوے۔ تیرے اخلاق اور اوصاف کو خراب کرے تیرے اعمال اور افعال کو غیر شرعی اور ناپسندیدہ بنائے، لوگوں کی نظروں میں تیری عزت و آبرو کو گھٹائے اور اللہ اور بندوں کے نزدیک تیری قدر و منزلت کو کم کرے اور تیرے نزدیک امت محمدیہ میں یہ تفرقہ بازی اللہ کی طرف سے ہو جو مخلص محمدیوں کے غلبے کی کمی کا موجب ہو اور بزرگانِ دین کی اسلامی کتب و تصانیف کی تباہی اور ان کی ترویج و اشاعت میں رکاوٹ کا موجب ہو، اللہ تعالیٰ ایسے برے وبال سے بچائے اور جو بزرگانِ دین کے مقدس مزاروں کی تخریب کا باعث ہو اور حقوق کو تلف کرنے کا موجب بنے تو یقین سے جان لو کہ وہ عین گمراہی ہے جس سے تم دنیوی اور اُخری عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور تو ہرگز رسول اللہ صلعم کے پرچم شفاعت اور رحمتِ حق تلے نہیں آسکے گا۔ مگر صرف اس وقت جب دل میں ایمان و اعتقاد و یقین و اقرار کی رمق تجھ پہ اثر انداز ہوگی، آخر کار اس کی برکت سے تو اس عذاب سے چھوٹ جائے گا اور ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا تو کفار کے نصیب میں ہے اور اگر تیرا ایمان اور عقیدہ مضبوط ہے، دل میں حق و صداقت کو تقویت حاصل ہے تو پھر ہدایت کے ان مذکورہ بالا امور میں خواہ سہواً یا بھول چوک کر کوتاہی اور تساہل ہو جائے یا گمراہی کے انہی امور کا جان بوجھ کر ارتکاب کرے اور مشغول رہے مگر ان پہ اصرار نہ کرے تو خدا نے چاہا تو تمھیں توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے گی اور تم خبردار ہو جاؤ گے اور ایک مومن کی حیثیت میں مرو گے، اور اس دنیا سے اپنا ایمان سلامت لے جاؤ گے۔ خالص محمدیت کی برکت سے خدا تمھاری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

سچی خبر دینے والے حضور پرنور نے خود فرمایا ہے۔ میری امت سے غلطی اور بھول چوک جو ہے دور کر دی گئی ہے۔ اگر تو کوئی برائی کرے تو پیچھے اس کے پیچھے اچھائی ضرور اسے مٹا دے اور اگر تو کرے کوئی برائی پس اس کے ساتھ توبہ۔ پوشیدہ اور اعلانیہ توبہ، تو نہ مایوس ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے

Marfat.com

بیشک اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے گناہ سارے کے سارے۔ اور اگر تیرا ایمان کمزور ہے اور عقیدہ بھی پختہ نہیں اور خالص محمدیت کے علاوہ دوسرے طریقوں سے تیری رغبت ہو اور خدا نہ کرے تم اپنے مرشدوں سے منحرف ہو کر دوسرے بھک منگوں کا رُخ کرو، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو تم سے کوئی سروکار نہ ہوگا خواہ تم ان کے عزیز رشتہ داروں اور خواہ ان کے آشنائی اور واقف کاروں میں سے کیوں نہ ہو، ہر چند تمھیں اکتسابی علم، رسمی معرفت، عقلی اخلاق، ظاہری عزت اور عام ساکھ، دنیاوی جمعیت و بدنی پاکیزگی اور زاہدوں کا سا تقویٰ اور عالموں کا سا درس میسّر ہو، یہ تمھارے کسی کام نہ آئیں گے اور یہ سب کچھ ملیامیٹ ہو جائے گا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ شرک کرنے والوں کو نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ دوسرے گناہوں میں جسے چاہے گا بخش دے گا۔ جس نے کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔ وہ گمراہی میں بہت دُور نکل گیا۔ ہادیٔ حقیقی اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول مقبولؐ (ان پر خدا کا درود و سلام) اور اللہ سے نصرت یافتہ مرشد (خدا ان کے اسرار کو پاکیزہ کرے) سے قوی اُمید ہے کہ ہم مخلص محمدیوں کے معاملات کو دُنیا اور آخرت ہر جگہ اپنے فضل ہی سے نمٹائے گا۔ اور ہمارے اعمال بھی ضائع نہیں کرے گا اور تمھاری آل اولاد اور یار دوستوں کو اسی سیدھی راہ پہ قائم رکھے گا اور ان کتب و تالیفات کی اللہ تعالیٰ خود حفاظت کرے گا۔ کیونکہ ان کتابوں میں کلام الٰہی کے حقائق اور دقائق کے علاوہ اور کچھ نہیں اور خدا نے خود فرمایا ہے کہ ہم ان کے محافظ ہیں۔ پس ایسی کتب کی حفاظت کتاب اللہ ہی کی حفاظت سے تعلق رکھتی ہے۔ حیف صد حیف ان عزیزوں اور فرزندوں پر جنھوں نے اپنے زمانے کی اتنی گرانقدر نعمت کی پروا نہ کی۔ اور دوسرے اہلِ کتاب کی طرف مائل ہو گئے۔ اور محمدیت کو چھوڑ کر عیسویت اور موسویت کی طرف رجوع کرنے لگے اور اپنی موروثی خلافت کی وراثت سے دست بردار ہو گئے۔ اور نوح علیہ السلام کے بیٹے کی طرح بروں کی صحبت میں اُٹھنے بیٹھنے لگے۔ اور خالص محمدیت جیسے بادشاہوں کے سوادِ اعظم سے کٹ کر چھوٹے موٹے قصبوں اور دیہات اور دیہاتیوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور یوں گماشتوں اور لشکریوں جیسی نوکریوں کو پسند کیا اور اپنی سرداری کو جوان کے لیے فخر و مباہات کی چادر تھی ہر ایرے غیرے، شیخ و مرشد کے پاؤں میں ڈال دیا۔ اپنی حقیقی غیرت سے ہاتھ دھو کر اپنی ذاتی بے غیرتی اور بے حمیتی کو آشکارا کر دیا۔ اور اپنی افلاکی بزرگی کو چھوڑ کر اس ارضی چاہِ ذلت میں جا گرے۔ اے

Marfat.com

پست فطرتو!! صاحب عزم بادشاہوں کے نصیب میں تو تخت ہوتا ہے یا تختہ۔ وہ شاہی تخت پہ نہیں گرتے اور نہ ہی فرش وزارت کو پسند کرتے ہیں ؎

شیر را بچہ ہمی ماند بدو | تو باسد اللہ چہ می مانی بگو

(شیر کا بچہ شیر ہی سے مشابہت رکھتا ہے بتاؤ تم اللہ کے شیروں سے کیا مناسبت رکھتے ہو)۔ ہمیشہ اپنے بزرگوں کی حمایت، عنایت، شفقت اور رحمت کے سائے تلے رہنے کی کوشش کرو اور اپنے پائے جستجو کو جابجا کوششوں اور ٹھوکروں کے کانٹوں سے چھلنی نہ کرو۔ ان بزرگوں کے فرمودات اور نوشتہ جات پر عمل کرو اور ان کی ارواحِ جلیلہ سے مدد طلب کرو، اور ان کے پسماندگان سے اپنی اعانت طلب کرو اور اس طریق محمدی کے خلیفوں اور نائبوں کو اپنے خزانچی سمجھو۔ اور ان سے اپنی موروثی وراثت کا مال حاصل کرو اور ان ورثوں کے عطا کرنے پہ ان کا شکریہ اور آداب و تسلیمات بجالاؤ اور کسی غیر کے وسیلے کے بغیر ان سے اویسی طریق پہ نسبت قائم کرو اور جو تمھارے اور ان بزرگوں کے درمیان ظاہری، باطنی یا نسبتی رشد و ہدایت کا وسیلہ بنا اور اللہ تعالیٰ نے اُس توسط اور توسل کو قبول فرمالیا، اس توسّط کو مزید مستحکم کرو کہ وہ تمھارے لیے ان کی بارگاہوں سے مزید فیوض و برکات کا باعث بنے گا۔ اور تمھیں بھی اپنی استعداد کے مطابق یہی عالی نسبت نصیب ہو جائے گی اور تم قیامت کے دن انشاء اللہ تعالیٰ انہی عالی مرتبہ حضرات کے ساتھ اُٹھوگے۔ ان عزیزان و یارانِ طریقت پہ افسوس ہے جو اپنے اس خاندانی نعمت و عطیۂ کبریٰ کی قدر نہ پہچان سکے اور جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح ان کی تھوڑی سی ظاہری عدم موجودگی پہ دوسروں کی نفسانی خواہشات اور جسمانی لذّات کے بچھڑے کی پرستش اختیار کر لی۔ اور وہ محمدیت خالص کے چشمۂ فیض سے محروم رہ گئے اور دوسروں کے سراب کی موجوں میں سرگردان ہو کر تباہ ہو گئے۔ اور زبردست دوڑ دھوپ کے باوجود بھی پیاسے ہی رہ کر مر گئے۔ اپنے منبع و سرچشمہ کی تر و تازگی اور سیرابی کو بھلا بیٹھے اور انتشار اور پراگندگی کا مہلک جام پی لیا۔ اور یہود و نصاریٰ کے ہم پیالہ و ہم نوالہ بن بیٹھے اور پیغمبر اسلامؐ اور مومنوں سے الگ ہو گئے اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسولؐ ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں تو پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے ؎

Marfat.com

پیش ازین ہم رسم یاری بودہ است
دوستی را پائیداری بودہ است

(اس سے پہلے بھی تو رہ ورسم دوستی تھی، اور اُس یاری دوستی کو استحکام و پائداری بھی تھی) پس ہر وقت قلبی مراقبوں، وقتی محاسبوں میں مشغول ہو کر اپنے اعمال واقوال اور احوال کی محافظت کرنی چاہیئے اپنے بزرگوں اور مرشدوں کی ارواحِ جلیلہ سے مدد طلب کرتے ہوئے اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رسول اللہ صلعم کا فیض ہمیشہ قائم وبرقرار ہے۔ یقیناً اس طریق اور اُن کتب کے مطالعے کی برکات سے روحانی ترقیاں نصیب ہوں گی۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنی لامتناہی عنایات سے ان کتب میں رشد وہدایت کی ایسی تاثیر وقوت چھپا رکھی ہے کہ جو کوئی بصدق دل اور راسخ عقیدے سے خوب سوچ سمجھ کر ان کا مطالعہ کرے گا اور ان کے نوشتہ جات (ملفوظات) کے مطابق عمل کرے گا اسے غیبی و ربانی تائیدات حاصل ہوتی رہیں گی۔ اور مزید روحانی ترقیاں ملتی رہیں گی۔ ان کے مطالعے کی برکات بالکل ان بزرگوں کی صحبت وہم نشینی کے مانند ہوں گی اور دیگر تمام صحبتوں سے اسے بے نیاز کر دیں گی۔ اُسے خدا سے خاص نسبت حاصل ہو جائے گی اور اس کے دل پر معرفت حق کے دروازے کھل جائیں گے۔ اس کے اوضاع واطوار درست ہو جائیں گے۔ وہ اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ سے متصف ہو جائے گا اس کی سوچ اور فہم صحیح ہو جائے گی اُس کی بے چینی اور حیرت جاتی رہے گی۔ دلی سکون اور قلبی اطمینان حاصل ہو جائے گا۔ اس کے ایمان اور اسلام کو تقویت ملے گی اور اُن سے محبت اور عقیدہ مزید راسخ ہو جائے گا، وہ شرعی آداب کو بڑے اچھے طریق سے ادا کر سکے گا۔ نیکی اور نکوکاری کی زندگی بسر کرے گا اور نیک موت مرے گا۔ اس کی دُنیا و عاقبت سنور جائے گی۔ اے ہمارے رب! ہمیں دُنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔ اور اپنے یارانِ طریقت میں جو تم سے کمتر (ناقص) ہو اُسے اپنی فیض رسانی سے محروم نہ رکھو اور جو تم سے زیادہ کامل ہو تو بلا تکلّف اس سے اکتسابِ فیض کرو اور اس فیض اور فیض رسانی کا سرچشمہ اسی مبداءٔ فیاض کو سمجھو اور اپنی نفسانیت اور انانیت کو عمل دخل نہ دو۔ مرشد زادوں میں سے جو کوئی بھی عارف، عالم، حق آگاہ اور راہِ مستقیم پہ ہو بلاشبہ اُسے اپنے مرشد ہی کا مقام دو اور اُس کے لیے وہی آداب وتسلیمات بجالاؤ، اور جو کوئی اپنے طریق سے غافل،

Marfat.com

جاہل اور ناواقف ہو اس کی تکریم بھی غیر صالحین کی طرح کرو اور جہاں تک ہو سکے اسے پند و نصیحت کرو اور پوشیدہ طور پر اس کو علم سکھاؤ اور اس باطنی فیض کا ثواب اپنے مرشد کو پہنچاؤ، اور آداب و تسلیمات میں کوتاہی نہ کرو، یوں سمجھو گویا کہ یہ ورثہ تمھیں اسی کی جانب سے ملا ہے اور تمھاری حیثیت ایک امانت دار خزانچی سے زیادہ نہیں۔ مالک وہ ہے اور تم خزانچی اور ان میں سے جو کوئی ایسا ناسعادتمند نکلا کہ معاذ اللہ بزرگوں کا منکر ہی ہو یا طریقِ محمدیؐ سے نکل کر دوسروں کی طریقت میں جا داخل ہو اور باطنی فیض حاصل کرنے کے لیے دوسروں کے پاس جائے اور سب یار دوست اور بھائی بند اس کی صحبت و ہم نشینی سے یہ کہہ کر کنارہ کشی کر لیں کہ وہ ہم میں سے نہیں اور اگر صرف و نحو جیسے علوم ظاہری میں دوسروں سے اکتسابِ فیض کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ خدا اور رسولؐ سے نسبت استوار کرنے میں حصولِ فیض کے لیے اپنے بزرگوں کے علاوہ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہرائے اور ایسا کوئی صادق اور راسخ العقیدہ فرزند اس نسبت کے بغیر بھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہو تو بخدا اپنے مرشد کی صحبت کی بنا پر انشاء اللہ ہم اُسے باطنی و روحانی نسبت عطا کر دیں گے۔ اور اگر وہ پہلے ہی بانسبت تھا تو یہ نسبت اس پر مزید اضافہ ہو جائے گی۔ پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بموجب تم سے کہتا ہوں کہ میں تمھیں یاد دلاتا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنے اہلِ بیت کی، پس پکڑ لو کتاب کو قوت کے ساتھ اور یاد رکھو جو کچھ اس کے اندر ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ اور میں نہیں سوال کرتا اس پر کوئی اجر سوائے اس کے کہ قریبی رشتہ داروں سے محبت کر، اور یہ سمجھ لو کہ بھائی بندوں اور بیٹوں کی خوبی اسی میں ہے کہ وہ اصحاب کی مانند ہو جائیں اور اپنے بھائی چارے اور فرزندیت کا غرور ان کے پاس پھٹکنے نہ پائے اور ان کے دلوں میں راسخ عقیدے، ارادت، اتباع، اطاعت، خدمت اور محبت کے علاوہ اور کچھ نہ ہو اور وہ ہمسری کے واہم و گمان اور فرزندیت کے عجز و نیاز سے بالکل پاک و مبرّا ہوں اور کسی وقت بھی سہل انگاری، غفلت اور کوتاہی ان کے راستے کا رکاوٹی پتھر نہ بنیں۔ ایک ہی خانوادہ کا خیال اور یگانگت (اپنائیت) کا گمان ان کی آتشِ شوق کو سرد نہ کرے اور طلب و جستجو کے شعلے کو نہ بجھائے اور ذاتی حصولِ کمال سے نہ روکے۔ اور کم ہمتی کی زمین پر گرا کر تضیعِ اوقات کے بستر پر نہ لٹا دے۔ بزرگوں کی دستگیری کا سہارا ان کے راہِ سلوک طے کرنے والے پاؤں کو توڑ نہ دے۔ صاحبزادہ ہونے کا نشہ اُنھیں غرور و تکبّر کی پھانسی پر نہ لٹکا دے۔ مخدوم زادہ ہونے کا

Marfat.com

سود او خمار دماغ میں سما کر اُنھیں پُرانے دوستوں اور جانی یاروں سے سرد مہر نہ کر دے۔ اپنے نکمّے پن اور نالائقی کا احساس انھیں علم حاصل کرنے اور اُس پہ عمل کرنے سے نہ روکے، جہاں تک ہوسکے وہ اپنے نفس کی تکمیل اور دوستوں اور عزیزوں کی تربیت میں مصروف رہیں اور حتی المقدور دین کی تقویت، طریقِ محمدیؐ کی اشاعت، کتابوں کی تدریس اور راہِ سلوک کی تعلیم میں کوشاں رہیں۔ باہمی اختلاف اور ناچاقی کی بجائے محبت اور اتفاق سے زندگی بسر کریں۔ جس طرح ایک انسان کے تمام اعضا بدن پہ تصرف رکھنے والی رُوح کی فرمانبرداری کرتے ہوئے بدن کی سلامتی اور عافیت کے جویا ہوتے ہیں، وہ بھی اسی یگانگت و یکجہتی سے سلامتی کی راہ پر چلیں اور تمام عمر اپنے آپ کو اسی حال پر قائم رکھتے ہوئے آخری دم تک اسی سیدھی راہ پر گامزن رہیں۔ اور خداوند تعالیٰ کی رضا اور پیغمبر آخرالزمانؐ اور محمدیوں کے شفیع (ان پر اور ان کی آل اور اصحابؓ سب پر خدا کی سلامتی ہو) کے صدقے جنت میں جا داخل ہوں۔ یاروں اور دوستوں کی خوبی یہی ہے کہ وہ آل کی مانند رہیں۔ اور ان کے دلوں میں بیگانگت اور جدائی کا ہرگز خیال تک پھٹکنے نہ پائے۔ بلکہ دلوں میں باہمی عقیدت، ارادت، راستی و صداقت، تقلید و اتباع اور خدمت و الفت کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ وہ غیریت و اجنبیت اور دوئی کے خیالات سے یکسر مبرّا ہوں۔ کسی وقت بھی سُستی، کاہلی اور غفلت ان کا حجاب نہ بنیں۔ جدا ہونے اور آنکھوں سے اوجھل ہونے کے خیالات ان کی حضوری کی نسبت میں فتور نہ ڈالیں اور ان کے چہروں پہ غیاب کا پردہ نہ ڈال دے۔ اور اپنے احوال کی محافظت سے غافل نہ کر دے۔ اور گمراہی کے کنوئیں میں دھکیل کر ذوق و شوق کو افسردہ و پژمردہ کرنے والے پانیوں میں نہ ڈبو دے۔ مرشدوں کی نظرِ عنایت کا اعتماد ان کی ذاتی سعی و کوشش کی راہ کی رکاوٹ نہ بن جائے۔ اور اپنے پیرو مرشد یا مرشد زادوں میں مقبولیت کا غرور اُنھیں بدمزہ نہ کر دے، اور اپنی کوتاہیوں کو دیکھنے اور علم و عمل کی طلب و جستجو سے ان کی کمرِ ہمت نہ توڑ دے۔ جہاں تک ہوسکے اپنے اخلاق کو سنوارنے، صاحبزادوں کی خیر و عافیت چاہنے اور کسی اختلاف و عیب چینی کے بغیر نیک رائے دینے میں مشغول رہیں۔ باہم بالکل صاف دل، ریا و نفاق سے پاک، ایک دوسرے کے خیر خواہ دوست اور متفق و متحد رہیں۔ دین کی تقویت، طریق محمدیؐ کی اشاعت، کتابوں کی تدریس اور راہِ سلوک کی تعلیم کے سلسلے میں باہم وہی روش اختیار کریں جو اپنے بیٹوں کے لیے روا رکھی جاتی ہے۔ اور اپنی ساری زندگی کو اس امر میں صرف کر کے ہمہ تن اسی کام میں مصروف

Marfat.com

رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور پیغمبروں کے سرتاج اور مخلص محبّوں کے شفاعت کرنے والے رسولؐ (ان پر اور ان کی آلؑ پر درود و سلام ہو) کے سر صدقے بہشت میں جا داخل ہوں۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ دُنیا مقام فنا ہے۔ اس سے دل لگانا حماقت ہے۔ اس عالم کا آرام و آسائش و راحت حیاتِ اخروی کے لیے سراسر زحمت ہے اور عذاب و عقوبت یہاں جتنی بھی عبرت و آگہی حاصل ہو وہ اک نعمت ہے اور نادر تحفہ۔ اس جہاں کے غم اور شادی بے اعتبار ہیں، ان تمام امور کا اختیار تو اسی قادرِ مطلق کو ہے۔ وہ ہر کسی کو جونسی راہ چاہے دکھا دیتا ہے اور جس کسی پہ چاہے ان امور کو منکشف کر دیتا ہے۔ کثرت کی پراگندگی (پریشانی) میں مبتلا کرنا بھی اسی کی خدائی کا کرشمہ ہے اور وحدت کی طمانیت سے آشنا کرنا بھی اسی کے فضل و رحمت سے ہے۔ ہر کسی کی ہر جگہ رسائی اسی کی عنایت سے ہے اور راہِ سلوک پہ رہنمائی بھی اسی کی بدولت۔ ہر موجود کو اعتبارات کی قید میں اسی نے ڈال رکھا ہے، ہر مخلوق کو اپنی خودی کا اسیر اسی نے بنا رکھا ہے۔ رباعی:

گر کشتۂ عیشیم و گر غمزدہ ایم
از دولتِ او درد باین عربدہ ایم
زین پیش نداشتیم کاری با خویش
از راہ نمائش بخود آمدہ ایم

ترجمہ رباعی: ہم خواہ عیش و عشرت کے دلدادہ رہے یا غم و اندوہ کے مارے، اسے درد ہم اسی کی بدولت ان روحانی اور نفسانی اختلافات میں مبتلا رہے۔ اس سے پیشتر تو ہمیں خود سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اسی کی رہنمائی سے ہمیں اپنی ہستی کی خبر ہوئی۔ (مصنف خود تلمیحاتی اور اشاراتی کڑیاں یوں کھولتا ہے کہ (کشتہ عیش سے ہماری مراد عیش و عشرت میں مصروف رہنا اور عیش و طرب کا دلدادہ ہونا ہے۔ لفظ غمزدہ سے مراد ہی غمگین و اندوہگین ہونا ہے جو اس کے عمومی اور جاتے پہچانے معانی ہیں، اور ان متضاد الفاظ یعنی زدن اور کشتن اور عیش و غم کے الفاظ کی باہمی مناسبت نے شعر میں جو لُطف پیدا کر دیا ہے بالکل واضح ہے۔ اور لفظ دولت مضاف ہے کمالاتِ وجودی کا اور لفظ "او" جو دولت کا مضاف الیہ ہے۔ اس سے مراد مرتبۂ وجود ہے اور لفظ دولت فارسی محاورہ میں سبب کے معنوں میں بھی مستعمل ہے جیساکہ کہتے ہیں کہ فلاں نے فلاں کی وجہ یا سبب سے آرام پایا، یا اتنی

Marfat.com

تکلیف اُٹھائی، یعنی فلاں کے سبب سے راحت پائی یا رنج، اور "اے" کا حرفِ ندا وہ اپنے منادی یعنی تخلّص (لفظ درد) سے محذوف ہے۔ لفظ عربدہ سے مراد روحانی نفسانی اور طبیعی تقاضوں کے اختلاف سے ہے جن میں باہمی تضاد اور مخالفت ہے کہ ایک کے نفع میں دوسرے کا نقصان ہے۔ اور یہ بہادر اکبر ہر کسی کو اپنی زندگی تک در پیش ہے (ازیں پیش) کے الفاظ سے مُراد ہے اربعۂ عناصر سے مرکّب اس بدن کے ساتھ روح کے تعلّق سے پہلے کا زمانہ ہے۔ اور کار بخویش نداشتن کے کلمات سے ہماری مُراد اپنی ہستی کا ادراک نہ ہونے سے ہے اور اپنی حالت و ہیٔت کا امتیاز نہ ہونے سے ہے۔ لفظ راہنمائی سے مراد علم و شعور کا سکھانا ہے۔ اور مضاف الیہ یعنی رہنمائی کے ساتھ (ش) کی ضمیر کا مرجع وہی مرتبۂ وجود ہے اور بخود آمدن سے مراد اپنے معاملات کے بُرے بھلے کو سمجھنے سے اور اپنی بھلائی یا بُرائی کو پرکھنے سے ہے اور اپنے تشخص اور اُس کے علاوہ میں امتیاز پیدا کرنا ہے۔ رباعی کا حاصل مطلب یہ کہ اگر ہم عیش و عشرت کے دلدادہ اور عیش و طرب کے امور میں محو ہیں۔ یعنی اگر ہم نے اپنی عمر عزیز کو نفسانی خواہشات و جسمانی لذّات میں صرف کر دیا ہے یا نفسانی اور جسمانی مکروہات کے وجود سے غمگین و اندوہناک ہیں اور زندگی کی نقدی کو اعتباری مصروفیات میں گنوا رہے ہیں۔ دراصل ہم حضرتِ وجود کے کمالاتِ وجودی کے ظہور کے باعث اس چپقلش میں اُلجھے ہوئے ہیں اور روح و جسم میں تنازعے کا دروازہ کھُل گیا ورنہ اِس قفس عنصری سے نفس ناطقہ کے تعلق کے پیدا ہونے سے پہلے کے زمانے میں ارواح کو اپنی ہستی کی مفصّل خبر اور اپنی اور دوسروں کی ہیٔت کذائی کا امتیاز ہرگز نہ تھا۔ اور ملائکہ کی طرح اس مرتبے میں تھے کہ نہیں ہے ہماری طرف سے مگر یہ کہ اس کے لیے مقام معلوم ہے اور بموجب اس کے کہ نہیں سرکشی کرتے اللہ کی اس بارے میں جس کا اس نے حکم دیا ہے اور وہ کرتے ہیں جس کا اُنھیں حکم دیا گیا۔ ہم عمل کے امتیاز کے بغیر ہی تھے۔ الست بربکم (کیا میں تمھارا خدا نہیں ہوں) کے سوال میں قالُوبلیٰ (ہاں ہاں کیوں نہیں) کا جواب ازل کے دن ہی دیا۔ اور سوال کے نتیجے میں جواب کے لیے زبان کھولی۔ اور اب یہ کثیر التعداد امتیازات کا علم و شعور جو ہم میں پیدا ہوا ہے اور ہم بُرے بھلے معاملات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور اپنے نیک و بد کی پرکھ کے اسیر ہو کر اپنے اور اپنے اعدا کے تشخص کا امتیاز حاصل کیے بیٹھے ہیں۔ یہ حضرت وجود کی رہنمائی ہی کی بنا پر ہے۔ کیونکہ انسان اُس کے تمام وجودی کمالات کا مظہر اور اُس کی تمام شانوں کا جامع ہے۔ جسے خدا ہدایت دے دے اُسے کوئی گمراہ

Marfat.com

نہیں کر سکتا۔ اسم اللہ تمام صفات اور جملہ کمالات کا جامع ہے برعکس دیگر اسمائے ذات کے جن میں سے ہر ایک اسم کسی خاص صفت پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً اسم "سمیع" فقط ایک سماعت کرنے یعنی سننے کی صفت پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسم "بصیر" صرف دیکھنے پر اور اسم مرید ارادہ کرنے اور اسم قدیر قدرت کی صفت اور اسم علیم اس کی علمی صفت، اسم حیّ اس کی حیات پر دلالت کرتا ہے۔ اسی سے مزید قیاس کر لیں کہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہر اسم فقط اپنے مدلول پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسم اللہ اس جامعیت پر دلالت کرتا ہے جو ان تمام صفات کا جامع ہے۔ اور اس سے مراد وہ ذات ہے جو ان تمام صفات سے متصف ہے برعکس ان دوسرے اسماء کے جن سے مراد فقط ایک ہی خاص صفت سے متصّف ہوتے ہے۔ پس جس کی اللہ ہدایت کرے یعنی اپنے جملہ کمالات کی مظہریت کی رہنمائی عطا فرمائے اور اُسے اپنے جملہ کمالات و اسمائے حسنیٰ کا مظہر بنائے اُسے گمراہ کون کرے جو اُسے اس جامعیت سے باز رکھے اور تخت خلافت سے محروم کرے۔ ہدایت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ دے۔

ہدایت کے دو معنی ہیں، ایک ہے راستے کا دکھانا اور دوسرا مقصود تک پہنچانا۔ راستہ دکھانے سے مُراد ناواقفوں کی رہنمائی ہے اور ان کے سامنے حقائق اور معارف کا بیان کرنا ہے تاکہ وہ راہ سے بھٹک نہ جائیں۔ گناہوں سے بچ کر (رک کر) نیکی کی طرف مائل ہوں۔ یہ ہدایت مجازی ہے اور ایصال بمطلوب (مطلوب تک پہنچانا) عبارت ہے منزل مقصود تک پہنچانے اور اُس میں داخل کرنے سے اور یہ حقیقی ہدایت ہے۔ لیکن پہلے معانی عام اور عمومی ہیں۔ عارفین کو اسی لیے پیدا کیا گیا اور خلق خدا کا ہادی بنایا گیا جو ہمیشہ گمراہ لوگوں کی رہنمائی میں مصروف رہے اور ہمیشہ اللہ کے بندوں کے سامنے حق باتوں کا اظہار کرتے رہے تاکہ وہ گمراہی کے بیاباں سے باہر نکل کر خوش بختی کی طرف مائل ہوں اور اس ہدایت کے کامل ترین مظہر انبیائے کرام (ان پر خدا کا درود و سلام) ہی اس منصب کے مالک ہوتے ہیں اور اُنھیں اسی کام کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے اور پھر انہی کے اتباع میں ان کے پیروکار خلیفے، ہدایت یافتہ امام۔ پاک باطن اولیا، عالمانِ دین، دانشور، مومنین اور صاحب یقین دانشمند اور صالح مومنین شامل ہیں، جو اپنے منصب، مرتبہ، درجہ اور مقام، رتبہ و ظرف و استعداد کے مطابق عوام کو احکام شرعیہ، اوامر و نواہی، احادیث نبویؐ کی تعلیم دیتے، اور پند و نصیحت کر کے ان کے احوال کی اصلاح فرماتے ہیں اور راستہ دکھا کر ان کو منزلِ مقصود تک

Marfat.com

پہنچاتے ہیں۔ چونکہ تمام افعال درحقیقت منسوب اسی فاعل حقیقی سے ہیں۔ ہدایت کے یہ پہلے معانی جو عام ہیں، یہ بھی عام طور پر درحقیقت اسی سے منسوب ہیں۔ مکمل ہدایت اور عمومی رہنمائی جو اس مطلوبہ معانی تک پہنچاتی ہے اور اُس راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے لیکن دوسری ہدایت کے معانی منزلِ مقصود تک پہنچانا جو خصوصی ہدایت ہے یہ خصوصاً اللہ تعالیٰ ہی سے مخصوص ہے۔ چونکہ ہر امر کا ظہور خدائی اندازوں کے مظاہر ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اس قادر مطلق کی ہدایت کے مظاہر اس تک پہنچاتے کا موجب اور اُس کے وصل کے وسیلے اور ذریعے شمار ہوتے ہیں اور اُس کی قبولیت اور برگزیدگی کا ایک بہانہ ہیں۔ لیکن فی الحقیقت اپنی ذاتِ واحد کے لحاظ سے وسبحانہٗ تعالیٰ اپنے تمام افعال اور تمام صفات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے۔ صرف وہی حقیقی ہادی ہے اور بس۔ ہدایت کے سلسلے میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ لہٰذا ہدایت کے یہ مظاہر جو ہدایت کی راہ دکھاتے ہیں اور ہدایت کے راستے کا بیان کرتے ہیں وہ مشاطہ کی زیب وزینت سے بیشتر نہیں کرتے۔ نسبت کو قبول کرنا یا وصل کی حامی بھرنا تو معشوق کے اختیار میں ہے۔ بناؤ سنگار کرنے والی مشاطہ کو طرفین میں سے کسی کے دل پہ اختیار نہیں ہوتا، بس یہی کچھ ہوتا ہے کہ وہ دونوں جانب کی باتیں ایک دوسرے تک پہنچا دیتی ہے یعنی عاشق کے سامنے معشوق کے حسن وخوبی بیان کر دیتی ہے اور یونہی عاشق کے احوال معشوق پہ آشکارا کر دیتی ہے اور دُعا کرتی ہے کہ اس کی کوشش بار آور ہو اور ان کے گھر آباد ہوں اور بس جائیں۔ سنت الہیہ اکثر اسی رسم پہ جاری ہے کہ جب وہ مشاطہ کے سوال وجواب کی کثرت کو خوب سُن لیتے ہیں اور اُسے بیچ میں ڈال دیتے ہیں جو نسبت کے قبول ہونے یا کرنے کی علامت ہوتی ہے آخر کار قبول فرما لیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس کسی کے دل میں نیکوں کی صحبت اور ہم نشینی کی خواہش ورغبت اور ان بزرگوں کی محبت وعقیدت ڈال دیتے ہیں۔ اور اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کے کلام کو بڑی رضا ورغبت اور دلی خلوص سے سنواتے ہیں اور اُسے پوری عقیدتمندی سے متاثر کرتے ہیں۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ اُسے قبول کر لیا گیا ہے۔ اسے اللہ سے نسبت حاصل ہو جائے گی۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کے باطن میں یہ کیفیت نہ پائی جائے اور اُس کے دل میں ہر وقت شکوک وانکار کے کانٹے کھٹکتے رہیں اور دل ایسے لوگوں کی ہم نشینی وصحبت پہ مائل نہ ہو بلکہ نفرت کرے (ایسی باتوں سے اللہ کی پناہ) تو یہ

Marfat.com

محرومیت کی علامت ہے گویا کہ صاف جواب ہے۔ سوال اگر تم یہ کہو کہ جو کچھ تم نے کہا سب ٹھیک اور درست سہی، لیکن اس امر کا امتیاز کیسے کیا جائے گا کہ فلاں مشاطہ صادق ہے اور مطلوبہ راہ ہی پر گامزن ہے اور فلاں دروغ گو (جھوٹی) جو بے بنیاد باتیں درمیان میں لاتی ہے، کیونکہ اکثر مشاطگی کرنے والے اپنے پیشے کی رونق کے لیے اسی قسم کا عمل کرتے ہیں اور پیغام و سلام کے بہانے خورد برد کرتے رہتے ہیں اور یہی ان کی گزران (گزر بسر) کا ذریعہ ہے۔ تو پھر نسبت کیا ہے اور مطلوب کون ہے؟ جواب سچ ہے کہ بہت سے شیطان سیرت انسان صورت لوگ ہوتے ہیں اور اپنی دھوکا بازی سے اکثر لوگوں کو خراب کرتے ہیں لیکن مشاطہ کے صادق ہونے کی علامت یہی ہے کہ اُس کے سوال و جواب میں اک ربط ہو۔ اور اُس کی وساطت سے معاملہ ہر روز آگے بڑھے اور رسل و رسائل اور تحفے تحائف کی راہیں کھل جائیں اور رسم و رسومات کی ادائیگی کے معاملے تک نوبت آ پہنچے تو خدا کے فضل سے اُمید ہے کہ جلد ہی وقت معینہ پر شادی بھی ہو جائے گی اور ایسا ملاپ نصیب ہو گا جس میں ہجر و جدائی نہ ہو اور اگر وہ نامعقول سوال و جواب کرے اور اُس کے کہے سُنے کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد نہ ہو اور طرفین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو نہ پوچھے تو معلوم ہوا کہ وہ کاذب ہے اور دھوکا دے رہی ہے۔ اسی طرح جس عارف کی گفتگو علوم معقول و منقول کے مطابق ہو اور کلام میں مسلسل ربط ہو، اور جس کی صحبت سے ہم نشیں اپنے اندر ایک اچھی کیفیت کی تبدیلی پائے۔ اور جس کے حضور میں قلبی سکون، دلی اطمینان اور عرفان و آگہی نصیب ہو۔ علم و معرفت کی راہیں کُھلیں اور اچھے حالات اور عمدہ کیفیات رونما ہوں۔ اس کی خدمت اقدس میں پورے جذب و عقیدے کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ سبحانہٗ تک رسائی کا آفتاب اسی شخصیت کے مطلع سے طلوع ہو گا۔ اور قرب و نزدیکی کی تجلی کے نصف النہار پر چمکے گا۔ اور اگر ایسی صحبت میسر نہ آئے تو اُسے اپنی محرومی اور کم نصیبی پر محمول کرنا چاہیے۔ لیکن ایسے بزرگوں کے وجود مبارک سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ دُنیا کسی وقت بھی کاملانِ حق سے خالی نہیں ہوتی۔ لوگوں کے گھروں میں آئے دن شادیاں ہوتی ہی رہتی ہیں اور مشاطگی پیشہ لوگ گراں بہا انعامات پاتے ہی رہتے ہیں۔ تم اگر کنوارے رہ گئے تو کیا ہوا؟ مشاطگی کے انعامات و اکرامات سے مراد یہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت، برکت اور عنایت سے ہے۔ جو رشد و ہدایت دینے والے ان مکمل و کامل حضرات کے ہمیشہ شامل حال ہوتی ہے۔ اگر کوئی ناسمجھ یہ سوال کرے کہ وصل، بیاہ شادی اور

Marfat.com

مشاطہ کے یہ الفاظ نامناسب اور ناموزوں سے ہیں تو میں کہوں گا کہ مشاطگی سے تعبیر کرنے میں بھی کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ یہ تو سمجھانے کے لیے مثال کے طور پر کہا گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ حدیث میں لفظ عروس آیا ہے۔ اور "سو جاؤ دلہن والی نیند" والی حدیث شریف عوام الناس میں مشہور ہے۔ مطلب کو سمجھو، غصے کے مارے منہ نہ پھیر لو۔ قدرت نے جو کام ہمارے حوالے کیا ہے الحمدللہ کہ اس کے احسن طریق سے بیان کی توفیق بھی ہمیں عطا کی گئی ہے۔ کسی کو معتقد بنانے یا کسی کے دل میں اپنی عقیدت پیدا کرنا کسی بندے کے اختیار میں نہ ہے، نہ تھا اور نہ ہوگا۔ ملاحظہ کیجیے یہ آیت کریمہ کہ جسے تم چاہو ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ مطلوب یا محبوب تک پہنچانے کے معانی پر دلالت کرتی ہے۔ جس طرح کہ یہ آیت کریمہ کہ وہ جو ثمود تھے ہم نے ان کو (پیغمبر کے ذریعے) راستہ بتلایا۔ سو انھوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا۔ راہ دکھانے کے معانی پر دلالت کرتی ہے لہذا ہدایت کی ضد کو جو گمراہی ہے اُسے اندھے پن سے منسوب کیا گیا ہے کیونکہ اُنھوں نے رہنمائی پہ اندھے پن کو ترجیح دی اور اسی کو حق سمجھا اور مطلوب تک نہ پہنچ سکے اور بھٹک گئے۔ لیکن تم ہدایت نہیں دے سکتے والی مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اک دقیق اور پُر لطف بات ہے جو حق سبحانہ' تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام سے کہی ہے، تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جس کے لیے ارادہ کرے ہدایت دے دیتا ہے، اس سے مراد رسول تک ہدایت ہے نہ کہ اللہ تک۔ کیونکہ ہدایت کی اصل جو ایمان ہے اُس کے دو حصے ہیں۔ ایک تو حق تعالیٰ کی طرف گرویدہ ہونا اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا، دوسرے رسول اللہ صلعم کی طرف گرویدہ ہونا اور ان کی رسالت کی حقانیت کا اقرار کرنا۔ کیونکہ کلمہ طیبہ یعنی لآ اِلٰہَ الا اللہ محمد الرسول اللہ سے یہی استفادہ ہوتا ہے۔ پس جس طرح حق سبحانہ' تعالیٰ کا صحیح عرفان اور راہ رسول اللہ صلعم کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں۔ رسول اللہ صلعم ہمہ اوقات لوگوں میں تبلیغ کر کے حق رسالت ادا کرتے تھے اور لوگوں پہ وصل ربّانی کے دروازے کھولتے تھے، اسی طرح رسول اللہ صلعم کی حقانیت پر اعتقاد اور ان کا وسیلہ پکڑنا اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی کے بغیر میسّر نہیں ہو سکتی۔ اللہ جسے چاہے ایمان سے نوازتا ہے اور جسے چاہے رسول اللہ صلعم کی اطاعت و اتباع سے نوازتا ہے۔ پس جس طرح ظاہر میں رسول اللہ صلعم، اللہ کی طرف ہدایت دینے والے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ باطن میں رسول اللہ صلعم کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔ رسول اللہ صلعم لوگوں کو خدا کی راہ

Marfat.com

دکھاتے اور سکھاتے ہیں کیونکہ وہ ہدایت ربّانی کے مظہر ہیں، اور اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں کو اپنے رسولؐ کے اتباع کی توفیق عنایت فرماتا ہے اور ساری توفیق اللہ ہی کو ہے۔ پس آیت کریمہ کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ بیشک تم نہیں ہدایت دیتے کسی کو اپنے نفس کی طرف اپنی حقیقت کے اقرار کے ساتھ بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے تیری طرف تیری رسالت کی تصدیق کے ساتھ اور بنا تا ہے اُسے مومنین میں سے، اور جس طرح کہ رسولؐ گواہی دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی الوہیّت کی اور کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، اسی طرح حق سبحانہٗ تعالیٰ اس کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بیشک تم ضرور اس کے رسول ہو۔ اور اللہ نے کہا محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کفار پہ بڑے شدید ہیں، آپس میں ایک دوسرے پہ مہربان ہیں۔ پس اگر تو نے غور و فکر کیا، اور گہری نگاہ سے دیکھا تو تو نے پالیا اللہ تعالیٰ کو ہر چیز میں گواہ اور تو نے جان لیا کہ اللہ سبحانہٗ نے ہدایت دی اشیا کو وجود کی طرف اور پہنچایا حقائق کو ان کے حسب اقتضا اور ان کی استعدادوں کے مطلوب کے مطابق۔ کیونکہ ہر شے کا مطلوب اس شے کا وجود ہے اور اُس مطلوب تک رسائی بھی حضرت وجود کے بغیر ممکن نہیں کہ وہی تمام حقائق کا ایجاد کرنے والا ہے جب تک آفتاب وجوب حقائق ممکنہ پہ نہ چمکے، اور دُنیا کے ان ذرات میں سے ایک ذرہ بھی وجود میں نہ آئے۔ اور دوسرے معنوں میں لفظ ہدایت جس کا مطلب مطلوب تک پہنچانا ہے اس مطلوبہ کلمہ کو ہر جگہ عام اور مطلق کی تخصیص کیے بغیر استعمال کرتے ہیں۔ کسی نے اس کے معنی کی وضاحت نہیں کی، کہ وہ مطلوب ہے کیا اور کون ہے؟ کیونکہ معقولات میں فقط کلّی معانی کا بیان منظور ہوتا ہے۔ نہ کہ جزئی افراد کا تعین پس ہدایت کی صرف یہی تعریف کہ وہ ایک شے کو دوسری مطلوبہ شے تک پہنچادینا ہی کی گئی ہے۔ ہدایت دینے والوں کی ذاتوں کے بیان اور ہدایت پانے والوں کی تشخیص اور قابل ہدایت امر کے تعین سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ جو کچھ بھی ہو اور جو کوئی بھی ہو لیکن چونکہ مطلوب حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، سو مُراد رسائی بہ حق تعالیٰ ہوئی۔ اور یہاں مطلوب کی اقسام کی وضاحت کی جاتی ہے اور ہر شے کے مطلوب کو بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مطلوب کی دو قسمیں ہیں ایک مطلوب ذاتی اور ایک مطلوب اضافی۔ مطلوب ذاتی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وجوبی دوسری امکانی، اسی طرح اضافی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک داخلی اور دوسری خارجی۔ مطلوب ذاتی وہ ہے کہ جس کے بغیر شے

Marfat.com

موجود نہ ہو یعنی کہ وجود۔ اور مطلوب اضافی وہ جس کے بغیر چیز مکمل اور کامل نہ ہو۔ یعنی کہ کمالاتِ وجودیہ۔ اور وجوبی وہ جس کا تقدم تمام اشیا پر واجب ہو اور تمام اشیا اپنی اپنی ذات میں اس کی محتاج ہوں۔ یعنی وجود مطلق جیساکہ وہ ہے جس کی ذات ہی اس کی عین ماہیت ہے۔ اور امکانی مطلوب وہ کہ جس کی بدولت حال حاضر میں اشیا کیف آور ہوں۔ یعنی کہ مقیّد وجود جو ہستی و پیدائش کے معنی میں آتا ہے۔ اور تمام اشیا کو حاصل ہے اور داخلی اضافی وہ جو کسی شے کے تشخّص میں دخل رکھتا ہے۔ جیسے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا جو کمالات کے ظہور کے آلات ہیں اُسے مکمل داخل بھی کہا جا سکتا ہے، اور دوسرا وہ جو کسی شے کے تشخص کے قیام سے متعلق ہو۔ جیسے بشری لوازمات و ضروریات اسے داخلی راست کنندہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور خارجی وہ جو کسی شخص سے منسوب ہو۔ جو اس اضافت کا مضاف ہو، نسبت قریب کی ہو یا بعید کی، پس اس خارجی مطلوب کی بھی دو قسمیں ہیں، قریب اور بعید، قریب وہ جس کا اُس شے سے قریبی تعلّق ہو اور جس کے ساتھ اس کی قوی طلب بھی جمع ہو جائے۔ اور قرب و اقربیت کے فرق مراتب بہت ہیں۔ جیسے کہ ہر شخص کی محبوب، مرغوب، مطلوب و مخصوص اشیا یا اشخاص میں بہت نمایاں فرق ہوتا ہے اور بعید وہ جس کا تعلق عام ہو اور اس کے ساتھ ضعیف سی طلب بھی شریک ہو۔ اکثر وجوداتِ عالم کی طرح دوری اور دُور ترین کے مدارج میں بھی بے شمار فرق ہیں۔ اور ان مطلوبات تک پہنچانا فقط خداوند تعالیٰ کا کام ہے۔ کیونکہ وجود ہی ہے جو تمام موجودات کو وجود میں لاتا ہے اور قرآن میں آیا ہے کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی اور پھر رہنمائی کی، رب بمعنی پرورش کرنے والے کے ہیں اور یہ اس حقیقی بقا والے کا مرتبۂ رحمت ہے جو عام احسان کرنے والا ہے۔ پس باقی یا زندہ رکھنے کا یہ مرتبہ جو مرتبۂ بقائے ذات کا سایہ ہے یعنی اپنے پرورش پانے والوں کو تخلیق کرنا یعنی ماہیات کو وجود میں پناہ دیتا ہے اور اُس کے بعد مذکورہ بالا مطلوبہ اضافی مراتب تک پہنچاتا ہے۔ وہی ہے جو سب کو زندگی کی سیدھی راہ کی طرف کھینچتا ہے۔ اور ہر لمحہ ہر شے کو اس کا وجودی فیض پہنچاتا ہے۔ جیساکہ قرآن پاک کا فرمان ہے کہ جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے۔ یقیناً میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے۔ اور دابّۃ عبارت ہے اس چیز سے جو زمین پر رینگتی ہے، زمین پر چلنے والوں سے یعنی کہ نہیں ہے کوئی رینگنے والا جانور مگر یہ کہ اللہ اسے پکڑنے والا ہے اس کی پیشانی سے، بے شک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے اور ناصیہ پیشانی کو کہتے ہیں اور زمین پر چلنے والا کوئی بھی امکانی مرتبہ ایسا نہیں جسے حضرت واجب الوجود اس کی چوٹی یعنی

Marfat.com

مطلوب سے بچھڑ جانے والے دوسرے معانی ممکنات کے اختیار میں نہیں، کیونکہ ہر شے کا مطلوب بالذات اس شے کا وجود ہے۔ اور وجود میں نہ لانا یا وجود میں نہ آنا کسی کے اختیار میں نہیں۔ اور یہ امر حقائقِ ممکنہ کے مقتضیات (تقاضوں) میں سے نہیں۔ جس طرح کہ وجود سے ملبوس ہونا اور موجود کرنا بھی کسی کے بس میں نہیں اور یہ معانی امکانی ماہیات کے لوازم سے نہیں۔ ہر موجود کو پیدا کرنے یا مارنے یا ہر مخلوق کی فنا و بقا تو حق تعالیٰ ہی کی قدرت کاملہ سے مختص ہے۔ ممکن بیچارہ تو بذات خود موجود و عدم سے بے بس ہے کیونکہ وہ تو دونوں طرف سے مسلوب الضرورت ہے اور فی نفسہٖ دونوں جانب سے بے اختیار۔ یہ تو وجود مطلق ہے جو کبھی انہیں اپنے مرتبۂ بشرط شے کے ضمن میں لاکر ہست بنا دیتا ہے اور طرح طرح کی شکلوں میں ظاہر کر دیتا ہے۔ اور دوسروں کے لیے قابلِ اشارہ بنا دیتا ہے، اور کبھی اپنے مرتبۂ لاشئے کی شعاعوں میں گم کر کے ناپید کر دیتا ہے اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیتا ہے اور نیست و نابود کی تعبیر کے لائق بنا دیتا ہے۔ ممکنات میں ظاہر ہونے والے ان عدم اور وجود دونوں کو جس ہستی اور نیستی سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ بھی اعتباری ہے حقیقی نہیں۔ وجود حقیقی وجود ہے اور عدم حقیقی عدم ہے اور یہ اعتباری موجودیت اور یہ اضافی معدومیت وجود کے مراتب بشرط شئے اور بشرط لاشئے کے سائے ہیں جو وجود و عدم کے رنگ میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ الحقائق ممکنہ میں سے جسے چاہتا ہے وجود کی طرف رہنمائی کر دیتا ہے اور عدم کی تاریکیوں سے نکال کر وجود کے نور میں لے آتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے اُسے وجودی ڈھانچے سے محروم رکھتا ہے۔ پس یہ اضلال (گمراہی) بھی اسی مطلوب تک پہنچانے والی ہدایت کے معنوں میں حضرت وجود ہی سے مختص ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی ہدایت دینے والا ہے اور نہ کوئی اس کے سوا گمراہ کرنے والا ہے۔ اور جسے وہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ یہاں فاعلی ضمیر کا مرجع اسم اللہ ہے اور اس آیت کی تاویل بھی مذکورہ بالا آیت کے بالمقابل ہے کہ جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ غرضیکہ ہدایت و گمراہی اس حسن و جمال کے عجائبات میں سے ہیں۔ یعنی کہ اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں۔ ہادی و مضل کے متقابل اسماء کے مظاہر ہیں۔ اور لفظ رعنائی سے مراد اسمائے ذات کی اضافی مغائرت اور باہمی تقابل سے ہے جو ذات کے جامع مرتبہ کے ظہور و زیبائی کا باعث ہے۔ اور کثرت کی یہ نمود و نمائش بھی اسی کی وحدت کی شعبدہ بازی ہے کہ

Marfat.com

اس کی واجب بالغیر ہونے کی حیثیت سے پکڑ کر وجود میں نہ لایا ہو۔ بیشک میرا اللہ راہ راست اور صراطِ مستقیم پر ہے۔ اور ہر وجود اسی کے وجود سے قائم ہے۔ پس راستے کا دکھانا اشیا کا ظاہر کرنا ہے جیسی کہ وہ ہیں، جیساکہ حضور سرورِ کائنات (ان پر خدا کا درود وسلام) نے فرمایا کہ اے اللہ مجھے دکھا اشیا کی حقایق جیسی کہ وہ ہیں۔ اور مطلوب تک پہنچانے کا مطلب ہے ان اشیا کو وجود واجب کے رنگ میں رنگنا، جیساکہ فرمایا حضور پاک نے (ان پر خدا کا درود وسلام ہو) اے اللہ دکھا مجھے اشیا کی حقیقتیں جیسے وہ ہیں۔ اور اے اللہ تو نے میری تخلیق کو اچھا بنایا ہے میرے خلق کو بھی اچھا بنا۔ پس چاہیے یہ کہ ہدایت پر قیاس کرتے رہے۔ گمراہی کے بھی دو معانی ہیں۔ ہر چند کہ یہ ایک نیا نکتہ ہے۔ جس پر آج تک کسی نے گفتگو نہیں کی۔ لیکن اگر انصاف سے کام لو تو ہے بڑا عمدہ اور معقول۔ یعنی جب ہدایت اور گمراہی میں ٹکراؤ ہے اور وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں تو پھر ہدایت کے دو پہلوؤں کے مقابلے میں گمراہی کی دونوں حیثیتوں کا ذکر بھی ہونا چاہیے تاکہ پورا پورا تقابل و توازن ہو سکے۔ ایک حیثیت تو راہ نہ دکھانے اور حقیقت کے نظر نہ آنے کی ہے اور وہ تمام گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کو حاصل ہے، جو حقیقت کے انکشاف کے لیے ہدایت دینے اور راہ دکھانے والے معانی کے بالمقابل ہے۔ اور سارے عارفانِ ذات کا عام کام ہے۔ اور دوسری حیثیت اس کی مطلوب تک پہنچنے کے سلسلے میں۔ بچھڑ جانے کی ہے، جو ہدایت کے مطلوب تک پہنچانے یعنی وصال ذات والے معنوں کے بالمقابل ہے۔ اور یہ حق تعالیٰ ہی سے مختص ہے۔ اور مطلوب تک پہنچنے سے روکنے یا بچھڑ جانے والی گمراہی یعنی مسلوب الوجود ہو جانا بھی اسی کی خاص گمراہی سے متعلق ہے جیساکہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہدایت متعدی معنوں میں ہے اور باب افتعال سے اہتدا لازم معنوں میں بھی آتا ہے اور ضلالت لازم معنوں میں ہے اور اس کا متعدی اضلال ہے جو بابِ افعال سے ہے۔ پس اصل مقابلہ ہدایت اور اضلال میں ہے اور اہتدا کا بالمقابل ضلالت ہے لیکن متن میں ہدایت پر قیاس کرتے ہوئے ضلالت کی جو دو حیثیتیں بیان کی گئیں وہ اس کے معروف معانی کے لحاظ سے ہیں کیونکہ ہدایت اور ضلالت کا توازن و تقابل کہتے سنتے میں عام مشہور اور رائج ہے۔ حق بات یہ ہے کہ ضلالت کی جن دو حیثیتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہدایت کے دو معانی کے مقابلے میں ہے لیکن

Marfat.com

اعداد کا ذکر بھی وجود واحد کی کثرت کے ظہور کا باعث ہے اور نمود کثرت کو ہم نے شعبدہ بازی میں اس لیے تعبیر کیا، کہ خارج میں کثرت موجود نہیں ہوتی۔ خارج میں موجود تو واحدات ہیں، بلکہ واحد کیونکہ واحدات کے مفہوم میں کثرت موجود نہیں ہوتی۔ خارج سے بھی تو کثرت ہی سمجھ میں آتی ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو، یہ دقیق بات ہے۔ تفصیل سے اجمال (اختصار) کی طرف آؤ، یعنی کثرت سے وحدت کی طرف لوٹو اور اپنے آپ کو دیکھو کہ تمھاری اپنی ذاتی وحدت سے ایک پوشیدہ راستہ حق تعالیٰ کی ذاتی وحدت کی طرف جاتا ہے۔ تاکہ تو قرب کے خوانِ نعمت سے محروم نہ رہ جائے۔ اور جلد ہی مطلوب تک پہنچ جائے اور اپنے آپ کو دُوری کے بیاباں میں ہلاک نہ کر ڈالے اور اعتبارات موہومہ میں پھنس کر خراب حال نہ ہو اور ضلالت کے گڑھے میں نہ جا گرے۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اللہ تعالیٰ ہی پروردگار ہیں۔ پس جو اپنے نفس پروری کی کیفیت کو اپنی پرورش سمجھ لے گا تو وہ اسی وقت سمجھ جائے گا کہ میرا رحم کرنے والا رب میری پرورش پر میری نسبت بھی زیادہ متوجہ ہے۔ بلکہ میرا یہ نفس بھی اسی کی ربیّت کا مظہر ہونے کے سبب سے میری پرورش میں یوں مصروف ہے۔ پس میں ہی اپنے رب کا آئینہ دار ہوں، اور وہی ہر وقت میرے پیشِ نظر ہے۔ رباعی:

عمریست کہ چوں زلف پریشان خودیم
چون غنچۂ گل سر بگریباں خودیم
تا جلوۂ یار جلوہ گر شد در ما
آئینہ صفت ہمیشہ حیران خودیم

ترجمہ رباعی: اک مدت گزر گئی کہ ہم محبوب کی زلف پریشاں کی طرح اپنے معاملات کی موشگافیوں میں حیران و سرگرداں ہیں۔ اور گلاب کے غنچے کی طرح سر بگریباں ہیں، یعنی سوچ بچار میں گم ہیں۔ جب سے حسنِ دوست میرے باطن پر جلوہ افروز ہوا میں آئینے کی طرح حیران ہوں۔ (مصنف خود رباعی کی تلمیحات و کنایات کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ) مدتوں سے حقیقت کی دریافت کا سودا ہمارے دماغ میں سمایا ہوا ہے۔ معشوقوں کی زلفِ پریشاں کی طرح ہم اپنے معاملات کی موشگافیوں میں پریشان رہے۔ اور اسی پریشانی کے عالم میں ایک عدد خوبی پیدا کر لی اور پھول کے غنچے کی طرح ہم

Marfat.com

نے سرِ تفکر خود شناسی کے گریبان میں جھکا دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ جب سے کشفِ حقیقت کے جلوے نے ہمارے باطن میں ظہور فرمایا اور اُس ذات سبحانہ نے خاص تجلّی فرمائی تو ہم اپنے کاروبار میں آئینے کی طرح حیران ہیں، یعنی اپنے آپ کو بالکل سادہ و صاف و شفاف پاتے ہیں۔ اور ان تمام حقائق و معارف اور اسرار و رموز کے انکشافات کو اُسی کی خصوصی توجہ اور خاص عنایت سمجھتے ہیں جو اُس نے اس بندۂ ناچیز کے حال پر مبذول کی اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مختص کر دیتا ہے۔

Marfat.com

هُوَالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو حمد کے لیے حقیقت ہے اور قبول کرنے کا اہل ہے۔ اور درود و سلام ہو اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ہدایت دینے والے ہیں مضبوط راستے کی طرف، اور آپ کی آل پر اور اصحابؓ پر جو اہل تحقیق و تصدیق ہیں۔ اما بعد یہ سڑسٹھواں (۶۷) باب ہے جو غایت المحققین کے نام سے موسوم ہے۔ غایت الامر سے مراد اس کی انتہا اور تحقیق یعنی امر حق کو واقعتاً حق بنانا اور حکم ثابت کا اظہار نفس امر میں اور مسئلے کا اثبات اس کی دلیل کے ساتھ اور اُس کی حقیقت سے آگاہ کرنا۔ جب کہ وجود موجودات کا منتہی ہے باعتبار اُس کی طرف رجوع کرنے کے علل اور معلولات میں سے ہر ایک کا۔ اور عدم ذاتی طور پر ممکنات میں سے ہے اور نئی پیدا ہونے والی فانی چیزوں کی غایت برابر ہے چاہے وہ بالذّات حادث ہو یا بالزّمان۔ اس اعتبار سے کہ اس کا میلان ہے زمانے کے ختم ہونے کی طرف، یا اس کی صورت نوعیت کے تغیر کی طرف یا فنا جو کہ ذاتی طور پر ہے اس کے اندر۔ پس اس باب کو موسوم کیا گیا ہے۔ اس اسم سے بلحاظ بیان تحقیق وجود و عدم اور ان دونوں کے مراتب کے اس کے اندر انتہائی تدقیق کے ساتھ۔ اور توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

Marfat.com

وجود و عدم کے تقابل و توازن کے بیان اور
والد بزرگوار کی نالۂ عندلیب نامی کتاب مستطاب کے بعض مطالب کی شرح کا باب

تمام مفہومات کے ظہور کا منبع اور مبدا موجودات کے وجود کا مبدا یہی وجود و عدم کی تقابلی حیثیت ہے۔ کیونکہ جب کسی چیز کی ماہیت کا تصور کیا جاتا ہے۔ تو بے اختیار اسی حقیقت کی دونوں جانب سے دو حکمی نسبتیں برپا ہو جاتی ہیں۔ عدم و وجود اپنی تقابلی نسبت سے اس امر معقول کو تصدیقی معنی کی طرف سے اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ اور یہ ماہیت میں اس مقولہ کہ وہ موجود ہے یا نہیں موجود کے صادق آنے کی قابلیت جلوہ گر ہوتی ہے۔ پس اگر ماہیت میں معنی وجودی ثابت اور عدمی معنی مسلوب ہوں تو تصدیقی معانی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ وہ واجب ہے اور واجب الوجود میں بس ظاہر ہوتی ہے اور منکشف ہوتی ہے حقیقت واجبیہ بلند رتبہ اور پاکیزہ۔ اور اگر اس ماہیت میں وجودی اور عدمی معنی دونوں معانی کا احتمال ہو تو تصدیقی معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ ممتنع ہے اور لازم العدم ہے۔ اور اگر اس ماہیت میں امکان عدم سمیت اس وقت وجود پایا جائے تو اطلاق آتا ہے کہ عدم کی ماہیت بالفعل حکم کے وجود کے امکان کے ساتھ۔

اور علی ہذا القیاس وجود و عدم کے اس تقابل کے ضمن میں تمام موجودات ظاہر اور جملہ مفہومات فہم میں آتے ہیں۔ تمام مسلبی (منفی) تصدیقات عدم مطلق کے معنی کے تحت داخل ہیں اور اعتباری عدموں میں شمار ہوتے ہیں اور ساری ایجابی (مثبت) تصدیقات وجود مطلق کے معانی کے تحت میں داخل ہیں اور اضافی وجودوں میں شمار ہوتے ہیں۔ نفس الوجود کا تصور یہی نفس الوجود کی تصدیق ہے اور تصور اور تصدیق اس مرتبے میں اکٹھے ہیں۔ اور تصدیق معنیٔ وجودی اس لیے کہ وہ موجود ہے اور داخل ہے اس مرتبے میں چیز کی شرط کے ساتھ۔ اور موجود کے وجودی معنی کی تصدیق۔ اور تصور و تصدیق یہاں بھی اکٹھے ہیں اور تصدیق کے معنی عدمی ہیں۔ اور وجود کے مرتبۂ بشرط شے کے مرتبے میں داخل ہیں اور نفس العدم کا تصور یہی نفس العدم کی تصدیق ہے اس کے مرتبۂ لاشے کے ساتھ اور معدوم کے عدمی معانی کی تصدیق مرتبۂ لاشے وجودی کی طرف کھینچتی ہے اور تمام اعتباری نسبتیں اور اضافتیں اور اضافی تصدیقیں اور تصورات ایک جانب سے دوسری جانب کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہیں اور وجود و عدم کے تقابل کی بنا پر ایک طرف سے دوسری طرف کے برعکس شمار ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایجاب موجبات سے سلب

Marfat.com

ہوجاتا ہے اور وجود کے تحت گنا جاتا ہے۔ اور سلب مسلوبات کا ایجاب ہے اور عدم کے تحت داخل ہے۔ اور عدم کے دونوں تصور معدوم ہیں۔ تصورات وجودیات سے اس کے ساتھ کہ وہ نہیں ہیں موجودات میں سے اور وجود کے دونوں تصوّر معدوم نہیں ہیں۔ عدمی تصورات میں سے اس کے ساتھ کہ وہ معدومات میں سے نہیں ہیں اور عدم کا تصور کیونکہ وہ موجود نہیں ہے۔ عدمی تصوّرات میں سے عدم کے معدوم ہونے کے ساتھ اور تصوّر وجود کے ساتھ کیونکہ وہ موجود ہے موجودات کے تصورات میں سے، وجود کے موجود ہونے کے ساتھ، اور وجودی وہ ہے کہ نہیں ہوتا سلب ایک جُز اس کے مفہوم میں سے چاہے وہ موجود ہو یا نہ۔ اور عدمی میں نہیں ہوتا سلب اس کا جزو اس کے مفہوم میں سے برابر ہے کہ وہ معدوم ہو یا نہ ہو۔ پس یہ نسب اور اضافات اور موجودات و معدومات سب کے سب اعتباری ہیں اور نہیں ہوتے مرتبۂ علم میں اُس کے تقابل کی حیثیت سے اور شمار کیے گئے مختلف متقابل مراتب میں لطافت اور کثافت اور بلندی و پستی وغیرہ اُن کے متحد ہونے کے ساتھ ایک مرتبے میں وجود سے، کیونکہ وجود جو کہ واحد ہے اپنے حدِ نفس میں نہیں زیادہ ہوتا ان حیثیات کی کثرت سے جیسے کہ میں نے وضاحت کردی ہے فارسی رباعی میں متن کے اندر۔

رباعی: هر پست و بلند واقف رازهم ست
چون زیر و بم ساز بآواز هم ست
این نغمہ ظهور از تقابل دارد
هستی و عدم زمزمہ پرداز هم ست

ترجمہ رباعی: ہر پست و بلند (ہر اعلیٰ و ادنیٰ) راز سے واقف بھی ہے اور اونچے نیچے سروں کی طرح ہم آواز بھی ہے۔ ظہور عالم کا یہ نغمہ (تمام موجودات) اپنے اندر تقابل کا راز چھپائے ہوئے ہے اور زندگی و موت (وجود و عدم) باہم زمزمہ پرداز بھی ہیں۔ (اب مصنف کی اپنی وضاحت ملاحظہ کیجیے)۔ پست و بلند سے مُراد اس اعتباری موجودات کے ادنیٰ اور اعلیٰ مراتب ہیں۔ اور ایک دوسرے کے واقف راز ہونے سے مراد حضرت وجود کے معنوی اشتراک اور گھل مل جانے سے ہے کیونکہ وہ فی نفسہٖ معنیً واحد ہوتے ہوئے تمام موجودات میں جلوہ گر ہے۔ ساز کے اونچے نیچے سروں کی مثال سمجھانے کے لیے لائی گئی ہے۔ یعنی جس طرح یہ اونچے اور نیچے سُر آواز کی اُونچ نیچ کے

Marfat.com

اختلاف کے باوجود ہم آواز ہوتے ہیں۔ اسی طرح موجودات کے اعلیٰ و ادنیٰ مراتب مختلف اعتباری مراتب کے باوجود ایک ہی وجودی مرتبے میں جمع ہیں۔ ظاہر میں کثرت ہے اور حقیقت میں وحدت۔ اور لفظ "این نغمہ" سے مراد عالم کی تمام موجودات ہیں اور حاصل مقصد یہ کہ تمام عالم اور پھر اس کے ہر فرد کا ظہور متقابل اشیاء کے تقابل کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اشیا اپنی ضدین سے جانی پہچانی جاتی ہیں۔ اور ہستیٔ موہوم کا مرتبہ جو تمام اشیا کے ایجاب اور سلب کا اصل مبدا ہیں، ہم زمزمہ پرداز ہیں۔ یعنی باہمی اعتبار کی راہ سے متمیّز نہیں کیونکہ عدم کا مفہوم اپنے متقابل وجود کے تصوّر سے سمجھ میں آتا ہے ورنہ بذاتِ خود عدم نہیں۔ اور عدم کے مفہوم کے تصور کے اعتبار سے وجود کا مفہوم موجود کی صورت میں معلوم ہوتا ہے ورنہ بذاتہ وجود، وجود ہے موجود نہیں۔ پس وجود کی یہ موجودیت جو اس کے ظہور کا مرتبہ ہے عدم کی معدومیت کے لحاظ سے ظاہر ہے اور عدم کی معدومیت جو موجودیت کے مفہوم کا الٹ ہے وجود کی موجودیت کے تقابل سے معلوم ہوتی ہے اور یہ حکم جاری و ساری ہوا معدوماتِ اعتباریہ اور موجوداتِ اضافیہ کے تمام مراتب میں۔ اور ظاہر ہے اور متمیّز ہوتا ہے تقابل سے، پس ہم تقابل کے قسموں کو بیان کرتے ہیں۔ تقابل کی چار قسمیں ہیں اور محدود کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں متقابل اگر ان میں سے ایک ہو سلب کرنے والا دوسرے کے لیے۔ پس اگر اعتبار کیا جائے سلب میں قابل کے مقام کو اس وجہ سے جو اس سے منسوب کیا گیا ہے سلب میں سے جمع کے اندر۔ پس ان دونوں میں تقابل ملکہ ہے اور عدم ہے، اور اگر ایسا نہیں تو پھر تقابل سلب و ایجاب ہے۔ اور اگر نہیں ہوتا ان میں سے کوئی ایک سلب کرنے والا دوسرے کو پس اگر ان دونوں میں سے ایک کو عقل میں لانا چاہتا ہے قیاس کر کے دوسرے پر پس قابل تضائف ہے ورنہ تضاد۔ پس جہاں کہیں دو امور ہیں۔ تقابل پایا جائے گا ان چار قسموں سے باہر نہ ہوگا۔ دہر اتقابل۔ تضاد و عدم۔ ملکہ، ایجاب (مثبت و منفی) اس کی تقسیم کا فرق اور اس کے انحصار کی وضاحت یوں بھی کی جاتی ہے۔ کہ تقابل انہی اقسام پر منحصر ہے۔ کیونکہ متقابل طرفین یا وجودی ہوں گے یا نہ ہوں گے یعنی وہ دو امر جن میں باہم تقابل ہے۔ وہ دونوں وجود رکھتے ہیں یا اُن میں سے ایک امر وجودی ہوگا اور دوسرا امر عدمی۔ پس پہلے اندازے پر یعنی دونوں امور وجودی ہوں اگر ایک کا دوسرے پر قیاس سے اندازہ کیا جائے یعنی کہ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کا تصور کرو تو دوسرا امر بھی اس کے ساتھ ضرور مقصود ہوگا۔ اور ہر ایک کا تصوّر

Marfat.com

دوسرے پہ موقوف ہوگا۔ لہذا ایسے متقابل امور دُہرا تقابل رکھتے ہیں جو ایک دوسرے کی نسبت سے ممتاز ہیں جیسے پدری اور فرزندی تقابل کہ بیٹے کا تصوّر باپ کے تصوّر کے بغیر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اور نہ ہی باپ کا تصوّر بیٹے کے بغیر ذہن میں آسکتا ہے۔ یعنی جس طرح باپ کا لفظ باپ کی ذات پر دلالت کرتا ہے اُسی طرح بیٹے کے وجود پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ اور بیٹے کا لفظ جس طرح بیٹے کی ذات پر دلالت کرتا ہے اسی طرح باپ کے وجود پر دلالت کرتا ہے، اور وہ دونوں تصوریں لازم ہیں۔ اور ان میں سے ایک کا تصور دوسرے سے الگ نہیں ہوتا کبھی بھی اور ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے۔ بیٹے کی باپ سے اور باپ کی بیٹے سے عجیب رفاقت (ساتھ) ہے۔ کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصوّر بھی ممکن نہیں۔ خداوند جب باپ بیٹے میں اتنی رفاقت ثابت ہے تو اُمید واثق بلکہ یقین ہے کہ تو مجھ گنہگار کو قیامت کے دن بھی میرے والد بزرگوار سے جدا نہ کرے گا۔ اور اُنھیں میری ولدیت کی کنیت ابوالمیر در دسے مخاطب کرے گا، اور مجھے ابن الامام ناصر کے خطاب سے نوازے گا اور ان کی حمایت کے سائے میں میری تقصیروں کو اپنے عفو کے دامن میں چھپالے گا بلاشبہ تیری ربوبیت کی رحمت شفقت پدری کی طرح جوش زن ہوگی، کیونکہ پروردگار اور پرورش پانے والے میں وہی دُہری نسبت ہے۔ پس معاملے کی سفارش یہ ہے کہ عزت کر میرے نیک بچوں کی اللہ کے لیے اور جو طالح ہیں ان کی میری وجہ سے، اور اس حدیث کی برکت کہ فاطمہؓ میرا جگر گوشہ ہے تمام بنی فاطمہ کے شامل حال ہوگی۔ اور اس مرتبۂ الوہیت کی بندہ پروری اور بندہ نوازی ظہور پذیر ہوگی جو ستّر مہربان ماؤں سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ اور خدا نے چاہا تو رسول کریمؐ (ان پر خدا کا درود و سلام) اور ان کی آلؑ کرام اور صحابہؓ عظام کے طفیل عجیب رحمت کا دروازہ کھلے گا۔ قصّہ کوتاہ، ہم پھر اصل مطلب کی طرف پلٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر متقابل وجودی امور میں مذکورہ بالا نسبت پائی جائے تو وہ متضائفات ہیں (دوہری نسبت والے) جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ورنہ متضاد ہوں گے۔ یعنی اگر ہر اکائی کی سوچ یا سمجھ دوسرے سے متعلق نہ ہو تو وہ متضاد ہیں جیسے کہ سیاہ و سفید کا تقابل، کیونکہ سیاہی و سفیدی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دونوں امر وجودی ہیں، لیکن ایک کی سوچ سمجھ دوسرے پہ نہیں۔ سیاہ بھی رنگ ہے اور سفید بھی ایک الگ رنگ ہے۔ اور یہ دونوں متضاد ہیں یعنی ایک دوسرے کی ضد، اور دوسرے یہ اس کی لپیٹ پہلے اندازے پہ ہے۔ جو ان دونوں وجودی امور پہ ہے یعنی دوسرے اندازے پر جو

Marfat.com

امر وجودی کے متقابل نہ ہونے پہ ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک وجودی ہو اور دوسرا عدمی ۔ لیکن اعتبار کیا جاتا ہے عدمی میں کوئی قابل مقام وجود کے لیے، جیسے کہ اندھاپن اور بصارت (بینائی) کیونکہ اندھے پن میں بصارت کا نہ ہونا ہے پھر بھی بصارت کے لیے ایک قابل مقام ہے جو کاسۂ چشم ہے یعنی جس کی عظمت بصارت ہے وہ موجود ہے۔ پس یہ تقابل عدم و ملکہ ہے اور لفظ عدم سے مراد امر وجودی ہے اور اسی لحاظ سے اس تقابل کو عدم و ملکہ کہتے ہیں۔ جیسے کہ حرکت اور سکون کا باہمی مقابلہ ہوتا ہے۔ کیونکہ سکون عدم حرکت ہے اور اس کی شان میں سے یہ ہے کہ وہ ہو متحرک ۔ عدم و ملکہ کی یہ دوسری تقابلی مثال ہے۔ جس طرح کہ اندھے پن اور بینائی کی مثال بھی اسی تقابل کے لیے ہے۔ ورنہ اگر عدمی میں وجود کے لیے کوئی قابل مقام نہ ہو تو یہ ایجابی و سلبی تقابل ہے یعنی مثبت و منفی ۔ جیسے وجود و عدم کا تقابل کہ وجود مثبت معانی میں ہے اور عدم منفی معانی میں۔ یہ سمجھ لو کہ متقابل اشیاء میں یا تو قولی تقابل ہو گا اور یا ذاتی تقابل۔ اور دو متقابل وہ ہوتے ہیں جو نہیں ہوتے اکٹھے کبھی بھی چاہے وجود و تحقیق کے اعتبار سے یا حمل اور صدق کے اعتبار سے ایک چیز میں۔ یعنی پہلے اعتبار سے موضوع یا دوسرے اعتبار سے حمل ایک سمت سے۔ پس جن میں قولی تقابل ہو گا وہ مثبت اور منفی تقابل ہے۔ ایجاب عبارت ہے موصوف کے لیے صفت کے اثبات سے اور سلب عبارت ہے موصوف کے لیے صفت کی نفی سے، اور جو لوگ تخصیص کرتے ہیں صدق و کذب کے تقابل کی اور ایجاب اور سلب کے تقابل کی، جو تناقض سے موسوم ہے اور کبھی کبھی اُس کا اطلاق ہوتا ہے ان چیزوں پہ جو قضایا کے درمیان ہوں - اور اُس کے ساتھ متقابل کے اجتماع کا امتناع لازم ہوتا ہے سچائی اور جھوٹ کے لحاظ سے، اسی معاملے میں جیسے "زید فرس" (زید گھوڑا ہے) اور نہیں زید فرس یعنی گھوڑا۔ اور کبھی کبھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اس چیز پر جو مفردات کے درمیان ہوتی ہے، اور وہ ہے جو مفہوم اور اُس کے اٹھا لینے میں ہے اس کے نفس میں سے جیسے کہ فَرسیت (گھوڑا ہونا) ہے، اور جیسے افرسیت (گھوڑے کی صفت کا مسلوب ہونا) شیخ بوعلی سینا نے کتاب الشفا میں کہا بیشک دو متقابل چیزیں ایجاب و سلب کے ساتھ نہیں متحمل ہوتیں صدق و کذب کی، پس یہ بڑی آسان چیز ہے جیسے فرسیت اور افرسیت وگرنہ وہ مرکب ہے جیسے ہمارا کہنا کہ "زید فرس" و "زید لیس فرس" ۔ بیشک ان دونوں معنوں کا اطلاق ایک موضوع پہ ایک زمانے میں محال ہے۔ اور ایجاب و سلب کے احکام میں سے یہ بات

Marfat.com

ہے کہ اُن کا تقابل محقق ہوتا ہے ذہن میں یا تلفظ میں خارج کو چھوڑ کر اور وہ ہوتا ہے ضمیر میں وجود میں نہیں، کیونکہ تقابل نسبت ہے اور تحقیق نسبت جو ہے یہ فرع ہے۔ نسبت دیے جانے والوں کی تحقیق کی اور ان نسبت کیے جانے والوں میں سے ایک قسم سلب ہے اور مسلوب عقلی اعتبارات کو کہا جاتا ہے، اور اس کی لفظی تعبیریں ہیں اور ان دونوں کے درمیان نسبت میری مراد ہے تقابل کہ عقل کے اعتبار میں ہوتا ہے نہ کہ واقعتاً۔ اور جن میں ذاتی تقابل ہوگا اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ تضاد جو کہ ضدین میں پایا جاتا ہے، اور دونوں تضاد وجودی چیزیں ہیں جن میں سے ہر دوسرے کے منافی ہے اور وہ اس کے گرد نہیں گھومتا اور دونوں قسمیں متضاد ہیں اور دونوں وسط والے اور وسط نہ والے ہیں۔ پس دو وسط سیاہی اور سفیدی کی مانند ہے۔ جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور ان کے درمیان واسطے ہیں رنگوں کے جیسے سرخی اور زردی وغیرہ، جیسے شیرینی و تلخی کہ ان کے درمیان بھی دیگر ذائقے ہیں مثلاً ترشی، پھیکاپن اور خوش مزگی وغیرہ۔ اور جن میں وسط نہ ہو جیسے صحت اور بیماری ان لوگوں کی رائے کے مطابق جو ضعف و ناتوانی کو تیسری حالت نہیں سمجھتے اور یکساں ہے کہ متضاد امور میں دوری کی انتہا ہو، اور اختلاف جیسے کہ سیاہی و سفیدی میں یا ایسے نہ ہو جیسے کہ سرخی اور زردی میں اور کبھی کبھی ہوتا ہے ضدوں میں ایک لازماً تعیین کے ساتھ موضوع کے لیے جیسے سفیدی برف کے لیے اور سیاہی تارکول کے لیے اور کبھی کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ اور اس صورت میں یا تو مانع ہوتا ہے جگہ کا خالی ہونا ان دونوں سے، جیسے صحت اور مرض انسان کے لیے یا ممکن ہوتا ہے جیسے بوجھل پن اور ہلکاپن فلک کے لیے۔ اور یہ ضدین کی خاصیت میں سے ہے کہ اگر ان دونوں میں سے ایک جسم ہو تو دوسرا بھی جسم ہی ہوگا اور اگر ان میں سے ایک روحانی ہو تو دوسرا بھی روحانی ہی ہوگا۔ اور ان کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک کا ادراک حواس سے ہوسکتا ہے تو دوسرے کا ادراک بھی حواس ہی سے ہوگا۔ مثلاً سیاہی جسم کے بغیر نہیں ہوسکتی اور آنکھ کے بغیر اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح سفیدی کا معاملہ ہے۔ اور علم نہیں ہوتا سوائے نفس کے اور عقل کے بغیر اس کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ اور یہی حال جہالت کا ہے۔ اور ایک ہے دوہرا تقابل ان اشیا میں جو مضاف و مضاف الیہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے اضافت دی جاتی ہے۔ اور دو مضاف جو متقابل اور وجودی ہیں اور ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے کے

Marfat.com

گرد گھومتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا ادراک کیا جاتا ہے۔ ایک کی نسبت دوسرے کے ساتھ کر کے جیسے کہ ابوت اور بنوّت (باپ اور بیٹا ہونے میں) ہے۔ اور ایک عدم ہے اور ایک ملکہ، اور یہ دو ایسے معاملے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک وجودی ہے اور دوسرا عدمی ہے۔ یعنی عدمی اسی وجودی کے لیے برابر ہے۔ جیسے کہ اُس کی شخصیت اس کے وقت میں جیسے کھودے کی داڑھی کا نہ ہونا شروع میں اس کے وقت میں ایسے ہے جیسے اس کا معدوم ہونا اس سے یا اس کی نوع کے مطابق جیسے اس کا معدوم ہونا عورت یا اس کی جنسِ بعید سے جیسے اس کا معدوم ہونا درخت سے لیکن ان دونوں میں اعتبار کیا جاتا ہے موضوع کا جو اس وجود کے قابل ہو اور ملکہ کا نہ ہونا تحقیق کے حصے میں سے ہے، اس اعتبار سے کہ معاملے کا عدم جو ہے وہ اس کے لیے موجود ہے جو القیاس کے قابل ہے اس عدم کے مقابلے میں اور یہ مقدار تحقیق اعتباری میں کافی ہے۔ خارج میں تحقیق نسبت میں بے شک ہر چیز کے لیے موجود میں ایک مرتبہ ہے اور وجود میں نسبت کا مرتبہ نکالا ہوا ہوتا ہے امور متحققہ میں سے خارج میں یعنی جیسے کہ تھا محقق میں سے اور عدم اور ملکہ کی مشابہت ہے ضد اور مضاف کے ساتھ ان دونوں کی اور وہ یوں کہ عدم جو ہے منسوب کیا جاتا ہے قینیہ اور عینیہ کی طرف اور نہیں منسوب کیا جاتا عدم کی طرف، پس کہا جاتا ہے نگاہ اندھی ہو گئی اور نہیں کہا جاتا کہ اندھے پن کی نگاہ اور یہ دونوں نہیں جمع ہوتے جس طرح کہ دو ضدّین جمع نہیں ہوتیں۔ عدم و ملکہ کی بھی خاصیت ہے کہ اگر ان دونوں میں سے ایک جسمانی ہو تو دوسرا بھی جسمانی ہو گا۔ اور اگر ان میں سے ایک روحانی ہو تو دوسرا بھی روحانی ہو گا۔ اور تضاد اور ملکہ و عدم دونوں کی جو تفسیر یہاں کی گئی ہے وہی ہے جو فلسفیوں نے علم میزان و قانون میں بیان کی ہے۔ لیکن اعتبار اس کا الٰہیات پہ رکھا ہے۔ اور ان میں سے ہر واحد (اکائی) میں دوسری شرط (قید) بھی ہے کہ ضدّین میں انتہائی دوری ہو اور ملکہ و عدم میں عدمی وجود کی نفی کرے۔ اس کی شان میں سے یہ ہے کہ وہ ہوتا ہے اس وقت جیسے کہ داڑھی کا نہ ہونا کھودے سے بغیر معدوم ہوتے معاملے سے۔ پس تضاد و عدم و ملکہ کی ہر اکائی پہلے معنوں میں عام ترین ہے۔ اور دوسرے معنوں میں ہر اکائی میں مقید عموم مطلق ہے اور فرق یہ ہے کہ تضاد مطلق عام فلاسفروں میں مشہوری کے نام سے موسوم ہے۔ اور مقیدّ حقیقی کے نام سے موسوم ہے کہ وہ ان کے حقیقی عدم میں معتبر ہے۔ اور ملکہ و عدم کے تقابل کا فرق اس کے برعکس ہے کہ وہاں مطلق کو حقیقی سے موسوم کرتے ہیں اور مقیدّ کو مشہوری کے نام سے، یہ ساری تقریر تقابل کی توازن کی تقریب کے ضمن میں حیطۂ تحریر میں آئی اور وہ تمام بحثیں اسی کے ذیل میں فائدہ کی بنا پر

Marfat.com

لکھی گئیں، ورنہ ذاتی طور پر مقصود صرف وجود و عدم کا تقابلی بیان اور ان کی حیثیتوں اور مرتبوں کا اظہار تھا۔ بلکہ اس اثبات سے بھی ایک دوسرے مطلب اور مدعا کی وضاحت و صراحت تھی۔ پس کہا یہ جاتا کہ جس طرح وجوب وجود کی عین حقیقت اور اس کا واجب بالذات ہے اسی طرح عدم کی ماہیت کا عین امتناع ہے اور عدم فی ذاتہٖ ممتنع ہے کیونکہ وجود اور وجوب اپنی موجودیت اور وجوبیت کے مراتب کے لحاظ سے جو اُن کے کھینچے جانے کا مبدا ہیں ایک دوسرے کی عین بھی ہیں اور ایک دوسرے سے متمیّز نہیں۔ بلکہ دونوں لفظوں کے معانی ایک ہی ہیں۔ وہی وجود ہی ہے جو خود وجوب ہے اور وہی تمام کا تمام وجود بھی ہے۔ اور لفظ واجب بالذات کا اطلاق جناب باری تعالیٰ پر اس کے ذاتی وجوب اور ذاتی وجود کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ ان ہر دو اعتباری حیثیتوں کے امتیاز کے اعتبار سے جو حضرت وجود کی ذاتی شانیں ہیں اور وجود و وجوب کے الفاظ اپنے مصدری معنوں کے لحاظ سے وجود حقیقی کے مرتبۂ نسبت و اضافت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور کون و مکان کے معانی پر مشتمل ہیں جو کھینچنے والا امر ہے۔ اور عدم کا مفہوم اور امتناع بالذات کا مفہوم جو نفس الوجود اور وجوب بالذات کے مقابل ہے اپنے اسی مفہومی مرتبے میں ہے، اور وہ اعتباری ممتنعات کی ماہیتوں کا مضاف نہیں اور ان محالات کو اضافی امتناع لاحق ہو جاتا ہے، اور اس عدم کے مفہوم کا سایہ اور امتناع مطلق ہیں جو معدوم و ممتنع کے کھینچے جانے کا مبدا ہے۔ اور امکانی حقیقت جو مفہوم سے زیادہ اور کچھ نہیں دونوں طرف سے مسلوب الضرورت ہے اور ذاتی طور پر وجود و عدم کے کسی امر کا تقاضا نہیں کرتی۔ موجودیت اس میں وجود کے وجوب کے ضمن میں ظاہر ہوتی ہے جو وجود ظلّی ہے۔ اور معدومیت اس میں اضافی امتناع کے لاحق ہونے کے باعث ظاہر ہوتی ہے جو عدم حقیقی کا سایہ ہے۔ ورنہ ماہیت فی نفسہٖ نہ موجودیت کے قابل ہے اور نہ معدومیت کے لائق۔ ہر چند کہ وجود و عدم کے درمیان کوئی واسطہ نہیں لیکن گویا کہ وسطی حد میں فرض کیا گیا ہے۔ واسطہ اسے کہتے ہیں جو امور کے بین بین (درمیان) ہو لہذا امکانی حقیقت وجود و عدم سے مرکب نہیں کہ وہ واسطہ شمار ہو سکے۔ عدم عدم ہے اور وجود وجود ہے ان میں باہمی ترکیب کا کیا دخل۔ لیکن چونکہ امکانی مفہوم میں اس کی اپنی ذاتی ضرورت طرفین کی نفی کا تصور کیا جاتا ہے تو اس کے مقابل میں طرفین میں اضافت کا اثبات بھی متصوّر ہو جاتا ہے اگرچہ ذاتی طور پہ نہ ہو۔ اور طرفین کی ہر اکائی کسی سبب سے دوسری سے لاحق ہو جاتی ہے لہذا

Marfat.com

اس کی قابلیت کے لحاظ سے وجوب بالغیر اور امتناع بالغیر کو وسطی حد میں فرض کیا گیا کہ وہ دونوں طرف کی تجلّی گاہ ہے۔ اور طرفین کی مناسبت کے باعث ظہور کا شیشۂ مرتبۂ وجود ٹھہرا اور مفہوم کے انکشاف کی علّت عدم ہوئی۔ اور حضرت وجود موجودات میں ظاہر ہوا اور عدم کا مفہوم ممکنات میں پایا گیا، پس امکانی حقیقت وجود و عدم کی آئینہ دار ہے۔ اور موجودیت کے وقت وجوب و وجود کے فیض کے باعث "ہست" دکھائی دیتی ہے۔ اور معدومیت کے وقت عدم و امتناع کے لاحق ہونے کے سبب "نیست" ہو جاتی ہے۔ اور فی الواقع سوائے وجود کے اور کچھ نہیں اور عدم کے سوا اور کوئی معدوم نہیں اور یہ اعتباری موجودات و معدومات اضافی مشہودات اور مفہومات ہیں جنھوں نے اپنے معلومہ مراتب سے قدم باہر نہیں رکھا۔ جس طرح موجوداتِ ممکنہ کے حقائق واجب بالغیر ہیں، اسی طرح ماہیاتِ معدومہ بھی ممتنع بالغیر ہیں۔ کیونکہ اُنھیں وجوب سے نسبت پانے کی بنا پر وجود حاصل ہوتا ہے اور امتناع کے لاحق ہونے سے عدم لاحق ہو جاتا ہے۔ اور وجود و عدم کے معانی امکان کے مفہوم سے جدا ہیں لہٰذا امکان طرفین کی تجلّی کا مرتبہ ہے، جیسے کہ جان لیا۔ اور امکان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خاص اور ایک عام، اگرچہ خصوصی لحاظ سے حقیقتِ ممکنہ سے مختص ہے کیونکہ امکانِ خاص جو طرفین کی سلبِ ضرورت ہے ممکن کے نصیب میں نہیں ہے اور ممکن بذاتِ خود طرفین (عدم و وجود) سے مسلوب الضرورت ہے۔ اور امکانِ خاص کے معنی ہی یہی ہیں کہ طرفین میں سے کسی کی ضرورت نہ ہو۔ پس امکان کے معنی اگرچہ اپنے خصوص کے اعتبار سے حقائقِ ممکنہ ہی سے مخصوص ہیں لیکن عمومی راہ سے طرفین کے شاملِ حال ہیں۔ کیونکہ امکانِ عام جو ایک طرف سے سلبِ ضرورت کا نام ہے واجب اور ممتنع میں بھی ثابت ہے کیونکہ واجب میں عدم کی طرف سے سلب ضرورت اور ممتنع میں بھی ثابت ہے کیونکہ واجب میں عدم کی طرف سے سلبِ ضرورت اور ممتنع میں سلبِ ضرورت وجودی طرف سے ہے۔ اور امکانِ عام کے یہی معنی ہیں کہ ایک طرف سے سلبِ ضرورت ہو پس امکانِ مطلق جو امکانِ عام اور امکانِ خاص پہ مشتمل ہے وہ بھی اپنے اطلاقی لحاظ سے تین مفہوموں پہ مشتمل ہے جو واجب، ممکن اور ممتنع ہیں۔ پس مجموعی طور پہ امکان جو حقیقتاً امکانِ مطلق ہے بمنزلہ ایک دائرے کے ہے اور امکانِ خاص دائرے کے قطر کی مانند جو اس دائرے کی دو قوسوں کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ اور امکانِ عام عدمی طرف کے سلبِ ضرورت کے لحاظ سے قوس

Marfat.com

وجوبی ہے اور وجودی طرف کی سلب ضرورت کے لحاظ سے امکان عام امکان امتناعی ہے ۔ گویا کہ واجب و ممتنع کے درمیان ممکن حائل ہوگیا، ایک طرف سے اُس نے وجودی کمالات کی آئینہ داری کی اور وجوب بالغیر حاصل کرلیا اور تمام نیکیوں کی جلوہ گاہ بن کر اسمائے حسنیٰ کا مظہر بن گیا، جیسا کہ حدیث شریف کے یہ الفاظ کہ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا، اسی معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف سے عدم کا مقابلہ کرتے ہوئے اعتباری معدومیت بہم پہنچالی۔ اور عدمی نقائص کو خود سے منسوب کرلیا اور ذاتِ حق تعالیٰ کے حضور میں شرؔ کی نسبتوں کے انتساب سے مانع ہوا اور یوں وجود کے معانی اور عدم کے مفہوم کے امتیاز کا مقام بن گیا۔ سوال اگر تم یہ کہو کہ قبلہ گاہی والد بزرگوار اپنی عمدہ تالیف یعنی نالۂ عندلیب نامی کتاب میں یوں رقم طراز ہیں کہ یہ جو بعض محققین نے لکھا ہے کہ صفاتِ خداوندی کے مرتبے میں بھی دنیوی خوشبو (بُو باس) ہے۔ یہ بات مخلص محمدؐیوں کے کانوں پہ گراں گزرتی ہے اور تم نے یہاں امکانِ عام کو واجب سے نسبت دے کر گویا اُس کتاب کے نامور مصنّف کی مرضی کے خلاف لکھا ہے (اللہ مجھے ایسے توہّمات سے اپنی پناہ میں رکھے) **جواب** پچھلے محققوں نے جہاں کہیں یہ لکھا ہے کہ صفات الٰہیہ کے مرتبے سے اس ہستی کی بو آتی ہے، ان کی عبارت کی روشنی و روانی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مرتبۂ صفات تک بھی داخل کون (دنیا) ہے۔ پس اگرچہ انھوں نے ذات پاک کے تقدّس کے بیان کی نیّت سے بھی لکھا ہو یقیناً ان الفاظ سے بے ادبی کا پہلو نکلتا ہے اور قبلہ گاہی کے الہام سننے والے کانوں (گوشِ حق نیوش) پہ گراں گزرتا تھا۔ لیکن کون ایک الگ لفظ ہے اور اُس کے معنی جداگانہ ہیں۔ اور امکان ایک علیحدہ لفظ ہے اور اس سے مراد الگ معنی ہیں جو اس کے اصطلاحی معنی ہیں۔ واجب تعالیٰ میں یہ امکان عام میں نے کیا ثابت کیا ہے۔ یہ تو فی الحقیقت ثابت ہی ہے اور تمام دانشوروں کی اصطلاح میں ہے۔ اس کے ثبوت کے نہ ہونے کا کیا امکان ہے لہٰذا وہ بزرگوار اس حقیقی امر کو کیسے پسند نہ فرماتے۔ ہم ان کی مرضی کو خوب سمجھتے ہیں، اور اے کوتاہ بین ناظر فقط یہیں کیا، تجھے ان کی کتاب نالۂ عندلیب یا اس کتاب یعنی علم الکتاب کے مطالب میں جہاں کہیں اختلاف رونما ہوگا وہ تیری اپنی تنگ نظری اور ناسمجھی سے ہوگا۔ کتاب ہذا سراسر اُس کتاب مستطاب کی کلیدی مشکلات کو حل کرنے والی ہے، اور عین ان کی رضا کے مطابق جس میں کسی قسم کے فرق اور تجاوز کا کوئی احتمال نہیں۔ اگر تجھے منظور ہے تو اس کتاب کو اس کے سمجھنے کا وسیلہ بنا۔ اور حقیقت کی دریافت

Marfat.com

کی طرف تگ و دو کر، میرے والد علم کا شہر تھے اور میں اس شہر کا دروازہ ہوں۔ پس یہاں ہر مطلب اور تحقیق جو بغیر کسی کانٹ چھانٹ کے ان کے کلام کے مطابق ہے۔ اگر اس میں لفظوں یا عبارت کا کوئی تھوڑا بہت ردّ و بدل ہے تو وہ اس مقصد کی وضاحت و تشریح کے لیے ہے۔ اور اگر کوئی چیز ان تحقیقات کی شاخ سے مزید پھوٹتی ہو تو وہ انہی معانی کو ظاہر کرتی اور انہی مطالب کی خبر دیتی ہے جس طرح کہ افلاک کے متممات، مثلثات کے مجموعے میں شمار ہوتے ہیں اور انہی معانی کا اظہار کرتے ہیں اور انہی معانی کی خبر دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنی اس عالی قدر تصنیف میں کئی جگہ ایک اور عارف محمدیؐ کا حوالہ دیا ہے اور ان امور کی وضاحت و تکمیل کا تعلق اس سے ظاہر کیا ہے۔ ہر چند کہ بالعموم یہ خدمت قیامت تک سبھی خالص محمدیؐ عارفوں میں جاری و ساری رہے گی۔ لیکن وہاں بالخصوص ان کا منظورِ نظر اور ان کی دلی مراد اسی غلام (یعنی مجھی) سے تھی۔ جیسا کہ انھوں نے بارہا زبانی بھی ارشاد فرمایا اور بعض جگہ مجھ عاصی پُر معاصی کے نام اور اتہ پتہ کے ساتھ بھی لکھا۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ان کی مراد پوری کردی کہ یہ کتاب یعنی علم الکتاب حیطۂ تحریر میں آئی۔ جس روز اس کتاب کا متن ان کی نظر سے گزارا گیا، اور ان کی خدمتِ اقدس میں اصلاح کے لیے پڑھا گیا، میں کیا لکھوں کہ ان کی قبولیت کے سمندر نے کس طرح جوش مارا اور ان پر کیسی خوشی و مسرّت طاری ہوئی اور انھوں نے اس بندۂ ناچیز کے حق میں کیا کیا عنایات و نوازشات نہ کیں۔ چنانچہ میرے عزیز بھائی (ان پر خدا کی سلامتی ہو) کو جو بظاہر کسی کام میں مصروف تھے آواز دے کر بلایا اور فرمایا آؤ آؤ، بیٹھو اور دیکھو کہ تمھارا بڑا بھائی ہماری کتنی بڑی خدمت بجا لایا ہے جو فردوس گوش ہے پھر دوبارہ پڑھ کر سنانے کا حکم دیا اور دوبارہ ان کو بھی سنوایا، دُعائیہ کلمات کہے اور زبان مبارک سے تحسین و آفرین اور عنایات و نوازشات کے الفاظ ادا کیے۔ کہ میں اب خود ہی ان کو اپنے حق میں لکھ کر کیا دہراؤں۔ غرض یہ کہ آج تک وہ بزرگوار تمام اوقات حاضر و ناظر ہیں اور میرے ساتھی، مددگار۔ مصنف کا شعر ؎

ہر وقت در حمایت او زیست میکنم　　اے دردؔ بندہ راہمہ جا خواجہ ناصر است

(میں ہمہ اوقات انہی کے سائے تلے زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اس لیے اے دردؔ میرے ساتھ ہر جگہ خواجہ ناصر کا حضور و ظہور ہے) تحریر و تقریر ہی کی بات نہیں، میرا کوئی فعل، قول، ارادہ اور نیت تک ایسا نہیں کہ جیسے میں پہلے ان کی روحِ اقدس کے سامنے پیش کر کے ان کی رضا و خوشنودی حاصل نہ کر لوں۔

Marfat.com

اور پھر اس کے بعد اُسے وقوع میں لاؤں۔ بلکہ ان کی مرضیٔ مبارک کے بغیر میرے دل میں کوئی بات پیدا نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے ایسے احتمالات سے بالکل پاک کر دیا ہے۔ اب میرے پاس ایک ایسا دل ہے کہ اگر میں اس دل کی نافرمانی کروں تو گویا میں نے اپنے والدِ بزرگوار کی نافرمانی کی۔ اور وہ اپنے دل کی نافرمانی کریں تو گویا اُنھوں نے رسول کریم صلعم کی نافرمانی کی، اور رسول اللہ کی رضا عین رضائے الٰہی ہے۔ چونکہ جذبِ عشق کی اس گفتگو کی کوئی حد اور انتہاء نہیں۔ میں پھر متن کے فقروں کی طرف لوٹتے ہوئے لکھتا ہوں کہ میرا وجود جیساکہ ہے موجودیت کے لحاظ سے ہے اور موجودیت ایک حکمی نسبت ہے جو وجود سے منسوب ہے اور اس سے کھینچی گئی ہے۔ عدم فی نفسہٖ معدومیت کے لحاظ سے ہے اور معدومیت اک اعتباری صفت ہے جو پھوٹتی ہے مفہوم عدم کے فہم سے اور دوسرے مقام پر جو اک نکالا ہوا (کھینچا ہوا) امر ہے یعنی دوسرے مرتبے میں وجود اور ظلّی مرتبہ جو نچلا درجہ ہے یعنی مصدری معنی میں اور کون وحصول کے معنوں میں لفظِ وجود کو موجود سے محمول کیا جاتا ہے اور اس مقام پر کہا جا سکتا ہے کہ وجود ہی موجود اس لیے ہے کہ بعض حقیقت نافہموں نے موجودات کو وجودات خیال کر رکھا ہے۔ وہ چونکہ وجود کو موجود پاتے تھے اور ہر موجود کو اپنے متقابلین سے ممتاز دیکھتے تھے، تو اُنھوں نے گمان کیا کہ لفظ وجود میں لفظی اشتراک ہے جیسے لفظِ عین کہ متعدد اشیا کے بارے میں کہتے ہیں۔ چشمے کو بھی عین کہتے ہیں اور سورج کو بھی عین کہتے ہیں، اور آنکھ کو بھی اور سونے کو بھی اور ذات کو بھی، لہٰذا لفظِ عین کے بہت سے معانی ہیں جن میں سے ہر ایک بذاتِ خود علیحدہ چیز ہے اور وجود کے متعلق بھی اسی پر قیاس کرتے ہوئے وہ موجودات کی کثرت اور کثیر التعداد ہونے کے قائل ہو گئے اور یہ بات نہ سمجھ سکے کہ لفظ وجود میں اشتراک معنوی ہے اور اس کے معنی ایک ہی ہیں اور ایسی ایسی موجودیت کو جو ان کی وجودیت کے رنگ میں الگ معلوم ہوتی ہے محض اعتباری اور اُسی وجودِ واحد کے اعتبارات میں سے ہے جس نے مرتبۂ علم میں اضافی امتیاز پیدا کر کے یہ کثرت موہومہ ظاہر کی ہے۔ اور حقیقت میں اپنی ذاتی وحدت میں خلل انداز نہیں ہوا۔ وجود بھی وجود ہے اور موجود بھی موجود، قصہ کوتاہ یہ کہ جس طرح وجود اپنے ظلّی مرتبے میں موجود دکھائی دیتا ہے اسی طرح اپنے ظلّی مقام میں عدم بھی معدوم معلوم ہوتا ہے۔ اور عدم ہی معدوم والا مقولہ راست آتا ہے۔ اور عدم سے یہ نیستی جو فہم میں آتی ہے اک اعتباری امر ہے جو عدم کے لیے نفس المفہوم ہی سے نکلی ہے۔ اور سلبی اضافات میں سے ایک اضافت ہے جیسے وہ اپنی دانست میں عدم کے مفہوم پر محمول کرتے ہیں۔ چنانچہ لیجئے

Marfat.com

اپنے فہم میں وجود سے ایجابی نسبت منسوب کرتے ہیں۔ مگر دیکھتے ہوئے ان دونوں کے نفسوں کی طرف یعنی نفس الوجود اور نفس عدم کہا جاتا ہے کہ وجود وجود ہے اور عدم عدم ہے۔ اور یہاں ان دونوں میں تغائر (فرق) نہیں ہے۔ موضوع اور محمول میں لفظاً اور معناً اور محمول بہٖ اور محمول علیہ ایک ہی معاملہ ہے، اور اس کے سوا نہیں کہ اُس نے قیاس کیا اپنے نفس کے ساتھ اپنے نفس پر ہی۔ یہاں ایک دقیق بات ہے یعنی ایک پوشیدہ راز ہے جو اکثر محققین کی نگاہوں سے چھپا رہا کہ جب کبھی ہم مرتبۂ ذات کو اُس کی موجودیت کے لحاظ سے لفظ وجود سے تعبیر کرتے ہیں تو قدرتی طور پر مشام امتیاز تک کون و مکان کی خوشبو پہنچتی ہے۔ ہر چند کہ ہماری مراد اُس کھینچنے والے منبع سے ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے علم کے ہاتھ میں نکلنے والے امر کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔ کیونکہ وجود کے معنی کو سمجھتے وقت جب اس کا تصوّر نفس کو حاصل ہوتا ہے تو علم حصولی کی کیفیت کے باعث تو بے اختیار ذہن میں وجود کے مصدری معنی عکس انداز ہوتے ہیں جو کون وحصول کو لازم قرار دینے والے ہیں۔ اور ذہن اس حاصل ہونے والی کیفیت کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ اگرچہ منظور اس سے حاصل مصدری معانی ہی ہوتے ہیں۔ اور اس پر روحانی علم حضوری دلالت کرتا ہے۔ لیکن متمیز کرنے والی قوت جو اعتباری کثرت کی طرف متوجہ ہوتی ہے طبعاً ان اوپر والے معانی کے دامن کو نچلی طرف کھینچتی ہے۔ اور اطلاق کی وسعت سے تقیّد کی تنگ گھاٹی کی طرف لے آتی ہے۔ اس کے ایک معانی اس آیت کریمہ میں موجود ہیں کہ ہم نے تمھیں تھوڑا سا علم ہی عطا کیا ہے۔ یعنی کہ تمھاری علمی حیثیت معمولی واقع ہوئی ہے۔ زیادہ علم تو اسی ذاتِ حق تعالیٰ کو ہے۔ لہٰذا وہ ذات کے ادراک سے (جیسی کہ وہ ہے) محروم رہ گئے۔ ذات پاک (جیسا کہ وہ ہے) کا کماحقہٗ مرتبہ دان وہی ہے کہ جس کا علم اس کی عین ذات ہے، حقیقت کے لحاظ سے اور اعتباری لحاظ سے ذات کے متعلق زیادہ علم ہو اور وہ ذات فقط اللہ جل شانہٗ کی ہے۔ پس پہلے تو ہم ذاتِ حق تعالیٰ کے لیے یہی لفظ ذات مخصوص کرتے ہیں۔ تاکہ یہ ناسمجھ لوگ وصف کو بالکل موصوف نہ سمجھ بیٹھیں۔ اور سائے کو اصل نہ سمجھ بیٹھیں۔ اُسے ہم تمام شانوں اور مرتبوں سے مبرّا سمجھتے ہیں اور ذات پاک کہتے ہیں اور عبارات و اشارات کو اس کی جناب اقدس تک نارسا سمجھتے ہیں اور ورا لورا امر کی کیفیت کو نہ پا سکنے کا اعتراف کرتے ہیں اور اُس ذات کا ادراک نہ ہو سکنے کے اعتبار ہی سے کہا گیا ہے کہ اے رب ہم تمھیں کماحقہٗ نہ پہچان سکے۔

Marfat.com

اور لفظِ وجود کا اطلاق ہم اس کے اسی مرتبۂ ثانی پر کرتے ہیں۔ جو اس کی صفتِ اوّل ہے اور تمام امور کے نکلنے کے مبدا کو اسی لفظِ ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور نکلنے والے امور کو صفت اور وجود کہتے ہیں اور ذات کو وجود نہیں کہتے۔ مذکورہ بالا وہم کو رفع کرنے کے لیے نہ کہ ذاتِ حق سے غیریت کی بنا پر، اور اُس کا وجود وہی ہے جو نیکوں کے امام اور نیکوکاروں کے سردار میرے والدِ بزرگوار اور ہدایت شعار مرشد (خدا اُن کا سایہ ہمیشہ قائم رکھے) نے اپنی نالۂ عندلیب نامی عمدہ تصنیف میں حکایات کے بیان و ضمن میں لکھا ہے اور اُس راز کے کھولنے پر لب کشائی کی ہے۔ کہ وجود صفت اوّل ہے اور اس لفظ کی تاویل مصدری معنوں میں کی ہے۔ اور جو کچھ ان بزرگوں نے لکھا اور دلوں کی سرزمین میں معرفت کا بیج بویا، یہ کہ کوئی مخلوق مرتبۂ ذات سے حصہ دار نہیں اور کوئی فرد اس کی تجلّی کی تاب نہیں لا سکتا۔ یعنی یہ سب اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ ذات کا فیضان ہے اور اُس کے کمالات کا ظہور ہے جس سے موجودات اپنے اپنے درجوں کے مطابق مستفیض ہیں۔ اور انہی صفات سے درجہ بدرجہ اکتساب فیض کرتے ہیں۔ جیسے کہ اس کتاب میں مفصل درج ہے اور اُس کتاب کے پڑھنے والوں کو اس کے یہ معانی معلوم ہیں کہ کسی شے کو موجودیت حاصل نہیں اور کوئی موجود وجود نہیں رکھتا یہ موجودات اسی کے وجود اور کمالات کے مظہر ہیں۔ اور اپنی عدمیت کی سیاہی کو اس کے ظلّی وجود کے پانیوں سے دھوتے ہیں جسے صفتِ اوّل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اُس کے مصدری مفہوم کی تاویل کون و حصول ہے اور اصطلاح میں اسے امرِ منتزع کہا گیا اور وہ واحد معانی کہ وجود ہی تمام اشیا کے نکلنے کا مبدا و منشا ہے اسی حضرت حق جل جلالہٗ سے مخصوص ہے۔ اس کا وجود اس کی عین حقیقت ہے۔ اس مقام پہ کثرت کو دخل کہاں؟ اور اس مقام پر تعدد کی کہاں گنجائش۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ یہ بالکل ایسے ہی ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اور برحق بشارت ہے کہ بیٹا اپنے باپ کا راز ہوتا ہے۔ سوال

اگر یہ کہا جائے کہ تم کہتے ہو کہ ہم موجودیت کے لحاظ سے مرتبۂ ذات پہ لفظِ وجود کا اطلاق کرتے ہیں اور فقط ذات کہتے ہیں، اس انداز سے ذات کے مفہوم میں عدمیت کی جھلک نظر آتی ہے جس طرح کہ وجود کے لفظ کے اطلاق سے کون و حصول کی بُو آتی ہے۔ کیونکہ جس چیز سے وجود کی اضافت سلب کر لی جائے تو اس چیز سے اضافت عدم کے اثبات کا استفادہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

اور کوئی حقیقت ان دو اضافتوں سے خالی نہیں ہو سکتی - یا اس میں وجودی معنی ہوں گے یا عدمی مفہوم ہوگا - لہذا ذاتِ واجب حق تعالیٰ کو جو عین وجود ہے کیسے وجود نہ کہا جائے - جواب میں یہ کہتا ہوں کہ جب ہم مرتبۂ ذات سے اس کی موجودیت کی مُراد لیتے ہیں - جیساکہ اوپر متن میں ذکر آچکا ہے تو پھر ذات سے وجود کا سلب کرنا کیسے منظور ہو تاکہ اس سے عدم کا اثبات لازم آئے - کسی لفظ کا اطلاق نہ کرنا الگ بات ہے اور سلب کرنے کے الگ معانی ہیں - پس عدمی معانی کے احتمال کا کیا مقام ہے بلکہ ہمارا حاصل مطلب یہ ہے کہ مرتبۂ ذات الوجود میں جو اس کی موجودیت کا مرتبہ ہے اس کی پاکیزگی کے کمال کی بنا پر لفظ وجود کا اطلاق بھی نہیں کیا جا سکتا - فقط ذات ہی کہنا چاہیے اور لفظ وجود کو اس نچلے مرتبے یعنی مرتبۂ موجودیت پر محمول کرنا چاہیے - یہ وہ اصطلاح ہے جو ہر خاص و عام کے لیے مفید ہے اور ان کے بہت سے شکوک و شبہات کو دور کرنے والی ہے - اور اعتباری دوئی کے مراتب کا اثبات کرتی ہے جیسے کہ کرنا چاہیے اور حقیقت کی اصلیت کا کشف کرتی ہے جیساکہ ہونا چاہیے جیساکہ پوشیدہ نہیں، سو اس میں جھگڑے کی کیا گنجائش چہ جائیکہ مرتبۂ ذات کی وجودیت کا انکار کیا جائے - حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات ان سب باتوں سے بہت بلند و بالا ہے، جب ظلّی وجود کا ہاتھ ذات کی عظمتوں کے دامن تک نہیں پہنچ پاتا تو پھر یہ پنجۂ عدم جو وجود ظلّی کا محض عکس ہے - اس بلند و بالا مرتبے تک رسائی کہاں؟ وہ ذات اس سے بہت بلند و مقدّس ہے - لیکن تمام اضافات کے سقوط سے عدمی معانی سے ملتے جلتے رنگ کا عکس ضرور پڑتا ہے اور مرتبۂ ذاتِ مطلق اضافات سے مسلوب اور بہت دُور معلوم ہوتی ہے - اور بشرطِ لا کی حیثیت سے مخصوص دکھائی دیتی ہے اور سلبی صفات کے مبدا کے بھی یہی معانی ہیں اور تمام صنفی اضافات بھی اسی بشرطِ لا کی حیثیت سے پھوٹتی ہیں - جیساکہ کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے، نہ جوہر ہے، نہ عرض ہے، نہ معدود ہے، اور نہ محدود، اور نہ کسی مکان میں، اور نہ کسی زمان میں ہے، وعلیٰ ہذا القیاس - دوسری اضافات میں بعد کا اعتبار کیا جاتا ہے اس حیثیت سے!! جیساکہ وجود کے معنی ہیں مبدأ صفات کے یہاں وجود سے مُراد مرتبۂ بشرطِ شے ہے جو مثبت نسبتوں کے اثبات کا مبدا ہے اور ثبوتی صفات وجود کی اسی حیثیت سے معتبر ہیں - جیساکہ کہا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ حیّ، زندہ، جاننے والا، اختیار والا، ارادہ رکھنے والا، کلام کرنے والا، سننے والا، دیکھنے والا اور ان کے مشابہ دوسری چیزوں میں -

Marfat.com

اور صفت اوّل یہی وجودی معنی ہیں جو مرتبۂ بشرط شے ہے، نہ وہ سلب کرنے کا مبدا جو مرتبۂ بشرط لا شے ہے۔ **سوال** یہ جو تم نے کہا کہ وجود صفت اوّل ہے یعنی وجود بشرط شے کے معنوں میں ذات الوجود کا پہلا وصف ہے جو مرتبۂ لا بشرط ہے۔ اور دیگر تمام صفات مثبت ہوں یا منفی، اس عالی مرتبہ کے تحت ہیں۔ تو پھر سلب اوّل صفات کیوں نہ ہو۔ اور بشرط لا شے کی حیثیت اور صفت اوّل کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ذات کی نسبت، تنزیہی تشبیہہ کے ساتھ یکساں ہے۔ اور ذات یکساں طور پر تمام شانوں اور اضافتوں میں شامل ہے۔ مذکورہ بالا معنی کا اس معانی پہ تقدم ظاہر نہیں ہوتا۔ بلکہ تنزیہی نسبت زیادہ قریب ہے اس کے یعنی ذات کے، اور سرسری نگاہ میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلبی معانی جو تنزیہی ہیں ذات کا وصف اوّل ہیں نہ کہ ایجابی معانی جو تشبیہی ہیں۔

جواب ایجاب وسلب (اثبات ونفی) کے لیے ذات کا تقرر شرط ہے۔ ورنہ کسی نسبت کو کسی چیز سے سلب کیا جائے گا۔ یا کسی چیز سے کسی نسبت کا اثبات کیا جائے گا۔ تقرر مثبت معنوں میں ہے جو منفی معانی پہ مقدّم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وجود ہی ذات کا وصف اوّل ہے نہ کہ وہ حیثیت منشأ سلوب ہے ایجاب کو آگے بڑھانے کے لیے سلب ہے۔ کیونکہ چیز کا سلب کسی چیز سے ہوتا ہے اس کے ایجاب کے بعد، پس یہ سمجھ لو۔ پس ایجاب مطلق پہلے منسوب ہوتا ہے ذات کی طرف، پھر اضافات جزئیہ واعتباریہ کی طرف، ثبوتیہ اور سلبیہ میں سے ثانیاً۔ ذات کے لیے وجود کے صفت اوّل ہونے سے ہماری مُراد ذات الوجود ہے۔ اسی موجودیت کی حیثیت کے ظہور سے ہے۔ ہم اس مرتبۂ موصوف کو ذات کہتے ہیں اور وصفی حیثیت کو وجود کہتے ہیں اور یہ خاص اصطلاح ہے۔ اور اس اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں۔ نہ یہ کہ ہم وجود و ذات حق میں حقیقی متغائرت ثابت کرتے ہیں جو کہ اک غیر معقول بات ہے۔ نہ اس میں جدائی یا علیحدگی کا کوئی احتمال ہے اس بات کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں تاکہ بآسانی عوام کی سمجھ میں آسکے، یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ذات الوجود مانند ہے ایک طبیعی جسم کے اور وجود ظلّی جو اس کی صفت ہے وہ مانند ہے تعلیمی جسم کے، پس اگرچہ اس طبیعی اور تعلیمی جسم میں جسمانی لحاظ سے مغائرت اور علحدگی نہیں بلکہ وہی طبیعی جسم ہے جسے ہم مقدار کے لحاظ سے تعلیمی جسم کہتے ہیں اور یہی تعلیمی جسم جو موجود ہے اس کی مقدار کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک الگ الگ ہے۔ اور ہر کسی کے احکام بھی جداگانہ ہیں جو

Marfat.com

کبھی متحد نہیں ہو پاتے۔ طبیعی جسم جوہر ہے اور تعلیمی جسم عرض ہے۔ جسم تعلیمی لاحق ہونے والا ہے اور طبیعی جسم جس سے الحاق کیا گیا ہے۔ پس ذات، ذات ہے اور وجود صفت یا دوسرے وجود عین ذات ہے۔ پس جان لو کیونکہ وہ فائدہ دیتا ہے تمھیں بہت بڑا فائدہ توحید وجودی، توحید شہودی، اثبات مراتب غیریت اور کشف حقیقت عینیّت کی تحقیق میں، اور تمھیں فائدہ دیتا ہے مکمل فائدہ، اور نہیں چھپی رہتی کوئی چیز کسی طرح اور اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے سیدھے راستے کی طرف اور اُسی پر اعتماد ہے۔ حاصل کلام کو سمجھنے کی کوشش کر کہ یہ حقیقت، شریعت، طریقت اور معرفت کا ایک جامع بیان ہے۔ برعکس دوسرے محققین کے جن کے بعض بیان تو مکمل ہیں اور بعض میں کمی و کوتاہی کی گئی یا التوا میں ڈال دیے گئے، پس انصاف سے کام لیتے ہوئے خوب غور و خوض کر اور بات کو سمجھ، حقیقت سے مُنہ مت پھیر اور خواہ مخواہ تعصب سے کام نہ لے۔ اور دشمنی کا دفتر نہ کھول۔ یہ دیکھ کہ کہنے والے کی نیت کیا ہے۔ چونکہ مصنف کا تمام تر مقصود حقیقت کا انکشاف اور شریعت کا اثبات ہے۔ اور مصمم ارادہ محمدیّت (ان سب پر خدا کا درود و سلام) کے کامل اتباع سے ہے۔ پس یہ بات ملحوظ خاطر رکھو کہ اُس کا مقصد کیا ہے اور درخت طور کی طرح اس میں بول کون رہا ہے۔ اسے تائید ربّانی حاصل ہے۔ نیز نبی کریم صلعم کی مدد و نصرت۔ اس کا عرفان نورِ ایمان سے منسوب ہے۔ اور اُس کا بیان قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے۔ غرضیکہ ہادیٔ برحق کی عنایت و رہنمائی سے اس کے ایمان و یقین میں کوئی شک و شبہ نہیں، اس کی زبان غیب کی زبان ہے۔ اسے خود اپنی تحریر و تقریر پہ تعجب ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ بلاشبہ ہر مطلب خدا ہی کی طرف سے دل پہ منکشف ہوتا ہے۔ معرفت کی ان باتوں میں اس کے اپنے غور و فکر کا کوئی عمل دخل نہیں، اور نہ ہی ان حقائق میں اس کے حس و فہم کو عمل دخل ہے۔ بلاشبہ یہ اسی آیت کریمہ والا معاملہ ہے کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا پھر اسے گویائی سکھائی۔ فیض ربّانی اس کے شامل حال ہے اور اللہ سچی بات کہتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اس پہ میں نے توکل کیا اور اُسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔ وہ میرے لیے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔ پس میرے مقولے سچی باتیں ہیں کہ وہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے کلام کی طرف منسوب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے الہام سے استفادہ کیے گئے ہیں، اور رسول اللہؐ کے طاق چراغ سے نور کو حاصل کرتے ہیں۔ اللہ میرا رب ہے اس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو ہدایت کے ساتھ

Marfat.com

اور دین حق کے ساتھ تاکہ اُسے غالب کر دے تمام دینوں پر چاہے کافروں کو یہ بات بُری لگے ۔ رباعی :

ای درد مرا ز نغمہ ہایم دریاب
آہنگ من از صوت و صدایم دریاب
ای زمزمہ پرداز بساز قانون
تفصیل مقامم از نوایم دریاب

ترجمہ رباعی : اے درد مجھے میرے نغموں ہی سے پانے کی کوشش کر، میری آواز اور میری صدا سے میرے مرتبے کو سمجھ ۔ اے سازِ قانون پہ نغمہ پیرائی کرنے والے میری نوا سے میرے مقام کی تفصیلات سے آگاہی حاصل کر ۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) رباعی کے ظاہری معنی بالکل عیاں ہیں ۔ اور سخن فہم اصحاب کی نگاہوں سے الفاظ کی مناسبت کا لطف بھی پوشیدہ نہیں ۔ لیکن اس کی باطنی مرادیں جو اس ظاہری عبارت کا بطن ہیں، یوں ہیں لفظ تخلص یعنی درد جو منادی ہے اس سے ہماری مراد اپنے بزرگوں کے حضور میں ہماری اپنی مریدی اور عقیدت مندی کی حیثیت ہے ۔ اور متکلم کی میم (م) سے ہماری مراد وہ فرزندیت اور صاحبزادگی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان بزرگوں کی اولاد ہونے اور ان کے ہاں شرفِ قبولیت پانے کی حیثیت سے عطا کر رکھی ہے ۔ لفظِ نغمہ سے مُراد حقائق و معارف کا بیان ہے ۔ دریافتن سمجھنے اور گرویدہ ہونے کے معنوں میں لایا گیا ہے ۔ آہنگ سے مُراد رتبہ اور صوت و صدا سے مراد کلمات اور اقوال ہیں ۔ زمزمہ پرداز سے مُراد متمیز کرنے والی قوت ہے ۔ اور تفصیل درجات اور مقام سے مراد وہ مرتبہ اور پایہ ہے جو ہمیں اللہ کے نزدیک حاصل ہے ۔ نور سے مراد یہ تصنیف ہے اور حاصل مطلب یہ کہ مصنف خود اپنے آپ سے بات کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے میری مریدی و عقیدت مندی کی حیثیت، میری فرزندی اور صاحبزادگی کی حیثیت اور بزرگوں میں اس ناچیز کی قبولیت و مقبولیت کو میرے حقائق و معارف کا بیان سمجھ کر ان بارگاہوں کی طرف اور بھی زیادہ مائل اور گرویدہ ہو جا کہ ان بزرگوں کی اس صحبت اور ان کی فرزندیت کی برکت سے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے معرفت کے ایسے دروازے کھول دیے ہیں ۔ قبلۂ عالم والد بزرگوارم کی جناب میں میرے رتبے کو میرے اقوال سے قیاس کر کہ میں کیسے بے کھٹکے روانی سے

Marfat.com

بیان کیے جا رہا ہوں۔ اور ان کی شفقت پہ کتنا مکمل اعتماد رکھتا ہوں۔ اور اسے میری تمیز کرنے والی قوت اللہ کے نزدیک میرے مرتبے کے درجات کو میری تصنیف سے پرکھ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور نسبت الٰہیہ کے بغیر اس قسم کے الفاظ و اقوال زبان پر نہیں آسکتے۔ یہ اس شراب قرب کا نشہ ہے۔ جس سے یہ ساری مستی چھائی ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ تمام اوقات میں خالص محمدیت کی ادب آموزی کی حمایت شامل حال ہے۔ اس لیے دوسرے کم ظرف میخواروں کی طرح میں بدمست نہیں ہوتا۔ اس سرخوشی و سرشاری میں فقط یہی الفاظ و اقوال لبوں پہ لایا ہوں، اگر اتنی سرشاری کا اظہار بھی نہ ہو تو پھر بات بے لطف و بے مزہ رہ جاتی ہے۔ اور محرومیت اور بے کیف ہونے پہ دلالت کرتی ہے۔ کہ وہ نشہ تو شرح صدر، اظہار مسرت اور بے تکلفی کے لیے ہوتا ہے۔ اور اگر ویسی ہو شوخی اور بے ادبی کا پہلو نکلے جیسے کہ بعض اگلے بدمستوں سے ظاہر ہوئی ہو تو وہ کم ظرفی اور کم حوصلگی کی خبر دیتی ہے۔ اور جذب و محبت کی شراب (مئے معرفت) پلانے والے ساقی کی رضا کے خلاف ہوتی ہے۔ جس سے ساری مجلس کو ناراحت کرتی ہے اور امل بے جوڑ بنا دیتی ہے۔ لہٰذا نہ تو اتنی ہشیاری درکار ہے جس سے ساقی کی سعی و کوشش بے سود ہو اور رائگاں جائے نہ اُس کی مراد بر آئے۔ اور نہ ہی اس کے دیکھنے سے آنکھوں کو طراوت ہو، نہ اس کا دل خوش ہو اور نہ ہی دشمن جل کر کباب ہوں اور نہ ہی جھوٹے دعویدار حسرت کی آگ میں جلیں اور نہ ہی اتنی مستی درکار ہے کہ ساقی ہی بدمزہ ہو کر آخرکار پشیمان ہو جائے، دوستوں کو شرم آئے اور اس کی اس حرکت پہ حیران و ششدر ہو کر تردد میں پڑ جائیں نہ ہی اُنھیں مخالفوں کو جواب دینا پڑے۔ اور دشمن خوشی کے مارے بغلیں بجائیں، یقیناً نشے کا اظہار ہونا چاہیے۔ لیکن حد اعتدال سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ اور ہر حقیقت ناآشنا ظاہر دار جو قرب و معیت محبوب حقیقی سے محروم ہے وہ اس حالت کی صحیح کیفیت کو کیسے پا سکتا ہے۔ یہ ان جذبات الٰہیہ میں سے ایک جذبہ ہے جو دو جہانوں کی عبادتوں سے افضل ہے۔ ع زاہد بیچارہ ایں ہارا کجا بو کردہ است (بیچارہ زاہد ان جذبات و کیفیات کی خوشبو کیسے پا سکتا ہے) اور ہر بازاری شراب خوار ان صاحبان طبع اور ساقیٔ کوثر کے مودّب فرزندوں کے ادب و تمیز کو کیسے معلوم کر سکتا ہے۔ کہہ دو اسے نبیؐ کہ ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کر رہا ہے۔ پس پلائی میرے رب نے پاکیزہ شراب اور میں ہو گیا ہوں

Marfat.com

اس کی نعمت سے محدث اور شکر گزار اور ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے مشرّف کیا ہے صوری اور معنوی سروروں سے اور پلیدی کو مجھ سے دُور کیا ہے اور مجھے پاکیزہ کیا ہے۔ پاکیزہ کرنا اور اے رب بخش دے مجھے اور میرے والدین کو۔ ان دونوں پہ رحم کر۔ جیسے کہ اُنھوں نے میری پرورش کی چھوٹی عمر میں۔

Marfat.com

هُوَالنَّاصِرُ

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے صورت بنائی انسان کی رحمانی صورت پر اور اعیان کو منور کیا اپنے فیض کے انوار سے، اور سلام و درود ہو اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو فرشتوں، انسانوں اور جنوں سے افضل ہیں۔ اور ان کی آل رضی اللہ عنہم پر اور اصحاب رضی اللہ عنہم پر جو صاحب ایمان و عرفان ہیں۔ اور علم والے اور یقین والے ہیں۔ امابعد پس یہ اڑسٹھواں (۶۸) باب ہے جو موسوم ہے مثل الاعلیٰ سے، اور اللہ ہی کے لیے ہے مثل الاعلیٰ اور وہ غالب و دانا ہے۔ اور امثال میں سے ہر مثال اگر بیان کی جائے اللہ بلندی والے اور پاکیزگی والے کے لیے پس اللہ عزوجل کی نسبت کی وجہ سے وہ ہو جاتی ہے۔ وہ مثال، امثال میں سے سب سے اعلیٰ جیسے کہ اُس کا ممثل موجودات میں سب سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ پس جب ممثل بہٖ بلند ہوتا ہے مرتبۂ تشبیہ سے مرتبۂ تنزیہ کی طرف ذہن میں اور اُترتا ہے ممثل مقام تنزیہ سے مقام تشبیہ کی طرف علم میں تو حاصل ہوتی ہے وہ چیز جو مقصود ہوتی ہے تمثیل میں سے، اور وہ ہے مثل کے تصور کا حصول عقل میں نسبت حکمیہ کے ساتھ۔ پس کہا جاتا ہے کہ وہ ایسا اور ایسا ہے، اور ایسا اور ویسا نہیں ہے۔ اور مثال پہچانے والی ہے تصدیقی مفہوم کی طرف ممثل بہٖ کی طرف دیکھنے سے اور مفہوم تصوری کی طرف ممثل کی طرف دیکھنے سے، پس مثال موجود نہیں ہوتی مگر علم میں اور نہیں حاصل ہوتی مگر ذہن میں اور وہ ہوتی ہے واسطہ ممثل

Marfat.com

اور ممثل بہ کے درمیان اور ان دونوں کے درمیان رابطہ ہوتی ہے اور یہی نسبت حکمیہ ہے اور کوئی فرق نہیں ہے مثل اور ممثل بہ میں مگر اعتبار کے لحاظ سے، اور وہ نہیں پائے جاتے مگر ایک ہی مرتبے میں بلکہ مثل جو ہے وہ نفس المثل ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ پس جب ہم الگ کرتے ہیں حیثیات کو تو ہم تمیز یہ کرتے ہیں کہ مثل جو ہے یہ عبارت ہے نسبت سے اور مشابہت سے جو کہ ہوتی ہے ممثل اور ممثل بہ میں اور مشبہ اور مشبہ بہ میں اور ممثل بہ وہ ہے جو اس مثال کو اخذ کرنے کا منشا ہے اور مثل وہ ہے جو اس کی طرف وہ مثال منسوب کی جاتی ہے۔ پس ممثل اور ممثل بہ میں فرق ایسے ہے جیسے جسم طبیعی اور تعلیمی کا فرق ہو۔ پس بیان کی ہیں اللہ نے مثالیں لوگوں کے لیے ان کے دلوں میں مثالیں ڈال کر اور آفاق میں ممثلات بہ کی ایجاد سے اور ان کے نفوس میں بھی اور ڈالنے سے نسبت تصورات میں تصدیقات کے حصول کے لیے شاید کہ وہ عقل کریں اور ایمان لے آئیں اور تصدیق کریں اس پر ان چیزوں کے ساتھ جو اس کے موزوں ہوں اور مناسب ہوں احکام ایجابیہ اور سلبیہ میں سے کامل ایمان کی حیثیت سے، اور جامع تصدیق کی حیثیت سے، اور بیان کرتے ہیں عارف لوگ مثالیں اللہ کے لیے سمجھانے کے لیے عوام کو لوگوں میں سے شاید کہ وہ سمجھیں اور اللہ کی ذات کے ساتھ چمٹ جائیں اور تصور کریں اس کی صفات اور کمالات کا صفاتِ ثبوتیہ اور سلبیہ میں سے، پس ہر ایجادی اور تعلیمی مثالوں میں سے سب کچھ مثل اعلیٰ ہے، کیونکہ وہ بلند کرتا ہے لوگوں کو امکان کی پستی سے وجوب کی بلندی تک اور پہنچاتا ہے ممکن کو واجب تک علمی طور پر پہنچانا اور متوجہ کرتا ہے نفوس کو بلند مقام کی طرف۔ پس اللہ کے لیے ہے مثل اعلیٰ اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے۔

ہیولیٰ اور صورت کی تمثیل سے کشفِ حقیقت کے بیان کا باب

ابتدائے احوال میں جب وحدتِ وجود کی حقیقت پوری شرح و تفصیل سے منکشف ہو چکی تھی اور دل پر وحدت و اتحاد کا پورے زور شور سے غلبہ تھا۔ اور عرفانی کیفیت بھی اپنے پورے جوبن اور عروج پر تھی۔ ان دنوں اس ناقص طبع سے بے اختیاری ہی میں اکثر ایسے اشعار کی آمد ہوئی تھی جو اسی ذوق و حال کی خبر دیتے تھے۔ چنانچہ اس باب کی پہلی رباعی انہی ایام میں موزوں ہوئی۔ شعری رنگ ڈھنگ، شاعرانہ دروبست اور اس فن کی دیگر عجیب و غریب باتوں اور الفاظ کی مناسبت کو شعر

Marfat.com

موزوں کرنے کے ساتھ ساتھ معانی کی دریافت اور مضمون بندی کو خاصہ عمل دخل ہے۔ سارے شعروں کا شاعر کے اعتقادات کے مطابق ہو نا ضروری نہیں اور نہ ہی ہر شعر میں مفتی کے مسائل لانا واجب ہے۔ لیکن چونکہ شروع ہی سے ہمہ اوقات اللہ کی عنایت، رسول اللہ صلعم کی حمایت اور قبلہ والد بزرگوار کی صحبت کی برکت شاملِ حال رہی اور اک ناقابلِ بیان اور بے کیف سی نسبت سلسلۂ نقشبندیہ کے یمن و برکت سے نفس میں راسخ اور قائم ہو گئی۔ ظاہر و باطن میں مکمل طور پر شرعی آداب ملحوظ رہے۔ ایسے لازمی امور میں جب اندیشناک خیالات کے مباح و جواز کا وقت ہوتا ہے کہ نشہ و مستی کے ایسے اوقات میں جب کہ حالات کا غلبہ ہوتا ہے۔ کبھی بدمستی ظہور پذیر نہ ہوئی۔ اور کوئی ایسا خلاف شرع کلمہ زبان پر نہ آیا جس سے طریقت سے انکار کا گمان گزرے بلکہ ایسا کوئی خیال بھی دل و دماغ کے پاس پھٹکنے نہ پایا جب کارکنانِ قضا و قدر نے خاص عنایت، خصوصی حمایت اور خاص الخاص برکت سے اس عاشقانہ شور انگیز اور عارفانہ معرفت خیز حالت سے نکال کر مکمل کشف اور حقیقت اسلام تک پہنچا دیا ہے اور ذات پاک حق سبحانہٗ تعالیٰ سے خاص قرب عطا فرمایا اور خالص محمدیت اور نبوّت کے کمالات کے شرف سے مشرّف فرما دیا اور وحدت و اتحاد و عینیت کے اعتبارات سے بالاتر لے گئے اور ساری ذات اور نام و نشان مٹا کر مکمل فنا کے بعد بقا باللہ سے سرفراز فرمایا اور عروج سے نزول کی سمت بھیجا اور مجھ پر شریعت کی حقیقت کا دروازہ کھول دیا۔ اس مرتبے میں ہمیشہ امتیاز و دوئی کے الفاظ سے کلام کرتا رہا اور وسطی راہ کے حالات پہ توبہ و استغفار کرتا رہا اور نادم رہا۔ ایسے مقام میں شعر کہنا بہت کم ہو جاتا ہے۔۔ کبھی کبھار شاذ و نادر ہی کوئی شعر موزوں ہو جاتا ہے، طبعاً انسان ادھر مائل نہیں ہوتا۔ اور رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس آیت کریمہ کے اسرار کھُل جاتے ہیں کہ ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ آپ کے لیے شایاں بھی نہیں۔ اس وقت واقعتاً واجب الاعتقاد اور قابلِ اعتماد حقائق و معارف میں سے جو کچھ بھی منکشف کرتے تھے وہ صاحبِ ام الکتاب کے طفیل کمال وضاحت سے حیطۂ تحریر میں آ رہے ہیں جو محتاج شرح نہیں ہیں۔ یہ سب میرے رب کا فضل ہے۔ یہ بھی سمجھ لیں کہ ان گذشتہ ایام میں ہمیں کسی شخص کی پیروی کرنے یا نہ کرنے سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی تمام زائد ضرورتوں سے بے نیاز کر رکھا تھا۔ نہ تو کسی کے کلام کا تتبع کر کے اصلاح کی طرف بھاگتے تھے اور نہ ہی کسی کی تحقیق کی تقلید میں وقت ضائع

Marfat.com

کرتے تھے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ منکشف کر دیتا اور جس خاص تعلیم سے نوازنا اُسے کتاب و سنت کے ترازو میں تولتے اور یوں کشف و عقل کو صراطِ مستقیم پہ کھینچ لاتے، پس اسی صورت میں بعض مطالب دوسروں کی تحقیق کے مطابق بھی آجاتے اور بعض مطالب بعض کے مذاق کے مخالف ہوتے اور بعض جگہوں پہ حکایت اور روایت کے انداز میں دانستہ طور پہ بھی کسی تحریر و تقریر کے مطابق کسی تقریب یا فائدے کے اظہار کے لیے لکھ دیے جاتے۔ جیسا کہ اس باب کی پہلی رباعی شیخ محی الدین اکبرؒ کے مدعا کے مطابق کی گئی، لہٰذا اس کے حاشیے میں انہی کی عبارت نقل کر دی گئی اور اُس کے بعد بات سے بات چل نکلی تو اس فقیر حقیر نے بھی اسی تقریر کو خود بھی اک نئے انداز میں لکھا۔ پس سمجھ لینا چاہیے کہ ہمیں شیخ محی الدین اکبرؒ اور ان کے پیروکاروں کے اتباع میں لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُن کا ہم پہ قطعاً کوئی حق نہیں۔ اور یونہی نہ ان کے خلاف کچھ لکھنا مقصود ہے اور ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ شیخ محی الدین اکبرؒ عارفوں کا سرتاج ہے اور آج تک کسی محقق نے حقیقت کے مطالب کو شیخ اکبر کی طرح شرح و وضاحت سے نہیں لکھا۔ اور نہ ہی ان کی طرح آیاتِ قرآنی کے مطالب و معانی اور الفاظ میں تحقیق و تدقیق کی، لیکن چونکہ شیخ اکبرؒ میں جمعی حالت، عروجی کیفیت الوہیت کی طرف، ولایت کی نسبت اور محمدیّت اور نشہ و مستی کی جانب غالب ہے اور فرق و نزول کی حیثیت، کمالاتِ نبوت کا پہلو اور ہشیاری کی کیفیت ضعیف و کمزور ہے اور وہ شوخ مزاج اور بیباک بھی ہے اس لیے اکثر جگہوں میں ان کے کلام میں ایسا رنگ نظر آتا ہے جو نہیں آنا چاہیے۔ اور اکثر سالکوں اور مبتدی حضرات کے لیے نقصان دہ ہے۔ اگرچہ تصوف کی باتوں کی طرف راغب اور فلسفیانہ مسلک کی طرف مائل حضرات اس سے خوب لطف اُٹھاتے ہیں۔ اور اُس سے باریک بینی کی قوت حاصل کرتے ہیں۔ ہاں ان کے کلام سے مرتبۂ حقیقت واحدہ کے اس مرتبے کی طرف راہ ضرور کھلتی ہے جو سب موجودات میں جاری و ساری ہے۔ اور موجودات کی ظاہری صورتوں میں وجودی معانی کا مشاہدہ میسّر آتا ہے۔ لیکن عبدیت کے امتیاز کی بہت سی برکات اور محمدیّت کے مقامِ محمود کی بہت سی حسنات جو ان کے نزدیک بھی سب کی سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں پوشیدہ رہ جاتی ہیں۔ وہ فقط مخلص محمدیؐ ہی ہیں جو بسبب عنایاتِ خداوندی اور خاص حمایتِ مصطفویؐ سے محمدیّت کے آئینے میں جمالِ الوہیت کو دیکھتے ہیں۔ اور شریعت کی صورت میں مرتبۂ حقیقت کو پا لیتے

Marfat.com

ہیں - ہم محمدیوں کا یہ بیان بھی کسی کی تقلید میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کثیر التعداد واسطوں کے حجابات کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل اور قبلہ بزرگوارم والد صاحب کی برکت سے دُور کر دیا۔ اور خالص محمدیت کے آفتاب کے وسیلے کا نور ہمارے ظاہر و باطن پہ یوں تجلی ریز ہوا کہ راتوں کو چمکنے والے سب ستارے ہماری چشمِ بصیرت (باطنی آنکھ) سے اوجھل ہو گئے۔ اور اُسی نور محمدیؐ کی تیز شعاعوں میں چھپ کر رہ گئے۔ اس بیان سے ہماری مراد دوسرے ستاروں کے وجود کی نفی اور روشنی کے ان میناروں کے آثار کی نفی نہیں ہے جو دوسروں کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا باعث ہے۔ ان میں سے جس کسی کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ بلکہ ہمارا مقصود اسی آفتاب عالمتاب کے نور ظہور کے غلبے کے بیان سے ہے۔ جس کی شریعت کے نور نے عوام النّاس کے چہروں سے پردہ ہٹا دیا۔ جس کی طریقت کے ظہور نے خواص اور عوام کی رہنمائی کی، (ان سب پر خدا کی سلامتی اور درود ہو) اسی کا وجود تمام موجودات کی ایجاد کا باعث بنا اور عالم شہادت کی اصلی علّت اسی کا شہود ہے۔ اسی کی حقیقت جو تعین اوّل ہے وحدتِ الٰہیہ کی مظہر ہے۔ اور ان کی صورت لامتناہی کمالات کی آئینہ دار ہے۔ الغرض دونوں جہان کی یہ بزم انہی کی شمع شہود سے روشن ہے۔ اور دونوں جہان کی صورتیں انہی کے وجود مبارک کے مادہ سے ظہور پذیر ہیں۔ رباعی

ای آنکہ وجودِ تست ہر جا موجود
واصل بتو نشناختہ کس را موجود
شد مادہ ات علّت ایجاد صور
در صورت نیست جز ہیولیٰ موجود

ترجمہ رباعی: اے کہ تیرا وجود ہر جگہ موجود ہے، جو تجھ سے واصل ہو جائے وہ کسی اور کو موجود نہیں سمجھتا۔ ان تمام صورتوں کی تخلیق کی علّت آپ ہی کا مادہ ہے۔ صورتوں میں سوائے اس کے مادے کے اور کچھ بھی موجود نہیں۔ (مصنف رباعی کی مزید توضیح وتشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے)۔

مدت سے ان آخری و انتہائی حالات کا کچھ ایسا شدید غلبہ اور زور ہے کہ وہ ابتدا میں وارد ہونے والے کلمات کو بھی اپنی ذیل میں لے آئے۔ چنانچہ مذکورہ بالا رباعی کی بنیاد دوسرے معنوں پر تھی اور اب اور ہی معنی کا روپ دھار لیا۔ اور اپنا استعمال صرف نعتِ رسولؐ ہی کے لیے وقف کر دیا۔ اور ان معانی کا اظہار

Marfat.com

پچھلے تشریحی جملوں سے ظاہر اور عیاں ہے۔ اور رباعی کے اپنے پہلے والی عبارت کے ربط سے بھی ظاہر ہے۔ لیکن اس کی سابقہ مرادیں یہ کہ اس میں منادیٰ نفس الوجود ہے جو ہر امر کے نکلنے کا منبع ہے۔ اور لفظ وجود جو یہاں مضاف ہے اُس سے مُراد وجود ظلیؔ ہے جو نکلنے والا امر ہے۔ اور ہرجا کے الفاظ سے مُراد اضافی اعتبارات کے مراتب ہیں۔ موجود سے مراد موجود حقیقی اور لفظ واصل سے مراد عارف حقیقت سے ہے۔ اور لفظ کُن سے مُراد ممکن شے کی ماہیت اور مادہ سے مراد وجود کا ظاہری مرتبہ ہے۔ علت سے مراد ہے موجب، ایجاد سے مراد سے اظہار اور صور سے مراد علمیہ معانی ہیں جو مفہومات سے زائد اور کچھ نہیں۔ اور حاصل مطلب رباعی کا یہ کہ ہر امر کے نکلنے کے مبدا کے مرتبہ کو جو ذات الوجود ہے ندا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے کہ تیرے وجود ظلیؔ نے تمام اضافی اعتبارات کے مراتب پر پر تو ڈالا، اور ہر مرتبے میں موجود حقیقی تو ہی ہے، جو کوئی تجھ سے واصل ہو جاتا ہے اور اس امر کی حقیقت کو جان پہچان لیتا ہے وہ کسی ممکن شے کی ماہیت کو فی الحقیقت اصلی وجود میں موجود نہیں سمجھتا کیونکہ شے کے ظاہری مرتبہ کے مادے کی مانند تیرا وجود تخلیق کا باعث اور صورتوں اور علمی معانی کے اظہار و خروج کا موجب ہے جو فی نفسہٖ مفہومات سے زائد اور کچھ نہیں۔ اور یہ اک واضح اور کھلی بات ہے کہ صورت میں اصل مادے کے سوا اور کچھ موجود نہیں ہوتا۔

شیخ محی الدین اکبرؒ جو صوفیا کے گروہ کے سرتاج اور سردار ہیں اور یہ شیخ اکبرؒ کے لقب سے مشہور ہیں۔ اپنی خصوص الحکم نامی کتاب کے فص شعیبی میں بیان کرتے ہوئے یوں لب کشائی کرتے ہیں۔ صاحب تحقیق دیکھتا ہے کثرت کو واحد میں اور صاحب تحقیق سے شیخ اکبر کی مراد وہ عارفِ محقق ہے جو جامع ہے فرق اور جمع کا۔ اور کثرت کا دیکھنا واحد میں دیکھنا ہے کثرت کا عالم میں موجود واحدِ حقیقی میں جو کہ وجود مطلق ظاہر ہے کثرت کی صورت میں جیسے کہ دیکھنا قطروں کا سمندر میں اور پھلوں اور پتوں کو درخت میں جیسے کہ جانتا ہے صاحبِ تحقیق کہ اسمائے الٰہیہ کا مدلول اگرچہ اختلاف ہو ان کے حقائق میں یعنی حقائقِ اسمائیں میں اور کثرت ہو کثرتِ اعتباریہ کے لحاظ سے، وہ عین واحد ہے یعنی جیسے کہ وہ دیکھتا ہے کثرت اسمائیہ باوجود اس کے کہ وہ حقائق کے لحاظ سے مختلف ہیں اور لوٹتے ہیں اسی ذات کی طرف اور منسوب ہیں اسی کے ساتھ۔ پس یہ کثرت معقول ہے واحد العین میں یعنی یہ اسمائی کثرت معقول ہے ذاتِ واحدہٗ الٰہیہ میں۔ پس ہوتی ہے تجلی میں کثرت مشہود وہ عین واحد میں

Marfat.com

یعنی تجلی اور ظہور کے وقت اسمائی صورتوں میں ہوتی ہے کثرت اسمائیہ مشہود عین واحدہ معقولہ میں جیسے کہ ہیولی اخذ کیا جاتا ہے ہر صورت کی حد میں اور مشتمل ہوتا ہے تمام صورتوں پر۔ اور وہ صورتوں کی کثرت اور ان کے اختلاف کے ساتھ اعتبار کے مرتبے میں حقیقت میں لوٹتا ہے ایک جوہر کی طرف اور وہ ہے اس کا ہیولی۔ پس صورتیں بہت ساری اور مختلف ہوتی ہیں اور ہیولی ایک ہوتا ہے اور شرح قیصری میں شارح الفصوص لکھتا ہے کہ ہیولی اسے یہاں مراد ہیولی کلیہ ہے جو کہ قبول کرتا ہے تمام روحانی اور جسمانی موجودات کی تمام صورتوں کو نہ کہ وہ جزئی ہیولی جو کہ منحصر ہے اجسام میں۔ پس مراد یہ ہے کہ وہ ہیولی امطلقہ ہے اور وہ جوہر ہے اور جنس عالی ہے۔ جیساکہ اُس نے اسے بیان کیا ہے یعنی شیخ اکبر نے یہ بیان کیا ہے اپنی کتاب میں کہ انشاء الدوائر کے نام سے منسوب ہے اور وہ شیخ اکبرؒ کی تصانیف میں سے ہے۔ اور اس کے معنی یعنی اس تقریر کے معنی یہ ہیں کہ کثرت نظر آنے والی ہے عینِ واحد میں۔ اور یہ عینِ واحد معقولہ ہے اس میں اور وہ منکشف کرتا ہے اسے مثال کے ساتھ۔ اور وہ یہ ہے کہ جس طرح صورِ موجودات سب کی سب نظر آنے والی ہیں عین ہیولی میں اور ہیولی اس میں معقول ہے اور اس لیے اخذ کیا جاتا ہے موجودات میں سے ہر تعریف کے اندر اور شمار کیا جاتا ہے تمام صورتوں اور اعتبارات کے ساتھ جیسے کہ تم کہتے ہو کہ عقل جو ہے یہ جوہر مجرّد ہے جو کلیات کا ادراک کرنے والے جسم سے غیر متعلّق ہے پس تو نے جوہر کو لے لیا عقل کے مرتبے پہ مادے سے الگ ہوتے ہوئے اور نفس ناطقہ مجرّد جوہر ہے جو پانے والا ہے کلیّات اور جزئیات کا اور اس کے لیے تدبیر و تصرّف کا تعلق ہے جسم کے ساتھ اور تو نے اُسے لے لیا ہے مرتبۂ نفس میں تجرّد کے ساتھ مادے کا ساتھی بناتے ہوئے اور اُس کا متصرف بناتے ہوئے اور جسم جو ہے وہ جوہر ہے جو ابعادِ ثلاثہ یعنی (تین دوریوں) کے قابل ہے اور تو نے لیا اُسے مرتبۂ جسم میں دوریوں والا طول میں اور عرض میں اور عمق میں۔ پس تو لیتا ہے جوہر کو ان دونوں کی تعریف میں یعنی تعریف اشیائے موجودہ مختلفہ میں صورت میں اور اعتبار میں اور وہ حقیقت میں واحد ہے اور نہیں متغیر ہوتی اپنی جوہریت سے اور وحدت سے کثرت سے اختلاف کے ساتھ اور اُس کے اعتبارات کے ساتھ، اور صورتیں بہت ساری مختلف ہیں جیسے کہ تو نے جان لیا۔ قیصری کا کلام اور شیخ اکبر کا مقصود ختم ہوا۔ مجھ فقیر کا کہنا ہے کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے مجھ پہ منکشف فرمایا اور جو مجھے سمجھایا ہے وہ حضرت شیخ اکبرؓ سے جداگانہ ہے۔ ہر چند

Marfat.com

کہ نفس الوجود کی توحید کا اقرار ہے۔ لیکن اس طریق سے نہیں جس کا وحدت الوجودی صوفیا کے کلام سے پتہ چلتا ہے۔ اور جسے وہ اپنی اصطلاح میں وحدت الوجود کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ ان کی تقریر کے انداز سے بہت سے کم سمجھ لوگ خراب حال ہو جاتے ہیں۔ اور الحاد میں جا گرتے ہیں۔ اگرچہ محققوں کا ارادہ تو صحیح سمت کا تھا لیکن ان کے پیروکار غلطی میں جا پڑے مخلص محمدیوں کا حاصل بیان تو سراپا حقیقت کا انکشاف اور شریعت کا اتباع کامل ہے۔ ان کے خواص اہل اللہ اور محقق ہوتے ہیں اور ان کے عوام دیندار اور مومنین ہیں۔ قصہ کوتاہ، اس باب میں اس ماد سے اور صورت کی تمثیل کے بالمقابل جو شیخ اکبرؒ نے بیان فرمایا ہے ہم ایک اور طریق سے اس تمثیل کو پیش کرتے ہیں۔ اور شیخ اکبرؒ کے کلام میں پیش آنے والی مشکلات کو بھی تحریر کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ صاحبانِ نظر یعنی حکما (فلسفیوں) نے مادے اور صورت کی دائمی رفاقت کا فیصلہ دیا ہے کہ مختلف دلیلوں سے اس مطلب کو ثابت کیا ہے۔ کہ صورت مادے سے اور مادہ صورت سے جدا نہیں ہوتا اور صورت کے ظہور کا موجب ہیولی (مادے) کو گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صورت وجود میں ہیولی کی محتاج نہیں ہے۔ اور ظہور میں ہیولی کی محتاج ہے۔ کیونکہ بغیر مادے کے صورت کے ظہور کا تصور ہی نہیں ہوتا۔ اور صورت کو مادے کے وجود کی علت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں ہیولی (مادہ) وجود میں صورت کا محتاج ہے۔ کیونکہ صورت کے بغیر مادے کا وجود ہو ہی نہیں سکتا، تاکہ دور لازم نہ ہو دوریں۔ کیونکہ باہمی رفاقت والے امور میں طرفین کا ایک دوسرے سے احتیاج ایک حیثیت سے لازم و درست کہ باطل ہے اور وجود و ظہور کی حیثیات کے ان اختلافات سے وہ گمان رفع ہوا کہ مادہ ایک دوسری حیثیت میں صورت کا محتاج ہو گیا اور صورت دوسری حیثیت میں ہیولی کی محتاج ہو گئی، پس اس مثال کے انداز سے حضرت شیخ اکبرؒ نے فرمایا حق ہی ظہور خلق کا موجب ہے۔ جس طرح کہ ہیولی (مادہ) صورت کے ظہور کا موجب ہوتا ہے۔ شیخ اکبرؒ نے ہیولی کو بمنزلہ حق کے بیان کیا ہے اور مخلوق وجود حق کا موجب یعنی جس طرح کہ صورت مادے کے وجود کا موجب ہوتی ہے۔ شیخ مذکور نے مخلوق کو بمنزلہ صورت قرار دیا اور اس بیان سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی مخلوق کی انہی صورتوں کے ضمن میں موجود تھا تو کلی طبیعی کی طرح اس کا وجود افراد کے وجود پر موقوف تھا۔ کیونکہ شیخ کی عبارت کے ظاہر سے تو یہی استفادہ ہوتا ہے

Marfat.com

اور یہ عقلاً اور نقلاً باطل ہے۔ کیونکہ مخلوق خالق سے موجود ہے نہ کہ خالق مخلوق سے موجود ہے۔ ممکن نے واجب سے اپنا وجود حاصل کیا ہے نہ کہ واجب نے ممکن سے وجود کا فیض پایا۔ اے اللہ (یا اللہ) ضعیف جواب میں اللّٰھم کہتے ہیں۔ چونکہ یہ جواب جو شیخ اور اس کے مقلدوں کی طرف سے دیا جا رہا ہے ضعیف ہے اس لیے کلمہ اللّٰھم لایا گیا۔ اور حاصل مطلب یہ کہ جواب ضعیف ہے اگر جواب دیا جائے کہ اس مثل سے جو شیخ اکبر نے بیان کی ہے اس کی مُراد کثیر التعداد صورتوں میں معنی واحد کے شمول کے سمجھانے سے ہے نہ کہ بعینہٖ اس کے تمام لوازم منظور ہیں کہ وارد ہونے والی یہ مشکلات لازم آئیں۔ ہر چند کہ یہ تقریر جواب ہو سکتی ہے لیکن تیز نگاہوں، باریک بینوں، دقیقہ سنجوں اور نکتہ رسوں کے سامنے ظاہر ہے کہ اگرچہ اس مثل سے شیخ کی مراد فقط کثیر التعداد مراتب میں معنی واحد کے شمول کے ارادے سے ہو اور مادے اور صورت کے دیگر لوازم ملحوظ نہ ہوں، لیکن اس تمثیل سے وجودِ حق کا انحصار وجودِ خلق پہ معلوم ہوتا ہے بس اسی سے سمجھ لو، یہی وجہ ہے کہ ان کے بعض پیروکار الحاد میں جا گرے اور اُسے جائز قرار دینے لگے، یہ یقینی بات ہے کہ شیخ کی مراد بالکل درست ہے، کیونکہ شیخ جیسا محقق اور عارف اسلاف میں کوئی نہیں ہوا۔ کسی نے اسرار و رموز کو یوں بیان نہیں کیا اور نہ ہی تصوف کے مطالب کو ایسی تفصیل و وضاحت سے لکھا ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ صوفیا کا سرتاج اور سردار ہے اور تمام اہلِ تصوف نے انہی کے خرمن سے خوشہ چینی کی ہے لیکن چونکہ شیخ کے نشہ و مستی میں بالکل افاقہ نہ ہوا اور وہ مکمل نزول نہ کر سکے اور مزاج میں اور قوت ادراک میں تیزی کے باعث شوخی و بیباکی بھی تھی اس لیے اکثر جگہوں پہ شیخ کی عبارات شیخ کے مرتبے کے موافق و سازگار نہیں اور کمالاتِ نبوّت کے مقام کے متعلق کچھ نہ کہہ سکا۔ اور امتیاز پر اتحاد کا جذبہ غالب رہا اور خالص محمدیّت کے اعتدال نے معاملے کے چہرے سے پردہ نہ ہٹایا اور کمالات نبوّی کے مقام سے کوئی متاع اکٹھا نہ کر سکا۔ یہ سعادت مخلص محمدیوں میں سے جس کے نصیب میں ہوئی سو ہوئی اور اس خاص عنایت سے جسے نوازا سو نوازا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مختص کر لیتا ہے۔ اس علیم کا علم سب سے زیادہ ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ شیخ اکبرؒ کی تمثیل کے بالمقابل میرے کوتاہ فہم میں جو آتا ہے اور پہلے پہل ذہن میں ناقص معلوم ہوتا ہے۔ وہ یوں ہے کہ مادہ کی طرح مخلوق ظہورِ حق کا موجب ہو گا۔ خلق کے ہیولیٰ ہونے سے مراد خلق کا اسمائی اور صفاتی تجلیات

Marfat.com

کا محل ظہور ہوتا ہے نہ کہ ہیولیٰ کی طرح یعنی مادہ ہوتا۔ اور خلق کا ظہورِ حق کا موجب ہونا اس حدیث قدسی سے بھی ثابت ہے کہ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں سو میں نے خلق کو پیدا کیا، یہ حدیث بھی انہی معانی پہ دلالت کرتی ہے اور حق بلا تشبیہہ وجود خلق کی علّت کی صورت۔ اور حق کے صورت ہونے سے یہاں مراد حضرت وجود کے ان دنیوی مظاہر پہ تجلّی ریز ہونے سے ہے۔ اور ان کی تخلیق حضرت وجود کے وجوب کے پرتو کے ضمن میں ہوئی۔ یہ آیت کریمہ کہ اللہ نے پیدا کیا تمھیں اور ان چیزوں کو جو تم کرتے ہو۔ اسی امر کی خبر دیتی ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام اشیا کی ذاتوں کی طرح ان کے اعمال و افعال کی تخلیق بھی کی ہے۔ کیونکہ شے کی ذات کی طرح اعمال و افعال کی ذاتیں بھی حقائق اور صورِ علمیہ میں سے ہیں۔ اور ہر حقیقت کو حضرت وجود ہی موجود بناتا ہے نہ کہ یہ حقائق ممکنہ جو بذاتِ خود مفہومات سے زاید اور کچھ نہیں ہیں۔ اور فلاسفہ کی اصطلاح میں صورت عبادت ہے جو ہر کشیدہ سے مکمل اور ناقص حدود کو ملحوظ رکھے بغیر اور یہ محدود اشکال ایسی شکلیں اور ہیئتیں ہیں کہ دائرے کی طرح مکمل محدود ہوں تو اُسے شکل کہتے ہیں اور اگر قوس کی طرح محدود ناقص ہوں اُسے ہیئت کہتے ہیں اور یہاں مراد وجود ظلّی کی درازی ہے، یعنی اس تمثیل میں لفظ صورت سے ہماری مراد وجود کی مصدری معنوں میں درازی و کشیدگی ہے جو موجودات کے تمام حقائق پہ کشادہ ہے۔ اور اور تمام مخلوقات پر یہ وجود ظلّی ہی کشیدہ ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں اپنے رب کی طرف کہ اُس نے سائے کو کیسے لمبا کر دیا۔ اس کی ایک تاویل یہ ہے اور اس آیت کے باقی ماندہ حصّے وَلَو شَاءَ اللہُ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا کے معنی یہ ہیں کہ اگر حق تعالیٰ چاہتا تو اُس سائے کو ساکن کر دیتا۔ یعنی وجود ظلّی کا یہ فیض اس فانی موجودات میں ہمیشہ کے لیے قرار پکڑ لیتا اور اس عالم کو بھی عالم آخرت کی طرح دائمی بنا دیتا۔ لیکن اس کی حکمتِ بالغہ نے اس امر کا تقاضا نہ کیا، یہ وجود ظلّی ہر لحظہ ہر موجود میں سایہ ڈالتا ہے اور وجود میں لاتا ہے۔ اور ہر آن حقائقِ ممکنہ اپنی ذاتی عدمیت کو ظاہر کرتے اور نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور سائے کی طرح فیض وجودی ہر لحظہ ان کے سر سے گزر جاتا ہے۔ اور ظل وجودی کا یہ گزرنا نفس الوجود کے اعتبار سے نہیں بلکہ ماہیات ممکنہ کے عدم ہونے کے لحاظ سے ہے جن کے احوال میں تغیّر و تبدل ہوتا رہتا ہے لیکن موجودات کو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ سایہ وجود ان کے سر سے گزر جاتا ہے جس طرح کشتی کا سوار خود کو چلتا ہوا نہیں دیکھتا بلکہ ساکن سمجھتا ہے اور مشاہدہ میں ساحل چلتے ہوئے

Marfat.com

دیکھتا ہے۔ پس ان کے دیکھنے کے اعتبار سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر خدا چاہتا تو اس سائے کو ساکن کر دیتا۔ قصہ کوتاہ ہم پھر بر سر مطلب آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فیض وجودی کو شیخ اکبرؒ والے لفظ ہیولیٰ کی بجائے لفظ صورت سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب اور موزوں ہے جیساکہ ہم نے کیا ہے۔ کیونکہ لفظ صورت کا اطلاق حدیث میں بھی آیا ہے۔ اور یہ ایک مشہور حدیث ہے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پہ تخلیق کیا، ایک روایت میں صورتِ رحمان پہ بھی آیا ہے۔ جس میں صورت کی اضافت واضح طور پر اسمِ الٰہی سے ہے۔ اور پہلی روایت میں ضمیر مجرور کے رجوع کا آدم کی طرف بھی احتمال تھا۔ یعنی اس چیز پر جس کی متقاضی ہے اس کی حقیقت!! پس حدیث کے مطابق لفظ صورت کا حق تعالیٰ پہ اطلاق بھی جائز ہے ہر چند کہ مجازی طریق سے ہے نہ کہ حقیقت کی رو سے، پس حدیث میں پائے جانے والے لفظ کا بیان کرنا یقیناً بہتر ہے اُس لفظ کے بیان سے جو حدیث میں مطلقاً آیا ہی نہ ہو۔ مذکورہ بالا حدیث کے یہ معنی ہیں جو ہم بیان کرتے ہیں۔ یعنی کہ آدم کو حضرت وجود نے وجود ظلّی بنایا، کیونکہ صورت سے مراد وجود ظلّی ہے۔ اور آدم سے مراد حقیقت انسانی۔ پس حضرتِ رحمان کا مکمل ترین مظہر انسان ہے اور وہ اور ہر کوئی وجود ظلّی کا فیض یافتہ ہے۔ اور موجودیت کے لحاظ سے موجود ہونا وجود اصلی یعنی وجود حق جل شانہٗ وعم نوالہٗ ہی کو نصیب ہے۔ موجودات کے یہ حقائق ممکنہ عدمی مفہومات ہیں یعنی کہ وجود نہیں ہیں اور محض اور صرف مفہومات ہیں۔ اور کچھ نہیں مواد کی مانند ہیں اور ان کے وجود اور ظاہر ہونے کے لیے موجودات جو موجودہ اشیا ہیں بمنزلہ مواد کے ہیں۔ اور وجود کی یہ کشیدگی بمنزلہ صورت کے ہے جو جوہر دراز و کشیدہ ہیں۔ تمثیل کے طور پہ جو ان کے وجود کا باعث ہے۔ یعنی ان حقائق کی موجودیت کا سبب بلکہ وہ مفہومات اس مفہومی اعتبار میں ہیں اور اُنھوں نے اپنے مرتبے سے باہر قدم نہیں رکھا جیساکہ شیخ اکبرؒ نے بھی اس تقریر میں ہم سے متفق ہو کر فرمایا ہے کہ اعیان نے کبھی وجود کی خوشبو کو نہیں سونگھا۔ ادھر حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ العزیز نے اسی معانی کے بیان میں شعلۂ جوالہ (گھومنے والا شعلہ) سے مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ خارج میں موجود وہی ایک نقطہ ہے اور نظر آنے والا دائرہ واہمہ کے سوا اور کہیں موجود نہیں۔ جیساکہ ان کے مکتوبات کے ناظرین و قارئین سے پوشیدہ نہ ہوگا اور موجودیت واقعاً اور حقیقتاً مرتبۂ وجود ہی کے نصیب میں ہے۔ جو ہر امر کے نکلنے کا منبع و مبدا ہے۔ یہ

Marfat.com

سب یعنی حقائق ممکنہ اس کے ظہور کا مقام ہیں اس سے زائد اور کچھ نہیں، یعنی اس جلوہ کی تجلیات کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ سوال جس طرح حضرت شیخ اکبر کی تمثیل کے لیے مذکورہ بالا مشکلات درپیش ہیں تو اسی طرح تمھاری بیان کردہ تمثیل کے متعلق بھی کہا جائے یا یہ سوال کیا جائے کہ تیری تقریر سے بھی صورت و ہیولی والی حالیت اور محلیت ثابت ہوتی ہے اور علما حق جل جلالہٗ کے حلول کو جائز نہیں سمجھتے۔ یہ خرابی شیخ اکبر والی تمثیل پہ وارد ہونے والی خرابیوں سے کوئی کم تو نہیں۔ جواب یہ شک و شبہ بھی صرف ہماری تمثیل ہی سے مخصوص نہیں بلکہ دونوں مثلوں میں شامل ہے۔ ہر واحد میں حالیت و محلیّت کا خلل ہے، لہذا قیاسی تقریر سے کہا گیا۔ پس اس سوال کا جواب میری طرف سے تو بالکل ظاہر اور عیاں ہے۔ کہ میں نے اس مثل کے ذکر کرتے وقت لفظ بلا تشبیہ لکھا اور اس لفظ کے لکھنے سے ظاہر ہے کہ مراد مکمل تشبیہ نہیں کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ کے سارے لوازم مطابق ہوں اور مطابقت ضروری ہو۔ مگر یہ جو ہماری مثل سے منظور ہے۔ در اصل تمثیل کے شروع ہی میں کسی صورت میں ہمارا مقصود حل تعالیٰ نہیں۔ اور ہماری کوئی تحقیق اس مثل پر موقوف نہیں۔ بلکہ یہ تو پہلی مثل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہا گیا۔ کہ یہ اُس سے بہتر اور مناسب تر ہے۔ اور مثل اعلیٰ اللہ کے لیے ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اگر انصاف کریں یہ مثل ہیولی والی مثل سے عمدہ تر ہے۔ آدابِ شریعت کی رُو سے بھی اور کشفِ حقیقت کی رُو سے بھی۔ بہر حال اسے وہی سمجھتے ہیں جو سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یعنی مذکورہ بالا شبہ کے رفع ہونے کے باوجود بھی اس بندۂ ناچیز نے صورت کا اطلاق محض مجازی طور پہ اور وہ بھی سمجھانے کے لیے وجود ظلّی پہ کیا ہے جو نکلنے والا امر ہے۔ اور اس صورت میں سوال مذکورہ میں ہرگز دخل دینے والا نہیں، اور حقائق کو اس کے ظہور کا محل قرار دیا یعنی وجود ظلّی کا عملی ظہور۔ پس اندازِ بیان کے مطابق اس کا ظہور حال ہو گا یعنی وجود ظلّی کی تجلّی اور ظہور اور حالیت ظہور و تجلّی کی طرف منسوب ہو گی اور اُس کے مظاہر اور آئینے اُس ظہور کی جلوہ گاہیں اور تجلّی گاہیں ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی ضمیر کا مرجع حق سبحانہٗ تعالیٰ ہی ہو۔ یعنی صفتِ ظہور حق حال ہے اور مظاہر محل، نہ یہ کہ عین حق ہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے بلند و بالا اور عظیم ہے اور خلق محل ہے۔ مخلوق مٹی کا مال اور وہ شاہوں کا شاہنشہ۔ مٹی کا اور رب الارباب کا کیا جوڑ؟ پس سمجھ لے گہرائی کے ساتھ اور غور و فکر کے ساتھ اور نہ غفلت کر اور کم عقل والوں کی طرح تساہل و

Marfat.com

کاہلی نہ کر۔ **سوال** ایک اور شبہ اور آخری شک جو اسی تمثیل سے قیاس میں آتا ہے یہ ہے کہ اگر تم یہ کہو کہ کثرت صورت کے اعتبار سے دکھائی دیتی ہے حقیقت کے لحاظ سے نہیں۔ کیونکہ کثرت عبارت ہے انہی کثیر التعداد صورتوں سے۔ پس معنی واحد کو جو وجود ہے صورت سے کیسے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اور وجود ظلی کہ بمنزلہ صورت کے اور حقائق موجودات کو ہیولی کی مانند کیسے کہا جاسکتا ہے۔ **جواب** درست ہے، کثرت انہی کثیر التعداد جزئی صورتوں کے اجتماع کے باعث ہی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن تمثیل میں لفظ صورت سے ہماری مراد نفس الصورت سے ہے نہ کہ اس کی کثرت سے جو ہیئت کذائی کے لحاظ سے ہے۔ جس طرح کہ جسمانی صورت جو صورتِ مطلقہ ہے اور جسے جنسی صورت بھی کہتے ہیں وہ عینِ واحد ہے اور وحدت میں اس نوعی کثرت کے جنسی مرتبے میں کوئی خلل نہیں آتا۔ پس معلوم ہوا کہ تعدادی امتیاز نچلے مراتب کے اعتبار سے ہے اور کثرت نوعی صورتوں کے لحاظ سے نہ کہ عالی مرتبے کے لحاظ سے جو جنسی صورت ہے کہ مذکورہ بالا سوال اس تمثیل پر لازم آئے۔ پس زیادہ تغیر کی حیثیت سے ہے نہ کہ اطلاق کی حیثیت سے۔ اور دور کرتی ہے اس کا ورود اور ثابت کرتی ہے وہ بات جو ہم نے کہی تمثیل میں سمجھانے کے لیے اللہ علیم کی تعلیم کے ساتھ۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر پوچھا جائے کہ تو نے حقائق کے عدمی معانی کہہ کر اور مادۂ عام قرار دے کر حضرت وجود کے ظہور کا موجب لکھا ہے اور وجودی درازی کو ان کے وجود کی علّت کی مانند بیان کیا ہے اور یہ امر محال ہے کہ معدوم تو معروض (جس سے التماس کیا جاتا ہے) ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بلکہ معدوم کسی وجہ سے بھی موجود نہیں ہو سکتا۔ پس حقائق کو جو اپنی ذات میں وجود سے محروم ہیں اور مفہومات سے زائد نہیں ہیں اُنھیں بمنزلہ مادہ کے قرار دینا کچھ صحیح نہیں لگتا۔ کیونکہ مادہ وصورت دونوں وجودی امر ہیں۔ جو چیز اپنی ذات میں کچھ نہ ہو وہ کسی دوسری چیز کا مادہ کیسے بن سکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وجود و عدم میں مثبت و منفی کا تقابل مسلّمہ ہے جیسا کہ اس سے پہلے باب میں تم دیکھ چکے ہو۔ لہذا ایک دوسرے سے ممتاز ہوا اور مفہوم یہ نکلا کہ معنیٔ وجود کے تصوّر کے سبب اس کے بالمقابل عدم کے معنی سمجھ میں آتے ہیں اور عدم کا مفہوم سمجھ آنے کے مقابل معنیٔ وجود سمجھ میں آتے ہیں۔ اور مشہور مقولہ ہے کہ چیزیں اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں۔ پس اسی طرح یعنی وجود و عدم کی مانند معدومات جو عدمات ہیں عدمی مفہوم ہیں اور ان کے ہمراہ یہ حقائق معدومہ بھی معدوم کا مفہوم

Marfat.com

دیتے لگتے ہیں اور اعتباری عدمات میں داخل ہوجاتے ہیں - اور یہی موصوفہ حقائق تقابل کے باعث یعنی مرتبۂ وجود میں وجود و عدم کے تقابل کے باعث ان موجودات کے ضمن میں متمیز ہوجاتے ہیں اور دیکھنے میں موجود نظر آتے ہیں - جس طرح وجود و عدم کے درمیان مقابلہ ہے اسی طرح معدومات اور موجودات میں مقابلہ ہے - پس وہی وجود ہے کہ موجودات کے مرتبے میں جلوہ افروز ہے - اور اس مقام میں وجود موجود لگتا ہے، نہ یہ کہ معدوم موجود بن جاتا ہے اور عدم وجود ہوجاتا ہے اور یہ حقائق ممکنہ وجود کی موجودیت کا محل ظہور اور عدم کی معدومیت کی یافت کا سبب ہیں - پس دیکھو کہ لاحق ہونے والی چیز کونسی ہے اور جس سے لاحق ہوا جاتا ہے وہ چیز کونسی ہے - یعنی وجود عارض ہے اپنی ایک حیثیت سے اور معروض سے ایک حیثیت سے، اور نہیں ہے وجود عارض اور عدم معروض جیسے کہ تو نے سوال کرنے میں گمان کیا ہے - یہ ہے حاصل مطلب اس تحقیق کا جہاں سچے محقق حضرت مجدد الف ثانی رح نے اسمائے متقابل کے عکسوں کو ملا کر عدمات کو حقائق ممکنہ کہا ہے - یعنی یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ حضرت مجدد الف ثانی رح ہی کی تقریر کا ماحصل ہے - کیونکہ انھوں نے حقائق ممکنہ کو اسمائے متقابلہ کے عکسوں کے انضمام سے عدمات کہا ہے - یہ توجیہہ جو ہم نے لکھی ہے اس کے بغیر عدمات کے ساتھ اسمائے کے عکوس کا انضمام بے معنی ہے - کیونکہ عدم خود کوئی چیز نہیں کہ اس کے ساتھ کسی اور چیز کا انضمام کیا جائے - رباعی

عالم ہمہ مست ہست ز جام ہستی
سرشار ز جرعۂ مدام ہستی
از پردۂ این ساز چنان شد معلوم
کاین نغمہ تراود از مقام ہستی

ترجمہ رباعی: تمام کائنات جام ہستی سے سرمست ہے اور ہستی کے دوام کے گھونٹ سے سرشار ہے - اس ساز کے سروں سے یوں معلوم ہوا کہ نغمات مقام ہستی ہی سے ٹپک رہے ہیں (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) عالم سے مُراد دُنیا میں موجود حقائق سے ہے اور مستی سے مُراد ہے موجودیت کی کیفیت سے کیف زا ہونا - جام سے مراد مرتبہ اور ہستی سے مُراد وجود مطلق ہے اور سرشاری سے منظور موجوداتِ مقیدّہ اور جُرعہ سے مراد مرتبۂ تقیدّ - مدام سے مراد فیض اور پردہ

Marfat.com

سے مراد دنیوی مظاہر اور اس ساز سے مُراد مرتبۂ امکان ہے اور معلوم ہونے سے مُراد متحقق اور ثابت ہوتا ہے اور نغمہ سے مُراد معاملۂ کن فیکون ہے اور ترادیدن کے معنی یہاں پیدائی وظہور کے ہیں اور مقام سے مراد ہے کثرت میں وحدت کا شمول۔ رباعی کا حاصل مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں موجود یہ حقائق موجودیت کی کیفیت سے مرتبۂ وجودِ مطلق کے باعث ہی کیف اندوز ہیں۔ اور موجودیت انھوں نے فیض وجودی کے مرتبۂ تقیدّ سے پائی ہے۔ اور دنیوی مظاہر جو مرتبۂ امکان میں ہیں۔ ان کے مشاہدے سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ کُن فیکوں کا معاملہ کثرت میں وحدت کے شمول کی راہ سے ظاہر ہوا یعنی حضرت وجود کی موجودات میں شمول کی راہ سے ظاہر ہوا۔ جس طرح کہ عددی واحد سے عددی کثرت وجود میں آجاتی ہے اور ہر عدد کے مرتبے میں وہی واحد (اکائی) موجود رہتی ہے اور اسی اکائی کے سبب سے اکائیاں، دہائیاں، سینکڑے اور ہزار متمیز ہوتے ہیں جیسا کہ اس آیتِ کریمہ میں خدائے واحد کا فرمان ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمھارے ساتھ ہے۔

Marfat.com

هُوَالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے واسطے ہے جس نے سابقین جن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے ان کے اندر اصول میں سے انوکھاپن پیدا کیا ہے جو وسیلہ بنایا ہے قرب اور وصول کا۔ اور ودیعت کیا ہے بعد میں آنے والے اور رجوع کرنے والوں کی جبلت میں فروع میں سے قوت رجوع اصول کی طرف، اور ممیز کیا ہے اس وصول اور فصول کی قسموں کو عموم جنسی سے خاص چیزوں کے ذریعے اور فصول کے ذریعے، پس ہر چیز اپنے رجوع میں اصل کی طرف اور وہ جبلت کی گرفت میں ہے۔ پس مبارک اس شخص کے لیے کہ جس کی اصل ثابت اور مضبوط اور مقبول ہے اور وہ دیا جاتا ہے ہر وقت اپنے رب کی اجازت سے اپنا کھانا جو کھایا جانے والا ہے۔ اور جہنم ہے اس کے لیے کہ جس کی اصل جو ہے وہ اکھڑی اور کھودی ہوئی اور باطل ہے اور غیر معقول ہے جس میں کوئی فائدہ کوئی حاصل نہیں ہے۔ اور سلام نبی محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آلؓ پر آپ کے اصحابؓ پر جو چھنے ہوئے لوگوں میں سے ہیں اور قبولیت والے ہیں۔ اما بعد پس یہ انہتر واں (۶۹) باب ہے جو اصل الاصول کے نام سے موسوم ہے۔ کیونکہ اس کی شرح کے مقدمے میں اقسام الاصول کا بیان ہے۔ پس اسے موسوم کیا گیا اس نام سے باب کی مناسبت سے اور جب کہ اصل جو ہے اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے فروع کو اور انہی پر مشتمل ہے۔ پس اسی لیے اکتفا کیا گیا فقط

Marfat.com

اصل کے لفظ سے یہاں دلالت کرنے پر مذکورہ بالا مطالب میں سے تمام پر جو کہ اگرچہ تھے فروع کی طرح اور لوازم شمولیت اور اہتمام کے ساتھ جیسے کہ فروع کی اقسام کا بیان ہے اور فروع کے رجوع کی قسمیں جو ہیں اصول کی طرف ان کا بیان اور بیان کرنا وصل کی قسموں کا جو کہ ہوتا ہے اصول اور فروع کے درمیان اور ان دونوں کے علاوہ اور بھی۔ اور فصل کی قسموں کا جو ان دونوں کے درمیان اور دوسرے منفصلات کے درمیان اور بیان حکما، صوفیا اور خالص محمدیوں کے مطالب کے اصول کا اور اُس جیسے مقدمات کا جو متعلق ہیں اس مقصد سے، پس اوّل مرتبہ ہے مختصر اور جامع اور اپنے اندر لیے ہوئے ہے تفصیل کو اور مستعد ہے ظہور کا اور کمالات پر اجمالاً قابض ہے۔ اور وہ پھیلانے والا ہے تفصیل کے ساتھ اور باطنی طور پر مائل ہے اپنے نفس کی طرف اور اس سے بھاگنے والا ظاہری طور پر جب کہ متوجہ ہوتا ہے ظہور کی طرف مراتب کی صورتوں میں جو کہ اس کے اعتبارات ہیں اور اُس کے اضافات ہیں۔ اور اس کے مظاہر قریبہ ہیں اور جنھیں اس کی فروعات سے منسوب کیا جاتا ہے اور وہ چھپانے والا ہے اپنے نفس کو اور اس کی صفات کو ظاہر کرنے والا ہے۔ جیسے درخت کا بیج جو ہوتا ہے صورتاً مختصر مگر معنی کے لحاظ سے جامع۔ اور درختوں کے متعلّق تمام معانی کو جامع ہوتا ہے اور ضامن ہوتا ہے پتوں اور ٹہنیوں کی تفاصیل کا اور نشوونما پانے کے لیے مستعد ہوتا ہے اور قابض ہوتا ہے کمالات نباتیہ کا اپنی اجمالی صورت کو دیکھتے ہوئے اور اُس کو پھیلانے والا ہوتا ہے اپنی تفصیلی نسبت کے اعتبار سے، اور مائل ہوتا ہے اپنے نفس کی طرف بلحاظ اپنے مخفی میلان کے پھل کی طرف جس کے اندر بیج ہوتا ہے۔ اور وہ بھاگنے والا ہوتا ہے اپنے نفس سے باعتبار اس کا بھاگنا بیج کی شکل سے درخت کی شکل تک۔ اور چھپانے والا ہوتا ہے اپنے نفس کو بلحاظ چھپانے کے اس زمین کی پستی میں نمو کی حالت میں اور منکشف ہونے والا ہے اپنی صفات کے ساتھ تجلیاتی اعتبار سے پورے درخت کی شکل میں اور فرع جو ہے یہ تفصیلی جزئی مرتبہ ہے جو لینے والا ہے اصل کے اثر کو اور مستعد ہوتا ہے اسی کی طرف لوٹنے کا، اور قوتِ اصلیہ کے ساتھ چمٹنے والا ہے اور پھیلنے والا ہے اصل کی تفصیل کے ساتھ اور مائل ہونے والا ہے اسی کی طرف ظہور میں بلندی کے ساتھ اور بھاگنے والا ہے ان چیزوں سے جو اس کے سوا ہیں حقیقت میں اور آخر پھر اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔ اور شاخیں بن کے نکلنے والا ہے اس سے پہلے اور اُس سے الگ ہونے والا ہے۔

۔ ــــ صورت کے لحاظ سے، اور اُسے ملنے والا ہے معناً جیسے کہ درخت کی ٹہنی کیونکہ وہ پتوں اور کونپلوں اور پھلوں کے ساتھ متصّل ہوتی ہے اور اُس کے لیے خاص جزئی صورت ہوتی ہے اور یہ ٹہنی اخذ کرتی ہے اصل کے اثر کو اپنے نفس میں اور مستعد ہوتی ہے اس کی طرف لوٹنے کے لیے اور پکڑتی ہے قوت اصلیہ کو اپنی شخصیت میں اور بکھیرتی ہے اصل کی تفصیل کو مختلف قسموں کے ساتھ اور مائل ہوتی ہے اصول کی طرف بلند رہنے کی صورت میں بلند درجات کی طرف، کونپلوں اور پھلوں کی شکل میں اور آخر کار لوٹتا ہے بیج کی شکل میں اور اُسی کی طرف انتہا کرتا ہے۔ جیسے اس نے پہلے نشوونما پائی دانے سے اور اس سے شروع ہوا اور اُس سے الگ ہی بیج کی شکل میں اور الگ ہوتا ہے بیج کی شکل سے ایسی شکل میں جو ظاہر ہے الگ ہے جلی ہے اور متصل ہے اس کے ساتھ معناً ایسا ملنا جو پوشیدہ ہو پس پاک ہے وہ ذات جو کہ خالق ہے اصول کی فرع کی سب کے سب، اور پھاڑنے والی ہے دانے کو اور گٹھلی کو۔ وہی ابتدا کرتا ہے، وہی ہر چیز کو لوٹاتا ہے اور وہ زبردست داتا اور بزرگی والا ہے۔

وصل وجُدائی اور شاخ کا اصل کی طرف رجوع کے بیان کا باب

وصل کی دو قسمیں ہیں ایک باطنی وصل اور دوسرا ظاہری وصل۔ فراق کی بھی دو قسمیں ہیں ظاہری جدائی اور باطنی جدائی جو جسم ومقداروں کے سوا نہیں ہوتا۔ جیسے جسم کا جسم کے ساتھ اتصال اور جسم کی جسم سے علیحدگی، مقدار کا مقدار سے قرب اور مقدار کی مقدار سے دوری۔ باطنی وصل وفراق نہیں ہوتا سوائے علم وکیفیات کے جیسے معلومات کی نزدیکی اور ان جانی باتوں کی دوری علم سے اور ایک کیفیت کا دوسرے سے قرب یا دوری۔ اور یہ وصل وفراق حیثیتوں کے اختلاف کے اعتبار سے ایک جگہ جمع بھی ہوجاتا ہے۔ یعنی ہوسکتا ہے کہ ظاہری وصل کے باوجود بھی باطنی جدائی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ظاہری جدائی کے باوجود بھی باطنی جدائی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ظاہری جدائی کے باوجود بھی باطنی وصال حاصل ہو۔ پس دوری اور جدائی کی انتہا یہ ہے کہ دونوں قسم کی جدائیاں یعنی ظاہری اور باطنی درمیان میں ہوں اور قرب ونزدیکی کی انتہا یہ ہے کہ دونوں ۔ ــــ

Marfat.com

ظاہری و باطنی وصال حاصل ہوں اور ہجر و وصال دونوں کو یکجا جمع کرنے کی صورت میں حکم غالب امر کا ہوگا۔ اور امر مغلوب حساب میں نہ ہوگا۔ لیکن اگر دونوں یکساں ہوں تو باطنی باطن میں معتبر ہے۔ ظاہری صورت میں کیفیتی قرب کمیٔ (مقداری) قرب سے بہتر ہے اور کیفیتی دوری مقداری دوری سے بدتر ہے لیکن ظاہری وصل و فراق کو بھی نہیں پا سکتا کوئی سوائے علم کے اور اس کے نتیجے اور پھل ظاہری ہو باطنی اگر علم کے متعلق کہو اور ظاہری فراق کے تعلق کو جسم و مقدار اور باطنی تعلق کو علم و کیفیات سے نہ بھی کہو تو بھی گنجائش ہے۔ ظاہری وصل و فراق کے امتیاز تعلّق کا مبدا ہے۔ جسم اور باطنی وصل و فراق کا تعلق علم سے ہے۔ دو علیحدہ چیزوں میں ملاپ اور جدائی فی الحقیقت قطع نظر اتصال و علیحدگی کے ادراک یا عدم ادراک سے ہے اور وصل و فراق دونوں کے تعلّق کا میدا و منشا مطلقاً ان متصل اور منفصل امور کے وصل اور فراق کے ادراک کے علم اور ان کے اتصال اور علیحدگی کے واقع ہونے یا واقع نہ ہونے کی دریافت سے ہے۔ اور ظاہری فراق کے ظہور کا میدا ظاہری وصل کا موجود ہے۔ جدائی سے پہلے اتصال کے معنوں میں یعنی علیحدگی کے معنوں میں، چنانچہ ایک متصل واحد جسم کے جب دو ٹکڑے کر کے الگ کرو تو دو الگ الگ جسم پیدا ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ اور انفصال سے مراد یا تو حدوث (واقع ہوتا) ہے دو شکلوں میں واقع ہوتا یا اتصال کا نہ ہونا اُس چیز کے بارے میں جس کی شان یہ ہے کہ وہ متصل ہو۔ اور اگر دو جسم شروع ہی سے ایک دوسرے سے الگ ہوں تو حقیقت میں ان کے اندر ایک دوسرے سے دوری ہی مجازاً ان کو منفصل کہا جا سکتا ہے حقیقتاً نہیں۔ پس حقیقت میں فراق و جدائی سے مراد یا منظور ہے منفصل اشیا کے اندر انفصال کے واقع ہونے سے جو اصل میں ایک ہی متصل اکائی ہوں۔ اور دوری و تجاوز کے معانی مجازی لحاظ سے ہیں چنانچہ لفظِ تباعد سے مراد حقیقتاً ان دو امروں میں دوری کا وجود ہے اور مجازی رُو سے کبھی صرف جدائی بھی مراد لے لی جاتی ہے۔ جس طرح کہ کہتے ہیں کہ سیاہی و سفیدی میں مکمل دوری ہے، کیونکہ وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ برخلاف سرخی اور زردی کے کہ ان میں اتنی دوری نہیں۔ اور باطنی فراق کے ظہور کا مبدا اس فراق سے قبل درحقیقت باطنی وصل کا وجود ہے۔ اگر تم معنی واحد کو ذاتِ واحد پہ محمول کرو تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ واحد وہ ہے جو وحدانیت کی وجہ سے

Marfat.com

واحد ہے اور اسی ایک ذاتی وحدت کے معانی سے جو اس واحد حقیقی جل شانہٗ کی عین ماہیت بھی ہے علم کے سہ گانہ معانی ممتاز ہوتے ہیں۔ ایک معنی وحدت ہو صفت ہے، اور ایک معنی وحدت سے متصف ہونے کے جو وحدانیت ہے اور تیسرے معنی وحدانیت سے واحد ہونے والی ذات جو واحدیت ہے۔ پس وحدت کے ان مراتب ثلاثہ میں یہ جدائی اور امتیاز باطنی فراق ہے۔ مرتبۂ علم میں وحدت کے انہی سہ گانہ مراتب میں اعتبار و ظہور و اتحاد کی رُو سے باطنی وصل ہے۔ مرتبۂ علم میں وجود و تحقیق کی رُو سے اور ذاتی حیثیت کے پیشِ نظر اس مقام پر نہ وصل ہے نہ فصل ہے، نہ قرب ہے نہ بعد، نہ اتحاد ہے نہ امتیاز۔ نہ تو نسب میں کسی نسبت کا سلب ہے اور نہ ایجاب ہے۔ اضافات میں سے کسی اضافے کا اور نہیں کہا جاتا اس مرتبے پر کوئی حرف اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، کوئی بھی اشارہ نہ حسی نہ عقلی اور نہیں مدد کرتی اس کے بیان میں کوئی عبارت اور نہیں قادر ہوتا اس کے ادراک پر کوئی نفس اور نہیں استعداد رکھتی اس کی عقل رکھنے کی کوئی عقل بلکہ اس حقیقت کا انکشاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشفِ وہبی پر موقوف ہے۔ چنتا ہے خاص طور پر رحمت کرتے ہوئے بغیر کسی سبب کے اور اللہ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کی صفات کو از روئے وجودِ تحقیق اس سبحانہ تعالیٰ کی ذات سے حقیقی وصل حاصل ہے۔ جو اس کی عینِ ذات ہے۔ اور ظہور و امتیاز کے لحاظ سے جو اس کی ذات پر زائد ہیں اعتباری باطنی فراق حاصل ہے۔ اور باقی تمام جدا گانہ معانی جو متعدد حقائق ہیں یا ایک دوسرے کے ساتھ مجازی باطنی وصل رکھتے ہیں یا مجازی باطنی فراق، چنانچہ وجوبی و امکانی معانی اور واجبی و امکانی حقیقت درحقیقت ایک دوسرے سے الگ اور جُدا جدا ہیں، نہ تو باہم حقیقی باطنی وصل رکھتے ہیں اور نہ حقیقی باطنی فراق۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں ممکن واجب سے حقیقی جدائی و علیحدگی رکھتا ہے۔ یا فلاں عبد اپنے معبود سے حقیقی وصال اور اتصال رکھتا ہے۔ اس مرتبے میں اگر ہجر و فراق کے مارے محجوبین کو اپنے ذہن میں حق تعالیٰ سے غفلت کے باعث دوری و فاصلہ حاصل ہو تو وہ مجازی باطنی فراق ہے نہ کہ حقیقی اور یا مقربین اور واصلین کو اپنے علم کے مطابق حق سبحانہٗ تعالیٰ کی آگہی کے باعث قرب اور نزدیکی حاصل ہو تو وہ مجازی باطنی وصال ہے نہ کہ حقیقی۔ فرشتوں کے وصل کو ان کی پاکیزگی و لطافت کی کیفیت سے اللہ پاک و قدوس سے جو

Marfat.com

قرب حاصل ہے اُسے مجازی باطنی وصل کہا جا سکتا ہے۔ یا شیاطین کو اپنی فطری گندگی اور آلودگی کی وجہ سے اپنے ذہن میں جو دوری و مسافت حاصل ہے وہ مجازی ظاہری فراق ہے نہ کہ حقیقی۔ شیاطین کی اس جدائی کو ان کی گندگی و آلودگی کی کیفیت کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کے مقدس و لطیف مرتبے سے دوری کے لحاظ سے مجازی یا باطنی فراق کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ یہ سارے وصال اور فراق ظاہری ہوں یا باطنی مجازی ہیں حقیقی نہیں۔ لہٰذا شرع میں وصل کو قرب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کلام الٰہی (قرآن پاک) میں بڑے بڑے فرشتوں یا خاص الخاص بندوں کے حق میں واصلین کا لفظ کہیں نہیں آیا۔ بلکہ یہ کہا گیا کہ یہی مقرب لوگ ہیں۔ نہ ہی شیطانوں اور کافروں کے بارے میں فاصلین کا لفظ آیا ہے۔ وہاں فصل کو بُعد (دوری) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسے یہ آیت کریمہ کہ جس کسی نے کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔ وہ گمراہی میں بہت دُور نکل گیا، اور اب جو مسلمانوں میں یہ مقربین کے لیے جو لفظ واصلین رائج ہے اسی مجازی وصل کے معنوں میں ہے جو قرب کے معانی کے لیے موزوں ہے۔ چونکہ انسان تمام مراتب کا جامع ہے تو انسانی کمال اسی میں ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے دونوں قرب حاصل کرے یعنی ظاہری قرب و باطنی قرب۔ ظاہری قرب عبارت ہے شرع کے مطابق بدنی عبادات کے بجالانے سے کیونکہ اس سے فرشتوں کے گروہ سے مشابہت پیدا ہوتی ہے اور نہیں سرکشی کرتے اللہ کی اس بات میں جس کا اُنھیں حکم دیا گیا، اور وہ کرتے ہیں وہ کام جس کا اُنھیں حُکم دیا جاتا ہے۔ پس چاہیے کہ انسان ظاہری دوری سے اجتناب کرے جو شیطانوں کا حصّہ ہے اور شرعی ممنوعات سے اپنے نفس کو روکے رکھے اور کوئی کام خلاف شرع نہ کرے تاکہ وہ احکام الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کے زمرے میں نہ آجائے، اور وہ باطنی قرب جو بنی نوع انسان کے کامل ترین افراد کا خاصہ ہے اُسے حضوری و مشاہدے اور باطنی رفاقت، صحیح و پختہ عقیدے اور صالح عرفان سے اپنے نفس میں پیدا کرلے۔ اور اُس باطنی دُوری سے جو ناقص افراد سے مخصوص ہے بچنے کے لیے اپنے نفس کو غفلت، فراموشی، بیہودگی، باطل عقیدے اور فساد انگیز جہالت سے بچائے اور ظاہری و باطنی طور پر مقربانِ ذات سے بن جائے، اور پس جو ہوں گے مقربین میں سے ان کے لیے راحت اور عمدہ رزق ہے اور نعمتوں والی جنت ہے۔ اور اگر وہ ہے جھٹلانے والے لوگوں کے گروہ میں سے تو اس کی تواضع کے لیے کھولتا ہوا پانی ہے اور جہنم میں جھونکا جاتا ہے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ دینوی موجودات کے حقائق ممکنہ میں باہمی معاملہ یوں ہے کہ وہ شاخ جو ایک

Marfat.com

ہی اصل سے پھیلی ہوتی ہے اور وہ اشخاص جو ایک ہی شخص سے وجود میں آتے ہیں جیسے کہ آدم علیہ السلام کی نسل کہ ایک جنس واحد سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ سب کے سب متفق الحقیقت ہیں۔ اور انسانیت کا ہر فرد اپنی اصل سے حقیقی ظاہری وصل کی بدولت واصل ہے۔ اور ہر آدمی اس قابل ہے کہ اُسے صورتاً اور ظاہراً آدم کہا جائے۔ لیکن یہ چوپایوں جیسے عوام جو حیوانیت اور وحشت میں مستغرق ہیں حقیقت میں کمالاتِ انسانی سے بہت دُور بلکہ نہایت ہی دُور ہیں۔ وہ آدمیت سے نسبت دوری رکھتے ہیں۔ اُنھیں اپنی اصل سے حقیقی باطنی فراق حاصل ہے۔ اور جن لوگوں نے انسانی کمال بہم پہنچالیا ہے، جو عمدہ وصفوں سے متّصف ہیں اور جنھوں نے عمدہ اخلاق اپنے اندر پیدا کرلیا ہے اور انسانی کمال باطنی رکھتے ہیں اُنھیں اپنی اصل سے حقیقی باطنی وصل بھی حاصل ہے اور ظاہری حقیقی وصل بھی۔ وہ اپنے وقت کے بہترین انسان ہیں۔ اس حدیث شریف کی ایک تاویل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صد ہزار سال بعد ایسا آدمی پیدا کرتا ہے اور لفظ مٔات (ہزار) کا اندراج کمی بیشی میں مانع نہیں بلکہ یہ تو کثرت کے بیان کے لیے ہے۔ چنانچہ ہر زبان میں یہ محاورہ رائج ہے۔ بہت سے مواقع پر ایسے ہی بولتے ہیں کہ یہ بات صد ہزار بار ہو چکی ہے۔ اس کی مقدار کی شرط منظور نہیں ہوتی۔ اب ہم اصل مطلب کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح نوعی معانی کے اتفاق کے باوجود کسی ایک نوع میں صنفی معانی اور شخصی معانی کا امتیاز بھی ہوتا ہے اور ہر ایک کے آثار اور احکام الگ الگ ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسانی کمال کے نوع میں کمالات کی متعدد قسمیں ہیں۔ انسان میں ایک عقلی کمال ہے جیسے کہ حکمت و دانائی اور اسی سے مناسبت رکھنے والے دیگر امور، ایک کسبی کمال ہے جیسے مختلف فن اور صنعتیں اور ان کے دیگر متعلقات جیسے علوم و اعمال کا اکتساب وغیرہ۔ ایک انسانی کمال اُس کی برگزیدگی اور ایجاب ہے۔ جیسے کہ نبوّت اور ولایت اور ان کے متعلقات کمالات وہبیہ الٰہیہ میں سے، ان صنفی کمالات میں شخصی معانی کا امتیاز بھی اک خاص رنگ اور مخصوص اضافت رکھتا ہے۔ ہر دانا کی دانائی، ہر صانع کی صنعت، ہر عالم کا علم، ہر عامل کا عمل، ہر نبی کی نبوّت اور ہر ولی کی ولایت شخصی رنگ بھی پیدا کرلیتی ہے۔ پس انسانی افراد میں سے اہلِ کمال اگرچہ انسانی مرتبے میں وصال مطلق پیدا کرتے ہیں یا انسانی کمالات میں سے کوئی ایک کمال یا کئی کمال بہم پہنچا لیتے ہیں، لیکن وصل مطلق تمام کمالات سے متصف ہوتا ہے اپنے اندر پیدا نہیں کرتے، اور ناقص لوگ اور عوام ہرچند

Marfat.com

کہ انسانی مرتبے سے جدائی پیدا کر لیتے ہیں، یعنی کسی ایک نقص یا بہت سے نقائص کے باعث جدائی۔ لیکن ایسی مطلق جدائی پیدا نہیں کرتے جسے تمام کمالات سے دوری ہو۔ مگر ان میں ناقص ترین اور دُور ترین وہ ہیں جو رذالت میں بہت دُور نکل گئے ہوں۔ جیسے مشرک اور منافق۔ اور کامل ترین اور قریب ترین وہ ہیں جنھوں نے زبردست شرافت بہم پہنچائی ہو جیسے کہ انبیأ و اولیائے کرام، اور اسی پہ قیاس کرلو کمال و نقص کے سارے مراتب کو ان کے درجوں کے فرق کے لحاظ سے اور یاد رکھو کہ بعض ایسی ذات ہائے شریف وجود میں آتی ہیں کہ ان کی وجہ سے ان کے مراتب کے لیے ترقی کی راہیں کھُل جاتی ہیں اور اُس صاحب مرتبہ انسان کی بدولت نقص و کمال کا ہر مرتبہ ترقی پذیر ہوتا ہے جیساکہ حضوؐر پاک کی نبوّت خاتم الانبیا اور سب نبیوں کی نسبت کامل و مکمل ہے۔ ویسے ابوجہل کا کفر فرعون کے کفر سے زیادہ شدید ہے۔ اس لیے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں تھا، اور یہ حضور نبی کریم صلعم کے بالمقابل۔ گنوار عربی بدو کفر اور نفاق میں بہت شدید تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا ایمان ساری اُمت کے ایمان پہ ترجیح رکھتا ہے۔ اور عمر فاروق رضؓ کا اسلام تمام مسلمانوں کے اسلام سے مضبوط ہے۔ حضرت عثمان رضؓ کا حلم سب مسلمانوں کے حلم سے اچھا اور حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کا علم سب علموں سے افضل و برتر۔ حضرت امام حسن رضؓ کا خلق سب اخلاق سے بہتر اور امام حسین رضؓ کی خوبُو ساری عادات سے اچھی اور خوشتر۔ اور بعض لوگ ایسے بھی پیدا ہوئے ہیں جو ان مراتب کے حصول سے ترقی یا تنزل بہم پہچاتے ہیں نہ یہ کہ ان مراتب کو اُن سے ترقی حاصل ہوتی ہے۔ جیساکہ سارے لوگوں کا حال ہے کہ صالح امور کے حاصل کرنے سے صالح ہو جاتے ہیں اور فسادی امور حاصل کرنے سے فاسد ہو جاتے ہیں۔ اس باب کا حاصل مطلب یہ کہ جب حقیقی وصل و فراق کی بنیاد ذاتی اتصال و انفصال کی اصل پر ہے جیساکہ اوپر بیان آچکا ہے۔ پس ظاہری و باطنی حقیقی وصل جیساکہ ہونا چاہیے وہ خالص محمدی ساداتؐ کو اپنے اصل الاصل اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حاصل ہے۔ اُنھیں ظاہراً اور باطناً فنافی الرسول اور بقابالرسول حاصل ہے۔ اور ظاہری و باطنی حقیقی فراق کفار و مشرکین کے نصیب میں ہے۔ وہ دشمنانِ دین ہیں اور ظاہراً و باطناً محمدیت سے جدا ہیں اور بہت دور جا پڑے ہیں۔ اور باقی ان مراتب کے بین بین صاف دل مومنوں صالح مسلمانوں، عارفوں، عالموں، فرمانبردار اسلامیوں، کمزور دینداروں اور ضعیف الاعتقادوں اور سہل انگاروں میں وصل و فراق کے بہت سے مرتبے ہیں جو احاطۂ شمار میں نہیں آسکتے۔ اے رب!

Marfat.com

اپنے نور کو ہم پر تمام کر، برائیوں کو ہم سے دُور کر، اور ہمیں نیکوکاروں کے ساتھ موت دے۔ اور یاد رکھو کہ ہر چیز کی اصل وہی ہے جس کی وہ چیز شاخ ہو۔ (جس سے پھوٹی ہو) لہٰذا درخت کی جڑ کو اُس کی اصل کہتے ہیں اور اُس کی شاخوں اور ٹہنیوں کو اُس کی فروع کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر مطلب کی اصل وہی ہے جو اس مطلب کا مبداء و منشا ہو۔ چنانچہ مطالبِ حکمت کی اصل عقل و برہان ہے اور حکمت کے مسائل اسی سے نکلتے ہیں۔ تصوّف کے مسائل کی اصل کشف و عرفان ہے اور صوفیانہ مسائل اسی سے پھوٹتے ہیں۔ خالص محمّدیوں کے تمام مقدمات کی اصل حدیث و قرآن ہے اور ان کے تمام علوم و معارف انہی کی شاخیں ہیں اور علیٰ ہذا القیاس۔ ہر مطلب کی کوئی نہ کوئی اصل و بنیاد ہوتی ہے جس کے سبب سے وہ اپنے حریفوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اور اسی اصل کے تقاضوں کے مطابق اس کے نتائج اور پھل برآمد ہوتے ہیں اور وہ اپنے اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں اور لوٹتے ہیں۔ کیونکہ تمام اشیا اپنے اصل ہی کی طرف لوٹتی ہیں۔ اور اصل کی طرف اس رجوع کو اس شے کا حاصل کہتے ہیں اور اُس کا ثمرہ جانتے ہیں۔ چنانچہ درخت کے پھل کو جو پھر بیج کی صورت میں رجوع کرتا ہے ثمر کہتے ہیں اور اُس کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ پس حکمت کے مطالب اور مسائل کا حاصل اور نتیجہ یہ ہے کہ عقل و دلیل کی طرف رجوع حاصل ہو اور قوتِ عاقلہ کی تقویت (مضبوطی) اور دلائل کے نقائص کی قوت اور دلائل و براہین میں قیام و استواری پیدا ہو اور تصوف کے مطالب و مسائل کا حاصل یہ ہے کہ کشف و عرفان کی طرف رجوع حاصل ہو یعنی اپنی اہلیت کے شایان انکشاف کا دروازہ کھلے اور نفس پر اپنی استعداد کے مطابق معارف کی راہیں کھُلیں۔ اور محمّدیوں کے معارف کا ماحصل یہ ہے کہ احادیثِ نبویؐ اور آیاتِ قرآنی کے اسرار و رموز کا علماً، حالاً اور قالاً انکشاف ہو۔ اور خدا و رسولؐ پہ پختہ ایمان حاصل ۔ اور دعوت نبویؐ کے مطابق نفس میں حق تعالیٰ سے رفاقت و نزدیکی راسخ ہو۔ اور کمالاتِ نبوّت کے قریب کے معاملات درمیان میں آئیں۔ اور اخروی نجات و دنیوی معاش کی خیر و خوبی کی راہیں کھُل جائیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر۔ اور آتشِ دوزخ کے عذاب سے بچا۔ لہٰذا ہر حکیم دراصل اپنی ہی عقل کے تابع ہے اور اپنے ہی ذہنی دلائل کا پیروکار۔ فی الحقیقت کوئی آدمی کسی دوسرے کا تابع نہیں۔ استاد ہو یا شاگرد اور ان بے اعتبار بے اعتماد وں نے اپنے بوجھ کو اپنے سر پر اُٹھا رکھا ہے۔ اور اپنی بدگمانی اور بدباطنی کے باعث کسی دوسرے کو

Marfat.com

یہ بوجھ نہیں سونپا اور اُس بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں ۔ اور اپنے اس بوجھ سے چھٹکارا نہیں پا سکے حیف صد حیف ان کی خرابی پر، ان کی عقل، اُن کا زانو بند اور ان کی دلیل ہی ان کی قید کی کال کوٹھری بن گئی ہے ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی ۔ اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی ۔ اگر ایک فلسفی کسی ایک مسئلہ میں دوسرے فلسفی سے متفق و ساز گار ہے تو اُس کی پیروی یا اتباع کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ عقل کی موافقت اور دلیل کی ثبوتی تطابقت کی وجہ سے اسے اتفاق کہتے ہیں نہ کہ اتباع ۔ اور ہر صوفی درحقیقت اپنی ہی یافت اور وجدان (حواس باطنہ کے محسوسات) کے تابع ہوتا ہے اور اپنے ہی کشف و عرفان کی پیروی کرتا ہے ۔ اس لیے اولیائے کرام کے مکشوفات مختلف واقع ہوئے ہیں۔ اور عارفوں کے معارف بھی طرح طرح کے ہیں اور ان میں باہم بے شمار اختلافات ہیں۔ ان محققین کو بھی اگر کسی مسئلہ میں باہمی موافقت ہے تو وہ اتفاق کی راہ ہی سے ہے نہ کہ اتباع سے ۔ جیسا کہ شاعروں کو اپنے اشعار میں توارد (دو شاعروں کا ایک ہی مضمون باندھنا) کا اتفاق ہو جاتا ہے ۔ وہاں کسی کے شاندار شعر چراتے کا احتمال نہیں ہوتا ۔ ان استادانِ فن میں سے ہر کوئی اصل میں استادِ کامل ہے ۔ اور خالص محمدی درحقیقت قرآن و حدیث کے تابع ہیں نہ کہ فلسفیوں کی طرح اپنی ہی عقل کی پیروی کر کے معقولات کے اسیر ہیں اور نہ ہی صوفیا کی طرح اپنے ہی کشف کی پیروی کر کے کشف و عرفان کے معاملات میں بے اختیار ہیں ۔ بلکہ وہ قرآن و سنت کی شمع ہدایت کو دلی صدق اور روحانی یقین کے ہاتھوں میں لیے عقل و کشف کی راہ پر چل رہے ہیں ۔ اور زمین و کائنات پر پھیلا ہوا نور ربانی ان کا رہنما ہوتا ہے اور وہ کتاب و سُنت کے اتباع کے نور کی حد سے تجاوز نہیں کرتے ۔ اور محض عقل و کشف کے اتباع کو وہ ظلمات (تاریکیوں) میں داخل سمجھتے ہیں ۔ اور اُسے گمراہی اور ہلاکت کا باعث سمجھتے ہیں۔ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اللہ نے انھیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکال دیا ۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور شیطان سے دوستی کی اُنھیں نور سے تاریکیوں کی طرف دھکیل دیا ۔ یہی لوگ دوزخی ہیں اور اُس میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے ۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ چونکہ صوفیا کے گروہ نے اپنے مطالب کی بنیاد کشف پر رکھی اور اتباع رسول ؐ کی عنان کو یقینِ محکم کے ہاتھ میں مضبوطی سے نہیں پکڑا اس لیے باوجود اس کے انھوں نے اکثر مواقع پر گہرے دقیق نکات اور عجیب و غریب باتیں بیان کی ہیں لیکن ان کی باتیں عوام و خواص کے لیے مفید نہیں ۔ اور ان کے کلمات و الفاظ عوام الناس کے لیے نفع بخش نہیں ۔ بلکہ صالح مومنوں کی جماعت میں سے بہتوں کے لیے ضرر رساں ہیں ۔ اور ایمانی

Marfat.com

نسبت اور یقینی قوت کا وہ رنگ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، عظیم صحابۂ رسول، عالی مقام اماموں اور اولیائے کرام (ان سب کو خدا کی خوشنودی نصیب ہو) ان کے دلوں پر القا کیا تھا۔ یقیناً ان کی کتب کے پڑھنے اور ان کی تقریروں کو سننے سے مدھم پڑ جاتا ہے۔ لیکن یہ بیچارے کریں بھی کیا۔ کیونکہ وہ کمالاتِ نبوت کی نسبت سے بے بہرہ ہیں۔ ان کے دلوں پر امامت کے فیض کا دروازہ نہیں کھلا۔ یقین ہے کہ ان کے سلسلہ میں تحقیق کرنے والے صاحب حال معذور اور قابلِ معافی ہیں مگر حیف ہے ان کے پیروکاروں پر کہ وہ عامیانہ ایمان و اسلام جو انھوں نے اپنے آبا و اجداد یا عالموں اور فقیہوں سے بڑے اعتقاد کے ساتھ حاصل کیا تھا اُسے بھی ان بیہوش و مدہوش اصحاب کی تحریر و تقریر کے پڑھنے اور سننے کی بدنصیبی سے گنوا بیٹھے۔ ایسے خام کار و ادھورے صوفیوں سے نیک انجام، ظاہری علما بدرجہا بہتر ہیں۔ ہر چند کہ وہ اصل نسبت سے بے خبر ہیں لیکن اسلام کی صورت سے آشنا ہیں اور کتاب و سنت کے مطابق صحیح عقیدے رکھتے ہیں اور قرآن و سنت کے مطابق اعمال و اقوال بجالاتے ہیں۔ بلکہ ایسے بے یقین ملحدوں سے فاسق و فاجر مومنین بہتر ہیں۔ کیونکہ شرعی امور کی بجاآوری اور شرعی ممنوعات سے اجتناب میں کوتاہی کے باوجود بھی وہ شریعت کے مناہی کو سہل، معمولی اور بے اعتبار نہیں سمجھتے۔ اور بڑے عجز و انکسار سے اپنی تقصیروں اور کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہیں، اور اس ارحم الراحمین کے لطفِ عمیم سے مغفرت اور گنہگاروں کے شافع روزِ جزا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی توقع رکھتے ہیں۔ وہ صالحین کو نیکوکار اور اپنے آپ کو گناہگار سمجھتے ہیں۔ برعکس ان ملحدوں کے جو صرف ظاہرداری کے لیے نماز روزہ ادا کرتے ہیں لیکن شریعت پر اعتقاد کی برکت سے محروم ہیں اور نورِ ایمان نہیں رکھتے، اور اکثر و بیشتر ظاہر میں نماز، روزہ ترک کرکے حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں ایسے نابکار بہت پیدا ہو چکے ہیں۔ پچھلے بزرگوں نے خلقِ خدا کے دلوں سے ماسوی اللہ کے زنگ کو صیقل کرنے کی نیت سے جن حقائق کو خوب شرح و بسط سے بیان کیا تھا۔ ان مطالب کو نہ سمجھنے کی بنا پر ان ناخلفوں نے اس حقیقت کو تو بھلا دیا اور حسی محسوسات میں پھنس کر رہ گئے۔ اور ایمان بالغیب سے جس کی قرآن پاک نے بھی بشارت دی ہے۔ یہ لوگ محروم ہو کر عالمِ شہادت کی مشہودیت کے اسیر ہو گئے۔ اور اصل کی بجائے سائے پر ہی اکتفا کر لی۔ شخص کی بجائے اس کے عکس ہی پر مائل ہو گئے۔ حقیقت کی بجائے صورت

Marfat.com

تک ہی محدود رہے - عدم کو وجود سمجھ بیٹھے اور وجود کو عدم - حاصل کو ہاتھ سے گنوا دیا اور باطل کو حاصل سمجھ لیا - خلق کو لغو سمجھا حماقت کو دانائی، یقین کو ظن، تخمین اور وہم و گمان کو عقل شمار کرنے لگے۔ تعطّل کو فراغت کا نام دے دیا - بیکاری کو کام سمجھنے لگے، مصروفیت کو آزادی تصوّر کیا، حیوانیت کو انسانیت سمجھ لیا - ریاضت کو بے حاصل سمجھا، شہوانی لذات کو اپنا مقصد ٹھہرایا، دُنیا کو محبوب بنا بیٹھے اور عاقبت کو امر موہوم سمجھ لیا، بے ہمتی کو چھُوٹ خیال کر لیا، عبادت کو سختی سمجھا، شرعی احکام کو دیگر عام رسوم کی طرح سمجھا اور تنزیہی مشاہدے اور حضوری کو محض وہم و خیال قرار دیا - الہامات کو بھی خیالات کی ایک قسم سمجھا اور وحی کو حدیثِ نفسی کی ایک قسم سمجھا - استقامت کو جہالت اور لغویات کو معارف جانا - فقہی مسائل کو ملاؤں کی بحث و تمحیص کا درجہ قرار دیا - اور حقی عقائد کو من گھڑت خیال کیا - نبوت کو عقلی کمال سمجھا - ولایت کو محض تصوف دانی جانا - ایمان کے سلسلہ میں کلمہ پڑھنے اور زبانی اقرار ہی پر اکتفا کی - اسلام کو محض خوراک و پوشاک تک محدود جانا یعنی گائے کا گوشت کھانا اور اسلامی وضع کا لباس پہننا - بعض جو اصل ہیں وہ بھی کفر کے مشابہ شکل و صورت بنا بیٹھے - یعنی گلے میں زنّار پہن لیا اور ماتھے پہ قشقہ لگا لیا - داڑھی مونچھیں اور بھویں سب صفاچٹ کرا دیں - اور اس کا نام صفائی رکھ دیا - تسبیح کو پاؤں میں باندھتے ہیں - عورت کے ستر کو ملحوظ نہیں رکھتے، اور اُسے آزاد روی اور غیر مشروط آزادی کہتے ہیں - زبان سے بے تحاشا کفر کے کلمات بولتے ہیں اور اُسے بیباکی کا نام دیتے ہیں - ان تمام لغو و بیہودہ حرکات کے باوجود اپنے آپ کو کامل ترین توحید پرست خیال کرتے ہیں - اور مکمل طور پر آزاد سمجھتے ہیں - مُنہ پھٹ ہونے کی بنا پر صالحوں اور عالموں پر بلا سوچے سمجھے طعن و طنز کرتے ہیں - اور اپنی بکواسیات اور لغویات کی وجہ سے بیچارے چوپایوں جیسے عوام پر غالب آجاتے ہیں - اسی غلبے سے ان کا نفسانی شیطان اور بھی مغرور ہو جاتا ہے اور وہ بڑے خوش ہوتے ہیں - اور اپنے خیال میں محقق بن بیٹھتے ہیں - کیا کہنے ان کے شعور کے؟ وہ گمراہ ہوئے، پس اُنھوں نے گمراہ کیا - کچھ ضائع ہو گئے، پس انھوں نے ضائع کیا - بزرگی کو مکّاری کا نام دیتے ہیں - رشد و ہدایت کو اک پھندا سمجھتے ہیں - علم حاصل کرنے کو اک بیہودگی سمجھتے ہیں - اگر اتفاقیہ اُنھیں کسی رنگ سے عقیدت و بیعت یا وہ معتقد ہو ہی جائیں تو لگاؤ کی نسبت، دلی محبت، حقیقی اطاعت، روحانی اعتقاد، حقیقی صفائی، ظاہری خدمت، شکلی مشابہت، جسمانی معیت، روحانی مناسبت، عرفانی موافقت، کشفی تطابقت، عہد کی وفا، پورے اعتماد، احکام کی متابعت ،

Marfat.com

رضا کی خوشنودی، عتاب و غیظ و غضب کی برداشت، دلی اُنس، نیابت، عاجزی و مسکینی، شکوک و شبہات سے پاکیزگی، فرمانبرداری، اطاعت اور اسی قسم کے دیگر امور جو مریدوں کو اپنے مرشدوں کے سلسلے میں روا رکھنے چاہئیں ان سب سے محروم ہوتے ہیں۔ وہ بزرگوں کو بھی اپنی طرح کھانے پینے اور سونے کے اسیر سمجھتے ہیں۔ اور رسمی طور پر بیعت کرنے کے چند ہی روز بعد اپنے آپ کو خدا رسیدہ سمجھنے لگتے ہیں اور اپنے اور اپنے مرشد کے حال کو یکساں سمجھتے ہیں۔ بقول مولانا روم رح ؎

ہمسری با اولیا برداشتند

انبیاءؑ را ہمچو خود پنداشتند

(وہ اولیاءؒ اللہ کی برابری کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور انبیائے کرام کو بھی اپنے جیسا سمجھتے ہیں) بہرکیف اب ہمیں اصل بات کی طرف پلٹ کر یہ کہنا چاہیے کہ اصل و فرع کی حقیقت کے متعلق جو کچھ اوپر کہا گیا، وہ مختصراً تھا اس کی تفصیل یوں ہے کہ اصل کی تین قسمیں ہیں۔ ایک اصل قریب، ایک اصل بعید اور ایک اصل عالی جو اصل الاصول ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے جنس قریب، جنس بعید اور جنس عالی ہوتی ہے جسے جنس الاجناس کہا جاتا ہے۔ اور لفظ اصل سے ہماری مراد علتِ مطلقہ کا مرتبہ ہے جو تمام مادی صوری، فاعلی، انتہائی و تام و ناقص پر مشتمل ہے۔ پس جو کچھ معلول کی حقیقت و صورت کا جزو ہے اور علتِ ماہیت اور علتِ وجود سے موسوم ہے جیسے کہ جنس، فصل، مادہ اور صورت اصلِ قریب والی قسم میں داخل ہیں۔ سبعہ سیارہ (نو آسمان) اور طبقاتِ ارضی، اربعہ عناصر، بھی اصول قریب میں شمار ہوتے ہیں کہ وہ پیدا ہونے والے وجود کا مواد ہیں۔ اور جو کچھ معلول سے خارج ہے جیسے علتِ فاعلی اور علتِ انتہائی وہ اصلِ بعید میں داخل ہے۔ پس جو کچھ مجازاً فاعل ہے جیسے طبیعتوں، ستاروں، آسمانوں، نفسوں اور عقلوں کی تاثیرات وہ مجازی اصول بعید میں شمار ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ حقیقتاً فاعل ہے جیسے تقدیر الٰہی، مشیّت ایزدی وہ مرتبۂ اصل عالی ہے کہ وہ اصل حقیقی یعنی اصل الاصول ہے۔ اور حقائق ممکنہ جن کو کہ صوفیا کے نزدیک صورِ علمی سے منسوب کیا گیا ہے اور ظلالِ اسمائیہ سے شیخ مجدد رح کے نزدیک اور مقتضیات اسمائیہ سے موسوم کیا گیا ہے۔ امیر المجددین (اس پر اللہ کی سلامتی ہو) سے، یہ حقائق داخل ہیں اصل عالی کے مراتب میں۔ اس مرتبہ اصل الاصول پر لفظ اصل کا اطلاق جائز ہے۔ اور اُس سے بالائی مرتبوں یعنی اسمائے

Marfat.com

الٰہیہ، صفاتِ ذاتِ ربانی اور شان ہائے ذات کے مراتب پہ لفظ اصل کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ ادب کے تقاضے کے تحت اگر ہوں اسناد تمام اصول اور فروع میں سے اور اسما و صفات میں سے اور شیونات اعتبارات ہیں فی الحقیقت ذاتِ واحد کی طرف جو کہ مراتب کی منتہیٰ ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات۔ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ تمام کام اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے۔ وہ بے نیاز اور قابلِ ستائش ہے۔ اور انتہائی علّت اگرچہ ذہنی تقدم کے لحاظ سے اصول میں شمار ہوتی ہے لیکن وہ وجودی تاخر کے لحاظ سے فروعی اقسام میں داخل ہے۔ اور شرطوں کا وجود اور رکاوٹوں کی بلندی بھی گویا اصول بعید میں داخل ہیں۔ اس لیے کہ انھیں معلول کے وجود میں اک قسم کا عمل دخل ہے۔ اور عدم و وجود کو حقیقت ممکنہ کے طرفین میں انھیں طرفین کی اصلیں بھی کہا جا سکتا ہے۔ وجود و عدم کا یہ مرتبہ اعتباری ہے جو حقیقتِ ممکنہ کے تصوّر کے اعتبار سے اس حقیقت کی نسبت سے طرفین میں ممتاز ہو جاتا ہے۔ پس عدمی طرف کو ذاتی امکانی اصل کہنا چاہیے۔ اور وجودی طرف کو حقیقی وجوبی اصل کہا جا سکتا ہے۔ ہر شے کی حقیقت کو جو جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے اصل المرکب کہا جا سکتا ہے۔ اور اس قیاس پر اعتباری جز بہت سے ہیں جو شمار کے احاطے سے باہر ہیں اور انھی چند کلیہ اصولوں میں داخل ہیں جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ جس کا ذہن اور باطن صاف ہو گا وہ تھوڑے سے بہت غور و فکر اور توجہ سے اُنھیں پا لے گا۔ اور جو اصول دو اصلی امور سے مرکّب ہو اُسے اعتباری اصول مرکب کہنا چاہیے جیسے انسان کی نسبت سے جسم جو اس کی جنس بعید ہے۔ اور دو امور سے ترکیب یافتہ ہے یعنی ہیولیٰ اور صورت میں سے۔ اور مطلق کلّی جسم بمنزلہ اصل جسم انسانی کے ہے اور یہ مقیّد شخصی جسم اس کی شاخوں کی قسم سے ہے اور وہ اصول جس کے اجزا مرکبّات ہوں اُسے اضافی اصول بسیط کہنا چاہیے۔ کیونکہ ہیولیٰ اور صورت میں سے ہر اکائی کو جسم سے نسبت ہے کہ وہ انھی دو کا مرکب ہے اور ان اجزا کو اضافی بسیط اس لیے کہا گیا کہ یہ دونوں جسم و جسمانیات سے نسبت کی بنا پر بسیط ہیں۔ وگرنہ اپنی ذات کے لحاظ سے ترکیب کے شائبے سے بالکل خالی بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ صورت عبارت ہے امتدادی معنی سمیت جوہری معنی سے اور ہیولیٰ عبارت ہے جوڑ توڑ کی قابلیت سمیت جوہری معنی سے۔ پس اسی معنی بسیط سے نسبت کہ اس کا کوئی جز و نہیں۔ ہیولیٰ اور صورت کے اجزا ہیں کہ صورت کا ہر جز و ہیولیٰ کے

Marfat.com

ہر جزو کا حال ہے اور ہیولی کا ہر جزو صورت کے ہر جزو کے لیے مقام ہے اور وہ اصول جو غیر مرکب ہیں اُنھیں حقیقی اصول مفرد کہنا چاہیے جیسے جوہر انسان کی نسبت سے جو جنس عالی ہے اور دوسرے مرکبات کی طرح اجزا نہیں رکھتا اور اگرچہ درحقیقت جوہری اور امکانی معانی سے مرکب ہوتا ہے پس حقیقی مفرد جس کے معنوں میں ترکیب کے کسی قسم کے تصور کو عمل دخل نہ ہو وہ حق تعالیٰ جل شانہ کی ذاتِ واحد ہے۔ ممکنات بھی مرکبات ہیں، کیا مفرد اور کیا غیر مفرد، پس ان پر ان دیگر اضافی مفردات کے بالمقابل حقیقت کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے۔ پس وہ ممکن مفردات جنھیں اضافی ممکنات لکھتے ہیں ان کا مفرد ہونا حقیقی اضافی ہے۔ اور وہ امکانی مفردات جنھیں حقیقی مفردات کہتے ہیں ان کا مفرد ہونا مجازاً حقیقی ہے۔ اسے خوب سمجھ لو، اور وہ اصول جو مرکبات سے بنے ہوں اُنھیں حقیقی مرکب اصول کہنا چاہیے جیسے حیوانی روح اور حرارت عزیزی جو اس فانی زندگی اور فانی جہان کی اصل ہے اور طبیعی اور نفسانی حرکات اس کی فروعات ہیں۔ پس اصول کی ایسی قسم کو اس کے حقیقی امور سے ترکیب پانے کے اعتبار سے حقیقی اصول مرکبہ کہنا چاہیے اور خلطین جن کی آمیزش سے حیوانی روح اور حرارتِ عزیزی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ حسی اجزا سے مشابہت کے اعتبار سے مفردات میں داخل ہیں لیکن حقیقی اجزا سے مشابہت کے پیش نظر مرکبات میں سے گنی جاتی ہیں۔ اور حقیقت و ارکان کے لحاظ سے متخالف اجزا سے مرکب ہر چند کہ مشابہت کے لحاظ سے مفردات میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن اجزا کی ترکیب کے لحاظ سے مفردات ہیں۔ اس مفرد کے لحاظ سے جس کے کوئی جزو نہیں ہوتے عقل و نفس کی طرح۔ فرع کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک فرعِ متصل جیسے درخت کی جڑ کی نسبت سے اس کی شاخیں اور پتے۔ اور انسان کے اعضا میں سے ہر عضو اس کے مجموعی تشخص کی نسبت سے اور ایسی ہی دیگر مثالیں۔ ایک فرعِ مفارق (فرق کرنے والی) جیسے پودے جو ایک ہی درخت کے بیج سے اُگتے ہیں۔ اور انسان کے عزیز و قریبی رشتے دار اور اس کی نسل۔ فرع کی اس قسم کی آگے دو قسمیں ہیں۔ اصلی اور لاحقی، اصلی جیسے پشتینی اولاد، سگے بھائی اور دیگر ددھیالی رشتے دار اپنے اپنے مراتب کے فرق کے لحاظ سے، اور لاحقی جیسے بیویاں، داماد، لگے بندھے (متعلقین) اور دوسرے نسبتی رشتے دار، یار دوست وغیرہ، ایک فرع شبح ہے۔ جیسے ذات سے نکلنے والی صفات اور ان سے نتیجتہً برآمد ہونے والے افعال۔ اور منطقی اشکال کے نتیجے اور اس انتاجی

Marfat.com

معنی سے جو مناسبت رکھتی ہے صورتوں میں سے صورت اور فعلی اور انفعالی معنی۔ برابر ہے کہ چاہے وہ حسب تضمن ہوں یا بالالتزام ہوں۔ ان فروع کی جزئیات کی تفصیل لمبی چوڑی ہے جسے مفصل بیان نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان تینوں یعنی فرع متصل، فرع مفارق اور فرع بشبح سے باہر نہ ہوں گی۔ اور فرع کے اپنے اصل کی طرف رجوع کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک رجوع شخصی کہ فرع کی صورت اصل کی صورت کی طرف رجوع کرتی ہے جیسے درخت کا پھلوں کی صورت میں بار آور ہونا وغیرہ وغیرہ اور انڈے سے بچے کا کبوتر کی شکل میں پیدا ہونا اور ماں اور باپ کی ہیئت پہ مذکر یا مونث ہونا۔ لیکن اس رجوع کی آگے دو قسمیں ہیں، ایک رجوعِ کونی (ہست ہونا یا پیدا ہونا) جو پیدا ہونے کے لحاظ سے ہے جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں میں ہے۔ دوسرا رجوع فسادی (بگڑنا) یعنی اسی مرکب کے اجزا کا منتشر ہونا جیسے اربعہ عناصر سے بنے ہوئے مرکبات کے اجزا پریشان ہو کر پھر اپنے اسی عنصر میں بکھر جاتے ہیں۔ آتشیں (ناری) اجزو کا جھکاؤ (میلان) کرۂ نار کی طرف اور خاکی جزو کا میلان کرۂ ارض کی طرف اور ہوائی جزو کا میلان کرۂ ہوائی کی طرف اور آبی جزو کا جھکاؤ کرۂ آبی کی طرف ہوتا ہے۔ ایک رجوع وصفی ہوتا ہے جو اصل اوصاف سے اتصاف پیدا کرتا ہے۔ ایک رجوع نفسی ہوتا ہے جو عبارت ہے نفوس کے اصل مرتبہ کی طرف توجہ سے۔ پس اطاعات اور عبادات کا بجالانا، شرعی ممنوعات سے باز رہنا اور دُنیا میں پرہیزگار بننا کسی شخص کا اللہ کی طرف رجوع ہے۔ اور اپنے اندر اخلاق خداوندی پیدا کرنا اور اپنے باطنی وصفوں اور خصلتوں کو سنوارنا اللہ کی طرف رجوع ہے، رجوعِ وصفی۔ اور اللہ تعالیٰ کا دائمی مشاہدہ اور حضوری اور نفس میں رفاقتِ حق کی کیفیت کو راسخ کرنا اور ملکہ حاصل کرنا اللہ کی طرف رجوع ہے نفسی۔ ہم اللہ ہی کی طرف سے آئے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے پس حضرت انسان کہ تیس ۳۰ سال کی عمر تک جو اس کی نشوونما کا زمانہ ہے اور پھر تیس سے چالیس سال تک جو انسانی وقوف کا پیریڈ ہے حق سبحانہٗ تعالیٰ سے ظاہری اور باطنی طور پہ معاملہ بموجب اِنَّا لِلّٰہ کے ہے۔ چاہیے کہ عمر کے اس حصے میں اسے جتنی بھی جسمانی قوت اور زور اور ظاہری اسباب کی استطاعت عطا فرمائیں ساری کی ساری قوت و استطاعت کو خدا کی راہ میں خدا ہی کے لیے صرف کر دے۔ اور جہاں تک ہو سکے، عبادتوں، ریاضتوں اور وظیفوں، مراقبوں، حصولِ علم اور آباؤ اجداد اور خدا کے کمزور بندوں کی خدمت گزاری میں مصروف رہے۔ اور جہاں تک ہو سکے دین و طریقِ محمدیؐ اور اہل اللہ کی کتب کی ترویج و اشاعت اور مخلص محمدیوں اور صالح مومنوں کی تالیفِ قلوب اور قابلِ زیارت مقبروں

Marfat.com

کی تزیئن و آرائش اور آل اولاد، پوتوں، نواسوں، ۔۔۔۔ احباب اور ماتحتوں کی تربیت اور رزقِ حلال نیز متوکل محمدیوں کی ہاتھ اور زبان سے سخاوت و بخشش اور حمایت میں مقدور بھر سعی کرے۔ اور اپنے نفس کے حقوق کو بھی خدا ہی کے لیے ادا کرے۔ اور ایسے زمانے کو غنیمت سمجھے کیونکہ وہ پھر ہاتھ نہیں آتا۔ اور اللہ کی طرف یہ رجوع شخصی کونی رجوع کہلاتا ہے۔ کیونکہ وجودی کمالات کی جنس کی فراوانی جوانی کے دنوں ہی میں میسر آتی ہے۔ اور چالیس سال سے لے کر پچاس سال تک جو مخفی زوال اور ادھیڑ پن کا زمانہ ہے۔ اور پھر پچاس سال سے لے کر تادمِ مرگ جو کھلے طور پر زوال اور بڑھاپے کا زمانہ ہے اس میں انسان کا حق تعالیٰ سے معاملہ اِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ چاہیے۔ اس زمانے میں لوگوں سے میل جول کم رکھے۔ گوشہ نشینی کو صحبت پر غالب رکھے اور کثرت سے خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کرے۔ فقط نماز جمعہ یا جماعت نماز اور حقوق کی ادائیگی کے ضروری اوقات میں جو اللہ کے لیے ہوں باہر نکلے۔ بات چیت کم کرے۔ کھانے پینے، سونے، پہننے اور اہل و عیال اور دیگر افرادِ خانہ کے ساتھ رہنے والی جگہ میں اپنا دائرہ تنگ ہی رکھے، سبھی سے نرمی و ملائمت سے پیش آئے۔ اور جہاں تک ہو سکے دوسروں پر اپنا بوجھ نہ ڈالے۔ اور نہ اپنے آپ کو بے وقعت بنائے۔ اور زندگی مُردوں کی طرح گزارے اور مرنے سے پیشتر مرجانے والوں کی جماعت میں داخل ہو جائے۔ اور ظاہری و باطنی طور پر بالکل اللہ ہی کی طرف متوجہ رہے۔ اور موت کو حبیب سے حبیب کو ملا دینے والا پُل سمجھتے ہوئے موت کا منتظر رہے۔ اللہ کی طرف یہ رجوع شخصی فسادی رجوع کہلاتا ہے۔ کیونکہ یہ جسمانی ترکیب کے بگاڑ اور انتشار کے زمانے یعنی بڑھاپے میں نصیب ہوتا ہے۔ اور اس قسم کا لوٹنے والا رجوع حقیقتاً مرتبۂ اصل سے ملانے والا ہے اور صالح آباؤ اجداد اور مقدس ارواح ان فروع یعنی صالح فرزندوں اور مہذب اولاد کے لیے اصل الاصول ہیں۔ کیونکہ آباؤ اجداد کا شمار اصول میں داخل ہے اور آل اولاد کا شمار فروع میں ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کی شان بلند اسی اصل الاصول کی نسبت سے بھی برتر ہے۔ کیونکہ نہ وہ کسی سے جناگیا اور نہ اُس نے کسی کو جنم دیا۔ اسی نے ان تمام اضافی اصول اور اعتباری فروع کو تخلیق کیا۔ سبعہ سیارہ اور ارضی طبقات کو افلاک اور اربعہ عناصر سے پیدا کیا اور موالید ثلاثہ کے بچوں یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات کو ان کے پہلو میں پرورش کے لیے ڈالا۔ لہذا حضرت انسان کے حق میں یہ طبقات ارضی بمنزلہ اناؤں کے ہیں نہ عین ماؤں کی طرح۔

Marfat.com

علوی (سبعہ سیارے/ نو آسمان) بمنزلہ رضاعی باپوں کے ہیں نہ کہ حقیقی حسبی نسبی آبا کی طرح۔
مادری طرف سے یہ برگزیدہ حضرات حقیقت کی رو سے حق تعالیٰ کی حقیقی صفات پہ جا ختم ہوتے
ہیں۔ اور پدری طرف سے اس کی تعیین کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات
جس کا ہم نے ذکر کیا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اپنے آبا کا بلکہ اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ۔
آہ میں کشفِ حقیقت سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسے حقائق بیان کرنے سے یہ ظاہر بین غلط
فہم لوگ حضرت عیسیٰ (ان پر اور ہمارے نبی پر درود) کی قوم کی طرح گمراہی کے بیابان میں پڑ کر
یہ نہ کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اولاد پکڑی ہے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ان باتوں سے بلند و بالا ہے
اور اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اس نسبت کے ظہور کے غلبے کی بنا پر
حضرت روح اللہ نے اس کلمے کے ساتھ کہا کہ میرا باپ ایسا اور ایسا ہے نہ کہ اس مقدس ذات نے
حق تعالیٰ کی ولدیت کا دعویٰ کیا۔ انہی جاہلوں کو سنوارنے کے لیے حق تعالیٰ نے خطاب فرمایا کہ اے عیسیٰ
ابنِ مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ خدا کے معبود قرار دے لو
اور جواب میں عیسیٰ روح اللہ کہیں گے توبہ توبہ، میں تو آپ کو شرک سے منزّہ سمجھتا ہوں۔ مجھ کو کسی طرح
زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوگا تو آپ کو اس کا علم
ہوگا۔ آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں، اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو
نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہی ہیں۔ چونکہ ہمارے رسول مقبول صلعم (ان پر درود و
سلام) تمام انبیا کی جملہ نسبتوں کے جامع ہیں۔ محمدیت کے ضمن میں یہ عیسوی نسبت بھی محمدیوں سے
باہر نہیں گئی۔ پس اے خدا تو ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کونسی محبت ہے جو اس نسبت کی ڈور کو حرکت
دینے والی ہے اور وہ کونسی الفت ہے جو اس عرفان کا بیج دلوں کی سرزمین میں بوتی ہے۔ میں تو مجبور و
لاچار ہوں اور تیری رضا کے سامنے بالکل بے اختیار ہوں۔ مجھ پہ تو ہدایت کا راستہ تو نے اسی
دروازے سے کھولا اور اسی دروازے سے تو نے مجھے اپنی راہ دکھائی۔ یعنی میرے والد بزرگوار ہی
کو تو نے میرا مرشد بنایا اور ظاہری و باطنی طور پر مجھے اس عنایت سے نوازا۔ اور میرے اور اپنے
درمیان سوائے میری اصل کے اور کسی وساطت کو پسند نہ فرمایا اور مجھے میری اپنی اصل ہی کے
وسیلے سے اپنی طرف کھینچا، اے خدا میں تیرے احسان کے قربان جاؤں کہ تو نے مجھ ناچیز، نکمے

Marfat.com

انسان پر کسی غیر کو غالب نہ کیا۔ مجھے میرے رب کے حسن کی جھلک میرے اپنے ہی پانی کے شیشے میں دکھائی۔ اے اس باغ عالم کے باغبان! تو صاحب لطفِ عمیم ہے۔ تو نے میری شخصیت کے اس نشو ونما پاتے والے جسم کو طریقۂ محمدیہ کے پاک درخت کا تنا بنایا۔ اور پھر اپنی قدرت کاملہ اور رحمت شاملہ سے ہر گھڑی اس کی آبیاری کر کے اس کی نشو ونما میں مدد فرما کر مجھ ضعیف البنیان کو تقویت بخشی، اور اے گلشن کائنات کے رکھوالے، تو نے مجھ ناچیز و ناکارہ کے وجود سے اس شجرۂ عالی کی استواری اور استقامت چاہی اور حق سبحانہٗ تعالیٰ سے ملا دینے والے اس سلسلۂ رشد و ہدایت کو مجھ گمنام کی نشو ونما سے آراستہ فرمایا۔ مقدّس و مطہر رسولؐ کی کامل استعدادوں کی قوت کی بہار مجھ بے حقیقت کی ناقص قابلیت کے آئینے میں ظہور پذیر ہوئی۔ مجھ عاجز و ناتواں کی قدرت کی شاخوں سے پھل پھول اور پتے پھوٹنے لگے، ہر چند کہ ظاہری اعتبار سے میں ایک ناتراشیدہ چھڑی (لکڑی) ہی دکھائی دیتا ہوں اور دیکھنے کو بدشکل و بدصورت ہوں، لیکن تمام شاخوں اور ٹہنیوں کو میرے توسّط اور میرے مائل ہوئے بغیر فیض یاب ہونا محال ہے۔ کیونکہ میں ان کی اصل اور ان کو ملانے والی اکائی ہوں۔ اور مجھ صحیح النسب کے فیض کے بغیر تمام پھل پھولوں اور پتوں کو تر و تازہ رہنے کی مجال کہاں۔ نہ تو کسی شاخ کو تنے کی وساطت کے بغیر جڑ سے فیض پانے کی راہ کھلتی ہے۔ اور نہ ہی کسی جڑ سے کوئی عظیم تنا بار بار ظہور میں آتا ہے جسے اس کا جزو اعظم کہا جاسکے اور یہ اس غالب حکمت والے کے انداز سے ہیں اور تم اللہ تعالیٰ کی سنّت میں کوئی تغیّر و تبدل نہ پاؤ گے۔ یہ جڑ ہی ہے جس نے اپنے عظیم تنے کے کر و فر سے اپنا غلغلہ بلند کر رکھا ہے۔ اور یہ تنہ ہے جس نے اپنی تن پروری کے لباس میں اپنی جڑ کی قوت کو ظاہر کیا ہے۔ خدانخواستہ تنے کے بغیر اصل (جڑ) نامراد ہوتی ہے اور اصل سے کٹ جانے والا تنہ (خدا کی پناہ) بے بنیاد ہوتا ہے۔ تنہ جڑ کا ایک نہ جدا ہونے والا جزو ہوتا ہے، اور جڑ تنے سے متصل واحد ہوتی ہے۔ بلاشبہ رحمتِ خداوندی کی بارشوں کے پانی جو وہ پیتی ہے وہ اپنے تنے کو تناور کرنے کے لیے ہے تاکہ اس کا شجرہ مضبوط و دیرپا ہو اور باغ میں قائم رہے۔ اس کی بہار کا ظہور تنے ہی پر موقوف ہے۔ اسی لیے تو کہا کہ مجھ سے جو بھلائی وقوع پذیر ہوئی وہ بھی ایک بھلائی ہے اور باقی تمام بھلائیاں جو قیامت تک ظہور پذیر ہوتی رہیں گی اسی تنے سے متعلق ہوں گی اور اسی اصل سے جو واحد حقیقی کی مظہر ہے۔ وہی ایک فعل ہی اوّل المحارین کی ولادت ہے جو ظہور

Marfat.com

میں آئی۔ اور پھر یہ دیگر کثیر التعداد افعال جو خالص محمدیوں کی پیدائش وافزائش ہے اسی سے ظہور پذیر ہوئی۔ وہی ہے جو میرے خطاب کا مخاطب ہے اور اس انجمن کی شمع ہے۔ اُسے منوّر کیا اللہ نے اپنے نور کے ساتھ اور اپنے ظہور کے ضمن میں اُسے ظاہر کیا۔ اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اپنے نور کے ساتھ، اور وہ ہدایت دیتا ہے سیدھے راستے کی طرف، پاک ہے میرا رب، اعلیٰ ہے اور پاک ہے میرا رب عظمت والا۔ اے اللہ! تو پاک ہے اور تیری تعریف کے ساتھ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے۔ میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور میں توبہ کرتا ہوں تیرے سامنے۔ میں نے بُرے کام کیے اور میں نے ظلم کیا اپنے نفس پر۔ پس مجھے بخش دے۔ مجھے بخش دے۔ مجھے بخش دے۔ پس نہیں بخشتا گناہوں کو کوئی بھی تیرے سوا۔ رباعی:

ہر چند کہ صافیم کدورت اثریم
محویم دلی ہمان پریشان نظریم
یعنی کہ بغفلت کدہ خلق اے درد
چوں آئینہ چشم بازد ما بے خبریم

ترجمہ رباعی: ہر چند کہ ہم صاف و شفاف ہیں پھر بھی کدورت کا کچھ نہ کچھ اثر ہم میں ہے۔ ہر چند کہ ہم محو حق تعالیٰ ہیں لیکن پھر بھی پریشان نظر ہیں۔ یعنی کہ خلقت کے اس غفلت کدہ میں، یعنی اس دنیوی کثرت میں شیشے کی طرح ہماری آنکھیں کھُلی ہیں مگر بے خبر ہیں۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) صاف بودن سے مُراد انسان کو حاصل ہونے والی روحانی صفائی اور نفس ناطقہ کا تجرّد ہے اور کدورت اثری سے مراد ہے نفس مجردہ کے مادے کے ساتھ قرب اور مقتضائے بشریت رُوح پر جسمانی کدورت کا اثر اور محویت سے مراد وہ رجوع ہے جو ہر نفس کو طبعاً اپنی اصل اور اپنے رب کی طرف ہوتا ہے۔ لہذا ہر کسی کا دل اپنی استعداد کی کمی بیشی کے مطابق اپنے صانع مطلق کی طرف کھنچتا ہے اور کبھی کبھار اُسے کسی حد تک خبردار بھی کر دیتا ہے۔ پریشان نظری سے مراد اس موہوم کثرت اور دنیا کے ان فانی اعتبارات کی طرف توجہ سے ہے کہ یہ بات چارو ناچار ہر کسی کو میسّر ہے۔ اور حواس نفس کو ادھر متوجہ کرتے ہیں، اور مخلوق کو غفلت کدہ اس لیے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اس دُنیا کو بعضوں کے لیے غفلت کی جگہ بنایا ہے اور بعض خواص کے لیے

Marfat.com

عبرت کدہ بنایا ہے۔ اور ان کے لیے دُنیا کو آخرت کی کھیتی بنادیا۔ لیکن فیصلہ اکثریت سے ہوتا ہے لہذا دنیا و مافیہا (جو کچھ اس کے اندر ہے) سب ملعون ہے۔ غفلت کی اس زیادتی میں بھی حکمتیں ہیں جو وہی خدائے علیم و حکیم ہی بہتر جانتا ہے۔ اور دُنیاوی معاش کے امور کا انتظام اور لوگوں کی استراحت کا تعلق انہی سے ہے اور تھوڑی بہت ضرورت اس کی کامل بندوں کو بھی پڑتی ہے۔ اور یہ حدیث کہ حمیرا (حضرت بی بی عائشہؓ کا لقب) مجھ سے باتیں کرو اسی امر کی خبر دیتی ہے۔ اور "باز بودن چشم" سے مراد ہے جمالِ حقیقت کے مشاہدہ کی اہلیت جو ہر انسان کو اس کی عقل اور قوتِ ادراک کے مطابق حاصل ہے۔ اور "بے خبر بودن" سے مراد ہے حالِ حاضر میں حقیقت کا ادراک نہ ہوتا اور انجام سے غافل رہنا۔

حاصل مطلب رباعی کا یہ ہوا کہ اپنی تقصیروں اور عجز انسانی کو دیکھتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ ہر چند کہ ہم عنایت الٰہیہ سے صاف و شفّاف ہیں اور ہمیں نفسی تجرد اور روحانی صفائی حاصل ہے لیکن پھر بھی بہ تقاضائے بشریت ہم میں کدورت کا اثر ہے اور ہمارے اندر جسمانی کدورت موجود ہے۔ اور اگرچہ تمام وقت ہم مشاہدۂ ذات میں محو و مستغرق ہیں اور دائمی طور پر اپنی اصل یعنی قبلۂ کونین کی مقدّس روح کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور ہمیشہ ذاتِ الٰہی کی طرف بھی اک بے کیف سے انداز میں متوجہ رہتے ہیں لیکن پھر بھی حواس کی شراکت کے باعث پریشان نظر ہی ہیں اور ضرورت کے مطابق ان فانی اعتبارات اور اس موہوم کثرت کی طرف ملتفت رہتے ہیں۔ پس جب حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اس عالم کو غفلت کدہ بنایا ہے ہم بھی اس کی مرضی کے مطابق باوجود اس کے کہ جمالِ حق کے مشاہدے کی استعداد رکھتے ہیں۔ کبھی کبھار حقیقت کے ادراک سے بے خبر رہ جاتے ہیں اور سنّت کے اتباع میں اپنی دلی تشنگی ظاہر کرتے ہیں۔ اور یہ حالت انسانی لوازم میں سے ہے اور لا متناہی ترقیوں کا موجب ہے۔ کیونکہ ہر لحظہ اپنی کوتاہیوں پر ندامت حاصل ہوتی ہے۔ اور اپنے بشری عجز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر حق تعالیٰ کی بے وجہ عنایات سے ترقی واقع ہوتی ہے۔ اور قرب کے درجات بڑھتے ہیں۔ لہذا پیغمبر اسلام علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کے دو دن برابر ہوئے وہ خسارے میں ہے (لُٹ گیا) وہ بیچارے فرشتے اور طائرانِ قدس ہیں جو نہیں ہے اُن میں سے مگر اس کے لیے مقام معلوم کے قفس میں گرفتار ہیں۔ قصہ کوتاہ یہ کہ مَلکیت (فرشتگی) کے زینے سے انسانیت کے کوٹھے پر قدم رکھنا چاہیے اور عجز و انکسار کی زبان کھولنی چاہیے اور ایسے خلل سے بھرے ہوئے

Marfat.com

حال پر افسوس کرنا چاہیے اور یہ قرآنی نغمہ الاپنا چاہیے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔
حیف صد حیف! ہر چیز کی نرگس کی طرح آنکھیں کھلی ہیں مگر اس باغ عالم میں فرصتِ تماشا نہ دی گئی۔ یہ افسوس
اور تاسف تو انسانی مرتبے کی بلندیوں کی بے انتہائی کی وجہ سے ہے کہ انسان حاصل کردہ رتبے پر اکتفا نہ کرتے
ہوئے اس مقام سے بھی آگے ترقی چاہتا ہے۔ کیونکہ نہ تو قربِ الٰہی کے بحرِ بیکراں کی کوئی انتہا ہے اور نہ
ہی وصال کے پیاسے کی پیاس کی کوئی حد ہے۔ پس بڑی حسرت سے کہتا ہے کہ اگرچہ نرگس کی طرح ہماری
آنکھیں تو کارکنانِ قضا و قدر نے کھول رکھی ہیں۔ یعنی مشاہدۂ ذاتِ حق کی اہلیت اور حقیقت کے
ادراک کی قابلیت بھی عطا کر رکھی ہے اور اس باغ میں جو عبارت ہے باغ عالم میں سیر و تماشا اور
حسنِ بہارِ مطلق کے مظاہر کے حجابات کے بغیر دیکھنے کی اجازت نہ دی۔ دیدار کا وعدہ باغ آخرت پہ چھوڑ
رکھا ہے۔ بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ ہر چند کہ اس عالم آخرت میں رویت حق کی نوری اور صدری تجلیات
بھی پردہ ہی سے ہوں گی، لیکن اس عالم کی نسبت سے گویا معاملہ بہت حد تک بے حجاب ہو گا۔ الحمد للہ
کہ اگرچہ اس وقت بھی بعضوں کی نسبت جو سایہ و عکس کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمارا معاملہ اصل ہی
سے ہے اور ہماری دُنیا ہی نے آخرت کا رنگ حاصل کر رکھا ہے لیکن خدائی خبروں کے بموجب آخرت
تمھارے لیے بہتر ہے دُنیا کی زندگی سے، اور ہمیشہ رفیق اعلیٰ ہی کا ذکر ہے۔ اور دل اس قابل دید جلوے
کی تمنّا سے لبریز ہے۔ جو دیکھ نہیں پاتے جو پھول چننا چاہیے وہ نہیں چنتے یعنی استعداد کی اس
بلندی کی توقع ہے کہ جس کا آخرت میں وعدہ ہے وہ ابھی نصیب ہو جائے اور ایمانی نسبت کی قوت
باوجود خدا و رسولؐ کے فرمودات کے مطابق مکمل انکشاف کے اخروی معاملات کو دنیوی معاملات
سے برتر جانتا ہے لہٰذا اسی اعتبار سے کہتا ہے کہ وہ جلوہ جو ہم رسولِ کریم صلعم کے صدقے آخرت
میں دیکھیں گے یہاں نہیں دیکھ پا رہے۔ اور دیدار کے پھول کو اُس کی تمام تر لطافتوں سمیت خدا کی
عنایت اور رسول اللہ صلعم کی حمایت سے عاقبت میں چنیں گے یہاں نہیں چن پاتے کیونکہ یہاں رویت
حق تعالیٰ کا دیدار ظاہری چشم سے جائز نہیں اور رویت الٰہی کا مفصل بیان پہلے ایک باب میں آچکا
ہے جس کا نام لقاءُ اللہ ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ اپنے خصوصی مرتبے سے نزول کر کے عمومی مرتبے کی طرف
متوجہ ہونا چاہیے اور عوام الناس کے حال کو اپنے ہی حال کے لباس میں چھپا کر ان کے دلوں کی کیفیت
کو ظاہر کرنا اور کہنا چاہیے کہ ہمیشہ دل اسی دنیوی رنگ و بو ہی میں اٹکا ہوا ہے۔ یعنی اس دُنیا کے

Marfat.com

اضافی اعتبارات اور فانی مادیات میں گرفتار ہے اور ان محسوسات کا خوگر ہونے کی وجہ سے سینہ آرزوؤں کے بخار سے چھلنی ہے۔ ہر گھڑی سینے سے کوئی نہ کوئی آرزو سر اُٹھاتی ہے، اور دل میں ہر لحظہ کوئی نئی خواہش جنم لیتی ہے۔ اور ہم عوام جب تک دم میں دم ہے اس مصیبت میں سرگرداں ہیں۔ اور طرح طرح کی ہوسوں میں حیران ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ بہار جس کے ہم شیفتہ و فریفتہ ہیں خزاں کا دیباچہ ہے۔ یعنی وہ بہار زندگی جس کے ہم مشتاق و والا ہیں موت کی خزاں کا دیباچہ ہے اور کتاب وفات کا حرفِ آغاز۔ کیونکہ جو کوئی بھی زندہ ہے اُسے لازماً موت آنی ہے اور ہر ذی نفس کے ترکش میں نفس شماری کے تیر ہیں۔ ہر کوئی اپنے ہی تیر کا نشانہ اور اپنے ہی ہاتھوں زخمی ہے۔ اور وہ خزاں جس سے ہم گریز کرتے ہیں وہ ہر پھول سے دست و گریبان ہو کر رہے گی۔ یعنی موت کی خزاں کہ جس سے ہم گریز کرتے ہیں وہ کے تقاضے کی وجہ سے اور ان فانی چیزوں سے الفت کی بنا پر بھاگتے اور گریز کرتے ہیں۔ وہ اس باغ عالم کے کھلنے والے ہر پھول سے ہاتھا پائی کرے گی اور قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ اسی معاملے اور صورتِ حال پہ گواہ ہے کہ اے نبیؐ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ موت ایک روز تم کو آپکڑے گی، اور ہر انسان طبعاً اپنی حیوانیت کی وجہ سے موت سے نفرت کرتا اور ڈرتا رہتا ہے کہ وہ اس حیوانی زندگی کا خاتمہ ہے۔ اور موت جو اس فانی زندگی کا اک لازمہ ہے ہر لحظہ آدمی کی طرف اور اُس سے چمٹی ہوئی ہے۔ پس انسان کی انسانیت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ جب تک زندگی ہے اس حیوانی مادے کی شراکت مناسب مقدار میں ملحوظ رکھے لیکن ہمہ تن مصروف ان اخروی امور میں رہنا چاہیے جن کا تعلق روح سے ہے۔ اور اس مرتبے کا مشتاق رہنا چاہیے جو لافانی روح کا مرجع ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کر کے دکھاؤ۔ اور اس حالت کو حاصل کرنے اور نفس پر موت کے سہل و گوارا ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ زندگی میں ہی اپنی قوتِ ادراک کی ڈور کو آزادی کی بے رنگ ڈور سے باندھ دینا چاہیے اور ہمیشہ اس تنزیہی اور بے کیف مرتبے کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اور قلب و روح کو دنیوی خیالات کی بھرمار اور شکوک و شبہات سے پاک کر لینا چاہیے۔ اور حضوری و مشاہدۂ ذاتِ حق سے سکون و اطمینان کامل حاصل کرنا چاہیے ایسے انداز میں کہ اُس کیفیت کے بغیر تمہیں چین نہ آئے۔ کسی دنیاوی امور کی ہوس اور اس دُنیا کی خواہش تیرے دل کا دامن نہ پکڑے اور تقیدات کے اس طلسم کو توڑ دینا چاہیے

Marfat.com

یعنی ان دنیاوی مقیدات سے جنھیں ہم علائق دنیوی کہتے ہیں جہاں تک ہو سکے رہائی پالینی چاہیے۔ اس حالت کے غلبہ اور شدت میں نجات ہے۔ یہ حالت جس کا ابھی ذکر ہوا بہتر یہی ہے کہ ہم حقیقت کے پر و بال نکالیں اور اس مادی جسمانی قید سے نکل کر عالم تجردیں پرواز کریں اور حضرت عندلیب رح کی طرح مجازی قفس سے باہر نکل آئیں۔ عندلیب میرے قبلہ گاہی والدِ بزرگوار کا تخلّص ہے۔ لہٰذا ان کی تصنیف کا نام بھی نالۂ عندلیب ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ قبلہ گاہی جناب والدِ بزرگوارم قدس سرہٗ العزیز نے اس جہانِ فانی سے مُنہ موڑا اور رحلت فرما گئے۔ ہم بھی امیدوار ہیں کہ اُس عالی جناب کے سرصدقے اسی استقلال و استقامت، سکون و رفاقت اور ایمان سمیت اپنی جان اُس جان آفریں کے حوالے کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایت اور رسولِ کریم صلعم کی حمایت سے ہم گناہگاروں کا انجام بخیر ہو گا کہ بیٹے کو باپ ہی کی نسبت سے پکارتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے متقائق (تنگی کرنے والے ہیں) یقیناً بیٹا کسی نہ کسی چیز میں باپ کی مانند ہوتا ہے۔ خواہ کتنا ہی نالائق کیوں نہ ہو پھر بھی طبعاً اس میں باپ کے اوصاف و اخلاق میں سے تھوڑی بہت جھلک ضرور ہوتی ہے۔ کیونکہ مشہور مقولہ ہے کہ بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے۔ پس یہ فقیر بے نوا بھی اپنے نکارے پن کے باوجود درگاہِ خداوندی سے امیدوار ہے کہ وہ میرے والدِ بزرگوار کی طرح میرا بھی خاتمہ بالخیر کرے گا۔ اور ان کے زہد و تقویٰ کی برکت سے میرے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ کیونکہ جزو کو کُل میں داخل ہی سمجھتے ہیں بالخصوص وہ جزو جسے جدا نہ ہونے والا کہتے ہوں۔ اور متصل واحد سے نوازتے ہوں۔ اور جسے شرفِ قبولیت و برگزیدگی بخش کر جزوِ اعظم بنایا ہو۔ شاخ کو جڑ ہی سے سمجھتے ہیں کیونکہ شاخ کا اعتبار جڑ ہی کے لحاظ سے ہے اور فرع سے وہی کچھ ظہور میں آتا ہے جس کی استعداد جڑ میں ودیعت کر دی گئی ہو۔ پس اے خدا میں بھی اُمیدوار ہوں کہ جو برکات تو نے میرے قبلہ و کعبہ والد بزرگوار کو عنایت کی تھیں مجھے بھی اُن سے مشرّف فرما کہ قیامت کے دن میرا حشر بھی انہی کی طرح کرنا کیونکہ تو نے خود اپنے کلامِ پاک میں فرمایا ہے کہ بلاؤ اُنھیں اُن کے آبا کے نام سے یہ اللہ کے نزدیک بینی بر انصاف ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے پرورش یافتگان کو یاد کرے گا اور قیامت کے دن اپنے حضور میں طلب کرے گا اپنی ربیّت کے انہی مظاہر کی وساطت سے جو پرورش پانے والوں کو اس دُنیا میں ظہور میں لاتے اُس عالم میں بھی اپنے حضور میں بلائے گا، اور صالح آبا و اجداد کی

Marfat.com

برکت آلِ اولاد کے شاملِ حال ہوگی۔ اور اس کے موجب کہ بدبخت میرے لیے ہیں، وہاں بھی اولاد کی عزت منظور ہوگی۔ اور اگر یہ شخص مومن اور صالح ہے اور آباد اجداد کافر یا فاسق ہوگزرے ہیں تو ان کی بُرائی اس پہ اثر انداز نہ ہوگی۔ بلکہ اس کے ایمان اور نیکی ان کے عذاب میں تخفیف اور اس کی بخشش کا باعث بنیں گے۔ اور اسی طرح بیٹا اگر فاسق و فاجر اور کافر ہے اور آباو اجداد مومن اور صالح ہیں تو اُس کا کفر اور فسق و فجور اُنھیں کوئی نقصان نہ پہنچائے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پہ غالب ہے۔ اور خود خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری رحمت کو میرے غضب پر سبقت حاصل ہے کوئی کام بھی جس کا ثمرہ اجر و ثواب ہو آبا و اجداد اور اولاد میں سے طرفین پہ اثر انداز ہوگا۔ اور جو چیز عذاب و غضب کا موجب ہے وہ اس شخص سے مخصوص ہوگی جو اُس کا اہل ہے۔ نہ باپ کو بیٹے کے کردار کے متعلق پوچھیں گے اور نہ بیٹے کو باپ کے افعال کے متعلق پرسش ہوگی۔ واضح آیت کریمہ ہے کہ اس دن کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ مگر وہ باپ جو زبردست قرب کا مالک ہو بیٹے کو اپنے ضمن میں لے کر اپنے بیٹے کے گناہوں کی شفاعت اپنے ذمّے لے لے گا، یہ اک جداگانہ عنایت ہے جو قسمت اور نصیب ہی سے میسّر آتی ہے، نہ کہ اکتساب و عادات سے۔ یا وہ بیٹا جو کمال سعادت مندی سے دونوں جہانوں میں باپ پہ فدا تھا کہ یہ بھی اک جداگانہ خوش بختی ہے جو شاذ و نادر ہی ہاتھ لگتی ہے۔ آہ و واحسرتا! کہ عاشق جدائی کی تاب نہیں لا سکتا۔ یہ جملہ بے اختیاری ہی میں عشق کی شوریدہ حالی میں لب پہ آگیا، اور لفظ آہ بھی بلا ارادہ سینے سے نکلا، کہ ابرِ رحمت اسی نالہ و بکا سے برستا ہے۔ اور نالۂ عندلیب میں سوائے درد و اثر کے اور کچھ نہیں۔ چنانچہ جس طرح حضرتِ عندلیب کا نالہ سراپا معنیٔ درد کا متضمن ہے۔ اور اُس سے درد ہی پیدا ہوتا ہے اور ایسے درد کا نتیجہ اثر ہی کے معانی کا حامل ہوتا ہے۔ اس کا ماحصل بھی درد ہی ہوتا ہے۔ اور اس ضمنیت کی راہ سے میرا عزیز بھائی بھی اس خوش بختی و سعادت میں میرا شریک ہے۔ ہم دونوں سگے بھائی ہم شکل بھی ہیں کہ ہم شکل و صورت میں ایک ہی ماں باپ کے جائے ہیں اور حقیقت میں بھی ایک ہی طریق و معرفت پہ رواں۔ قصّہ کوتاہ جب رحمت کا وقت تھا اور رحمتِ الٰہی جوش پر تھی، تو اپنے تمام صاحبزادوں اور والدِ بزرگوار کے اہلِ بیت (اہلِ خانہ) کو اپنی حمایت کے ضمن میں لے کر میں نے خالص محمدّیت کے مرتبے میں داخل کر لیا، اور بزرگوار کے سامنے

Marfat.com

پیش کیا، اُنھوں نے بھی نظرِ شفقت سے قبول فرمایا اور اپنی تمام آل اولاد اور اپنے عزیزوں اور قریبی رشتے داروں کو قبلہ گاہی نے مختلف مراتب کے فرق کے مطابق قیامت تک کے لیے اپنے ضمن میں لے لیا۔ میں ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھا، مجھے آپ نے ان سب کے ساتھ اپنے ضمن میں لے لیا اور حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لے گئے۔ آنحضرت صلعم نے قبلہ گاہی اور تمام کو اپنی شفاعت کے ضمن میں لے لیا، اور بارگاہِ الٰہی میں لے گئے اور شفاعت کی۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ ان میں سے جو کوئی بھی خالص محمدیت سے شرفیاب ہے اور پورے اعتقاد اور ایمان کے ساتھ ہمارے مرحوم و مغفور مقربین کے زمرے میں داخل ہے۔ اگرچہ بہ تقاضائے بشریت گناہگار ہو، اور اگر یوں نہیں تو پھر نہیں بیشک اللہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اور بخش دیتا ہے اس سے کم جس کے لیے چاہتا ہے۔ بلکہ نہ مایوس ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے، بیشک اللہ بخش دیتا ہے گناہ سارے کے سارے۔ اسی اثنا میں یارانِ طریقت، علم الکتاب اور اس کے واردات اور کتابِ مستطاب نالۂ عندلیب کے قاری اور ان کتابوں کے کاتب آئے اور مجھے چمٹ گئے، میرے دامنِ دل کو کھینچا میں اس طریق سے دوبارہ اُنھیں بارگاہِ خداوندی میں لے گیا، اس کے بموجب کہ میری آل میں سے وہ ہے جو چلا میرے راستے پر، اپنے سلسلے سے منسلک ہونے کی بنا پر میں نے اُنھیں اپنی ہی نسل سے شمار کیا، پھر خطابِ الٰہی ہوا کہ ان میں سے جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں اور اجر ضائع نہیں کرتے، میں نے پھر گڑگڑا کر التجا کی، تو ارشاد ہوا کہ اگر یہ محمدی طریق پر ثابت قدم ہیں ہم نے ان کے گناہ بھی معاف کیے۔ جس نے کلمۂ طیبّہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھا وہ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پس اے عزیزو اور دوستو، اس عنایتِ خداوندی پہ مغرور ہو کر کہیں گناہوں میں دلیر اور عبادت کرنے میں کاہل نہ ہو جانا۔ اس معاملے سے ہمارا مقصود بھی یہی ہے جو خدا و رسول ؐ کی ان آیات و احادیث میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔ سو چاہیے کہ حقیقت کو سمجھتے ہوئے عنایاتِ الٰہی کا شکر بجا لاؤ اور طریق محمدی پر قائم و سرگرم عمل رہو، عبادت میں پہلے سے بڑھ چڑھ کر سعی کرو۔ گناہوں سے بچو۔ آخر انسان ہو اگر کبھی کبھار کوئی گناہ سرزد ہو بھی جائے تو مایوس نہ ہو اور فوراً توبہ و استغفار کرو۔ گڑگڑا کر

Marfat.com

اس کی رحمت طلب کرو۔ ہم گناہگاروں کی شفاعت کرنے والا بفضلہٖ تعالیٰ زبردست ہے۔ حمایتِ محمدیہ ہماری حامی ہے۔ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ پس لے فرزند جو ہماری پشتینی اولاد ہو۔ اور اے یارانِ طریقت کہ ہمارے روحانی فرزند ہو۔ اپنے آپ کو قبلہ گاہی والدینہ رگوارم کی طرف متوجہ کرو۔ مجھے وسیلہ بناؤ، خدا کی رحمت کے امیدوار ہو کر بارگاہِ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے سب یہی دعا کرو کہ خداوندا اگرچہ ہم اسی مقام کے محض ایک قطرہ ہیں مگر کیا حقیقت میں ہم اسی بحرِ بے کراں کے اجزا نہیں ہیں۔ یعنی باوجود اتحاد کامل اور عینیت کے ادب آداب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور قدم حدِّ ادب سے باہر نہ رکھنا کیونکہ یہ آیت کریمہ یہی آداب سکھانے کے لیے نازل کی گئی تھی کہ محمد مصطفیٰ تم میں سے کسی فردِ واحد کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں۔ ادب ملاحظہ ہو کہ حضرت زید جو آنحضرت کا منہ بولا بیٹا تھا حضور پاک کو اپنا باپ نہیں بلکہ رسولِ خدا سمجھتا ہے۔ اور حضرت امام حسن اور امام حسین جو واقعی حضور پاک کے بیٹے (نواسے) تھے انھوں نے امتی ہونے کے رتبے سے قدم باہر نہ رکھا، اور نبوت کو حضور ہی پہ ختم سمجھا۔ اور خود کو اُس نبوت کی نسبت سے اس کا وارث نہ جانا۔ کیونکہ منصبِ نبوت حضور پاک پر ختم ہو گیا تھا۔ لہٰذا مذکورہ بالا آیت میں خدا نے رسول اللہ اور خاتم النّبیین کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور لوگوں میں سے کسی کے باپ ہونے کی نفی کی۔ لیکن کمالاتِ رسالت اور کمالاتِ نبوت سے ان کی آل اولاد اور اصحاب کے لیے حصہ و بہرہ باقی رہا۔ جس خوانِ نعمت سے ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی استعداد کے مطابق ریزہ چینی کرتا ہے۔ رسالت و نبوت کا منصب الگ چیز ہے اور رسالت و نبوت کے کمالات ایک الگ چیز۔ اوّل الذکر کا تعلق اصل سے ہے جو اب ختم ہو چکی ہے اور موخر الذکر کا تعلق اتباع سے ہے اور وہ ہنوز باقی ہے اور سادات میں سے جس کسی کے مقدر میں ہو گا ملتا رہیگا۔ امتِ مرحومہ میں فیضِ محمدی جاری و ساری ہے لیکن کمالاتِ نبوت سے جس میں انبیاء سے اپنی نسبت کی کوئی قید نہیں غیر سادات بھی مستفیض ہوتے ہیں۔ ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے لیکن کمالاتِ نبوتِ خاصہ سے جو محمدی نسبت سے مخصوص ہے سادات بنی فاطمہ ہی بالخصوص فیض یاب ہوئے۔ اور حضرت امام مہدی موعود کی آمد کے زمانے تک سادات بنی فاطمہ میں سے جس کے مقدر

Marfat.com

یں ہو گا ان کی استعداد کے مطابق یہ فیض انھیں ملتا رہے گا۔ کیونکہ اس درود شریف میں اس دعا و استدعا سے یہی مراد ہے کہ یارب درود بھیج محمدؐ صلعم پر اور ان کی آل رضؓ پر جیساکہ تونے درود بھیجا حضرت ابراہیمؑ پر اور ان کی آل پر، کیونکہ جب حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو امامت کا منصب عطا کرنا چاہا تو فرمایا کہ میں تھیں دُنیا میں لوگوں کا امام بنانا چاہتا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے دُعا کی کہ یہ سعادت میرے فرزندوں کو بھی عنایت کی جائے سو عرض کی یا اللہ اور میری اولاد میں سے ؟ پس حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور یہ برکت ان کی نسل میں بھی عطا کر دی۔ اور ان کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسف کو بھی اپنے خاص قرب و رفاقت سے نوازا۔ حتیٰ کہ حضور نبی کریم صلعم کو بھی جو خاتم الانبیاء ہیں انہی کی اولاد سے پیدا کیا، اور نبوت کو آنحضرتؐ پر ختم کر دیا۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمی سنّت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے فیض امامت کی سادات میں جاری رکھنے کی استدعا کی، اور کہا یارب درود بھیج محمد صلعم پر اور آل محمدؐ پر جیساکہ تو نے درود بھیجا حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر، تو ہی قابلِ تعریف اور بزرگ ہے اور برکت نازل کر حضرت محمد صلعم اور ان کی آل پر جیسے کہ برکت نازل کی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل پر۔ تو ہی بزرگ اور قابل تعریف ہے۔ اور اُمّت کو یہ درود شریف پڑھنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سرورِ کائنات کی دعا قبول فرمائی اور ساداتِ بنی فاطمہ رضؓ پر برکت نازل کی ہے اور امام حضرات کو منصبِ امامت سے نوازا اور محمدیؐ طریق کے سادات کو اس قرب خاص کے فیض کے شرف سے مشرّف فرمایا۔ اور مرتبۂ امامت کا خاتمہ حضرت امام مہدیؓ موعود کے نصیب میں کیا۔ اور بُعد زمانی یا مکانی کو قرب روحانی یا باطنی نسبت کے سلسلے میں حائل یا رکاوٹ نہ بنایا۔ خالص محمدیت کی نسبت جو حضور سرورِ کائناتؐ کے زمانے میں تھی حضرت امام عسکری رضؓ (ان پر اور ان کے اجداد پر درود) تک پشت در پشت چلی آئی اور اُس کے بعد وہ پردۂ اخفا میں چلی گئی۔ پھر از سر نو ایک ہزار اور ایک سو چند سال بعد یہ خاص فیض ایک سچے صحیح النسب سیّد کے باطنی منبع اور صحیح ترین پیشوا، سرداری کے آسمان کے آفتابِ عالمتاب، آسمانِ ولایت کے درخشندہ سورج، کمالاتِ نبوت کے منصب کے وارث، مرتبۂ الٰہیہ کے نائب، قربِ امامت کے سجادہ نشین، انوارِ محمدیہ کے مظہر، صاحبِ شریعت، واصلِ حقیقت، طریقت کے شناسا، حکمت الٰہیہ کے عرفان کو منکشف کرنے والے، ملتِ اسلامیہ کے حامی، عالی مرتبت، صاحبِ عزم، بارگاہ ذاتِ کبریا تک رسائی رکھنے

Marfat.com

والے حضرت خواجہ محمد ناصر محمدیؒ کے ذریعے ظہور پذیر ہوا۔ اور اس مقام کے تمام اسرار و رموز تفصیلاً اُن کے فرزندوں میں سے ایک فرزند پہ منکشف ہو گئے۔ جس نے اس جام بزرگ سے بیسر حاصل استفادہ کیا۔ اور اپنا مکمل حصّہ لیا اور شاخ اپنی جڑ سے جا ملی۔ اور اُس نے قدم بقدم ان کا اتباع کیا۔ صاحب کے مصاحبوں کا بھی غلام بنا۔ یوں قطرہ دریا سے جا ملا۔ اور مرید اپنے پیر کی مُراد بن گیا، اور جسمانی بیٹا حقیقی و روحانی بیٹا بن گیا، ان کے دوسرے بیٹے اور فرزند بھی اپنی اپنی استعدادوں اور مراتب کے فرق کے لحاظ سے اس خوانِ نعمت سے ریزہ چینی کرتے رہے، کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے انشاء اللہ۔ اللہ نے ان میں برکت ڈالی، برکت اچھی اور اصلاح کرنے والی۔ جو اصلاح کرنے والی ہے ان کے ظواہر اور بواطن کی۔ اور سبب ہے اللہ کی قربت کی، اور رضامندی ہے اُس کے رسولؐ کی اور خوش کرنے والی ہے رُوح القدس کو، اور طریقت کی تقویت کے لیے انگیخت (ابھارنے) والی ہے اور راسخ کرنے والی ہے احکامِ محمدیہ کو (ان پر خدا کا درود و سلام) یارب ہر چند کہ ہم ناچیز ذروں کو آسمانِ کمال کے اُس آفتابِ عالمتاب کی مظہریت کے دعوے کا یارا کہاں، اور ہرزہ سرائی کرنے والی چڑیوں کی کیا مجال کہ گلشن قدس کے نالۂ عندلیب کی ترجمانی کا دعویٰ کریں۔ لیکن یہ اسی درخشندہ آفتاب کے نور کی تجلّی ہے کہ ان ناچیز خاکساروں میں ظہور پذیر ہے۔ کہ یہ اُسی نالۂ عندلیب کی شور انگیزی ہے جو عشقِ حقیقی کے اثر و درد کے دروازے کھول رہی ہے۔ حضرت کا ایک شعر ہے۔ ؎

اگرچہ ہم ہیچ ہیں اور بانسری کی مانند کھوکھلے ہیں لیکن پھر بھی ہم اس نَے نواز کی پھونک سے محروم نہیں۔ ہاں اس اصل الاصل مرتبے کی وجہ سے وہی معاملہ درپیش ہے جس کا اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ جب اس میں اپنی جان ڈال دوں۔ یہ مقولہ کہ بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے اسی بیان کی تائید کرتا ہے۔ یہ ہماری جزئی حیثیت کا تخم ہے جو پھول کی شکل میں نکلا۔ اور یہ ہماری عینیت کی نسبت کا قطرہ ہے کہ جو عین سمندر بن گیا۔ اے خدا تو اس وصف سے موصوف ہے کہ نہ تو کسی سے جنا گیا اور نہ تجھ سے کوئی جنا گیا۔ اور قسم ہے والد کی اور جو اس نے پیدا کیا۔ وہ موج جو بحرِ عینیت سے اُٹھی معاف فرما کہ اس موج کے ظہور میں وہی بحرِ وجود ہے جو جلوہ گر ہے۔ ہمارے دل کے آئینے کو

Marfat.com

صاف کر دے یعنی ہمیں اس اصلی وحدت کے مشاہدے کی استعداد عطا فرما جو اس تمام اضافی کثرت کے ظہور کا منبع ہے تاکہ ہم ہمیں یوں گم ہو جائیں کہ ہماری اَنا اور نفسانیت کے اعتبار سے نہ ہمارا نام رہے نہ نشان۔ ہم فنا کے بھنور میں ایسے جا پڑیں کہ ہم مکمل اور کامل طور پر اصل سے واصل ہو کر بقا حاصل کر لیں۔ کیونکہ ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ یہ ایک مشہور مقولہ ہے اور شاخ کا ہر چراغ اپنی اصل کی مشعل سے منوّر ہے۔ اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے بھائی کو بخش اور ہمیں اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرما۔ بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔ اے میرے رب مجھے بخش دے، میرے گناہوں کو معاف فرما، میں ایک گنہگار بندہ ہوں۔ میں تیری ربوبیت کی رحمت اور تیری شان کریمی کو اپنی تقصیروں کا واسطہ بناتا ہوں۔ میرے عزیز بھائی کو بھی بخش دے کہ اس نے مجھ نکمے انسان کی بہت خدمت کی ہے اور مجھ نالکار سے والہانہ دلی محبت کی، اور داخل کر ہم دونوں بھائیوں کو، ہماری نسل و اولاد اور تابعین کو اپنی رحمت میں جو کہ والدین کی خوشنودی ہے۔ اللہ دونوں سے راضی ہوا، اور ان دونوں کو راضی کیا ہم سے، اور داخل کر اپنی رحمت میں جو عبادت ہے گناہگاروں کے لیے روزِ جزا کی شفاعت سے جو دونوں عالم کے لیے رحمت ہے۔ (ان پر ان کی آل واصحاب پر درود وسلام) نیز ہمیں داخل کر اپنی رحمتِ عامہ اور عفوِ خاص میں جس سے اپنے شرمسار گنہگار بندوں کو اپنی ذاتی رحمت کے تقاضے سے تو بخش دے گا۔ اور اے میرے بندے! اے میرے بندے کے الفاظ سے یاد کرے گا۔ اور یہ ہے اللہ کا برگزیدہ بزرگ کہہ کر نوازے گا۔ کیونکہ تو نے اپنے نفس پر رحمت لکھ دی یعنی رحمت اپنے اوپر لازم کر دی ہے۔ ماں ہو یا باپ، مرشد ہو یا پیغمبر تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس (کسی کی) سفارش کر سکے بدون اس کی اجازت کے۔ وہ تیری ربوبیت کی رحمت ہی ہے جو پدری مادری شفقت کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ اور یہ تیرا نور ہدایت ہے جو پیر و پیغمبر کے چراغدانوں میں جلوہ افروز ہے۔ اور یہ تیری خالقیت کی عمدگی ہے کہ سعادت مند اولاد اور فرزندوں کو والدین کی پیروی اور ان کی رضا جوئی کے جذبات سے نوازا۔ اور یہ تیرے مومن ہونے کی صفت ہی کا کرشمہ ہے کہ تو صاحبِ یقین مریدوں اور مومنوں کے صحیح اعتقاد اور یقینِ محکم کو اور بھی مستحکم کر کے جسے چاہتا ہے ہدایت بخش دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور تو جسے چاہے

Marfat.com

بخش دیتا ہے اور جسے چاہے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے یہ حقیقت ناشناسی ہے جو ہمارے لیے حجاب اور رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اور ہمیں کاہل و بے کار بنا دیتی ہے۔ اور یہ عرفانِ حق سے نارسائی ہے کہ جو ہماری حضوری و اطاعت کی ڈور کو کاٹ دیتی ہے اور شاخ کو جڑ سے جُدا کر دیتی ہے ہماری غفلت ہی ہمیں ہم سے جدا کر دیتی ہے کہ ہم خود اپنے آپ تک نہیں پہنچ پاتے۔ اور اپنے آپ کو نہیں پہچانتے اور اپنی حقیقت دریافت نہیں کر سکتے کہ ہم کون ہیں؟ ہمیں کس سے نسبت ہے اور کس کا ہم پر کیا حق ہے۔ ہم بزرگوں کو ان کے دُنیا سے اُٹھ جانے کے بعد مردہ تصوّر کرتے ہیں اور اپنے حیوانی حواس کا اسیر ہونے کی وجہ سے اُنھیں اپنے حال سے باخبر نہیں جانتے۔ اور اُنھیں اپنے آپ سے الگ ایک دوسری دُنیا میں اور خود کو ایک دوسری دُنیا میں سمجھتے ہیں۔ اور عینیّت اور جزئیت کے باوجود بھی ہم میں مکمل علیحدگی اور غیریت ہے۔ اس ناکارہ عضو کی طرح جو سوکھ جاتا ہے جس سے روح کی تاثیر اور جریانِ خون میں خلل آجاتا ہے۔ اور گرہ پڑ جاتی ہے، کیونکہ ایسا بے حس عضو اگرچہ بظاہر بدن کا جزو ہے مگر حقیقت میں اُسے جسم سے کلّی مغائرت ہے۔ ایسے تعطل اور گمراہی سے خدا اپنی پناہ میں رکھے ہم محمدیوں کا ایمان اللہ کے فضل سے مضبوط ہے۔ اور ہمارے بزرگوں کی روحیں اس آیت کریمہ (بیشک اللہ کے دوست نہیں مرتے) کے بموجب زندہ و پائندہ ہیں۔ اور تمام وقت ہماری امداد و اعانت کرتی ہیں اور طرح طرح کے مشفقانہ معاملات رونما ہوتے ہیں اس زور شور سے کہ گویا وہ اپنے مقدس جسموں کے ساتھ جیسے تھے ویسے ہی اس عالم میں موجود ہیں۔ اور ہمارے ساتھ عالمِ شہادت میں رہ رہے ہیں۔ یا گویا ہم نے اپنے آلودہ جسموں سے بالکل قطع تعلق کر کے وہی حالت پیدا کر لی ہے جو موت کے بعد ہماری ہوگی جو موت سے پہلے مرنے پر ہو جاتی ہے۔ اور عالمِ ارواح میں ہم ان کے ساتھ محشور ہیں اللہ کا سو شکر کہ وہی وصل ہمیں اب بھی حاصل ہے جس میں فراق کا کھٹکا نہیں۔ اور متصل واحد کا یہ جزو ایک زندہ شخص کے اجزا کی طرح ان کے مقدس ارواح سے واصل ہے۔ اور موت و حیات کی اس اعتباری جدائی نے ہمیں ظاہری اور جسمانی طور پہ جدا کر دیا ہے اور بحر ہستی کی لہروں نے ہمیں اعتباری کناروں پہ پھینک دیا ہے یعنی اس وجود واجب کے بحر بیکراں کا تلاطم جو اضافی وجود و عدم کے اعتبار سے موجودات و مخلوقات کو ظاہری موت و حیات دیتا ہے یہ سب اسی آیت کریمہ کی تفسیر ہے کہ وہ ہر روز

Marfat.com

اک نئی شان لیعنی نئے کام میں ہے، اور ہم جو بے حس تنکوں کی طرح ہیں ہمیں حسی امتیاز کے ساحل پہ پھینک دیا۔ چنانچہ لوگ ہمیں زندہ اور صاحبِ فیوض کو مردہ سمجھتے ہیں۔ اور ہم آنکھوں کے اندھے اس حسنِ باکمال کو اپنی ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ پاتے جن کی حیثیت بے نور سوراخوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اور ان کی زیارت کے پھولوں سے اپنی بصارت کے دامن کو نہیں بھرتے۔ ہم اللہ کی رضا پہ راضی ہیں۔ اس لیے کہ اس دنیا میں ہماری بقا بھی انہی (والد بزرگوار) کی بقا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ والد بزرگوار کی یہی مرضی ہوگی کہ بیٹا میرے بعد زندہ رہے۔ اور وہ خود بیٹے کی موت کا غم نہ دیکھیں۔ پس ہم بھی حق تعالیٰ کی رضا پہ راضی ہوگئے جس نے یہ صورت پیدا کی۔ اور ہم نے باپ کی رضا کو اپنی مرضی پر مقدّم سمجھا اور کچھ مدّت کے لیے ظاہری جدائی کو دیکھا اور ہجر و فراق میں جو بیتی سو بیتی۔ جو ہم پہ گزری سو گزری پس ہم اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے سے راضی ہیں۔ اس لیے نہیں کہ اس نے ہمیں زندہ رکھا اور اُن کو اس دُنیا سے اُٹھالیا یا ہم ان کی موجودگی میں اپنے لیے موت کو ناگوار سمجھتے تھے بلکہ اس لیے کہ یہ بات قبلہ گاہی کو گوارا نہ تھی۔ پس ہم نے اس تمام رنج و اندوہ کو اپنی ذات کے لیے قبول کر لیا جس کی کوئی انتہا ہے نہ اتھاہ!! انشاءاللہ عنقریب ہی اُن سے جا ملیں گے اللہ کی عنایت اور اعانت سے، اور کہیں گے کہ اے اہل القبور تم پہ خدا کی رحمت و برکت و سلامتی ہو۔ بے شک ہم ضرور تم سے آملنے والے ہیں۔ اور اسی اُمید میں ہم اپنے خالق کی رضا پہ مطمئن اور خوش و خرم ہیں۔ رباعی:

گہہ رنگِ طرب بخاطر آمیختہ است
گہہ گردِ ملال سربسر بیختہ است
حیرت زدۂ طلسمِ ہستی شدہ ایم
کاین بحر چہ موج ہا بر انگیختہ است

ترجمہ رباعی: کبھی تو ہمارے دل کو طرب و نشاط کی کیفیت میسر ہے اور کبھی نفسِ انسانی کے رنگ سے انتہائی بدمزگی اور دل گرفتگی کی حالت ہے۔ ہم تو ہستی کے اس طلسمات میں حیران و ششدر ہیں کہ مرتبۂ وجود کے اس بحرِ بیکراں سے عجیب و غریب موجیں اور لہریں اُبھر رہی ہیں۔ (مصنف خود رباعی کی تلمیحاتی گرہ ہوں کو یوں کھولتا ہے کہ) لفظ رنگِ طرب سے مراد انشراح و

Marfat.com

انبساطِ قلب ہے۔ یہ بالکل یکساں بات ہے کہ وہ شرح وبسط خواہ مکروہات کے دفعیہ کی وجہ سے ہو یا مرغوبات کے حصول کی بنا پر ہو، خواہ ظاہری اسباب کی بنا پر، خواہ باطنی حالات کی وجہ سے۔ لفظ بخاطر آمیختن سے مُراد نفسِ انسانی کے اس کیفیت کے رنگ میں رنگے جانے سے ہے۔ گردِ ملال کے الفاظ سے مُراد بدمزگی اور دل گرفتگی کی حالت ہے۔ یہ بھی یکساں ہے کہ یہ بدمزگی خواہ مکروہات کی وجہ سے ہو یا مرغوبات کے نہ ملنے سے، خواہ مشہودہ محسوسات کی بنا پر ہو، خواہ معلومات معقولہ کی بنا پر، اور سربسر بیختن کے کلمات سے مُراد نفسِ انسانی کا ان بلاؤں میں بُری طرح پھنس جانے سے ہے۔ حیرت زدہ شدن سے مراد ان تمام حالات میں اپنی مجبوری سے ہے۔ طلسمِ ہستی سے مُراد موجودات کے مراتب میں ظہورِ وجود سے ہے۔ ایں بحر سے مراد وہی تجلیٔ وجودی اور موج ہا سے مراد یہ رنگا رنگ کی پیدائش اور طرح طرح کی نمائش ہے اور لفظ برانگیختن سے مُراد موجودات کی تخلیق، ان کی فنا، ان کے ظہور اور ان کے چھپ جانے سے ہے۔ حاصل مطلب رباعی کا یہ ہے کہ کبھی تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا پہ راضی ہو جانے سے حضرت انسان کا یہ حال ہوتا ہے کہ اُسے سراپا انشراحِ صدر اور انبساطِ قلب نصیب ہوتا ہے۔ اور وہ شرح وبسط کی اس کیفیت سے مسرور ہوتا ہے خواہ وہ مکروہات کے دفعیہ یا مرغوبات کے حصول یا ظاہری اسباب کے جمع کرنے سے ہو جیسا کہ عوام کا حال ہوتا ہے، خواہ باطنی حالات کی تاثیر، سینے کے انشراح یا اللہ سے نسبت کی وجہ سے ہو جیسا نیک فال خواص کا حال ہوتا ہے۔ کبھی تو انسان نفسِ انسانی کے اسی فرحت و انبساط کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور کبھی اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ بدمزگی اور دل گرفتگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ بھی خواہ مکروہات کی وجہ سے ہو یا مرغوبات کے نہ ملنے سے، یا مشہودہ محسوسات کے تعلق سے ہو جیسا کہ عام طور پر وحشی صفت عوام کا ہوتا ہے۔ خواہ وہ حالت انقباض کی وجہ سے ہو یا اپنی شومیٔ قسمت کے دُکھ پر یا کسی مشکل یا کسی نامعلوم امر کے منکشف نہ ہو سکنے کی وجہ سے ہو جیسا کہ خام کار عارفوں اور اُدھورے سالکوں کا حال ہوتا ہے۔ اور انسانی نفس اس ابتلا میں پڑ جاتا ہے اور پکار اُٹھتا ہے کہ ہم بے سروسامان انسان (خدا نے مشرف کیا بھلائیوں کے ساتھ اپنی توفیق سے) ان تمام حالات میں مجبور اور حضرت وجود کے عجائبات کے ظہور سے حیران و ششدر

Marfat.com

ہیں کہ قادرِ مطلق نے ان مظاہر میں کیسے ظہور فرمایا ہے۔ اور رنگا رنگ کی چیزیں پیدا کیں اور طرح طرح کی نمائش کی اور انہی اشیا کی تخلیق، ان کی فنا، ان کے ظہور اور ان کے اخفا (پوشیدگی) میں کیا کیا فائدے اور حکمتیں ودیعت کر رکھی ہیں۔ پاک ہے وہ ذات، سب تعریف اسی کے لیے ہے اللہ پاک ہے اور بزرگ و برتر۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو لوگوں کا رب ہے۔ لوگوں کا بادشاہ ہے لوگوں کا معبود ہے اور میں اس کی پناہ میں آتا ہوں وسوسوں کے شرّ سے، خناس کے شر سے جو وسوسے پیدا کرتا ہے لوگوں کے سینوں میں جنّات میں سے اور انسانوں میں سے، اور درود و سلام ہو اس کے رسولؐ پر جو کہ لوگوں میں سب سے زیادہ اشرف ہیں۔ سب سے زیادہ اکمل ہیں اور لوگوں کو ہدایت دینے والے ہیں، اور آپؐ کی آلؓ پر اور آپؐ کے اصحابؓ پر جو آپؐ کے بعد لوگوں میں بہترین ہیں۔ پس یہ سترواں (۷۰) باب ہے جو احسنِ تقویم سے موسوم ہے۔ جان لو کہ اللہ سبحانہٗ نے پیدا کیا انسان کو احسن تقویم سے، حقیقتاً، صورتہً اور رتبتہً۔ اور احسنِ تقویم سے مراد رتبے میں بلندی اور قربت میں قرب ہے، اور شرفِ نفسی ہے اور فضل علمی ہے۔ پس بنایا اللہ تعالیٰ نے اُسے بہترین تقویم سے، یعنی اُسے درست کیا، بہترین سیدھا کرنا اور مقدر کیا اس کی تقدیر میں جو کہ بہترین ہے تمام دنیا کی تقادیم میں سے صورتاً اور حقیقتاً۔ پس وہ صورت کے لحاظ سے بہترین اور ترکیب کے لحاظ سے انتہائی سڈول۔ اور کامل ترین ہے حقیقتاً اور علم کے لحاظ سے سب سے زیادہ عالم ہے اور نفس کے لحاظ سے سب سے زیادہ مشرف ہے اور تمام مخلوقات میں سب سے عالی مرتبہ ہے اور نیز تقویم احسن عالم مجرد ہے جسے تعبیر کیا گیا ہے شرع میں عالم امر سے اور

Marfat.com

اسفل السافلین وہ عنصر ہے جو کہ زیادہ قریب ہے نطفۂ مرکز سے ۔ میری مراد ہے زمین سے ۔ پس پیدا کیا اللہ نے انسان کو جو کہ جامع ہے امر و خلق کا بہترین تقویم میں روحانی طور پہ اور ذاتی طور پہ پھر اُسے لوٹا دیا اسفل السافلین کی شکل میں جسمانی اور بدنی طور پہ ۔ جب اس کا نفس جسم کے ساتھ متعلق ہوا خاص متعلق ہونا تو منکشف ہوا اس پہ جو کچھ کہ ہے عالم امر و خلق میں بلکہ وجوب اور امکان میں اور مزید یہ کہ اُسے اسفل السافلین بنایا شہواتِ نفسانیہ کے ساتھ ملنے کی وجہ سے، اور مقتضیاتِ طبیعہ کی وجہ سے نفسِ حیوانیہ کے غلبے کی وجہ سے، وحشت و درندگی میں سے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اللہ پہ اس کے فرشتوں پہ، اس کی کتابوں پہ، اس کے رسولوں پہ، اُس کے آخرت کے دن پہ، اور اُنھوں نے نیک عمل کیے شریعت مصطفویہ اور طریقت محمدیہ کے مطابق پس ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے ۔ نہیں جائے گا جنت کی نعمتوں میں سے اور رحیمی تجلیات میں سے آخرت میں اور اچھی معاش میں سے دُنیا میں اور دیتا ہے اللہ تعالیٰ اُنھیں دُنیا میں بھی نیکی اور آخرت میں بھی نیکی، اور حاصل ہے ان کے لیے وہ چیز جو کہ سفل کی طرف لوٹنے میں نفع کی شکل میں ہوتی ہے اور وہ ہے پانا بھلائی کا اور برائی کا جو اس کے ذریعے اور نیک کاموں کا کرنا اور برائیوں سے بچنا، اور وہ محفوظ ہوتے ہیں سفلی مضرات سے، جیسے کفر، نفاق، فسق، بُرا اخلاق پس اے لوگو تمھیں نہیں جھٹلائے گا کامل شخص اس کے بعد یعنی دین کی حقیقت کے اظہار کے بعد، جو کہ حق ہے ۔ کیا نہیں ہے اللہ جو تمھاری تائید کرنے والا ہے حاکموں میں سے سب سے بڑا دُنیا اور آخرت میں ۔

انسان کی تمام مخلوقات پر فضیلت
اور کمالات کے حصول سے اس کی تکمیل کے بیان کا باب

حضرت انسان مخلوقات کے مراتب کا خاتم ہے ۔ کیونکہ اس کے بعد تخلیق کی کوئی نئی قسم وجود میں نہیں آئی ۔ دستِ قدرت کا آخری شاہکار ہے جسے خالق نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا ۔ گویا یہ وہ نقشِ الٰہی ہے جو صفحۂ امکان پہ ثبت ہوا ۔ اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین نام اسی کی جبین کے نگینے سے روشن ہوا ۔ اس کا الف جیسا راست قد حق تعالیٰ کی احدیت پہ دلالت کرتا ہے ۔ اس کی

Marfat.com

ترکیب کا فرمان خدا کی مطلق جامعیت کا نقش ہے۔ اس کی آنکھیں دو چشمی (ھ) ہیں جو ہویت الیہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اس کا منہ اسرارِ خدائی کے خزانے کا دروازہ ہے جو گفتگو کے وقت کھلتا ہے۔ اس کا چہرہ ایسا ہے کہ ہر جانب سے لقائے الٰہی کا آئینہ دار ہے کہ تم جدھر بھی رُخ کرو ادھر اللہ ہی کا رخ ہے۔ وہ ابرو رکھتا ہے جن پر یہ آیت کریمہ گواہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت عطا کی۔ الحمد للہ اس کے برگزیدہ بندوں پر خدا کی سلامتی ہو۔ وہ اُستادِ ازل کا شاگرد ہے جو علم البیان (یعنی خدا نے اُسے گویائی سکھائی) کی تعلیم سے ممتاز ہوا۔ وہ اسی شاہنشہِ لازوال کا خلیفہ ہے جسے جاعل فی الارض خلیفہ (ضرور میں بناؤں گا زمین پر ایک خلیفہ) کی خلعت سے سرفراز کیا، اپنی اولیت کے اعتبار سے وہ قضیۂ کائنات کا مقدمہ (دیباچہ) ہے۔ کیونکہ پہلے پہل اللہ نے نور پیدا کیا والی حدیث اسی امر کی خبر دیتی ہے۔ اور اپنی آخریت کے لحاظ سے ممکنات کے اس جملۂ خبریہ کی خبر ہے۔ اور یہ آیت کریمہ کہ ہم ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اسی امر کی خبر دیتی ہے۔ اور کمالات کے حاصل کرنے کے اعتبار سے وہ شکل عالم کا نتیجہ ہے اور واقع ہونے کی تکرار کی رو سے وہ دونوں جہانوں کی حدِ اوسط ہے۔ کیونکہ تمام نتائج اسی کے توسط اور وسیلے سے برآمد ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ صورت کے لحاظ سے وہ موجوداتِ صغریٰ ہے، لیکن معنی کے لحاظ سے وہ آیاتِ کبریٰ ہے۔ علم منطق اس کے کلّی منطق کا ایک جزوی قضیہ ہے۔ علم لدنّی کامل افراد کا اک نوعی خاصہ ہے۔ تمام علوم کے سمندر اسی کے سرچشمۂ حقیقت سے پھوٹتے ہیں (موجزن ہیں) تمام رسوم کی لہریں اسی کے بحر کے منبع سے جاری ہوتی ہیں۔ شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت اسی کے بازار کا چوراہا ہے۔ جذب و سلوک اسی کی رفتار کے قدم ہیں۔ علم و عمل اس کی پرواز کے دو شہپر ہیں۔ عالمِ سرّ و خفی اس کا مونس و ہم راز ہے۔ غرضیکہ اس امر کے آئینہ دار کہ اس کی تعریف حد بیان سے باہر اور اُس کے اوصاف و کمالات بے انتہا ہیں۔ جو کچھ بھی کہا جائے اس کے بیان کا اک شمہ (چھوٹا سا حصہ) ہے، اور جو کچھ لکھا جائے اس کے بیشمار کمالات کا مختصر سا حصہ۔ پس اپنی ہی ذات کی کوئی کہاں تک تعریف کرتا جائے اور خود اپنی صفتوں کا ڈھنڈورا پیٹتا جائے۔ ہر چند کہ جزویت کی رُو سے کسی جزو کو اپنی تعریف آپ کرنا مناسب اور شایاں نہیں۔ لیکن کلّیت کے لحاظ سے انسانی حقیقت کے اسرار کے انکشاف کا اظہار ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ تمام حقائق اور سارے دقائق کا

Marfat.com

بیان اسی کے سپرد ہوا۔ اور تمام مراتب کی تفصیل کا بیان بھی اسی کو سونپا گیا، چونکہ بارگاہِ خداوندی سے اُسے تمام حقائق کی خبریں دینے کا حکم ہے لہذا اپنی حقیقت کی چھان بین کرنا بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ جب حق تعالیٰ نے چاہا کہ وہ ذات کے صفاتی اور اسمائی سارے ظہورات کا اک جامع مظہر وجود میں لائے۔ تو اندازۂ خداوندی نے اپنے قدیم علم میں حضرت انسان کو اجمالی کلی علم پہ مقرر کیا، اور یہ اجمالی کلّی علمی تقریر مومنوں کے نزدیک حقیقت محمدیؐ اور تعین اوّل اور وحدت سے موسوم ہے۔ اور جزئیات مع ان کے لوازمات، وجوہات اور آمادہ کنندوں کی تفصیل کے لحاظ سے علم تفصیلی جزئی میں موسوم ہے علمی صورتوں اور اعیانِ ثابت (اللہ تعالیٰ کی صورِ علمیہ) حقائقِ ممکنات اور واحدیت سے۔ پس انسان ہی کے ضمن میں اور اسی کے لیے اور اُسی کے باعث جملہ ممکنات کے حقائق کا اثبات و قیام عمل میں آیا۔ اور انسانی افراد کے تمام حقائق اسی کے ایک کامل ترین فرد کے ضمن میں جو خاتم نبوت ہے (ان پر خدا کی تمام تر رحمتیں اور مکمل درود ہوں) وجود میں آئے۔ اسی سے ان حدیثوں کے راز کو سمجھ لو کہ اے رسولؐ اگر تمھیں پیدا نہ کرتا تو ان آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا۔ یا یہ حدیث کہ سب سے پہلے خدا نے میرا نور پیدا کیا اور کہ میں اللہ کے نور سے ہوں، اور اگر مجھے پیدا نہ کیا جاتا تو ربوبیت کا اظہار نہ ہوتا۔ پس جب حق تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ یہ معلومہ جامع حقیقت ثبوت اور علمی تحقیق کے مرتبے سے بیرونی کون و وجود کے مرتبے میں قدم رکھے تو عقل کی پاکیزگی اور تقدس و طہارتِ الٰہیہ کے ساتھ مناسبت کے باعث سب سے پہلے عقل کل ہی کو وجود میں لایا۔ اور اس عقل کے بعد باقی ماندہ دیگر نو عقلوں کو ان کے مراتب کے فرق کے مطابق ان کی باہمی مطابقت سے پیدا کیا، اور اس عقلی مرتبے میں کمال کی انفرادیت اور تاثیر کے ساتھ کمال تصرف کی ایزادی فرمادی اور ہوگئی عقل مجرد اس کے نفس میں اثر کرنے والی اُس کے غیر میں اور حاصل ہوا اُسے علم کلیّات۔ اور جب چاہا کہ اُس سے بھی ظاہر تر مرتبہ ظہور میں آئے تو نفس کُل کو پیدا کیا۔ جو انسانی اور افلاکی جزئی نفوس کی اصل ہے۔ اور نفس کے اس مرتبے میں بھی کمال انفرادیت مجردات (اکیلے پن) کے مرتبہ میں رکھ کر مع کمال تصرف کے ایزادی فرمادی اور ہوگیا نفس مجرد اپنی ذات میں اثر انداز اپنے غیر میں، اور تصرف کرنے والا جسم میں اور عقل و نفس کے ان ہر دو مرتبوں کو مجردات میں رکھ کر عقل کو مفارقات (فرق کرنے) اور

Marfat.com

نفس کو مقارنات (نزدیک لاتے) کی اقسام میں جگہ دے دی۔ اور جب چاہا کہ اس سے بھی ظاہر تر مرتبہ وجود میں آئے تو فلک اعظم کو وجود میں لایا جو تمام اجسام پہ محیط ہے۔ (جس کے بالا کوئی سیارہ نہیں) اور انسانی جزئیہ اجسام اور فلکی مرتبے میں عقل کو تاثیر بخشی اور نفس کو تصرّف عطا کیا۔ اور فلک کو جسمانی زیادتی عنایت کی۔ اور اُس میں حرکت پیدا کر دی۔ اور اس حرکت سے زمانے کو وجود میں لایا۔ اور جب چاہا کہ کوئی اس سے بھی ظاہر تر مرتبہ ظہور میں آئے تو آسمانوں میں ستاروں کو وجود میں لے آیا جو انسانی جزئی افعال کی اصل ہیں اور ان کے اس کو کسی مرتبے میں جسمانیت کے ساتھ نورانیت کا اضافہ کر دیا۔ اور دن رات مہینوں یا سالوں کا شمار اس سے متعلق کر دیا۔ اور ان میں سعادت اور نحوست رکھ دی اور جب چاہا کہ کوئی اس سے بھی ظاہر تر مرتبہ ظہور میں آئے تو عناصر کو وجود میں لے آیا جو انسانی اجزا کی ترکیب کی اصل ہے۔ اور اس عنصری مرتبے میں جسمانیت کے ساتھ چار طبائع کا اضافہ کر دیا۔ جو گرمی، سردی، رطوبت اور خشکی ہیں، اور ہر ایک عنصر کو ان کیفیات میں سے دو دو کیفیتوں سے کیف بخشا۔ آگ کو گرم و خشک، ہوا کو گرم مرطوب، پانی کو سرد مرطوب اور خاک کو سرد و خشک بنایا۔ اور ان میں حرکت اور سکون کی استعداد رکھ دی۔ اور جب چاہا کہ اس سے بھی ظاہر تر مرتبہ ظہور میں آئے تو جمادات کو وجود میں لے آیا جو انسانی ہڈیوں کی اصل ہے اور اس جمادی مرتبے میں مختلف الحقیقت اجزا یعنی عناصر کا اضافہ کر دیا۔ جب چاہا کہ اس سے بھی ظاہر تر مرتبہ ظہور میں آئے تو نباتات کو ظہور میں لے آیا جو انسان کی نشوونما پانے والی قوت کی اصل ہے اور اس نباتی مرتبے میں غذائیہ، نامیہ اور تولیدی قوت رکھ دی۔ جب چاہا کہ اس سے بھی ظاہر تر مرتبہ ظہور میں آئے تو حیوانات کو ظہور میں لے آیا جو انسانی حسّاسیت کی اصل ہے۔ اور اس حیوانی مرتبے میں جسمانیت کے ساتھ نشوونما، حساسیت اور ارادے سے حرکت کرنے کو رکھ دیا۔ اور جب چاہا کہ یہ تمام مجرد، مادی، اعلیٰ، ادنیٰ، کلی، جزئی، مطلق، مقیّد، منزّہ مشبّہ کمالات مجموعی طور پر کسی جامع شخصیت میں ظہور پذیر ہوں تو وہ حضرت انسان کو اس علمی صورت کے مطابق وجود میں لایا جس کا اس نے اپنے علم قدیم میں ارادہ کر رکھا تھا۔ اور جو مرتبے میں مخلوقات کی تمام صورتوں سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ اور اللہ نے آدمؑ کو اپنی صورت پہ پیدا کیا کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ اس صورت میں صورت کی ضمیر کا مرجع آدم علیہ السلام ہیں۔ یعنی آدمؑ کو اس صورت کے بموجب وجود میں لایا جو علم

Marfat.com

الٰہی میں پہلے سے تھی۔ اور اُسے ساری مخلوقات میں سے حقیقت کے لحاظ سے مقدّم اور صورت کے لحاظ سے مؤخّر بنایا۔ چونکہ علّتِ غائی پہلے سے ذہن میں موجود تھی اور خارج میں مؤخّر اور ذہنی تقدم کے اعتبار سے وہ علل میں داخل ہو جاتی ہے اور وجود کے لحاظ سے معلولات میں شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا حضرتِ انسان درحقیقت سارے عالم کی علّتِ غائی ہے اور حقیقت کے لحاظ سے دائرۂ مخلوقات میں علّتِ اولیٰ ہے۔ اور وجود میں تمام عالم کا معلول ہے اور صورت کے بموجب دائرہ ممکنات میں آخری معلول ہے۔ غرضیکہ وہ مرتبۂ ھوالاوّل وھوالآخر کا مکمل ترین مظہر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائی اور صفاتی ظہورات کا جامع ہے۔ یہ آیت کریمہ کہ اللہ نے آدم کو تمام اسماء سکھا دیے اسی کی خبر دیتی ہے۔ خلقت کا دائرہ اسی آخری نقطے یعنی آخری مخلوق پہ ختم ہو گیا۔ اگر مرتبۂ امکان میں اس سے کوئی فاضل تر مخلوق متصوّر ہوتی تو انسان کے بعد وہ وجود میں آجاتی۔ ورنہ صورتیں عطا کرنے والے اُس مبدأ فیاض پہ بخل لازم آتا ہے۔ پس انسان کے بعد کوئی جنس اور نوع وجود میں نہیں آئی۔ کیونکہ ظہور کی جانب اس علم ایجاد میں اسی مرتبۂ ایجاد پر آکر ختم ہو گئی۔ اس مرتبے سے پھر پوشیدگیوں کی طرف بازگشت اور رجوع کرنے لگی جو عالمِ آخرت ہے۔ انسان سے حشر و نشر کے معاملات کا وعدہ کیا گیا، تاکہ عالمِ غیب و شہادت، امر و خلق اور دُنیا و آخرت کا دائرہ مکمل ہو جائے پس تمام دائرہ امکان کا ظہور کیا دنیا اور کیا عقبیٰ میں۔ کیا عالمِ غیب یا عالمِ شہادت میں ازل سے لے کر ابد تک لپکتے ہوئے شعلے کے دائرے کی طرح نقطۂ وجود انسانی کے سبب سے بنا اور اس کی دُور دراز کی گردش کے ضمن میں ظاہر ہوا اور یہ نقطہ اللہ تعالیٰ کے نور سے منوّر ہوا اور اسی کے ضمن میں روشن ہوا کہ تمام امکانی مراتب کی تمام سمتوں کی حد بندی کرنے والا انسان ہی ہے۔ کیا بلندی کی سمت میں جو درحقیقت فوقانی جانب ہے، کیا نچلی سمت میں جو دراصل تحتانی سمت ہے، کیا ابتدائی سمت میں جو ماضی کے لحاظ سے پچھلی جانب ہے، اور کیا انتہائی سمت جو مستقبل کے لحاظ سے اگلی سمت ہے، کیا لطافت کی سمت کے لحاظ سے جو بزرگی کے لحاظ سے داہنی جانب ہے اور کیا کثافت کی جانب سے کہ رذالت کے لحاظ سے بائیں جانب ہے، اور وہ بلند و پست کی دو سمتیں ہیں انسان کے حق میں حقیقی سمجھتی ہیں جیسے اوپر اور نیچے کہ وہ بھی حقیقی سمتیں ہیں اور ان میں اختلاف نہیں ہوتا۔ لہٰذا انہی دو عمدہ سمتوں کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے

Marfat.com

انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔ پھر (ان میں جو بوڑھا ہو جاتا ہے) ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست کر دیتے ہیں۔ اور باقی چاروں سمتیں اضافی ہیں۔ جیسے آگے پیچھے اور دائیں بائیں کہ ادل بدل سے تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یعنی اگر ابتدائی جہت کو اُس کی انتہائی سمت سے ملاحظہ کیا جائے تو پچھلی سمت شمار ہوگی اور اگر اُس کے تقدم کے لحاظ سے ملاحظہ کریں تو وہ اگلی جہت میں شمار ہوگی اور اگر انتہائی سمت کو اس کے مستقبل کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ مقدم میں شمار ہوگی اور اگر اُس کے تاخر کے لحاظ سے ملاحظہ کریں تو وہ پچھلی سمت میں شمار ہوگی۔ اگر لطافت والی سمت کو شرافت کے لحاظ سے ملاحظہ کریں تو وہ داہنی جانب میں داخل ہے اور اگر اُس کے ظہور کی پوشیدگی اور ضعف کے لحاظ سے ملاحظہ کریں تو وہ بائیں جانب میں داخل ہے، اگر اُس کی ثقافت کی جہت کو اس کی رذالت کے لحاظ سے دیکھیں تو وہ بائیں جانب میں داخل ہے۔ اور اگر اُس کے ظہور کی قوت کے لحاظ سے ملاحظہ کریں تو وہ داہنی جانب میں داخل ہے۔ ملاحظہ ہو یہ آیت کریمہ کہ ہر شخص (ذی مذہب) کے لیے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ عبادت میں مُنہ کرتا رہا ہے۔ سو تم نیک کاموں میں تگاپو کرو، تم خواہ کہیں ہو گے لیکن اللہ تعالیٰ تم سب کو حاضر کر دیں گے۔ حاصل مطلب یہ کہ جو کچھ بھی ہے انسان ہی ہے وہ باری تعالیٰ کا آئینہ دار ہے۔ جس طرح عالم اجسام میں سب سے عظیم فلک عرش حق تعالیٰ ہے جس سے کوئی جسم برتر نہیں۔ اسی طرح حقائق ممکنہ کے مراتب میں انسان عرش رحمانی ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی حقیقت نہیں۔ پس رحمان عرش جسمانی فلکی پر فائز ہو گیا۔ عرش انسانی قدسی پر اپنے نور علم سے جس نے کہ احاطہ کر لیا ہر چیز کا علم کے لحاظ سے، پس اکٹھے ہو گئے انسان میں نور وجودی اور نور علمی دونوں کے دونوں پس ہو گیا عرش اعظم عرش عظیم کی نسبت سے نور علمی کی زیادتی کے ساتھ اور استوائے (تمکین) رحمانی کے ساتھ اپنے اوپر ان دونوں نوروں کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کا عرش صوری پر متمکن ہونا نورِ وجودی کے ساتھ تن تنہا۔ پس کون ہے زیادہ جامع کمال کے لحاظ سے اور کون ہے زیادہ عظیم حال کے لحاظ سے اور اللہ رفیع الدرجات ہے (درجوں کو بلند کرنے والا ہے) اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور وہ غالب اور دانا ہے۔ رباعی:

آن نور کزو ارض و سما روشن شد

از حضرتِ انسان ہمہ جا روشن شد

Marfat.com

پوشیدہ نماند ہیچ از جلوۂ او

چوں آئینہ تا دیدۂ ما روشن شد

ترجمہ رباعی: وہ نور جس سے زمین و آسمان روشن ہو گئے ہیں۔ وہ حضرت انسان جس سے ہر جگہ روشن ہو گئی۔ اس کے جلوے سے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہی حتیٰ کہ ہماری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) "آن نور" کے لفظ سے مراد حضرت وجود کے نور مرتبہ سے ہے جو اپنی موجودیت کے لحاظ سے ہے اور واجب تعالیٰ کی عین ماہیت ہے۔ اور ارض و سما سے مراد دنیا و مافیہا کی سفلی اور علوی موجودات یعنی تمام مخلوقات ہیں۔ اور پہلے مصرع میں روشن شدن سے مراد اس نور واجب کا موجود ہوتا ہے۔ انسان سے مراد حقیقت واحدۂ انسان ہے جو خواص و عوام کے تمام افراد پر مشتمل ہے۔ ہمہ جا سے مراد عالم دُنیا اور عالم آخرت وغیرہ ہیں کہ ہر عالم میں اللہ تعالیٰ کا خاص معاملہ ہر جگہ انسان ہی سے ہے، اور دوسرے مصرع میں روشن شدن سے مراد ظاہر و منکشف ہونے سے ہے۔ اور پوشیدہ نماندن سے مراد نامعلوم اور مخفی نہ رہنا ہے۔ اور جلوے سے مراد تجلّی اور لفظ "او" جو جلوہ کا مضاف الیہ ہے سے مراد ذاتِ واجب ہے جو تمام صفاتی اور اسمائی تجلیات کا منبع ہے۔ اور لفظ "دیدہ" جو کلمۂ "ما" کا مضاف ہے اس سے مراد انسانی باطنی آنکھ اور قوت ادراک ہے۔ چوتھے مصرع میں روشن شدن سے مراد باطنی صفائی اور ذہنی ذکا و جلا کا بہم پہنچنا ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ حضرت وجود کا مرتبہ جو موجودیت اور واجب الوجود کی عین ماہیت کے معنوں میں ہے اور اسی سے دُنیا کی یہ تمام سفلی اور علوی موجودات و دیگر مخلوقات وجود میں آئی ہیں۔ حقیقت واحدہ انسانی کے باعث جو خواص و عوام کے تمام افراد پہ مشتمل ہے اور ہر جگہ عالم دُنیا، عالم آخرت، عالم ارواح اور عالم مثال میں ظاہر و ہویدا ہے۔ اور ان کائناتوں میں ہر کائنات کے اندر اللہ تعالیٰ کو خاص قابلِ ذکر معاملہ انسان ہی سے ہے۔ لہٰذا جب انسان نے اپنی چشم بصیرت اور قوت ادراک کو صفائی کا سُرمہ لگایا اور ذہنی ذکاوت حاصل کر لی تو اُس سے ذاتِ واجب کی کوئی اسمائی اور صفاتی تجلّی پوشیدہ نہ رہ گئی۔ یعنی اس نے تمام ظہورات الٰہیہ کو دیکھا اور اسرار و رموز کو سمجھ لیا۔ اور سکھائے آدم علیہ السلام کو تمام کے تمام نام اور اُسے پیدا کیا جامع صورت میں جو کہ آئینہ بن گئی اللہ تعالیٰ کے کمالات کے تمام ظہورات کی۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

جو بہترین خالق ہے۔ صیغۂ جمع کا لفظ خالقین مجازی اعتبار سے ہے۔ کیونکہ حقیقت کی رو سے تو مخلوقات کا خالق فقط اللہ ہی ہے، لیکن چونکہ ظاہر میں بعض چیزوں کے بنانے اور ایجاد کرنے میں بعض لوگوں سے بھی نسبت دیتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں کہ تخت کو فلاں بڑھئی نے بنایا۔ اور اس کوزے کو فلاں کمہار نے بنایا۔ اور نباتات کو فصلِ ربیع نے اگایا۔ اور گرمی (حرارت و تپ) کو خلطوں کی سٹر انڈ نے پیدا کیا، پس ان تمام صنّاعوں اور موجدوں کے بنانے اور ایجاد کرنے کا سلسلہ آخر کار اسی سے جا ملتا ہے۔ اور اسی کی جناب والا پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ از روئے حقیقت ہر مرتبے میں اسی کی صنّاعی اور تخلیق جلوہ فرما ہے۔ اور یہ سب مجازی خالق اس کی مطلق خالقیت کے مظاہر کے سوا اور کچھ نہیں۔ پس خالق حقیقی سب خالقوں سے بہترین ہے اور اسی حقیقی اور مجازی اعتبار سے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے خود کو احسن الخالقین کہا ہے۔ ورنہ حقیقت میں ملک بھی اللہ کا ہے اور حکم بھی اُسی کا۔ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ چونکہ یہ آیت کریمہ اس آیت کریمہ کا تتمّہ ہے جو انسانی تخلیق کے بیان کے بارے میں ہے۔ پس یہاں لفظ احسن الخالقین حسن مخلوق کے بیان کے لیے مفید ہے۔ مخلوق کی دلیل سے اوّل و آخر خالق کے کمال پر دلالت ہے۔ جیسے کہ ہم کسی عجیب اور نادر تحفے کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ جو کوئی ایسی نادر صنعت کو وجود میں لایا ہے وہ صنّاعوں میں بہترین ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات کہ جس کی توصیف ہماری توصیف ہے اور ہماری توصیف اس کی توصیف ہے۔ دراصل انسانی حقیقت ایک عجیب مرتبہ ہے جو جامع ہے اور ایسا مطلع ہے جو درخشاں ہے۔ واقعاً نفس الامر کے مترادف ہے۔ اور اس حیثیت سے مراد موجودات کے لیے ظرفیت وجود ہے۔ لہٰذا عبارات میں ہر جگہ لفظ واقع اور نفس الامر ظرف واقع ہوا ہے۔ چنانچہ اگر کہیں کہ فلاں حقیقت واقعاً یا نفس الامر میں موجود ہے اس سے منظور صرف یہی ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا حقیقت موجود ہے اور موجودات میں سے ہے اور اگر کہیں کہ فلاں حقیقت واقعاً یا نفس الامر میں موجود نہیں ہے تو اس سے یہی مقصود ہوتا ہے کہ وہ معلومہ حقیقت موجود نہیں ہے۔ اور موجودات میں نہیں ہے۔ پس ان الفاظ واقعاً اور نفس الامر کی قید عبارات میں اس لیے لگائی گئی کہ مرتبۂ ذات الوجود کی انتہائی پاکیزگی، لطافت اور وسعت کی وجہ سے اس کی وہ ظرفیت کی حیثیت وجود میں مظروف موجودات کے لیے صرف ایک لفظ وجود سے لوگوں کے کم فہم

Marfat.com

ذہنوں میں پا ساتی نہ آسکتی تھی۔ پس ظرفی معنی کو فائدہ پہنچانے کے لیے کلمات واقعاً اور نفس الامر کے علیحدہ الفاظ وضع کر لیے گئے تاکہ زود فہم بن جائیں۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود بھی کچھ کم سمجھ لوگ حقیقت کو نہ پا سکے اور لفظ واقع اور نفس الامر کے لیے متردد ہو گئے۔ چنانچہ بہتوں سے یہ سُنا ہے کہ ان الفاظ کے معانی سمجھ میں نہیں آتے کہ ہیں کیا؟ واقع کیا چیز ہے اور نفس الامر کیا ہے۔ ان شکوک و شبہات کو محض نا سمجھی سے گھسیٹ لاتے ہیں کہ جب ذات الٰہی واقعتاً نفس الامر میں موجود ہے۔ پس واقع اور نفس الامر ذات حق تعالیٰ سے وسیع تر ہیں۔ (توبہ استغفار، ایسے توہمات سے خدا کی پناہ) اور بعض طالب علم یوں مختصراً جواب دیتے ہیں کہ لفظ واقع اور نفس الامر سے مراد کسی شے کی ذات کی حد تک اس کے وجود سے ہے اس کو تفصیل سے بیان نہیں کرتے۔ اس مقام پر کلمہ فی الواقع متن کے جملے میں صحیح اور درست کے معنوں میں واقع ہے۔ یعنی کہ یہ بات صحیح اور درست ہے اور انسانی حقیقت اک عجیب جامع مرتبہ ہے۔ اور اس انداز سے کے مطابق لفظ فی الواقع جو جار و مجرور ہے متعلق ہے محذوف مقدر کے جو اس لفظ کا ہوگا۔ یعنی یہ بات واقعی ہے جو حقیقت انسانی کی تعریف میں پہلے بیان ہوئی۔ اور اگر لفظ فی الواقع کو اسی حقیقت انسانی کے جامع ہونے کی طرف سے کہا جائے جیسا کہ لفظاً وہ متن میں داخل ہے تو پھر معنی یوں ہوں گے کہ واقعتاً حقیقت انسانیہ اس جامع کیفیت میں موجود ہے کسی کے کہنے یا نہ کہنے کے باوجود، اور حق بات یہ ہے کہ ہے بھی ایسے ہی کہ حضرت انسان ایک عجیب جامع حقیقت کا مالک ہے۔ چنانچہ تنزّلات کے قائل حضرات اسی وجہ سے انسان کو اک دوسرا عالم قرار دے کر چھ تنزّلات کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلا تنزّل مرتبۂ وحدت ہے جو اجمالاً حقیقتِ محمدی اور تعیّن اوّل ہے۔ اور دوسرا تنزّل مقام واحدیت ہے جو تمام ممکنات کی علمی صورتوں، اعیان ثابتہ (صور علمیہ) اور حقائق کا مفصّل مرتبہ ہے۔ ان دو مرتبوں کو وہ مرتبۂ وجوب میں داخل سمجھتے ہیں۔ اور باقی دوسرے تنزّلات کو مرتبۂ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تیسرا تنزّل عالم ارواح ہے یعنی کہ عالم مجردات۔ اور چوتھا تنزّل عالم مثال ہے یعنی غیر مادی صورتوں کا عالم اور پانچواں تنزّل عالم شہادت ہے یعنی کہ مادیات اور چھٹا تنزّل انسان ہے یعنی ان تمام عالموں کی مجموعیت اک جزئی تشخص میں مختصراً۔ اور بعض جنھوں نے اس عالم صغیر کی اس جامعی حیثیت کو اس عالم کی کلّی مجموعیت سے الگ اور خارج شمار نہ کیا، اور پانچ تنزّلات

Marfat.com

ہی سے اقرار پر اکتفا کر لی۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ حقیقت انسانی کو روشنی کا مطلع اس لیے کہا گیا کہ ہر چند کہ تمام موجودات کے حقائق کے ذرّات آفتاب وجود کے مظاہر ہیں۔ لیکن اس عالم افروز آفتاب نے بغیر کسی حجاب کے اسی مطلع سے طلوع کیا، اور اُس کے اسرار و رموز کے نور کی شعاعیں اسی صبح صادق سے پھوٹ کر چاروں کھونٹ پھیل گئیں۔ اور ہر امر کی حقیقت اسی کے توسط سے ظاہر ہوئی۔ کیونکہ کون و مکان میں جو کچھ بھی ہے اسی کی وجہ سے ظاہر و عیاں ہے۔ لفظ "کون" تمام دنیوی موجودات پر مشتمل ہے اور لفظ "مکان" فقط خاص طور پر مکانی جسمیات پر مشتمل ہے۔ عمومی اور خصوصی تمام مراتب کا تفصیلی احاطہ کرنے کے لیے پہلے عام کا ذکر کرتے ہیں اور پھر خاص کا۔ پس ہماری مراد اس جملے سے یہ ہے کہ عالم امکان میں لامکان و مکان کا جو کچھ مجموعہ بھی ہے ان سب کے حقائق کو حضرت انسان ہی نے فاش کیا۔ اور مادی و غیر مادی دُنیا کے تمام اسرار اسی کے طفیل آشکارا ہوئے۔ اگر اس تاریکی میں یہ آفتاب نہ چمکتا تو کوئی بھی کسی شے کو نہ پا سکتا۔ یہاں انسان کو لفظ خورشید سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح تمام ستاروں میں سورج ہی سب سے زیادہ درخشاں ہے گو کہ جسمیت کے لحاظ سے بعض ستاروں سے چھوٹا ہے لیکن اس کا جاہ و جلال بہت بڑا ہے اور دُنیا کے سارے کاروبار اسی سے متعلّق ہیں۔ اسی طرح انسان بھی ساری مخلوقات میں سے بڑی زبردست مخلوق ہے۔ اگرچہ بظاہر بعضوں سے چھوٹا ہے۔ لیکن اللہ کے نزدیک بہت قدر و منزلت رکھتا ہے۔ اور زیادہ تر معاملات بلکہ کونین کا سارا کاروبار اسی سے متعلق ہے۔ اور سچ بات تو یہ ہے کہ اگر اس عالم امکان میں یہ نیّرِ اعظم ظہور پذیر نہ ہوتا اور اُس کے علم کا نور کاموں کے چہرے سے پردے نہ اُٹھاتا تو کائنات کا یہ سارا وسیع میدان تاریک ہوتا۔ اور موجوداتِ عالم میں سے کوئی بھی کسی چیز کی حقیقت کو اس تفصیل سے نہ سمجھ سکتا۔ یہ انسان ہی ہے جو دنیوی اور ربّانی اسرار کا واقف ہے۔ یعنی یہ انسان ہی ہے جس نے اپنی امکانی حقیقت کو پہچانا اور پھر بشری طاقت کے مطابق مرتبۂ الوہیت کا عرفان بھی حاصل کیا اور عبد و معبود کے مراتب کے امتیاز کو ہر حال میں ملحوظِ خاطر رکھا۔ شرعی احکام پر استقامت کی، اور اللہ تعالیٰ کے قرب و رفاقت کی کیفیت اپنے اندر پیدا کی، اور وہی ہے جو حق تعالیٰ کی لامتناہی تجلّیات کا مظہر ہے۔ یعنی آدمؑ ہی تھا جس نے تمام اسمائے الٰہیہ کے مظہر ہونے کے باعث خلافت کی خلعت پہنی اور اللہ تعالیٰ کی عنایتوں اور مہربانیوں سے بے انتہا معاملات پر فائز

Marfat.com

ہوا۔ کیونکہ نہ تو حسن الٰہی کی تجلّیات کا کہیں اختتام ہے اور نہ ہی انسانی عشق کے ذوق و شوق کی کوئی انتہا۔ وہی مدارِ عالم کا قطب ہے اور قطبِ مدار عبارت ہے انسان کامل سے جو اپنے زمانے میں یگانۂ روزگار ہوتا ہے۔ اور وہ فیض وجودی جو حضور ربّانی سے تمام ممکنات کو پہنچتا ہے، وہ تمام موجوداتِ عالم سے پہلے اس قطبِ مدار کو حاصل ہوتا ہے، اور پھر اس کے بعد اس کی وساطت سے یہ فیض اپنے دیگر لوازم سمیت جو حفاظت، حمایت اور رزق رسانی پر مشتمل ہوتے ہیں باقی دنیا میں آتا ہے۔ اور یہ خدمت خداوندی خدمات میں سے ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے یہ تفویض کرتا ہے۔ اور کوئی زمانہ بھی قطبِ مدار سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ دُنیا کا مدار اسی کے وجود پر ہے جس طرح کہ پرکار سے بنائے جانے والے دائرے کے خط کا وجود اس کے مرکزی نقطہ پر موقوف ہوتا ہے۔ اور سب دنیاوی کشف اس قطب کے باطن میں غالب ہوتے ہیں۔ اور بدنی عبادات اور ریاضت اس سے سرانجام پاتی ہے۔ اور وہ ظاہری علم کے حصول سے اکثر محروم ہوتا ہے۔ عوام کا رجوع اسی طرف ہوتا ہے۔ لوگوں کو اس سے بہت سی کرامات اور خرق عادت باتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ وہ اک نامعلوم نسبت کا مالک ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض کو اپنے اس منصب کی خود بھی خبر نہیں ہوتی۔ ان کے احوال اکثر و بیشتر پوشیدہ ہی ہوتے ہیں۔ ہرچند کہ اس خدمت کے مالک کو ادنیٰ درجے کا قطب سمجھتے ہیں بمقابلہ قطب ارشاد کے کیونکہ وہ قطبیت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ بہت اور گرامی وجود ہے۔ قطبیوں کے مراتب کے نیچے اہل خدمات کے بہت سے مراتب ہیں۔ ان مراتب کے مالکوں کو ابدال، نقیب اور وَتد (میخ) کہتے ہیں، ولایت کے مرتبے میں ان خدمات کے علاوہ بھی اور کئی مناصب ہیں۔ قطبِ مدار سمیت یہ سب اہل خدمات قطب ارشاد کے حلقۂ ماتحتی میں ہوتے ہیں، اور کبھی ایسا اتفاق بھی ہو جاتا ہے کہ قطبیت کے دونوں مرتبے یکجا باہم جمع ہو جاتے ہیں۔ یعنی جو شخص قطب ارشاد ہے وہی قطب مدار بھی ہے۔ کیونکہ قیومیت (قائم ہونے کی قوت) تو اسی جامعیت سے عبارت ہے۔ اور قیّوم زمانہ ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں۔ لیکن قطب مدار قطب ارشاد نہیں ہوتا۔ یہی سنّتِ الٰہی ہے اور محمدیّت کا منصب ان قطبیوں وغیرہ کے سب مراتب پہ محیط ہے۔ اور قرب اور انتہائی قرب کے درجات کی حدبندی کرنے والا ہے۔ اور تکمیل و کمال کے ان مراتب کا تمام کرنے والا ہے۔ اس منصب جلیلہ کے مالک کے

Marfat.com

سبھی تابع فرمان ہوتے ہیں اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ مخلص محمدیوں ہی میں سے کوئی شخص ان تمام مناصب کا مالک ہوتا ہے۔ لیکن نچلے درجے کے مراتب والوں کا ہاتھ اس منصب کی بلند چوٹی تک نہیں پہنچ پاتا خواہ وہ قطبِ ارشاد اور قیوم زمانہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس منصب والے کے دل پر علم لُدنّی کے دروازے کا کھلنا لازمی ہے۔ وہ مبہم اور پوشیدہ رموز کا کشف کرنے والا ہوتا ہے۔ سِرّ مبہم سے ہماری مراد پوشیدہ امور ہیں جو تمام مبہم رازوں میں شامل ہوتا ہے۔ اور مبہم اسرار عبارت ہیں ان معانی سے کہ عصر حاضر کے عارف کے سوا کسی نے اس سلسلہ میں کلام نہ کیا ہو۔ نیز مبہم اسرار سے ہماری مراد ذات وصفات و اسمائے الٰہیہ کے رموز، شرعی اسرار، طریقت کے مقامات، حقیقت کے گہرے نکات (نکتے) اور معرفت کی دقیق باتیں بھی ہیں۔ اور ان اسرار مبہم سے مراد تمام موجودات کے پوشیدہ مخفی حقائق بھی ہیں جنھیں اکمل اور کامل ترین انسان عموماً بیان کرتا ہے۔ حکمتِ الٰہیہ کے تمام اسرار و رموز اسی کے ہاتھوں کھلتے ہیں۔ تخلیق کائنات کا مغز یا نچوڑ وہی ہوتا ہے۔ یعنی تمام کائنات کا ماحصل، مخلوقات کا لبِ لباب اور انسانی وجود اور تمام موجودات کی تخلیق کا اصل مقصد۔ جیسا کہ اُس کامل، اکمل اور اشرف انسان (ان پر خدا کا درود و سلام) کے حق میں کہا گیا ہے کہ اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو افلاک بھی نہ بناتا۔ وہی ہے جو اصل صاحبِ ارشاد ہے یعنی خلق خدا کا سچا رہنما۔ راہِ ہدایت کے بیان کو کما حقہٗ ادا کرتا ہے اور تفصیلی رشد و ہدایت دیتا ہے۔ اور استعدادوں کے فرق کے لحاظ سے ارشاد کے بہت سے مراتب ہیں۔ جو کوئی بھی اپنے وقت میں اپنے ہم عصروں سے زیادہ ارشاد رکھتا ہے اور جدید حقائق و معارف کو تفصیلاً علوم منقول و معقول کے عین مطابق احسن طریق سے بیان کرتا ہے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ سے قرب و نزدیکی کی زبردست نسبت بھی رکھتا ہے اور اس کے قرب کے معاملات آنکھوں سے دیکھے بھی جا سکتے ہوں اور اس کا کشف و عرفان بھی خوب تند و تیز ہو، توکّل جس کا زادِ راہ ہو اور تحمل و بردباری جس کا مرکب ہو، جس کے اخلاق حمیدہ اور اوضاع جمیلہ ہوں، جس کے اعمال اور اقوال پسندیدہ ہوں اور اکثر و بیشتر کی نسبت ظاہری اور باطنی کمالات میں جامع تر ہو، پس وہی اس کا سزاوار ہے کہ اُسے قطب ارشاد کے منصب پر سرفراز کیا جائے۔ اور یہ قطب بھی وحید زماں اور یگانۂ روزگار ہوتا ہے۔ حضورِ حق سے نورِ ہدایت پہلے تو ایسے شخص کے دل پر چمکتا ہے۔ پھر اس کے توسّط سے تمام اہلِ دنیا تک پہنچتا ہے اور اُس وقت کے تمام ولی، عارف

Marfat.com

عالم، صالح اور متّقی لوگ اسی قطب کے تحت ہوتے ہیں اور اُس سے باطنی فیض حاصل کرتے ہیں۔ گو انھیں اپنے حال کی خبر ہو یا نہ ہو اور اُس قطب کو بھی بعض احوال کی خبر ہو یا نہ ہو لیکن قیامت کے دن یہ معاملہ آشکارا ہو جائے گا اور ہر کوئی اُس شاہنشاہِ حقیقی کے حضور میں اپنے منصب اور مرتبے کے مطابق کھڑا ہو گا۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ ایسے قطب ارشاد کو کشفِ الٰہیات پر مکمل دسترس ہوتی ہے۔

——۔ اُس کے رتبے کی بلندی اور نسبت کی قوت کے پیشِ نظر دنیوی کشف و انکشافات تو اک معمولی چیز ہوتے ہیں۔ اس کے دل پر علمِ لدُنّی کا ترشّح دائماً ہوتا رہتا ہے اور ضرورت کے مطابق وہ ظاہری علم سے بھی باخبر ہوتا ہے۔ نوراتی اور ظلمانی (تاریک) سب پردے درمیان سے اُٹھ جاتے ہیں۔ شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کے مطالب میں سے کسی مطلب پر بھی قطعاً کوئی شک و شبہ تردد یا پوشیدگی نہیں ہوتی۔ اللہ اور رسولؐ کے نزدیک وہ بہت بڑے قرب اور زبردست قدر و منزلت کا مالک ہوتا ہے، اور سوائے ان لوگوں کے جن کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوں وہ ہر کسی کے دل میں عجیب مقبولیت اور محبوبیت رکھتا ہے۔ استقلال اور استقامت قطب کی خصوصیات میں سے ہیں۔ دنیوی کاموں کا اتفاق کبھی ہو جائے تو الگ بات ہے ورنہ دُنیا یا دُنیا کے کاموں کے لیے خود کبھی حرکت نہیں کرتا۔ بہرکیف اُس کے انسانی کمالات کہاں تک بیان کیے جائیں۔ کیونکہ وہ اَن گنت ہیں۔ بظاہر وہی مٹھی بھر خاک کا پتلا ظاہری شکل و صورت اور قد کاٹھ میں بہت سوں سے چھوٹا بلکہ بعض کی نسبت تو کسی شمار قطار میں نہیں لیکن اپنی ذات میں اک چھوٹی سی کائنات ہے اور حقیقت و معنی کے لحاظ سے وہ بہت بلند و بالا اور سب پر حاوی ہے۔ دُنیا بھر کی تفصیلات اسی ایک انسان کی ذات میں اجمالاً درج ہوتی ہیں۔ وہ مجموعۂ کائنات ہے، وہ انسانِ کبیر ہے۔ گویا ساری حقیقت انسانی کی وہ اک تفصیل ہے۔ اور ایسے ہی تابانِ حق کے بارے میں یہ آیت کریمہ ہے کہ مسخر کیا تمھارے لیے، رات کو اور دن کو، اور رات اور دن کا مسخر کرنا تمھارے لیے عبادت ہے ان دونوں کے اعادے کے ساتھ ایک کے بعد ایک اس وقت تک جب تک اللہ چاہے تمھارے فائدوں کے لیے۔ پس رات تمھارے لیے لباس ہے اور دن تمھارے لیے معاش (یعنی روزی کمانے کا موقع) اور تم قادر ہو اس کی گھڑیوں کی گنتی پر اور دنوں کے حساب پر ان دونوں یعنی رات دن سے۔ پس رات اور دن مُسخر

Marfat.com

ہیں انسان کے لیے انہی اعتبارات سے، اور مسخر کیا ہے تمھارے لیے سورج اور چاند، ستاروں کو تاکہ تم جان سکو سالوں اور مہینوں کی تعداد، اور تاکہ تم ہدایت پا سکو اس بات کی کہ تم خشکی اور تری میں کہاں جا رہے ہو۔ اور تسخیر شمس و قمر و نجوم سے مراد سورج اور چاند کے اپنی دونوں کی منازل میں چلنے کا حکم، اور مشرقوں اور مغربوں کے اختلاف اور ان دونوں کا مماثل ہونے کا علم ہونا اور ستاروں کے مقامات بروج میں اور نیک بختی اور بدبختی وغیرہ کی کیفیات کا علم۔ مسخر کیا تمھارے لیے دریاؤں کو اور تم اس پہ چلتے ہو کشتیوں کے ساتھ جہاں تم چاہتے ہو۔ اور ان میں سے پیتے ہو اور ان میں سے نہاتے دھوتے ہو اور تسخیر انہار سے مراد تمھارا ان سے فائدہ اٹھانا ہے۔ پس جو کچھ بھی موجود ہے حضرت انسان ہی کا ماتحت اور خدمت گزار ہے۔ اور وہ سارے جہان کا حاکم اور مخدوم ہے۔ تمام روئے زمین اس کا فرش راہ ہے۔ اور بلاؤں کو گردش دینے والا یہ آسمان اسی کی بارگاہ ہے۔ عناصر اربعہ نے یہ مسند اسی لیے بچھا رکھا ہے اور موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات و حیوانات) نے اسی کے سامنے اپنی ڈھال پھینک دی ہے۔ افلاک کے یہ نوطبق اسی صاحبِ لولاک کے خوان ہائے نعمت سے پُر ہیں۔ اور یہ سیارے اور ستارے اسی یگانۂ روزگار کے براق کے نعل کی میخیں ہیں۔ ابر اس کا اک روئے دار خیمہ ہے جسے برسات کے ماشکی (سقے) نے پانی سے تر کر رکھا ہے۔ موسم بہار اسی کی سرکار کا اک گل فروش ہے جس نے طرح طرح کے پھول سجا رکھے ہیں۔ چاند اسی کے شبستان (رین بسیرے) کا اک مشعل بردار ہے۔ آفتاب اس کے طرح طرح کے خوانِ نعمت کا باورچی۔ مکان کو شرف اسی مکین سے حاصل ہوا۔ اور زمانے کے منہ زور گھوڑے پہ اسی کے لیے زین کسی گئی (ڈالی گئی)۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں دے دیا، اور ہم تو ایسے نہ تھے کہ ان کو قابو میں کر لیتے - یہ آیت کریمہ سواری کے جانور پہ سوار ہوتے وقت پڑھتے ہیں اور اس کے پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے اوقات میں سواری کی حالت میں سوار کی زبان پہ اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کے الفاظ آتے ہیں۔ خدا کی اس نعمت کا سو شکر کہ ایسے سرکش حیوان کو بھی ضعیف البنیان انسان کا مطیع بنا دیا اور پھر وہ آیت پڑھتے وقت انسان کو اپنی کمزوری، عجز اور ناطاقتی بھی نظر آجاتی ہے کہ اللہ کی امداد کے بغیر ہم ایسے طاقتور جانور کے قریب بھی نہ آسکتے۔ نہیں ہے طاقت اور قوّت کسی کو سوائے اللہ کے اور وہ بلند اور عظیم ہے۔ پس جس وقت حق سبحانہٗ تعالیٰ نے زمانے کے سرکش گھوڑے کو ہمارے لیے مسخر کیا ہوگا یعنی

Marfat.com

اس وقت وجودِ ذات نے خاص عنایت فرماکر تمام زمانی اور غیر زمانی موجودات کو ہم عاجزوں کے لیے مسخر کیا تھا۔ لہٰذا سواری کے جانور پر سوار ہوتے وقت اس آیت کریمہ کا پڑھنا نہایت مناسب ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے اور بیان کرتے ہوئے عبدیت کی عاجزی کا۔ پس تعریف طاقتور اللہ کے لیے ہے جس نے بنایا انسانِ ضعیف کو غالب تمام طاقت ور مخلوق کے اوپر اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس مخلوقات میں ہر ایک تابع ہے انسان کا اور اس کے لیے مسخر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی تسخیر کے ساتھ اور ہر چیز اس کا اتباع کرتی ہے اور اللہ اس کا ساتھی اور مددگار ہے۔ انسان کو اگر متابعت کرنی ہے تو اپنی نوع کے کسی کامل ترین فرد کی نہ کہ کسی غیر نوع کی پیروی۔ یعنی نوع انسانی کے کامل افراد کو فقط امرِ حق کی متابعت ضروری ہے ورنہ وہ مخلوقات میں سے کسی مخلوق کا تابع نہیں۔ اور دراصل براہِ راست اس کا معاملہ اپنے رب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی کسی کی مداخلت کے بغیر انسان پر خصوصی نظرِ کرم ہے جیسے کہ انبیائے کرام کے حالات و معاملات، اور اگر فرشتوں کو اس کارخانے میں کوئی دخل ہے جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے وحی کا نزول، یا دوسرے فرشتوں سے دیگر تائیدات و امداد وہ اس حساب میں شمار نہیں۔ کیونکہ یہ وساطت تو قاصدوں اور نامہ بروں کی وساطت ہے جو طرفین کے معاملے سے بے خبر ہوتے ہیں۔ ~~

میانِ عاشق و معشوق رمزیست   کراماً کاتبین ہم خبر نیست

(عاشق و معشوق کے مابین ایسی رمز ہے جس کی کراماً کاتبین کو بھی خبر نہیں ہوتی۔) اور اگر نوع انسانی کے ناقص افراد کو بھی کسی کی پیروی کرنی ہو تو وہ اپنی ہی نوع کے کسی فردِ کامل کی پیروی ہے، کسی دوسری نوع کی پیروی نہیں۔ جیسے کہ اولیائے کرام کے لیے انبیائے کرام کی پیروی یا مریدوں کے لیے اپنے مرشد کی پیروی، بڑوں کے لیے چھوٹوں کی فرمانبرداری، جاہلوں کے لیے عالموں کی پیروی ——— احمقوں کے لیے عاقلوں کی پیروی، غریبوں کے لیے امیروں کی فرمانبرداری اور زبردستوں کے سامنے کمزوروں کی مجبوری۔ پس ان ساری صورتوں میں انسان کو انسان ہی کی پیروی کرنی ہوتی ہے نہ کہ کسی اور نوع کی پیروی، جیسے گھوڑے وغیرہ کی پیروی۔ اور انسان کی یہ پیروی دیگر مخلوقات کی اس کی اپنی پیروی کے سلسلے میں خلل انداز نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی پیروی کے لیے مزید ممد

Marfat.com

ثابت ہوتی ہے۔ اور اس کی پیروی میں جتنا بھی کوئی زیادہ تابع ہوگا وہی سب سے زیادہ قابلِ اتباع ہوگا۔ اور جس نے خدمت کی آخر کار وہ مخدوم بن گیا (ع ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد) اور کامل ترین اولیاء سے لے کر عام مومنین تک سبھی انسان انبیائے کرام کے مقابلے میں ناقص ہیں نہ ، اور انسانوں میں کامل تر حضرات فقط انبیائے کرام ہیں۔ اور اُمت میں سے اگر کسی کو کمال حاصل ہے تو وہ دوسری نسبتوں سے ہے جو ان کے تحت ہیں، اور یہ نقص و کمال اضافی ہے جو بعض کی نسبت سے نقص اور بعض کی نسبت سے کمال ہے اور مرتبۂ بشریت میں حقیقی کمال انبیائے کرام ہی کو ہے خواہ وہ ادنیٰ نبی ہی کیوں نہ ہوں۔ اور انسانی مرتبے میں حقیقی نقص کافروں کو حاصل ہے خواہ وہ تارک الدنیا اور دانائے زمانہ کیوں نہ ہوں۔ اور اصل حقیقی کمال حق سبحانہٗ تعالیٰ کو ہے کہ اُس کے مقابل میں سبھی ناقص ہیں اور مقام بندگی میں بھی یکساں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ کہہ دو اے نبیؐ کہ میں بھی تمھاری طرح ایک بشر ہی ہوں۔ پس میری طرف وحی آتی ہے گویا اس آیت کے پہلے حصے میں پیغمبر علیہ السلام کی ولایت کے منصب کا بیان ہے جو سبھی اولیا سے مماثلت رکھتا ہے جیسے کہ بشریت جو سب آدمیوں میں مشترک ہے۔ اور دوسرے حصّہ میں اس کے منصبِ نبوت کا بیان ہے کہ اولیا و انبیا کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ جیسے نطق (گویائی) جو انسان کو دیگر ہم جنس حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے کہ ہم حق سبحانہٗ نے ہم ناقصوں کے لیے انبیا کو ہماری نوع سے مبعوث فرمایا اور بشری افراد کی ہدایت کو بشری رسولوں سے متعلق کیا، اور ہمیں ہمارا ہی تابع بنا لیا اور کسی دوسری نوع کو ہم پر مسلط نہ فرمایا۔ ہر چند کہ ہم کوتاہ عقل انبیا کے معاملات کی حقیقت کو کما حقہٗ نہیں سمجھتے لیکن انبیائے کرام (ان پر خدا کا درود و سلام) ہمیں سے نوعی شراکت رکھنے کی وجہ سے ہمارے بشری عجز اور نقائص و قیود کو خوب سمجھتے ہیں۔ یقیناً وہ ہم گنہگاروں کے حال پہ رحم فرمائیں گے۔ مُراد ہمارے سید المرسلین نبی کریم صلعم اپنی اُمتِ مرحومہ کی شفاعت فرمائیں گے۔ اور رحم کرنے والا رب ہم پر رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ ہم پہ نگاہِ لطف ڈالے گا اور اپنے ہی تخلیق کیے ہوؤں پر نظرِ عنایت سے دیکھے گا اور حق بات یہ ہے کہ انسانی حقیقت ہی اللہ کی رحیمی اور رحمانی تجلّیات کا محل اور اس کی عنایات و الطاف کی جائے ورود ہے۔ انسان ہی محبوبِ سبحانی ہے وہی غوثِ صمدانی ہے۔ غرضیکہ عجب روشن اور منور مرتبہ ہے۔ یعنی کہ رتبے کے لحاظ سے موجودات کے تمام مراتب سے زیادہ جلی، اور کشف و عرفان کی رُو سے تمام امکانی حقائق سے زیادہ روشن کیونکہ کسی مقام

Marfat.com

نہیں جو انسان کو حاصل ہے تو پھر تمام انسانی افراد میں جو تمام انسانی کمالات اور قرب الیہ میں زیادہ کامل اور مکمل اور سب سے دانشور اور خاتم نبوت ہوگا، یقیناً اس کا علم سب لوگوں کے علوم سے اعلیٰ و ارفع ہوگا۔ یہاں لفظ علم سے مراد حقیقت کا ادراک ہے نہ کہ یہ اکتسابی علوم کہ جن کے بارے میں یہ کہ تم اپنی دُنیا کے امور کو زیادہ جاننے والے ہو کم وارد ہوتا ہے۔ پس یقیناً خدائی علم کے بعد علم رسولؐ کا مرتبہ ہے اور حق بات تو یہ ہے کہ اللہ اور اُس کا رسولؐ ہی قیامت، جنت و دوزخ، بدبختوں اور نیک بختوں کے احوال کی حقیقت اور پل صراط سے گزرنے، اعمال کے تُلنے، اور میزان کے قائم ہونے اور جسموں کے عنصری حالت میں اُٹھنے، صور کے پھونکے جانے، اور آسمانوں کے شق ہونے کی کیفیت اور اسی طرح کے دیگر احکام کو جیساکہ قیامت کی گھڑی اور آخرت و دُنیا وغیرہ کو بہتر جانتے ہیں۔ وہی نیکیوں کے منافع، احکام کی بجاآوری کے انوار اور عبادات و اطاعات کے فوائد اور گناہوں کے نقصانات، شرعی ممنوعات کی تاریکیوں اور شیطانوں اور بدنفسوں کے مکر و فریب کو خوب جاننے والے ہیں۔ پس بے شک ہم ایمان لائے اللہ اور اُس کے رسولؐ پر صحیح اور قوی ایمان و اعتقاد کے ساتھ اور مضبوطی کے ساتھ، اور ہم نے قبول کر لیے اس کے تمام احکام جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور ہم نے پناہ لی اُس کے بندوں کے زمرے میں جن کے اوپر شیطان کو کوئی اختیار نہیں، اور ہم پناہ میں آئے اللہ کی اپنے نفوس کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے۔ جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اللہ کے بندو بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے عدل اور احسان کا اور روکتا ہے بے حیائی سے اور ناپسندیدہ باتوں سے، پس انسانی افراد سے جس فرد میں یہ نسبت یعنی علمی نسبت بمعہ مصطفویؐ اتباع کے زیادہ قوی ہوگی اور جو علم لدنی سے مستفید ہوگا اور جس کا عرفان دوسرے بنی نوع سے زیادہ روشن ہوگا، شرعی حقائق کے کشف، مقاماتِ سلوک کی وضاحت، تہذیب اخلاق اور تعلیم آداب اور دیگر عجیب وغریب اور گہرے و دقیق نکات کے بیان کے سلسلے میں پس دیگر افراد کو حصولِ فیض اور اپنے معاملات کی درستی کے لیے اس کا اتباع لازم اور ضروری ہے اور دل وجان سے اُس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنی چاہیے کہ وہ ان میں سے ان پر حاکم ہے اور حقیقت الامر سے واقف ہے۔ پس سبھوں پر اُس کی اطاعت اور پیروی لازم ہوگی

Marfat.com

بلکہ فرضِ عین ہے۔ کیونکہ یہ قرآنِ حکیم میں بڑی صراحت سے آیا ہے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ اور تم میں سے جو حاکمِ وقت ہیں ان کی اطاعت کرو۔ کیونکہ وہ حکم نہیں دیتے مگر اُس کا جس پہ وہ مامور ہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے۔ پس ان کی اطاعت عین اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت ہے۔ یاد رکھو کہ اولی الامر (حاکم) دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ظاہری جیسے بادشاہ اور سلطان۔ پس جب تک وہ تم میں سے ہوں اور تمھارے اپنے مومنین کے گروہ میں سے ہوں یعنی دیندار، نیکو کار اور دین واسلام کے احکام کے تابع ان کی پیروی دنیوی معاملات اور باہمی جھگڑوں بکھیڑوں جیسے کہ بودوباش اور معاش کے امور میں بھی ضروری اور لازمی ہے۔ رعایا کو فتنہ و فساد برپا نہ کرنا چاہیے اور کسی کو ناحق بغاوت نہ کرنی چاہیے اور دوسرے حاکم، مخدوم اور واجب الاتباع بھی اپنے محکوموں، خادموں اور ماتحتوں کے لیے اسی اولی الامر کے زمرے میں داخل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے ولیٔ نعمت کی پیروی اور فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ اور ایک ہوتے ہیں معنوی اولی الامر یعنی روحانی حاکم، جو عالموں، فقیہوں، مجتہدوں، دینی ارکان، مشائخ بزرگوں، استادوں اور مرشدوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے مراتب کے مطابق واجب الاطاعت ہیں۔ اور انہی مراتب کے لحاظ سے ان کی فرمانبرداری فرض ہے۔ خاص طور پر خالص محمدیؐت والا کیونکہ وہ ملاتا ہے تمام مخلوقات کو دعوتِ محمدیہؐ کے ساتھ، اور ہدایت دیتا ہے عام مسلمین و مومنین کو مصطفویؐ ہدایت کے ساتھ، اور بنایا ہے اللہ نے اُسے لوگوں کے لیے مرشد اور ہادی مخلوقات کے لیے اور محمدیوںؐ کا امیر اور مومنین کا صاحب امر، پس ہر شیخ مرشد کا حکم اس کی راہبری تلاش کرنے والی قوم میں جو اس کے مطیع و معتقد ہیں اس اُمّت میں سے ان کے سابق انبیاءؑ کے حکم کی طرح ہے جو بھیجے گئے کسی معین بستی کی طرف اور کسی مخصوص قوم کی طرف اور خالص محمدیوںؐ کے سرداروں کا حکم تمام اُمّت میں شیوخ سمیت ان کے بھیجے گئے صاحب کے حکم کی طرح ہے سب کے سب لوگوں کے لیے، اس پر تمام درود وارد ہوں اور سلامتیوں میں سے مکمل اور ساری سلامتیاں ہوں پس اے مخلص محمدیو نازل کیا اللہ تعالیٰ نے تم پر رحمت کو اور برکت کو پس قوت کے ساتھ وسیلہ پکڑو اس کی جانب اور شکر ادا کرو اللہ سبحانہٗ کا۔ اور اگر میں ہوتا درشت اور سخت دل والا تو تم میرے اردگرد سے چھٹ جاتے اور اللہ مہربان ہے مومنین پر، پس میں نے دردِ دل کیا تم سے اور اُس چیز سے جو میں نے دیکھی تمھارے اطوار میں سے اور میں نے بخشش مانگی تمھارے لیے اپنے رب سے

Marfat.com

پر بھی وجود حق نے ایسے مفصّل طور پر تجلّی نہیں فرمائی ۔ اور وہ کونسی حقیقت ہے جس کا اس نے انسان پر علم کے ادراک کا دروازہ نہیں کھولا ۔ کیا فلکی موجودات اور کیا ارضی کیا مجرّد اور کیا مادی کیونکہ علم کی ایسی تفصیل اور ہر شے کی حقیقت کا ایسا ادراک تمام مراتب کی جامعیت پہ موقوف ہے ۔ اور انسان کو حاصل شدہ جامع صورت کا تقاضا ہے ۔ منزہ مفردات بھی محسوسات کو اس طرح کیسے پا سکتے ہیں جیسے کہ انسان پاتا ہے ۔ اور مادیات مشبہ بھی معقولات کا یوں ادراک کیسے کر سکتے ہیں ۔ جیسے کہ انسان کرتا ہے ۔ اور عالیشان علوی بھی بچارے سفلیوں (ارضیوں) یعنی اہلِ زمین کے حالات سے یوں کب واقف ہیں جیسا کہ انسان واقف ہے ۔ اور بچاری ارضی مخلوق علوی کیفیات سے اس طرح کب باخبر ہے جیسے کہ انسان باخبر ہے ۔ نہ تو عقول کو اور نہ ارواح کو یہ علم جزئیات حاصل ہے جو انسان کے حصّے میں آیا ہے ۔ نہ ہی آسمان ، نہ ستارے اربعہ عناصر کی حقیقت سے یوں آگاہ ہیں جیسے انسان آگاہ ہے ۔ نہ عناصر اربعہ (آگ ۔ پانی ۔ مٹی اور ہوا) اور نہ ہی موالید ثلاثہ (جمادات و نباتات و حیوانات) آسمانوں اور ستاروں کی کیفیات سے یوں مطلع ہیں جیسے کہ انسان ہے ۔ انسان ہی ہے جو نفس ناطقہ کے اعتبار سے مجرد ہے اور جسمانی لحاظ سے مادی ہے ۔ مرتبے کے لحاظ سے علوی ہے اور مقام کے لحاظ سے سفلی ۔ اور جامعیت کے اعتبار سے اشرف المخلوقات ہے اور اپنی وسعتِ علم سے تمام موجودات پہ حاوی ہے ۔ پس اللہ تمام کمالات کا مجموعہ ہے ۔ پیدا کیا اس نے انسان کو اپنی صورت پر ، اور زمین پر اُسے اپنا خلیفہ مقرر کیا ۔ پس اپنے روحانی تجرد کے لحاظ سے اس کی تخلیق گویا احسنِ تقویم ہے اور نفس کے بدن کے ساتھ تعلق کے اعتبار سے اور نفس کے تصرفات میں اس کے اندر اسفل السافلین یعنی پست ترین لوگوں میں سے سب سے زیادہ پست ۔ پس نفوس انسانیہ جو متوجہ ہوتے ہیں اپنے رب کی طرف اور اُس پہ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ہو جاتے ہیں مطمئن ، لوٹتے ہیں اپنے رب کی طرف راضی ہونے کی شکل میں ، اور راضی کیے جانے کی شکل میں ، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں داخل ہو جاتے ہیں تقرّب کے لحاظ سے اور داخل ہو جاتے ہیں اللہ سبحانہٗ کی جنت میں آخرت کے لحاظ سے اور دُنیا میں ہو جاتے ہیں علم والے جمال کا آئینہ جس نے کہ ہر چیز کو علم کے لحاظ سے احاطے میں لے رکھا ہے ۔ علمِ الٰہی کے بعد اگر کوئی علم ہے تو وہ اس کے رسول صلیّ اللہ علیہ وسلم کا علم ہے ۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مخلوقات میں کسی کو ایسا تفصیلی علم حاصل

Marfat.com

اور مشورہ کیا تم سے معاملات میں ۔ پس جب میں نے عزم کر لیا پس میں نے توکل کیا اپنے رب پر،
بیشک وہ متوکلین سے محبت کرتا ہے ۔ اور بیشک احسان کیا اللہ نے تم پر جب کہ بھیجا تم میں ایک
صاحبِ اختیار تم میں سے اور تمھارے زمانے میں صاحب الامر ہے پس اس کی اطاعت کرو ، اور
تلاوت کرتا ہے تم پر اس کی آیات اور تمھیں پاکیزہ کرتا ہے اور سکھاتا ہے تمھیں کتاب و حکمت اور
اللہ تعالیٰ مصلحین سے محبت کرتا ہے ۔ اور نہیں بنایا اللہ نے اس ذکر کو مگر تمھارے لیے بشارت
تاکہ اس سے تمھارا دل مطمئن ہو جائے ۔ اور مدد نہیں ہوتی مگر میرے رب کی طرف سے ، اور وہ مددگاروں
میں بہترین ہے ۔ پس ڈرو اللہ سے اور اسی کی عبادت کرو اور ہو جاؤ متفق ہر آسانی اور تکلیف میں
اور غصے کو ضبط کرنے والے اور درگزر کرنے والے مخلوق سے اور اللہ احسان کرنے والوں سے
محبت کرتا ہے ۔ اور جب تم کوئی فحش کام کر بیٹھو یا اپنے نفس پر ظلم کرو ، پس ذکر کرو اللہ کا اور بخشش
مانگو اپنے گناہوں کی ، اور کون بخشتا ہے گناہوں کو سوائے اللہ کے جو میرا رب ہے ۔ تم ضرور اُسے
پاؤ گے ۔ رب توبہ قبول کرنے والا ، رحم کرنے والا ، اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا
ہے ۔ اور جو کوئی اُلٹا پھرے گا تم میں سے اپنی ایڑیوں پر ، پس وہ نہیں نقصان پہنچائے گا اللہ کو کچھ
بھی ۔ تم سے پہلے بھی ایک گروہ گزرا اُنھوں نے اپنے امام کو جھٹلایا اور دیکھو تو جھٹلانے والوں کا
انجام کیسا تھا ۔ پس نہ بناؤ قلبی دوستی کسی سے اپنے علاوہ اور محمدیوں کے سوا کسی کو اپنا دوست
نہ بناؤ کیونکہ مخالفین نہیں چوکتے تمھاری خرابی سے فائدہ اُٹھانے سے اور اُن کے مُنہ سے بغض تو
ظاہر ہوتا ہی ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں ہے وہ اس سے بھی بڑا ہے ۔ ہم نے بیان کر دیں
تمھارے لیے نشانیاں اگر تم عقل رکھتے ہو ۔ یہ جو تم سب کے سب ان سے محبت کرتے ہو اور وہ
تم سے محبت نہیں کرتے اور نہیں ملتے تم سے مگر ظاہری طور پر اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ
ہم تو تمھارے ساتھ ہیں اعتقاد رکھنے والوں میں سے ، اور جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں تو تمھارے
اوپر انگلیاں کاٹتے ہیں غصے کے مارے اور اللہ خوب جانتا ہے مفسدین کو ۔ اور اگر تمھیں نیکی پہنچتی
ہے تو یہ چیز اُنھیں دُکھ پہنچاتی ہے ۔ اور اگر تمھیں برائی پہنچتی ہے اس پر خوش ہوتے ہیں ۔ اگر تم صبر
کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی چالیں تمھیں کچھ بھی نقصان نہ دیں گی اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ
ہے ۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے پھر اس کا انکار کیا پھر ایمان لائے اور پھر انکار کیا اور پھر انکار

Marfat.com

میں بڑھتے ہی چلے گئے، اللہ انھیں ہدایت نہیں دینے لگا۔ اور وہ تو ان متذبذب لوگوں میں سے ہیں جو نہ ادھر کے ہیں نہ اُدھر کے۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے وہ انتہائی گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے توبہ کی اس کے بعد اپنے باطل اعتقادات اور فاسد اعمال سے، اور اپنے حال کی اصلاح کی سچے اعتقادات کی مضبوطی کے ساتھ اور نیک اعمال کی کمائی کے ساتھ، اور انھوں نے پکڑا مضبوطی سے پکڑنا اللہ کو قوت ایمان کے ساتھ اور خالص کیا اپنے دین کو خلوص قلب کے ساتھ اور وہ ہوگئے۔ خالص محمدی، پس وہ ہیں مومنین کے ساتھ خالص محمدیوں میں سے، اللہ اُن سے راضی ہوا، اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور وہ بالجملہ زیادہ جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو۔ قصہ کوتاہ یہ کہ چونکہ کامل مرشد خدا و رسول کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ظاہری اور باطنی طور پر اسی طرف جذب فرماتے ہیں۔ لہذا انبیائے علیہ السلام کے بعد مرشدوں کی فرمانبرداری بھی لازمی ٹھہری۔ کیونکہ یہ بزرگوار نبوت کے نائب (خلیفہ) ہیں۔ اور یہ مقولہ کہ اُمت محمدیہ کے علما بنی اسرائیل کے انبیا کی مثل ہیں اسی امر کی صراحت کرتا ہے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ علما سے مراد علم لدنی اور معرفت ذات رکھنے والوں سے ہے۔ جو اولیائے کرام اور درگاہ خداوندی کے مقرب ہوتے ہیں نہ کہ یہ ظاہری علما جو فقط رفت و بود جیسے الفاظ کے معانی جانتے ہیں۔ اور حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ان جاہلوں سے جو آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے معانی مطلقاً نہیں جانتے اور فقہی مسائل اور دینی عقائد اور شرعی آداب سے ناواقف ہوتے ہیں بدرجہا بہتر ہیں، ایسے جاہلوں کے لیے یہ عالم بھی انبیا کی مانند ہیں کہ انھیں شریعت کی حقیقت تک پہنچاتے ہیں۔ پس جو لوگ ظاہری اور باطنی علوم کے جامع ہوں اور حق تعالیٰ سے زبردست نسبت بھی رکھتے ہوں جن کا عرفان تیز اور کشفی قوت تند ہو جو قوی جذب حق کے مالک، شرعی آداب کے محافظ، پاک نفوس کے حامل، اخلاق الٰہیہ سے آراستہ اور اوصاف حمیدہ سے پیراستہ، مخفی اسرار و رموز کے کاشف، ملکی تائیدات سے تائید یافتہ، آشکار شواہد سے ثابت، اللہ تعالیٰ کی رحیمی اور رحمانی لطف و کرم کے مورد (مہبط۔ جائے ورود و نزول) حق تعالیٰ کے قرب اور قریبی معاملات سے شرفیاب، اور سچی بشارتوں کے دینے والے اور عالی مقامات پر فائز اور الہام ربانی سے ملہم تارک دنیا بھی ہوں ماسوی اللہ سے قطع تعلق بھی کیے ہوتے ہوں۔ اور محض اسی پر توکل رکھتے ہوں۔ حسب و نسب

Marfat.com

کے لحاظ سے عالی خاندان اور سادات بنی فاطمہ سے ہوں۔ وراثت کے لحاظ سے کسی مرشد کی اولاد ہوں اور عرفِ عام میں مشہور زمانہ بھی ہوں۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے دامن وجوب میں ان کے امکانی نقائص کو چھپا بھی لیا ہو۔ اور اُنھیں تمام آمیزشوں سے پاک کر کے خالص محمدیؐ بنا دیا ہو۔ اُمت کے تمام خواص و عوام کو ان کی طرف مائل ہونا چاہیے اور ان کا وسیلہ پکڑنا چاہیے۔ ان سے صفائی قلب حاصل کرنی چاہیے۔ ان کا ادب بجالانا چاہیے، ان سے محبت کرنی اور اُن سے عقیدت رکھنی چاہیے بلکہ ان سے استفادہ کرنا اور فیض حاصل کرنا ضروری و لازمی ہے۔ تاکہ قیامت کے دن انھیں حسرت اور پشیمانی نہ اُٹھانی پڑے۔ اللہ ہی کا قول حق ہے کہ وہی سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔ لیکن جس دور میں بھی ایسا عارف جس کی ذات ان تمام فضائل اور کمالات کی جامع ہو اور ایسا گرامی قدر انسان جو اس کے علم کا مظہر ہو جو علیم مطلق اور غیب و حاضر کا عالم ہے کہ ایسا عالم الغیب کہ جس نے اپنی اس صفت کی توصیف یوں کی ہو کہ اُس سے کوئی ذرہ بھر چیز نہ آسمانوں میں پوشیدہ ہے اور نہ زمین میں ایسا عزیز القدر انسان جو علم الٰہی کے انوار کا مظہر اور جلوہ گاہ ہو آئے دن پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ہر دور میں ایسی معرفت کا ایسا کامل محقق اور حقیقت و شریعت کا جامع پیدا ہوتا ہے۔ اگر قسمت اور نصیب یاوری کرے اور مشیتِ ایزدی مدد فرمائے اور کسی ایسے بزرگ کی خدمت میں پہنچا دے اور اس کی محبت اور عقیدت سے شرف یاب کر دے تو اُسے بہت بڑی سعادت سمجھنا چاہیے جو تمام سعادتوں کی سرتاج ہے۔ اس کی صحبت میں حفظ آداب و مراتب کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ جملہ عبادات اور اطاعات کا نچوڑ ہے۔ اور یہ سمجھنا چاہیے کہ انسان کی خوش بختی اسی میں ہے یعنی بزرگوں کے آداب بجالاتے میں ہے اور اکسیر اعظم بھی یہی ہے۔ یعنی ایسے برگزیدہ بندوں کی صحبت کو پالینا اور اگر ایسی صحبت میسّر نہ ہو اور کہیں ایسا کامل ترین شخص نظر نہ آئے جس سے استفادہ کیا جاسکے پس پھر اپنی ذاتی تربیت میں مصروف اور کوشاں رہنا چاہیے اور خود ہی اپنے اعمال اور اقوال کا محاسب بن کر اپنے احوال کی اصلاح کرنی چاہیے، اور مجاہدوں و مراقبوں میں تواتر و تسلسل پیدا کرنا چاہیے اور اس نیک روی سے منزل مقصود تک پہنچنا چاہیے۔ اگرچہ یہ راستہ بہت طویل اور دُور دراز کا ہے لیکن منزل کی جانب جانا ضرور ہے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے سے بہرحال بہتر ہے پس جو کچھ ظاہری عبادات، ریاضت یا تزکیۂ نفس سے متعلق ہے وہ مجاہدات کی قسم میں داخل ہے

Marfat.com

اور جو کچھ روحانی ذکر اذکار، اوراد و وظائف یا صفائے قلب سے متعلق ہے۔ وہ مراقبات کی جنس میں شامل ہے۔ دُنیا اور اہلِ دُنیا کو بڑی گہری نظر سے دیکھنا چاہیے یعنی جہان اہل جہان پر خوب غور و فکر اور تدبّر سے کام لیتے ہوئے دیدۂ عبرت نگاہ و آگہی سے دیکھنا چاہیے اور کسی طرف بھی یونہی فضول بیہودہ اور لغو طریق سے نہ دیکھنا چاہیے۔ جو کچھ اپنی طرف نہیں آرہا اُس سے دل اُٹھالو اور جو کچھ نہ آنا چاہیے اس سے ہاتھ کھینچ لو، اور اپنی تربیت پہ پوری ہمت صرف کرنی چاہیے۔ اور جب ارادہ کیا اللہ نے کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا تو بنا دیا اس کے لیے وعظ اس کے نفس ہی میں سے جو اُسے کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور کاموں سے روکتا ہے۔ اور دُنیا کے ہر فرد واحد سے استفادہ کرنا چاہیے۔ اور نا تربیت یافتگان سے تربیت پانی چاہیے۔ اور ادب بے ادبوں سے سیکھنا چاہیے۔ یہ کیسے؟ جیسے کہ مودّب اور تہذیب یافتہ لوگوں سے۔ پس طور اطوار اور اوضاع و احوال اور افعال و اقوال اور اخلاق میں سے جو جمہور کے اکابر، بزرگوں، صالحوں، عالموں، عاقلوں اور شریفوں کے نزدیک قابل تعریف، شائستہ اور خوب و مرغوب ہوں اختیار کرنے چاہئیں۔ اور ان امور میں سے جو مذکورہ بالا حضرات کے نزدیک مطعون اور ملعون ہوں۔ اور جو سہل انگار، لغو و لہو لعب کے متوالوں، بے دینوں، آوارہ اور کم ہمتوں کا شیوہ ہوں ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ؎

چشمی داری و عالمی در نظر ست   دیگر چہ معلم و کتابت باید

(تمھاری آنکھیں بھی ہیں اور دیکھنے کو سامنے سارا جہاں بھی ہے۔ تمھیں پھر اور کس استاد اور کتاب کی ضرورت ہے۔) یعنی تمھیں خدا نے عقل و ہوش کی بصیرت بھی دی ہے، اور مختلف وضع قطع کے لوگوں کا اک جہاں تیری آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہے تو پھر تجھے معلم کی کیا ضرورت؟ کہ اس سے کچھ سیکھے۔ اور کتاب کی کیا حاجت کہ اُسے پڑھ کر ہی کچھ معلوم کرو۔ تمام عالم اک کھلی کتاب ہے۔ تحقیقی نظر سے اس کا مطالعہ کر۔ ہر شخص تیرا استاد ہے۔ تربیت کا باب کھول اور اپنی اصلاح کی فکر کر، اور اپنی تربیت کی راہ پہ چل اور نوعِ انسانی کے مکمل اور کامل ترین افراد کی پیروی کر، اور وہی طریقہ اور وہی اسلوب اپنا جس پہ دین و اسلام کی اقتدا کرنے والے چلے اور جس پہ پچھلے بزرگ گامزن رہے۔ یعنی کہ طریق محمدیؐ اور شرعِ مصطفویؐ پہ قائم ہو جا کہ اخروی نجات اور دُنیاوی برکات کی راہ یہی ہے اور دُنیا و آخرت کی بھلائیاں اسی صورت سے حاصل ہوتی

Marfat.com

ہیں۔ شرع شریف کی مخالف سمت میں ہرگز نہ دیکھو اور طریق محمدی سے ہرگز تجاوز نہ کرو اور اپنی تکمیل کے کے حصول میں ہرگز کوتاہی نہ کرو، ان کمالات سے شرفیاب ہو جاؤ جنھیں محمدیوں نے کمال کہا ہے اور ان مقامات پر فائز ہو جاجنھیں محمدیوں نے مستحسن شمار کیا ہے تاکہ تو ان بشارتوں کو سن سکے، جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام قرآن پاک میں بشارت دی ہے۔ اور ان امور کے ڈراوے اور دھمکیوں سے محفوظ رہے جن کو قرآن مجید میں وعید کہا ہے۔ اچھی وہ بات ہے جو شرعاً اچھی ہو اور بُری وہ جو شرعاً قبیح ہو۔ اپنی قدر پہچان کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے محض اپنی خاص عنایت سے مخلص محمدی بنایا اور طریق محمدی کے فیض سے نوازا اپنے آپ کو غفلت ہی میں نہ ہانکتا چلا جا۔ وقت ضائع نہ کر، جہاں تک ہو سکے اس طریقے کے بزرگوں سے صحبت رکھ اور اس طریق محمدی کی لکھی ہوئی کتابوں کے امور کو یاد کر اور ان کے لکھے مطابق عمل کرنے پہ ہمت صرف کر اور عظیم نعمت کا شکر کر کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اُمتِ مرحومہ میں داخل فرمایا جس اُمت کو اُس نے بہترین اُمت کہا ہے اور ان میں تمھیں مخلص محمدی بنایا اور اس خاص نعمت سے نوازا، اگر تم اس سعادت سے محروم رہے یعنی مخلص محمدیوں کے زمرے میں شمار نہ ہو سکے یا خدانخواستہ خالص محمدیت سے منکر ہو جاؤ یا اس عالیشان و پختہ طریق کے شرف کے حصول کے باوجود اس کے کمالات حاصل کرنے سے خود کو روکے رکھو تو تُو حیوان سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ انسانیت عبارت ہے محمدیت سے، جو محمدی نہیں اور مومنوں میں داخل نہیں وہ گویا انسان ہی نہیں۔ اور درحقیقت حیوانات سے بھی بدتر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ یہی لوگ ہیں جو چوپایوں کی مانند بلکہ ان سے بھی بدتر (گمراہ تر) ہیں کیونکہ حیوان میں نہ عقلی قوت ہوتی ہے نہ انسانی نفس۔ اس کے پاس یہی حیوانی رُوح اور مادّی حواس ہوتے ہیں۔ انھی کے تقاضوں کے مطابق وہ دن رات اپنی پسندیدہ چیزوں کے حصول اور ناپسندیدہ چیزوں کے دفعیہ میں مشغول و مصروف رہتا ہے۔ حیوان پہ معقولات و کلّیات کی دریافت کی ذمہ داری نہیں کیونکہ وہ اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتا اور نہ ہی اسے اپنے اعمال اور اقوال کے متعلق پوچھ گچھ درپیش ہوگی۔ اور انسان جو نفس مجرّدہ (غیر مادی روح) کا مالک ہے۔ اور مادی حواس بھی رکھتا ہے۔ اور کلیات، جزئیات، معقولات اور محسوسات سبھی کا ادراک بھی کر سکتا ہے۔ اسے اپنے عملوں اور قولوں کا حساب درپیش ہوگا۔ دونوں جہان کے معاملات اس کے ذمے ہیں۔ اگر انسانی قدر کو نہ پہچانتے ہوئے اپنی عمر عزیز کے اوقات کو ضائع کرے تو یقیناً وہ حیوانات سے بدتر ہے کیونکہ

Marfat.com

حیوان تو جب تک زندہ ہے بس اسی وقت تک زندہ ہے، جب وہ مر گیا تو بس پھر بات ختم۔ لیکن انسان کے مرنے سے اس کی روح نہیں مرتی وہ زندہ رہتی ہے اور موت کے بعد اُٹھنا برحق اور انسان کے لیے عذاب و ثواب کے معاملات درپیش ہوں گے۔ مژدہ و بشارت ہے اس کے لیے جس نے نجات پائی اور وائے ہے اس پر جو ہلاکت کے گڑھے میں جا گرا۔ پس تجھے چاہیے کہ جس امر کے لیے تیری تخلیق کی گئی ہے اس کو انجام دے۔ اور نفس کو ودیعت کیے گئے کمالات کو پردۂ اخفا سے منصۂ ظہور (شہود) پہ لا۔ اور از روئے قوت خدارسی، حق شناسی اور قرب الٰہی کی جو اہلیت تجھ میں ہے اور تیری حقیقت میں ودیعت کی گئی ہے اُسے عمل میں لا کر اور مقام محمود حاصل کر کے مقبول ہو جا اور کسی وقت بلکہ کسی لمحے بھی بیکار نہ بیٹھ اور ظاہری اور باطنی طور پہ اللہ ہی کی طرف متوجہ رہ۔ اگر نفس انسانی میں یہ اہلیت اور صلاحیت نہ ہوتی یعنی ہر انسانی فرد کا نفس یعنی اس کی روح اپنی استعداد کے مطابق قرب الٰہی کے لائق نہ ہوتی تو کائنات کا وہ افضل ترین انسان (ان پہ خدا کا درود و سلام ہو) جسے مبعوث ہی وصال حق کی راہ دکھانے کے لیے کیا گیا تو وہ صلائے (دعوت) عام نہ دیتے اور نہ سبھی عوام النّاس کو حق کی طرف بلاتے۔ پس ہمت بلند رکھ اور پست فطرتی سے مایوس نہ ہو۔ اور یہ خیالات پاس نہ پھٹکنے دے کہ ہم تو خدارسی کے قابل ہی نہیں۔ ہم تو درجۂ کمال تک پہنچ ہی نہیں سکتے، ہم ناکارہ انسان ہیں۔ ہم نکموں سے ایسے عمدہ و اہم کام کیسے سرانجام ہو سکتے ہیں۔ دراصل یہ سب شیطانی وسوسے ہیں۔ جو شیطان بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے کہ راہِ ہدایت سے بھٹک جائیں۔ اسی لیے تو خداوندِ کریم نے فرمایا ہے کہ شیطانی نقشِ قدم پہ مت چلو۔ پس ایسے خیالات آئیں تو اعوذ باللہ اور لاحول ولا قوۃ اور ساری سورۃ والنّاس پڑھنی چاہیے۔ اللہ کی طرف رجوع کر کے اس خصوصیت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے جو بندوں کو اپنے رب سے ہے اور جس کا اس سورۂ والنّاس میں ذکر ہے قبولیتِ حق کا اُمیدوار بن کر طلب و جستجو میں سرگرم عمل ہو جانا چاہیے۔ اور دائمی طور پہ ذکر و فکر اور مشاہدہ اور عبادت میں مشغول ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ رحم کرنے والے رب کو اپنے ہر بندے پہ اک خصوصی عنایت ہے۔ ہو سکتا ہے تم پہ اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے اور تجھے تیرا مقصد حاصل ہو جائے۔ کسی حال میں بھی اپنے آپ کو خدارسیدہ بندوں میں سے مت سمجھ کیونکہ یہ خیال بھی ترقی کی راہ کی اک رکاوٹ ہے۔ اور اکثر سالکوں کے دل میں

Marfat.com

یہ خیال پیدا ہو کر ان کی ترقی کو روک دیتا ہے۔ اس امر سے رُوح میں ایک ٹھہراؤ آجاتا ہے اور انسان اپنی اسی موجودہ حالت پر راضی ہو کر عالی مرتبوں سے محروم رہ جاتا ہے حالانکہ قرب کے معاملات کی بھی انتہا نہیں، کیونکہ کمالاتِ الٰہیہ بھی لامتناہی ہیں ان کی کوئی حد اور انتہا نہیں ۔ اور انسانی حقیقت کمالاتِ الٰہیہ کی مظہر ہے اور ان تمام کمالات کی خواہاں ہوتی ہے۔ پس نہ کمالاتِ الٰہیہ تمام وختم ہوتے میں آتے ہیں کہ وہ بے انتہا ہیں اور نہ ہی اس کا یعنی حقیقتِ انسانی کے شوق کا کوئی انجام یا حد ہے۔ کیونکہ وہ وسعتِ الٰہیہ کا مظہر ہے۔ پس سالک جب تک زندہ رہتا ہے اس کا یہ راہِ شوق ختم نہیں ہوتا۔ وہ ہر روز رو بہ ترقی ہوتا ہے۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ فلاں نے سلوک کی منزل طے کر لی۔ یہ اصطلاحی سلوک کے اعتبار سے طےِ سلوک ہے۔ یہ اصطلاح لوگوں نے وضع کر رکھی ہے۔ حالانکہ وہ چند کاموں کے نکلنے، چند ذکر اذکار، چند حالات وکیفیات کے طاری ہوتے اور چند مقامات ودرجات کے طے کرنے کے سوا اور کچھ نہیں، اور جس سلوک کی ہم بات کر رہے ہیں وہ سلوک حقیقی کے لحاظ سے ہے۔ اور قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ کہ اپنے رب کی عبادت کرتے رہو حتیٰ کہ تمھیں موت آجائے، اسی امر کی خبر دیتی ہے۔ اور لفظ یقین سے مراد موت ہے اور عبادت کے لفظ سے مراد بندے کا مرتبۂ الوہیت کے قرب کے سلسلے میں مقامات کو طے کرتا ہے۔ بلکہ یہ سلوک تو موت کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا۔ اس دُنیا والا سلوک تو موت کے ساتھ ختم ہو گیا اور عاقبت کا سلوک ابدالاباد تک جاری رہتا ہے۔ اور حضرت انسان جس کی شان بلند ہے۔ اس کی عنایت خداوندی سے امیدواری کی کوئی انتہا نہیں، قصۃ العشق لا انفصام لہا۔ (عشق کا قصہ جو ہے اس میں ختم ہونا نہیں ہے)۔ قصہ کوتاہ اگر تو اللہ کے ساتھ نسبت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو حق تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی صحبت میں حاضر رہ۔ اور ان کی طرف مکمل رجوع کر کے وسائل الٰہیہ پیدا کر اور ایسے بزرگوں کی ارواح سے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے تک پہنچانے کا واسطہ بنا لیا ہے وسیلہ پکڑ۔ ہو سکے تو ان کی قبروں کی زیارت کو اپنے لیے لازم بنا لے۔ اور ان کے کلام کا اکثر و بیشتر مطالعہ کرتا رہ۔ اور ان سے مدد و معاونت طلب کر، اور اُن سے نصرت و مدد کی التجا کر۔ کیونکہ وہ ملتِ اسلامیہ اور دینِ محمدی کے ممد ومعاون ہیں۔ اور ہمہ اوقات اسی مدد ومعاونت میں لگے رہتے ہیں۔ ان سے التجا و استدعا کر۔ اور اثر و تاثیر کے لحاظ سے اس قوی اور آزمودہ مناجات کو اپنا ورد بنا، کہ اے نون مدد کم اللہ ناصر کی مدد

Marfat.com

کے ساتھ ۔ کہ جب تک تم متحیر (حیران) ہو جاؤ معاملات میں تو مدد چاہو اہلِ قبور سے، یہ ایسے ہی عالی جناب لوگوں پہ دلالت کرتی ہے ۔ اور حق تعالیٰ کا فیض اور بزرگوں کی ارواح سے استفادے کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا ۔ دیکھئے یہ آیات کہ ہرگز گمان نہ کرو ان لوگوں کے بارے میں جو مارے گئے اللہ کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں ۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق دیے جاتے ہیں ۔ خوش ہیں اس پہ جو اللہ نے اُنھیں دیا ہے اپنے فضل سے یعنی وہ لوگ کہ جن کے نفوس کو ذبح کر دیا گیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور دفن کر دی گئی ان سے انانیتِ موہومہ ۔ وہ نہیں ہوتے حیوانی موت کے ساتھ مردہ بلکہ ان کے احکام زندوں کے احکام کی طرح ہیں ۔ احیا کی امداد اور نصرت میں اور وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں اور رزق دیے جاتے ہیں وجود موہوب حقانی کے رزق سے اور یہ ہے بقاباللہ ۔ ان لوگوں کے حق میں جو اس بات پہ خوش ہوتے ہیں جو اللہ اُنھیں دیتا ہے اپنے فضل میں سے، اور بیشک اللہ کے اولیا وفات نہیں پاتے ۔ پس بزرگوں کی ارواح کی مدد امداد مخلص بندوں کے ہر وقت شامل حال رہتی ہے ۔ اور ہر موجود فیضِ خداوندی کے لیے قابلِ قبول ہے ۔ یعنی افراد انسانی میں سے ہر موجود شخص حق تعالیٰ کی ہدایت کے فیض کے لیے قبولیت کے لائق ہے ۔ جس طرح فیض وجودی کے قبول کو ایجادی مظاہر کی وساطت سے کیا ہے ۔ اسی طرح یہ بھی روا ہے کہ مظاہر ہدایت کے توسّط سے ہدایت کے فیض کو بھی قبول کرے اور اُسے عالم ارواح سے مدد ملتی رہے ۔ اکابرینِ سلف میں سے بہت سوں نے اویسی طریق سے پہلے بزرگوں کی ارواحِ جلیلہ سے تربیت پائی ۔ ہرچند کہ اللہ تعالیٰ کی عادت اور اُس کی سُنت یہی ہے کہ زندہ ہی زندہ سے فیض حاصل کرتا ہے اور عالم ارواح سے مناسبت پیدا کرنے کے بعد روحوں سے فیض حاصل کرنے کی اہلیت اور صلاحیت بھی بہم پہنچا دیتا ہے ۔ لیکن اگر کوئی آدمی کسی کاملِ حق کی رُوح سے زبردست توسّط، پختہ عقیدہ اور مکمل توجہ رکھتا ہو ۔ اور خود بھی اپنے اندر ذاتی استعداد کا ظہور حاصل ہو ۔ تو ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ شخص کی وساطت کے بغیر فقط روح ہی سے فیض پا لے ۔ کیونکہ اس سے پہلے ایسے معاملات وقوع پذیر ہو چکے ہیں ۔ یہ امر محال نہیں گو کہ شاذ و نادر ضرور ہے ۔ خاص طور پہ وہ اولیا جو صاحبِ کتاب بھی ہوں ۔ ان سے ایسے معاملے کا وقوع پذیر ہوتا نہ تو بعید ہے اور نہ ہی تعجب انگیز ۔ چونکہ یہ تو اکثر و بیشتر دیکھنے میں آیا ہے اور یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ قیامت تک بڑے شدّومد کے ساتھ جاری رہے گا ۔ یعنی ان کی محبت کا

Marfat.com

فیض دائمی اور مستقل ہے۔ وہ ہر کسی سے ہم کلام ہیں اور ان کے نہ ختم ہونے والے کلام سے دائمی فیض جاری ہے۔ ان کے ملفوظات کو رقم کرنے والی قلموں کی زبانیں ناطق ہیں۔ اور بلاشبہ قیامت تک ان کے وہ آثار خیر یعنی تصنیفات خدائے علیم و علام کے نشان اور مخبر صادق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہیں۔ ان کے ارشادات سراپا ایمان افروز، یقین افزا اور ہدایت کے راہنما ہیں۔ ان کی تائید اور امداد ہر وقت سکون بخش اور اطمینان افزا ہوتی ہے۔ جو کچھ چاہیے اور جو کچھ شائستہ ہے اور جو کچھ دُنیا و آخرت دونوں میں کار آمد ہے اور تمام احوال میں اصلاح حال کرنے والا ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عنایت اور رسول مقبول صلعم کی ہدایت سے ان کی حقیقت کا کما حقہٗ انکشاف اپنی تصنیفات میں کر دیا ہوا ہے۔ طرز تحریر ان کا فصیح و بلیغ اور شیوۂ بیان احسن و دلنشین۔ وہ (ان پر خدا کی سلامتی ہو) زندگی اور موت دونوں میں حاضر و ناظر ہیں۔ اور ہر فرد واحد کے حامی و محافظ ہیں۔ اور ہمیشہ تمام امور میں ہر کسی کی داد فریاد سننے والے ہیں جیسے کہ ہم اس پُر نور با دستور حضور سے ہم اتنا عرصہ اور زمانہ گزارنے کے بعد بھی بغیر کسی سستی اور خرابی کے دیکھتے آرہے ہیں کہ ضرورت کے وقت جس کسی محب یا مخلص نے جس امر کے دریافت کرنے کے سلسلے میں فال نکالنے کو وسیلہ بنایا اور پورے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی عمدہ ترین تالیف یعنی نالۂ عندلیب (خدا حفاظت کرے اور اُس کے فیوض و برکات جاری رہیں) سے فال لیا۔ اُسے ایسا شافی کافی اور مفصّل جواب آیا جو اس کے دل کی تسلّی و تشفی کا باعث بنا۔ ہر بار ایسی یادگار قسم کا معاملہ پیش آیا جو لکھنے اور سنانے کے قابل ہے۔ کسی زندہ انسان کو اتنی قدرت اور طاقت نہیں کہ اپنے روبرُو سوالی کے سوال کو سُن کر ایسا جواب باصواب دے جو اس سلسلے کے شروع سے اخیر تک کو احاطہ کرے۔ اور اصل مطالب کے عین مطابق و موافق ہو اور اس سے ازمنۂ ثلاثہ (ماضی حال و مستقبل) کے احوال سرانجام ہو سکیں۔ اور استغنا کرنے والے فال گیر کے دل کو سکون و طمانیت بخشے۔ حق بات تو یہ ہے کہ اولیائے کرام کی کرامات برحق ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تحدیث (تذکرہ) کے طور پر ہیں اور ادا کرنے کے لیے شکر اللہ کی کرامت اور احسان کا کہ جس کی دلیل بڑی واضح ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کرامت مآب سرکار کے طفیل سے ہے کہ اس عمدہ کتاب نالۂ عندلیب کے دامن تلے رحمت و قبولیت باری تعالیٰ مجھ بندۂ ناتواں اور مجھ ناچیز کی تصانیف

Marfat.com

کے شامل حال رہی۔ اور میری یہ تصنیف علم الکتاب بھی احباب کے لیے ان تمام ابواب کا افتتاح کرتی ہے اور دوستوں کے لیے اس کے ہر باب کی وضاحت وصراحت کرتی ہے۔ اور اُس خدائے علیم وخبیر کی قدرت وطاقت سے ویسی فالیں اس کتاب سے بھی نکلتی ہیں، اور دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں کہ ایسے موقع محل کی بات تو ہم قصد کر کے بھی ہزار تلاش وجستجو کے باوجود ساری کتاب سے نہیں نکال سکتے تھے۔ بہرکیف قارئین کرام ان تازہ تصانیف سے جو سراسر آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ کے اسرار ورموز کا انکشاف کرنے والی ہیں کے مطالعے سے لاانتہا فیوض وبرکات اور لامتناہی قرب ومعیت کے درجات کی ترقی حاصل کرتے ہیں اور اس کی درس وتدریس سے کمالات اور مفصل مقامات کے فوائد کے حصول کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ اس علم الکتاب کے لکھتے وقت جب کہ کتاب قریب الاختتام تھی مجھے بار بار میرے روحانی معاملات کا آئینہ دکھایا گیا۔ اور بار بار واضح طور پر اس کی تبلیغ اور اسے لکھنے کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کے پڑھنے سے صاحب یقین لوگوں کے دل یوں کھل اٹھیں گے کہ اس کے مطالعے کے فیض سے ستّر ہزار کامل ولی اللہ بن جائیں گے اور اک دُنیا کو اللہ کی معیت کی نسبت اور اس تک رسائی کی راہ مل جائے گی۔ اور لوگوں کو حقیقت آشنا دل اور معرفت کے شناسا قلب نصیب ہوں گے۔ اور وہ ایمان کی حقیقت اور یقین وعرفان کی ماہیت کو پالیں گے۔ اور اویسی طریق سے خالص محمدیؐت کے فیض سے فیضیاب ہوں گے۔ اس امام عالی مقام اور ہر خاص وعام کے پیشوا نے اپنے کلام کو سنت اور روش یعنی اس ہادی و دانا حبیب یعنی تعریف وتوصیف سے بالاتر کتاب نالۂ عندلیب کے مصنف نے اس قسم کے بے شمار امور امت محمدیہؐ کی ہدایت وتربیت کے لیے ودیعت وعنایت فرمائے اور دیگر بھی بہت سے ظاہری فیوض اور باطنی برکات، جلی تائیدات اور قوی تاثیرات سے نوازا، جو ساری خلقت کے لیے صلائے عام اور منفعت بخش ہیں۔ الغرض جب لگاتار تین بار اس سلسلے میں حکم ہوا کہ اس الہام شدہ مخفی بشارت کو لکھ تو اس بندۂ ناچیز نے ان کے ارشاد کے اتباع اور اُن کے حکم کو مانتے ہوئے ان امور کو لکھا اور کتاب میں شامل کر لیا۔ اور میں نے نہیں کیا اُسے اپنے حکم سے۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے، اور اس دن بھی امر اللہ ہی کا ہوگا۔ کرتا ہے جو چاہتا ہے اور حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر جو ہم کہتے ہیں نگران ہے اور وہ رہبر ورہنما ہے اور اللہ تعالیٰ حق

Marfat.com

کہتا ہے اور راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ پس اسے بعد میں آنے والے متلاشی سالک اور اکابر و بزرگانِ سلف سے فیض کے متمنی اس حقیقت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کبھی مایوس نہ ہونا چاہیے اور بزرگوں کی بارگاہوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ تم پر بھی راہ کھول دیں جس سے تو اپنی تربیت آپ ہی کر سکے۔ اور اپنی گرہوں کو آپ ہی کھول سکے۔ اور اپنے شکوک و شبہات اور تردّدات کو دُور کر سکے۔ اپنے قلب کی اوٹ سے غیبی الہامات سُن سکے۔ اور یوں آپ ہی اپنے دلی اطمینان اور ذہنی سکون کا باعث بن جائے۔ اور خود بخود ذاتِ حق کے مشاہدے و حضوری کی کیفیت سے مسرور ہو جائے۔ لیکن جن بزرگوں کی ارواح کے توسط سے یہ معاملات درمیان میں آئیں اور یہ راہیں کھُلیں ان کے کلام کا ہمیشہ مطالعہ کرتا رہ۔ اور ان کے فرمودات اور ملفوظات کی روشنی میں اپنے حال و قال اور بصارت و بصیرت کو ان کے موافق و مطابق بنا۔ اور ان کی رضا کے ترازو میں اُنھیں تول تاکہ تجھ پہ فیض کے مزید دروازے بھی کھول دیں۔ اور تجھے سیدھی راہ دکھا دیں تاکہ تو آگے بڑھنے کی ذلّت سے بچ جائے اور کشفی غلطیوں، دیگر نفسانی اور شیطانی مکر فریبوں اور فاسد خیالوں اور گمانوں اور باطل وہموں سے محفوظ رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ جو لوگ ہماری راہ میں مشقّتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب و ثواب) یعنی جنت کے رستے ضرور دکھا دیں گے۔ جب تم اللہ کی راہ پر چلنے والے ان مجاہدوں کے کہے بموجب عمل کرو گے تو یقیناً تم انہی مجاہدوں کے زمرے میں داخل ہو جاؤ گے۔ جو انکشافات ان پر ہوئے لازمی طور پر ان میں سے کچھ نہ کچھ تم پر بھی منکشف کر دیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیک بندوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ رباعی:

اے کردہ خراب فکر چون و چندت
آوردہ ہوا و حرص اندر بندت
ہموارہ ہمواری خود کوشش کن
غیر از تو کسے نیست کہ گوید پندت

ترجمہ رباعی: اے کہ تجھے چون و چند کے فکر نے خراب حال کر دیا، اور ہوا و ہوس تجھے اپنے پھندے میں لے آئی۔ اپنی اصلاح اور درستی کی ہمیشہ آپ ہی کوشش کر۔ تیرے سوا اور کوئی نہیں

Marfat.com

جو تجھے پند و نصیحت دے سکے۔ (اب مصنف کی اپنی وضاحت دیکھئے کہ شاعر عوام کو مخاطب کرتے ہوئے ہر کسی کو کہتا ہے کہ) اے کہ تجھے چون وچند، نے فکر و اندیشہ نے خراب کر رکھا ہے مراد اس سے یہ ہے کہ محسوسات کی گرفتاری نے تجھے تباہ کر رکھا ہے۔ چون وچند مقولہ ہے کیف و کم یہ جسم و جسمانی اعراض سے ہے۔ ہوا و ہوس نے تجھے اپنے پھندے میں یوں پھانس لیا ہے کہ تو دنیاوی امور اور نفسانی خواہشات کے طلب کے اس جال سے رہائی نہیں پا سکتا۔ اور ہمیشہ انہی باتوں کی طلب و جستجو میں لگے رہتے ہو۔ آخر مرنا ہے اور اس سرائے فانی سے رخت سفر باندھنا ہے، لہذا ہمیشہ اپنی اصلاح و درستی کے لیے کسی قسم کی سستی و کوتاہی کے بغیر مسلسل و متواتر خود ہی کوشش کرتا رہ اور اپنے قلب کا تصفیہ اور نفس کا تزکیہ کر کیونکہ تجھے نصیحت کرنے والا تیرے سوا اور کوئی نہیں، کیونکہ کسی کی نصیحت دوسرے پہ جب تک کہ اس کا دل پہلے ہی اس کار خیر کی طرف مائل نہ ہو اثر انداز نہیں ہوتی۔ جب دل ہدایت کی طرف مائل ہو جائے تو نصیحت کو قبول کرتا ہے ورنہ نہیں۔ پس تیرے سوا اور کوئی نہیں جو تجھے نصیحت کرے اور ساری توفیق اللہ ہی کی ہے ۞

Marfat.com

ھوالناصر

شروع اللہ کے نام جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو عزت و عظمت والا ہے، جو ہے ملک، ملکوت، عزت، عظمت، ہیبت، قدرت، کبریائی اور جبروت والا۔ پاک ہے بادشاہ ہمیشہ زندہ رہنے والا، جو کہ نہ سوتا ہے نہ اُسے موت آتی ہے۔ پاکیزہ ہے اور پاک ہے۔ ہمارا رب ہے اور فرشتوں اور روح القدس کا رب ہے۔ اور درود و سلام اُس کے بندے اور رسولؐ اور حبیب اور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو بے نیاز ہے ہر قسم کی تعریف سے، اور آپؐ کی آلؓ پر اور اصحابؓ پر۔ برابر فیض ان کا جاری ہے کہ نہیں فوت ہوتا ان کی طفیل جو فیض اللہ نے ہمیں پہنچایا برکات اور فتوح کا۔ اما بعد پس یہ اکترواں ۷۱ باب ہے جو تذکرے سے موسوم ہے۔ بیشک یہ تذکرہ ہے پس جو چاہے لے لے اپنے رب کی طرف راستہ۔ اگر مراد لی گئی ہے تذکرے سے اسم فاعل کی تو پھر تذکرہ سے مُراد مذکر (ذکر کرنے والا) ہے اسم فاعل کے صیغے پر۔ پس پھر اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ یاد دلانے والا ہے ان اُمور کی جو کہ خالص بھلائی ہیں اور مفید نصیحتیں ہیں، جو ہدایت دیتی ہیں سیدھے راستے کی۔ پس جو چاہے اس کو یاد کرلے۔ بیشک یہ ذکر ہے تمام جہانوں کے لیے۔ اگر مصدر سے مُراد اسم مفعول لیا گیا ہے۔ پس مراد تذکرے سے مُذکَّر ہے صیغۂ مفعول پہ ہے۔ پس اس کے معنی یہ ہیں کہ اس مقام پر وہ مقامات مذکور ہیں جو کہ حقیقت کو کھولنے والے ہیں۔

Marfat.com

اور پہنچانے والے ہیں ہدایت کی طرف اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقلمند لوگ، اور یہ ذاکرین کے لیے ذکر ہے (نصیحت) اور اگر مراد لیا جائے مصدر سے مصدری معنی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مشاراً الیہ اپنے نفس کی حد میں تذکرہ ہے اور اپنی ذات کے ساتھ خالص بھلائی ہے اور خالص ہدایت ہے تمام کی تمام اور سیدھا راستہ ہے جس سے ہدایت پاتا ہے کوئی شخص یا نہیں پاتا اور نہیں کم کرتا اس کی حقیقت میں کسی کا انکار اور نہ کسی کا اقرار اس کو صداقت میں بڑھاتا ہے۔ بیشک یہ مستغنی ہے اپنے نفس میں بلندی اور پستی سے۔ قبولیت یا تردید سے۔ بلکہ یہ وارد ہے اللہ کی جانب سے جو ولی اور مددگار ہے۔ اے اللہ ہم تیری وجہ سے ہی زندہ رہتے ہیں اور تیری وجہ سے ہی فوت ہوتے ہیں اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے۔ اے خالص محمدؐ تو تم پر اللہ کی سلامتی اور رحمت اور برکات ہوں۔ ڈرو اپنے رب سے اور عبادت کرو اس کی۔ بیشک چھوٹی ساعت اور بڑی ساعت دونوں کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے اور اس دن دودھ پلانے والی عورت دودھ پلائے گئے سے غافل ہوگی اور ہر حاملہ اپنا حمل گرادے گی، اور ہو جائیں گے لوگ مدہوش لوگوں کی طرح اور وہ اصلاً مدہوش نہیں ہوں گے۔ بلکہ اللہ کا عذاب ہی اس دن مشرکین اور منافقین کے لیے بہت سخت ہوگا۔ بیشک قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں اور نہیں جانتا اس کے وقت کو مگر اللہ ہی۔ اور جو کوئی انکار کرتا ہے قیامت سے وہ بڑی دُور کی گمراہی میں ہے۔ قیامت قریب آگئی، وہ قیامت کہ نہیں ہوگی اس میں کوئی خرید و فروخت اور نہ کوئی دوستی، اور ہوگی بادشاہی اس دن ایک اللہ کی جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ اور قریب آگیا لوگوں کے لیے وہ زمانہ کہ جس میں اُن سے اُن کے حساب کے بارے میں پوچھا جائے گا اور لوگ غفلت میں سرگرداں ہیں۔ اگر آتا ہے ان کے پاس کوئی ذکر ان کے رب کی طرف سے نیا اور کوئی ایسا بیان آتا ہے جو نئے نہج پر ہوتا ہے تو وہ نہیں اُسے سنتے مگر غافل دل کے ساتھ اور وہ کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو بس بشر ہی ہے تمھارے جیسا۔ اسے اللہ نے اپنے پاس سے کوئی علم نہیں سکھایا بلکہ اس نے افترا پردازی کی ہے۔ بلکہ یہ تو شاعر ہے اور وہ اپنے رب کی آیات سے روگردانی کرتے ہیں اور قریب آگیا سچا وعدہ۔ پس وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے دیدے پھٹے کے پھٹے رہ جائیں گے۔ کہیں گے ہائے ہمارا ستیاناس ہم تو

Marfat.com

غفلت ہی میں تھے اس سے، بلکہ ہم تو ظالم تھے۔

موت و فنا کی یاد اور ماسوای کے خیالات کے ترک کا باب

یاد اور ذکر کرنے کی قسمیں تو بہت ہیں لیکن اس گروہ کی تمام میں سے سات قسمیں بمنزلہ اصول کے ہیں اور باقی قسمیں جزوی ہیں جو ان کی شاخوں کی مانند ہیں جو اسی گروہ میں داخل اور شمار ہوتی ہیں۔ پس ان میں سے ہر ایک کا اس کی شاخوں سمیت بیان کیا جاتا ہے۔ اور حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہر اکائی کو دو دو ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ پہلی قسم حضوری اور نفسی یاد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر نفس میں تخلیق فرمائی ہے اور نفس کے ساتھ فطرت اولی میں تخلیق ہوئی۔ یہ کمی یا بیشی کو قبول نہیں کرتی۔ جیسا کہ ہر شخص، ہر وقت اپنے آپ کو یاد رکھتا ہے اور یہ علم حضوری کسی انسان سے زائل نہیں ہوتا حتیٰ کہ خواب، مستی اور مدہوشی کے عالم میں بھی یہ نفس کو نہیں چھوڑتا۔ اور یہ علم اور یادداشت حق تعالیٰ کے ذاتی علم کے مرتبے کا سایہ ہے جو عین ذات ہے۔ جب یہ مخلوقات کے مظاہر پر پرتو ڈالتا ہے۔ اُنھیں اپنی ہستی کا علم ہو جاتا ہے۔ اور اس نفسی و حضوری یاد کی شاخوں میں سے اپنی ہستی کے علم کا ہوتا ہے۔ اور ذکر کی یادداشت جیسے ہوش، افاقہ، اپنی خودی کا ادراک کہتے ہیں۔ اس یاد کی دو قسمیں ہیں مختصر اور مفصّل۔ مختصر صرف و فقط علم ذات کا علم ہے اور مفصّل اپنے اسما اور صفات کا علم ہے۔ اور یہ یاد جو علم العلم ہے اس کا تعلق علمِ حصول سے ہے اور یہ حق تعالیٰ کے صفاتی علم کے مرتبے کا سایہ ہے جو ذات پر زاید ہے۔ جب وہ موجودات کے ان مظاہر پر پرتو ڈالتا ہے اُنھیں اپنے علم کا اور اپنے دیگر اوصاف کا علم ہو جاتا ہے اور دوسری قسم حُبّی اور میلی یاد ہے جو طبیعت کے رجحان اور رغبت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کی بھی آگے دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ شروع ہی سے طبیعت میں ودیعت کی گئی ہوتی ہے جیسے طبیعت کا رجحان اور اُس کی محبت، طبعی لذائذ اور نفسانی مرغوبات کی طرف ہوتا ہے۔ اور کلیہ کی رُو سے یہ یاد جو ذکر طبعی ہے یا پھر جزئی اعتبار سے طبیعت میں نئے سرے سے پیدا ہوتی ہے اور کمی بیشی کو قبول کرتی ہے اور زائل بھی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ کسی انسان کو کسی چیز کی خواہش و رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور اُس کے حاصل کرنے کا شوق اس اس یاد کا محرک بن جاتا ہے، اور یا کسی شخص کو کسی جزوی چیز سے محبت اور الفت ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

اور یہ محبت اُسے ہر وقت اس کی یاد دلاتی رہتی ہے ۔ اس حُبّی اور میلی یاد کی شاخیں مراتب کے فرق کے لحاظ سے مندرجہ ذیل ہیں ۔ اگر تو وہ قوی ترین ہے تو وہ یاد عشقی ہے ۔ اگر محض قوی ہے تو شوقی اور اشتیاقی یاد ہے ، اور کمزور سی ہے تو ہوسی یاد ہے ۔ اگر وہ فرحت کی خاطر ہے تو فرحی یاد ہے ۔ اور اگر وہ آخرت کے نفع کے لیے ہے اور فضل و کمال کے حصول کے لیے ہے تو نفعی یاد ۔ اگر دُنیا کے حصول کے لیے ہے تو طمعی یاد ہے ۔ اور اگر نفسی لذّت کے لیے ہے تو لذّتی یاد ہے ۔ اور اگر حسّی لذّت کے لیے ہے تو شہوتی یاد ہے ۔ اور اگر طبعی رغبت سے ہے تو رغبتی یاد ہے اور اگر کسی توقع یا اُمید کی غرض سے ہے تو انتظاری یاد ہے ۔ اور اگر جریانِ حال کے لیے ہے تو ذوقی یاد ہے ۔ یاد کی تیسری قسم مکروہی و فراری ہے جو طبعی کراہت اور فرار سے پیدا ہوتی ہے جیسے ناپسندیدہ اور نفرت انگیز امور ۔ ان امور سے کراہت اور طبیعت کے اُن سے فرار اور پھر ان کو رفع دفع کرنے کے قصد کی بنا پر یہ ذہن میں آتی ہے ، اور یہ یاد ذہنی انتشار اور دلی پریشانی و بدمزگی کا موجب بنتی ہے ۔ اس کی بھی بہت سی شاخیں ہیں ۔ پس اگر اس میں غضبی قوت کی شراکت ہے تو یہ بغضی یاد ہے اور مغضوب الیہ کو ضرر پہنچانے کے لیے ہے تو عنادی یاد ہے ۔ اگر غضبی قوت اور ضرر رسانی کے ارادے کے بغیر ہے تو یاد خلافی ہے اور اگر طبعاً انحراف کی راہ سے ہے تو طبعی فراری یاد ہے ۔ اگر یہ فرار سمیت ہے تو رہتی یاد ہے ۔ اور کراہت سمیت ہے تو نفرتی یاد ہے اور اگر ضرر سے بچنے کے لیے ہے تو ضرری یاد ہے ۔ اور اگر خوف کی حالت سمیت ہے تو خوفی یاد ہے ۔ اور اگر غم و حزن سمیت ہے تو حزنی یاد ہے اور اگر مطلوب کے نہ ملنے سے ہے تو تاسّفی یاد ہے ۔ اور اگر حواسِ باطنی اسے مکروہ سمجھیں تو وہ یاد تلہفی (اندوہناک) ہے ۔ چوتھی قسم تصوّری اور تذکری ہے جو فقط کسی چیز کے تصوّر یا کسی امر کے ذکر سے متعلق ہو بغیر کسی حکمی نسبت یا خارجی اسباب و وجوہ کے ۔ اس کی شاخیں کم ہیں ۔ اگر ارادۃً ہو تو قصدی یاد ہے ، اور بلا ارادہ ہو تو اتفاقی یاد ہے ۔ اگر زبان سے ذکر کیا جائے تو لسانی (زبانی) یاد ہے جیسے کہ تم کسی آدمی کا بلا وجہ ہی زبان سے ذکر کرتے جاؤ ۔ اور اگر یہ دل میں ہے تو یہ حدیثِ نفس یا دلی خیالات میں داخل ہے اور یہ اجمالی یاد ہوتی ہے ۔ پانچویں قسم ہے تصدیقی اور تفکری یاد یعنی حکم کے ساتھ ہوتی ہے ۔ اور یہ احکام کے قبول کرنے یا رد کرنے اور پھر ان کی بنا پر نکلنے والے نتیجوں یا ثمرات سے

Marfat.com

متعلق ہوتی ہے۔ یہ یاد تفصیلی ہے۔ اس کی شاخوں میں سے ہے، یاد ایمانی جو احکام الٰی یا احادیث نبویؐ کی بنا پر صاحب ایمان سچے مومنوں اور محکم یقین والوں کو ہوتی ہے۔ ایک عقلی یاد اس کی تصدیق عقل کے حکم سے کی جاتی ہے۔ ایک علمی یاد جس میں علمی قوت کی بنا پر غور و خوض کیا جاتا ہے۔ ایک وہمی یاد جو وہم کی دلالت سے پیدا ہوتی ہے۔ خیالی یاد جو قوتِ خیال سے صورت پذیر ہوتی ہے۔ حفظی یاد جو قوت حافظہ میں محفوظ رہتی ہے۔ ظنی یاد جو ظن و گمان سے پیدا ہوتی ہے۔ یاد کی یہ قسم باطنی قوا سے تعلق رکھتی ہے۔ چھٹی قسم تفریحی و تحریکی یاد ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس یاد کی تقریب اور اس کا محرک خارج سے ہوتا ہے۔ خواہ اس شخص کے ظاہری حواس اس کا موجب ہوں۔ خواہ دوسری تقریبات و مناسبات یہ جو اشیا کی یاد دہانی کرانے والی ہوں۔ اس کی شاخیں یوں ہیں۔ اگر تو صرف کسی حس کرنے والی قوت سے ہو تو یہ حسّی یاد ہے۔ اور اگر الفاظ کی دلالت کے باعث ہو۔ پس اگر وہ لوازم سے ہیں تو التزامی (لازمی) یاد ہے اور اگر تضمن سے ہے تو تضمنی یاد ہے۔ اگر مطابقت کے ساتھ ہے تو مطابقتی یاد، اور اگر دیگر دلالتوں کی شرکت سے ہے جیسے دوال اربعہ وغیرہ تو یہ دلالتی یاد ہے اور کنایات کے سبب سے ہے تو یاد کنایتی ہے۔ اور اگر اشارات کے سبب سے ہے تو اشارتی یاد ہے۔ اور اسی طرح اس کی بے شمار جزئیات ہیں۔ ساتویں ملکہ و عادت کی یاد ہے۔ یعنی جو عادت اور ملکہ سے حاصل کی جاتی ہے۔ اور نفس میں پختہ ہو کر عادت بن جاتی ہے۔ پس اس یاد یا ملکہ کی شاخوں میں ایک یاد مدامی ہے جو اکثر و بیشتر ہی رہتی ہے گویا دائمی یاد ہوتی ہے اور ایک دوامی یاد جو ذہن سے کبھی زائل ہوتی ہی نہیں۔ ایک کسبی یاد کہ اکتساب و سلوک کی راہ سے مہیّا ہوتی ہے ایک وہبی یاد جو جذب کی بدولت میسّر ہوتی ہے جو خداداد عطیہ ہے۔ یاد بالعادت کی شاخوں میں سے ایک یاد حالاتی ہے جو حالات سے متعلق ہو، ایک یاد اوقاتی جو اوقات سے متعلق ہو، اور یاد استعمالی جو عملی استعمال سے متعلق ہو، ایک یاد زمانی جو کسی مخصوص زمانے سے متعلق ہو۔ ایک یاد مکانی جو کسی معین مکان سے متعلق ہو۔ یاد بالملکہ اور یاد بالعادت میں فرق یہ ہے کہ اگر تو بالکل زائل ہوتی ہی نہیں تو یاد بالملکہ ہے اور اگر زائل ہو سکتی ہو تو یاد بالعادت ہے۔ اب ہم اصل مطلب کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ موت کا یاد یا ذکر کرنا بہت مفید ہے۔ موت کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے لیکن اس امر کو یاد رکھنا چاہیے کہ تمہاری یاد موت کی ان مذکورہ بالا قسموں میں کونسی قسم سے ہے۔ اگر تو وہ

Marfat.com

کراہتی اور فراری ہے جیسے کہ یہ سب غافل لوگ موت کو اکثر کراہت یا گریز یا فرار کی نسبت سے یاد کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو ہم مر جائیں پس اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور اگر یہ کسی تقریب یا تحریک کی بنا پر ہے یعنی کسی جنازے میں حاضر ہونے کے باعث یا قبرستان سے گزرنے پر یا کسی عزیز کی موت پر اپنی موت کا خیال دل میں آجائے، یہ بھی بے سود ہے۔ یہ تو حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ جیسے کوے کسی کوّے کو مرا ہوا دیکھتے ہیں تو اکٹھے ہو کر کائیں کائیں کا شور مچا دیتے ہیں اور گھڑی دو گھڑی میں جو وہ نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے تو اِدھر اُدھر بکھر جاتے ہیں اور اپنے حیوانی کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یاد تصدیقی و تفکری ہے جس کے نتیجے برآمد ہوتے ہیں جو ممنوعات شرعی سے روکتی ہے اور اچھے کاموں میں سرگرم عمل رکھتی ہے اور دُنیا سے دل کو سرد کر دیتی ہے۔ حسنِ آخرت کا شوق دل میں اُبھرتا ہے۔ یقیناً یہ یاد بہت خوب اور مفید ہے۔ اگر یاد حسی اور میلانی ہو جو اُس وعدۂ حق تعالیٰ کے بموجب جو اُس نے مومنوں سے کر رکھا ہے اور آخرت کے اس موعود دیدار کے مطابق لقائے الٰہی کی محبت یا شوق اور اُمید سے موت کی یاد دلاتی ہے۔ اور اس مقولے کے مطابق کہ موت دوست کو دوست سے ملا دینے والا پل ہے تمھیں موت کی طرف مائل کر دیتی ہے۔ یقیناً یہ یاد بہت اچھی اور نیک ہے۔ اور ایمانی قوت اور اعمالِ صالحہ کی کثرت کا تقاضہ کرتی ہے۔ دنیاوی لذتوں کو مٹانے والی ہے۔ اور ممنوعاتِ شرعیہ سے روکنے والی ہے اور انھی پر قیاس کرتے ہوئے ان یادوں کی ان شاخوں پر بھی نگاہ ڈالنی چاہیے جو ضرر پہنچانے والی نہیں ہیں یا جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی تصدیقی، تذکرہ اور وہمی وظنّی یاد سے نہ ہوں جو باطل کی طرف لے جائیں گی۔ ایمانی، عقلی اور علمی یادوں سے ہوں جن سے نورِ ایمان میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا اور عقلی دلالت کی بنا پر نفس ناطقہ کی بقا اور آخرت کے عذاب و ثواب کا اثبات بھی ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے اُمور کا انکشاف صحیح علم اور سچی معرفت سے ہوتا ہے۔ اور آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کے علم سے ہے جسے ہم علم منقول کہتے ہیں۔ اس سے بھی یقیناً وہ تفصیل سے ثابت ہے اور حسّی اور میلانی اور ہوسی وطمعی یاد سے نہ ہو۔ کیونکہ ہوس کو تو خود قیام نہیں اور طمع پست ہمتوں کا کام ہے۔ اس سے کوئی خاص ثمرہ اور فائدہ نہ ہوگا، بلکہ اس سے وہ عشق و شوق و اشتیاق و انتظار ہوگا جس سے عشقِ الٰہی، شوقِ حق تعالیٰ اور کیے گئے وعدوں کا اشتیاق و انتظار نصیب ہوگا جس سے بے شمار نتیجے نکلتے اور مرتب ہوتے ہیں۔ یاد فنا

Marfat.com

سے جو متن میں لفظ موت کے ساتھ عطف اور جو یاد کا مضاف الیہ ہے، اس سے جس ماحصل کا استفادہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ فنا کی حالت باطنی طور پر حاصل کرنی چاہیے، نہ یہ کہ یاد فنا فقط یہی کچھ کہنے کو سمجھا جائے کہ یہ دُنیا فانی ہے، آخر یہاں سے کوچ کرنا ہے، کیونکہ یہ بات تو ہر کوئی جانتا ہے۔ ماسوٰی کے خیالات کا ترک کرنا یہ نہیں کہ ماسولی اللہ کو ماسوٰی سمجھا ہی نہ جائے اور ان کی غیریت کی نفی بحث وتحیص سے ثابت کر دی جائے۔ گو کہ باطن سراپا انہی اعتبارات کے خیالات سے بھرا ہوا ہے۔ اور عین حق کو جانتے ہوئے بھی انہی مشہودات کے سوا اور کچھ دکھائی ہی نہ دے۔ جیسا کہ آج کل کے وحدت الوجودی صوفیوں میں اکثر پایا جاتا ہے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ باطن ماسوٰی اللہ کے خیالات کی یاد سے بالکل خالی ہو اور دل و دماغ میں اس لاثانی اور بے مثال ذاتِ حق کے سوا اور کچھ نہ ہو اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات سے وہ بے کیف سی نسبت حاصل ہو جائے جس کی کیفیات نامعلوم ہوتی ہیں۔ بلکہ اللہ کی طرف توجہ نصیب ہو جائے اور دل میں حُبِّ دُنیا رہ ہی نہ جائے اور نہ ہی دنیاوی اسباب کا عدم و وجود (یعنی ہونا یا نہ ہونا) دل کو اپنی طرف مائل ومتوجہ ہی نہ کرے۔ لوگوں کا اژدہام اور ہجوم اُسے پریشان نہ کرے اور اُسے لڑکھڑا نہ دے۔ اور وہ تنہا تنگی محسوس نہ کرے اور مرض اُسے بے چین نہ کر دے اور صحت کی خرابی اُسے غفلت میں نہ ڈال دے۔ اور شرعی آداب بجا لانے میں خلل نہ آجائے۔ حقداروں کے حقوق محض اللہ ہی کے لیے ادا کرے۔ اس میں نفس اور طبع کو کوئی عمل دخل نہ ہو۔ اور ماسوٰی اللہ سے مستقل طور پر باطن کو فراغت نصیب ہو جائے اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا معاملہ دائمی نصب العین بن جائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس قرآنی آیت والی نسبت یقینی حد تک نصیب ہو جائے کہ تم جہاں بھی ہو میں تمھارے ساتھ ہوں۔ اور اس آیت کریمہ کہ تم جدھر بھی رُخ کرو اُدھر اللہ تعالیٰ ہی کا رُخ ہے کے صیقل سے اپنے آئینۂ دل کا زنگ اتارے۔ نیز سے ظاہر و باطن کو یہ آیت کریمہ لپیٹنے گھیرے میں لے لے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے پہ محیط ہے۔ اور وہی اول ہے اور وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن اور وہ ہر شے کے جاننے والا ہے۔ اس آیت کریمہ کے غلبے کی کیفیت تجھ پہ ماسوی اللہ کے راستے چاروں طرف سے مسدود کر دے اور تجھے سوائے اللہ تعالیٰ کی یاد کے اور کوئی شغل نہ رہے۔ کیونکہ فنا و بقا و توحید و اتحاد و قرب و نزدیکی، عروج و زوال، وصل و

Marfat.com

حضور اور حضوری و مشاہدہ، وجود اور سیر و سلوک کا ماحصل، عرفان و جذب شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت، مستی و ہشیاری، علم و فضل، مراقبے، مجاہدے، عبادتیں، ریاضتیں، عشق و محبت، ذوق و شوق وغیرہ وغیرہ انہی صفتوں سے متصّف ہونا۔ باطن میں انہی حالاتِ مذکورہ بالا کا حصول ہے اور ظاہر میں انہی صفات سے متصّف ہونا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف کامل توجہ نصیب ہو جائے اور باطن ماسوی اللہ کی یاد، حدیث نفس اور حُبِّ دُنیا سے آزاد ہو کر محمدیت پر استقامت حاصل ہو جائے۔ اور ایسی باطنی جمعیت سے عبادات بجالانے کی توفیق نصیب ہو جائے تو پھر سمجھو کہ باقی سب مراتب اور مقامات حاصل ہو گئے۔ ع کار اینست و سوایش ہمہ ہیچ ______ (کام ہے تو بس یہی ورنہ باقی سب ہیچ و پوچ)۔ کشف و کرامات اور ایسی خرق عادت چیزیں تو بازیگروں کی شعبدہ بازی سے زیادہ کچھ نہیں۔ جب کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کو سمجھنا اک معمہ حل کرنے والی بات ہے، اور کچھ نہیں، اس کے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے کچھ نہیں کھلتا۔ اللہ کی طرف توجہ درکار ہے اور صبر و استقامت ہی شایان ہے۔ رُشد و ہدایت دینے والا ہادی اللہ ہی ہے اور وہی سب کا مرجع ہے اور اُسی پر اعتماد کرنا چاہیے۔ رباعی:

از راحتِ چند روزہ خوشدل نشوی
وز خنجرِ رنج درد بسمل نشوی
گر غافلی از شہود ہستیٔ خدا
ای ننگ عدم ز مرگ غافل نشوی

ترجمہ رباعی: چند روزہ راحت سے خوشدل نہ ہو جا، اور اسے درد غم کے خنجر سے گھائل ہو کر بسمل کی طرح نہ تڑپ۔ اگر تو اللہ تعالیٰ کی ہستی کے مشاہدے سے غافل ہے تو پھر اے غافل تو جو عدم کے لیے باعث ننگ و عار ہے۔ موت سے تو غافل نہ ہو جا۔ (مصنف کی اپنی توضیح کے مطابق) راحتِ چند روزہ سے مُراد فانی دُنیا کی شہوات و لذّات کے اسباب کا جمع کرنا ہے اور خوشدل شدن سے مُراد ہے ان کے تقاضے سے بڑھ کر خوشی و مسرت میں کھو جانا اور لذّاتِ دنیوی میں منہمک ہو جانا ہے۔ خنجرِ رنج سے مُراد رنج ہی ہے جس میں اضافتِ بیانیہ ہے اور لفظ رنج سے ہمارا مقصد دنیوی مکروہات و سر دردیاں جو تمام نفسانی و جسمانی بدلیوں پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

درد شاعر کا تخلّص ہے، اور یہاں منادیٰ ہے اور حرفِ ندا یعنی (اَی) محذوف ہے۔ ہر چند کہ منادیٰ کسی شخص کے لیے لفظ معین ہوتا ہے۔ لیکن منظور چونکہ اس ندائے عام سے ہر فردِ انسانی ہے کیونکہ سبھی افراد کی حقیقت ایک ہی ہے۔ بسمل شدن سے مراد بیقرار ہونا اور تنگ آجاتا ہے اور تیسرے مصرعے میں غافل بودن سے مُراد ہے فراموش کرنا اور بُھلا دینا ہے۔ حضورِ ہستیٔ حق سے مراد ہے حق سبحانہٗ تعالیٰ سے قرب و نزدیکی کی نسبت۔ لفظ تنگ سے مراد نالائق اور عدم سے مراد عدم حقیقی ہے جو ممتنعات کے نصیب ہے اور مرگ سے مراد عدم اعتباری ہے کہ اس قسم کی فنا اعتباری ہے اور غافل نشوی سے مراد ہے تصور میں حاضر رکھنا۔ رباعی کا حاصل مطلب یہ کہ اس فانی دُنیا کی لذّات اور کامرانی کے اسباب کے جمع ہونے پر ان کے مقتضیٰ سے بڑھ چڑھ کر خوشی و مسرت نہ کر یعنی فانی دُنیا کی نعمتوں میں سے خدا نے تمھیں جو کچھ عطا کیا ہے اس پر نہ اترا، مبادا اس کے مغضوب ہو جاؤ۔ نہ ہی لذّات جسمانی و شہوانی میں غرق ہو جاؤ خواہ وہ شرعی طور پر حلال اور جائز ہی کیوں نہ ہوں اور دُنیاوی مکروہات اور سر دردیوں سے جو نفسانی اور جسمانی بدلیوں پر مشتمل ہیں بے قرار ہو جاؤ اور نفسانی مرغوبات کے نہ ہونے سے دل تنگ نہ ہو۔ پس دنیوی اسباب و لذّات سے جو کچھ جاتا رہے اس پر افسوس نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ عالی ہمّت لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ پس اے مخاطب اگر تجھ میں غفلت، فراموشی اور فراموشگاری ہے۔ اور اگر حق سبحانہٗ تعالیٰ کے قرب و نزدیکی کی بے کیف نسبت سے تو بے بہرہ ہے تو اے عدمِ حقیقی کے نا قابل تو چونکہ ممتنع کی طرح معدومِ حقیقی بھی نہیں ہو سکتا تو تجھے چاہیے کہ اپنے اعتباری عدم کے تصور سے تو باز نہ رہے جو تیری نوعی صورت کی فنا ہے۔ اور ہمیشہ اپنی موت کو یاد رکھے۔ کیونکہ موت کے ذکر سے بڑھ کر کوئی واعظ اور وفات کی یاد سے بڑھ کر کوئی ناصح نہیں کہ اس جہانِ فانی سے رحلت کی یاد سے طبعاً ہر آدمی کے دل میں عبرت و آگہی پیدا ہوتی ہے اور نفس کو تنبیہہ کرتی ہے اور دل کو ناشائستہ حرکات اور اُمور سے اچاٹ کر دیتی ہے۔ اور نیک کام کرنے کے شوق کو دل میں ابھارتی ہے جیسا کہ حضور پاک صلعم نے فرمایا کہ اصلاح کرو اپنی دُنیا کی اور عمل کرو اپنی آخرت کے لیے گویا کہ تم کل مرنے والے ہو۔ ہر چند کہ جن لوگوں کو مشاہدۂ حق کی آسودگی حاصل ہے اور جنھیں حق سبحانہٗ تعالیٰ کی دائمی حضوری نصیب ہے۔ وہ پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہیں، انھوں

Marfat.com

نے زندگی اور موت کے خیالات کے زنگ کو دل سے اُتار دیا ہے۔ وہ نہ جینے کے مشتاق ہیں اور نہ مرنے کے خواہش مند، نہ زندگی سے تنگ آتے ہیں نہ موت سے گریزاں ہوتے ہیں۔ وہ محض اللہ کی رضا پہ راضی ہیں۔ اور فنا فی اللہ ہیں۔ اُنھیں اتنی فرصت ہی کہاں کہ ذاتِ حق کی طرف توجہ اور پاک ذات کے تصور کے علاوہ کوئی اور کام کریں۔ کہ موت کی یاد یا زندگی کے ترددات کے خیالات ان کے دل سے گزرنے پائیں۔ کیونکہ زندگی کے افکار میں کھوئے رہنا عوام کا کام ہے جو تمام وقت دنیوی مطالب اور معاشی اسباب کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں اور موت کی فکر میں کھوئے رہنا خواص کا کام ہے۔ جیسا کہ صالح اور متقی مومنین اطاعات اور عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔ کیونکہ نیکی کے یہ کام باقی رہنے والے ہیں۔ اور موت کے بعد بھی کام آتے ہیں اور اجر دلاتے ہیں۔ اور خاص الخاص بندے تو صرف اللہ ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ نہ وہ اخروی صلہ و اجر کی خاطر عبادتیں اور نیکیاں کرتے ہیں نہ اپنے نفس کی خاطر بشریت کے لیے لازم دنیوی امور کے لیے تگ و دو کرتے ہیں۔ بلکہ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کے دینی و دنیوی اعمال سب کے سب اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ اے پیغمبرؐ آپ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے وہ مطلقاً مشاہدۂ ذات میں محو و مستغرق رہتے ہیں ان سے جو اعمال و افعال بھی سرزد ہوتے ہیں وہ اس حدیث شریف کے بموجب کہ تو میرے ہی ذریعے سے سنتا ہے اور میرے ہی ذریعے سے دیکھتا ہے۔ ان کا سب کچھ اللہ ہی کی جانب سے ہوتا ہے۔ اور یہ مکمل طور پر بقا باللہ کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں وہ اپنی خودی کی حیثیت سے بالکل فنا ہو کر عین واثر کے زوال کی کیفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ کیونکہ جب عشق و محبت کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے تو وہ محبوب کے علاوہ جو کچھ بھی ہو اُسے جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ عشق و محبت عبارت ہے حالتِ جذب سے اور آتش سے مُراد ہے گرمیٔ طلب اور طپشِ شوق جو اس کا لازمہ ہے۔ بھڑک اٹھنے سے مُراد حدِ کمال تک پہنچنا ہے اور معشوق سے مراد ہے مجذوب الیہ جو مقصود و مطلوب ہے۔ مطلب یہ کہ جذب کی حالت یعنی عشق و محبت الٰہیہ کی کیفیت دل پر چھا جاتی ہے۔ جذب کے لوازم یعنی گرمیٔ طلب اور طپشِ شوق حدِ کمال کو پہنچ جاتے ہیں اور یہ آگ بھڑک اُٹھتی ہے تو وہ محبوب کے علاوہ جو کچھ بھی ہو اُسے جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور سینے کی تختی کو غیر کے خیالات سے صاف

Marfat.com

کر دیتی ہے۔ چنانچہ ایسے عاشق صادق کی نظر سے ماسوی اللہ کا وجود مکمل طور پر مٹ جاتا ہے، اور اُس حالت میں اعتباری مراتب میں سے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اس مرتبے میں نہ زندگی زندگی ہے اور نہ موت موت کہ زندگی کے وسوسے اور موت کے خطرات اس کامل ذات کی راہ میں مزاحم ہو کر اُسے پراگندہ خاطر کریں۔ کیونکہ ایسا فنا فی اللہ انسان تو زندگی کی حالت میں بھی زندہ نہیں ہوتا۔ وہ اس حکم کے تلے کہ مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ مردہ بدست زندہ کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ اس پہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ والے معاملے کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ایسا باقی باللہ بزرگ تو موت کی حالت میں بھی نہیں مرتا۔ اور اس آیت کریمہ کے بموجب کہ بیشک اللہ کے دوست نہیں مرتے بقا باللہ ہو کر وہ باقی رہتا ہے۔ ایسے عارف کو ایسے کلّی مشاہدے کی اور مکمل محویت کی حالت میں جو مقرب ملائکہ کی حقیقت ہوتی ہے کونین کے معاملات کی طرف کوئی توجہ یا التفات نہیں ہوتا۔ اُسے دونوں جہانوں کے بندھنوں سے نجات دے کر اس کی باطنی پیشانی پر حریّت کا شاہی فرمان لکھ کر ماسویٰ اللہ سے مطلقاً آزاد کر کے اور متوجہ بحق کر کے ان نیک بختوں کی صف میں داخل کر دیتے ہیں جن کے متعلق قرآن پاک کہتا ہے کہ بہت سے بندوں کے چہرے اس دن بارونق ہوں گے۔ اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ لیکن جب انہیں اس حالت سے پیچھے لے آتے ہیں اور مخلوق کی طرف بھیج کر اُنھیں دوسرے بندگانِ خدا کی تربیت کا کام سونپ دیا جاتا ہے تو پھر بشری تقاضے کے طور پر اُنھیں افاقہ ہو جاتا ہے اور وہ ہوش میں آجاتے ہیں اور عالم و عالمیان کی طرف یوں دیکھتے ہیں کہ خلقت کا وجود مشاہدۂ ذات کا حجاب نہ بننے پائے اور مشاہدۂ حق خلقت کی نمود کو رفع نہ کرے بلکہ مصنوعات کے حقائق عینک کی طرح باطنی آنکھ کو صانع حقیقی کی صنعت کو دیکھنے میں زیادہ ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اور صانع ازل کا مشاہدہ نور کی طرح مصنوعات کی شکلوں کا سراسر کاشف بن کر اُنھیں چشمِ بصیرت کے سامنے لے آتا ہے۔ تاکہ الوہیت اور عبدیت کے مراتب کے تمام آداب بشری طاقت کے مطابق حد کمال تک ادا کیے جا سکیں۔

پس ایسے مکمل نزول کے وقت جب ہنگامی صورت میں عوام سے مشابہت ہوتی ہے، چاہیے کہ تم دُنیا سے اُٹھ جانے والوں کو دیکھو اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیائے کرام کے معاملات اور مرجعِ خلائق اولیائے کرام کے حالات کا تذکرہ کرو کہ خالق و مخلوق سے ان کے

Marfat.com

معاملات کیسے تھے ۔ اور خلوت وجلوت اور وحدت وکثرت، تنگی و فراخی، رنج وراحت، دوستوں اور دشمنوں کی محبت میں ان پر کس قسم کے حالات گزرے اور اُنھوں نے ان حالات میں کیسے گزر بسر کی۔ اُنھوں نے کیا فرمودات چھوڑے، کونسے کام کیے، زندگی کیسے گزاری، اور مرے تو کیسے اور کس حال میں تاکہ غفلت جو اس دُنیا کا لازمہ ہے تجھ پر نہ چھا جائے۔ لفظ این نشائے سے مراد یہ دُنیا ہے۔ یعنی اس تمام قرب اور قدر ومنزلت کے بعد جب خلق خدا کی طرف نزول کرو، اور اس عالم دنیا کی طرف توجہ کرو اور رشد وہدایت کی اشاعت کے لیے لوگوں سے میل جول بڑھاؤ۔ تو پھر اپنے حال کی نگہبانی سے کبھی اور کسی وقت بھی غافل نہ ہونا۔ اور پچھلے بزرگوں کے احوال کو اپنے حال کے لیے خط کش پیمانہ بنا لو۔ کیونکہ غفلت تو اس دُنیا کے لوازم میں سے ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اہلِ دُنیا کی صحبت کی بدنصیبی تجھ میں سرایت کر جائے اور اُنھیں ہدایت دینے کے بدلے تو خود ہی گمراہی میں جا پڑے۔ کیونکہ آدمی کی طبیعت تو اک چور ہے اور صحبت کا اثر لازمی ہوتا ہے۔ ہمیشہ اپنی، دُنیا اور اہلِ دنیا کی بے ثباتی کو سامنے رکھو۔ اور دنیاوی جاہ و حشمت اور شہرت وعیش وعشرت کے خیال کو ہرگز دل میں نہ لا۔ تاکہ تیرا باطن مشاہدۂ ذات سے معمور رہے، اور وہ فنا مقصود رہے جس کا طریقہ ہے۔ اور فقر ومسکینی کی حالت سے تیرا دل مسرور رہے اور ہستیٔ موہوم کا غرور تیرے دماغ سے دُور رہے اور تو شیطان اور نفس کے فریب سے محفوظ رہے اور بے وسواس ہو کر بے دھڑک خلق خدا کے دلوں کی زمینوں میں ہدایت کا بیج بوئے۔ ہوا وہوس کی پیروی تو اک مصیبت ہے جو دُنیا میں وبال بدنامی اور پراگندیٔ خاطر اور دیگر کئی قسم کی پریشان کن مکروہات بروئے کار لے آتی ہے۔ اور اک تھوڑی سی لذت اور آرام کے بدلے اک بہت بڑے رنج اور تمدد میں ڈال دیتی ہے اور قرب خداوندی کی سعادت اور باطنی سکون اور ترقیٔ درجات سے محروم کر دیتی ہے لوگوں کی نظروں میں گرا دیتی ہے اور عاقبت میں سزا وعذاب کو سر پر لے آتی ہے۔ جہنم میں دھکیل دیتی ہے، اور خدا و رسول ؐ اور مرشدوں کے حضور میں شرمسار کرتی ہے۔ اپنے نفس اور طبیعت کی فرمانبرداری تو اک بڑی خطا ہے۔ آدمی غلطی سے نفس وطبیعت کے احکام بجا لانے کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے اور تن آسانی اور تن پروری کو اپنا نیک خواہ سمجھتا ہے۔ یہ بڑی بھول ہے۔ آدمی اس مغالطے میں تب پڑتا ہے جب حیوانیت انسانیت پر غلبہ پا لیتی ہے۔ آدمی عقلی قوت کے ضعف اور شہوانی قوا کے زور سے اس خطا کا مرتکب ہوتا ہے۔ درحقیقت اپنی خیر خواہی تو نفس کشی میں ہے۔ جتنی

Marfat.com

بھی کی جا سکے، نفس ناطقہ سے دوستی تو وحشی نفس کی دشمنی میں ہے یہ جتنی بھی ہو سکے، کیونکہ یہ نفس امّارہ تو خود سری کا موجب ہے۔ اور بندے کی خود سری گویا اپنے مالکِ حقیقی کی مخالفت کا باعث بنتی ہے اپنے نفس کو دشمن رکھ کیونکہ وہ میری دشمنی کے ساتھ انتقام لیتا ہے۔ یہ فرمان اسی امر کی خبر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے اور حرمت خیر البشر (ان پر خدا کی تمام سلامتیاں اور ساری رحمتیں ہوں) سے جہاد اکبر کا حکم دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کفار سے جہاد کر کے لوٹ رہے تھے اور کفار سے اس جنگ و جدال اور قتل و غارت کے قضیہ کو ختم کر کے گھر کی طرف مراجعت فرما رہے تھے اور آپ کے اصحابؓ (خدا ان سے راضی ہو) اپنے گھروں کی طرف متوجہ تھے، اس حالت میں حضور پُر نورؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ یعنی کہ ہم نے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف رجوع کیا۔ یہ حق بات ہے کہ کفار کے ساتھ وہ ظاہری جہاد جو جنگ و جدال و قتل و غارت پہ مشتمل تھا وہ اک مختصر سی مدت کے لیے ہوتا ہے۔ کیونکہ میدانی جنگ طوالت نہیں پکڑتی، آخر ایک کو فتح ہو جاتی ہے یا شکست۔ اور ظاہری جنگ و جدال اور باہمی کشت و خون، یہ سر دھڑ کی بازی اتنا دشوار اور کٹھن کام بھی نہیں۔ یہ ہر کسی سے وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ اور اہلِ حق اور اہلِ باطن میں سے ہر کوئی یہ اقدام کرتا ہے۔ اکثر لوگ طمع، ہوا و ہوس اور نفسانیت و حیوانیت کی تسکین کے لیے خواہ مخواہ فضول ہی لوگوں سے لڑتے ہیں۔ اور اسبابِ دُنیا کی تلاش اور ماسوی اللہ کی محبت میں بہت سے آدمی جان بھی دے دیتے ہیں۔ پس اگر وفادار مومنین بھی اللہ کی راہ میں محض اللہ کی خاطر عمل پیرا ہوں اور اس کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے سے دریغ نہ کریں تو فی الحقیقت یہ کوئی اتنا بڑا اہم کام بھی نہیں، جہاد اصغر ہی ہے۔ اس کے برعکس جہاد اکبر کہ کاملوں اور مومنوں کا خاصہ ہے اور اس کی تمامیت محض اختصاص یافتہ کامل ترین انسانوں سے مخصوص ہے۔ یعنی کہ باطنی جہاد جو اپنی طبیعت اور نفس امارہ کی ہمیشہ اور ہر وقت مخالفت کرتا ہے اور فقر و مسکنت کی گزر بسر کو برداشت کرنا اور اپنے اہل و عیال دیگر لواحقین اور لگے بندھوں کی بدمزگیوں کو جن میں وہ بیچارے اپنی نفسانیت کے ہاتھوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور جو اپنی خواہشوں اور آرزوؤں میں بے اختیار ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ہیں اور زندگی، موت، خوشی، غمی اور دیگر بُری، بھلی رسموں اور عادتوں میں یعنی ہر حال میں گوارا سمجھنا بلکہ ان کے دلوں سے بھی اپنی محبت کی برکت سے ان کلفتوں کو دُور کرنا بہت ہی مشکل، کٹھن اور دشوار کام ہے اور اُس جہاد صوری کی نسبت یہ جہاد معنوی یقیناً بہت بڑا ہے۔ اور اس مقصد کی مزید تحقیق چھیاسیویں (۸۶) باب میں مفصل درج ہے جو جہادِ اکبر کے نام سے موسوم ہے۔ الغرض یہ کام تائید آسمانی (ربانی) کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک حق سبحانہٗ تعالیٰ زبردست تاثیر والا نفس، کامل ایمان، عالی ہمت، صحیح عقل، طبع سلیم، مکمل معرفت اور اپنی کامل نسبت، اپنا خاص قرب۔ ماسوی اللہ سے مکمل قطع تعلق، نیک و صالح اہل و عیال، سعادت مند بھائی اور اولاد، خیر خواہ و نیک نفس تابعین ولواحقین عطا نہ کرے ایسی باہمی گزر بسر میسّر نہیں آتی۔ قرآنی زبان میں یہ تو اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم کا مالک ہے اور جسے اللہ تعالیٰ اس دولت سے نوازے وہ شکر بجالانے میں کیسے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ ایسے عظیم عطیے اور اتنی بڑی دین کا شکر یہی ہے کہ ماسوی اللہ کے خیالات اور وسوسوں کو مطلقاً دل کے پاس نہ پھٹکنے دے ظاہری و باطنی طور پر اس پہ ساری توجہ مبذول کر کے اپنی ہستی کو مشاہدۂ ذاتِ حق میں گم کر دے۔ اور انانیت کے بوجھ کو اپنے سر سے دے پھینکے۔ رباعی

بایدکہ زفکر زندگانی گذری
وز حرص و ہوای کامرانی گذری
اے درد زاندیشۂ عالم بگذر
زان پیش کہ زیں جہان فانی گذری

ترجمہ رباعی: تجھے چاہیے کہ تو زندگی کے تردّدات وتفکرات سے چھوٹ جائے اور کامیابی کی ہوا و ہوس چھوڑ دے اور لذّات سے تمتع نہ کرے تو پھر اے درد اس جہان فانی سے کوچ کرنے کے قبل ہی دنیوی خیالات اور مشاہدۂ محسوسات کو یکسر چھوڑ دے۔ (مصنف خود رباعی کی تلمیحات و کنایات کی وضاحت یوں کرتا ہے کہ) از فکر زندگی گزشتن سے ہماری مُراد ہے کہ معاشی تردّدات سے نجات حاصل کر لی جائے، حصولِ رزق میں پریشان حالی نہ ہو اور روزی کا حصول پراگندہ خاطر نہ کرے اور ظاہری اسباب پر نظر نہ جمے (پڑے) از حرص وخواہش کامرانی

Marfat.com

گذشتن سے ہماری مراد ہے کہ دنیوی لذّات سے لطف اندوز ہونا کسی شکل میں بھی منظور نہ ہو، خواہ وہ بغیر کوشش اور جدوجہد کے ہاتھ کیوں نہ لگ جائیں، اور خواہ جائز اور روا ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ حقیقی زہد وتقویٰ یہی ہے۔ اور قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ کہ تم میں سے اللہ کے نزدیک عزت والا وہی ہے جو تقویٰ میں بڑا ہے، اسی امر کی خبر دیتی ہے، ورنہ نمازی بیچارے جو مسجد کے امام یا مؤذن کی نوکری کے لیے مسجدوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور یہ آوارہ حال عابد جو محض طالب علموں کے وظیفے یا روزینہ کے حصول کی خاطر تعلیم و تعلم کے شعبے میں دینی مدارس میں سرگرداں پھرتے ہیں اللہ کے نزدیک کب قابلِ اکرام ہیں کہ انھوں نے تو اپنے پیٹ کی خاطر لوگوں کے سامنے اپنی آبرو کی لٹیا بھی ڈبو دی اور محض دُنیا کی خاطر اہلِ دُنیا کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ جس نے تواضع کی غنی آدمی کی اس کی دولت کی وجہ سے تو اُس کا دو تہائی دین ضائع ہو گیا۔ وہ فقیر جو امیر کے دروازے پر ہے کیا ہی بُرا ہے۔ اور دُنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔ اور دُنیا مردار ہے اور اُس کے طلب کرنے والے کتّے ہیں۔ اور از اندیشۂ عالم گزشتن سے ہماری مراد ہے کہ محسوسات کا مشاہدہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی حضوری و مشاہدے کا محاسبہ نہ بن جائے۔ اور حدیث نفس اور دنیوی خیالات آگاہیٔ حق کی رکاوٹ نہ بن جائیں۔ اور اللہ کی طرف توجہ میں خلل نہ ڈال دیں۔ اور ازیں جہانِ فانی گزشتن سے مُراد مرجانا ہے۔ اور اس جہان کو فانی بھی اپنی فنا، فانی موجودات کی ہر اکائی کی فنا اور سارے عالم کی فنا کی نسبت سے کہا جس فنا کا وعدہ کیا گیا ہے اور قیامت کے سلسلے میں قرآن اور احادیث میں جا بجا آسمانوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور دُنیا و مافیہا کے پارہ پارہ ہو جانے کا ذکر ہے۔ اور رباعی کا مجموعی مطلب اب یوں ہوا کہ تمھیں چاہیے کہ معاشی تردداتِ سے چھٹکارا پا کر حصولِ رزق کی پریشانی سے پراگندہ خاطر نہ ہونے پائے۔ توکّل کے مقام پر ڈٹا رہے کہ جو کچھ مقدر میں ہے وہ پہنچ ہی جائے گا۔ کیونکہ خدا کا اپنا فرمان ہے کہ کوئی رزق کھانے والا جاندار روئے زمین پر ایسا نہیں کہ اُس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمّے نہ ہو اور جو اللہ پر توکل کرتے ہیں وہی کافی ہے۔ اور دنیوی لذّات سے لطف اندوز ہونے کا خیال دل میں نہ آنے پائے خواہ تیرے پاس کتنے ہی ہدیے، تحفے اور نذر نذرانے کیوں نہ بھیجیں اور رشوت خوار مفتی اس کے جائز ہونے کا فتویٰ ہی کیوں نہ دے دیں تو اپنے دل سے فتویٰ طلب کر اگر

Marfat.com

تجھے فتویٰ دے کوئی مفتون اور نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کو جو ہم نے دے رکھی ہے ان میں سے بعض لوگوں کو۔ اور محسوساتِ دنیوی کے مشاہدے کو حضوریٔ حق اور مشاہدۂ ذات اور اپنے باطن کا حجاب نہ بننے دے اور حدیثِ نفس اور نفسانی خیالات کو اپنے آگہی کے حال میں رکاوٹ نہ بننے دے اور ہمیشہ اللہ کی طرف متوجہ رہو۔ اِدھر اُدھر کے خیالات سے آگے نکل جا اور قبل اس کے کہ تو اس بے ثبات دُنیا سے کوچ کر جائے اور مر جائے تو مرنے سے پہلے ہی مر جا یعنی اپنی ہستی کو مٹا دے۔

Marfat.com

هُوَالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑے رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے پردے کو دور سے کیا اولیائے کرام کے دلوں سے جس طرح دُور کرنے کا حق ہوتا ہے کشف و کرامت کے طور پر، اور دی انھیں نجات اور سلامتی نفوس اور خواہشات کی چالوں سے، اور درود وسلام ہو اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو انبیا میں سے افضل ہیں سرداری اور امامت کے لحاظ سے، اور آپ کی آل رضی اللہ عنہم پر اور اصحاب رضی اللہ عنہم پر جو جادۂ صدق وصفا پر عزم واستقامت کے ساتھ رہے۔ اما بعد پس یہ بہتّرواں باب جو کشف و کرامت سے موسوم ہے۔ جان لو کہ جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ عزت کا اپنے بندوں میں سے کسی بندے کی ملائکہ کے ہاں اور لوگوں کے ہاں تو منکشف کر دیتا ہے اس پر حقائق اور دقیق باتیں جنھیں نہیں جانتا کوئی سوائے اللہ کے، پس کہتا ہے فرشتوں سے جو کہ متعلق ہوتے ہیں اس شخص کے تشخص سے حفاظت، حمایت، تائید، ایجاد اور تخلیق کے لحاظ سے ابتداً اور لوٹنے، واپس آنے، پہچانے اور رحم کرنے اور بخشنے کے لحاظ سے اخیراً زمین کے اوپر سے لے کر عرش کے نیچے تک سب کے سب۔ کہتا ہے اللہ فرشتوں سے کہ سجدہ کرو اس عزت والے شخص کو جسے میں نے معزز بنا دیا اس کرامت کے ساتھ اپنے باپ کی سنت پر۔ پس سجدہ کرتے ہیں فرشتے سجدۂ تعظیم، اور اعتراف کرتے ہیں کہ ہمیں تو کوئی علم نہیں

Marfat.com

اس جیساکہ تونے اُسے سکھائی ہیں اپنے سارے اسما و صفات کی تفاصیل اور ہم نہیں جانتے مگر وہی جو تونے ہمیں سکھایا پاکیزہ اور مقدس اسمائے میں سے، اور بے شک تو بڑا علیم اور حکیم ہے۔ پس پیروی کرتے ہیں اللہ کی تمام کے تمام فرشتے سوائے ابلیس کے جوکہ ابلیس آدم کی نسل میں سے ہوتا ہے۔ پس وہ انکار کرتا ہے اور اکڑتا ہے اور کہتا ہے میں اس سے بہتر ہوں۔ پس اللہ اپنے بندے کی حمایت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ بیشک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک کیونکہ تو دُور ہوگیا اور تو نے روگردانی کی میرے بندے سے جسے میں نے بنایا قرب کا وسیلہ اور خلیفہ دُنیا و آخرت میں۔ پس وہ شیطان کہتا ہے تیری عزت کی قسم میں ضرور گمراہ کروں گا تمام منکرین کو اُس کے انکار کے ساتھ۔ پس اللہ کہتا ہے اُسے بے شک تم مہلت دیے گئے ہو۔ لیکن میرے بندے جوکہ یقین رکھنے والے ہیں اور اعتقاد رکھنے والے ہیں تمھیں ان پر کوئی غلبہ نہیں ہوگا۔ وہ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ پس بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اس معزز بندے کے ساتھ دُنیا میں اور وہ ان سے کہتا ہے لوگوں میں پکارو اور کہو اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اُس پر جسے چُن لیا اللہ نے دُنیا و آخرت میں اور وہ تم میں سے اصحاب اختیار میں سے ہے۔ پس اطاعت کرو اللہ کی، اور اُس کے رسولؐ کی اور اپنے میں سے صاحب امر کی، پس ایمان لے آتے ہیں ایماندار اس پر اور یقین کر لیتے ہیں اس کی حقیقت کا یقین کرنے والے اور ڈال دیتے ہیں فرشتے اس کی محبت معتقدین کے دل پر۔ پس وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے اس کی محبت کی وجہ سے اور وہ اُنھیں عطا کرتا ہے اللہ کے لیے باہم محبت کرنے والوں کا اجر، اور اللہ ضائع نہیں کرتا احسان کرنے والوں کا اجر اور وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا اور انکار کیا اور اپنے نفسوں پر ظلم کیا تو اللہ زیادہ نہیں کرتا ظالموں کو مگر خسارے کے لحاظ سے، پس وہ لوگ جو نہیں دیکھ پاتے اس شخص کو جسے عزت والا بنایا اللہ نے اور اُنھوں نے نہ سنا اس کا نام اور نہ اس کی قبر۔ پس ان کا حکم پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرح ہے وہ کسی چیز کے مکلّف نہیں ہیں۔ پس موجود اور واقف لوگوں کے ذمے ہے کہ وہ پہنچائیں جو کچھ اُنھیں پہنچایا ان کے رب کے پیغامات میں سے سفارتی طور پر اور اس کی نیابت کرتے ہوئے۔ پس حاضر کو چاہیے کہ غائب تک پہنچا دے اس کا نام اور اُس کا معاملہ۔

Marfat.com

اور چاہیے کہ اُسے ابھارے اس کی محبت پر اور چاہیے کہ لگے سے بلائے اس کی دعوت کی طرف تاکہ اُسے اجر دے اللہ تعالیٰ اس معاملے کا اور اللہ کے ہاں بہترین ٹھکانہ ہے۔ اے لوگو! بیشک میرے رب نے میرے چہرے کو مکرّم کیا اپنی عبادت کی تکریم سے اور کیا مجھے متوجہ کعبہ مشرّفہ کی طرف اور بے شک میں نے اپنے چہرے کا رُخ پھیر دیا ہے اس کے لیے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو سیدھا سیدھا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں دُنیا کے متاع میں سے، اور میں نہیں جانتا غیب کو جیسا کہ وہ ہوتا ہے دُنیاوی واقعات میں سے یہاں تک کہ میں تم کو اس کی خبر دے سکوں۔ جیسے کہ جھوٹے نجومی ہوتے ہیں اور جاہل مشائخ ہوتے ہیں اور دوسرے فریب دینے والے، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ نہ میں کھاتا ہوں نہ پیتا ہوں اور میں نکل گیا ہوں بشریت سے تمام بشری صفات میں سے۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ میں تو بشر ہوں تمہاری طرح۔ میں نہیں پیروی کرتا مگر اُس چیز کی جو وحی کی اللہ نے اپنے رسول محمد صلعم کی طرف، اور سکھایا مجھے میرے رب نے باتوں کی تاویل کرنا اور دکھایا مجھے اپنی نشانیوں میں سے وہ کچھ جو تم نہیں دیکھ پاتے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں، اور کیا تم اس پر غور و فکر نہیں کرتے۔ وہی ذات ہے جس نے کھول دیے میرے دل پر غیب دانی کے دروازے معارف الٰہیہ اور دنیویہ میں سے، اور منکشف کر دیے مجھ پر حقیقت و طریقت و شریعت کے راز اور میری تائید فرمائی۔ قرآنی آیات کی تائیدوں کے ساتھ، اور میری مدد کی فرشتوں اور ارواح کی مدد کے ساتھ اور جاہل لوگ نہیں سمجھتے۔ وہی ذات ہے جس نے نازل کیا مجھ پر قبولیت کا پانی برگزیدگی کے آسمان سے اور چھڑکاؤ کیا میرے دل پر خلق عظیم کے بادل سے، اور اچھا بنایا میرے اخلاق کو، جیسا کہ اچھا اور خوبصورت بنایا میری تخلیق کو اور ڈالی میری محبت لوگوں کے دلوں میں اور محبت کی میرے دوستوں کے دلوں میں یہاں تک کہ وہ ہو گئے اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی۔ اگر میں خرچ کر دیتا سب کچھ جو کچھ کہ زمین میں ہے، تو میں نہ محبت پیدا کر سکتا ان کے دلوں میں اور ڈال دیا میرا رعب مخالفین کے دلوں میں اور دین کے دشمنوں میں۔ پس وہ میرے لیے کافی ہے اور میرا توکّل بھی اسی پر ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے وہ میرا رب ہے فرشتوں کا اور روحوں کا رب ہے مجموعی طور پر۔ بیشک میں نے کھول دیا ہے

Marfat.com

تم پر جو کچھ کہ کھول دیا اللہ نے ہم پر سچی دعوت کے رازوں میں سے۔ اور ظاہر کر دیا تمھارے لیے جو کچھ کہ ظاہر کر دیا ہمارے لیے اپنی بزرگی کے احکام میں سے جس سے کہ وہ مکرّم کرتا ہے جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے، جسے اُس نے چُن رکھا ہے اور یہ نہیں ہے مگر کرامتِ الٰہیہ کا بیان جس سے کہ خاص کرتا ہے جسے چاہتا ہے خواص الخواص میں سے اور بیان ہے کشف کا سوائے اس کے اوپر جسے وہ منکشف کرتا ہے اپنے نور سے، پس ہم نے ہٹا دیا تجھ سے تیرا پردہ کمال خصوصیت کے ساتھ جہاں تک کہ کشف کے احوال کی شرح کا تعلق ہے جو کہ قوم کی مصطلحات میں سے ہے اور اس کرامت کا تعلق ہے جو کہ ان کی اصطلات ہی سے ہے۔ پس یہ چیز آ رہی ہے تفصیل کے ساتھ اور اللہ اس چیز پر جو ہم کہتے ہیں نگران ہے۔

کشف و کرامت کے اخفا اور اظہار

اور آزاد منشی اور بزرگی کی حقیقت کے بیان کا باب

یہ جان لینا چاہیے کہ متن کشف و کرامت کے اظہار اور اخفا کا بیان فقط پند و نصیحت کے طریق پر تھا کہ شیخ (مرشد) کو کشف و کرامت کے چھپانے اور ظاہر کرنے میں اپنے خالق سے کیسا معاملہ کرنا چاہیے اور مخلوق سے کیسے معاملہ کرنا چاہیے۔ اور اس امر کی حقیقت کے انکشاف اور اس کی انواع و اقسام کے متعلق کچھ نہ تھا۔ اور اب شرح میں اس کا مفصل ذکر کیا جاتا ہے جسے گوش ہوش سے سننا چاہیے۔ پس سمجھ لو کہ لغت کے اعتبار سے کشف کے معنی کھولنے یا ننگا کرنے کے آتے ہیں یعنی انکشاف کر دینا اور کھول دینا۔ اور اصطلاح میں یہ عبارت ہے کسی امر کا نفس انسانی پر ظاہری اور باطنی حواس کی وساطت کے بغیر محض نور ربانی کے فیض سے منکشف ہوتا ہے اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں اسے فراست سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا مومن کی فراست سے بچو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ یعنی کہ بندۂ مومن کے کشف سے بچو کہ وہ نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے۔ لفظ مومن سے مُراد ولی اللہ ہے۔ کہ بیشک اللہ کے دوست وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اولیاء اللہ مومن اور کامل لوگ ہوتے ہیں۔ یہ الملون اور کرامت کے الفاظ تعظیم و تکریم کے لیے ہیں اور اصطلاح میں یہ عبارت ہے

Marfat.com

کامل انسانوں سے کسی امر کا ایسے طریق سے وقوع پذیر ہوتے سے جس کو دیکھ کر عوام ششدر رہ جائیں۔ اور خود ان میں اس کی قدرت نہ ہو۔ کشف کی چار قسمیں ہیں۔ایک دینوی کشف اور وہ یہ ہے کہ کائنات کے مادی احوال میں سے کسی چیز کا انکشاف ہوجانا اور یہ کشف بدنی ریاضتوں اور عبادتوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور صالح اعمال کی برکت سے خواب یا مراقبے میں اس کشف کا دروازہ کھُلتا ہے۔ اس کا تعلق تزکیۂ نفس سے ہوتا ہے۔ اس کشف کی انواع میں کسی شدنی یا نشدنی امر کا اس کے وقوع سے پہلے ہی معلوم ہوجانا یا نظروں سے اوجھل اشخاص کے حالات کا پتہ چل جانا یا چشمِ بصیرت کے نور کی بدولت ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ معاملات کو دیکھ لینے سے۔ ایک کشفِ الٰہی ہے اور وہ یہ ہے کہ عالمِ موجودات کے احوال میں سے کوئی بات دل پر منکشف ہوجاتی ہے اور یہ کشف باطنی ذکر اذکار و اوراد و وظائف کا ثمرہ ہوتا ہے جو اپنی برکت سے قلبی کیفیات و حالات کو کھول دیتا ہے۔ اس کا تعلق دل کی صفائی سے ہوتا ہے اور اس کشف کی قسموں میں وہ حقائق و معارف آتے ہیں جن کا تعلق ذات وصفات اور اسمائے الٰہیہ سے ہے یا عالمِ ارواح اور ملائکہ کا کشف یا کشف قبور اور کشف قلوب اور ایسے ہی دیگر امور سے۔
اور ایک کشف عقلی ہے اور وہ یہ ہے کہ موجودات میں سے خواہ وہ مادّی ہوں یا مجرّد کسی چیز کا عقل کے نور سے پتہ چل جانا۔ یہ کشف حکما کو بھی حاصل ہوتا ہے۔جس کی تعبیر وہ اشراق (دلوں کو مجلّیٰ اور روشن کرنا) سے کرتے ہیں۔ جو ذکاوت و ذہانت اور عقلی قوت کے شہوانی قوت پر غلبے کا مقتضیٰ ہے۔ اور جس کا تعلق فکری قوت اور عقل کی صوابدید کے مطابق اخلاق کو سنوارنے سے ہے۔ اور اس کی انواع میں سے عملی و نظری حکمت اور طبیعیات اور ریاضیات اور الٰہیات کے مسائل کا انکشاف اور ایسے ہی دیگر امور۔
ایک کشفِ ایمانی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایمان کی نورانیت کی بدولت عالمِ غیب کی کسی چیز کا آشکار ہوجانا، وہ خواہ موجوداتِ مادیہ کے احوال سے ہو خواہ مجرّدات کے۔ ایک ہی بات ہے۔ اور یہ کشف ایمانی قوت، یقینی شدت اور پختہ عقیدے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا تعلق نبوّت کے کمالات کے قرب کی سعادت کے حصول سے ہے۔ اس کی انواع میں سے نزول بے کیف الٰہی کا انکشاف ہے یا خاص الہامات سے شرفیاب ہوتا ہے یا فرشتوں سے سوال و جواب کرنا اور لیلۃ القدر اور ماہِ رمضان کی برکات کو عالمِ مثال میں انسانی شکل میں دیکھنا اور اولیائے کرام

Marfat.com

کا ارواحِ جلیلہ سے ملاقات کرنا اور ایسے ہی دیگر امور، کرامت کی بھی چار ہی قسمیں ہیں۔ ایک عام کرامت جس کے حصول کی قابلیت حق تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے بموجب کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی، تمام نفوس کو عطا فرمائی ہے۔ اور گاہے گاہے ہر کسی سے اس کی استعداد کے مطابق ظہور میں آتی رہتی ہے گو صاحب معاملہ کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو۔ اس امر میں ایمان کی قید کی بھی کوئی قید نہیں۔ لہٰذا اس قسم میں سے جو کچھ کفار سے ظہور میں آتا ہے اسے استدراج کہتے ہیں اور جو کچھ عوام مومنوں سے ظہور پذیر ہو اسے مُونت (محنت، زاد راہ) کہتے ہیں، اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی یہ کرامت حقیقت انسانیہ کے حال پر کلیتہً ومطلقاً ہے۔ اور اسی راہ سے ہے کہ عوام الناس کو بھی بعض معاملات ایسے دکھائی دیتے ہیں کہ وہ حیران رہ جاتے ہیں۔ اور بلا شبہ اُنھیں اپنے لیے تائید غیبی سمجھتے ہیں اور بعض بے دین اُنھیں محض اتفاقیہ چیزیں سمجھتے ہیں اور بعض ادراک کر ہی نہیں پاتے خواہ وہ بے توجہی کے باعث ہو یا ان کے دیگر اکتسابی امور سے مشابہت یا باہم خلط ملط ہو جانے کی وجہ سے ہوں۔ حالانکہ وہ امر اگرچہ ظاہر اور صورت میں ان کے اکتسابی امور جیسا ہو مگر درحقیقت ان کے حال پر اللہ تعالیٰ ہی کے کرم سے تھا۔ ایک خاص کرامت ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے بموجب کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مختص کر دیتا ہے۔ انبیائے علیہ السلام اور اولیائے کرام کو ممتاز فرمایا اور فرماتا رہتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ باطنی قرب کی شرط ہے۔ وہ خواہ قرب نبوّت ہو یا قرب ولایت کی راہ سے ہو اور کسی نبی سے ظاہر ہو اسے معجزہ کہتے ہیں اور جو قرب ولایت کی راہ سے ہو اور کسی ولی سے ہو اُسے کرامت کہتے ہیں۔ اور ایک تصرّف ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنے ارضی خلیفوں کے تمام نفوس کاملہ کو اس آیت کریمہ کے مقتضیٰ پہ عطا فرمایا ہے کہ بیشک میں زمین پر اپنا خلیفہ یا نائب بناؤں گا اور کرامت اور تصرّف میں فرق ہے کہ کرامت اک قدرتی عطیہ ہے جس میں صاحبِ کرامت کے نفس کا عمل دخل نہیں۔ بلکہ بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ صاحب کرامت کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔ اور حق تعالیٰ اس پر کرم فرما کر دوسروں کو اس کی کرامات دکھاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے عزت بخشتا ہے اور تصرّف میں نفس کی ہمت اور صاحب تصرّف کا ارادہ بھی شامل و داخل ہوتا ہے۔ وہ قصداً ادھر متوجہ ہوتا ہے۔ پس اگر قربِ نبوّت سے کسی نبی کی ہمت اور ارادے سے ظہور میں آئے اُسے مبیّنہ (ظاہری حجت) کہا جا سکتا ہے اطلاقِ عام سے

Marfat.com

ارادہ خاص کے ساتھ ۔ کیونکہ اس کے معنی حجتِ ظاہرہ کے ہیں اور کسی معجزے، قصد و اراد سے سے آمد یقیناً زیادہ روشن دلیل ہے اور بیّنات اسی زمرے سے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ان سب کے پاس اُن کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے۔ ہر چند کہ بیّنات معجزوں وغیرہ سے عام تر ہیں۔ معجزہ کو بھی بیّنہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن الگ امتیازی حیثیت میں ذکر تقسیم و تعریف کے لحاظ سے کیا گیا ہے ۔ اور اگر قرب ولایت کی بدولت کسی ولی کی ہمت اور ارادے سے وقوع پذیر ہو تو اُسے تصرّف کہتے ہیں ۔ اور اولیائے کرام کے تصرّفات ایک مشہور چیز ہے۔ یہ ایک خرقِ عادت (خلاف عقل) بات ہے اور یہ کسی امر کا سنّت الٰہی کے خلاف وقوع پذیر ہونا ہے مع اس کے کسی نفس کامل کے انتساب کے ساتھ ۔ پس اگر وہ بلا ارادہ اور بغیر ہمت صرف کیے ہو تو معجزات یا کرامات میں داخل ہے اور اگر اس میں اُس شخص کے ارادے اور ہمت کا عمل دخل ہو تو اس کا شمار بیّنات اور تصرّفات میں ہوگا ۔ لفظ کرامت بہت عام ہے اس کا اطلاق ان دو قسموں یعنی تصرّفات اور خرق عادات پہ بھی آتا ہے برعکس اس تصرّف و خرق عادت کے جو غیر تصرّفی ہو۔ اُسے خرقِ عادت کے سوا کچھ نہیں کہا جائے گا ۔ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ اولیائے کرام کے تصرّفات موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات اور حیوانات) اور اربعہ عناصر (آگ۔ پانی مٹی اور ہوا) میں بھی موثر ہوتے ہیں ۔ جیسے زمین کا لپٹنا (سمٹنا) پانی پر چلنا، ہوائی کرّہ میں نظروں سے اوجھل ہو جانا، منہ میں آگ رکھنا، شیر پر سوار ہونا ۔ سانپ کا کوڑا بنانا، دیوار کو حرکت میں لے آنا، اور ایسی کئی باتیں اولیائے کرام سے منقول ہیں ۔ ان بھیدوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان بھیدوں کو منکشف کیا ہو ۔ لیکن اولیائے کرام کے تصرّف کو عالم بالا میں دخل نہیں اور انبیائے کرام کا تصرّف عالم بالا میں بھی جاری ہے جیسے کہ شق القمر کا معاملہ، خاتم الانبیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج پہ جانا، اور آنحضرت کی دُعا پر آفتاب کا واپس لوٹ آنا (ردّ الشمس) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف اُٹھائے جانا ۔ انبیائے کرام سے منسوب اس قسم کے کئی دیگر معاملات اس پر گواہ ہیں ۔ لیکن امور کے اسرار و رموز کو فاش کرنے پر مامور نہیں ہوتے ۔ خود حق تعالیٰ نے ان تمام معاملات کے حقائق کا تفصیلاً انکشاف کیا ہے اور قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی سے سمجھایا ہے ۔ اسرار کا یہ انکشاف اس قسم کا نہیں جیسے کہ پہلے صوفیا میں سے شیخ محی الدین اکبر اور ان کے

Marfat.com

تابعین نے اس پہ لب کشائی کی ہے۔ اور نہ ہی اس قسم ہے کہ بعض فلسفی مشرب اصحاب مثلاً بوعلی سینا معراج کے اسرار و رموز کو اپنی عقل کے مطابق معقول بنا کر روحانی معراج کے قائل ہو گئے اور جسمانی معراج کا انکار کر دیا۔ بلکہ وہ اس جنس سے ہے کہ نہ تو اُسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ ہی کان سے سُنا ہے اور نہ ہی کسی بشر کے دل پر یہ گزرا ہے منجملہ اس چیز کے ذکر سے جس میں ہم ہیں۔ یہ آیت اس کی صراحت کرتی ہے۔ لیکن کریں تو کیا اس کے اظہار کی اجازت نہیں۔ اور حکم اللہ ہی کا ہے اس کے سوائے کوئی حاکم نہیں۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ خبر اپنے اندر لیے ہوتی ہے سچائی بھی اور جھوٹ بھی، کے حوالے سے اس کا بیان کرتے ہیں کہ جس طرح انسان کے بغیر کشف و کرامات ظہور پذیر نہیں ہوتے اسی طرح کشف و کرامات کو بھی انسان کے سوا نہ اور کوئی پاسکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے چنانچہ جس طرح تمام انسانی نفوس اس قابل نہیں کہ ان سے خاص کرامات ظہور پذیر ہوں اسی طرح تمام نفوس انسانی اس قابل بھی نہیں کہ وہ کرامات کو دیکھ سکیں یا سمجھ سکیں۔ دیکھئے یہ آیت کریمہ کہ ان کے دل ہیں مگر وہ سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں مگر وہ سنتے نہیں۔ یہی لوگ ہیں جو چوپایوں کی مانند ہیں مگر گمراہی میں ان سے بھی بدتر۔ اللہ تعالیٰ جس طرح کرامت و تصرّف کے ظہور کی قدرت کامل انسانوں کو عطا فرماتا ہے۔ اس کرامت و تصرّف کے دیکھنے کی استطاعت بھی اپنی ہمت سے کمال حاصل کرنے والوں کے دلوں پر القا کرتا ہے۔ پس اگر عطا اور القا کی حالتوں میں بیک وقت مطابقت ہو جائے اور قابل و مقبول بہم جمع ہو جائیں تو کرامت و تصرّف کا ظہور اور اس کا قبول ہر دو وقوع پذیر ہو جاتے ہیں اور اگر بہم جمع نہ ہوں اور نہ ہی مطابقت ہو یعنی کسی کے نفس کو کرامت و تصرّف کی قدرت تو عطا ہو جائے مگر اس وقت اس کے بالمقابل کرامت و تصرّف کے قبول کرنے کی قوت کسی نفس پہ القا نہ ہو تو اس وقت کرامت و تصرّف خارجی طور پر ظاہر نہیں ہوتے۔ گو کہ اس شخص کے نفس میں اس کی قدرت موجود ہو سکتی ہے۔ اور کرامت کے وقوع پذیر ہوتے وقت وہ کرامت کسی کو بطور کرامت نظر نہیں آتی۔ اور یا کرامت و تصرّف کے قبول کرنے کی قوت کسی شخص پر القا ہو جائے۔ لیکن اس کے مقابل اس وقت اس صاحب کرامت سے ٹکراؤ نہ ہو تو وہ کرامت و تصرّف کو اپنے آپ سے نہیں دیکھ سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جناب رسالت پناہ نبی کریم صلعم اور بعض صحابۂ کبار رضی کے مبارک ہاتھوں میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور انھوں نے نہ ان تسبیحات کو سنا اور سمجھا مگر دوسروں کے ہاتھ پہ یہ معاملہ ظہور پذیر ہوا اور انھوں نے

Marfat.com

کچھ بھی نہ سنا۔ نہ ہی کنکریوں کی تسبیح خوانی کو سُن سکے۔ ہر چند کہ حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کسی وقت بھی بیکار نہیں ہوتی بموجب اس آیت کریمہ کے کہ وہ ہر روز اک نئی شان میں ہے۔ لیکن وہ چشم حق بین اور گوشِ حق نیوش کہاں، جیساکہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے کہ کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں جو حق تعالیٰ کی تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیحات کو سمجھتے نہیں ہو۔ اس باب میں ہمارا مدعا یہ ہے کہ معجزہ نبوّت کے لیے اک شرط ہے۔ نبی سے معجزات کا ظہور پذیر ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام کہ خلق کو دعوتِ حق پہ مامور کیا جاتا ہے۔ ان کا رُخ ہمیشہ خلقِ خدا کی طرف رہا ہے اور لوگ عجیب وغریب امور کے دیکھے بغیر مائل نہیں ہوتے۔ وہ ایسے امر کا جس کے کرتے میں وہ خود عاجز ہوں اپنی آنکھوں سے معائنہ کیے بغیر دوسرے کے کمال وعظمت کی تصدیق نہیں کرتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو معجزوں سمیت مخلوق کی طرف بھیجا تاکہ اتمامِ حجت ہوجائے اور اللہ ہی کے لیے ہے حجّتِ بالغہ، اگرچہ اس سب کے باوجود بعض جن کے نصیب میں ایمان لانا نہ تھا ہرگز ایمان نہ لائے اور معجزات کو جادو ہی کی قسم سمجھا اور انبیائے کرام کو جادوگر کہا۔ اور اس آیت کریمہ کے بموجب جسے اللہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ادھر ولایت کے لیے کرامت کوئی شرط نہیں اور ولی سے کرامات کا ظہور کوئی لازمی امر نہیں۔ کیونکہ دعوتِ حق کا حکم اولیا سے متعلق نہیں۔ یہ لوگ روبحق ہوتے ہیں۔ وہ خلقِ خدا سے بے نیاز اور قطع تعلق کیے ہوتے ہیں۔ سوائے ان کے جو بنی اسرائیل کے انبیا کی مانند ہیں اور نبوّت کے کمالات سے مشرّف اور اپنے نبی کا خلیفہ بن کر دعوتِ حق پہ مامور ہوں۔ اس قسم کی ولایت تامہ سے جو نبوّت سے ملتی جلتی ہے ظہورِ کرامت شرط بن جاتا ہے۔ لیکن یہ کرامت بھی خرقِ عادت اور تصرّف پہ منحصر نہیں ہوتی لیکن یہ کرامت جو ایسے اولیائے کرام کے لوازم میں سے ہوتی ہے یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے برگزیدہ بندوں کے حال پہ اپنی توجہ کی عنایت مبذول کر دیتا ہے اور یوں تائیدِ ربّانی سے ان کی سچائی کا رعب لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور ان کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ اور ان کی صحبت میں ہدایت کی تاثیر رکھ دیتا ہے۔ اور ان کے دلوں پہ گہرے دقائق اور حقائق کے دروازے کھول دیتا ہے۔ جس سے دوسرے بے اختیار حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔ اور اس آیت کریمہ کے بموجب کہ بھلا اس جیسی کوئی سورۃ لاؤ تو وہ بھی لاجواب ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ان کے طرزِ معاشرت کی پیروی کرنے

Marfat.com

سے قاصر ہوتے ہیں۔ اور حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ایسے بزرگوں کو اس قسم کی کئی لازم و دائم کرامات سے ممتاز کیا ہوتا ہے۔ اور انھیں سب میں امتیازی حیثیت عطا فرما دیتا ہے اور لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا کر ان سے رشد و ہدایت کا کام لیتا ہے۔ اور شاذ و نادر بعضوں سے جن کے مقدر میں ہوتا ہے اصطلاحی تصرّفات اور خرق عادت بھی ظہور پذیر ہوجاتے ہیں۔ ان کے اعتقاد کو اور بھی مستحکم کر دیتا ہے۔ اور بعض کو جن کے مقدر میں نہیں ہوتا اپنے نبی کی سنّت پر شاعر و مجنوں ہی ظاہر کرتا ہے اور انھیں باطل یعنی خودی و انانیت کے پھندوں سے رہائی نہیں دیتا اور وہ قدیم اسم کے مطابق کہتے ہیں کہ کیا ہم ایک شاعر اور دیوانے کی خاطر اپنے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اپنے احوال کے وسط میں جو سالک مائل بہ عروج ہوتا ہے اُسے نفس کی مکمل فنا بھی حاصل نہیں ہوتی اور خودی و انانیت کے بچے کھچے اثرات مکمل طور پر زائل نہیں ہو پاتے۔ اس مقام پر اس کے تزکیہ یافتہ کی شراکت سے یا اللہ تعالیٰ کے فیض سے اُس سے بہت سے تصرّفات اور خرق عادت امور ظہور پذیر ہوتے ہیں، لیکن جس وقت عروج کے بعد نزول اور فنا کے بعد بقا اور مستی کے بعد ہشیاری حاصل ہوتی ہے اور خودی و انانیت کے تمام داغ دھبوں سے پاک ہوجاتا ہے اور اس کا اپنا وجود قطعاً درمیان میں نہیں رہ جاتا تو اس سٹیج پر تصرّفات اور خرق عادت امور کے ظہور کا اتفاق کم ہی ہوتا ہے بلکہ یوں کہیے کہ ہوتا ہی نہیں۔ کیونکہ وہ تو بالکل درمیان سے اُٹھ ہی گیا اور جو کچھ باقی بچا رہی ہے۔ پھر جو ہو سو ہو اس مقام پر تصرّف کی کسے مجال اور خرق عادت کی طاقت کہاں۔ نہیں ہے کوئی قوت اور طاقت کسی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ رباعی؛

ای شیخ بخلق از کرامات مگو
اخبار پریشان بمباہات مگو
منظور اگر بیہدہ گوئی باشد
دیگر چہ کم ست این خرافات مگو

ترجمہ رباعی: اے شیخ خلق خدا سے کرامات کی باتیں نہ کر اور یہ پریشان خبریں فخر و مباہات سے بیان نہ کر۔ اگر بیہودہ گوئی ہی سے کام لینا ہے تو اور لغو باتیں کیا کم ہیں بس اس خرافات کو چھوڑ دے۔ (اب مصنف کی اپنی وضاحت ملاحظہ ہو۔) لفظ شیخ سے ہماری مراد ریاکار۔ بزرگی کے طلبگار اور

Marfat.com

دکاندار قسم کے شیوخ سے ہے جو چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی مکر و فریب سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لیں اور ان سادہ لوح شیوخ سے بھی ہے جو مکر و فریب کی راہ سے نہیں بلکہ محض اپنی سادگی و سادہ لوحی سے اپنے خیالوں اور اپنی خوابوں پر اعتماد کر کے حقیقت کو سمجھے بغیر اپنے خیالوں، قیاسوں، گمانوں اور اپنی پریشان خوابوں کو بے دھڑک لوگوں کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں اور غیب کی باتوں کی خبر دیتے ہیں۔ گو وہ اپنے کہنے میں سچے ہی ہوں مگر غلط فہم لوگ ہیں۔ اور پریشان خوابوں اور سچے خوابوں اور اپنے توہمات اور عالم مثال کے کشف و کرامات میں فرق نہیں کر پاتے اور اپنے اٹکل خیالوں اور الہاموں اور قیاسی گمانوں اور یقینی امور میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ اصل اور صحیح معاملے کی علامتوں اور نشانیوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ پچھلے ان بزرگوں کی تقلید میں جو شیوخ ربانی اور نائبان نبوّت اور اپنے وقت کے عقلمند ترین اصحاب وہی بات کہتے تھے جو کہنی چاہیے تھی جو حق ہی دیکھتے تھے اور حق ہی کو ہر جا پاتے تھے۔ یہ بچارے بلا سوچے سمجھے بھاگے چلے جا رہے ہیں غلطی میں پڑ جاتے ہیں اور عقلمندوں کی نظروں میں خود کو رسوا کرتے ہیں۔ اگرچہ جاہل لٹھ عوام ان کے معتقد ہو جاتے ہیں اور بعض غرض مند متمول لوگ بھی ان کی طرف رجوع کر آتے ہیں۔ اور کچھ ناقص العقل اور ضعیف الاعتقاد عورتیں بھی ان کی معتقد ہو جاتی ہیں اور کچھ جہالت شعار پاجی بھی ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اور کئی شوخ مزاج جاہل بھی ان کے مطیع ہو جاتے ہیں جن سب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ وہ پست ہمت انہی سہل سی باتوں پہ خوش ہو جاتے ہیں ورنہ شریف النفس اور صاحبِ بصیرت حضرات کے سامنے تو بڑی شرم کا مقام ہے نہ کہ فخر و مباہات و خود نمائی کا۔ قصّہ کوتاہ، یہاں شاعر انہی ریا کار مکّار یا سادہ لوحوں اور کم عقلوں کو پکار کر کہتا ہے کہ اے ریا کار یا، احمق شیخ! لوگوں میں اپنے تصرّفات و کرامات کی بڑیں نہ ہانک اور کرامات دکھانے کو اپنا شعار نہ بنا۔ اور اٹکل سے ایک دو امور کے ٹھیک ہو جانے سے مسرور نہ ہو جا اور فریب نہ کھا جا اور کسی کے مرنے یا جینے یا کسی کے آنے یا نہ آنے، یا کسی کی معزولی اور تقرری، یا کسی کی صحت اور بیماری اور ایسی ہی دیگر واہی تباہی خبریں لوگوں میں اپنی غیب دانی کا چرچا کرنے کے لیے اترا اور اٹھلا کر بیان نہ کر کہ ایسی لغویات کو زبان پر بھی نہ لا۔ اگر چار و ناچار اپنی تفریح طبع کے لیے ایسی بیہودہ گوئی کرنی ہی ہے تاکہ تیرا جی بہل جائے اور دل کی بھڑاس نکل جائے تو پھر اور لغویات کیا کم ہیں۔ سب الا بلا کہتے جاؤ اور اس خرافات کو

Marfat.com

چھوڑ دو۔ اور لغت کے اعتبار سے خرافات کے معنی ہیں رات کو سنائی جانے والی کہانیاں اور یہاں مُراد تخیّلات و واقعاتِ شبیہ سے ہے، کیونکہ دینوی کشف کے اکثر مشاقوں کو تکلفاً بیدار رہنے کی وجہ سے رات کے آخری حصّے یا پہلے حصّے میں نیند کا غلبہ رونما ہوتا ہے۔ حواس مختل ہوجاتے ہیں۔ اور دماغ میں خلل آجاتا ہے۔ اور وہی چیز جو تخیل میں قائم تھی جلوہ گر ہوجاتی ہے۔ اور وہ اُسے کشف سمجھ بیٹھتے ہیں اور یوں خراب حال ہوتے ہیں۔ غیب کا جاننے والا تو فقط حق تعالیٰ ہی ہے اور کوئی انسان بھی ہونے والے امور سے آگاہ نہیں جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا اور کسی کو خبر نہیں کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔ کیونکہ اگر سبھی لوگوں کو اپنے مستقبل کے حالات کا پتہ ہوتا تو پھر نظام عالم جیسا کہ ہے ویسا نہ ہوتا۔ بالکل دگرگوں ہوجاتا اور اگر یہ مخصوص امر خواص کو مل جاتا کہ وہ مکمل غیب دان ہوجاتے تو پھر بھی کائنات کی اس حالت میں جس کی حکمت الٰہیہ اس وقت مقتضی ہے خلل آجاتا۔ دیکھئے قرآنِ حکیم کی یہ آیت کریمہ کہ آپؐ کہہ دیجیے کہ میں خود اپنی ذاتِ خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا کہ خدا نے چاہا ہو۔ اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سا منافع حاصل کر لیا کرتا اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی۔ پس جب تم اپنے ہی حال سے بے خبر ہو تم دوسروں کے حال کا کیسے سراغ لگا سکتے ہو۔ کیونکہ ہر کسی کے لیے مقدم تو اپنے حال ہی کا جاننا ہے۔ کسی دوسرے کے حال کا پتہ لگانا تو یقیناً بعد میں آتا ہے۔ جب تو اپنی نیکی و بدی کے ادراک میں یوں حیران و پریشان ہے اور تجھے کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کیا ہوگا تو پھر تو دوسرے کے ہونے یا نہ ہونے والے واقعات کے متعلق کیا جان سکتا ہے۔ تجھے اتنی قدرت حاصل ہے تو پھر تو نے خود کو پیش آنے والے بہت سے ناگوار امور کی روک تھام کیوں نہ کی۔ اے ابلہ فریب نادان مکر و فریب کا دفتر نہ کھول کہ آخر کار اللہ اور اس کے بندوں کے نزدیک تمھیں ذلیل ہونا پڑے گا اور اپنے اس عمل سے خود اپنے آپ سے شرمندگی اُٹھانی پڑے گی۔ اس ٹیڑھی چال کو ترک کر دے اور صدق کی راہ پر چل نکل اور راستی کی طرف بڑھ، تاکہ تو خالق کے نزدیک عزیز اور مخلوق کے نزدیک قابلِ احترام ہو اور نہ ہی اپنے جی میں ندامت اُٹھانی پڑے۔ سچ میں نجات ہے۔ جھوٹ تو ہلاک کر دیتا ہے کیونکہ طبعاً صدق کی خاصیت یہی ہے کہ وہ آخر نجات اور فلاح و بہبود کا باعث بنتا ہے خواہ وقتی طور پر بعض امور میں ضرر کا موجب ہی نظر آئے اور سرسری

Marfat.com

نگاہ میں اس کی خوبیوں کا پتہ نہ چلے۔ اور طبعاً جھوٹ کی خاصیت یہ ہے کہ آخر کار وہ ہلاکت اور گرفتاری کا موجب بنتا ہے۔ اگرچہ وقتی طور پر بعض جگہوں میں وہ نفع کا موجب دکھائی دے۔ اور ناعاقبت اندیشوں کو بھلا لگے۔ پچھلوں کی حکایتوں کی تقلید میں بھاگ دوڑ نہ کر اور عمر عزیز کو انہی خیالات میں ضائع نہ کر، یعنی اس خیال کے پیچھے مت بھاگ کہ پچھلے بزرگوں سے متعدد کشف و کرامات ظہور پذیر ہوئے جیسے کہ بہت سی عجیب و غریب کہانیاں مشہور ہیں اور کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہیں۔ پس اگر ہم سے وہ کچھ نہ ہو سکا تو ہماری بزرگی میں فتور آجائے گا۔ لہذا اپنی عزیز عمر کے ان قیمتی اوقات کو جو دوسری سعادتوں کے حاصل کرنے کا بہترین وقت ہے اسی بے فائدہ امر کے حصول کے خیالوں اور وسوسوں میں ضائع نہ کر۔ فرض کیا کہ اگر تجھ سے بھی کوئی کشف و کرامت ظہور میں آجائے اور ہونے والے یا نہ ہونے والے امور کا تمھیں دوسروں سے چند ماہ یا چند سال پہلے پتہ چل جائے جس کے وقوع کے بعد سبھی کو معلوم ہو جائے گا۔ پس آخر اس سے تجھیں کیا فائدہ اور تیرے ذاتی کمال میں کیا اضافہ ہوگا یا کونسا سرخاب کا پر لگ جائے گا۔ پس اتنا سا فائدہ ضرور کہ بعض جاہل لوگ تمہارے متعقد ہو جائیں گے جس سے نذر و نیاز میں کچھ نفع ہوگا اور باقی ہیچ۔ پس اتنی سی حقیر پونجی کے عوض ان کثیر التعداد بھلائیوں کو نہ بیچ۔ قلبی استغنا کی بجائے مالی غنا کا ذخیرہ جمع نہ کر کیونکہ اسے تو زوال ہے اور وہ لازوال ہے اور یہ جو تو نے سن رکھا ہے کہ ہم سے پہلے بزرگوں سے بہت سے کشف و کرامات ظہور پذیر ہوئے ہیں تو یہ حکائتیں طویل مدت، روایات کے اختلاف اور راویوں کے انداز بیان اور ان اصل اشخاص کی عدم موجودگی کی وجہ سے جیسی کہ وہ حقیقت میں تھیں ویسی نہ رہ سکیں۔ اب انھوں نے بالکل مختلف رنگ و روپ دھار لیا ہے۔ کیا تمھیں نظر نہیں آتا کہ تیرے اپنے دیکھے بھالے امور جن کے معاملات میں تو خود بھی شریک تھا، اور تو نے اپنی آنکھوں سے انھیں دیکھا بھی لوگ ان کو کیسے کیسے مختلف انداز اور مختلف روایات میں پیش کرتے ہیں۔ اور کیسے کیسے مختلف رنگ دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ واقعی ایسی کوئی چیز ہوئی ہو جو یوں مشہور ہو گئی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ حقیقت میں کچھ بھی نہ ہو کیونکہ خبر کے صحیح یا غلط ہونے کا احتمال ہوتا ہے، لیکن ہماری اس تقریر کو اولیائے کرام کی کرامات سے انکار نہ سمجھ لینا۔ کیونکہ اولیائے کرام کی کرامات کا اقرار تو ہمارے عقائد میں سے ہے۔ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے بزرگوں کی بہت سی کرامات اور تصرفات کو

Marfat.com

دیکھا ہے اور ہم ان مجلسوں میں خود حاضر بھی تھے اور بذات خود ایسی واردات کا مشاہدہ کیا ہے جن کے انکار سے نفس عاجز ہے اور جس میں شک و شبہ اور تردّد کی کوئی گنجائش نہیں اور خرق عادت کے طرح طرح کے معاملات سامنے آئے، عادت اللہ جن کی مقتضی تھی۔ اور ہمیں اس سلسلے میں حق الیقین نصیب ہوا۔ پس ہمارا حاصل مطلب یہ ہے کہ علم غیب کو خدا تعالیٰ ہی کا خاصہ سمجھنا چاہیے اور جس طرح معجزہ شرطِ نبوّت ہے کرامت شرطِ ولایت نہیں ہے اور سالک کو اس امر کی تلاش کے درپے نہیں رہنا چاہیے اور قربِ الٰہی کو کشف و کرامت سے مشروط اور موقوف نہیں سمجھنا چاہیے اور ایسے امور کو اعتبار کی نگاہ سے گرا دینا چاہیے جیسے کہ راستے میں پھینکی ہوئی چیز۔ بہت سے امور جو اعتماد کے لائق ہیں وہ اور ہیں درویشی منجم اور رمّال ہونے سے عبارت نہیں ہے کہ درویش غیب کی خبروں سے آگاہ ہو۔ اسے تو لوگوں سے کہنا چاہیے کہ درویشی ایک الگ امر ہے جو عبارت ہے قربِ الٰہیہ سے۔ درویشوں کا کام اللہ تک پہنچتا ہے اور نجوم اور فال گیری دنیوی فنون میں سے فن ہیں جیسے دھوکے باز لوگ اپنی روزی کا وسیلہ بناتے ہیں اور اُسے بطور پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اور شریعتِ محمدیہؐ کے حکم کے بموجب ہمیں اہلِ نجوم کی خبروں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے اور نہ اُنھیں سچ سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ بات منسوخ ہو چکی ہے لیکن ان کے علم کی بعض باتیں اور ان کی کلّیات کے بعض ضابطے معقول و مضبوط بھی ہیں۔ ہر چند کہ ان کے جزئی احکام جھوٹی باتوں ہی میں شمار ہوتے ہیں، اور عقلی اعتبار سے بھی قابلِ اعتماد نہیں۔ اگرچہ بعض اتفاقیہ طور پر درست بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن علم ہیئت تمام کا تمام دلائل و براہین پر مبنی ہے اور سعادت و نحوست کے کلّی احکام کا استخراج صحیح بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ جس طرح اس نے افلاک اور ستاروں کو تاثیر بخشی ہے ویسے ہی اُن سے وہ تاثیر چھین بھی لے۔ اور بات ان کے اقتضا کے برعکس ظہور پذیر ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے اس میں اختلاف رونما کر دے۔ اور پوشیدہ عِلّتوں اور جملہ اسباب سے کسی کو آگاہی بھی نہ دے کیونکہ ہم مسلمانوں کا عقیدہ و ایمان یہی ہے۔ ہم فلسفیوں کے تابع نہیں ہیں۔ ہم محمدیؐ ہیں پس اپنی ایمانی قوت کے بل بوتے پر ہم نجومیوں کی باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔ اگرچہ ان کے اقوال میں سے بعض درست ہی ثابت کیوں نہ ہو جائیں۔ لیکن ہم اپنے رسول کریم صلعم کے اتباع میں ربِّ کعبہ

Marfat.com

کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ بیشک نجوم جھوٹے ہوتے ہیں۔ اور اس امر کے ظہور کو بھی تقدیرات الٰہی ہی سے منسوب کرتے ہیں۔ انہیں ستاروں کی تاثیرات نہیں سمجھتے۔ لیکن یہ رمّال یہ جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے کرنے والے اور فال گیر اور سیفی خوان اور ان جیسے دیگر فریب کار و دغاباز عامل جن کے فیصلے ہرگز معقول نہیں ہوتے، اور نہ ہی ان کا علم منقول ہوتا ہے اور وہ خواہ مخواہ اپنی طرف سے ان علوم کی جناب باری تعالیٰ سے نسبت کی من گھڑت سندات پیش کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ عوام کے سامنے ان کے لیے سند ثابت ہوں اور ڈھنگ سے احمق جاہلوں اور بے وقوف عورتوں کو فریب دے کر اپنی گزر بسر کرتے ہیں۔ لحیان و عتبہ الخارج اور عتبہ الداخل کی شکلوں کے بیان اور اس کے علاوہ علم رمل کی دیگر شکلوں کا حدیث کی کونسی کتاب میں ذکر ہے یا رسول اللہؐ کے کس صحابیؓ کا یہ عمل ہے اور پانسوں کا حسب خواہش آن پڑنا کس کام کے ہونے یا نہ ہونے پہ کیسے دلالت کر سکتا ہے اور اُن سے وہ معنی کیسے لیے جا سکتے ہیں اور کاغذ پہ عدد کے مطابق نقطے لگانا بھی دو صورتوں سے باہر نہیں ہو سکتا، یا طاق یا جفت کیونکہ یہ تو قاعدہ کلیہ ہے کہ عدد یا جفت ہو گا یا طاق۔ پھر ان سے کسی چیز کا فیصلہ کیسے دیا جا سکتا ہے تاکہ زائچہ کھینچ کر اس کے مطابق فیصلہ لے لیا جائے یہ تو عقل سے بعید بات ہے یا قرآنی سورتوں کو الٹ پڑھنے کے عمل سے الفاظ کو مہمل بنا دینا (ایسے عملوں سے خدا کی پناہ) یہ تو کفر ہے اور یہ جو اپنی ہی طرف سے ہر قرآنی سورۃ کے موکلوں کے نام فرشتوں کے ناموں کے وزن پہ رکھ لیتے ہیں۔ بھلا یہ احادیث میں کہاں درج ہے اور جن جانوروں کے گوشت کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اس کا ترک کر دینا کونسی احادیث سے ثابت ہے اور اپنی عقل کے مطابق بھی ایسے اعمال کسی طرح بھی درست ثابت نہیں ہوتے اور پھر حوّا' اور 'بدوح" کے حروف ابجد کے لحاظ سے نکالے ہوئے عددوں کے مطابق تکونی یا چوکور وضع کے تعویذ بھی تو احادیث میں کہیں نہیں آئے اور شریعت میں اسم بدوح کو اسم الٰہیہ سے کیا گیا ہے۔ آدمؑ جو حوّا کے زوج (خاوند) تھے۔ اس اسم کے عدد نکالنا بھی تو کسی روایت میں نہیں آیا اور عقل کے نزدیک بھی لکیردار کاغذ کے خانوں کو حسابی عددوں کے نقوش سے بھرنا اگرچہ ہر طرف سے ہم عدد کیوں نہ ہوں کسی کی صحت یا بیماری یا کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے میں کوئی عمل دخل نہیں رکھتا۔ اور تعویذ گنڈے والے کاغذ کو بتی بنا کر جلا دینے میں کوئی اثر نہیں

Marfat.com

ہوتا اور سیفی خوانی کا عمل (جنتر منتر، کالا جادو) ان معانی کے دعوے میں کرتا کہ کوئی مر جائے یا کسی کو نقصان پہنچے یہ درویشانہ وضع کے انتہائی خلاف ہے۔ اس سب جھاڑ پھونک سے ہوتا کیا ہے۔ کسی کو زندہ رکھنا یا مارنا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے اور وہی ایسا زندہ ہے جسے موت نہیں۔ اور احادیث میں جو یہ مروی ہے کہ فلاں حاجت برآری کے لیے فلاں قرآنی سورۃ کا پڑھنا مفید ہے اور کشائش رزق اور فلاں مرض کے دفعیہ کے لیے فلاں دُعا یا فلاں آیت کا پڑھنا کارآمد ہے اور اسی طرح اس جیسے دیگر اوراد و وظائف ماثورہ (منقول از آنحضرت صلعم) جو اخروی اجر کے ساتھ دنیوی امور کے فوائد سے بھی متعلق ہیں۔ اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں اور ان امور سے متعلق جو خدائی اندازے ہیں ان میں وہ اپنی تاثیرات دکھاتے ہیں اور جس کے مقدر میں ہو اُسے فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس بیان سے ان امور کے ہونے یا نہ ہونے سے نہ تھی اور نہ ہے۔ اس میں بہت سی حکمتیں، مصلحتیں اور فائدے مضمر ہیں۔ جو اللہ اور اُس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ وگرنہ ان کی تاثیرات میں اختلاف (اکھاڑ پچھاڑ) وقوع پذیر نہ ہوتی۔ کیونکہ بہت سے لالچی لوگ اپنی دنیاوی حاجات روائی کی نیت سے ہمیشہ منقول دُعائیں پڑھتے ہیں اور اپنے انہی حالات میں حیران ہیں۔ الغرض ہماری اس تقریر سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسماء یا تعویذ اور دیگر اعمال میں مطلقاً کوئی اثر ہے ہی نہیں، بلکہ جو کچھ ہے سب اسمائے الٰہیہ ہی کا ظہور ہے۔ اور اسمائے الٰہیہ کے اپنے خواص ہیں۔ اور دُعا اور تزکیہ شدہ نفوس کے دم درود میں اثر ہے۔ بزرگوں کے مقرر کیے ہوئے اعمال اور موزوں اشکال اور کاملانِ ذات کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میں اثر ہے کہ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے انھیں دیکھا، لہٰذا ہماری مراد یہ ہے کہ درویش کو چاہیے کہ حاجت روائی اور مشکل کشائی کی دکان نہ سجائے۔ اور لوگوں کے مطالب کو پورا کرنے کو اپنا پیشہ ہی نہ بنالے۔ اور اسی کو اپنی روزی اور گزر بسر کا ذریعہ نہ بنا بیٹھے۔ جیسی کہ ان سب مکّار اور دھوکے باز دکانداروں کی روش ہے۔ اور اہلِ مطالب سے یا تو رقم طے کر لیتے ہیں یا پہلے متعلقہ کام کو سرانجام دینے کے لیے ابتدائی طور پر بعض چیزیں جیسے خوشبویات وغیرہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور بڑے شدّ و مد سے کہتے ہیں کہ یوں ہے اور یوں ہے، یا ایسے ہوتا ہے اور یوں ہو جائے گا کہ یہ ان دغاباز جاہلوں کی فضول بڑیں

Marfat.com

اور محض فریب ہے۔ جو درویش اور اہل اللہ لوگ ہیں انھیں ان چیزوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ درویشی شعبدہ بازی اور نقالی پر منحصر نہیں۔ یعنی وہ درویش جو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی حالت سے حاصل ہوتی ہے وہ تصرّف و کرامات کی شعبدہ بازی اور عجیب و غریب باتیں دکھانے کی شرط سے مشروط نہیں کیونکہ اس کی حیثیت تو مداری کے کھیل سے زیادہ نہیں اور ایسی لوالعجبیاں (تعجب انگیز باتیں) نٹوں اور نقالوں کے کھیل تماشے سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ عارفوں اور اہل اللہ کی نظروں میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ پچھلے بزرگوں کی خرق عادت حکائیتوں کی تقلید میں بھاگنا محض نادانی ہے اور کشفی اور تصرّفی حیرت انگیز امور کے گرد گھومنا محض پشیمانی کا باعث بنتا ہے۔ اکابرین کی پیروی دوسرے امور میں کرو اور دیکھو کہ وہ کس اخلاق، کن اوصاف، کونسے کمالات، اوقات، حالات، کیسے اعمال و اقوال، کیسی نیتوں، کونسی برکتوں، کیسے ظاہر، کیسے باطن، کیسی وضع قطع کیسے طور اطوار، کتنی ایمانی قوت اور کس قدر عقل و معرفت کے مالک تھے۔ توکل اور رضا پر قائم رہ کیونکہ بزرگی کے حصول میں یہ امور پہلی شرائط ہیں۔ اور طمانیت قلب اسی توکل کی حالت سے حاصل ہوتی ہے یعنی قضائے الٰہی، رضا، شرع متین پہ استقامت سے۔ اور کرامت طلبی کے بکھیڑوں میں پڑے رہنا تو محض محرومیت ہے۔ کیونکہ کرامت ہوئی تو بس شامت ہے یا ندامت۔ کیونکہ ایسے بہت سے کرامت طلبوں کو ہم نے خود اپنی آنکھوں سے تباہ حال، برباد، آوارہ، ڈانواں ڈول، نسبت حق سے عاری، بزرگوں سے بیزار اور بڑی بے برکتی اور بدنصیبی کی حالت میں دیکھا ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ یہ نامعقول طلب ہے ہی اک آفت! استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔ اللہ کے نیک بندوں اور راہ ہدایت کے سالکوں کا اصل کام یہی استقامت ہے۔ ہوا و ہوس کے مارے ہوئے ان نامردوں کے ہاتھوں میں استقامت کی ڈور کبھی نہیں آتی۔ کیونکہ وہ اپنی آرزوؤں اور جسمانی و نفسانی خواہشوں کے اسیر ہوتے ہیں۔ استقامت کے لیے قوی نفس، بلند ہمت، صحیح ایمان، عقل رسا، اللہ سے زبردست نسبت اور حُبّ دنیا سے مکمل قطع تعلق درکار ہے۔ پس اپنی تمام تر ہمّت اور عزم کو استقامت پہ مبذول کر دینا چاہیے جو کہ کرامتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور تصرّف و کرامت کی ہوس کو دل کے پاس بھی نہ پھٹکنے دینا چاہیے۔ اگر یہ تہمت تیرے مقدر میں لکھی ہوگی تو تیرے اظہار کے بغیر بھی وہ تصرّفات لوگوں کو نظر آجائیں گے۔ اور

Marfat.com

کرامت اور تصرف کو ہم نے لفظ تہمت سے اس لیے منسوب کیا کہ دراصل اس معنی کا ظہور قادر مطلق کی قدرت نمائی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس امر کی نسبت جو کامل انسانوں سے منسوب کی جاتی ہے درحقیقت ایک تہمت سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ کیونکہ جب مخلوق کے تمام افعال کی فاعلیت حقیقتاً فقط حق تعالیٰ ہی سے منسوب ہے اور اللہ کے سوا نہ کسی کو قوت ہے اور نہ طاقت، وہی اعلیٰ و ارفع ہے۔ مخلوق کی طرف فاعلیت کی نسبت مجازاً ہے۔ پس ایسے فعل کی نسبت جو سب کے سامنے اعلانیہ طور پر بندے کے بس میں نہیں یقیناً ان کی ذاتوں سے منسوب نہیں ہوگی۔ اور اگر باقی تمام افعال کی مانند اس امر کی نسبت بھی بندوں سے مجازاً ہو تو روا ہوگا۔ اور یہ مجازی نسبت حقیقی اسناد کے مقابلے میں ایک تہمت سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ پس یہ کیا گیا کہ اگر اللہ کے ارادے اور اس کی مرضی سے اس کشف و کرامت اور تصرّف اور خرق عادت کاموں کی تہمت سے متہم کیا جانا تمھارے مقدر میں ہے تو تیرے ارادے کے اظہار کے بغیر لوگ تیرے تشخص کے پردے سے متصرّف و کرامات کو کارکنان قضاو قدر یعنی فرشتوں کے ہاتھوں دیکھ لیں گے اور وہ بھی درحقیقت تیری طرح بے اختیار ہیں۔ اور اس مظہر سے قدرت الٰہیہ ظہور پذیر ہو جائے گی۔ تو اپنے ساتھ اس امر کی نسبت کو تہمت کے سوا اور کچھ نہ سمجھ۔ اور ایسے امور کی طرف اپنی توجہ مبذول نہ کر۔ اور خود ان کھیلوں کو اپنا مقصود نہ بنا۔ اور ایسے خیالات یکسر اپنے دل سے نکال دے۔ اور ایسے امور پر اپنی ہمت صرف نہ کر اور اپنے دل کی سرزمین میں ایسے وسوسوں کے بیج نہ بو۔ یعنی کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے پر خواہ مخواہ متوجہ نہ ہو۔ اور کسی کام یا معاملے کے انکشاف کے درپے نہ ہو۔ آخر اس کارخانۂ قدرت میں تم نے اپنے آپ کو کیا سمجھ رکھا ہے جو تم اتنا عمل دخل دکھانا چاہتے ہو۔ اگرچہ کسی کام پر ہمت صرف کرنا پچھلے بزرگوں سے منقول ہے مگر وہ ہمت بھی اسی وقت مقررہ پر اللہ ہی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ نہ کہ اولیائے کرام کے تکلّف یا ان اہل غرض کی واہی تباہی کہنے سے جب جی چاہا رضائے الٰہی کے برعکس ہمت صرف کرتے اور خدائی اندازوں کو الٹ پلٹ دیتے ہیں۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ الغرض ان دنیوی انکشافات کے معاملے میں خود بخود مصروف نہ ہو۔ اور بالفرض اگر تقدیراً تیرے مقصد و ارادے کے بغیر یا تیرے بے اختیاری قصد یا اضطراری ارادے سے واقعاً تجھے کوئی چیز دکھا دیں جس میں تیرے ارادے اور قصد کو کوئی دخل نہ ہو۔ کیونکہ گاہے یوں بھی ہو جاتا

Marfat.com

ہے اور تجھے کسی راز سے مطلع کر دیں اور کسی امر کے حال سے تجھے آگاہی بخش دیں ۔ کیونکہ اولیائے کرام کی کرامات برحق اور ہم محمدیوں کے عقائد میں سے ہیں تو پھر جہاں تک تجھ سے ہو سکے اس راز کو چھپانے کی کوشش کر اور نااہل کے سامنے اسے ظاہر نہ کر، اور اپنے آپ کو ہرزہ سرائی کے بدلے میں نہ دے اور یوں اپنی مشیخت (بزرگی) کی دکان نہ سجا ۔ کیونکہ پہلے بزرگوں نے کرامات کو مردوں کا حیض کہا ہے ۔ پس جس طرح عورتیں مردوں سے اپنا حیض چھپاتی اور پوشیدہ رکھتی ہیں، اسی طرح اللہ کے نیک بندے اپنی کرامات کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں ۔ اور ان سے حجاب برتتے ہیں اور ان کے نہاں رکھنے میں پورا اہتمام کرتے ہیں ۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ سلاطین و اُمرا کے مصاحب ان کی کیسی رازداری کرتے ہیں اور کسی پر ان کا بھید نہیں کھولتے ۔ اور سلاطین و امرا کے رازوں پر لب کشائی نہیں کرتے اور کسی کو نہیں بتاتے ۔ تجھے اگر اللہ جلِ جلالہٗ کسی معاملے کے متعلق کسی قسم کی اطلاع دے دے اور کسی راز سے تجھے آگاہ کر دے تو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ ہر کسی کے سامنے اس کا اظہار یا بیان کرو ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہونگی کیونکہ نظام عالم اسی سنت پر چل رہا ہے ۔ بے خبری میں اک جہاں راز ہے اور رموز کے ظاہر کر دینے سے صفائی قلب کے بارے میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے ۔ سب کو دیکھو مگر کچھ نہ کہو ۔ چنانچہ اسی ناچیز کا اک شعر ہے ؎

ہر سو آئینہ پیش رو یست ــــــ این محفل جائے دم زدن نیست

(ہر طرف چہرے کے سامنے اک آئینہ ہے ۔ یہ مجلس دم مارنے کی جگہ نہیں) جو کوئی بھی محرم حال ہے اور بشری طاقت کے مطابق اس کارخانۂ ہستی سے واقف ہو گیا ہے ۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی، یعنی ع جو پا گیا راز وہ گم ہے خموش ہے ۔ وہ آخر کار اس مقولے کے اقتضا سے کہ جس نے خدا کو پہچان لیا اس کو چُپ لگ گئی ۔ اور وہ سکوت و خامشی کے گوشۂ عافیت میں جا بیٹھتا ہے ۔ متوسط حالوں کی معرفت الٰہیہ کے بعد سخن آرائی کی دکان نہیں سجاتا ۔ اور غیب کی باتوں کو جاننے اور دنیوی اُمور کی بشارتوں کا تذکرہ زبان پر نہیں لاتا اور انھیں اسی عالم الغیب کے اندازوں پر چھوڑ دیتا ہے خواہ ان میں سے بعض کشف سے معلوم ہو بھی جائیں ۔ پس اے مخاطب! تجھے بھی اگر دنیوی انکشافات میں سے کسی کا پتہ چل جائے تو تمھیں چاہیے کہ مرجعِ خلائق کامل انسانوں کی

Marfat.com

طرح اس کے چھپانے میں اہتمام کرو اور بیان بازی کا دفتر نہ کھول لو۔ سوائے اس حالت کے کہ تمھیں اس کی خبر دینے پر مامور کر دیا جائے۔ پس اس مجبوری کی حالت میں انکشافات کے بیان کے سلسلے میں یہ تیسری شق ہے۔ یعنی پہلی وہ تھی کہ مکار اور جھوٹے لوگوں کو فریب دینے کے لیے بے اصل باتیں بیان کرتے ہیں اور یہ بذاتِ خود جھوٹ اور دغا ہے جو اللہ کسی مسلمان کے نصیب میں نہ کرے۔ یہ بات سچوں سے کبھی وقوع پذیر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اوپر ہم نے طنز و تشنیع کے بھرپور انداز میں اس سے منع کیا ہے۔ دوسری شق یہ ہے کہ بعض سادہ لوح سالک اگرچہ افترا پردازی نہیں کرتے لیکن حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے اپنے خواب و خیال ہی کو طبعاً کشف سمجھ بیٹھتے ہیں اور بے دھڑک دوسروں کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں اور اُس پر نازاں ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس قسم کے اظہار سے بھی ہم اوپر منع کر آئے ہیں۔ تیسری شق یہ کہ اولیا ءاللہ پر کوئی بات منکشف ہو جاتی ہے اور اُس کے ظاہر کرتے اور اس کے متعلق دوسروں کو اطلاع دینے پر بھی حق تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوتے ہیں۔ پس اس صورت میں مجبوری و لاچاری ہے اور بیان کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ایسی حالت اور ایسے وقت میں بھی اس بات کو اشارات و کنایات سے بیان کرے اور رمز و کنایہ سے مختصراً اطلاع دے اور صراحت سے بیان نہ کرے اور اس کی تفصیل زبان پر نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ کی چال سے امان میں رہ کیونکہ وہ بہترین چال چلنے والا ہے۔ حق تعالیٰ بہت سی چالیں جانتا ہے۔ اور اصرار کی راہ اختیار نہ کر۔ یعنی اس امر پر مُصر نہ ہو جا کہ یہ بات خواہ مخواہ اور یقیناً ویسے ہی ہو گی جو مجھے کشف کے ذریعے معلوم ہو گئی ہے اور اپنے کیے پر کسی کا اطمینان مت ڈھونڈ یعنی اپنی کہی ہوئی بات کے بھروسے پر دوسروں کو مطمئن نہ کر کہ تم خاطر جمع رکھو اور یوں کرو یا ووں کرو، ہو گا ویسے ہی جیسے مجھے معلوم ہوا ہے اور پہلے یہ کہو کہ غیب کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ یہی ادب کا طریق ہے۔ یعنی کسی انکشاف کے بیان کرتے وقت جس کے اظہار و خیال پر تمھیں مامور بھی کیا گیا ہے تو بھی بات شروع کرتے وقت یہ الفاظ دہراؤ کہ غیب کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ لیکن خود اس نے اس کے اظہار پر مامور فرمایا ہے۔ اور غیب کی باتیں تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہو گا۔ جب انبیائے کرام کے کشف کے بھی خلاف واقع ہو گیا تو پھر اولیائے کرام کا کیا مقام؟ یعنی جب بعض اوقات انبیاء علیہ السلام کے کشف کے بھی خلاف واقع ہو گیا اور جو

Marfat.com

پھر بذریعہ کشف معلوم ہوا بات اس کے خلاف وقوع پذیر ہوگئی۔ کیونکہ وہ بھی آخر انسان ہی تھے گو کہ نوعِ انسانی میں اکمل و افضل تھے۔ کیونکہ اللہ جل شانہ، جو علیم و حکیم مطلق ہے کے سامنے تو سبھی عاجز ہیں اور بے اختیار۔ پس اولیاء اللہ جو انبیائے کرام کے کشف سے کئی درجے نیچے ہیں ان کے مکشوفات مندرجہ بالا احتمال سے کیسے مامون و مصئون ہو سکتے ہیں کہ وہ ارواح کے پردے اور دُنیا کے حجاب سے کبھی باہر نہیں آتے۔ ان پر انبیائے کرام کی طرح انفس و آفاق سے ماسوا معاملات کبھی نہیں کھُلتے خواہ وہ کمالاتِ نبوّت کے مالک ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ یہ بزرگوار انبیائے کرام کا تتبع کر کے کمالاتِ نبوت سے مشرّف ہوتے ہیں۔ براہِ راست ان کے پاس نبوّت کا منصب نہیں ہوتا۔ جب مرتبۂ نبوّت کے ان اصل مالکوں کے کشف کے خلاف واقع ہو جاتا ہے تو پھر تابعین کی کیا حیثیت، کیونکہ علاّم الغیوب تو فقط حق تعالیٰ ہی ہے۔ جیسے کہ ایک روایت مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام (ان پر اور ہمارے نبیؐ پر درود و سلام) کو ایک دفعہ معلوم ہوا کہ آج رات فلاں قصبہ پر بلا نازل ہوگی اور وہ قصبہ اور اہلِ قصبہ سب تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ حضورِ حق سے حکم ہوا کہ یہ خبر ہر کسی کو مت بتانا۔ اپنے تابعین (مومنین) کو وہاں سے نکال لا۔ حضرت موسیٰؑ نے ویسے ہی کیا اور اسی وقت اپنے تابعین کو لے کر دوسرے قصبے میں چلے گئے اور ساری رات اسی تشویش میں رہے کہ صبح ہو تو چل کر وہاں دیکھیں کہ اس قصبے اور اس کے باشندوں پر جو کفار تھے کیا بلا اور کیا آفت نازل ہوئی۔ رات کے گزرتے پر صبح تورکے تڑکے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ قصبہ جیسے تھا ویسے ہی آباد ہے اور اُس کے ساکن بھی سب خیر و عافیت سے ہیں۔ جب کفار نے اُنھیں دیکھا تو ازراہِ تمسخر کہنے لگے کہ اے موسیٰ اس بلا کا کیا ہوا جسے تو کل اپنے رب کے پاس سے لاکر ہمیں ڈراتا تھا۔ ہم سب اس وقت بخیر و عافیت ہیں۔ اور قصبہ بھی اپنی حالت پر قائم ہے۔ حضرت موسیٰ کو یہ حال دیکھ کر اور یہ باتیں سُن کر سخت تعجب ہوا۔ وہ حیران و ششدر رہ گئے کہ مجھے تو اس بات کا واضح طور پر کشف ہوا تھا اور میں خدا کی طرف سے اس کی اطلاع دینے پر بھی مامور تھا۔ میں نے کوئی اپنی طرف سے تو اس امر کا اظہار نہ کیا تھا۔ کہ رضائے حق کے خلاف ظاہر کرنے پر یوں ہوا ہو۔ کفار کو اس بات سے انکار کی اور بھی شہ ملی۔ اور ضعیف الاعتقاد مومنوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ حضرت موسیٰ نے اللہ کی طرف

Marfat.com

رجوع کرکے التماس کیا کہ خداوندا مجھے وہ کیا حکم ملا تھا اور یہ کیا معاملہ ہے جو درپیش آگیا۔ مجھ پہ تو اس کام کی حکمت آشکارا نہیں ہوئی۔ باری تعالیٰ سے ارشاد ہوا کہ اُس قصبے اور اہل قصبہ پر بلا کا نازل ہونا مقدر تھا لیکن ایک بت تراش اس قصبے میں رات بھر بت تراشی میں مشغول رہنے کی وجہ سے ساری رات جاگتا رہا۔ ہم نے اس کی شب بیداری کی برکت سے بلا نازل نہ کی، خاطر جمع رکھو ہم ابھی ان دوسرے کفار پہ بلا نازل کیے دیتے ہیں۔ اور تجھے سچا ثابت کیے دیتے ہیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام کو اس قضائے معلّق (جو اٹل نہ ہو) کا کشف ہوا تھا۔ اس امر کی اٹل قضا سے اُنھیں آگاہی نہ تھی۔ اور اُس امر کے اظہار کا حکم ان کی تربیت کے لیے دیا گیا تھا تاکہ وہ اپنے اس قرب و قدر و منزلت و کشف و قدرت کے باوجود اپنی بندگی کے عجز اور ذاتِ کبریا کی بے نیازی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں۔ اور ہمہ وقت اس امر کو مدنظر رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں کتنی ہی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اور وہ ان سب حکمتوں کو جانتا ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ اے باخبر سامعین اور صاحب بصیرت و بصارت ناظرین ہم نے تو ابلاغ کی شرط کے بموجب یہ سب کچھ کہہ دیا اور آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا اور کشف و کرامات کے معاملات کے حقائق اور ان کے چھپانے اور ظاہر کرنے کے ڈھنگ کو مفصّل طور پہ بالتشریح لکھ دیا کہ وہ کیسے اور کس حد تک ہونے چاہئیں۔ اور اکابرِ دین، محقق عارفین اور اولیائے کرام کا جو مسلک تھا وہ تجھے بتا دیا اب تو مختار ہے تو بُرے بھلے میں امتیاز کرسکتا ہے۔ پس جیسے تیرا جی چاہے ویسی ہی معاش اختیار کرلے۔ اور تیری امتیاز کرنے والی قوت جس وضع قطع کو پسند کرے اسی پہ زندگی گزار۔ ہمارا کام تو پیغام کا پہنچانا تھا۔ کیونکہ عارفانِ ذات اور حق آگاہ حضرات کا کام تو رستہ دکھانا ہے نہ کہ مطلوب تک پہنچانا۔ کیونکہ یہ تو فقط اللہ تعالیٰ ہی سے مختص ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ معرفتِ حق اور حقیقت سے آگہی کا یہ وثوق جس کا اس طرزِ تحریر سے پتہ چلتا ہے۔ یہ خودی و تکبّر اور خودستائی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس آیتِ کریمہ کے بموجب کہ اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجیے۔ یہ قولی شکر کے اظہار کے لیے ہے اور دلالت کے راستے اس امر کی صداقت پہ دال ہے۔ اللہ اللہ اس ناچیز خاکی بندے کی کیا مجال کہ سوائے عجز و انکسار کے اس سے کچھ اور ظہور پذیر ہو۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت

Marfat.com

کاملہ کی بارش ہے جو اُسے یوں سرسبز و شاداب کر کے دکھاتی ہے ۔ ؎

من آن خاکم ابر نو بہاری کند از لطف بر من قطرہ باری

(میں تو وہ خاک ہوں جس پر ابر نو بہار محض از سر لطف بارش برساتا ہے) اور اس آیت کریمہ کے مطابق کہ گویا وہ ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، اور پھر اس کو تقویت دی، اور وہ گدرائی اور اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی ۔ بہرکیف ہلکے پھلکے آزاد رو حضرات جو اپنی تن آسانی کے باعث سہولت اور بے اعتباری کے پھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں ۔ وہ باوقار بزرگوں کے رموز کو بھلا کیسے سمجھ سکتے ہیں جو خلافتِ الٰہیہ کی عنایتوں اور مہربانیوں کا بوجھ اُٹھائے ہوتے ہیں ۔ وہ یہ سمجھتے ہی نہیں کہ بزرگی اور آزادہ روی تو طبیعتوں اور استعدادوں پر موقوف ہے اور اولیاء میں سے ہر آدمی مشیخت کے بوجھ کو اُٹھانے کے لائق نہیں جو کہ نبوّت کی خلافت ہوتی ہے اور نہ ہی عارفوں میں سے ہر کوئی خلافت الٰہیہ کے بوجھ کو الٹا پلٹا سکتا ہے ۔ اس امر کے لیے اعلٰی نفس، بلند طبع، شاہانہ مزاج، کامل عقل، زبردست تحمل اور کئی اور نفسی فضیلتیں درکار ہیں جو حق تعالیٰ نے پیدائش کے آغاز ہی سے اس کی استعداد کے مطابق ودیعت کر رکھی ہوتی ہے ۔ ناواقف لوگ مشائخ کو مکّار اور آزاد منشوں کو سچے تصوّر کرتے ہیں ۔ کیونکہ وہ حقیقت سے واقف نہیں ہوتے ۔ درویشانہ وضع قطع والے بزرگوں کو جن کی صحبت ہی سراپا پاس ادب اور حفظ مراتب ہوتی ہے اور جن کی مجلس تماماً برکت و ہدایت اپنی ناواقفیت کی بنا پر مکاری سمجھتے ہیں اور مشائخ کو مکّار اور اپنی خودی کے جال میں اسیر کہتے ہیں ۔ اور آزاد منشوں کی ظاہری گزران کو جو سراسر آرام طلبی اور تن آسانی ہوتی ہے اور اُسے دوسروں کی اصلاحِ حال سے قطعاً کوئی تعلّق نہیں ہوتا اُسے صرف اپنی حماقت سے قابلِ ستائش سمجھتے ہیں اور ان آزاد منشوں کو سچے اور مخلص تصوّر کرتے ہیں ۔ اور صورتِ حال یہ ہے کہ اگر یہ دونوں معاملے نفسانیت کی راہ پر ہیں یعنی خواہ مشیخت نفسانیت و رعونت کی حامل ہو یا آزاد روی، خودی و شیطنت کی حامل ہو تو ہر دو لغو اور بے معنی ہیں اور حجاب و محرومیت کا باعث، کیونکہ اس نیت سے آزاد منشی بھی مکاری اور مشیخت طلبی ہے اور آزادانہ گزران بھی عیاری ہی میں داخل ہے ۔ کیونکہ اس صورت میں خود کو اکابر بزرگوں سے افضل و برتر بننے کی خواہش ہے ۔ تاکہ دوسرے لوگ یہ سمجھیں کہ ہم تو اس قدر آزاد منش ہیں اور دوسرے مشیخت کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں ۔ اسی طرح اگر نیت کھوٹی ہو تو مشیخت بھی

Marfat.com

عیاری اور دکانداری ہے اور مشائخ کی سی وضع قطع اور بھی فریب کاری اور دھوکے کی ٹٹی ہے کیونکہ یہ تو ظاہر کا تصنع و بناوٹ سے بناؤ سنگار کرتا اور باطن کو ریا کاری سے بھرتا ہے۔ اللہ ان سے بچائے، اور اگر یہی روش خالصتہً اللہ کے لیے ہو اور حقی راہ سے ہو، یعنی اس آزاد روی اور مشیخت میں سے ہر کوئی خالصتہً اللہ ہی کے لیے ہو اور اظہار حقیقت کی خاطر تو پھر دونوں صحیح اور ہدایت کے راستے پر ہیں کیا آزاد منشی اور کیا مشیخت کی مالکیت۔ ایسے صادق حالات کے مالک میں سے ہر کوئی اولیائے اللہ میں سے ہے۔ راست کار، باثواب، ہدایت یافتہ اور باادب ہوتا ہے لیکن فرق ان میں یہ ہے کہ آزاد منش کامل ہیں اور اپنی ذات میں صاحب کمال اور راست کار ہیں۔ ان کا کمال متعدی (دوسروں تک پہنچنے والا) نہیں دوسروں کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچاتا۔ اور مشائخ کاملانِ اکمل ہیں جو اپنی ذات میں بھی ان آزاد منشوں سے کامل تر ہیں اور دوسرے بندگانِ خدا کی تکمیل کا باعث بھی بنتے ہیں۔ خلق خدا کو ہدایت دیتے ہیں اور ان جیسے بہتیرے آزاد منش ان کے خوشہ چین ہوتے ہیں۔ یہ بزرگوار جب مسند رشد و ہدایت پہ بیٹھتے ہیں تو اپنے ہم عصروں میں نیک ترین لوگ ہوتے ہیں اور اپنے زمانے کے بہترین انسان ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس آیت کریمہ کے بموجب کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں اور ان کے ہم منصبوں (ہم پلہ بزرگوں) میں مرتبوں اور درجوں کے لحاظ سے باہمی فرق ہوتا ہے۔ لیکن اس آیت کریمہ کے بموجب کہ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے، یہ سب کے سب تعظیم و تکریم کے لائق ہیں۔ اور ان کے حضور میں بے باکانہ، بے دھڑک جانا اور بے ادبی سے غائبانہ تذکرہ کرنا جائز نہیں۔ گو وہ بزرگ اپنے سلسلے کے نہ بھی ہوں۔ کیونکہ ہر سلسلے کے بزرگ اور مشائخ اہلِ اسلام میں سے ہیں

———— اور ہر سلسلے کے پیرو کار نیک انجام

محمدیوں میں سے ہیں۔ الوہیت کے خلیفہ ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے پیشوائی کے اس منصب جلیلہ سے نوازا ہے۔ اور وہ نبوّت کے نائب ہیں۔ جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے شرع مصطفوی اور طریق محمدی کی ترویج و اشاعت میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ اے اللہ دین محمدیؐ کے حامیوں کی نصرت فرما اور دین محمدیؐ کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کر۔ آہ وا حسرتا کہ دینِ محمدیؐ کی تکمیل اور تمام طریقوں سے نصرت اور راز محمدیؐ کے کماحقہ اور مفصّل بیان کے

Marfat.com

لیے جیسا کہ ہونا چاہیے وہی اک بابرکت ذات کہ دین اسلام اور ہماری حامی و ناصر تھی اور ہے مشیت ایزدی سے ظہور میں آئی (خدا اس کی برکتوں کو قائم رکھے اور اُس کے فیوض کو بقا بخشے) مصنف کا ایک شعر ہے۔ ؎

من فدای کسے کہ مے میرم　　　نام او بر زبان چو مے آید

(میں اس ہستی پر دل و جان سے فدا کہ جس کا نام زبان پر آتا ہے تو میری جان پر بن جاتی ہے) اے ہمارے رب ملا دے ہمیں ہماری اصل کے ساتھ اور عطا کر ہمیں وہ جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اپنی سچی بشارتوں میں سے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ اور ملا دے ہمیں صالحین سے، کیونکہ تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ پس وہ اکابر بزرگ یعنی مشائخ کرام جو کمالات نبوّت کے نور سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور جو خلافت الٰہیہ پہ مشرّف ہو کر خلق خدا کی ہدایت پہ متوجہ ہوتے ہیں ان کے مراتب بہت اعلیٰ و ارفع ہیں۔ ان کی کیا تشریح کی جائے اور ان اولیائے کرام کے درجات کی نسبت بلند ہیں جنھوں نے ماسوی اللّٰہ سے مکمل قطع تعلق نہ کیا۔ اور یہ جو حقیقی تارک دُنیا اور جملہ پھندوں سے آزاد ہیں اور ہمیشہ اللّٰہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان کا بھی کیا بیان کیا جائے پس مشیخت حقّہ وقار و بردباری پہ مبنی صداقت ہے۔ اور یہ امر مزاجوں کی انواع سے متعلّق ہے یعنی اولیائے کرام میں سے جس کسی کے مزاج اور سرشت میں ابتدا ہی سے وقار اور بردباری متمکن ہو، جب اُسے حق سبحانہ' تعالیٰ کا قرب معیت حاصل ہو جاتا ہے اور مشیخت کے اوضاع و اطوار خواہ مخواہ بے اختیار طور پر ظہور پذیر ہوں اور مشائخ جیسے طور طریقے میسّر آجائیں اور وہ اپنے معاملات میں صادق بھی ہو تو پھر اس امر میں اس بندۂ حق کی طرف سے کسی قسم کے تصنّع یا بناوٹ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی تخلیق ہی اسی انداز اور اسی کام کے لیے ہوتی ہے سوائے اس کے کہ بعض میں یہ طبعاً اور براہِ راست ہو اور بعض میں متابعت اور صحبت سے، اور واقعاً صحیح آزادگی سہولت اور سبک باری سے ہوتی ہے۔ اس مطلب کا تعلق بھی مزاجوں کی رنگارنگی سے ہے۔ یعنی اہل اللّٰہ میں سے جس کسی کی طبیعت اور سرشت میں شروع ہی سے سہولت اور سبکباری موجود ہو، جب اسے حق سبحانہ' تعالیٰ سے نسبت میسّر آتی ہے تو بے اختیار اس سے آزادگی ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اور آزادانہ گزر بسر کرتا ہے۔ وہ اپنے کاموں میں راستباز ہوتا ہے۔ اس امر میں

Marfat.com

اس میں کوئی تصنّع اور بناوٹ نہیں ہوتی ۔ اس لیے کہ اسے پیدا ہی اس کام کے لیے کیا گیا ہے اور اسی امر کی طرف اس کا رجحان ہوتا ہے ۔ ہاں اس قدر ضرور ہے کہ بعض میں یہ طبعاً، فطرتاً اور پیدائشی ہوتا ہے اور بعض میں صحبت اور عادت کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے ۔ تھوڑے سے بلکہ نہایت ہی کم اولیائے کامل میں ایسی اعلیٰ استعداد اور بلند جامعیت ہوتی ہے اور جمع الٰہی اور جمع محمدیؐ کے مکمل مظہر ہوتے ہیں جو شیخ ہوتے ہوئے بھی اتنی آزادانہ گزر بسر کرتے ہیں جو مجازی آزاد منشوں اور وارستہ مزاج اہل اللہ جو مشیخت سے کوسوں دور بھاگتے ہیں ہرگز ظہور پذیر نہیں ہوتی ۔ اور وہ ان کے گزر بسر کی تقلید ہرگز نہیں کر سکتے اور ان برگزیدہ بندگانِ حق کے پاک وصاف اقوال وافعال کا اتباع اُن سے ہرگز نہیں ہو سکتا جو اپنی ذات میں تو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان کی آزادگی، صداقت، درویشی، ترک دُنیا اور مجردّپن کے اقراری ہوتے ہیں اور اپنی اس عین آزادہ روی میں یوں مشائخ جیسی طرزِ معاشرت رکھتے ہیں جو ان ظاہری مشائخ سے جو تنگ مزاج اولیا سے ہرگز وقوع پذیر نہیں ہوتی جو مشیخیت کے پابند ہوں وہ اس راہ کے آداب و راہ و رسم سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے ان نائبوں کی اُٹھک بیٹھک اور مودبانہ مجالس کا تتبع ہرگز نہیں ہو سکتا اور ان کے نفوس پر ان کے وقار کا بوجھ پڑتا ہے، لیکن اللہ کے فضل سے وہ ان کی حقیقت اور ان کی قدرومنزلت سے روگردانی نہیں کر سکتے، اور ایسے مجمع البحرین اور جامع کمالات حضرات ہر دور میں نہیں پائے جاتے ۔ گردشِ فلک مدتوں تک چکر کاٹتی ہے تب کہیں جا کر ایسے عجوبۂ روزگار لوگ ظہور میں آتے ہیں اور دُنیا پر فیض کا دروازہ کھولتے ہیں ۔ اور خالص و مکمل محمدیت کے ظہور کا مظہر بنتے ہیں اور امامت کے فیض کے نور سے منوّر ہوتے ہیں اور مشائخ کو بھی رشد وہدایت کا لائحہ عمل سکھلاتے ہیں اور اُنھیں شیخ ہونے یا بزرگ بننے کے پھندوں سے آزاد کر کے مشائخ حقہ بنا دیتے ہیں اور آزاد منشوں کو ماسویٰ اللہ سے قطع تعلّق کی حقیقت سے فیض یاب کرتے ہیں اور شرعِ مصطفوی کے تابع بنا کر شریعت کے دائرے کے اندر لا کر راہِ راست پہ لے آتے ہیں، اور مبارک ہے اس کے لیے جس نے پیروی کی اور آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرے ۔ پس اے راہِ ہدایت کے طالب اور لقائے الٰہی کے اُمیدوار حضوریٔ حق اور مشاہدہ ذات کے معاملے کو ہر حال اور ہر مقام پر اپنے

Marfat.com

باطن میں خوب مضبوط رکھ، کیونکہ مقصود و مطلوب یہی کچھ ہے اور شریعت پہ استقامت کے لیے ساری ہمّت صرف کر دے کہ اصل راستہ یہی ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے سو بالکل اللہ ہی کی طرف مشغول رہ۔ اور مرتا بر حق ہے۔ پس اس کام میں لگ جا جو مرنے کے بعد کام آئے۔ دُنیا کو محض دُنیا کی خاطر ترک نہ کر کیونکہ دُنیا کو محض دُنیا ہی خاطر ترک کرنا سخت نادانی ہے۔ بلکہ عملوں میں گندہ ترین عمل اور گناہوں میں سر فہرست گناہ ہے۔ اور دُنیا کی شدید محبت پر دلالت کرتا ہے۔ اور حُبِّ دُنیا تمام خطاؤں میں سر فہرست خطا ہے۔ آخرت کی طرف مائل ہو جا کیونکہ عنقریب ہی تو اس عالم میں جا داخل ہو گا۔ اور بہت جلد تمھارا شمار مُردگان (رفتگان) میں ہونے لگے گا۔ پس چاہیے یہ کہ جہاں تک ہو سکے اپنے آپ کو عاقبت کے کاموں میں مصروف رکھ اور اپنی ریاضتوں، مجاہدوں اور عبادتوں کو دینوی کشف حاصل کرنے کے ابتدائی زینے نہ بنا یعنی یہ ریاضتیں اور عبادتیں اس نیت سے نہ کرو کہ ان کے باعث دینوی کشف حاصل ہو گا۔ جب باطنی اور قلبی صفائی نصیب ہو جائے گی تو اس دنیا کے ہونے اور اَن ہونے امور خود بخود معلوم ہو جائیں گے۔ اس قسم کے سارے امور دُنیاوی متعلقات ہیں اور دینوی کاموں ہی میں شمار کیے جاتے ہیں۔ چاہیے کہ ایسے خیالات سے بالکل پاک صاف رہو اور تصرّفات اور کرامات کو اپنا مقصود نہ بناؤ یعنی تو یہ خیال نہ کرے اور یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس ساری محنت و مشقت کا حاصل مطلب بس یہی کچھ ہے کہ تجھ میں تصرّفات و کرامات کی قدرت پیدا ہو جائے اور تو صاحب تصرف و کرامت بن جائے۔ یہ اک خام خیالی ہے اور یہ سیدھی راہ نہیں بلکہ تزکیۂ نفس اور قلبی صفائی سے مُراد ہے اللہ کے ساتھ نسبت جو عبارت ہے دائمی حالت و حضوری اور دوامی مشاہدۂ ذات کے حصول سے، اور ایک آگاہ دل انسان کی عبادتوں اور ریاضتوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عبادت و ریاضت سے یہی کچھ مقصود ہوتا ہے کہ دل اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور نفس میں پاک ذات الٰہی کی طرف رجوع کی اک بے کیف اور انجانی سی کیفیت پیدا ہو جائے۔ پس مے معرفت کے اس ساغر کو پورے خلوص سے نوش جان فرما اور باطنی جذب و کشش اور قلبی مشاہدۂ ذات کی قوت پیدا کر۔ جو کچھ اس سے ماسویٰ ہے اس کو بھول جا تاکہ تیرا باطن غیر حق کی یاد اور ماسویٰ اللہ کے خیالات سے یکسر پاک ہو جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ غیر اللہ سے باطن کی اس صفائی کی

Marfat.com

بدولت جذباتِ الٰہیہ میں سے کوئی جذبہ نصیب ہو جائے۔ جسے قبولیتِ حق باری تعالیٰ کی رحمت بھری نگاہ، خاص برگزیدگی اور مرادیت و محبوبیت سے منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ جذبہ تیرے شامل حال ہو جائے اور اسی جذبے کے غلبے کی کیفیت کے باعث تو اپنے آپ سے اور دوسروں سے بھی بے خبر ہو جائے اور فنا فی اللہ کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر بقا باللہ کے ساحل پر پہنچ جائے اور دُوری اور بُعد کے فاصلوں کو طے کرتے ہوئے قرب و نزدیکیٔ حق کی لبساط پر قدم رکھ دے۔ پس اس سعادت و خوش نصیبی کے حصول کا یہی طریقہ ہے کہ پہلے اپنے دل سے زہد و ورع کا غرور نکال دے اور اپنے سارے زہد و تقویٰ کے باوجود اپنے آپ کو متقی یا زاہدوں میں شمار نہ کر، اور انکسار و معرفت کی راہ پر گامزن ہو جا۔ بڑے خشوع و خضوع (گڑگڑاہٹ) اور مکمل فرمانبرداری کے ساتھ ساقیٔ کوثر کی آلِ اولاد کی جانب رُخ کر تاکہ تجھے بیخود بنا دیں اور تجھے خودی اور انانیت کی قید سے رہائی دلوا دیں۔ اور تجھے حضوری و مشاہدے کی شرابِ طہورہ پلا کر حضرتِ قدّوس کی بارگاہِ قدس کے قربِ خاص کے شرف سے مشرّف فرما دیں۔ اور یہ مقولہ کہ اے ہمارے رب پلا دے ہمیں شرابِ طہورہ اہلِ بیت سے اسی نسبت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ نسبت انتہائی پاک و لطیف ہے اور تشبیہی و ظلالی نسبتوں کے داغ دھبوں سے بالکل پاک صاف ہے۔ اور یہ آیت کریمہ کہ (اے اہلِ بیت) اللہ تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ تم کو ہر طرح (ظاہراً و باطناً) پاک صاف رکھے اسی امر کی خبر دیتی ہے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ جب یہی نسبت بے اختیار انداز میں اسمائی اور صفاتی تفصیلات کی طرف سے اس پاک و منزہ ذات کی طرف کھنچ گئی اور باطن پہ مکمل طور پر چھا کر اُسے ساکت کر دیا پس پھر یہی بہتر ہے کہ ظاہر میں بھی سمجھنے سمجھانے کی تشویش سے باہر نکل آئیں اور باطنی کیفیت کا اتباع کریں اور بڑے ذوق و شوق سے اُدھر مڑیں اور بے خودی اور خامشی کے دروازے کو کھولتے ہوئے اس جذبِ الٰہی کے میخانے کے دروازے پر دستک دیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اسی نسبت کے مزید اضافے کی دُعا و التجا کریں اور دل کو اپنے آپ اور غیر سے اُٹھا لیں اور خود کو اس آیت کریمہ کہ بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابلِ تذکرہ نہ تھا کا مصداق بنا کر سب کو فراموش کر کے کہو۔ اللہ پھر انھیں چھوڑ دے کے خلوت کدے میں آرام کرے۔ رباعی:

Marfat.com

اے درد گہی بآبیاری وضو
دل سوی شگفتگی نمے آرد رو
اکنوں بدر میکدہ باید رفتن
کاین عقدہ کشاید مگر از دست سبو

ترجمہ رباعی : اے درد کبھی تو دل وضو کی مدد سے بھی شگفتگی کی طرف مائل نہیں ہوتا (شگفتہ نہیں ہوتا) اب تو میکدہ کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے۔ شاید اسی کے خم کے ہاتھوں یہ عقدہ کھلے (دل کی گرہ کھلے) (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) لفظ آبیاری سے مراد مدد ہے اور وضو سے بدن کی ظاہری داغ دھبوں سے طہارت ہے۔ دل سے مراد نفس ناطقہ یعنی رُوح ۔ شگفتگی سے مراد علم لدّنی کے دروازے کا کھلنا اور رموز حق کا منکشف ہوتا، اور میکدے سے مراد توجہ بحق ہے اور در میکدہ سے مراد باطنی اوراد و وظائف اور ذکر اذکار۔ عقدہ سے مُراد راہِ فیض کی رکاوٹ ہے۔ اور سُبو سے مراد قلب صنوبری ہے جو جلوۂ شرابِ محبت کا مقام ہے حاصل مطلب رباعی کا یہ کہ شاعر اگرچہ اپنے آپ کو آواز دے کر کہتا ہے لیکن مخاطب یہاں ہر کسی سے ہے۔ یعنی کہ اے سننے والے سُن کہ کبھی صرف بدن کی ظاہری داغ دھبوں سے ظاہری طہارت ان ظاہری پارساؤں کی طرح جو بول و براز سے اپنے تن اور لباس کو پاک رکھتے ہیں اور اپنے باطن سے غفلت کی گندگی کو نہیں دھوتے ان کی رُوح علم لُدّنی کے دروازے کھلنے کی اہل نہیں ہوتی۔ اور اسرار و رموز حق کا ان پہ انکشاف نہیں ہوتا۔ پس اس ظاہری طہارت کے ساتھ باطنی اور دلی کشف کی طرف بھی مائل ہونا چاہیے اور باطن میں نسبت حق پیدا کرنی چاہیے شاید کہ راہِ فیض کی یہ رکاوٹ قلب کی طرف متوجہ ہونے کی برکت سے دُور ہو جائے کیونکہ مقام محبت ہے اور فیضانِ الٰہی کا دروازہ کُھل جاتا ہے۔ اور اللہ ہی افتتاح کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

Marfat.com

هوالنّٰاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑے رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ نہیں سوال کیا جاتا اس سے اس چیز کے بارے میں جو وہ کرتا ہے ہر حال میں، اور درود وسلام اس کے رسولؐ پر جس نے روک دیا سوال کا دروازہ، اور آپ کی آلؑ اور اصحابؓ پر جو فضیلت اور کمال والے ہیں۔ اما بعد پس یہ تہتّرواں (۷۳) باب ہے جو جواب وسوال سے موسوم ہے۔ جب سوال کرے تجھ سے کوئی سائل کسی مسئلے کے بارے میں پس دیکھ اس سوال کے طریقے کو اور اُس کی حالت کو پہلے پہل پھر دیکھ اس کی قدرت بیان اور عرفان کو اور اپنی قدرت بیان اور عرفان کو پھر دیکھ اس کے مرتبے کو اپنے مرتبے کی نسبت کے ساتھ حسب اور نسب اور عمر اور اقتدار کی نسبت سے، پھر دیکھ اس کے حقوق کی طرف اور اُس کے اخلاص کی طرف اور اُس کے اختلاف اور دشمنی کی طرف، پھر دیکھ وقت کے تقاضے کو اور حاضرین مجلس کو، پھر دیکھ اپنی نیت کی طرف جواب دیتے ہیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم جواب دو نفسانیت کے ساتھ یا تم چاہتے ہو خالص اللہ کے لیے۔ اگر تمھاری نیت خالص ہے اور سائل بڑے مخلصین میں سے ہے اور اس کا حال اچھا ہے اور اُس نے سوال کیا ہے شبہ کو دور کرنے کے لیے استفادے کے طور پر اور اُس نے بحث وجدل اور اعتراض وانکار کا ارادہ نہیں کیا پس اُسے جواب دے جتنی تو طاقت رکھتا ہے یعنی تعلیم حاصل کر اُس مسئلے کے بارے میں اور اگر

Marfat.com

ایسا نہیں تو بہر صورت اولیٰ بات سکوت ہے اور کلام کو منقطع کر دینا ہے مناسب طریقے سے
سے فساد کو دُور کرنے کے لیے۔ کیونکہ سوال جواب کے تکرار میں بھڑک اُٹھتی ہے غصّے کی آگ
اور سیدھی ہو جاتی ہے نفسانیت دونوں جانب سے اور صورتِ حال مکدّر ہو جاتی ہے اور وقت
ضائع ہو جاتا ہے۔ اور سوال جواب سے کچھ حاصل نہیں ہوتا سوائے تکدّر اور مخالفت کے پس
جیسے کہ سوال کرنا کسی دُنیاوی چیز کا حرام ہے شریعت میں اور اسی طرح سوال کرنا کسی علمی بات کا
جو اعتراض و انکار پر مبنی ہو طریقت میں منع ہے اور نہیں چاہیے طالبین میں سے کسی کو کہ وہ سوال
کرے اپنے شیخ سے اس طریقے کی نیت سے۔ کیونکہ شیخ اپنی قوم میں اسی طرح ہوتا ہے جیسے نبی
اپنی اُمت میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم سوال کرو اپنے رسولؐ سے جیسے کہ
سوال کیا گیا موسیٰؑ سے اس سے پہلے۔ اور غرض اس سے یہ ہے کہ تم نہ سوال کرو رسول اللہؐ سے
فی الحال حال کے بارے میں اور نہ مستقبل کے بارے میں۔ اس حال اور قال کی زبان سے، بحث
اور امتحان اور خباثت اور جہالت اور سرکشی کے طریق پر، اور کیا مواہب الدنیا کے مصنف
نے لکھا ہے اپنے چھٹے مقصد میں اعتراض کے بعد، اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو نہ بلند کرو
اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر اور نہ اونچی آواز نکالو جیسے کہ تم آپس میں اونچی باتیں کرتے ہو
کہ کہیں تمھارے اعمال اکارت نہ چلے جائیں۔ آواز کا بلند کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز
سے زیادہ سبب ہے اعمال کے اکارت جانے کا، پھر کیا گمان ہو سکتا ہے آراءؑ کو بلند کرنے
اور افکار کے نتائج کے پیش کرنے بمقابلتہً اس چیز کے جس کو لے کر آیا ہے۔ اور مزید یہ کہ نہ سوال
کرو نبی کریم صلعم سے ان امور کے بارے میں جن کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ اور
جس میں غور و فکر کرنے سے ڈرایا گیا ہے اور منع کیا گیا ہے جن کے بارے میں استفسار اس کی
کُنہہ (ماہیت) کے کشف کے لیے جیسے کہ منع فرمایا اللہ نے مومنین کو اُن سے، اے وہ لوگو جو
ایمان لائے ہو نہ سوال کرو ان چیزوں کے بارے میں کہ جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بُری لگیں۔
اگر تم سوال کرتے ہو ان کے بارے میں جس وقت کہ نازل ہو رہا ہو قرآن تو وہ تمھارے لیے
کھول دی جائیں گی۔ اللہ نے تم سے ان کے بارے میں درگزر فرمایا ہے۔ اللہ بخشنے والا
بردبار ہے۔ اس کے بارے میں سوال کیا تم سے پہلے ایک قوم نے پھر وہ ہو گئے اس سے

Marfat.com

انکار کرنے والے اور اس طرح نہیں جائز سوال کرنا حضور پاکؐ کے تابعین کے بارے میں اور وہ ہدایت دینے والے ہیں اسی طریقۂ ممنوعہ کا۔ اور وہ غیر شرعی سوالوں پر اور اگر سوال کیا کسی سائل نے اپنے شبہ کو رفع کرنے کی ضرورت کے تحت خلوص و اعتقاد کے ساتھ اور تکبر اور عناد کے ساتھ نہیں کسی مناسب چیز کے بارے میں جواب کے لیے استفادے کے طریق پر اور رائے لینے کے لیے تو اُسے مت جھڑکو، پس اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرو اور جان لو کہ سوال تین طریقوں پر ہوتا ہے۔ ادنیٰ کا اعلیٰ سے اور اعلیٰ کا ادنیٰ سے اور مساوی کا مساوی سے۔ پس ادنیٰ کا سوال کرنا اعلیٰ سے اگر ہو دنیوی اغراض کے لیے نفع حاصل کرنے کے لیے اور فائدہ اخذ کرنے کے لیے پس یہ مذموم ہے جس طرح کہ حرام ہے سوال کرنا فقیر پر غنی سے اور اگر ہو دینی امور میں اس کا علم حاصل کرنے کے لیے اور جہالت کو دُور کرنے کے لیے استفادے کے طریقے پر تو یہ قابل تعریف ہے جیسے سوال کرنا شاگردوں کا استادوں سے، اور ہدایت کے متلاشیوں کا سوال کرنا مرشدوں سے، یہ عرض ہے۔ اور نہیں چاہیے ادنیٰ کو کہ سوال کرے اعلیٰ سے خطا کارانہ (غلط طریقے سے اور اعتراض کے انداز میں یقیناً نہ سوال کرے اس کے بارے میں جو وہ کرتا ہے کیونکہ کم مرتبے کے لوگ نہیں سمجھتے عالی افعال کی حکمت کو جیسا کہ اُن کا حق ہے۔ اور نہیں ہے اُن کے لائق اس طرح سوال کرنا اس طور کیونکہ اُنھیں نقصان ہوتا ہے اُن کے دلوں میں شبہات کی پیدائش سے اور معاملے کے بارے میں مطلقاً طعنہ زنی نہیں کرتے۔ اور اعلیٰ کا سوال کرنا ادنیٰ سے اگر ہو تخفیف کرنے اور تحقیر کرنے کی نیت سے۔ پس یہ قابل مذمت ہے۔ جیسے کہ بعض خبیث علما سوال کرتے ہیں جہّال سے کسی معاملے کی وضاحت کے لیے تمسخر اور تحقیر کی غرض سے اور بعض غنی ایذا دینے والے طلب کرتے ہیں محتاجوں سے کوئی چیز جس کی اُنھیں استطاعت نہیں ہوتی ان کی تضحیک اور تذلیل کرتے ہوئے۔ اور اگر وہ ہوتا ہے نرمی اور رحمت کے ساتھ جیسے کہ لیتے ہیں غنی لوگ دعوتیں اپنے ماتحتوں سے اپنے رفیقوں سے ضیافتیں یا کسی مصلحت کے تحت یا جیسے کہ سوال کرتے ہیں استاد اپنے شاگردوں سے کسی سوال کے بارے میں اپنی تقریر اور بیان کے استحکام کے لیے اور سوال کرتے ہیں مُرشد اپنے راہبری چاہنے والوں سے اپنے حالات کے بارے میں اپنے حالات کو درست کرنے کے لیے یا حکم اور عدالت کے لیے جیسے کہ سوال

Marfat.com

کرتے ہیں سلاطین اپنے حکام اور اُمرا سے پس یہ قابل تعریف ہے اور یہ سوالات مہلک محاسبے ہیں۔ کیونکہ فعل کا طلب کرنا غلبے کے ساتھ یہ ایک معاملہ ہے سوال نہیں ہے اور یہ سب کچھ بندوں کی طرف سے ہے اور سوال کیے جائیں گے آخرت میں جیسے سوال کیے جاتے ہیں دُنیا میں۔ اور مساوی کا سوال مساوی سے اگر وہ ہے گھٹیا بنانے کے لیے اور ذلیل کرنے کے لیے جیسے کہ سوال کرنا کسی پسندیدہ چیز کا کسی نرم خو کا کسی لالچ کے خیال سے اور سوال کرنے کسی مسئلے کا کسی شخص سے جو مساوی ہو علم میں امتحان کے خیال سے پس یہ مذموم ہے اور اگر ہو محبت اور صفائی دل کی خاطر جیسے کسی مطلوب چیز کا سوال دوستوں سے اور علمی بحث کی تکرار دوستوں کے ساتھ، تو یہ قابلِ تعریف ہے اور یہی مطلوب ہے اور یہ ذکر کرنا بیشک اعمال کا دار و مدار نیتّوں پر ہے اور اللہ جانتا ہے پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں کو۔

جواب وسوال کے نہ کرنے اور جاہلوں کے اعتراض سے منہ پھیر لینے کے بیان کا باب

اللہ تمھیں دونوں جہانوں میں نیک بختی عطا کرے۔ یہ جان لو جب اللہ تعالیٰ اپنی لاانتہا عنایات کے کمال سے کسی بندہ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے منتخب کرکے قابل بنادے اور اپنے انتخاب سے اُسے سرفراز فرمائے۔ پس اسے تمام اسمائے ظہورات کا منظہر اور سارے محمدی کمالات کا جامع بناکر اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نصیب کرکے اپنا خلیفۂ ارضی بنالیتا ہے اور تمام معاملات میں انبیائے کرام کے نمونوں سے دوچار کرتا ہے اور اپنے دوسرے بندوں کو اس کی طرف مائل کردیتا ہے اور دُنیا بھر میں اس کی شہرت اور چرچا پھیلا دیتا ہے۔ ہر طرف سے لوگوں کو اس کی طرف بھیجتا ہے اور لوگوں کو اس کی زیارت کرنے اور اس کی باتیں سننے کا مشتاق بنادیتا ہے۔ چونکہ اسمائے الٰہیہ میں باہمی تقابل بھی ہے۔ یہ عارف جو کہ تمام اسمائی ظہورات کا منظہر اور جامع ہے اور اس کے باطنی آئینے کے سامنے اسمائے حسنیٰ کے مظاہر میں سے ہر ایک کی اپنی استعداد کے تقاضے کے مطابق اک کشمکش برپا ہوجاتی ہے جس کسی کو اسم ہادی سے نسبت ہوتی ہے اور ہدایت حق کا مظہر ہو وہ اس کی طرف مائل ہوکر اعتقاد اور خلوص کی نسبت پیدا کرلیتا ہے جو اسم مضلّ سے نسبت رکھتا ہے

Marfat.com

اور اضلال حق کا مظہر ہے اس سے فرار کر کے انکار اور نفاق کی نسبت پیدا کر لیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تو اسی طرح ہمیشہ شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے جو ایک دوسرے پر خوش آئیند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پر القا کرتے رہتے ہیں۔ اگر تمھارے رب کی یہ مشیّت ہوتی کہ وہ ایسا نہ کریں تو وہ کبھی نہ کرتے، پس تم انھیں انہی کے حال پر چھوڑ دو کہ اپنی افترا پردازیاں کرتے رہیں۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے اور غضب پر بھی چھائی ہوتی ہے ۔ پس جلالی اسماء کی نسبت جمالی اسماء زیادہ ہیں اور عظمت و جلال کے مظاہر یعنی متکبّر اور منافق کم ہوتے ہیں۔ جوں جوں مخلصین کی کثرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ جس قدر اللہ کے اس عارف کی دعوت و تبلیغ کا شہرہ پھیلتا جاتا ہے۔ اتنی ہی ادھر مخالفین میں منکروں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ جو کچھ کہ اللہ نے چاہا دُنیا کی وسعت اور زمانے کے پھیلاؤ میں۔ یہاں تم یہ سوال نہ پوچھ بیٹھنا کہ جب یہ عارف جملہ ظہورات اسمائیہ اور کمالاتِ الٰہیہ کا جامع مظہر ہے تو پھر چاہیے تو یوں کہ اسمائے الٰہیہ کا کوئی مظہر بھی اس سے گریز نہ کرے بلکہ سبھی کو اس کی طرف مائل ہونا چاہیے ۔ نہ یہ کہ فقط رحمت و جمال ہی کے مظاہر مائل ہوں اور غضب و جلال کے مظاہر گریزاں ہوں ۔کیونکہ بارگاہِ حق میں بھی اسماء کے مظاہر کا حال اس طریق اور ڈھب پر ہے۔ اور ہدایت و ایمان کی نسبت کا ثمرہ قرب و وصالِ حق ہے۔ جو ایمان لائے وہی کامیاب و فائز ہیں اور وہی لوگ مقرب ہیں اور جس کے گمراہی اور سرکشی کی نسبت دوری اور بدبختی کا موجب ہے اور جو کافر ہیں وہ گمراہ ہیں ۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا وہ گمراہی میں بہت دُور نکل گیا۔ پس نسبت الٰہیہ کے مطابق اس کے عارف کے معتقدین جو اس کے جمال کے مظاہر ہیں قرب و اخلاص کی حالت سے مشرّف ہو جاتے ہیں۔ گویا یہ عارف دائیں جانب والے اصحاب ہیں۔ دائیں جانب کی نسبت اور اُنس کی بنا پر وہ اس کے دستِ راست بھی ہیں۔ اور اُس کی طرف مائل ہوتے ہیں ۔ دیکھیے قرآنِ حکیم کی یہ آیت کریمہ کہ دائیں بازو والے، اور ان دائیں بازو والوں کی خوش نصیبی کا کیا کہنا، وہ بے شمار بیریوں اور تہ بہ تہ چڑھے ہوئے کیلوں اور دُور تک پھیلی ہوئی چھاؤں اور ہر دم رواں پانی اور کبھی ختم نہ ہونے والے اور بے روک ٹوک ملنے والے بکثرت پھلوں اور اونچی نشست گاہوں میں ہوں گے۔ اور اُس کے منکرین جو اس کے جلال کے مظاہر ہیں دوری و مخالفت کی

Marfat.com

بلاؤں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور اس عارف کے بائیں جانب والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ بائیں جانب اور اس جانب کی وحشتوں سے نسبت رکھتے ہیں اور اس سے گریزاں ہوتے ہیں اور بائیں جانب والے ان بائیں جانب والوں کی بدنصیبی کا کیا پوچھنا، وہ لُو کی لپیٹ اور کھولتے ہوئے پانی اور کالے دھوئیں کے سائے میں ہوں گے۔ جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ۔ اور یہ سوال بھی کرتا کہ ہر چند کہ یہ حقیقت امر جو تو نے بیان کی ثابت ہوگئی، لیکن ہم عاصی لوگ (عوام) دعویٰ حق اور دعویٰ باطل میں فرق کیسے کریں۔ تاکہ اس سچے عارف کی طرف مائل ہو جائیں اور باطل دعویدار سے گریز کریں۔ کیونکہ ظاہری صورت میں یہ حق و باطل کے دعوے یکساں ہو جاتے ہیں۔ اور ہم بے بصیرت باطنی چشم سے محروم ہوتے ہیں باطنی حالات کو کیسے دیکھیں اور کیسے سمجھیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دعویٰ حق اور دعویٰ باطل میں سچ اور جھوٹ کی تفریق کے لیے مفصّل نشانات و علامات اور شہادتیں جا بجا کر دیں۔ خاص طور پر تریسٹھویں باب میں آیا ہے جو موعظہ کے نام سے موسوم ہے پس اس کی طرف لوٹو تو انشاء اللہ کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی۔ قصہ کوتاہ یہ کہ اے خالص محمدیو یہ جان لو کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنی کمال رحمت اور عنایت سے تم تمام دوست یاروں کو تمھارے بزرگوں کی خالص محمدیت کے ضمن میں لے لیا ہے کہ اس شرف سے مشرّف فرمایا ہے۔ ہر چند کہ اُسے بہت بڑی امانت کے بوجھ کی برداشت کی طاقت ساری وجوہ علمی، کشفی، ذوقی حالی، بیانی، ظاہری و عقلی و نفسی طور پہ ہمت و استقامت، جرأت و شجاعت کے براہِ راست یا عرفاناً ترویج و اشاعت تمھارے کسی فرد کی ناقص استعداد میں نہیں ہے۔ لیکن خدا نے چاہا تو تم میں سے کوئی نہ کوئی اپنی استعداد کے مطابق اس بلند اور جامع کمالات کے مرتبے پر پہنچ ہی جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس پختہ طریقے کو قیامت تک باقی رکھے گا۔ پس چاہیے یہ کہ تم میں سے کوئی فرد واحد بھی اپنی نامردی، کم ہمتی، ذاتی نقص یا مخالفوں کے اعتراضات اور نکتہ چینی کے باعث اس بارِ امانت کو اُٹھانے سے مُنہ نہ موڑے۔ اور کئی وجوہ کی بنا پر متابعت، ایمان و اعتقاد و محبت و وفائے عہد، اقرار، ظاہر و باطن و تشبیہہ یا صورت کے لحاظ سے وہ محض خالی بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک ادنیٰ سی نسبت کی برکت سے وہ اس طریق کے اکابرین و بہترین اشخاص میں جا ملیں گے۔ اور انہی خاص عنایات خداوندی سے سرفراز ہو جائیں گے۔ اور خالص محمدیت

Marfat.com

کی یہ دعوت جو ـــــــــ ایک عظیم مرتبہ و بنیاد اور بہت بڑی بھلائی ہے۔ یہ ناواقفوں کے کانوں پر بہت گراں گزرتی ہے۔ اور متشکک لوگوں کے سروں پر قیامت ڈھاتی ہے اس کے انکار یا اصرار پر وہ بہت سی حالتیں بدلتے ہیں یعنی جب وہ مجلس میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ علیم اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے اس امر کا اقرار کر لیتے ہیں جو واقعی حق ہے۔ جب خود تنہائی میں اپنے ناقص فہموں کے مطابق اس کے گہرے اسرار و رموز کے ادراک کا ارادہ کرتے ہیں اُسے کماحقہٗ سمجھ نہیں پاتے۔ پس مختلف احوال کے باعث اس امر واقعی میں اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پس اے وہ شخص کہ جس کے اوپر منکشف کر دیا اللہ نے اس بلند حقیقی مرتبے کو نہ منتشر ہو جاؤ (ٹوٹ پھوٹ جاؤ) ان کے سوالوں سے اور نہ دیکھو ان کے اعتراضات کی طرف کہ کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کیا اس بڑی خبر کے بارے میں جس کے بارے میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ آگاہ رہو عنقریب وہ جان لیں گے، پھر آگاہ رہو کہ عنقریب وہ جان لیں گے۔ خدا نے چاہا تو کل قیامت کے دن مخلص محمدیؐ حضور نبی کریمؐ کے پرچم کے سائے تلے ہوں گے جیسے کہ اس دنیا میں ہیں اور معاملے کے چہرے سے پردہ اُٹھ جائے گا۔ یہ ہے یوم حق اور جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے ٹھکانے کے طور پر۔ بہرحال اعتراض کرنے والے حاضر و غائب اصحاب سے مخاطب ہو کر کہا جاتا ہے۔ **رباعی :**

اے کردہ تمام عمر در بحث خراب
یک نکتہ خامشی ست صد گونہ کتاب
زین بیش با اہل ذوق ابرام مکن
دیگر چہ سوال ست کہ دادیم جواب

ترجمہ رباعی : اے مخاطب تو نے ساری عمر بحث و تمحیص ہی میں ضائع کر دی۔ خاموشی کا ایک نکتہ سینکڑوں کتابوں کے برابر ہے اے آئندہ اہلِ ذوق سے ہٹ دھرمی اور ضد نہ کر، ہم جواب تو دے چکے اب کیا سوال باقی ہے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) یہاں منادٰی کج بحث جو اکثر و بیشتر متشکک اور معترض ہوتے ہیں اور حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے، نیز وہ خام کار اور بے سروپا صوفیا بھی ہیں جن میں سے اکثر ہرزہ سرا، عیب جو اور بے ادب ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ جیساکہ کہا گیا ہے کہ اے مخاطب تو نے تمام عمر ایسے ہی متشکک ملاؤں اور یاوہ گو صوفیوں کی ملایانہ بحث و تمحیص اور صوفیانہ لغویات کو سننے ضائع کر دی اور قطعاً حقیقت کو نہ پہنچ سکا۔ اور نہ ہی شریعت کو سمجھا۔ پس تیرے جیسے حقیقت سے کالے کوسوں دُور مُلّا اور شریعت نا آشنا صوفی کے مقابلے میں تو یہی اک خاموشی ہی بہتر ہے یعنی نہ کلام کرنا اور نہ جواب دینا۔ پس اسی چپ میں ہر قسم کی کتاب کے معقول و منقول سینکڑوں مطالب پوشیدہ ہیں۔ اگر تمھیں کچھ بھی عقل و شعور ہو تو ایسے بیہودہ سوالوں کے شافی جوابات کو تو خود ہی سمجھ جائے گا کہ اس بحث کے آغاز کی حقیقت اور مسئلے کے سوال کی تہ کو جس کا تو نے اب ذکر کیا ہے ہم پہلے ہی اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ یعنی تم خباثت شعار ملاؤں اور شرارت آثار صوفیوں کا پیشہ ہی یہی ہے کہ کسی ایسے بزرگوار کی محبت میں جسے لوگ نیکی سے یاد کرتے ہوں، اس کے علم و فضل کے قائل ہوں اور اس کے کمالات کا اقرار کرتے ہوں اس کی طرف مائل و گرویدہ ہو کر تم اتفاقاً یا دانستہ طور پر سوچی سمجھی سکیم کے تحت جا نکلتے ہو تو خواہ مخواہ خباثت اور شرارت کی راہ سے یا تو الزام کی نیت سے یا اس کی معلومات کو آزمانے کے لیے یا اپنے ہی کمالات کا مظاہرہ کرنے کے لیے تمام حاضرین کی موجودگی میں کوئی الٹا سیدھا مسئلہ پوچھنے لگتے ہو یا اس کے حالیہ بیان پر اعتراض کرنے لگتے ہو۔ اس وقت تمھارا مقصد محض شر انگیزی ہوتا ہے۔ معاملہ دو صورتوں سے باہر نہ ہوگا کہ جس چیز یا مسئلے کے متعلق تم نے سوال کیا ہے وہ مسئلہ تم پر یا تو واضح ہے اور یا نہیں۔ اگر واضح ہے تو پھر پوچھا کس لیے، وہ تو تمھیں پہلے ہی سے آتا تھا۔ پس یہ عین خباثتِ نفس ہے۔ اور اگر صاف اور واضح نہ تھا پس تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکے کہ جو بات ہم پر اتنے عرصے میں واضح نہ ہو سکی تو فوراً اس وقت تمھارے ذہن میں کیسے سما جائے گی، اور کس طرح واضح ہو جائے گی۔ پس یہ بھی خباثت اور شرارت سے خالی نہیں اور یہ سراسر بیہودگی اور حماقت ہے۔ اور اگر یہ ذہانت، نیک نیتی و اعتقاد پر مبنی تھا تو تم اتنی تیزی طراری سے لے دے نہیں کرتے اور کسی اور وقت پہ اُٹھا رکھتے اور اپنے جی میں کہتے کہ چونکہ اس عزیز ہستی (محترم) پہ ہمارا پختہ گمان ہے یا یقین کہ اس کے ہاتھوں یہ مشکل حل ہو جائے گی، لہذا کسی اور خلوت و تنہائی کے وقت بڑے مودبانہ طریق سے پوچھ لیں گے۔ اب جو تم اس قدر گرم ہو گئے پس ہم ٹھنڈے دل و دماغ والوں کو ایسے جھگڑالو جاہلوں سے بک جھک کی ضرورت نہیں اس سے زیادہ

Marfat.com

ایسے ہٹ دھرم اور ہٹیلے شخص سے تکرار نہ کرو۔ کیونکہ ڈھیٹ قسم کا سائل سخت معیوب ہوتا ہے۔ مزید سوال کا کیا مقام ہے۔ ہم نے صاف جواب دے دیا کہیں اور جگہ جاؤ اور پوچھو اور جو تمھاری طرح لڑائی بھڑائی کا دلدادہ ہو اس کے ساتھ الجھو اور لڑو۔ لہذا جاؤ اور اپنی عین خواہش کے مطابق غفلت میں کھو جاؤ اور ہمارے متعلق جو جی میں آئے کہو اور جیسا چاہو سمجھو۔ ہمارا سلام ہے اس آیت کریمہ کے بموجب کہ جب اُن سے مخاطب ہوتے ہیں جاہل تو وہ کہتے ہیں سلام (یعنی رفع شر کی بات کرتے ہیں) یہی اہل حق کی قدیم رسم ہے اور یہاں یہ سوال نہ کرنا کہ مذکورہ بالا آیت میں تو جاہلوں سے خطاب کی قید ہے۔ لہذا اگر کوئی عالم فاضل اور سلجھا ہوا انسان سوال کرے تو پھر تمھاری تقریر جو جواب میں خاموشی اختیار کرنے کو کہتی ہے کیسے راست آئی۔ جو عالم بھی بحث وتمحیص اور قیل وقال پہ آمادہ ہوجائے وہ جاہل ہے اور درحقیقت جاہلوں ہی میں شمار ہوتا ہے۔ اُسے علم سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا کہ وہ یوں بحث مباحثے اور قیل وقال میں مصروف ہوگیا۔ اور اگر اُس نے ظاہری معلومات خوب جمع کر رکھی ہیں تو کیا ہوا وہ علم کے اصلی ثمر سے متمتع نہیں ہوا۔ جو کہ تزکیہ وتصفیہ نفس ہے، ایسے علم سے خدا بچائے جو نفع بخش نہ ہو۔ اور ایسا عالم جو لے دے میں یوں سرگرم عمل ہوجائے وہ غافل ہے اور غافلوں اور نافہموں ہی کے ٹولے میں شمار کیا جائے گا کہ ابھی اس کا فہم پختہ نہیں اور اس کی آگہی نے قوت نہیں پکڑی۔ یہ سراسر غفلت کی وجہ سے ہے۔ وہ یوں قیل وقال میں اُلجھ گیا اور یہ اس کی سمجھ کا قصور ہے کہ وہ سوال و جواب کا اتنا مشتاق ہے، کیونکہ ہر سوال کا جواب ہوتا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ وجوہات میں سے کسی ایک وجہ کی بنا پر اُس کا جواب نہ دیا جائے۔ ورنہ تو مقررہ مقدمات میں یہ سارے سوال جن میں لوگ ہمیشہ شکوک وشبہات میں رہتے ہیں باقی نہ رہتے اور سب بالکل واضح وصاف ہوجاتے اور سوال وجواب کا راستہ ہی بند ہوجاتا۔ اور وہ جو ایک دوسرے کے مقابل باہم سوال و جواب کرتے ہیں ان میں سوالات کی گنجائش ہی نہ رہ جاتی اور ہر جواب میں نیا سوال پیدا نہ ہوتا نہ ہی کوئی اعتراض اُٹھتا، ایسا تو ہرگز نہ ہوا ہے نہ ہوتا ہے اور نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اس قدر وسعت بیان عطا کی ہے کہ وہ کسی ایک نہج پر محصور ہوکر نہیں رہ جاتا ع

تسلّی کردہ ہر یک را برنگے۔ (وہ ہر کسی کی کسی نہ کسی رنگ میں تسلّی کر دیتا ہے) تم جدھر کا بھی

Marfat.com

رُخ کروگے اُسے اُدھر ہی پاؤ گے ۔ لہٰذا جب معاملہ یوں ہے تو اس کے باوجود پھر بھی سوال و جواب کا مشتاق رہنا ، لے دے میں لگے رہنا اور ہر کسی سے اُلجھنا جہالت و نادانی پر دلالت کرتا ہے ۔ جو آدمی بھی ایسا کرے وہ اس لائق ہی نہیں کہ اُسے جواب دیا جائے یا اس سے کلام کیا جائے ، سکوت و خامشی کے سوا اس کے ہاتھوں نجات اور سلامتی کا اور کوئی راستہ ہی نہیں ۔ جس نے سکوت اختیار کیا سلامتی پا گیا اور جس نے سلامتی پائی نجات پا گیا ، یہ مقولہ اسی امر کی خبر دیتا ہے ۔ سکوت سے مراد یہ نہیں کہ بالکل کچھ کہا ہی نہ جائے اور ان حقائق و معارف کے متعلق بھی کچھ نہ لکھا جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے انکشاف فرمایا ہے اور آیات قرآنی اور احادیث نبوی نے جنھیں استحکام بخشا ہے ۔ اور عقلی دلائل اور کشفی شواہد نے ان کی تائید کر کے اُنھیں حجت بالغہ بنا دیا ہے اور فیض کے اس دروازے کو کھولا ہی نہ جائے بلکہ بالکل بند ہی کر دیا جائے ۔ نہیں سکوت سے مراد یوں نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ایسے خبیث النفس انسان کے اعتراضات پہ توجہ نہ دیتے ہوئے ان کے لغو سوال و جواب پر خاموشی اختیار کر لینی چاہیے ۔ کیونکہ یہ کن ذہن لوگ کبھی نہ سمجھیں گے ۔ ہر دور میں گذشتہ محققین کو ایسے بد باطنوں سے اس قسم کا معاملہ پیش آیا ہے ۔ معاملہ تو اللہ اور اُس کے رسولؐ (ان پر خدا کا درود و سلام) کے ہاتھ ہے ، اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور اپنے رسولؐ کی مرضی کے مطابق کرے گا ۔ اور ظاہری اور باطنی طور پر دین مصطفویؐ اور طریقِ محمدیؐ کی پیروی اور اطاعت کا پابند رکھے گا اور حقیقت کی راہ اور شرع محمدیؐ کے طریق سے باہر نہیں لے جائے گا ۔ باقی یہ عقل کے اندھے اور کینہ پرور حاسد لغو اعتراض کرنے والے ہیں کون اور ان کی حیثیت کیا ہے وہ ہیں کس شمار قطار میں جو اہلِ صفا کی نگاہوں میں آئیں معاملہ کسی اور ہی سے ہے ، مخلوق سے استغنا ہی بھلا ۔ وہ جو سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں اور جو جانتے ہیں جانتے رہیں ، اہل صفا ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رسول اللہ صلعم کی حمایت سے وہ نفس مطمئنہ رکھتے ہیں وہ نہیں دیکھتے اعتراضات کی طرف اور نہیں گزرتے ان خطرات سے اور اللہ خوب جانتا ہے نیتوں کو اور معاملات کو اور وہ ہر چیز سے آگاہ ہے ۔ پس جو معاملہ بھی در پیش ہوتا ہے اس کی خاص عنایت سے ہوتا ہے ۔ جو کچھ بھی ہے اسی کی طرف سے ہے خواہ وہ باطنی معاملات مثلاً درد ، حقائق و معارف ، اسرار و رموز ، کشف اور

Marfat.com

قرب و معیت، قوت مشاہدہ کے حالات اور نسبت کی درستی و راستی ہو خواہ ظاہری معاملات ہوں جیسے کہ روزی اور معاش کہ اس تمام عیالداری کے ظاہری اسباب کی بے سروسامانی کے باوجود بھی یوں سکون و فراغت سے بسر ہو رہی ہے۔ اور دیگر معاملات جیسے لوگوں کی آمد و رفت ان سے میل ملاقات والوں کا تانتا ہم عصر بزرگوں، عالموں اور درویشوں، مشائخ اور شریف و نجیب لوگوں کے لطف و محبت، ہر فن کے صاحبِ کمال اصحاب کا رجوع اور ان کی دل و جان سے فرمانبرداری، یار احباب کا گرویدہ ہونا، دوستوں کا محبت کرنا، عزیزوں اور رشتہ داروں کی محبت و الفت، بال بچوں اور چھوٹوں کی سعادت مندی، تابعین اور لواحقین کی خوشنودی یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ نہ ہمیں اس سلسلے میں کوئی سعی و جستجو ہے، کیونکہ کسی کی سعی و جدوجہد نہ کسی کے حسن طلب اور سلیقے سے ایسے امور ظہور پذیر ہوتے ہیں اور نہ ہی سرانجام پاتے ہیں، کیونکہ اس قسم کے کاموں میں آدمی کا عمل دخل اور اختیار نہیں ہوتا۔ انسانی قلوب کی باگ ڈور تو اسی مقلب القلوب کے ہاتھ میں ہے۔ اور جس طرح اور جس طرف چاہتا ہے اُنھیں موڑتا ہے۔ تکلّف اور بناوٹ کو اعتباری امور میں عمل دخل ہوتا ہے گو مجازاً ہی ہو۔ وہ حقیقی عمل دخل نہیں ہوتا۔ حقیقی دخل کا تعلق تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ فقط اسی مختارِ حقیقی کا حصہ ہے۔ جسے تھوڑا بہت شعور بھی ہو گا وہ سمجھ جائے گا کہ بلاشبہ یہ معاملات تو تائیدِ ربّانی ہی پہ موقوف ہیں۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر دارومدار ہے اور اللہ ہی صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ بندہ تو اُس کی ایک ادنیٰ سی مخلوق ہے۔ وہ کیا اور اُس کا اختیار کیا؟ اختیار اسی اللہ جوّاد (سخی) کے ہاتھوں میں ہے اور نہیں ہے قوت اور طاقت سوائے اللہ کے کسی اور کو۔ پس میں اپنے کام اسی کو سونپتا ہوں۔ بیشک اللہ اپنے بندوں کا نگران ہے۔ وہی کافی ہے وہی بہترین کارساز ہے بہترین آقا و مددگار ہے۔ پس اے میرے ہم عصر انسان اپنی حقیقت بین آنکھ کو کھول، اللہ تعالیٰ کے احسانات کا مشاہدہ کر کہ اُس نے اپنے ایک ناچیز و نالائق بندے پر کتنا بڑا احسان فرمایا ہے۔ اور اسے اپنے ان تمام نقائص کے باوجود محض اپنی بے سبب رحمت سے قبول فرمایا۔ نکتہ چینی کرنے اور مین میخ نکالنے کو چھوڑ اور ہم عصر ہوتے کے ناطے زبانِ طعن نہ کھول۔ کیونکہ میں تو خود ہی اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر رہا ہوں تیرے بیان کرنے کی کوئی

Marfat.com

حاجت ہی نہیں، بلکہ مجھ سراپا گنہگار کو چھوڑ کسی کا بھی تمسخر نہ اُڑا، کسی کی چغلی نہ کھا، کسی پر بہتان و الزام نہ لگا، نکتہ چینی پر آمادہ نہ ہو۔ اللہ کے بندوں کی عیب جوئی میں نہ لگا رہ۔ اور بنی نوع انسان کا مضحکہ نہ اُڑا۔ آخر ہم سب کی حقیقت تو ایک ہی ہے۔ جس کسی نے کسی کا تمسخر اڑایا اس کا ہی تمسخر اڑایا جائے گا۔ یہ سودا نقد و نقد ہے۔ اگرچہ تو پرہیزگار و پارسا ہے اور اپنے زعم میں ہم گناہگاروں سے الگ ہے لیکن آخر ہماری طرح انسان ہی ہے۔ لہٰذا تم گناہگاری کے احاطے سے کیسے باہر آسکو گے اور آدمیوں کے نسب سے خارج ہو کہ ملائکہ کے نسب میں کس طرح جا پہنچو گے کیا ہوا کہ تم نے وہ نغمۂ جانفزا نہ سُنا اور صدائے دلربا کو پسند نہ کیا۔ ع صد کار کنی کہ مے غلام ست آنرا۔ (آخر تم بھی تو سینکڑوں ایسے بُرے کام کرتے ہو جن کے سامنے مے نوشی کی کوئی حیثیت ہے ہی نہیں) ۔ اور ہم تیرے ان سب عیوب، مکروفریب اور گناہوں کو ابھی تاحال زبان پر بھی نہیں لائے اور ہم طریق و ہم لباس ہوتے کا پاس و احساس رکھتے ہیں۔ ہر کسی کا معاملہ تو آخر خدا تعالیٰ ہی سے ہے کسی اور کو اس میں کیا دخل؟ دیکھو یہ آیت کریمہ کہ جو تم کرتے ہو میں اس سے بری ہوں اور جو میں کرتا ہوں تم اس سے بری ہو۔ ہمیں اپنے توبہ قبول اور رحم کرنے والے رب سے قوی امید ہے کہ تم جیسے بزرگوں کی بخشش کے سایے میں ہم ایسے معمولی اور چھوٹے لوگوں کو بھی بخش دے گا یا پھر آخر توبہ ہی کی توفیق عطا فرما دے گا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہی توقع ہے کہ ہم جیسے بشریت کے داغوں سے ملوث انسانوں کے داغوں کو وہ اپنی رحمت و بخشش کے پانی سے دھو کر اپنے قدیم ارادے کے بموجب پاک و صاف کردے گا۔ کیونکہ اللہ چاہتا ہے تاکہ تم سے ناپاکی کو دُور کردے اور اے اہلِ بیت تمھیں خوب خوب پاکیزہ کردے۔ اور یوں پاک صاف کر کے اپنی ظاہری و باطنی سروری و سرداری کی چادر میں لپیٹ کر اس کے مقدس حضور میں لے جائے گا۔ جیسے کہ قرآن پاک میں کہا گیا ہے کہ اُسے یا ایُّھا المُزَّمّل (کہ اے کملی اوڑھنے والے) کی ندا سے ممتاز کیا گیا ہے۔ (ان پر خدا کا درود و سلام) اور شاخ کو اصل کے سپرد کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا درود و سلامتی ہو محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسے کہ اس کا درود و سلامتی تھی ابراہیم اور آل ابراہیم پر، اور خدا کی برکتیں نازل ہوں محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسے کہ اس کی برکات نازل ہوئیں ابراہیم اور آل ابراہیم پر بیشک وہی قابلِ تعریف

Marfat.com

اور غالب ہے۔ اے گناہگاروں کی شفاعت کرنے والے تو ہی محمدیوں کا حامی و ناصر ہے ؎

یارسولؐ الالٰہ خذ بیدی ما لعجزی سواک مستندی

(اے معبود! کے رسولؐ مجھے ہاتھ سے تھام لے۔ میری عاجزی کے لیے تیرے سوا کوئی سہارا نہیں)۔

اے میرے رب! بخش دے ہمیں اور ہماری توبہ قبول فرما بیشک تو بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے۔ بہر حال اے ہمارے ہم عصر بزرگو! اس کی آل اولاد کی تکریم کے حکم کو یاد رکھو اور بدبختوں کی طرح سادات کی تعظیم و تکریم میں کوتاہی نہ کرو، تاکہ کل یعنی فردائے قیامت کو تم سے پرسش نہ ہو۔ عیب جوئی کی فکر میں نہ لگے رہو اور اپنے آپ کو بے عیب نہ بناؤ اور مثل مشہور ہے کہ کون ہے جو خطا سے خالی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس معمولی سی بے محل عیب گیری کے عوض خدا تمھارے ہی عیوب کا پردہ فاش کر دے۔ اے ہمارے رب بخش دے ہمارے لیے ہمارے گناہ اور چھپا دے ہمارے عیب بیشک تو بخشنے والا، عیبوں کو چھپانے والا ہے۔ اپنے اور اعزہ کرام کے خاتمہ بالخیر کی دعا و استدعا کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ اور سلامتی ہو ہم پر اور اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ رباعی:

اے کردہ خراب عمر در چون و چرا
عارف نشدی اگرچہ گشتے مُلّا
از ما بجز اقبال نہ بینے گاہے
ہر چند کہ ایراد نمائی بر ما

ترجمہ رباعی: اے نادان تو نے ساری عمر چون و چرا میں برباد کر دی تو عارف ذات تو نہ بن سکا ہاں مُلّا ضرور بن گیا۔ ہر چند کہ تو ہم پر اعتراضات ہی کی بوچھاڑ رکھتا ہے مگر پھر بھی ہماری طرف سے تو نے اقبال و تسلیم کے سوا اور کچھ نہ دیکھا۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) "اے" کی ندا یہاں انہی کج بحث جھگڑالو لوگوں کی طرف ہے جو بلا وجہ ہی ہر کسی سے الجھتے پھرتے ہیں۔ پھر تنبیہ و تاکید کے طور پر کہا گیا ہے کہ اے کہ تم نے ساری عمر اس کج بحثی اور اسی جنگ و جدال میں گزار دی۔ چون و چرا سے مراد وہی بے جا سوالات اور بیہودہ کاوشیں ہیں جن میں عمر برباد کی اور حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکا، اور نہ ہی معرفت و عرفان حاصل کر سکا۔ اگرچہ بظاہر

Marfat.com

تو تو علامہ بن گیا اور رسمی علم خوب حاصل کر لیا، پس تو ہم حقیقت شناسوں سے جنھوں نے تیری بدطینتی کو خوب سمجھ لیا ہے۔ اور حتی المقدور تحمل و بردباری اور عفو و درگزار کے فوائد کو بھی خوب سمجھتے ہیں۔ اللہ علیم و بردبار کی مدد و معاونت سے ہماری طرف سے تمھارے ان تمام اعتراضات کو تسلیم کرنے کے سوا اور کچھ نہ دیکھے گا اور ہماری طرف سے اس معاملے کے سوا اور کچھ عمل میں نہ آئے گا جس کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے۔ وہ اللہ کے بندے غصّے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ لفظِ اقبال ادبار یعنی (بدبختی) کے معنوں میں بھی آتا ہے یعنی کہ تم ہماری طرف سے سوائے اقبال و اقتدار کے اور کچھ نہ دیکھ سکو گے۔ ہم پر جتنے اعتراضات کرو گے اور ہمیں خطاوار ٹھہراؤ گے جتنی بھی ہم سے روگردانی کرو گے ان کی شامت سے خود ہی بدبختی میں مبتلا ہو گے۔ اور یہ ہمارے رب کے فضل کی وجہ سے ہے۔ ہمارے جدِّ امجد حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کے قول کے مطابق ہم اللہ کے فضل والے ہیں۔ ہمیں فضل کے دروازے سے اندر لایا گیا ہے اور دوسرے جدِّ امجد سیّد عبد القادر جیلانی رح کے قول کے مطابق ؎

افلت شموس الاولین و شمسنا ابداً علی افق العلٰے لا تغرب

(اولین کے سورج تو ڈوب گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ کے لیے بلندی کے افق پر ہے اور ڈوبتا نہیں ہے)۔ اور اپنے اور ہمارے مورث اعلیٰ حضرت امیر المومنین (ان پر اور ان کی آل اولاد پر سلامتیاں ہوں) کے قول کے مطابق ؎ رضینا قسمۃ الجبار فینا ؛ لنا علم و للجھّال مال۔ فان المال یفنی عن قریب ؛ و ان العلم یبقی لا یزال۔ فالحمد للہ ثم الحمد للہ و حسبنا اللہ نعم الوکیل نعم المولےٰ و نعم النصیرؐ۔ (ے علم ہم راضی ہیں جبار کی تقسیم پر اپنے درمیان کہ ہمارے لیے علم ہے اور جاہلوں کے لیے مال کیونکہ مال تو عنقریب فنا ہو جائے گا اور علم باقی رہتا ہے اور کبھی زوال پذیر نہیں ہوتا۔ پس ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے، پس ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور کافی ہے ہمارے لیے للہ اور وہی بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار ہے۔

Marfat.com

ھوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑے رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے خوبصورت بنایا مخلوق کو اور خلق کو عزت اور احسان سے معزز ہونے والے بندوں کے لیے، اور ان کو مہذب بنایا اکتسابی اخلاق کی تہذیب کے ساتھ اور انھیں مودّب بنایا تعلیم و تربیت سے۔ اور درود و سلام اس کے رسول کریمؐ پر اور بے شک وہ اعلیٰ اخلاق کے مقام پر فائز ہیں، اور آپ کی آلؓ اور اصحابؓ پر جو حضورؐ کے اخلاق ہی کو اپنائے ہوتے ہیں۔ امابعد پس یہ چوہتراں (۷۴) باب ہے جو خُلق حُسن سے موسوم ہے خُلق خ کی پیش اور "خ" اور "ل" کی پیش سے عبارت ہے۔ نفس کی مضبوط ہیئت پر اس طرح کہ صادر ہوں اس سے افعال سہولت اور آسانی کے ساتھ بلا تکلّف بغیر سوچنے کی اور دیکھنے کی ضرورت کے اور حیثیت کی تقیدّ کے۔ اور اگر ہو افعال کا صادر ہونا نفس سے بغیر سہولت کے، بلکہ تنگی اور تکلّف سے ہو تو اس ہیئت کو خلق نہیں کہا جاتا۔ ہم نے کہا ہے کہ یہ ہیئت راسخہ ہے کیونکہ عارضی ہیئت جو راسخ نہ ہو خلق نہیں ہوتی۔ مثلاً وہ شخص کہ جس سے صادر ہو مال کا خرچ کرنا نذر نیازوں پر عارضی حالت میں نہیں کہا جاتا کہ اس کا خُلق سخاوت ہے جب تک کہ سخاوت کی صفت اس کے نفس میں ثابت نہ ہو جائے وہ راسخ اور اسی طرح وہ شخص جو سکوت کا تکلّف کرے غصّے کے وقت کوشش کے ساتھ یا دکھاوے کے طور پر تو نہیں کہا جاتا کہ بردباری اُس کا

Marfat.com

خُلق ہے۔ اور خُلق فعل سے عبارت نہیں ہے۔ بہت سارے شخص ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کا خلق سخاوت ہے، اور وہ خرچ نہیں کرتے یا تو مال نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور معنی کی وجہ سے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کا خُلق بخُل ہو اور وہ خرچ کرے مال ریا کے طور پر یا کسی اور سبب سے۔ پس تم نے جب یہ جان لیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ ہیئت راسخہ جو حاصل ہوتی ہے نفس کے اندر جسے خُلق سے تعبیر کیا جاتا ہے، اگر ہو نفس کے اندر فطرت اور جبلت کی ابتدا سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ، پس یہ خُلق اصلی ہے اور تبدیل کرنے سے تبدیل نہیں ہوتا جیسے کہ اللہ عزّوجل نے کہا کہ نہیں ہے کوئی تبدیلی اللہ کی سنت میں سوائے اس کے کہ وہ بڑھتی اور کم ہوتی رہتی ہے اسباب کی وجہ سے، اور اگر یہ چیز نفس کو لاحق ہوتی ہے اکتساب اور عادت سے بتدریج تو یہ خلق کسبی ہے اور یہ تبدیل کرنے سے تبدیل ہو جاتی ہے اللہ عزّ شانہٗ نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دیتا ہے اور یہ خلق زائل بھی ہو جاتا ہے اور واقع بھی ہو جاتا ہے اسباب کے ساتھ، اور اخلاق اصلیہ اور کسبیہ میں سے تمام کے تمام اگر ہوتے ہیں اصلاح کرنے والے اپنے صاحب کے حال کی اور پہنچنے والے ہوتے ہیں بھلائی کے ساتھ اپنے علاوہ دوسروں تک اور شرعی طور پر قابلِ تعریف ہوتے ہیں اور عقلاً خوبصورت ہوتے ہیں۔ اور عرفاً حسین ہوتے ہیں تو انھیں حُسنِ اخلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اگر یہ فاسد کرنے والے ہوتے ہیں اپنے صاحب کے حال کو شرعاً، عقلاً اور عرفاً، اور پہنچانے والے ہوتے ہیں شر کو اپنے علاوہ دوسروں تک اسی طرح، پس انھیں سُوءِ اخلاق (بد اخلاق) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اگر ہوں یہ اپنے صاحب کے لیے مفید دُنیا میں دُنیاوی زندگی کی حیثیت سے اور آخرت میں اس کے لیے ضرر رساں ہوں تو اُسے ہوائے نفسی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اگر ہوں وہ مفید آخرت میں اور دُنیا میں مضر ہوں دُنیا کے اعتبار سے تو انھیں خلاف النفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی مثالیں مختلف قسم کی کیفیات ہیں جو نفوس کے اندر ہوتی ہیں تخلیق کی ابتدا سے یا قرار پذیر ہوتی ہیں اس میں عادات کے ساتھ اور انھیں مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے حیثیات کے اعتبار سے پس جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جس کے اخلاق اصلیہ تمام کے تمام اچھے ہو گئے اور اُس نے کما لیے اپنی کوششوں سے نیک عمل اور نیک بخت ہو گیا دونوں جہانوں میں اور

Marfat.com

پھیل گئی اس کی خبر لوگوں تک دُنیا و آخرت میں، اور اس کی نیک بختی تمام نیک بختوں کے شامل حال ہوگئی، اور وہ ہوتا ہے رحمت تمام جہانوں کے لیے اور گناہ کرنے والوں کا شفیع اور سب کے سب الٰہی اخلاق سے متخلق ہوتا ہے اور اُس کا خلق بڑا عظیم ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا خاتم النّبییٖن کے حق میں - ان پر درود و سلام ہو تمام اور رحمتیں تمام تکمیل کے ساتھ۔ بیشک آپؐ خلق عظیم کے مرتبے پر ہیں اور نبی علیہ السلام کا تمام اخلاق حسنہ بالاستیعاب احاطہ کرنے کی وجہ سے، اور اُن کے نفس کا ان پر غلبے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ بات (علیٰ) کے ساتھ کہی اور اُسے موکد بنایا اِنّا اور لام تاکید کے ساتھ۔ اور یہ نہیں کہا کہ تیرے لیے خلق عظیم ہے۔ ؎

پہنچے علوِّ شان کے مرتبۂ کمال پر — نور جمال برق ریز تیرگی ضلال پر
خوبیاں ختم ہوگئیں آپ کی ذات پر تمام — بھیجو درود مومنو ان پر اور اُن کی آل پر

حُسنِ خَلق اور حُسنِ خُلق کے بیان کا باب

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح حضرت انسان کا ایک ظاہر ہے ایسے ہی ایک باطن بھی ہے اور ان میں ہر کسی کے آثار دوسرے پہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ ظاہر باطن میں سرایت کرتا ہے اور باطن ظاہر پہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی لیے نیک اعمال و اقوال کا حصول باطنی ترقی کا موجب بنتا ہے اور اسی کی طرف بلند ہوتا ہے پاکیزہ کلمہ اور نیک عمل۔ اور باطنی ذکر اذکار میں مشغولیت اور اخلاق کا سنوارنا اور اندرونی اوصاف ظاہر کی تطہیر، پاکیزگی اور برکت کا باعث بن کر چہرے مہرے کی نورانیت بنتی ہے۔ اور یہ آیت کریمہ کہ وہ اپنے چہروں سے پہچانے جاتے ہیں اس صورتِ حال کی خبر دیتی ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس بُرے افعال و اقوال کی شامت باطن کو تیرہ و تار بنا دیتی ہے اور باطنی غفلت اور کدورت ظاہر کو بے برکت اور چہرے کو بے نور بنا دیتی ہے جیسے تم غور کرو گے تو بھانپ لو گے کہ چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے۔ اور اگر مزید غور و فکر کے لیے گردن جھکاؤ گے تو سمجھ ہی لو گے کہ چہرے کو دل سے ازلی تعلق ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ باشعور قیافہ شناسوں نے باطنی اوصاف و اخلاق کی پہچان کی بنیاد چہرے پر رکھی ہے۔ اوصاف باطن لوگ کسی کی باطنی حالت سے اس کے اعمال و اقوال کی کیفیت دریافت کر لیتے ہیں۔ پس دانشمند لوگ ظاہری توسط سے

Marfat.com

باطنی کیفیت کا پتہ چلالیتے ہیں اور اولیائے کرام باطنی شرف سے ظاہری احوال کا سراغ لگالیتے ہیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ آدمی کے ظاہر و باطن کا یہی ارتباط ہے جس سے ایک امر کے حال سے دوسرے امر کی حالت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو جس طرح ہر نوع کے مخصوص احوال اس کی نوعی صورت سے متعلق ہیں۔ اسی طرح ہر شخص کے افعال اس کی شخصی صورت سے متعلق ہیں۔ اور ہر کسی کی طبیعت اپنی مرضی کے مطابق ظاہر و باطن میں عمل پیرا ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کر رہا ہے۔ لہذا انسان کی شکل وصورت کو اس کے باطنی امور میں پورا عمل دخل ہے۔ اپنی مدت العمر میں جو کچھ میرے بندۂ ناچیز کے تجربہ و مشاہدے میں آیا ہے یہ ہے کہ جو لوگ خوبصورت ہوتے ہیں اور لوگ متفقہ طور پر انھیں خوش شکل کہتے ہیں اور اپنے حسن کی دولت کی وجہ سے مشہور ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثریت بہت اچھے اوصاف کے مالک نہیں ہوتے۔ وہ بے مروت، بے وفا اور بے حیا، ادنی الطبع، پست ہمت، ناعاقبت اندیش اور غیر مستقل مزاج، ڈھلمل یقین اور لغو مصروفیات میں وقت کو ضائع کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ قول کے کچے، محبت میں غیر مخلص اور وعدہ خلاف ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو نہایت بدصورت، بدشکل، بدنما اور ناقص الخلقت ہوتے ہیں ان کی اکثریت بدخو، تیز مزاج، زود رنج، جذبۂ عشق سے عاری بے عقل، کند ذہن، بھلکڑ، صحبت انسانی سے متنفر، کنجوس، لالچی، حاسد، مکار، کینہ توز، سنگ دل، بے انس اور زر پرست ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض بڑے نمازی، پرہیزگار، پارسا اور خشک زاہد بھی ہوتے ہیں۔ اور ظاہری عبادت میں سرگرم رہتے ہیں اور جن لوگوں کی شکل و صورت اس کے بین بین ہو یعنی جن کی صورت میں کوئی عیب بھی نہیں ہوتا بلکہ وجیہہ اور جامہ زیب ہوں۔ نہ اتنے خوبرو کہ انھیں جملہ حسینوں اور مجازی معشوقوں میں شمار کیا جا سکے، اور نہ ہی اتنے ناقص و معیوب کہ جنھیں بدشکل اور بدصورتوں میں گنا جائے بلکہ ان میں خوش نمائی کی جھلک غالب ہو ان کی اکثریت باشعور، عقل مند، خوش خلق، سخی، منکسر المزاج، انسان دوست، عاشق مزاج، ایماندار، وعدے کے پکے، وضعدار، عاقبت اندیش، راسخ العقیدہ اور وفادار ہوتے ہیں۔ وہ عمدہ خصلتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ بہرحال ظاہری شکل وصورت میں اختلافات کی طرح انسان کے باطنوں میں بھی بڑے فرق ہیں۔ اور انواع و اقسام کی صفات و عادت ہوتی

Marfat.com

ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے اس بندۂ ناچیز کو قیافہ شناسی کی جزئیات سے خوب آگاہ کیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ ہر امر یعنی رنگ و روپ، آنکھ، ابرو، قد کاٹھ، لاغری، فربہی، سر و پیشانی، داڑھی مونچھ وغیرہ وغیرہ کے متعلق ذرا تفصیل سے بیان کروں تاکہ انسانوں کی پہچان کے سلسلے میں ہر کسی کے کام آسکے۔ مگر اسی اثنا میں میرے دل پر یہ القا ہوا کہ نہیں یہ نہیں لکھنا چاہیے، کیونکہ اس صورت میں اگرچہ فائدے بھی بہت ہیں مگر پھر بھی بندگانِ خدا کی پردہ دری ہوتی ہے اور ایسی تحریر خلق عظیم کے حامل (نبی کریم صلعم) کے پیروکاروں کے اخلاق سے بعید ہے۔ کیونکہ ان کے پڑھنے سے جس طرح اوصافِ حمیدہ والے اصحاب خوش ہوں گے، اسی طرح بُرے اخلاق والے اصحاب شرمسار ہوں گے۔ جن لوگوں نے قیافہ شناسی کے سلسلے میں جزئیات کے متعلق لکھا ہے۔ مجھ فقیر کی دانست میں اُنھوں نے اچھا نہیں کیا، ہر چند ان کی نیت نیک ہوگی اور یقیناً فوائد سے خالی بھی نہیں لیکن میرے ناقص فہم کے مطابق ایسے امور کا جزئی نہیں کلّی طور پر بیان کرنا ہی بہتر ہے جیسا کہ اس مقدمہ میں لکھا گیا ہے۔ جزئیات کی تشریح مناسب نہیں، بعض جگہوں پہ تو موافق بھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس قسم کے احکام چھان بین اور کرید کی جنس سے ہوتے ہیں۔ اور ایسے تحقیقی کاموں پہ عقلی احکام کی طرح حکم صادر نہیں کیا جاسکتا۔ ہر شخص کے ظاہر و باطن کو تو وہ غیبوں کو جاننے والا خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اس نے جس صورت پہ چاہا بندے کو پیدا کیا دوسرا اُس سے کماحقہٗ آگاہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اسی تعلیم ربانی کی بدولت جزئیات کا کشف کلّی انداز میں کیا جائے جو مجموعی لحاظ سے خلاف امر نہیں ہوتا۔ صاحبِ بصیرت سالکوں کی حقیقت بین اور آدم شناس آنکھ تو ہر جزو کو بھانپ لیتی ہے۔ اور عیب و کمال کے حال کا کشف کرنے والا آئینہ ہاتھ لگ جاتا ہے۔ جیسے کہ والد بزرگوار کی نالۂ عندلیب نامی عمدہ کتاب میں شاہ غیب کی زبانی اس کی تفصیل شایان و شائستہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ مزید اطلاعات کے لیے اُدھر رجوع فرمائیں۔ لہذا ان امور کا کلیتہً صادق آنا بھی کلّی لحاظ سے ہے اور بعض جزئی امور کے صدق کا اتفاق بھی جزئیتہً ہے۔ الغرض ایسی چشم بینا پیدا کرنی چاہیے جو حقیقت کا ادراک کر سکے۔ اور استدعا کرنی چاہیے کہ تمھارے حق میں یہ دعائے مسنونہ قبول ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ دکھائے تجھے اشیا کے حقائق جیسی کہ وہ ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے صحیح ادراک اور ذہنی ذکاوت

Marfat.com

عطا فرمائے وہ انسان کو دیکھتے ہی بلکہ اس کے اقوال واحوال کو سن کر ہی اس کی حقیقت اور دلی کیفیت کو معلوم کر لیتا ہے۔ ورنہ یہ کم فہم لوگ تو علم قیافہ پڑھنے کے باوجود بھی قیافہ شناس نہیں بن پاتے۔ ہر چند کہ طب کی کتابوں میں امراض کے اسباب وعلامات اور دواؤں کے خواص لکھے ہوتے ہیں مگر طبیب بننے کے لیے عقل رسا اور حدسی قوت درکار ہے۔ محض کتابوں کے پڑھ لینے سے تو کچھ نہیں بنتا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ اللہ تعالیٰ طبع سلیم، صحیح ایمان اور عقل عنایت فرمائے کہ حُسن اخلاق انہی سے عبارت ہے۔ جیسا کہ ظاہری حُسن عبارت ہے اچھی شکل وصورت سے، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں حسن خلق عطا فرمائے۔ رباعی:

گہ خال اورا گاہ خط میگویند
یاران از حُسن بہ نمط میگویند
ایں طرفہ کہ آنچہ می نمایند بیان
ہم راستی ست و ہم غلط میگویند

ترجمہ رباعی: کبھی خالِ رُخ یار کو حُسن کہتے ہیں اور گاہے سبزہ خط کو۔ یار دوستوں نے ہر طور اور روش سے حسن کی تعریف کی ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی بیان کرتے ہیں وہ صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ یعنی کہ حُسن پرست یاروں نے حُسن کی تعریف اپنے ہی خاص انداز سے کی ہے جو ان کے نزدیک خوشنما اور دلربا ہے۔ جس وقت خالِ رُخ یار کا دانہ ان کے دلوں کی زمین میں شوق کا بیج بو دیتا ہے۔ اور اُس میں اُنس ومحبت کے رگ وریشے پھوٹ آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ حُسن عبارت ہے اس خال رُخ یار سے جو دل میں سیاہ داغ کی طرح جاگزیں ہو جاتا ہے اور آنکھ کی پتلی کی بینائی روشنائی کی مانند ہے اور جب سبزہ خطِ رُخ یار کا اشتیاق اُن کے دلوں میں سرسبز ہوتا ہے اور لپٹے دامِ فریب میں لے آتا ہے تو وہ پکار اٹھتے ہیں کہ حُسن عبارت ہے اس خط سبز سے کہ جو صاحبان بصیرت کی آنکھوں کے لیے سرمہ ہے اور دلفگار وسیہ بخت عشاق کے لیے دلکش ودلفریب ہے (شاعر کہتا ہے کہ) یہ اک طرفہ تماشا ہے اور عجیب معاملہ ہے کہ جس طرح یہ بے اختیار دلدادہ اصحاب اور غلط گفتار راست گو احباب بیان کرتے ہیں صحیح بھی ہے کہ حُسن کو اپنی تجلی یا ظہور کے لیے اس خط وخال چشم وابرو، زلف وگیسو وغیرہ کے

Marfat.com

سوا اور کوئی مظاہر بھی نہیں۔ وہ جب کبھی بھی نظر آئے گا انہی میں نظر آئے گا اور اعتبارات کے اس توسط سے قطع نظر حُسن نہ بے حجاب ہوگا، نہ نظر آئے گا۔ لہذا وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ حسن عبارت ہے اسی خدوخال سے اور غلط بھی ہیں۔ کیونکہ حسن ایک الگ چیز ہے جو حسینوں اور محبوبوں کے دل کے قریب ہوتا ہے، ورنہ وہ کون ہے جس میں یہ خال وخط، چشم و ابرو، دست وپا وغیرہ نہ پائے جاتے ہوں۔ بڑے بدشکل اور بدصورت لوگوں کی زلفیں اور گیسو ہوتے ہیں۔ انھوں نے خود کو سولہ سنگار بھی کر رکھا ہوتا ہے۔ لیکن ان میں حُسن کی کوئی جھلک تک نظر نہیں آتی تو پھر اُن کا یہ قول غلط ٹھہرا جو کہتے ہیں کہ حسن یہی خط وخال اور زلف وگیسو ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ اگر رباعی کے ظاہری معنوں کو سمجھ لیا ہے تو اس کے باطنی اور معنوی اور حقیقی معنوں کو سمجھنے کی بھی کوشش کر کیونکہ اس مجازی مثال سے ہماری مراد تو حقیقت تک پہنچانا تھا اور مجاز حقیقت کی سیڑھی ہے۔ پس سمجھ لو کہ خال وخط سے مراد حق تعالیٰ کے اسماءُ وصفات کے مراتب و شانیں اور اعتبارات ہیں جسے تشبیہی مرتبہ اور وجہہ اللہ کہتے ہیں۔ حُسن سے مُراد ذاتِ واجب کا مرتبہ ہے جو اسمائے ذات وصفات کے ان تمام مراتب، شیئون اور اعتبارات میں شامل اور جاری وساری ہے۔ اور اُسے ذات کا تنزیہی مرتبہ بھی کہتے ہیں اور ذاتِ بے کیف بھی۔ اور لفظ "یاراں" سے ہماری مراد محققین اصحاب ہیں جنھوں نے ذات وصفات واسمائے الٰہی کے سلسلے میں تحقیق کی ہے۔ اور ذات وصفات کی عینیت اور غیریت کے قائل ہوگئے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صفات بھی عین ذات ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ذات پر زائد ہیں۔ (پس مصنف کا کہنا ہے کہ) یہ اک طرفہ تماشا ہے اور عجیب سا معاملہ کہ اگر یہ اصحاب حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور خوب ذہن نشین کر لیں تو جھگڑا ختم ہو جائے گا اور ان پہ یہ راز کُھل جائے گا کہ ان میں سے ہر کوئی جو کچھ بھی بیان کر رہا ہے صحیح ہے ایک لحاظ سے درست ہے اور غلط بھی ہے۔ ایک لحاظ سے بالکل نادرست بھی۔ یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ صفات عین ذات ہیں وہ بھی ٹھیک ہیں۔ کیونکہ اوصاف کے بغیر ذات کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ اور غلط بھی ہے۔ کیونکہ ذات کا مفہوم اور چیز ہے اور صفات کا مفہوم ایک الگ چیز ہے۔ ذات کے مفہوم میں جوہر کے معانی آتے ہیں جو قائم بالذات ہے اور صفات کے مفہوم میں عرض (یعنی قائم بالغیر) کے معنی آتے ہیں۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ صفات ذات سے

Marfat.com

زوائد نہیں وہ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ کیونکہ زائد معانی کے اعتبارات نفس معتبر پہ زائد ہوتے ہیں اور غلط بھی ہے۔ کیونکہ ان اعتبارات کی زیادتی امر اعتباری سے الگ نہیں۔ اور ان میں ان کی ذات معتبر کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں، پس حق وہ ہے جو اہلِ حق نے کہا۔ نہ عین، نہ غیر۔ پس یہ بات سمجھ لے اور نہ ہو جا غافلوں میں سے اور اللہ سبحانہٗ کے اخلاق کو اپنا لے اور تو موصوف ہو جا اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے ساتھ اپنی استطاعت تک۔ کیونکہ اُس نے بنایا تجھے اسمائے حسنیٰ کا مظہر پس ہو جا آئینہ اللہ کے چہرے کے لیے اچھے چہرے کے ساتھ اور باقی رکھ بھلائیاں اور نیکیاں تاکہ اچھا کر دے اللہ تیرے حال کو دُنیا اور آخرت میں اور بنا دے تجھے احسان کرنے والوں میں سے اور منوّر کرے تیرے دل کو مشاہدے اور معرفت کے نور سے، اور تو ہو جائے مقربین میں سے، اور تو ہو جائے خوبصورت ظاہراً اور باطناً اللہ جمیل کی عنایت سے، اور تو ہو جائے دوست اور پیارا ربّ جلیل کے لیے۔ ہر چند کہ ظاہری عالم مجاز میں خوبصورتی عبارت ہے اعضا کے تناسب سے۔ خوبصورت اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو متناسب الاعضا ہو لیکن محبوبیت جو عبارت ہے دلربائی اور معشوقیت سے وہ الگ چیز ہے۔ اور وہ محض خداداد ہے جو ہر خوبصورت کو نصیب نہیں ہوتی۔ بسا اوقات یوں بھی اتفاق ہوتا ہے کہ بعض کا نین نقشہ بظاہر بڑا صحیح اور ٹھیک ٹھاک ہوتا ہے لیکن کوئی ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔ اور کس نمی پُرسد کہ بھیّا کون ہو۔ اور اگر کوئی دیکھتا ہے تو بس تصویر کی طرح دیکھتا ہے اس کی تعریف و توصیف کر دیتے ہیں لیکن اُنھیں دیکھ کر کسی کا دل ڈگمگاتا نہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ گو بظاہر چنداں خوشنما نہیں ہوتے اور لباس بھی ان کا واجبی ہی سا ہوتا ہے لیکن ہر کسی کے دل کو لبھا لیتے ہیں اور آدمی ان کی حرکات و سکنات کے دیکھنے پر مجبوراً محو ہو جاتا ہے۔ اور اُس کے ہاتھ سے اختیار کی باگ ڈور چھوٹ جاتی ہے۔

ایسا ظاہری حسن عالم حقیقت میں اچھے اچھے اعمال و افعال اور فضل و کمال کے اکتساب اپنے ظاہر کو خاطر خواہ انداز میں آراستہ کرنا ہے اور باطنی حُسن تو اک خدائی عطیہ ہے جو اسی کے انتخاب و چناؤ سے متعلق ہے۔ وہ بارگاہِ عالی جسے چاہے عطا کر دے۔ یہ تو جذبات الٰہیہ سے ایک جذبہ ہے۔ اس میں کسی قسم کے اختیار، تکلّف و تصنّع کو کوئی عمل دخل نہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے چن لیتا ہے اور وہ حُسن ظاہر جس کا تعلق علم و فضل کے اکتساب سے ہے وُہ حُسن خلق (زبر کے ساتھ) ہے کہ خلق کے معنی ہیں ظاہری شکل و صورت، جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اے اللہ تونے میرے وجود کو خوبصورت بنایا ہے پس میرے اخلاق کو بھی خوبصورت بنا۔ اور یہ حُسن باطنی جو اللہ تعالیٰ کی مقبولیت سے متعلق ہے وہ حُسنِ خُلق (پیش کے ساتھ) ہے کہ خلق عبارت ہے باطنی اوصاف سے جیساکہ مذکورہ بالا احدیث سے ظاہر ہے۔ پس زاہد اور عالم لوگ جو یہ ظاہری خوبی رکھتے ہیں خوبصورت ہیں ان خوش شکلوں کی طرح جن کا ظاہری نین نقشہ اچھا اور لباس بھی عمدہ ہو۔ لیکن ان میں خوب و محبوب ہونے کا نور ظہور نہیں ہوتا۔ اور عارفین اور اولیاءؒ کرام جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں۔ وہ خوش شکل ہونے کے ساتھ ساتھ خوش سیرت بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ ظاہری حسن و لباس کی طرح ان کے اعمال و اقوال بھی ایسے ہوتے ہیں اور حُسن اخلاق یا حُسن باطنی بھی رکھتے ہیں۔ جس میں معشوقانہ خوشنمائی بھی ہوتی ہے اور محبوبانہ دلربائی بھی۔ یہی لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے برگزیدہ کیا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے بھی محبوب خدا ہیں۔ ظاہری آرائش الگ چیز ہے جو ہر کوئی دیکھ سکتا ہے اور قبولِ خاطر جو دلوں میں گھر کر جاتا ہے ایک بالکل الگ چیز ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ جذبِ قلوب کے لیے رسمی اسباب و وہی تکلّفات میں سے کوئی سبب بھی درکار نہیں۔ اللہ مقلب القلوب ہے وہ جدھر چاہتا ہے دلوں کی عنان کو موڑ دیتا ہے۔ وہ شیریں سخنی یا دلوں پر اثر اندازی عنایت خداوندی کے علاوہ نہیں مل سکتی ورنہ تو ہر کسی کے کلام میں اہل اللہ ہی کے جیسی تاثیر پیدا ہو جاتی۔ حسنِ عمل عبارت ہے حسنِ قبول سے اور عمل وہی ہے جو مقبول ہو۔ ورنہ محض وقت کا زیاں ہے۔ اور سراسر گھاٹا اور نقصان۔ ع تا دوست کرا خواہد و میلش بکہ باشد۔ (یہ تو آگے چل کر دیکھنے کی بات ہے کہ محبوب کسے چاہتا ہے) اور کس کس طرف اس کا رجحان ہے۔ اور قبولیت واسطہ ہے حق تعالیٰ تک قرب اور رسائی کا۔ کسی کو جرأت نہیں کہ قیامت کے دن اس کے حضور کسی کی شفاعت کر سکے سوائے اُس کی اجازت کے، اے خدا جب تو نے ہم گنہگاروں کو دینِ محمدیؐ کی مقبولیت اور ایمان و اسلام کے شرف سے مشرّف فرمانا بظاہر قبول کر لیا ہے تو باطنی طور پر بھی ماسوی اللہ کی گرفتاری سے آزاد کر کے اپنے مشاہدے و حضوری کی سعادت عنایت فرما۔ اور

Marfat.com

دُنیا و آخرت کی عقوبتوں سے نجات بخش دے۔ اے ہمارے رب قبول فرما ہم سے یہ دُعا، بیشک تو سننے والا جاننے والا ہے۔ کیونکہ تو نے کہا تھا کہ میں جواب دیتا ہوں پکارنے والے کی پکار کا جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس مجھے ہی وہ پکاریں اور مجھی پر ایمان لائیں شاید کہ وہ ہدایت دیے جائیں۔ رباعی:

زین پیش بدل ز دلبران بود خلل
خون کرد جگر درد کنون فکر اجل
از حسن پرستی نگذ شتیم آخر
حالانکہ شدہ منظور نظر حُسن عمل

ترجمہ رباعی: اس سے پیشتر دل میں دلبروں کی وجہ سے خلل تھا۔ اے درد اب اجل کی فکر نے جگر کو خون کر دیا ہے لیکن ہم حسن پرستی سے آخر تک باز نہ آئے، پہلے حُسن تھا اور اب ہمارے پیشِ نظر حُسن عمل ہے۔ لفظ "زین پیشتر" سے مراد سلوک کا وسطی زمانہ ہے۔ جو سالکوں کی اپنی جوانی کا زمانہ ہوتا ہے۔ دلبروں سے مُراد اسمائے حسنیٰ کی تجلّیات ہیں۔ خلل سے مراد ہے اصل کام سے رُک جانا۔ لفظ (اکنوں) سے مراد ہے سلوک کا یہ آخری پیریڈ جو قوائے انسانی کے مکمل طور پر مضمحل ہونے اور ان انتہائے سلوک پہنچنے والوں کے بڑھاپے کا دور ہوتا ہے۔ جگر خون ہونے سے مُراد ہے آثار امکانی کے گداختہ ہونے سے، فکر اجل کی طرف راجع ہونے سے مُراد ہے حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف مکمل رجوع اور کلّی فنا اور ظلالی تجلّیات کے داغ سے صاف ہونے سے۔ حُسن پرستی سے مراد ہے اسمائے حسنیٰ کی تجلّیات کے مشاہدے سے۔ نگذاشتن سے مراد ترستن ہے یعنی چھٹکارا نہ پا سکتا۔ اسماء کے توسط اور منظور نظر شدن سے مُراد سب معاملات میں سے اہم اور مقدّم ترین گنے جاتا اور حُسنِ عمل سے مراد ظاہری عبادت باطنی قرب سمیت جیسے کہ نماز میں حالتِ مشاہدہ میں بھی قرأت کو طول دینا اور دل کا ماسویٰ اللہ کے خیالات سے خالی ہونا ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ اس سے پیشتر جب راہِ سلوک کا وسطی اور عمر کا جوانی کا زمانہ تھا، اسمائے حسنیٰ کی تجلیاّت کی کثرت و غلبہ سے دل میں رنگارنگی کے باعث خلل تھا۔ جس کی وجہ سے ہم اصل کام ظاہری و باطنی استقامت سے محروم رہے، اور

Marfat.com

رشد و ہدایت کے کام میں بھی فتور آیا۔ اور اب جب کہ راہِ سلوک کی آخری منازل ہیں اب سالکانِ راہ کے بڑھاپے کا زمانہ ہے۔ قوا مضمحل ہو رہے، اب ذاتِ پاک باری تعالیٰ کی طرف مکمل رجوع کا وقت ہے جو حق تعالیٰ سے صحیح نسبت کا دور ہے۔ نیز فنائے کلّی کا اور ظلالی تجلیات سے بریت کا، جس نے سارے امکانی آثار کو گداختہ کر کے باطن سے باہر نکال پھینکا ہے۔ لیکن پھر بھی اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کے مشاہدے سے باز نہ آئے۔ اور درحقیقت ہر توسط کی گرفتاری اور اسما و صفات کے درمیان حائل ہونے سے چھٹکارا نہ پاسکے۔ ذاتِ حق کی تجلّی اسما و صفات کی وساطت کے بغیر محال ہے۔ ہر چند کہ یہ منتہی یعنی منزل رسیدہ حضرات علم کے لحاظ سے ذات باری تعالیٰ کے اسما و صفات کے نور میں غائب ہو جاتے ہیں اور ادراک نگاہوں سے ساقط ہو جاتے ہیں بالکل ستاروں کی مانند جو دن کے وقت آفتاب کے نور میں گم ہو جاتے ہیں۔ اور نظر نہیں آتے۔ لیکن ہر ستارے کے آثار و نتائج فی الواقع کسی وقت یا کسی گھڑی بھی زائل نہیں ہوتے۔ فی الواقع ستاروں کا وجود ختم نہیں ہو جاتا۔ پس لوگوں کی اصطلاح میں اسما و صفاتِ اعتبارات کی پوشیدگی اور اخفا کو جو مشاہدہ ہے تجلّی ذات کہتے ہیں اور اس آخری منزل پہ حق تعالیٰ جن لوگوں کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے اور انھیں شریعت کی حقیقت تک پہنچا دیتا ہے اور ان پہ اپنی رحمت کا پورا نزول فرماتا ہے ان کا منظور و مقصود بھی اوقات کی پابندی اور انضباط ہوتا ہے۔ اور قرب باطنی کے ہوتے ظاہری عبادات کا بجالانا یعنی نفلی نمازوں میں قرأت کو طول دینا حالتِ مشاہدہ کی پوری قوت سمیت۔ اور دل کا ماسوی اللہ کے خیالات سے کلّی طور پر پاک ہونا مقصود و منظور ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس شرع محمدی (ان پر خدا کا درود و سلام) کے حکم کے بموجب دن رات عبادت اور اطاعت میں مصروف رہنا، اور تمام مصروفیات و مشغولیت سے اہم اور مقدم سمجھنا گویا جملہ عبادات میں حُسن ذوق و شوق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نصیب کرے۔ اللہ ہدایت کا اتباع بخشے۔ شعری محاسن کے لحاظ سے رباعی کا ظاہری حُسن، اس کی ترکیبات کی بندشات، الفاظ کا تناسب عبارات کی ظاہری رنگینیاں دیکھنے والے پہ عیاں ہوں گی اور مضمون آرائی کے تماشائیوں پہ ان کی رنگینی و رعنائی ظاہر ہے اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے موجودات کو رنگا ہے اپنے وجود کے رنگ کے ساتھ اور منور کیا ہے عارفین کے دلوں کو اپنے شہود کے نور سے اور درود و سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اس کا حامد اور محمود ہے۔ اور آپ کی آل رضی اللہ عنہم پر اور اصحابؓ پر جو محافظت کرنے والے ہیں اس کی حدود کی، اما بعد پس یہ پچھترواں (۷۵) باب ہے جو صبغۃ اللہ سے موسوم ہے۔ الصبغ کے معنی ہیں رنگ پس صبغ الاصبغی یعنی اک کیفیت ہے جو حقیقت نہیں اللہ سبحانہٗ کا رنگ جو ہے بلحاظ تنزیہہ (پاکیزگی) اور صفات سلبیہ کے طور پر جو کہ حالتوں میں سے ایسا مرتبہ ہے جو لاشی کی شرط کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کہ ثبوت کا رنگ اور تحقیق کی کیفیت بھی اللہ تعالیٰ کی صفت (رنگت) ہے تشبہ کے اعتبار سے اور صفات ثبوتیہ احتمافات میں سے ایسا مرتبہ جو بشرط شئے کے ساتھ ہے۔ اور یہ دونوں رنگ ہیں نفس الوجود کے مرتبے کے لیے جیسے کہ تعبیر کیا جاتا ہے لا کے قرب کے ساتھ کسی چیز کی شرط کے ساتھ۔ پس سلب اور ایجاب جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے دو رنگ ہیں نہیں فقط حقیقت امکانیہ تک اللہ سبحانہٗ کا رنگ ہے اس حقیقت ممکنہ و مظلمہ کا یہ تمام و کمال اطلاق کرتے ہوئے ان دونوں کے رنگ کا مکمل طور پر اور تقیداً (قید کے ساتھ) ان دونوں کے بعض رنگوں کا جزئی رنگ کے ساتھ یعنی سلب کر لیا گیا ان میں سے بعض سے بعض اضافات کو، اور واجب کر دیا گیا بعض کو استعداد کے نہ ہونے سے اُن میں سے ہر ایک اور اس کی اہلیت کے لیے رنگ کو سب کا سب جذب کر لینے کی، پس معین کیے

Marfat.com

حقائق ان دونوں رنگوں کے امتزاج سے سلب اور ایجاب میں سے حقیقتاً ایک حقیقت کے طور پر دوسری حقیقت سے جو ممتاز ہے اس سے جو اس کے علاوہ ہے۔ جو رنگی ہوئی ہے خاص رنگ میں تسب کے سلب ہوتے کے مطابق اور اس کی ایجادات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مشیت کے موافق اور مختلف ہو گئے اس کے رنگ اور کثیر ہو گئے اور وہ متعدد ہو گیا چیزوں کی اقسام کے ساتھ، پس وہ ہو گئیں مختلف ماہیتیں اور کثیر موجودات۔ جب ظاہر ہوتی ہے تو یہ حقیقت انسانیہ کی طرف تو جذب کر لیتی ہے تمام کے تمام الٰہی رنگ کو مضبوطی سے کھینچ کر اور اُٹھا لیا انسان نے اُس کی ساری کی ساری امانت کو کلی طور پر کمالات تنزیہہ و تشبیہہ، سلبیہ اور ایجابیہ میں سے اور اسی کلام کے رنگ سے رنگے جانے کے پہلو سے جس سے وہ مخصوص کیا گیا ہے اور ہو گیا ہے وہ بولنے والا اور بیان کرنے والا موجودات میں سے تمام احوال کو حق کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کے لیے سلبی اور ایجابی اضافات میں سے ہو گیا بیان شافی اور تعریف کافی، یہاں تک کہ وہ ہو جاتا ہے جامع اور مانع۔ پس یہ رنگ قائم اور برقرار رہے جس سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو رنگا ہے۔ قدرت و ارادہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مکمل رنگ کے طور پر اور اُس پر زیادتی کرنے کی طرف کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اور کون زیادہ اچھا ہے اللہ سے رنگ کے لحاظ سے۔ اس جیسی اور کوئی شے نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

بے رنگی کے باوجود انسانی طلسمات کے بیان کا باب

نیرنگ طلسمات کو کہتے ہیں۔ متن کی عبارت میں آنے والی نیرنگیٔ انسان سے منظور اللہ تعالیٰ کے اسمائی و صفاتی ظہورات کی طلسم بندی ہے، انسان کے جامع تشخص میں اور اُس کی بے بود صورت میں ان تمام کمالات کی نمود میں جو اللہ تعالیٰ کا مکمل مظہر ہے۔ بیرنگی کے لفظ سے مراد ہے انسان کی بے کیف حیثیت، روح انسان کی پاکیزگی و لطافت سے کیونکہ انسان کا نفس ناطقہ (روح) ایک مجرّد اور بسیط جوہر ہے۔ ان جسمانی عوارض کی اس ساری رنگ آمیزی اور رنگا رنگ مادی آلات کے تصرّف اور جسم میں اربعہ عناصر (آگ۔ پانی۔ مٹی اور ہوا) کے قرب و یکجائی کے باوجود انسانی نفس ناطقہ (رُوح) کے مجرّد اور مفرد ہونے میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ اور اس کی پاکیزگی کے آئینے

Marfat.com

نے اپنی لطافت کے مرتبے کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا اسے منہ نہیں موڑا) اور ضدین کا یہ اجتماع ایک ایسا طلسم ہے جو اس قادرِ مطلق و بے مثال کے انداز سے بغیر کسی اور کے دستِ قدرت سے صورت پذیر نہیں ہو سکتا۔ اور راہِ سلوک میں باطنی حالات کے اعتبار سے اپنی تمام تر بے رنگی کے باوجود انسانی نیرنگی و طلسم کے بیان سے اصل مقصد یہی اس کے تمام اعتباری مراتب کا تحفظ اور شرعی احکام کا اتباع ہے جو امر معروف و نہی عن المنکر کے کثیر و مختلف رنگوں پر مشتمل ہے۔ ذاتِ واحد کا مشاہدہ اور اس ذات پاک کی طرف بے کیف رجوع اور اس مقدس مرتبے میں مکمل محویت و اضمحلال کے باوجود متن کی عبارت معنوں کے اعتبار سے عام طور پر تمام انسانی افراد کی شرح حال ہے کیونکہ ہر آدمی کو روحانی لطافت کے ساتھ ساتھ جسمانی کثافت بھی دامنگیر ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک انسان مفرد (غیر مادّی) روح اور اربعہ عناصر سے بنے ہوئے جسم کا مالک ہے اور دوسرے معنوں کے لحاظ سے یہ مختص ہے۔ سالکان راہِ حق اور خدا آگاہ لوگوں کے احوال سے جو راہِ راست کے مسافر اور لقائے الٰہی کے مشتاق ہونے کی وجہ سے مستقل طور پر شریعت پر قائم اور مشاہدۂ ذاتِ حق میں محو رہتے ہیں۔ ایسے کامل انسانوں میں سے ہر ایک صاحبِ شریعت اور اہلِ حقیقت ہوتا ہے۔ اور ایسے خاص اولیائیں سے خاص الخاص نقشبندی طریقے کے اولیائے کرام ہیں جو ایک عجیب ایمانی قوّت کے ساتھ جادۂ شریعت پر ثابت قدم رہے ہیں۔ اور ایک طرفہ باطنی کشش و جذب کی بدولت محبوبِ حقیقی میں جذب ہوتے جاتے ہیں۔ یہ الٰہی جذبہ گویا بہ تمام و کمال انہی کے حصّے میں آیا ہے۔ اور شرعی آداب کو کما حقہٗ انہی نے ادا کیا ہے۔ ذاتِ پاک سے بے کیف نسبت کی بارش انہی کے باطنی بادلوں سے برستی ہے۔ اور اسماء و صفات کی تجلّیات کے گلشن کو انہی کے امتیاز کا سبزہ زار سرسبز و شاداب رکھتا ہے۔ یہ لوگ تشبیہی اور تنزیہی مراتب کے جامع ہیں۔ تشبیہی مراتب کے تفرقے کے باوجود وہ اس تنزیہی مرتبے کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ "ہمہ اوست" کے الفاظ زبان پہ نہیں لاتے پھر بھی کبھی اس کے سوا کوئی اور ان کے دل سے گزر نہیں پاتا۔ باوجودیکہ عینیّت اور اتحاد کے لفظوں پر لب کشائی نہیں کرتے مگر ان کے دل میں سوائے اس کے اور کسی کو قرار نہیں۔ توحید کا حال انہی کی باطنی شمعوں سے روشن ہے۔ چنانچہ توحید اور توحیدی کے معانی کی تمام محفلیں اور مجلسیں انہی پاک باز اصحاب

Marfat.com

کے صاف شفاف دلوں کے آئینوں سے منوّر ہیں اور حدود اللہ کی اقامت کی باگ ڈور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے انہی نائبوں کے ہاتھ میں ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان بزرگان دین کی حقیقی اور لطیف نسبت بہت زبردست ہے اور ان برگزیدہ اصحاب کی رسول پاک صلعم سے محبت اور ایمانی رابطہ بڑا مضبوط ہے۔ وہ ظاہری اور باطنی طور پر نبوتِ محمدیہ کے مسلک کے سالک و رہرو ہیں اور ظاہری اور حقیقی طور پر بھی شریعت محمدیہ کے مکمل تابع و پیروکار ہیں۔ گویا نبی نوع انسان کی تخلیق کا مقصود انہی بابرکت بزرگوں کے وجود مبارک کا ظہور ہے۔ حق بات تو یہ ہے کہ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کو قرب اللہ سے حاصل ہے وہ قرب نبوّت کے فانوس کے نور سے ماخوذ ہے اور کمالاتِ نبوّت کے مالک ہیں اور شارع اسلام حضور سرورِ کائینات کے نقش قدم پر چلتے ہیں ان میں سے مجددیہ خاندان (ان پر خدا کی برکتیں ہوں) خاص طور پر صحیح نسبت رکھتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی رح جو زبردست ظاہری و باطنی قوت کے مالک تھے، انھوں نے اسی نقشبندی طریقے میں سلوک کے مختلف مقامات کی اصطلاحات کی ایزادی فرمائی ہے۔ اور ان کے خلیفے آج تک انہی کی اصطلاح کردہ طریق پر سالکان کی راہِ سلوک میں راہ نمائی کرتے ہیں۔ اور انہی کی اصطلاح کے موافق بشارتیں دیتے ہیں۔ گو وہ بچارے آج اس کے رازِ نہاں کو پاسکیں یا نہ پاسکیں، اس کی حقیقت کو سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں۔ مگر خدا نے چاہا تو قبر میں اور قیامت کے دن اس ایمانی نسبت کے نتیجے اور ثمرے کو دیکھ لیں گے۔ اور پچھلے خواجگان کرام قدس اللہ سرہٗ کی وہ قدیم اصطلاحات گویا اس وقت انہی کے سلسلے میں کھو گئی ہیں۔ یعنی دلوں ہی میں رہ گئیں اور سالکان راہ کے لیے دوسرا کاروبار برپا کر کھا ہے جو علمِ بیان کی رُو سے دُور اور اس راہِ عمل کے مسلسل دوام کے قریب تر ہیں۔ یعنی کہ حضرت مجدد الف ثانی رح کے مکتوباتِ گرامی اور ان کی دیگر تصانیف سے باطنی مقامات کی جو شرح سمجھ میں آتی ہے وہ بڑی طویل، دُور دراز اور کٹھن راہ معلوم ہوتی ہے اور اُس کے حصول سے ہمت مایوس ہو جاتی ہے، عقل سے بھی بعید لگتے ہیں اور منکرین خود بھی باور نہیں کرتے اور صاف انکار کر دیتے ہیں۔ اور جو معتقد ہیں وہ بھی نہ سمجھتے ہوئے اس امر کا اقرار کر لیتے ہیں کہ ان پر اعتماد محل نظر ہے۔ اور ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ لیکن اس قسم کے بیانوں میں بھی کئی حکمتیں ہیں۔ کہ اُس زمانے کے لوگوں کی ذاتی استعدادیں اور خود ان کی اپنی قوتِ

Marfat.com

بیان انہی تعبیرات کی مقتضی تھی۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ جب تک کہ ان باطنی مقامات و مراتب کا اس عظیم الشان ڈھنگ اور انہی سے مشابہ اشارات و استعارات میں نہ کیا جائے یہ کم فہم عوام اعتبار نہیں کرتے۔ نہ ہی خاطر میں لاتے ہیں اور نہ راہِ راست پر آتے ہیں، اور نہ ہی ناصد فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ جو کچھ ان کے مصطلحہ سلوک میں پیش آتا ہے اور اس سلسلے کے اصحاب کی صحبت کی برکت اور ان کے روزانہ معمول کے اوراد و وظائف کے تسلسل اور تواتر سے حضوری و مشاہدہ کی جو کیفیت اور باطنی سکون اور ماسوی اللہ سے تصفیہ قلب نصیب ہوتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ نزدیک ترین راہ یہی ہے۔ اور واقعتاً خدا و رسولؐ

۔نسبت الٰہیہ اور عقل و شعور سے کچھ بہرہ حاصل ہو

تو وہ خود ہی دیکھ لے گا کہ ان کے خلیفوں کی صحبت میں مبتدی سالکوں کو جو حضوری، جمعیت خاطر ایمانی نورانیت اور اتباع شریعت تھوڑے سے عرصے میں حاصل ہو جاتی ہے۔ دوسرے طریقوں کے کئی اصحاب کو جو خود کو منتہی ہی شمار کرتے ہیں نصیب نہیں ہوتا۔ دوسروں کے کمال کی انتہا وحدت الوجود کا مطالعہ اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہے جو عوام کی نوکِ زبان ہے اور ہر ہندو جوگی بھی اسی انداز میں کلام کرتا ہے اور اس کیفیت کے حصول کے لیے ایمان کی بھی کوئی شرط نہیں کیونکہ کفار کے تمام فرقے بھی اسی کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ اور موجودات میں وجود ہی کو طاری و ساری سمجھتے ہیں۔ لہٰذا انبیائے کرام صرف اتنے سے آسان اور سہل کام کے لیے تو مبعوث نہ کیے گئے تھے۔ اُنھوں نے وہ تمام جنگ و جدال اور قتال فقط اسی ایک عام سے بازاری مسئلے کے سمجھانے کے لیے تو نہ کی تھی، جو تھوڑا بہت سمجھانے سے بھی آسانی سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ انبیائے کرام کی بعثت سے تعلق رکھنے والا معاملہ بالکل الگ ہے اور وہ قرب بھی الگ ہے جو اسلام سے مشرّف ہوئے بغیر ہاتھ نہیں لگتا۔ درحقیقت وہ خاص قرب جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لاتے اور نماز روزہ کی باقاعدہ ادائیگی اور قرآن پاک کی تلاوت اور کلمہ طیبہ کے ذکر کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اور جو اس طریقۂ مجددیہ کے بزرگوں کو میسّر ہوا وہ کسی دوسرے طریقے میں دکھائی نہیں دیتا۔ اور اگر کشفی نظر کو کھولا جائے اور ملحوظ خاطر رکھا جائے تو پہلے بزرگانِ

Marfat.com

اکابر دین کو وہ شان و شوکت اور حشمت نظر آتی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ہر چند کہ دیگر باطنی کمالات کی تفصیل و تشریح کی زینت آرائی سے اس سلسلے کی قدر و منزلت کو بڑھایا ہے اور سو گنا اضافہ کر دیا ہے لیکن اس آیت کریمہ کے بموجب وہ پہلے لوگ تو پہلے لوگ ہی ہیں۔ اُن کے کیا کہنے! یہ مقربین انہی کی نسبت کے نور سے اقتباس کرنے والے دکھائی دیتے ہیں۔ اور ان کے ذمے خواجگان کے بہت سے حقوق و احسانات ہیں۔ جن کے عہدۂ شکر سے وہ واقعتاً عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ہم مخلص محمدیوں کی گردنیں اُن خواجگان کی عنایات و احسانات کے بوجھ تلے دبی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں جزا دے اور جزائے خیر۔ واہ سبحان اللہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ جو پہلے خواجگان کے خلاصہ و مغز تھے، اور اس طریق کے سرچشمہ اور ینبع ہیں ان کے خلیفے بھی الا ماشاء اللہ عجیب عظیم الشان حضرات تھے اور نبی کریم صلعم سے خصوصی نسبت رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ جنھیں نقشبند ثانی کہتے ہیں عظیم مرتبے کے مالک تھے۔ اور شیخیت اور رشد و ہدایت کے سزاوار تھے۔ گویا رشد و ہدایت کا جامہ انہی کے قد و قامت کی مناسبت سے سیا گیا تھا۔ مشیخیت کی ایسی استعداد اور رشد و ہدایت کی قوت کے کمال کا ایسا اتباع شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ لہذا اُن کا اوروں کی رشد و ہدایت کا چرچا ہر سو پھیل گیا اور وہ امیروں اور بادشاہوں کا بھی مرجع بن گئے۔ اور ظاہری اسباب اور دُنیا دی ٹھاٹھ باٹھ بھی یکجا جمع ہو گئے۔ اور اسی سلسلے کے متاخرین خواجہ عبدالباقی المعروف باقی باللہ کو مقدس اور مطہر نفس حاصل تھا۔ وہ نقشبندی سلسلے کی صحیح نسبت کے مالک تھے۔ قطع نظر اس امر کے کہ وہ بیچارے اہل حق ہونے کے ساتھ ساتھ نعمتوں سے بھی مالا مال تھے۔ مجھ فقیر کو ذاتی طور پر ان سے زبردست عقیدت ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو اگر ان جیسا فرشتہ سیرت مرشد نہ ملتا تو وہ اپنی حینِ حیات ہی میں اتنے عالی مرتبے تک ترقی نہ کرتے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے اسباب بھی مہیا کر دیتا ہے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ ہمارے سلسلے کے خواجگان میں سے متقدمین نے باطنی بلند مراتب و عالی مقامات کو بڑے آسان اور چند لفظوں میں مصطلح فرمایا۔ جیسا کہ انہی چند کلمات میں جو انہی فرمودات، یادداشتوں اور مکتوبات وغیرہ سے ہے ان کے راہِ سلوک کی ساری داستان ابتدا سے لے کر انتہا تک درج ہے، تاکہ کم ہمت لوگ اس کی

Marfat.com

آسان فہمی کی بنا پر طلب و جستجو میں سرگرم ہو سکیں۔ اور اُس کی عظمت و بلندی کے پالینے کے بعد اس کے حصول سے محروم نہ رہیں۔ اور فی الحقیقت وہ مقامات اتنے اعلیٰ وارفع ہیں کہ بعض بزرگوں نے ان کی عظمت و بلندی کی حقیقت کو خصوصاً بیان کیا ہے۔ لہذا پہلے بزرگوں نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ ہم انتہا کو ابتدا میں درج کرتے ہیں یعنی وہ مقامات کہ ان پر ثابت قدم رہنا اور ان کی حقیقت تک پہنچنا منتہی (منزل رسیدہ) لوگوں کا کام ہے۔ ہم سب سے پہلے مبتدیوں کو ظاہری اور مجازی طور پر ان مقامات پر پہنچا دیتے ہیں کہ وہ اسی راستے سے مقام حقیقت پر فائز ہو جاتے ہیں۔ اور مجاز حقیقت کی سیڑھی ہے، مثلاً فنائے قلب کی حقیقت جو اس طریق کے راہِ سلوک کا کامِ اولین ہے ایسا ہے کہ بالفرض اس سالک کو اگر پانچ سو سال کی عمر عطا ہو تو بھی اس کے دل سے ماسویٰ اللہ کا خیال تک گزرنے نہ پائے۔ چنانچہ اپنے مکتوبات میں حضرت مجدد الف ثانی رح نے اس کی یہی تعریف لکھی ہے اور یہ حالت بڑی کٹھن اور دشوار ہے صرف خاص الخاص بندوں کو نصیب ہوتی ہے اور اس کی صورت یوں ہے کہ جب قلب جاری ہو جاتا ہے اور دل نازک کو مکمل اضمحلال میسر ہو جاتا ہے تو سالکوں کو فنائے قلب کی بشارت دیتے ہیں۔ اس سے راہِ سلوک کے کل مقامات کی خوشخبریوں کا قیاس کر لیجیے۔ لیکن چونکہ حقیقت و مجاز میں باہمی نسبت بھی ہے تو پھر مجازی مراتب رکھنے والوں کے لیے حقیقت سے بھی حصّہ ملے گا۔ اور اگر مل جائے تو کامل نصیبہ انہی خواص کے حصّے میں آتا ہے جو حقیقی مراتب کے مالک ہوں۔ یہ ہیں معنی اس مقولے کے کہ ہم انتہا سے ابتدا یا آغاز کرتے ہیں، اگلے پچھلے بزرگوں نے سلوک کے جو صحیح طریق مقرر کیے ہیں ان سب کی نیت نیک تھی۔ جس طور پر بھی ہے ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ مُنہ پھیرنے والا ہے۔ ہم خالص محمدیوں کو اپنے بزرگوں سے اسی لیے نسبت ہے کہ محمدی مسلک کے یہ سب اصحاب اپنی اپنی استعدادات کے تفاوت کے لحاظ سے اسی طریق محمدی پر قائم تھے جو سب کا نچوڑ، مغز اور منتہیٰ اور ماحصل ہے جو مجددی طریقہ نقشبندی سلسلے ہی کی اک شاخ ہے اور اسی طریقے میں شمار ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ ایزادی بھی ہے، لیکن خالص محمدیوں نے نیک نیتی سے کی گئی ان تمام افراط و تفریط کو بھی کارِ خیر سمجھ کر نظر انداز کیا۔ اور

Marfat.com

بہترین یعنی وسطی راہ اختیار کی۔ اور اپنی محمدیت کو اسی اصلی حالت میں رکھا۔ اُنھوں نے باطنی راہ سلوک کو بھی ظاہری راہِ شریعت کی طرح قرآن و حدیث ہی کی رہنمائی میں طے کیا۔ اور سالکان راہ کی تنگی یا فراخی کے ارادے سے کوئی تجویز پیش نہ کی۔ ظاہری یا باطنی طور پہ اس خالص محمدیت پر کوئی بات نہ بڑھائی۔ نہ کسی قسم کی آمیزش کی۔ ان کی فراخی و آسائش بس اسی قدر ہے جتنی کہ اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ اللہ تمھاری آسائش کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ تمھاری تنگی کا ارادہ نہیں کرتا، اور ان کی تنگی و دشواری بھی فقط وہی تنگی و دشواری ہے جو اس آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوتی ہے جس کی طرف (اے محمد صلعم) تم انھیں دعوت دے رہے ہو قصّہ کوتاہ یہ کہ ہم پھر اصل مطلب کے ذکر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور متن میں آنے والی رباعی کی شرح بیان کرتے ہیں۔ رباعی:

در بزم خیال ما رشک چمن ست
اے دردؔ گل حسن دگر خندہ زن ست
ما آئینہ دار گلشن تنزیہیم
بیرنگ بہار ما چو رنگ سخن ست

ترجمہ رباعی: اے درد ہماری بزم خیال جس پہ چمن بھی رشک کرتے ہیں پھر گل حُسن کھل رہے ہیں۔ ہم گلشنِ تنزیہہ کے آئینہ دار ہیں۔ ہماری بہار کی بیرنگی شعر و سخن کے رنگ کی مانند ہے۔ (مصنف رباعی کے اشارات و تلمیحات کی خود یوں تشریح کرتا ہے کہ) بزم خیال سے ہماری مراد علمی تصوّرات کا عالم ہے جو فضل وادراک کا مرتبہ ہے نہ کہ یہ قوت متخیلہ جو کہ اک مادی قوت ہے اور ان کی صورتوں کا خزانہ ہے۔ اور چمن عالم سے مراد عالم ناسوت و شہادت ہے جو کہ عالم اجسام ہے اور اس میں مادی موجودات کے رنگا رنگ کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ گل حسن دگر کے کلمات میں گل مضاف ہے اور حسن مضاف الیہ و حسن موصوف ہے اور دگر صفت مُراد ہے وہ مرتبہ جو ان محسوسات کا مشبہ ہے اور خندہ زنی سے ہمارا منظور جلوہ فرمائی اور تجلی ریزی ہے۔ لفظ "ما" سے مراد ہے ذات پاک حق سبحانہٗ تعالیٰ کے تنزیہی مرتبے کی طرف منسوب ہونے والی جماعت اور آئینہ داری سے مراد ہے مظہریت کی اہلیت اور گلشن تنزیہہ کا مطلب ہے الوہیت کا پاک

Marfat.com

مرتبہ جو تمام مقدس کمالات کا جامع ہے اور اس میں گوناگوں کمالات کے پھول موجود و قائم ہیں۔ بے رنگی سے مراد یہ تشبیہی کیفیت تنزیہہ ہے۔ بہار سے مراد باطنی نسبت اور رنگ سخن سے مراد فصاحت و بلاغت کی کیفیت اور اندازِ سخن ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ ہمارا علمی تصوّرات کا عالم جو ادراکِ نفس اور عقلی تعقّل کا مرتبہ ہے۔ اس عالم ناسوت اور عالم شہادت کے لیے باعثِ رشک ہے اور اس عالم میں ہمارے تعقّل و ادراک کا مرتبہ جو ان تشبیہی محسوسات سے ماوراہے جلوہ گر ہوتا ہے۔ یعنی اس مرتبے میں بھی ہمیں حضرت حق کی بے کیف حضوری حاصل ہے پس حق تعالیٰ کے تنزیہی مرتبے کی طرف متوجہ ہونے والی نقشبندی سلسلے کی یہ جماعت جامع کمالات ذاتِ حق کے تنزیہی مرتبے کی مظہریت کی اہلیت رکھتی ہے۔ اور اس اہل طریق کی باطنی نسبت بے کیف ہے اور تشبیہی کیفیت سے منزہ۔ ہر چند اس پہ لفظ کیفیت کے اطلاق کا وارد ہونا بڑا ہی لطف انگیز ہے جیسے کہ رنگ سخن جو کہتے کو رنگ ہے مگر ان رنگوں کی طرح نہیں جو آنکھ سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ بلکہ وہ رنگ ہے جو فقط باطنی آنکھ ہی دیکھ سکتی ہے۔ یہی وجہ کہ حضرت خواجہ عبدالباقی قدس اللہ سرہٗ العزیز کو جنھیں اس نسبت پہ قوتِ کاملہ حاصل تھی۔ خواجۂ بے رنگ اور باقی باللہ کہتے ہیں اور حق بات یہ ہے کہ یہ بے رنگ اور مجہول الوصف نسبت سب نسبتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے اور تمام اضافتوں میں حضرت حق کے زیادہ قریب اور نبوّت کے دستر خوان کا خاص خوانِ نعمت ہے اور اس اعلیٰ ترین نسبت کا سزاوار کامل ترین انسان کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور یہ گراں بہا خلعت انہی کاملوں کے قامت شریف کو زیب دیتی ہے۔ جس طرح آفرینش کائنات میں انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اسی طرح انسان کا حقیقی مقصود و مطلوب بھی اسی نسبت کا حصول ہے قصۂ کوتاہ یہ کہ حضرات خواجگانِ سلسلہ ہذا کی باطنی نسبت نہایت اصیل ہے (شریف و نجیب ہے) جس میں کسی قسم کی دیگر آلودگیوں کی آمیزش نہیں۔ اور ان میں خالص نسبتِ محمدیّت لب لباب ہے کہ زبان جس کی کیفیت و شرافت کے بیان سے قاصر ہے۔ جس نے چکھا نہیں اس نے پایا نہیں، یعنی جس نے اسے چکھا وہی جانتا ہے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ انسان ہی ہے جو ایمان و اسلام کے شرف سے مشرّف ہوا، اور اس اعلیٰ و ارفع نسبت سے فیضیاب ہوا اور ظاہری اور باطنی طور پہ جناب رحمۃ اللعالمین (ان پہ خدا کا درود و سلام ہو) کا مکمل اتباع کیا، پاک ہے وہ ہستی جس نے حقائق

Marfat.com

کے مضامین کو مختلف رنگوں میں یوں باندھا کہ ہر موجود ممکن کی حقیقت کا علیحدہ رنگ ہے اور این و آن کے مطالب کے خیال سے اُسے پیوست کیا، موجودات کے ان تمام مطالب کے اظہار سے منظور اُسے اپنی قدرت نمائی تھی۔ پس اگرچہ رباعی میں انسانی معنی کو عناصر سے موزوں کیا، اور اس مجرّد معانی کا اربعہ عناصر کے الفاظ میں اندراج کیا اور اس کے ظہور کو چار مصرعوں میں چہارگانہ عناصر سے مربوط کیا جو دیوانِ قضا کے آخری صفحہ پر مرقوم ہے۔ اور اس اربعہ عناصر کی ترکیب سے موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات، حیوانات) بنائے لیکن غزل کونین کا حاصل بیت (شاہکار) یہی ایک معنی تھا جو دونوں جہانوں کے مصرعوں کا مدعا و حاصل کلام تھا جس نے نفس انسانی پر دونوں جہانوں کے معاملات کے دردریچے مفصّل طور پر کھول دیے۔ اور بنی نوع انسان میں سب سے بہتر اُمت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو بنایا۔ اور اسلام کے بہتر ۷۲ فرقوں میں فقط اسی فرقہ محمدیہ کو نوازا۔ بہر حال ہم معاملہ خاص کے بیان سے معاملہ عام کی طرف لوٹتے ہیں جو بنی نوع انسان کے شامل حال ہے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ انسانی صورت کا یہ لفظ معنیٔ حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ کیونکہ مرتبۂ حقیقت کے اسرار صورتِ انسانی کے پردے سے بے پردہ ہوئے۔ چنانچہ حقیقت کے معنی کا مفہوم الفاظ ہی سے سمجھ میں آتا ہے۔ اور حقیقت کے معانی جو اپنی انتہائی پاکیزگی و لطافت کی وجہ سے بالکل پردۂ اخفا میں تھے اس صورت سے جلوہ گر ہو کر ہر خاص و عام کو معلوم ہوئے۔ اور چاردانگ عالم میں پھیل گئے۔ گویا اس کی تشبیہ وہ معما ہے جو تنزیہہ میں لپیٹ رکھا ہے۔ یعنی انسانی تقیّد کا یہ معنی اطلاقی معانی پہ مشتمل ہے۔ اور اُس کی تنزیہی وہ عنقا ہے جس نے تشبیہہ کا آشیانہ توڑ چھوڑ دیا ہے۔ اور اپنے تقدس نفسی کی بنا پر اعتبارات کے جال سے بالکل رہائی پا گیا۔ واہ کیا کہنے اس جامعیت کے کہ اپنی اس تمام تر نفسی و روحی پاکیزگی اور بے رنگی کے باوجود بھی رنگین ہے اور جسمانی کیفیات کے مختلف النوع رنگوں میں بھی رنگی ہوئی ہے۔ اور بہار کی مانند جو چمن میں ایک مطلق مثالِ کیفیت ہوتی ہے۔ سینکڑوں رنگ و بو اور اعتبارات کے ہزاروں رنگوں اور خوشبوؤں اور پھولوں کی پتّیوں کی کثرت کے باوجود اپنی اس وحدانی و تنزیہی حالت اور آئین پر قائم ہے۔ جسے نگاہوں والے تماشائی دیکھتے ہیں اور اُس کے مشاہدے سے خوب حظ اٹھاتے ہیں۔ غرضیکہ حضرت انسان تشبیہی و تنزیہی مراتب کا مجموعہ ہوتے ہوئے بھی گویا سادہ ہے مگر ایسا کامل المعیار کہ جوہر

Marfat.com

نفس کے اعتبار سے صاف، لطیف و مجرد و مفرد ہے اور جسمانی لحاظ سے مختلف التوع جسمانی نقوش سے منقش ہے۔ اور اس مجموعیت کی بنا پر وہ پروردگار کے تمام اسماء و صفات کا مظہر ہے اور اس کا آئینہ دار۔ دُنیا میں بھی کمالات الٰہیہ کا ظہور انسانی ہیکلوں کے آئینوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اور آخرت میں بھی انسان ہی ہے جسے دیدار الٰہی کا وعدہ دیا گیا ہے۔ دیکھیے یہ آیت کریمہ کہ اس روز کئی چہرے بارونق ہوں گے اور اپنے اللہ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ انسانی ظہور کی کثرت نے اسے بے قدر اور ارزاں بنا رکھا ہے۔ کیونکہ نوعِ انسانی کی کثرت کی بنا پر بنی نوع انسان ایک دوسرے کی قدر و منزلت کو نہیں پہچانتے اور ہر آدمی کو خواہ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہو غنیمت نہیں سمجھتے۔ آدمی تو ڈھونڈے سے بھی مشکل ہی سے ملتا ہے۔ اس میں جس قدر بھی آدمیت ہو غنیمت ہے اور گرامی قدر۔ صحرا و لق و دق بیابان میں کسی ایک آدمی کی صورت کو دیکھنا اور ایک آدمی سے ملاقات کرنا آدمیوں کے اس ریلے کو دیکھنے سے بدرجہا بہتر و غنیمت ہے۔ جس سے دو ایک آدمیوں کے اجتماع کی صحیح قدر معلوم ہوتی ہے۔ شہروں اور قصبوں میں آدمیوں کے اس ریلے اور ہجوم نے تو انھیں بے وقت بنا رکھا ہے۔ بلکہ ایک دوسرے کی نظروں سے گرا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو انسان ہی نہیں سمجھتا۔ اور کسی سے میل ملاقات کی پروا تک نہیں کرتا۔ رباعی:

پیدائیت آنزمان کہ ناپیدا بود
قدر تو بلند و منزلت اعلیٰ بود
رنگ اظہار بیتذل ساختہ است
طاؤس بہ بیضہ ہمسر عنقا بود

ترجمہ رباعی: اس زمانے میں جب کہ تو ابھی منصۂ شہود پہ نہیں آیا تھا تیری قدر بلند اور مقام اعلیٰ تھا۔ تجھے اس کثرتِ ظہور نے بے وقعت بنا کے رکھ دیا ہے۔ مور جب تک انڈے کے اندر تھا قدر و منزلت میں عنقا کا ہمسر تھا۔ اسے ناواقفو کامل اور اکمل انسان تو بذاتِ خود بھی کسے لیے ایک نادر و نایاب تحفہ ہے جو بآسانی ہاتھ نہیں لگتا۔ اور ہر کسی کو عزیز ہوتا ہے لیکن ان میں سے عوام اور ناقصوں کی بھی قدر کرنی چاہیے، کیونکہ ان کا اجتماع بھی بہت کمیاب ہے۔ جس قدر بھی میسّر آسکے وہ فوائد اور بھلائیوں کا ثمرہ دیتا ہے۔ کیونکہ خواص بھی تو انہی عوام سے اُٹھ کر

Marfat.com

ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ کہ انبیائے کرام جو کائنات کے عاقل ترین انسان تھے ہر اک کی دعوتِ تبلیغ اک صلائے عام تھی۔ وہ پہلے عوام کو اپنی طرف مائل کرتے تھے۔ اور انہی کے ضمن میں چار و ناچار بے اختیار خواص بھی خواہ مخواہ کھنچے چلے آتے تھے۔ اور انہی مسکینوں کے ذیل میں اغنیا (صوفی لوگ) بھی کشاں کشاں چلے آتے تھے۔ دیکھئے حضور پاکؐ کی اپنی یہ دُعا کہ اے خدا مجھے مسکینوں میں زندہ رکھنا، مسکینوں میں مارنا اور حشر کے دن مسکینوں کے زمرے میں اُٹھانا۔ یہ سرکش، خود سر اور عیار و مکاّر دانشمند تو کسی کام نہیں آتے۔ ان کو مہذّب اور مؤدّب بڑی مشکل ہی سے بنایا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو یہ حدیث کہ اکثر اہلِ جنت سادہ لوح ہوں گے۔ اور کما حقہٗ پیروی اور اتباع بھی امرا سے نہیں ہوتا۔ اعتقاد و اقرار کے باوجود وہ ننگ و عار کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ اور اس آیت کریمہ کے الفاظ میں کلام کرتے ہیں کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے بس ان لوگوں نے جو ہمارے ہاں اراذل تھے بے سوچے سمجھے تمھاری پیروی اختیار کر لی ہے۔ ان کی نفسانیت کا غرور اور خودی کا تکبّر جھکنے نہیں پاتا۔ دیکھنے سننے اور سمجھانے بجھانے سے راہِ راست پر نہیں آتے یعنی وہ طاقت کی زبان سمجھتے ہیں یعنی بزور شمشیر سیدھے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ۔ لیکن اب چونکہ اس معاملے کی نوبت نہیں رہی (وقت نہیں رہا) اس آیت کریمہ کے مطابق گزر بسر کرنی چاہیے کہ تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔ اور جہاں تک بن پڑے زبان کی شمشیر سے ان کے سینوں سے کفر اور نفاق کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنا چاہیے۔ اور اُنھیں خالص محمدیؐ بنانا چاہیے اور اپنے ذمّے سے عہدہ برآ ہونا چاہیے ہمارا کام تو پیغام کا پہنچانا ہے۔ الغرض ہم پھر اصل مطلب کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں جو کچھ بھی ہے انسان ہی ہے، وہی ہے جو کمالات کا مجموعہ ہے یعنی تمام وجودی کمالات کیا وجوبی اور کیا امکانی اُسے حاصل ہیں۔ حضرت انسان کی ذات ہی تمام حالتوں اور شانوں کا مجموعہ ہے وہ عینِ وحدت میں بھی کثرت کو دیکھتا ہے یعنی کہ وہ جانتا ہے کہ موجودات کی اس اعتباری کثرت میں حقیقتاً اس وجود واحد کا مرتبہ جلوہ افروز ہے۔ وہ کثرت کے اس آئینے میں حسن وحدت کا مشاہدہ کرتا ہے اور دنیاوی آئینوں میں مختلف النوع وجودی تجلیات کو دیکھتا ہے۔ اور وہی ہے جو وطن میں سالک سفر ہے۔ سفر در وطن سلسلۂ نقشبندیہ کی اصطلاح ہے۔ اس سے مراد وہ حالت ہے جو سلوک کے دوران رونما

Marfat.com

ہوتی ہے - اس لفظ کے معانی کے بیان میں اس معتبر سلسلۂ نقشبندیہ کے پہلے اور پچھلے بزرگوں نے بہت سی باتیں کہی ہیں - بعض کا کہنا ہے کہ سفر در وطن عبارت ہے سالک کے گناہوں اور خطاؤں سے نکل کر نیکیوں اور اطاعات و عبادات میں مشغول ہوجانے سے - بعض کا کہنا ہے کہ اس لفظ کا تعلق باطنی سلوک سے ہے نہ کہ ظاہری سے - لہذا ظاہری اعمال کو اس سے منسوب نہ کرنا چاہیے بلکہ اس سے مراد ہے سلوک کے بُرے اور مذموم اخلاق و اطوار سے نکل کر اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کے ساتھ متصف ہونے سے کہ سلوک کا حاصل یہی اخلاق کا سنوارنا ہے اور اعمال اس کے ضمن میں آتے ہیں - اور بعض فرماتے ہیں کہ اخلاق کا یہ سنوارنا بھی اعمال کی درستی کی طرح ظاہری چیز ہے اس لفظ سفر سے مقصود تو فنا و بقا کی حالت کا حصول ہے جو باطنی سلوک کے دو مقامات ہیں - بعض یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ سفر در وطن عبارت سالک کے اللہ کی طرف باطنی رجوع کرنے سے، اور یوں امکانی دائرے سے نکل کر وجوبی مراتب میں گھومنا پھرنا - بعض کا کہنا ہے کہ اس لفظ سے مراد مقام وحدت تک پہنچ جانے سے ہے کیونکہ دراصل وطن وہی ہے اور کثرت کی ان قیود سے باہر نکل کر موہومہ کثرت کے مراتب میں محض احدیت کا مشاہدہ کرنا - مجھ فقیر کا کہنا ہے کہ سفر در وطن کے وہ جامع کلمات جن کے متعلق پہلے بزرگوں نے بیان کیا ہے متقدمین اور متاخرین کے ان سبھی متعدد معانی پہ مشتمل ہے اور ان سب مطالب پہ صادق آتا ہے - لہذا ایک ایک معنوں تک اسے محدود کر دینا ٹھیک نہیں ہے - مجھ ناچیز کے نزدیک لفظ سفر سے مراد ہے سالک کے اس طویل و کٹھن مسافت کے طے کرنے کے لیے متوجہ ہونے سے ہے جو عبد (بندہ) اور معبود (خدا) کے درمیان ہے، نیز حضورِ حق میں قرب و معرفت کے مقام پہ پہنچنے سے - اور لفظ وطن سے مراد ہے سالک کا علمی مرتبہ کہ اس کی مقیدّ ہستی نے اس مرتبہ کو بطور وطن اختیار کر لیا ہے - کیونکہ روح سے علم حضوری کبھی زائل نہیں ہوتا - لہذا سالک کے اس امر کی طرف متوجہ ہونے کے زمانے کے آغاز اور راہِ سلوک کی ابتدا سے قرب و معیتِ حق کی انتہا تک راہِ سلوک کے طے کرنے اور منزل مقصود تک پہنچنے اور واصل بمطلوب ہونے تک کا سارا کچھ اسی حالتِ سفر میں داخل ہے جس طرح کہ ظاہری سفر میں پہلی منزل سے لے کر آخری منزل تک سب سفر ہی شمار ہوتا ہے اور یہ باطنی سفر علم کے سوا اور کہیں واقع نہیں ہوتا - اسی علم کو وطن سے تعبیر کیا ہے اور کسی حالت میں بھی سالک کا یہ سفر اس وطن سے باہر نہیں ہوتا - اور تمام اوقات اسی وطن میں سفر کرتا ہے - پس

Marfat.com

جب وہ خطاؤں اور گناہوں سے نکل کر نیکیوں میں مشغول ہوتا ہے۔ وہ پہلی منزل ہے۔
اس کا سفر اعمالی ہے اور جب نوبت تہذیبِ اخلاق پر پہنچتی ہے وہ دوسری منزل ہے تب
اس کا سفر اخلاقی ہوتا ہے۔ جب عبادت کے مقامات پر فائز ہوتا ہے تو وہ تیسری منزل ہے
تب اس کا سفر احوالی ہوتا ہے۔ اور جب اللہ کی طرف سیر سے نکل کر اللہ کے راستے میں جا پہنچتا ہے
تو وہ چوتھی منزل ہے۔ تب اس کا سفر عروجی ہے۔ جب مقام توحید پہ مشرّف ہو جاتا ہے تو اُس
کی سیر شہودی ہوتی ہے اور اس سے مراتب قرب کا قیاس کر لو، الا ما شاء اللہ۔ اللہ بہت بلند و
بالا اور طویل درجات والا ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ قصہ کوتاہ یہ کہ یہ حضرت انسان ہی
ہے جو ان تمام منازل اور مقامات کو طے کرتا ہے اور وہی ہے جس کے لیے انجمن میں بھی خلوت ہے
اور یہ انجمن اور خلوت کے الفاظ بھی حضرات خواجگان کی مخصوص اصطلاحات میں سے ہے (ان سب
کو خدا کی خوشنودی حاصل ہو) اس کے مختلف معانی ہیں۔ بعض کے نزدیک مجالس میں بھی کھلی آنکھوں
کے باوجود قلبی ذکر میں یوں مشغول ہو جانا کہ کسی کو خبر تک نہ ہو۔ ایسا آدمی بظاہر مجلس میں بیٹھا ہے
مگر حقیقت میں وہ خلوت میں ہے۔ اور بعض کے نزدیک مختلف احوال میں بھی باطنی جمعیت کو
برقرار رکھنا ہے۔ بعض کے نزدیک دسوں حواس (حواس ظاہری و حواس باطنی) کے احساس کی کثرت کی
عین حالت میں روحانی توجہ کی کامل یکسوئی ہے۔ بعض کے نزدیک کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنا ہے،
بعض کے نزدیک اہل و عیال کی کثرت کے باوجود بھی دنیاوی اسباب کو ترک کرتا ہے اور بعض کے
نزدیک حفظ مراتب کے باوجود ماسوی اللہ سے اپنے قلب کو بالکل خالی کرتا ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی
ہو مجھ فقیر کا کہنا یہ ہے کہ یہ لفظ بھی لفظ سفر اور وطن کی طرح تمام مذکورہ بالا معانی کا حامل
اور اُن میں شامل ہے۔ اگر خوب غور و خوض کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ انجام سبھی کا ایک ہی ہے۔
اس میں سوائے الفاظ کے اور کوئی اختلاف نہیں۔ مگر اس میں بندۂ ناچیز کے نزدیک وہ کلّی معانی
جو ان تمام جزدی معانی کے جامع ہیں یہ ہیں کہ انجمن میں خلوت عبارت ہے سنّت الہیہ کے اتباع
سے جس کا مطلب ہے سب کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی سب کے بغیر یعنی تنہا ہونا۔ یعنی مکمل
جمعیت خاطر کہ رو بخلق ہونے کی حالت میں بھی رو بحق ہو اور اُس مقام نزول میں بھی عروج حاصل ہو
اور عین تشبیہہ میں بھی تنزیہہ ہی کی طرف متوجہ ہو اسباب کے ہوتے ہوئے بھی ان سے انقطاع ہو۔

Marfat.com

یشیخ ہوتے ہوئے بھی آزاد ہو اور گفتگو کے وقت بھی خاموش اور علیٰ ہذا القیاس۔ وہ تمام کثیر التعداد حالات کو واحد بنا دیتا ہے۔ کثرت کے باوجود واحد و یکتا ہوتا ہے اور انجمن کو عین خلوت بنا کر متحد کر دیتا ہے۔ یعنی بظاہر وہ مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے مگر بباطن خالق کے ساتھ۔ تاکہ کسی مرتبے کا حق بھی زائل نہ ہونے پائے۔ اور سب توفیق اللہ ہی کو ہے۔ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ چونکہ ان دو کلمات کا ذکر درمیان میں آگیا، جو حضراتِ خواجگان (نقشبندیہ) کی یادگار ہیں کارکنانِ قضا و قدر نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس سلسلۂ نقشبندیہ کے اکابر کے دیگر اصطلاحی کلمات کو بھی اپنے ناقص فہم کے مطابق ذرا شرح و بسط سے لکھ دوں کہ وہ خواص و عام کے لیے مفید ہیں لہٰذا میں انھیں بھی مختصراً درج کیے دیتا ہوں اس لیے کہ وہ بہت فائدہ مند ہیں۔

نقشبندی سلسلے کے خواجگان کی وضع کردہ اصطلاحات

یاد رہے کہ یہ گیارہ کلمات ہمارے خواجگان کے انفاس نفسیہ کی یادگار ہیں۔ ۱ یادکرد، ۲ بازگشت، ۳ نگہداشت، ۴ یادداشت، ۵ وقوف زمانی، ۶ وقوف عددی، ۷ وقوفِ قلبی، ۸ نظر بر قدم، ۹ ہوش در دم، ۱۰ سفر در وطن، ۱۱ خلوت در انجمن۔ ان الفاظ کے معانی اس سلسلے والوں کی کتابوں اور رسالوں مثلاً رشحات وغیرہ میں بزرگوں کی زبانی منقول ہیں۔ اس مقدّس سلسلے کی تالیفات و تصنیفات و ملفوظات کے پڑھنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی۔ لیکن میں وہی کچھ لکھوں گا جو مجھ فقیر پر القا کیا گیا ہے۔ ۱ یادکرد عبارت ہے طلب حق کے ارادے اور حالتِ شوق کی ابتدا سے جو سالک کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور اُسے ہر گھڑی یہی بات یاد آتی ہے کہ حق تعالیٰ کی جستجو کرنی چاہیے، اُسے پہچاننا چاہیے، اس سے راہ و رسم پیدا کرنی چاہیے، اس کا قرب حاصل کرنا چاہیے۔ یہ معاملہ اُسے بے چین و بے قرار رکھتا اور غمزدہ بنا دیتا ہے جب ایسی طلب اور شوق دل میں گھر پیدا کر لیتے ہیں اور باطن پہ متمکن ہو جاتے ہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص کو یہ حالت (یادکرد) میسّر ہوگئی ہے۔ اور یہ حالتِ یادکرد الٰہی کا پرتو ہے کہ پہلے حق تعالیٰ خود کسی بندے کو قبولیت کے لیے یاد فرماتا ہے اور اُس کی توفیق سے بندہ اپنے خدا کو یاد کرتا ہے۔ اور ۲ بازگشت عبارت ہے توبہ و رجوع الی اللہ کی حالت سے، اس کی ظاہری

Marfat.com

صورت شرعی ممنوعات سے بچنا ہے اور ظاہری تقوٰی اور صلاح کی طرف رجوع سے ہے۔ اور ظاہری و باطنی طور پر کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے اور اُس سے طریقہ اخذ کرنا اور رویہ سلوک ہوتا اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ ماسوٰی اللہ کے علاوہ سب سے قطع تعلق، باطنی تقوٰی اور باطنی طور پر یادِ حق میں مشغول ہو جانا۔ اور ۳ نگہداشت عبارت ہے اکثر اوقات میں اپنے مرشد سے اخذ کردہ نسبت کا تحفظ کرنے اور اپنے حال سے اکثر و بیشتر آگاہ اور نگہبان رہنے سے، ۴ یادداشت عبارت ہے حضوری و مشاہدہ کی دوامی نسبت اور آگہی کا ملکہ پیدا کرنے سے اس حد تک کہ اگر ارادۃً چاہو بھی تو دل سے بھلا نہ سکو۔ اور یہ بات دل کی مستقل صفت بن جائے۔ جیسے آنکھ میں بینائی کی قوت ہوتی ہے اور کان میں شنوائی کی۔ یہ آگہی قلب کو نصیب ہوتی ہے۔ وصل بلا فصل (ہجر کے بغیر وصال) بھی اسی مقام سے عبارت ہے۔ ۵ وقوف زمانی عبارت ہے اپنے احوال، اوقات، اعمال اور افعال کے محاسبے سے، اور ہر لحظہ وقت کے گزرنے کو ملحوظ خاطر رکھنے سے کہ اس معاملے میں پابندیٔ اوقات کو بڑا عمل دخل ہے۔ اور ۶ وقوف عددی عبارت ہے نفی و اثبات کے شغل میں دل میں کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے اعداد کے شمار کرنے سے یوں کہ ہر نفس میں طاق ہی آئے اور جفت نہ ہو۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ اعتبارات کی کثرت عددوں میں اسی واحد حقیقی کی تجلّی کے سوا اور کچھ نہ دیکھے۔ چنانچہ اعداد کے مراتب میں بھی عددی واحد ہی کو دیکھے۔ اور ۷ وقوف قلبی عبارت ہے اس امر سے کہ ہر لحظہ قلب کی طرف متوجہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس میں دائمی کشش اور انتظار کی حالت پیدا کرے۔ اور مکمل محویت و استغراق کی یہ نسبت جس کی تعریف و توصیف نامعلوم ہے اس ذات بے کیف سے خصوصی نسبت ہے جو نقشبندی حضرات کو حاصل ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ اک عجیب لطیف سی نسبت جو انبیائے کرام کی اصیل نسبت ہے اور ۸ نظر بر قدم عبارت ہے اس امر سے کہ جب سالک بازاروں میں جائے تو اس کی نگاہ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اپنی نظروں کو اپنے قدموں پہ ہی جمائے رکھے تاکہ راہ کو دیکھ سکے اور ممنوعات کو دیکھ کر اس کے باطن میں انتشار پیدا نہ ہو۔ اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ سالک جس کسی مقام پر بھی پہنچے اپنی نظر اسی مقام پہ رکھے جہاں وہ ثابت قدم ہے اور بلند مرتبے والے اصحاب کی تقلید نہ کرے تاکہ اس کے حال و قال پہ یکسانیت رہے اور

Marfat.com

وہ اس زمرے میں داخل ہو جائے جن کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ وہ جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں اور وہ پراگندہ خاطر و پریشان حال نہ ہونے پائیں اور نظر و قدم کا یہ اتحاد قائم رہے، پھر جہاں مشیت الٰہی لے جائے۔ اور ۹ ہوش در دم عبارت ہے پاس انفاس کے ذکر نیز ہر نفس میں آگہی کے تحفظ سے اور اس کی حقیقت ہے ہر دم میں ہوش رکھتے ہیں۔ کہ قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ کہ جب میں اس کو پورا کر چکوں اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں، اس امر کی خبر دیتی ہے یعنی اس رحمانی پھونک (دم) میں استغراق و محویت پیدا کرنا اور لقا باللہ بن کر روح اللہ کے خطاب کا سزاوار بن جانا۔ اس نسبت کی قوت عیسوی ولایت کے مقام تک پہنچانے والی ہے، اور ۱۰ سفر در وطن اور ۱۱ خلوت در انجمن کے کلمات کے معانی کا اوپر اسی متن میں ذکر آچکا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ متن کے تتمہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اس باب کی آخری رباعی کے الفاظ سے جو کچھ مراد ہے وہ بیان کرتے چاہئیں۔ رباعی:

وحدت شدہ سامان بہار چمنم
بیرون ز خودم نبرد حُبِ وطنم
در گلشن دہر درد چون خوشۂ تاک
خود شیشہ و خود بادہ و خود انجمنم

ترجمہ رباعی: وحدت میرے چمن کی بہار کا سامان بن گئی۔ حُبِ وطن مجھے اپنے آپ سے باہر نہیں جانے دیتی۔ اے درد گلشن دُنیا میں انگور کے گچھے کی طرح خود ہی صراحی خود ہی شراب اور خود ہی انجمن ہوں۔ (مصنف کی اپنی تشریحات کے مطابق) کلمۂ وحدت سے مراد وجود مطلق کا مرتبۂ واحدہ ہے۔ اور لفظ سامان سے مراد مبدا و منبع ہے۔ بہار سے مراد ظہور اور چمن سے مُراد خاص تشخص اور بیرون حقیقت سے مراد غیریت و اجنبیت اور لفظ خود سے مراد عینیت کی حیثیت ہے۔ حُب سے مراد مراتب وجودیہ کا نفس الوجود کی طرف میلان ہے۔ وطن سے مراد مرتبۂ لا بشرط وجود اور گلشن عالم اور دہر سے مُراد مرتبۂ امکان ہے۔ شیشے سے مُراد ظہور وجود کے لیے ماہیات کی ظرفیت۔ بادہ سے مراد وجودی ظہور، انجمن سے مراد وحدت کے مرتبۂ واحدہ میں اعتبارات کی کثرت کا اجتماع ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وجود مطلق

Marfat.com

کا مرتبۂ واحدہ میرے تشخّص خاص کے ظہور کا مبدا و منبع بنا۔ اور وجودی مراتب جن کا نفس الوجود کی طرف رجحان ثابت ہے اور محبت جو ان مراتب میں سے ہے مرتبہ لابشرط وجودی میں موجود ہے اُن مجھے میری عینیت کی حیثیت سے غیریت (اجنبیت) کی حقیقت تک نہ جانے دیا۔ اور موجودات کو وجود سے حقیقی مغائر نہ بنایا۔ اگرچہ امتیاز کی رُو سے امتیازی مغائرت درمیان میں آگئی۔ اور ہر مرتبے کے احکام دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ پس شاعر اپنے تخلص سے فرد ہی کو خطاب کرتے ہوئے اسی اعتباری مغائرت کو بیچ میں لے آتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اس عالم امکان میں انگور کے گچھے کی سی حقیقت رکھتا ہوں کہ جو خود ہی ظہور کا ظرف اور اس کا مظہر ہے۔ اور خود ہی وہ حقیقت ہے جو نفس الظہور ہے۔ اور خود ہی اس وحدتِ مطلقہ کا وہ مرتبۂ واحد جو اعتبارات کی کثرت کے اجتماع سے ظاہر ہے۔ اور انگور کے گچھے کی مثال جس کا مجموعہ ایک انجمن کی طرح ہے۔ اس کا ہر دانۂ انگور صراحی اور شیرہ کی مانند کہ شراب کی بجائے اس صراحی میں انگور کے دانے ہیں اور شراب کی اصل انگور ہی ہے۔ ان محاسنِ شعری کو سمجھتا ہے جو کوئی سمجھتا ہے۔

Marfat.com

هوالناصر

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑے رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہم پر اپنی اجل نعمتیں نازل کیں اور مکمل کیں ہم پر اپنی مکمل ترین نعمتیں، اور درود و سلام ہو ان کے رسول محمد صلعم پر جو انبیا میں سب سے افضل ہیں اور آپ کی آل رضؓ اور اصحاب رضؓ پر اور احباب پر۔ امابعد پس یہ چھہترواں (۷۶) باب ہے جس کا نام شکرِ نعمت ہے، شکر کمالات میں سے ہے۔ کیونکہ یہ وجود کی خوشی کی حالت ہے کمالاتِ وجودیہ پر جو کہ اصل میں نعمتیں ہیں۔ پس ان حاصل شدہ کمالات کے مقابلے میں حاصل ہونے والی خوشی کی کیفیت کو شکر کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ کمالات جس پہ وجود خوش ہوتا ہے اسے نعمتوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس کمالاتِ الٰہیہ میں سے ہر ایک جو ہے وہ نعمتِ عظمیٰ ہے۔ حاصل شدہ بلند شان والے اللہ کے لیے۔ اور ان میں سے ہر ایک وجودی خوشی کی شمولیت جو ہے وہ شکرِ الٰہی ہے۔ پس وہ شکر ادا کرتا ہے اپنی ذاتی نعمتوں پہ ذاتی شکر۔ اور وہ شکور ہے اور جب عکس پذیر ہو جاتا ہے یہ معاملۂ الٰہیہ انسانی نفوس کے آئینوں میں اور معنوی طور پہ طبیعت میں رچ بس جاتا ہے (منطبع ہو جاتا ہے) پس بناتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے نفوس کو مطمئن اپنے مشاہدے سے اور بناتا ہے اس کو راضی اپنی رضامندی کے ساتھ اور مجسّم رضا ہو جاتا ہے برضائے الٰہی۔ اور وہ لوٹتا ہے اپنے رب کی طرف خاص لوٹنا دوام کے طریقے پہ اور وہ دیتا ہے اس نفس کاملہ کو حالتِ شکر کی

Marfat.com

نعمت اور ادا کرنے کی قوّت زبان سے اور دل سے۔ پس وجودی خوشی جو عکس پذیر ہوتی ہے انسانی نفس کے آئینے میں اور ظاہر ہوتی ہے اس مظہر میں تو تعبیر کیا جاتا ہے اس خوشی کو سُرور سے اور اُسے کہا جاتا ہے سرورِ نفسی اور جب ظاہر ہوتے ہیں تشخّص انسانی میں کمالاتِ الٰہیہ جیسے زندگی اور علم اور ارادہ اور اُس جیسی اور چیزیں تو تعبیر کی جاتی ہیں اوصاف انسانیہ سے اور اُسے موسوم کیا جاتا ہے صفاتِ بشریہ سے، پس جب ملا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے صفاتِ بشریہ کو ان سے مناسبت رکھنے والی صفات سے اور پالیتا ہے نفس ان نعمتوں سے ان سے مناسبت رکھنے والی نعمتیں اور خوش ہوتا ہے ان کے پالینے سے ان کے تصرّف سے اپنے بدن میں اور ان کی معیت سے اور ان سے لطف اندوز ہونے سے، اور کمالاتِ الٰہیہ میں سے تمام کی تمام جب کہ پائی جاتی ہیں انسان میں تو انھیں صفاتِ بشریہ سے موسوم کیا جاتا ہے یہ اللہ کی نعمتیں جو اللہ نے کیں اپنے بندوں پر ان سے مناسبت رکھنے والی جو کہ ان تک پہنچتی ہیں تقسیم اور انداز سے کے مطابق اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی مشیّت سے، نیز نعمتیں ایسی بھی ہیں جو دیتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے جس قدر چاہتا ہے سوائے اس کے کہ صفات اور اعضا جو کہ نفس کے آلات ہیں۔ ان مرغوبات (ملائمات) کو پانے کے لیے جو اولی نعمتیں ہیں اور صفات میں سے ہیں۔ جیسے سمع اور بصر اور اعضا میں سے جیسے کان اور آنکھ، نعمت اولیہ ہے جو نفوس کو پہلے پہلے دی جاتی ہے پس حاصل یہ ہوا کہ ہر وہ چیز جو شخص کے تشخّص میں داخل ہے چاہے امورِ باطنیہ میں سے ہو جیسے زندگی، علم اور حواسِ خمسہ باطنیہ اور اُن جیسے، اور یا امورِ ظاہرہ میں سے جیسے جسم شکل حواس خمسہ ظاہری اور ان جیسی اور نعمتیں۔ اولی نعمتوں میں سے اور ملائمات میں سے جو کہ ہوتی ہیں خارج تشخّص سے جیسے مسموعاتِ ملائمہ اور مبصراتِ مناسبہ اور ان جیسی اور نعمتیں نعمتوں میں سے جنھیں پیدا کیا اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے، اور وہ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے اور دوسری قسم کی نعمتیں جو ہیں وہ ہوتی ہیں دوسرے مرتبے میں نعمائے اولیہ کی نسبت سے، دکھائے اللہ ہمیں اور تم کو اپنی وہ نعمتیں جو ہر کسی کے شاملِ حال ہیں۔ اور عطا کرے ہمیں اور تمھیں اپنی نعمتیں اور بنائے ہمیں اور تم کو اپنی نعمتوں کا شکر گزار۔ اور شکر تین قسم کا ہوتا ہے۔ شکر قولی وہ زبانی ثنا ہے انعام کرنے والے کی نعمت کے عطا کے مقابلے میں اور یہ عوام کا شکر ہے۔ اور جس نے کہا الحمدللہ وہ داخل

Marfat.com

ہوگیا عام شکر کرنے والوں کی جماعت میں اور شکر علمی۔ پس یہ منعم کے فعل کا مشاہدہ ہے نعمتوں کے وجود میں ہر وقت اور ہر نفس کا راضی ہوتا ہے اُس سے اور یہ شکر خواص ہے اور شکر عملی اور یہ شکر حقیقی ہے یعنی نعمت کا خرچ کرنا نعمت عطا کرنے والے کی رضامندی میں مشاہدے کی قوت کے ساتھ اور نفس کی رضا کے ساتھ۔ اور کلماتِ شکر کی ادائیگی کے ساتھ اور یہ خواص میں سے اخص کا طریقہ اور کہا جاتا ہے ایسے شکر گزار کو مشکور مبالغے کے صیغے میں بسبب شکر کی تمام قسموں کے اکٹھے ہونے کے اس میں قولاً، علماً اور عملاً اور یہ شکر کرنے والے ہر زمانے میں بہت کم ہوتے ہیں۔ جیسے کہ کہا اللہ عزّوجل نے کہ عمل کرو اے آل داؤد اور شکر ادا کرو اور بہت تھوڑے ہیں بندوں میں سے شکر کرنے والے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا شکر کے عمل کا اور وہ ہے خرچ کرنا نعمت کو نعمت دینے والے کی رضامندی میں اور نفس کا راضی ہونا اس سے۔ اور اس میں اُسی کے فعل کا مشاہدہ کرنا۔ زبان کا فعل نہیں۔ کیونکہ شکر کے کلمے کا جاری ہونا زبان پر شکر کا قول ہے شکر کا عمل نہیں۔ پس خبر دی اللہ سبحانہٗ نے عمل سے شکر ادا کرنے والوں کی قلّت کی جب کہ وہ لایا اُسے مبالغے کے صیغے کے ساتھ۔ اور توفیق نہیں ہے مگر اللہ کے ساتھ۔ اور وہی مشکور حقیقی ہے اور نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور نہیں طاقت اور قوّت سوائے اللہ کے اور وہ بلندی والا عظمت والا ہے۔

عنایت کے شکر اور امداد طلب کرنے کے بیان کا باب

دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا مقامِ بندگی کے لوازمات میں سے ہے۔ اور قرب و معیت کے درجات میں ترقی کا موجب ہے۔ یہ آیت کریمہ کہ اگر شکر گزار بنوگے تو میں تم کو اور نوازوں گا۔ اسی صورت حال کی خبر دیتی ہے۔ کیونکہ شکر ادا کرنے کی حالت میں خواہ وہ شکر دل سے ہو یا زبان سے، یقیناً اللہ کی شامل حال نعمتوں کا مطالعہ بندہ لازماً کرے گا۔ اور نعمتوں کا یہ مشاہدہ اس کے شکستہ دل کی درستی و تصحیح کرے گا، اس نومید و مایوس دل میں اُمید کی جھلک پیدا کر دے گا۔ باطنی بے چینی کو اطمینان بخشے گا۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ اس منعم حقیقی جل شانہٗ وعم نوالہٗ سے اس کے اُنس و محبت کو مزید بڑھائے گا، وہ اُنس خواہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔

Marfat.com

اور وقتی طور پہ رضا و خوشنودی اور شرح صدر بہم پہنچائے گا۔ خواہ تھوڑی مقدار ہی میں ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے توسّل اور وساطت کی ڈور کو باندھے گا ہر چند کہ زیادہ مضبوط نہ ہو ۔ اور یہ سب مذکورہ بالا امور اور قرب و معیت الٰہی اور توجہ بحق کا موجب بنتے ہیں۔ اگر کوئی عزیز اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی نعمتوں کا مطالعہ اس ڈھنگ سے کرے گا اُمید واثق ہے کہ اس کے باطن کو اللہ تعالیٰ کی نگہبانی و توجہ حاصل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، آہستہ آہستہ اس نسبت کا ملکہ بھی حاصل ہو جائے گا اور بغیر کسی تکلّف کے ہر وقت ہی حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا۔ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کے بموجب شکر ربانی کی بدولت مزید نوارشاتِ ربّانی میسّر آتی ہیں۔ صرف زبان ہی سے شکر ادا کرنا بھی فائدے سے خالی نہیں۔ کیونکہ آہستہ آہستہ یہ جذبہ زبان سے دل میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور آخر کار دل کو بھی شکر گزار بنا دیتا ہے۔ اور یہ دلی شکر قرب کے مدارج میں ترقی کا باعث بنتا ہے۔ اور باطنی ترقیاں، تجلیّاتی نعمتوں کے فیض کا ثمرہ ہیں۔ برکات میں زیادتی کا موجب بنتی ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی کثیر نعمتوں سے مطلق محروم اور خالی ہاتھ رہے۔ جیسا کہ بعض بدحال، خبیث النفس زندگی سے بیزار، بداطوار اور بدلحاظ، پریشان حال لوگ اپنے آپ سے تنگ آکر ایسے الفاظ اپنی زبان سے نکالتے ہیں۔ دیکھئے قرآنِ حکیم کی یہ آیت کریمہ کہ جب انسان پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اُٹھتا ہے اور جب اُسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ بہر حال ایسے بدباطن ناشکرے لوگوں سے قطع نظر ہم یہ بات کہتے ہیں کہ خدا کی کوئی مخلوق بھی اس کی لاانتہا نعمتوں سے محروم نہیں۔ کیونکہ خدا نے خود فرمایا ہے کہ اُس کی رحمتیں ہر ایک پہ مُحیط ہیں۔ اس کی نعمتوں کا یہ مطالعہ بہت سے فوائد کا حامل ہوتا ہے جو آخر کار انسان کو رضا و اطمینان کے مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ دل اور زبان سے ہر وقت باری تعالیٰ سے مدد طلب کرنا اور ہر حال میں اس سے استقامت مانگنا مرتبۂ بندگی کے لوازم میں سے ہے۔ اور خاص بلکہ خاص الخاص مراتب تک ترقی کا باعث بنتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اسی حال کی گواہ ہے کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ کیونکہ ضعیف البنیان انسان کسی امر پہ مستقل قیام کی طاقت اور قدرت نہیں رکھتا۔ کہ وہ اپنے کسی من پسند امر ہی کو بغیر کسی خلل یا فتور کے مسلسل و متواتر کرتا چلا جائے۔ چہ جائیکہ اپنے نفس کی مخالفت کے

Marfat.com

باوجود لگاتار نیک اعمال وافعال میں مشغول رہے۔ توکّل کے بلند مقام پر آخری دم تک ایک ہی روش پہ قائم رہنے کا امکان کہاں ؟ جب تک کہ ہر لحظہ تائید ربّانی اس کی دست گیری نہ کرے۔ پس جس وقت انسان بڑے خشوع وخضوع اور دلی رجوع وتوجہ کے ساتھ حضور حق سے مدد کی استدعا کرے گا اور اپنے دستِ دعا و پنجۂ التجا سے اس کارساز و معاونِ حقیقی کا دامن تھامے گا ، یقیناً اس حالت میں اُسے اپنی بیچارگی اور کوتاہی بھی صاف نظر آئے گی۔ اور اپنے نفس کو وہ قوت و طاقت کی نسبتوں سے بالکل معرّا پائے گا۔ اور مان لے گا کہ حقیقی اختیار اور قدرت اسی قادر مطلق اور مختارِ کل کو ہے۔ اور وہ اپنی ہمت اور قوّت پہ بھروسہ کرنا چھوڑ دے گا اور ہمیشہ ذات باری تعالیٰ ہی سے فیض ، مدد اور امداد کا امیدوار رہے گا۔ اپنی کوتاہیوں کا یہ مطالعہ ، رحمتِ خداوندی کی امیدواری کا یہ معاملہ اور جانب حق یہ باطنی کشش اس کے لیے دونوں جہانوں میں ظاہری اور باطنی امور کے لیے سود مند ہوگی۔ دل میں ایمان کی روشنی بڑھے گی۔ ہمت واستقامت کو مزید تقویت ملے گی۔ خودی وتکبّر و اوہام کے امور کا بوجھ اُتار پھینکے گا۔ اپنی ذاتی لیاقت ، قابلیت اور استعداد کے بیجا زعم وگمان اور فاسد خیالی کو اپنے ذہنوں سے جھٹک دے گا۔ اور یوں یہ اعتراف واحساس اُسے عبودیت کی حقیقت تک پہنچا دے گا ، اور ماسوی اللہ سے مکمل طور پہ بے نیاز کر دے گا۔ اور بظاہر بھی علائق دُنیا سے منقطع کر کے اسے بے نیازی اور استغنا کے مسند پہ بٹھا دیتا ہے۔

بیشک قناعت سے عزت ملتی ہے اور طمع سے ذلّت۔ رباعی :

یک عمر گدایی ز گردان کردیم
روز کوری دل نظر بہر دون کردیم
اکنوں کہ نمودہ ایم چشمی پیدا
مانند حباب کاسہ واژون کردیم

ترجمہ رباعی : عمر بھر ہم گردش دوراں ہی سے بھیک مانگتے رہے اور اپنے دل کے اندھے پن کی وجہ سے ہر ادنیٰ و پست کی طرف تکتے رہے۔ اب جب کہ ہم میں بصیرت پیدا ہوئی ہے تو ہم نے بلبلے کی طرح اپنا کاسۂ گدائی اوندھا کر دیا ہے۔ (مصنف خود رباعی کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ) گدائی از گردوں کردن عبارت ہے اپنی ہوا و ہوس کی اشیا اور مرغوب خاطر

Marfat.com

چیزوں کو گردشِ فلک اور ستاروں کی تاثیرات میں ڈھونڈتے اور نجومیوں سے ساعات کے سعد و نحس ہونے کے متعلق پوچھنے سے کہ دُنیا والوں کی عام عادت ہے۔ نظر بہر دون کردن عبارت ہے اہلِ زمانہ سے اپنی کاربرآری کی آس لگانے سے اور درجات میں ترقی کی توقع اور موہومہ مرادوں کے حصول میں امیروں اور بادشاہوں سے توقع رکھنے سے۔ کوریٔ دل کا مطلب دلی غفلت اور حقیقت سے ناآشنائی ہے۔ لفظ اکنوں سے مُراد زمانہ حال ہے جو اس وقت گزر رہا ہے۔ چشم پیدا کردن سے مراد ہے مشاہدۂ ذاتِ حق کی حالت پیدا کرنا اور صاحبِ بصیرت بن کر حقیقت سے آگاہ ہونا۔ کاسہ اوندھا کر دینے سے مراد ہے طمع کا بھانڈا قناعت کی زمین پر دے مارنا اور اُسے پھوڑ دینا اور خواہشات اور طمع سے پاک ہوجانا اور بالکل مطمئن ہوکر مسندِ فقر پہ براجمان ہوجانا۔ حاصل مطلب رباعی کا یہ ہے کہ مدت مدید اور عرصہ بعید تک ہم ایّام جوانی میں شباب اور حیوانی قوا کے تقاضوں کے مطابق اپنی جسمانی اور نفسانی خواہشات و مرغوبات اور ہوا و ہوس کے دلدادہ رہے مدتوں تک دنیا داروں کی وضع قطع اختیار کیے رکھی۔ شروع شروع میں اپنے کاموں میں شبھ گھڑیوں اور منحوس ساعتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے گویا گردش فلک سے اپنے کاموں اور ارادوں کی تکمیل کے لیے مدد کے خواہاں رہے اور دلی غفلت اور حقیقت الامر سے ناآشنائی کے باعث کاربرآری کے لیے اہل زمانہ پہ نظریں جمائے رہے۔ گویا ہم بھی انہی دُنیا داروں کی طرح تھے جو اپنے کام اور مدارج میں ترقی اور مرادوں کے بر آنے کے لیے بندوں کے دست نگر رہے۔ ہر چند کہ جاگیر و منصب بھی تھے مگر اُسے بھی بادشاہوں کی داد و دہش سمجھتے۔ امیروں وزیروں کے ذریعے اور وسیلے سے شاہی تقرب کے متلاشی رہے۔ اب اٹھائیس سال کی عمر میں ترک اسباب کر کے متوکّل بندوں کی طرح گزر بسر کرنے لگے اور درویشانہ وضع قطع اختیار کی۔ اللہ تادم واپسیں ہمیں اس مقام پہ قائم و ثابت قدم رکھے۔ اس باب کے لکھتے وقت جب کہ ہم پچاس کے پیٹے میں ہیں اور قبلہ بزرگوار والد صاحب کو اس دارِ فانی سے کوچ کیے گیارہ سال گزر کر اب بارھواں سال چڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بدستور حضوری و مشاہدہ و معیت حق میں ہماری چشمِ بصیرت کا نصب العین ہے۔ دُنیا اور اہلِ دُنیا کی حقیقت ہم پہ خوب واضح ہے۔ دینوی فوائد کی طمع کو ہم نے فقر و مسکنت اور قناعت کے فرش پہ دے پٹکا ہے۔ نفسانی خواہشات کے

Marfat.com

کا سے کو حقیقتاً اوندھا کر کے اسبابِ معاش سے بے فکر ہو کر اہل و عیال، تابعین اور لواحقین کے اس خاصے بڑے ہجوم کے باوجود اللہ کے فضل و کرم اور عنایت سے پوری دلجمعی اور فارغ البالی سے مسند فقر پہ براجمان ہیں۔ خدا کا ہزار بار شکر ہر چند کہ عالم شہادت کی بود و باش سر سے لگتے کو ہے لیکن ظاہری و باطنی حس باصرہ سے حضوری و مشاہدے کی نسبت بدستور قائم ہے۔ اگرچہ زندگی کا آب حیات سیلابی صورت میں گلے تک آن پہنچا ہے، لیکن سکونِ قلبی کی بدولت این و آن کی موجوں اور لہروں سے مامون و مصئون ہیں۔ خدا نے چاہا تو عنقریب ہم اس کی رحمت کے بحر بیکراں میں غرق ہو جائیں گے اور اُس خلوت گاہ میں جا پہنچیں گے جس کے متعلق قرآن پاک کہتا ہے کہ نافرمانی سے پرہیز کرنے والے یقیناً باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ سچی عزت کی جگہ بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔ ہمارے یہ جسمانی اعضا جو اپنے زعم میں اس دریائے وجود میں ہمارے بدن کی کشتی کے کھیون ہار بنے بیٹھے ہیں۔ اب انھوں نے ایسے تردّدات و ترہّات سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور ہمارے حواس اور قوا جو بزعم خود ہمارے جسمانی جہاز کی بادبانی کرتے تھے۔ اب اُنھوں نے بھی اپنی موہومہ قوّت و طاقت کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ اب تو ہماری اس کشتیٔ حیات کی ناخدائی برملا اللہ ہی کی قدرتِ کاملہ کر رہی ہے۔ اب تو فنا فی اللہ کے بعد بقا باللہ کا معاملہ در پیش ہے۔ جو ساری کارروائی کر رہا ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت و قبولیت سے آخری دم تک یونہی باد موافق چلتی رہی تو ہم انشاءاللہ نجات کے کعبۂ مقصود پہ جا پہنچیں گے۔ اور عالمِ ناسوت کے اس دریائے شور سے عالم ملکوت کے محفوظ جزیرے میں جا پہنچیں گے۔ چونکہ نعماتِ خداوندی پہ شکر کا بیان حضور پاکؐ کو ارشادِ خداوندی کی صورت میں قرآنِ مجید میں بھی آیا ہے کہ اپنے رب کی نعمت کا شکر ادا کرو، پس جہاں تک تیرے رب کی نعمت کا تعلق ہے اس کا ذکر کر اور امر الٰہی کے لیے مثال کے طور پہ اور اتباع کرتے ہوئے رسول اللہؐ کی سنت کا۔ مجھ عاصیٔ پُر معاصی پہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کا کچھ ذکر ہم نے کیا اور کرتے رہیں گے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احاطہ کرنا ہم ناقص الانسانوں کے لیے امرِ محال ہے۔ لیکن مختصراً کچھ نہ کچھ تذکرہ کیا جاتا ہے اور نعمت کی حقیقت اور اُس کے فوائد کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہ سمجھ لیں کہ نعمت عبارت ہے اس چیز سے کہ نفس نعمت والا ہو اور اُس نے لذّت حاصل کی پس اگر وہ فانی نعمتیں، حیوانی لذّتوں میں سے ہے تو وہ دنیوی نعمت ہے

Marfat.com

اور اگر وہ باقی رہنے والی نعمتیں ہیں اور روحانی لذات ہیں تو یہ اخروی نعمت ہے۔ ان ہر دو یعنی دینوی اور اخروی نعمتوں کی آگے دو دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری دینوی نعمت جیسے کہ روزی میں وسعت، جسمانی صحت اور مرتبہ و حشمت اور ایسی ہی دیگر چیزیں اور دینی اخروی نعمت جیسے روحانی قوّت و اہلیت، رسمی علوم کا حصول اور دیگر نفسی کمالات جن کا تعلق دینی فضائل سے ہے اور ظاہری اخروی نسبت جیسے شرعی امور کی بلا تکلّف رضا و رغبت سے ادائیگی اور شرعی ممنوعات سے بلا تکلّف بڑی خوشی و مسرت سے پرہیز اور اجتناب۔ اور نیک ارادوں کی تکمیل کا عزم اور جہاں تک ہو سکے وقت کی پابندی کرتا اور ایسی باطنی اخروی نسبتیں جیسے حضوری و مشاہدۂ ذات کے حصول کا ملکہ پیدا کرتا، اللہ کی طرف دائمی توجہ اور صبر و رضا و توکّل کی حالت اور قلب و باطن سے تعلق رکھنے والے ایسے ہی دیگر امور، اللہ تعالیٰ نے خود نعمتوں کے حصول کے ذکر و بیان کے لیے رسول اللہؐ کو حکم دیا۔ اور رسول اللہ صلعم کے پیروکار بھی انہی کی سنت پر چلتے ہوئے شکر کا بیان کرتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ پہلے تو منعمِ حقیقی کا شکر زبانی کیا جاتا ہے اور قلبی شکر کی حالت بھی اس زبانی شکر کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے۔ اور بندہ ظاہری اور باطنی طور پر اپنے مالک کا شکر گزار ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بندہ جب اپنے حال پر ان رحمانی رحمتوں کی اصل فراوانی کو دیکھے گا تو دل میں اک گونہ شرم محسوس کرے گا کہ میری طرف سے ان تمام عنایاتِ رحمانی کا کوئی شکر ادا نہیں کیا گیا، جس نے مجھے اتنی نعمتیں عطا کی ہیں۔ اور میں لوگوں میں اس کا چرچا بھی کرتا ہوں۔ ایسے عظیم عطیوں کے بدلے میں مجھ سے ایسے افعال، اعمال اور اقوال سرزد ہوتے چاہئیں جو میرے احساسِ تشکر پر دلالت کریں ورنہ خالق و مخلوق دونوں کے سامنے سخت شرمندگی اُٹھانی پڑے گی۔ اور یہ شرمندگی اور ندامت اور اپنی کوتاہی کا احساس اس کے ظاہری و باطنی احوال کی بہت اصلاح کرے گا اور مفید ثابت ہو گا۔ تیسرے یہ کہ اکثر بے خبر لوگ جب تک کسی دوسرے آدمی کی زبانی ان نعمتوں کا تذکرہ نہ سنیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں وہ اُنھیں جانتے پہچانتے ہی نہیں۔ اور بغیر ان کے تفصیلی تذکرے کے اُنھیں خاطر تلے نہیں لاتے اور نہ ہی ان سے واقف ہوتے ہیں کہ اس کے مرتبے کے مطابق سلوک کر سکیں اور اُس قابلِ احترام شخصیت کے شایانِ شان آداب بجا لا سکیں۔ مودّبانہ صحبت اور ادب کو ملحوظ خاطر رکھنے کے بہت بلکہ ان گنت فوائد

Marfat.com

ہیں جو اہلِ معاملہ کے طریقین کے شاملِ حال ہوتے ہیں۔ اور اس بات کو وہی سمجھتا ہے جو اسے جانتا ہے۔ نعمتوں کے اس بیان میں آفات و بلیات بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے۔ وہ یہ ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ بات ذاتی فخر و مباہات، وخود ستائی پہ جا ختم ہو اور نفسانیت کی آمیزش سے تکبّر و غرور کا موجب بن کر خودی و انانیت مو ہو مہ میں مبتلا نہ کر دے۔ اور خباثتِ نفس کے باعث سامعین کے کانوں پہ گراں نہ گزرے۔ اللہ تعالیٰ ایسی تمام آفات سے مامون و مصئون رکھے اور شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور خوب جانتا ہے کہ اُس کے حقیقت شناس بندے جو اپنے عجز، بندگی اور امکانی نقص کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں وہ اپنے اعتباری اور اضافی مو ہو مہ امور سے بھلا مغرور کیسے ہو سکتے ہیں اور اپنے مقدّس نفوس میں فخر و مباہات اور تکبّر کی کیفیت کیسے پیدا کر سکتے ہیں۔ دُنیا کا یہ مختصر سا مال و منال اتنا نہیں کہ ان کی عالی ہمّتی اسے قابلِ التفات سمجھے تو پھر آباد اجداد کی عظمت اور حسب نسب پہ اترانا تو در کنار۔ ہمارا حسب تو بس یہی ہے کہ ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ جس نے اللہ پر توکّل کیا، اللہ اُس کے لیے کافی ہے۔ ظاہری شرافت و نجابت کا اتنا اعتبار نہیں کہ کوئی ذات شریف محض اسی پہ تکیہ کر بیٹھے خواہ کتنے ہی قدیم اور حسبی نسبی کریم خاندان سے کیوں نہ ہو۔ ہمارا نسب بھی یہی اللہ تعالیٰ سے صحیح نسبت ہے۔ پس جب حق تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو عیناً اور اثراً فنائے نفس کی حالت سے شرفیاب کر کے فنا فی اللہ کر دیتا ہے تو وہ اپنے ذاتی کمالات کے سارے بیان اور حسب نسب کے اظہار کو اپنے رب کی نعمتوں کے تذکرے میں داخل کر لیتے ہیں۔ اور یہ بیان حقیقت پہ مبنی ہے اور نفسانی شراکت کے احتمال سے بالکل مبرّا۔ چنانچہ حضور پاک صلعم کی زبان حقیقت بیان سے ان الفاظ کا نکلنا کہ میں نبیؐ ہوں، میں جھوٹ نہیں بول سکتا اور میں عبد المطّلب کا فرزند ہوں اور ایسی اور بھی کئی احادیث نبویؐ حضورؐ سرورِ کائنات کے کمالات و سرداری اور قبیلہء قریش اور بنی ہاشم کی شرافت کی خبر دیتی ہیں۔ وہ سب فخر و مباہات کے بغیر شکر کی ادائیگی کا ایک معاملہ ہے۔ اس لیے کہ وہ مبنی بہ حقیقت ہے۔ بہر حال چونکہ عمل کی بنیاد نیت پر ہے۔ اور نیتّوں کے بُرے یا بھلے ہونے کو تو وہ علام الغیب و اسرار ہی خوب جانتا ہے۔ لہذا اسی کے حوالے کرتے ہوئے اور اپنی دانست میں جو بات بالفعل بھلی اور بالکل خدا لگتی ہے۔ بعض باطنی حالتوں سے قلبی

Marfat.com

کیفیتوں کا بیان شکراً ہی کیا جاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ماسوی اللہ کے تمام خیالات نے ہمارے دل سے رخصتِ سفر باندھا، اور اب وہ دل و دماغ ہی نہیں جن میں ماسوی اللہ کے خیالات سما سکیں۔ ماسوی اللہ سے دل کا یہ خالی ہوتا ایسا نہیں جو راہِ سلوک کے آغاز میں سالک کو فنائے قلب سے حاصل ہوتا ہے بلکہ ایسا ہے جیسا کہ معاملات کے اخیر میں مکمل فنا اور عین و اثر کے کامل زوال کے بعد میسّر ہوتا ہے اور منتہی حضرات ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس کے فرق کو وہی سمجھتا ہے جو علمی نسبت کا حامل ہو۔ اور جس نے خود سلوک کے مقامات کو آخر تک طے کیا ہو اور دوسرے سالکوں کو بھی اس مقام تک پہنچایا ہو۔ ورنہ ناواقف حضرات تو اس کے طریق امتیاز کو نہیں سمجھ سکتے۔ الغرض یہ کہ جو کچھ کہ ہے دل، دُنیا اور اہلِ دُنیا سے بجھ گیا۔ اب نہ تو دُنیا کی طرف توجہ باقی ہے اور نہ اہلِ دُنیا سے کوئی خواہش و رغبت۔ دُنیا اور اہل دُنیا سے یہ بے اعتنائی وہ کم التفاتی نہیں جہاں اولیاءُ اللہ عروجی حالت میں مخلوق سے مُنہ موڑ لیتے ہیں۔ اور رو بحق ہو جاتے ہیں۔ اُنھیں رشد و ہدایت اور دعوتِ تبلیغ سے کوئی سروکار نہیں رہتا کہ یہ کاملیت کے مرتبے کا زوال اور کمالاتِ نبوّت کے معاملات کے خلاف بلکہ یہ مخلوق سے ایسی بے توجہی ہے جس کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے۔ کہ بس اتنا کہہ دو کہ اللہ اور پھر انھیں ان کی ذلیل بازیوں سے کھیلنے کے لیے چھوڑ دو۔ نزولی کے مقام کے آخر اور کمال نبوّت کی نسبت سے قوّت اس دعوت حق اور رشد و ہدایت میں ہوا۔ مخلوق سے توجہ اور ماسوی اللہ سے بے التفاتی اور مشاہدۂ ذات میں کلّی محویت حاصل ہوتی ہے عروج و زوال کے یہ جامع مرتبے خاص الخاص اکملین میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ ولایت اور نبوت کی نسبتوں کا اتمام کرنے والے ہوتے ہیں۔ عیناً رو بحق ہوتے ہوئے بھی احوال خلق کے اصلاح کنندہ ہوتے ہیں، اور رو بہ خلق ہوتے ہوئے بھی متوجہ بحق ہوتے ہیں۔ ان کا حال اس آیت کریمہ کے مطابق ہے کہ اُنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ ذاتِ پاک کی طرف اس قول کے تقاضے کے مطابق کہ اللہ کے سوا اور کوئی مقصود نہیں، اُنھیں دین و دُنیا میں کوئی تمنّا نہیں رہتی اور دُنیا اور ہوا و ہوس کے فریب شعبدہ بازیوں اور آخرت میں حوروں اور محلوں کا خیال انھیں اپنی طرف مائل نہیں کرتا۔ اس آیت کریمہ کے بموجب حق تعالیٰ سے ملاقات کا شوق ہمیشہ جوش زن رہتا ہے کہ جو کوئی امید رکھتا ہے اللہ سے ملاقات کی، بیشک اللہ

Marfat.com

کا اجل آنے والا ہے۔ ان کے کان نہ حوروں اور نہ محلات کی کوئی بات سنتے ہیں بلکہ اپنے رب ہی کا نغمہ کانوں میں گونجتا ہے۔ اور وہ اس سے خوش و خرم اور مگن ہیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اللہ کا سو شکر اور احسان کہ دُنیا و آخرت کے اعتبارات میں سے کوئی اعتبار بھی اُنھیں اپنی طرف مائل نہیں کرتا۔ اُنھوں نے دونوں جہانوں سے اپنی آستین ہمت جھاڑ دی ہے۔ اور ان کے دل نے ماسوی اللہ سے بالکل بے نیازی اختیار کر رکھی ہے۔ اگر بشری تقاضے کے لحاظ سے بظاہر ہم پوری طرح دنیوی تعلقات کے پابند ہیں۔ اور عبدیت کے تقاضے کے لحاظ سے باطنی طور پر سراپا اخروی نجات کے متلاشی لیکن ہمارے باطن کا باطن کہ رازوں کا راز ہے بلا اعتبار مشاہدۂ ذات حق میں محو ہے۔ اور آئینے کی طرح فنا کے انتظار میں مکمل طور پہ چشم براہ ہے۔ حتیٰ کہ امتیاز فنا بھی باقی نہیں رہا۔ اور فنائی کیفیت کا خیال تک باطن میں کبھی نہیں آیا۔ بہر حال لقاباللہ کی مدد سے کچھ ہوش اور افاقے کے بعد ضرورت اور عبارت کی وسعت کے مطابق اس ناقابل بیان حالت کے سمجھانے کے لیے کچھ لکھتا ہوں۔ مگر اس آیت کریمہ کے بموجب میرا سینہ تنگ ہو گیا ہے اور میری زبان بولتی نہیں۔ آہ! میں کیا کہوں کہ یہ خالص فنا کیا ہے؟ جس میں بلند و پستی ملحوظ نہیں کیونکہ فنائے کامل کے اس مقام پہ سالک زمان و مکان کی تنگ گھاٹیوں سے بالکل باہر نکل آتا ہے اور بلندی و پستی جس کا تعلق مکان سے ہے اس مقام میں ہوتی ہی نہیں۔ بلکہ عروج و زوال کی کیفیت کا اطلاق جو بلندی و پستی کی جہتوں ہی کے معنی کی نسبت رکھتا ہے۔ اس فنائے کامل کے مقام پہ اس کا اطلاق بھی نہیں ہوتا۔ یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عروج و زوال کی حالت ہے۔ حالت مقام عروج کی یا مقام زوال کی حالت میں رونما ہوتی ہے۔ وہ فنا جو عروجی حالت میں باطنی عروج کی حالت میں اللہ کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے وہ الگ ہے۔ اور وہ فنا جو تزکیہ شدہ نفوس کو مقام نزول میں نصیب ہوتی ہے، وہ بھی الگ ہے۔ یہ وہ فنا ہے جو خواص کی نظروں سے بھی اکثر اوقات پوشیدہ رہتی ہے۔ بلکہ اہلِ فنا میں سے کسی نے اس کے متعلق خبر تک نہیں دی اللہ تعالیٰ کی عنایت یہی کچھ روکھا پھیکا سا بیان ہے۔ یہ وہ فنا ہے جو عین نفس البقا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کی انتہا ہے۔ اور دیگر فنائیں جن کے متعلق اہل سلوک نے کچھ کہا یا لکھا ہے اس فنائے کامل کے بالمقابل اضافی فناؤں میں شمار ہوتی ہیں۔ اور ان فناؤں کے مقابل میں جن لقاؤں کا ذکر ہے وہ

Marfat.com

بھی اضافی بقاؤں میں شمار ہوتی ہیں۔ ان فناؤں اور بقاؤں میں باہمی مغائرت اور امتیاز ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے آثار الگ الگ ہیں۔ اس فنا کا نتیجہ بقا ہے۔ اور بقا کا ثمر فنا ہے۔ اس کے بعد وہ حالت رونما ہوتی ہے جیسے مستی کے بعد ہشیاری اور جمع کے بعد فرق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ فنا عین بقا اور فنا مع بقا اور بقا سمیت فنا کے ہے۔ یہاں فنا کے آثار بقا کے آثار کے ساتھ یکجا جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام نفس الوجود کی تجلّی کے ظہور کا ہے، جو مرتبۂ لابشرط ہے۔ جس طرح مرتبۂ لابشرط وجودی دونوں مراتب یعنی مرتبۂ بشرط شیٔ اور مرتبۂ بشرط لاشیٔ پہ مشتمل ہے اسی طرح یہ مقام بھی فنا و بقا دونوں کے آثار کا جامع ہے۔ فنائی آثار مرتبۂ بشرط لا کے آئینہ دار ہیں۔ اور بقائی آثار مرتبۂ بشرط شیٔ کی تجلّی گاہ ہیں۔ اور اس جامع مرتبہ میں فنا عین بقا ہے اور بقا عین فنا۔ جس طرح کہ بشرط لا اور بشرط شیٔ کے متضاد مراتب، مرتبہ لا بشرط میں متحد ہیں۔ اس عالی مقام پر اس عظیم منزلت کے مالکوں پر فنا کا اطلاق ان کے اضافاتی سلوک کے اعتبار سے ہے نہ کہ ذات پر عدم کے طاری ہونے سے، اس سے اضافات سلب کر لیے جاتے ہیں اور ان کی فنا عین بقا ہوتی ہے۔ مرتبۂ بشرط لا کی طرح جس سے مُراد وجود سے اضافات کا سلب کرنا ہے نہ کہ مرتبۂ وجود کی عدمیت جو محال ہے۔ اور بقا کا اطلاق مرتبۂ وجود میں اضافات کے ایجاب سے ہے نہ کہ ذات الوجود پر زائد وجودیت جو بے معنی ہے ان تحتانی اور اضافی فنا و بقا کے برعکس جس پہ دوسروں نے لب کشائی کی ہے۔ کہ اس مقام پر فنا سے مراد جو عموماً لوگوں میں مصطلح ہے۔ مسلوب الاضافات ذات کی عدمیت ہے جو سالک کی ممکنہ حقیقت ہے۔ اور بقا سے مُراد وہاں ذات پہ اللہ کے عطا کردہ وجود کی زیادتی جو خود عدمی معنی ہیں۔ لہذا انھوں نے فنا کے بعد بقا کو روا رکھا ہے۔ اور اضافی فنائیں اور بقائیں اللہ کی طرف سے سیر الی اللہ کے مقام میں واقع ہوتی ہیں اور امکانی دائرے میں داخل ہوتی ہیں۔ اور یہ حقیقی فنا و بقا جس کا اب ذکر کیا گیا ہے۔ سیر فی اللہ عن اللہ باللہ (اللہ سے اللہ میں) کے مرتبے میں داخل ہے، اور مرتبۂ وجوب میں ظہور پذیر ہوتی ہے سالک کا باطن ظلالیہ مرتبوں سے بالکل باہر نہیں آجاتا اور امکانی دائرے کو مکمل طور پر طے نہیں کر پاتا اور امکانی داغ دھبوں سے بالکل پاک نہیں ہوتا اور مرتبۂ وجود میں قدم نہیں رکھتا اور اس فنا و بقا سے مشرّف نہیں ہوتا۔ گویا سابقہ فنائیں اور بقائیں انہی آخری فنا و بقا کی تیار کردہ ہیں۔

Marfat.com

اس مقام پر ان اہل کمال کے حال کا شاہد (دیکھنے والا) بھی حق ہے۔ اور مشہود (دیکھے جانے والا) بھی حق ہے۔ شاہد و مشہود اسی امر کی خبر دیتے ہیں۔ وہی گواہ ہے کیونکہ غیر کا اس مقام میں کوئی دخل نہیں۔ اور یہ عظیم نعمت خاص انہی کا خوانِ نعمت ہے جنھیں اللہ کی معیت حاصل ہے (ان پر خدا کا درود و سلام ہو) اور وہی علیم مطلق اس معاملے سے آگاہ ہے۔ نہیں پہچانا جا سکتا اللہ کو سوائے اللہ کے اور نہ اس کا علم ہو سکتا ہے سوائے اس کے علم کے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہیں ہے قوّت اور طاقت کسی کو سوائے اللہ کے۔ سلطان دردِ عشق جس سے مُراد ہے جذبات الٰہیہ میں سے ایک جذبہ۔ اس ماسوی اللہ سے خالی ہونے والے دل کے ویرانے ہی میں نزولِ اجلال فرماتا ہے۔ اور اُس خرابے کو حضوری و مشاہدے سے آباد کر کے ہمیں آسودہ ہو کر اور ہوا و ہوس کے مفسدہ پردازوں کو جو نفسانی دشمن کی فوجوں سے تعلق رکھتے ہیں اس وادی سے باہر نکال کر باطنی ملک کی سرحدوں سے جو دُنیاوی مرادوں کی نباتات کی نشوونما کے نہ ہونے سے بے آب و گیاہ وادی ہے باہر دھکیل کر لِمَنِ الملک الیوم (کہ آج اسی کی بادشاہت ہے) کا پرچم لہرا دیتا ہے، اور اس مصراع کے بموجب۔ ع بدوزد طمع دیدۂ ہوشمند۔ (طمع کی سوئی ہوشمند لوگوں کی آنکھوں کو سی دیتی ہے) اور سالکانِ راہ حق کے پاؤں کا کانٹا بن جاتی ہے۔ کارکنانِ قضا و قدر نے جا بنیازی کے دھاگے سے سی دیا اور تجلّیاتِ الٰہیہ کی لڑی میں پرو کر فقیر کو بظاہر بھی گدڑی پوش بنا دیا۔ اور احتیاجات (حاجتمندی) کے ہاتھ کو جس نے مجھ گرفتار کو دائیں بائیں سے گھیر رکھا تھا اور بشری تقاضوں کے مطابق مطلوبہ حاجتوں کو جمع کرنے والے پنجہ، خواہشات کو جو اسباب کے توسّط سے ضروری لوازمات کو اپنی جانب کھینچتا تھا، اُسے بے نیازی کی آگ میں بھسم کر دیا۔ اور ہم بظاہر محتاج فقیروں کو قلبی استغنا کی بدولت مطلق بے نیاز اور ماسوی اللہ سے حقیقی مستغنی بنا دیا اور مکمل فارغ البالی اور کامل جمعیت خاطر اور سکونِ قلب کے ساتھ مسند فقر پہ بٹھا دیا۔ جو ہمارے لیے باعثِ فخر و انبساط ہے۔ اور ہمیں دُنیا اور اہلِ دُنیا سے بالکل منقطع کر دیا۔ اور اُس کام پہ لگا دیا جس کے لیے ہمیں تخلیق کیا تھا۔ اب میدان بالکل صاف ہے کیونکہ دنیاوی اسباب کی رعایت و خیالات اور اہلِ دُنیا یعنی دنیا کے امیروں اور بادشاہوں کی مراعات ہمارے حق نگر دل و دماغ کے گرد چکر نہیں کاٹتیں۔ اور قطع کرنے والی بے نیام تلوار جو

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت سے بے نیازی و استغنا اور متوکّل گزران کی صورت میں ہمیں عطا فرمائی ہے کسی سے پوشیدہ نہیں رہے۔ ہر کس و ناکس پہ ظاہر ہے۔ ان کے جاننے یا نہ جاننے سے کیا تعلق کہ مخلوق کی آنکھوں میں وجود نہیں سماتا، ہر کس و ناکس پہ ظاہر ہے ان کے جاننے یا نہ جاننے سے کیا تعلق کہ مخلوق کی آنکھوں میں وجود نہیں سماتا، دماغ میں کیسے گزرے۔ یہ بیان تقریباً سرے لگا۔ ہستی عالم نمود سے اور زیادہ کچھ نہیں پس وہ باطن میں داخل پائے تو کیونکر؟ دُنیا اور اہلِ دُنیا کی تاثیروں کی سرایت ظاہری و باطنی حواسوں تک ہے۔ بلکہ حواس باطنہ میں بھی قرار نہیں پاتیں۔ نفس ناطقہ، قلب، روح سرّ خفی و اخفی کہ باطن کے اندرونی لطائف ہیں وہاں اللہ جلّ شانہ' کی عنایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت (ان پر خدا کا درود و سلام) اور قبلہ والد بزرگوار کی برکت (خدا اُن سے راضی ہو) سے ماسویٰ اللہ کو گزر نہیں۔ اور خلوت کدہ میں غیر کو باریابی نہیں۔ اگرچہ میری زبان ان تمام عنایات کے بیان کرنے سے قاصر ہے کہ میں نکمّا اور نالائق انسان اتنے فراواں فضل و کرم اور بے پایاں تعظیم و تکریم کے لایق نہ تھا۔ اور نہ مجھ میں اتنی استعداد تھی لیکن ہمیشہ خدا و رسولؐ حامی و ناصر رہے اور سدا ہی عالمِ غیب سے امداد پہنچتی رہی۔ ارواحِ جلیلہ اور مقدّس و مقرّب فرشتوں کی تائید شاملِ حال رہی۔ اور مجھے کشاں کشاں اللہ کی معیت کی جانب قریب سے قریب تر لے جاتی رہی۔ اس میں میری اپنی ذاتی ہمت، قوّت اور طاقت کو کوئی عمل دخل نہیں۔ سبحان اللہ اگر مرادیت اور برگزیدگی کی یہ نسبت اتنے شدّ و مد سے مجھ بے بضاعت یعنی بے سر و سامان کی یوں دستگیری نہ کرتی تو مجھ بچارے نکمّے آدمی سے کچھ بھی نہ بن پڑتا اور کوئی عقدہ نہ کھُلتا۔ میں حیوانات کے ٹولے سے بھی بدتر ہوں۔ پس میں اللہ تعالیٰ کی بے سبب عنایات کا کہاں تک شکر کروں۔ میں کسی صورت میں بھی اس شکر و امتنان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ خدائے پاک حضور نبی کریم صلعم کے صدقے ہم محمّدیوں کا دین و دُنیا میں حامی و ناصر ہے۔ ہم اس کی سرکار کے علاوہ کوئی حیلہ وسیلہ نہیں رکھتے۔ حضرت قبلہ والد بزرگوار کی پاکیزہ روح کی برکت سے جو ہر حال میں ہماری ممد و معاون ہے میں بھی اس کے علاوہ کسی اور طرف توجہ کا رُخ نہیں کرتا (خدا ان کے رازوں کی برکت سے ہماری مدد کرے) اللہ تعالیٰ حضور سرورِ کائنات کے طفیل اس پہ استقامت بخشے۔ اور آخری دم تک شرعِ نبویؐ اور طریقہ محمّدیؐ کے راہِ راست پر قائم و دائم رکھے۔ اور ہمارے قدموں کو لڑکھڑانے سے محفوظ رکھے اور انجام بخیر کرے

Marfat.com

اور اس دُنیا سے ایمان اسلام اور اعتقاد کی سلامتی کے ساتھ لے جائیے اور جان بھی بدن سے بڑے آسان ترین طریقے سے نکالیے۔ اور قبر، عالم برزخ اور قیامت کے دن بھی معاملے کو اپنے فضل و کرم سے نمٹائیے۔ اور اپنے فضل و کرم سے، ہم گناہگاروں کی تقصیروں کو معاف فرمائیے۔ ع۔ باکریمان کارہا دشوار نیست۔ (وہ کریم ہے اور کریموں کے لیے تو کوئی کام بھی دشوار نہیں ہوتا)۔ خداوندا ہم اگرچہ عاصیٔ پُرمعاصی ہیں مگر پھر بھی محمدیؐ ہیں اور تیرے محبوبؐ کی اُمت سے ہیں۔ ہر چند کہ گنہگار ہیں لیکن صاحبِ ایمان ہیں۔ پس جس طرح تو نے حضور نبی کریم صلعم کے طفیل دُنیا میں ہمارے معاملات کو فضل و کرم سے نمٹایا ہے۔ اسی طرح آخرت میں بھی عفو و درگزر سے کام لینا۔ اے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔ اے خدا جیسے یہاں تو نے ہمیں ماسوٰی سے مستغنی رکھا، اسی طرح وہاں بھی اپنے سوا سب سے بے نیاز رکھنا۔ تاکہ ہم تیرے اور تیرے رسولؐ کے سوا اور کسی کی طرف رُخ ہی نہ کریں۔ تاکہ ہم تیرے ہی جمال باکمال کے مشاہدے میں مستغرق اور تیرے ہی پُرنور دیدار سے سرشار ہیں۔ جیسے کہ ہم اب بھی سراسر تیرے ہی مشاہدے میں محو ہیں۔ اور دنیا و مافیہا سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ اور دینوی جاہ و حشمت کو قطعاً خاطر تلے نہیں لاتے۔ بے شک تو ہی قادرِ مطلق ہے۔ رباعی:

سلطان کہ بر اسباب ہوس مے نازد
بر بال و پر چو مگس مے نازد
درویش کہ بینوای و بے پروا ایست
بر خاطر بے نیاز بس مے نازد

ترجمہ رباعی: بادشاہ جو دنیوی اسباب پہ ناز کرتا ہے وہ مکھی کی طرح ہے جو اپنے بال و پر پہ اتراتی ہے۔ درویش جو بے نوا اور بے پروا ہے وہ اپنے بے نیاز دل پہ بہت ناز کرتا ہے۔ یعنی مجازی بادشاہ جو دنیاوی مال و دولت کے حصول اور نفسانی و طبعی خواہشات کی تکمیل پہ ناز کرتا ہے اور فخر و مباہات سے کام لیتا ہے۔ اور خدا کے دوسرے بندوں کو خاطر تلے نہیں لاتا اور اُنھیں اپنی رعایا اور نوکر چاکروں کی طرح سمجھتا ہے۔ وہ مکھی کی مانند ہے جو اپنے پروں

Marfat.com

پر اتراتی ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ اس کا ان ادنیٰ دنیوی امور پہ اترانا اک نازش بے جا ہے کہ یہ سب کچھ بے ثبات ہے جس طرح مکھی کے وجود اور اُس کے پر و بال کا کوئی اعتبار نہیں۔ معمولی سے جھٹکے سے بھی نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ اور زندگی میں بھی نہایت حقیر و نہایت کمزور اور ناچیز ہے اور درویش باوجودیکہ دنیوی مال و اسباب میں سے کچھ بھی نہیں رکھتا اور بالکل بے نوا ہوتا ہے۔ اور اُسے کبھی معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اب اس کی ضروریات کس طرح اور کس طور انجام پذیر ہوں گی۔ دن کیسے گزارے گا اور رات کس طرح بسر کرے گا۔ لیکن اپنے استغنا اور بے نیازی کی وجہ سے وہ زندگی اور موت سے بے پروا ہے اور کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا۔ وہ اس بات پر بڑا فخر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے قلبی استغنا اور قناعت کی سلطنت سے مشرّف فرمایا ہے۔ کہ اگر ہفت اقلیم کا بادشاہ بھی ہو تو اُسے یہ کامل سکون اور مکمل استغنا حاصل نہیں۔ وہ طرح طرح کی خواہشات و ضروریات میں پھنسا رہے گا۔ درویشوں کا یہ فخر اور ان کی یہ عظمت خدائے محمود پہ اعتماد و توکّل کی بنا پر ہے۔ اور یہ شریف النفس لوگوں کا کام ہے۔ اور قربِ الٰہی کا کمال ہے اور توکّل و استقامت کی قوت سے ہے۔ کیونکہ وہ اسی کارسازِ حقیقی کی کارسازی پر بھروسہ کر کے ناز کرتے ہیں۔ اور جس نے اللہ پہ توکّل کیا وہی اس کے لیے کافی ہے۔ بشری طاقت اور انسانی قوّت تو فقر کے بوجھ کی ہرگز متحمل نہیں ہو سکتی۔ اور بندہ اپنی پیدائش کے لحاظ سے چونکہ ساری مخلوقات سے ضعیف تر ہے۔ لہٰذا اپنی قوّت اور طاقت کے بموجب انسان درویشانہ گزر بسر کے صدموں کی برداشت نہیں کر سکتا۔ انسان بیچارہ تو اک معمولی سی آزمائش ہی پہ لڑکھڑا جاتا ہے۔ اتنی شدید مصیبتوں کے جھیلنے کی تو بات ہی چھوڑیے۔ اے خدا ہم پر ایسا بوجھ نہ لادنا جس کی ہمیں سہار نہ ہو۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی عنایت اور تائیدِ ربّانی ہے کہ وہ مقبول بندوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ان پر خدا کی سلامتی اور درود ہو) کے مقام فقر پہ لا کر اُنھیں قائم رکھتا ہے اور ان کی نظر میں ساری دشواریوں کو آسان بنا دیتا ہے۔ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور اس کے سوا اور کسی کو قوّت اور طاقت نہیں۔ وہی اعلیٰ و عظیم ہے۔

Marfat.com

هوالناصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالےٰ کے واسطے ہے جس نے خالص کیا اپنے مخلص بندوں کو ان کی قیدوں کی گرہوں سے اور آزاد کیں گردنیں اپنے مقربین کی ان کے وجود کے شہود سے اور درود و سلام ہو اس کے رسول محمد صلعم پر جو انبیاءؑ کے سردار اور ان لوگوں کے محمود ہیں اور آپؐ کی آلؓ اور اصحابؓ پر، جو پہنچاتے ہیں لوگوں کو ان کے معبود کی طرف۔ پس یہ ستترھواں (۷۷) باب ہے جو اراءۃ الطریق (راستہ دکھانے سے) سے موسوم ہے۔ اللہ کی طرف طریق دو قسم کا ہے۔ طریق ایدائی اور طریق اعادتی۔ اور وہی ابتداکرنے والا اور لوٹانے والا ہے۔ پس ایجادی فیض پہنچتا ہے موجودات تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایدائی راستے سے اور اس فیض کے درمیانی وسیلے وہ اُمور ہیں جو ایجاد کا باعث ہیں اور بلند مبادیات ہیں اور ابتدائی علتیں ہیں علمیت کے ساتھ یا زمانے کے ساتھ اور ان جیسی اور چیزوں کے ساتھ اور جذب ارجاعی جو ہے وہ پہنچتا ہے مخلوقات تک اللہ سبحانہٗ سے اعادتی طریقے سے اور اس جذب کے وسیلے وہ اشیا ہیں کہ جن میں کھلتی ہیں ترکیب اور مراتب جن میں کہ اشیا مضمحل ہوجاتی ہیں اور حیثیات جو کہ اعتبارات کو چھپاتی ہیں اور ان جیسی اور۔ اللہ تعالیٰ ان دو طریقوں سے ان کی ابتدا کرتا ہے اور ان کو لوٹاتا ہے اور موجودات میں سے ہیں سے ہر چیز جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے آغاز کیا۔ اسی طرح اس کی طرف لوٹتا ہے اور ظاہر کرتا

Marfat.com

ہے اس ابتدا کا راز اور اعادہ اہل علم پر بندوں میں سے ان کی طاقت کی مقدار میں کشف اور برہان کے ذریعے۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک طریقے میں میری مراد ہے طریق ایدائی اور طریق اعادتی۔ دو طریقے مخصوص ہیں۔ انسان کے ساتھ اور جنوں کے ساتھ، طریقِ جمالی اور طریق جلالی۔ پس طریقِ جلالی طریقِ ایدائی میں تقاضا کرتا ہے برائی کے اسباب کی توجیہہ کا مخلوق کے ساتھ انسانوں اور جنوں میں سے، اُسے ڈالنے کی وجہ سے گمراہی میں اور اس معاملے کے وسیلے نفس اور شیطان اور ضرر دینے والی جہالت اور فاسد طبیعت اور مفسد جبلّت ہوتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان وسیلوں سے جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دیتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں ہے اور طریقِ جمالی طریقِ ابدائی میں متقاضی ہوتا ہے بھلائی کے اسباب کی توجیہہ کا مخلوق کے ساتھ انسانوں اور جنوں میں سے اُسے ہدایت کی طرف پہنچانے کے لیے اور اس معاملے کے وسیلے عقل اور ملک اور علم نافع اور صالح خصلت اور اصلاح کرنے والی طبیعت ہوتے ہیں۔ پس اللہ سبحانہ، ان وسائل سے ہدایت دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ اور طریقِ جلالی طریق اعادتی میں تقاضا کرتا ہے کسی گمراہ شخص کے جہنم تک پہنچانے کا اور اس معاملے کے وسائل کفر اور نفاق اور فسق اور غفلت ہیں اور اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے جہنم میں جسے چاہتا ہے ان امور کی نحوست کی وجہ سے اور وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ پس نہیں کوئی معبود سوائے اس کے اور طریقِ جمالی طریق اعادتی میں تقاضا کرتا ہے پہنچانے کا ہدایت یافتہ شخص کو جنت تک اور اس معاملے کے وسائل ایمان، اسلام، نیکیاں اور اچھائیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے جنت میں داخل کرتا ہے۔ ان امور کی برکت سے اور وہ بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے۔ اور انبیائے علیہ السلام اور اولیائے کرام مظاہر ہیں اس کی ہدایت اور جمال کے دونوں طریقوں میں سے ابدائی اور اعادتی میں۔ جہاں تک ان کی ہدایت کا تعلق ہے طریق ابدائی میں وہ داخل ہے حکمتِ نظریہ میں اُسے اعتقادات کہتے ہیں اور ان کی ہدایت طریق اعادتی میں داخل ہے حکمتِ علمیہ میں اور اسے عبادات کہتے ہیں اور اللہ ہدایت دینے والا ہے اسی پر اعتماد ہے اور اسی کی طرف سے ابتدا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

Marfat.com

امتیاز و ہوش کے فرق اور
چشم و گوش کی پریشانی کے بیان کا باب

متن میں واقع تفرقہ "امتیاز و ہوش" کے کلمات سے مقصود یہ ہے کہ مختلف النوع امور کے امتیاز اور مختلف قسم کی کثیر التعداد اشیاء کے ادراک و دریافت سے نفس ناطقہ کو شک و شبہ لاحق ہو جاتا ہے جو انسان کی باطنی جمعیت خاطر کی کیفیت سے محروم رکھتا ہے اور آنکھ اور کان اور ان جیسے دیگر اعضا جو نفس کے لیے ادراک کے آلات ہیں انھیں بھی اس باطنی پریشانی کے کے باعث امور محسوسہ کے اختلاف و کثرت کے باعث پریشانی لاحق ہو جاتی ہے اور وہ نفس کو یکسوئی کی دولت سے محروم کر کے کثرت کے جھمیلوں میں ڈال دیتے ہیں اور دل سے پریشان و پراگندہ قسم کے خیالات گزرتے ہیں۔ اور آدمی مستقل طور پر نفسانی باتوں ہی میں کھو جاتا ہے اور اُسے مکمل فراغت سوائے گہری نیند کی حالت یا بے ہوشی کے چند گھنٹوں کے سوا اس دُنیا کی پریشانیوں سے افاقہ میسّر نہیں آتا۔ ایسے حالات نقشبندی سلسلے کے اصحاب کو اکثر مراقبوں میں پیش آتے ہیں کیونکہ نقشبندی جذب اک مشہور بات ہے۔ اور اکثر بتدیوں کے تجربے میں بھی یہ بات آئی ہے اور جو بات دوسروں کے نزدیک نہایت بعید ہے اس سلسلے کے سالکوں کے ابتدائے حال میں عادت سی بن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ ہم ان خیالات کے اُبھرنے اور حدیثِ نفس کو جو عام طور پر ہر خاص و عام کے شامل حال ہوتے ہیں نفوس میں ان کی ایجاد اور ان کے فوائد اور نقصانات بیان کرتے ہیں۔ اور اُس مقدار کو بھی بیان کریں گے کہ یہ دل سے کس قدر دُور کیے جا سکتے ہیں۔ اور باقی کیا کچھ رہ جاتا ہے۔ نیز اس امر کا بیان کہ دل کے خیالات سے خالی ہونے کا اطلاق کس حال پر کیا جاتا ہے۔ ان خیالات کے گھٹانے اور حدیث نفس کی راہ کو بند کرنے کو بھی حتی الامکان بیان کریں گے اللہ ہادی کی مدد سے اور اسی پر ہمارا اعتماد ہے۔ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جب انسانی بدن کو استوار کرتا ہے تو نفس ناطقہ (روح) کو اُس پر قابض کر دیتا ہے اور سارا بدن فانوس کی طرح اس شمعِ نفس کی روشنی سے منوّر ہو جاتا ہے۔ اور جاندار کی روح کے شعلے میں جو نفس کے اجلا ہونے کا مظہر ہے اور اس نورِ مجرّد کو اس مادی شعلے

Marfat.com

سے خاص تعلق ہوتا ہے وہ اپنے ساتھ بدن کے جوڑ جوڑ میں اس نور کی نورانیت کو پھیلا کر ظاہری اور باطنی حواس کو منوّر کر دیتا ہے۔ اور ظاہری حواس کے آئینے اپنے توسّط سے اس نور کے پرتو کو ظاہری امور محسوسہ پر منعکس کرتے اور علمی نور سے روشن کر دیتے ہیں۔ اور احساس کے پنجے میں لے کر آفاق سے تمام اہلِ دُنیا میں کھینچ لاتے ہیں اور باطنی حواس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اور ان کی جزئی صورتوں کو قوتِ متخیّلہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور قوّت متخیّلہ ان صورتوں کو اپنے ہاں سنبھال رکھتی ہے اور جزئی معانی کو حافظہ کے صندوق میں رکھ لیتی ہے۔ اور قوّتِ حافظہ اُنھیں اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس، باطنی حواس کے اس صوری اور معنوی مجموعے کو اپنے اعتبارات کے ہاتھ میں لے کر نفس ناطقہ کی نورانی نظر کے پیش کر دیتی ہے اور نفس ناطقہ ان آلات کے توسّط سے ان صوری اور معنوی امور سے امورِ معقولہ مثلاً کلیّت، جزویت، وحدت و کثرت امکان و وجوب یہ امتناع اور جنسی نوعیت وغیرہ وغیرہ کے معانی نکال کر نفس مجرّدہ کی تختی پر نقش کر لیتا ہے۔ جو کہ اس سے پہلے ہر قسم کے نقوش سے بالکل صاف و سادہ تھی۔ اور اُسے عقل کے پیش کر دیتا ہے۔ اور عقل حکم کی قلم کو ہاتھ میں لے کر نفس کی اس تختی پر ہر تصوّری مطلب پر تصدیق کے طور پر دستخط ثبت کر دیتی ہے اور نفس اسی حکم کے مطابق اعتقادات کے دفتر میں داخل کر دیتا ہے۔ اور اُس کا ملکہ بہم پہنچاتا ہے۔ لہٰذا ان تمام حسی، عقلی، دینی، دنیوی اور اخروی امور کو سرانجام دینے کے لیے جب تک روح و بدن میں ربط باقی رہتا ہے وہ مبداً فیاض ہر آن ہر لحظہ ارادوں کو عام طور پر صاف طور پہ دل پہ القا فرما دیتا ہے تاکہ سارے اُمور میں نفس کی توجہ شامل رہے۔ اور وہ کسی ایک سے بھی غافل نہ رہے۔ اس طریق سے دل پر مسلسل اور متواتر القا ہوتے والے ارادے قلبی خیالات یا حدیثِ نفس کہلاتے ہیں۔ کہ بدن کی ترکیب جتنی صحیح اور جسمانی قوا جس قدر مقوّی ہوں گے، اُدھر سے دل پہ اتناہی خیالوں اور ارادوں کا القا زیادہ ہوگا۔ اور صحت میں جتنا خلل اور قوا میں جتنی کمزوری ہوگی ان خیالات میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔ بے خیالی اور قرار غالب آجاتے ہیں جیسے کہ نوزائیدہ بچوں کو کہ جن کے قوا ابھی مکمل طور پر مقوّی نہیں ہوتے نیند کئی گنا غالب ہوتی ہے اور عالم محویت میں خوب مست ہو کر سوتے ہیں اور کہن سال بوڑھوں کی قوّت چونکہ تحلیل ہو چکی ہوتی ہے ان سے نیند کے قرار کا غلبہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

اور ان کے دلوں پر خیالات کا بہت کم القا ہوتا ہے۔ اس میں بھی کئی حکمتیں ہیں جن کی حقیقت کو وہ حکیمِ مطلق ہی بہتر جانتا ہے۔ پس اگرچہ حدیثِ نفس اور خیالاتِ قلبی اطلاق کے لحاظ سے اس آیتِ کریمہ کے بموجب کہ جس خدا نے نفس کو ہموار کر کے اس پر اس کی بدی اور نیکی کا الہام کر دیا یہ سب آسمانی القاؤ الہام میں داخل ہیں جو مید اُفیاضؔ سے ہموار نفوس پر فیض رساں ہوتے ہیں لیکن اس آیت کریمہ کے بموجب کہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اُس نے فلاح پائی، نیک خیالات کو دل میں قرار و قیام دینا چاہیے، اس لیے کہ وہ حال اور قال کی اصلاح کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور لغو خیالات کی بجائے قلبی ذکر اذکار و اوراد کو جگہ دینی چاہیے۔ اور غفلت اور فراموشی کی کیفیت کی بجائے حضوری و آگہی کی حالت کو دلنشین کرنا چاہیے۔ اور دل میں نیک نیتوں کو مستحکم کرنا چاہیے۔ تاکہ اس کے نتائج اور ثمر سے نیک اعمال اور ہمیشہ رہنے والی نیکیوں اور بھلائیوں کی صورت میں ظہور پذیر ہوں۔ اور اس آیت کریمہ کے بموجب کہ جس نے نفس کے اچھے رجحانات کو دبا دیا وہ نامراد ہوا۔ بُرے خیالات کے پیچھے نہ جانا چاہیے۔ اور اُنھیں جلد ہی دل سے نکال پھینکنا چاہیے اور بری نیتوں اور فاسد ارادوں کو بہت جلد باطن سے مٹا دینا چاہیے۔ تاکہ ان کے بُرے نتیجے اور ثمرے بُرے کاموں اور خطاؤں اور گناہوں کی شکل میں وقوع پذیر نہ ہوں۔ اور لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کا ورد کر کے پورے خشوع و خضوع کے ساتھ حضورِ حق کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ اور دُعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان فاسد باطل اور زائد خیالات کی راہ تمھارے دل کی طرف نہ کھولے اور اپنی حضوری و مشاہدے میں ایسی حدیثِ نفس اور ایسے فاسد خیالات کے دخول میں رکاوٹ بن جائے۔ اپنے آپ کو اسی رجوع بحق میں مستغرق رکھ کہ خدا نے چاہا تو اسی باطنی رجوع سے آہستہ آہستہ وہ خیالات کم ہو جائیں گے بلکہ رہ ہی نہ جائیں گے اور ایسے خیالات سے پاک ہو کر تم دیر تک مراقبات اور ایسے کاموں میں مصروف رہ سکو گے۔ لیکن ان خطرات کے خیالات کے رفع کرنے میں زیادہ مبتلا نہ ہو جا۔ کیونکہ اس سے اور بھی زیادہ خیالات دل سے گزرنے لگتے ہیں۔ اور یوں ان سے مکمل چھٹکارا نصیب نہیں ہوتا۔ اور کئی ناکردہ کار لوگ بھی اس مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور ان خطرات کے رفع کرنے کے ارادے میں اتنا مستعد بھی نہ رہ۔ ذکر اذکار میں دائمی مشغول رہ۔ اور اپنی آگہی کو تقویت بخشو۔ پھر خود بخود ایسے خیالات

Marfat.com

نہیں آئیں گے۔ یہ تو محض آگہی کے ضعیف اور فکر کی سستی کی وجہ سے ایسے خیالات دل میں جاگزیں ہوتے ہیں۔ ورنہ قوی نسبت والے اصحاب کے باطن میں تو خیالات کا کبھی گزر ہی نہیں ہوتا۔ بشری تقاضوں کے مطابق جب تک زندگی ہے زندگی سے متعلق امور کو سرانجام دینے کے لیے حواس ظاہری کے طفیل باطنی حواس میں خیالات راہ پاتے ہی رہیں گے۔ لیکن ان بزرگواروں کے باطن کا اندر جسے قلب، روح، سِرّ خفی اور اخفیٰ کہتے ہیں ماسوی اللہ کی الجھنوں کے داغوں سے بالکل پاک اور ماسوٰی اللہ کے خیالات سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ اور یہ جو بعض ناواقف کار احمق اپنی ہی موشگافیوں کی بناپر کہتے ہیں۔ کہ آخر اسم اللہ کا ورد یا الوہیت و تنزیہہ کا مرتبہ جس کے توسط سے اللہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ وہ بھی تو اک خیال ہی ہے تو پھر ان کا باطن خیالات سے خالی کیسے ہوگیا، یہ اک بے معنی اور لغو سی بات ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب نہیں۔ جنھیں وہ شرفِ قبولیت نہیں بخشتا اور جن کے تحت میں باطنی حضوری و مشاہدہ ومعیت کی نسبت نہیں وہ اُنھیں ایسے ہی وسوسوں میں پھنسا دیتا ہے اور نفس امّارہ اور شیطان ایسے بُرے حضرات کو ایسے نیک خیالات سے محروم رکھتا ہے۔ جو ملکی و رحمانی القا سے دل میں آتے ہیں۔ اسے مطلق ناواقفو! بالکل بے خیالی ہیں جو نیند اور بے ہوشی سے مشابہ ہے بھلا کیا خوبی ہے کہ وہ حالت پیدا کی جائے۔ اور اس مہمل امر کے حصول کے ارادے میں ضائع کی جائے۔ باطنی بے دھیانی (خیالی) اور دل کا حدیثِ نفس سے خالی ہونا عبارت اسی سے ہے کہ خواہ ذکر اللہ کے غلبے اور خواہ حضوری و مشاہدہ کی نسبت کے غلبے کی وجہ سے ایسے بیہودہ خیالات اہلِ غفلت کے دل جن کی آماجگاہ ہوتا ہے وہ دل میں گزرتے ہی نہیں پاتے اور یوں ایسے کسی خیال کا گزر نہ ہونے پائے جو آگہی حق میں مزاحم ہو یا ذکر الٰہی میں مانع ہو۔ اس قسم کے شبہات کا تنزیہی مرتبۂ ذات کا تصوّر بھی اک خیال ہے جو یا تو جاہل لوگ کرتے ہیں جو علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور یا پھر لغو قسم کے معاش والے بے دین کرتے ہیں جو ناکردہ کاروں کو پھانسنے والے جو حقائق کی آگہی کے وہم اور معرفت کے گمان میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کیونکہ شکوک و شبہات کے ایسے الفاظ و شبہات کی حقیقت سے بھی آگاہ نہیں ہوتے کہ آخر شیئے کا کونسا مقام ہے جس کی ہم تشاندہی کر رہے ہیں۔ یعنی محض جمود کو حاصل کرنا کونسا کمال ہے۔ اور لاتعیّن میں یوں محو ہوجاتا کہ الوہیت کا تعین بھی خیال میں نہ ہو۔ آخر یہ

Marfat.com

کونسی حالت ہے۔ یہ ان کے موہنوں کا قول ہے۔ (یا یہ ان کے منہ کے کہنے کی باتیں ہیں)۔
قصّہ کوتاہ یہ کہ جب قلبی خیالات اور حدیثِ نفس کے اُبھرنے کی وجہ اور اس میں پوشیدہ حکمت مبدأ فیاض کا القا ہے جو ہموار نفوس پر اطلاق اور مجموعی طور پر انسانی امور کے سرانجام دینے کے لیے ہوتا ہے۔ کیونکہ ارادی افعال کے لیے پہلے ارادے کا موجود ہوتا اک شرط ہے ہر فرد واحد کے متعلق ہونے والے نفع نقصان کو بھی سمجھ لے، یہ جان لو کہ قلبی خیالات کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ اگر القائے عام کی یہ راہ مبدأ فیاض سے مجموعی طور پر کبھی نفس پر نہ کھلتی تو پھر القا کا خاص راستہ بھی نہ کھُلتا۔ خواص کے دلوں پہ قرب کی حالت میں ہوتے والے الہاماتِ خداوندی، القائے ربّانی کہتے ہیں۔ اور خواص انسانوں کا اپنے رب کے ساتھ یہ معاملہ مفقود ہو جاتا کیونکہ خاص امر عام امر ہی سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جب پہلے وہ عام معاملہ ہی میں وقوع میں نہیں آئے گا تو خاص معاملہ کہاں سے وقوع پذیر ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اگر نفوس پہ خیالات کا یہ راستہ نہ کھلتا اور یہ ہر لحظہ دل پہ نازل نہ ہوتے تو معاش و معاد کی تدبیر اور وقوع سے قبل کسی واقعہ کا علاج ہمعقولاتی تصوّرات اور ایسے ہی دیگر امور میں سے کوئی قلبی امر بھی ظاہر نہ ہوتا جواب انسان سے اس آسانی سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیونکہ جب دل بلا ارادہ اس کام میں مشغول ہے تو یقیناً اس کام کو احسن طریق سے سرانجام دے گا۔ تیسرے یہ کہ اگر دلوں میں خیالات کی صلاحیت نہ ہوتی تو انسان کو ذکرِ قلب میں بھی دوام حاصل نہ ہوتا۔ حق تعالیٰ کی دائمی آگہی بھی میسّر نہ ہوتی۔ یہ تو دائمی حدیثِ نفس کی اہلیت ہی ہے جو ذکر و آگہی کے دوام کا موجب بنتی ہے۔ اور بندوں کو بغیر کسی خلل و فتور کے یادِ خدا میں مشغول رکھتی ہے۔ لیکن اس کے نقصانات بھی ہیں۔ پہلا ضرر یہ کہ یہی خیالات باطنی پریشانی اور کدورت کا باعث بن جاتے ہیں۔ اور مشاہدہ حق میں حجاب کا موجب، اور انسان کو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کر دیتے ہیں جن کی تفصیل بہت طویل ہے۔ دوسرے یہ کہ ان خیالات کے ساتھ شیطانی وسوسے بھی دل میں گھس آتے ہیں۔ وہ ختّاس (شیطانی وسوسے) اسی راہ سے قلبِ انسانی میں گھستے ہیں۔ دیکھئے یہ آیت کریمہ کہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے، لہٰذا مفید مطلب اور ضروری خیالات کو تو ضرور دل میں راہ دینی چاہیے لیکن ضرر رساں اور زائد خیالات کو دل و دماغ سے نکال دینا چاہیے اور ان کی بجائے

Marfat.com

نفس کو ذکر اذکار و اوراد میں مصروف رکھنا چاہیے۔ نفس کبھی بے کار نہیں رہ سکتا۔ قبل اس کے کہ بیہودہ خیالات میں مشغول رہے اُسے نیک خیالات میں مصروف کر دیا جائے۔ مثلاً اسم اللہ کا ورد اور اس اسم کے نقش یا تصوّر، نفی و اثبات کا ذکر اور ذاتِ بے کیف کی طرف کامل توجہ، اللہ تعالیٰ کی صفات کے مشاہداتی نقوش اس سلسلہ میں بہت مفید ہیں۔ اور ان کلمات کا بار بار قلبی ذکر، ان کے معانی سمیت یعنی کہ اے اللہ! تو حاضر ہے، اللہ تعالیٰ ناظر ہے اور سننے والا ہے۔ اے اللہ! تو شاہد ہے، نہایت مفید ذکر ہے۔ اور جب ان الفاظ کے توسّط کے بغیر ہی نفس ذات پاک کی طرف متوجہ ہو جائے تو ان الفاظ کو دل میں لانے کی حاجت نہیں رہتی۔ اسی طرح اپنے آپ کو اللہ کی طرف متوجہ

———— رکھنا چاہیے اور اس باطنی کشش پہ اکتفا کر کے زبانی ذکر اذکار میں مشغول رہنا چاہیے اور زبان سے کلمہ طیبہ اور درود شریف کو اس کی آگہی و عرفان سمیت زبان سے بار بار دہرانا چاہیے۔ اور نماز میں بھی وقت اس بے خیالی کی کیفیت میں صرف کرنا چاہیے یا قرآن حکیم کی تلاوت میں شرح صدر اور قلبی سرور کی کیفیت سمیت مصروف رہنا چاہیے۔ اور اُس باطنی عرفان پر تکیہ کر کے ان سب عملوں اور شغلوں کو ترک نہ کر دینا چاہیے۔ کیونکہ ان عملی عبادات کی برکت باطنی ذکر اذکار اور مشغولیت کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔ اور باطنی ذکر اذکار کے الفاظ اور ان کی مشغولیت اپنے مدلولہ معانی کے تصوّر کے استحکام و تقویت کا موجب ہوتا ہے اور ان معانی کا تصوّر حالات و کیفیات قرب کا ثمرہ بخشتا ہے۔ پاک کلمات اور نیک اعمال اوپر کی طرف چڑھتے ہیں۔ پس ظاہری، باطنی، لفظی، اور معنوی طور پہ ہمہ اوقات یادِ حق میں مشغول رہنا چاہیے، ورنہ بزرگوں کی صحبت کی برکت سے پیدا ہونے والی حضوری و مشاہدے کی وہ کیفیت بُرے افعال اور لہو و لعب کی کدورتوں اور نیک اعمال اور افعال کے ترک کر دینے سے باطن سے زائل ہو جاتی ہے۔ اور نیک اعمال میں مشغول ہونے کا ادنیٰ امرتبہ یہ ہے کہ فرض عبادات و واجبات اور موکدہ سنّتیں ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائیں۔ نفلی عبادت کی جتنی توفیق بھی حاصل ہو بہتر ہے۔ ہاں اگر ان میں کوئی کوتاہی نہ کرے گا تو انشاء اللہ باطنی نسبت میں کوئی خلل پیدا نہ ہوگا۔ اور بُرے افعال سے رکے رہنے کا ادنیٰ امرتبہ یہ ہے کہ سالک ان امور کا ہرگز ارتکاب نہ کرے جن کا حرام ہونا قطعی طور پر ثابت ہے

Marfat.com

اور اگر کاموں میں عزم و پختگی دکھائے اور مباحات کو بھی اپنے اوپر روا نہ رکھے، تو یہ بذات خود تقویٰ ہے۔ اور بہت بہتر ہے، کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی مکرّم ہے جو متّقی و پرہیزگار ہو۔ لیکن اتنی رعایت بھی ملحوظ خاطر رکھی جائے تو باطنی نورانیت میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا اور زبانی ذکر اذکار اور اوراد و وظائف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ تیرا کوئی دن بھی قرآن پاک کی تلاوت کے بغیر نہ گزرے، خواہ کتنی تھوڑی سی کیوں نہ ہو۔ اور ہر روز کلمہ طیبہ اور درود شریف کے ذکر و ورد میں کوتاہی واقع نہ ہو، وہ ورد خواہ سینکڑوں تک محدود ہو اور ہزاروں تک نہ پہنچے اور رسول اللہ سے منقول بعض دعاؤں کے ذکر کو صبح شام اور سوتے وقت پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے کے ورد اور دیگر ورد وظیفوں کو روزانہ کا معمول بنا کر ناغہ نہ کرے۔ اگر اس سلسلے میں مزید اضافہ کرے تو بہتر ہے۔ سب سے بہتر یہ کہ وقت کا کوئی حصّہ یا لمحہ ضائع نہ کرے اور نہ ہی کوئی کوتاہی کرے۔ باطنی مشغولیت کے سلسلے میں اسم ذات کا ذکر لطائف خمسہ سمیت جو قلب و روح و سرّ و خفی و اخفی پر مشتمل ہیں کافی ہے۔ ان لطائف خمسہ کے ضمن میں روح و جسم پر نیک آثار خود بخود نمودار ہو جائیں گے۔ ان لطائف خمسہ کی طرف متوجہ ہو کر اکثر و بیشتر ذکر اذکار میں مشغول رہنا چاہیے۔ کہ یہ امر باطنی ترقّی اور نسبت الٰلیہ کی زبردست ترقی کا باعث بنتا ہے۔ اور مزید کہاں تک بیان کیا جائے کیونکہ عاقل کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔ غرضیکہ حواس کی پراگندگی اک بڑی زبردست آفت ہے اور علمی پریشانی اک عجیب مصیبت ہے۔ رباعی:

نے مار گزید درد نہ عقرب نیشم
ہوش ست کہ کردہ اینہمہ دل ریشم
فرق من وتو باعث این تفرقہ ہاست
قربان تمیز بے تمیز خویشم

ترجمہ رباعی: نہ تو مجھے سانپ نے ڈسا اور نہ ہی بچھو نے ڈنگ مارا۔ یہ تو میری اپنی ہوش ہی ہے جس نے میرے دل کو زخمی کر رکھا ہے۔ من و تو کی یہ تمیز ہی ان تمام تفرقوں کا باعث ہے میں اپنی اس تمیز بے تمیزی پر قربان جاؤں کہ مجھے عجیب مصیبت میں گرفتار کر رکھا ہے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) سانپ اور بچھو سے مراد مطلق موذی اور ضرر رساں امور ہیں جو حضرت انسان کے ایذا و ضرر کا موجب بنتے ہیں۔ خواہ وہ دنیاوی ایذا کا سبب بنیں خواہ اخروی نقصانات

Marfat.com

کا باعث ہوں۔ اور ڈسنے اور ڈنگ مارنے سے مراد ہے ان امور کے تقاضوں کا انسان کے ظاہر و باطن پہ اثر انداز ہونا۔ لفظ ہوش سے مراد علمی حالت، افاقہ اور کلیّات کی سمجھ اور جزئیات کے تصوّر سے ہے۔ اور دل ریش کردن سے مُراد ہے دل کا پریشان اور احوال کا پراگندہ کرنا اور دل شکستہ اور مایوس کرنا ہے۔ اور دُنیاوی عذابوں اور اخروی عقوبتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ فرق من و تو کے کلمات سے مُراد اعتباری مراتب کے امتیازات اور موہومہ نفسانی گمانوں اور نخوتوں سے ہے اور ان تفرقوں کا اشارہ تمام تشویشوں اور تردّدوں کی طرف ہے جو انسان کو دُنیا میں پیش آتے ہیں۔ لفظ قربان کے معنی فدا ہونے کے ہیں جو کئی مواقع پہ استعمال ہوتا ہے، لیکن یہاں بطور طنز کے ہے تمیز سے مراد عقلی اور متمیّز کرنے والی قوت ہے اور بے تمیزی سے مراد ہے عقلی مضرات اور قوّت ممیزّہ کا آفات کا ادراک نہ کر سکنا۔ حاصل مطلب یہ کہ انسانی حقیقت اپنی حالت سے اپنی نوع انسانی کے تمام افراد کے متعلق خبر دیتی ہے۔ بظاہر ایک شخص ہی اپنی زبان سے کہتا ہے کہ نہ تو بظاہر مجھے دُنیا کے موذی امور کی مقتضیات کی تاثیر کے سانپ نے ڈسا ہے جو میری ایذا کا موجب ہوتا اور نہ ہی دُنیا کی ضرر رساں اشیا کے بچھو نے اپنے لوازم کی تاثیر دکھا کر میرے باطن پہ ڈنگ مارا جو میرے لیے دُنیا و آخرت میں مضر ہوتا۔ بلکہ یہی میری علمی حالت، افاقہ، کلیّات کی سمجھ کی کیفیت اور جزئیات کا تصور ہی ہے جس نے مجھے پریشان حال اور پراگندہ خاطر، شکستہ دل اور مایوس و نومید کر رکھا ہے۔ اور مجھے دنیوی عذابوں اور عاقبت کی عقوبتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اور دل پہ آنے والے یہ طرح طرح کے زخم مجھے انسانی عقل و ہوش ہی کی بدولت لگے ہیں۔ کیونکہ اعتباری مراتب کے امتیازات اور موہوم نفسانی نخوتیں جو "من و تو" اور "تو و اُو" کے فرق سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہی تفرقے ان تمام تشویشوں اور تردّدات و تفکّرات کا باعث ہیں جو انسان کو اس دنیا میں پیش آتے ہیں۔ پس میں اپنی اس تمیز بے تمیزی پہ قربان جاؤں اور اپنی مجہول قوّت عاقلہ کے وارے وارے جاؤں جو عقلی مضرّات کو کبھی نہ پا سکی۔ اور ان تمام عقلی بلاؤں میں مبتلا کر دیا۔ اور قوت ممیزّہ کی آفات کا مطلق ادراک نہ کیا اور این و آں کے سمجھنے میں گرفتار رہے اور یہ استعمال طعن و تشنیع کے موقع پر کیا جاتا ہے، جیسے کہ واہ قربان جاؤں تیرے شعور کے، یا واری جاؤں تیری عقل کے جس سے مراد ہوتی ہے کہ واہ تیرا شعور اور واہ تیری عقل کے، یعنی مراد یہ ہوتی ہے کہ تو عقل و

Marfat.com

ہوش سے بالکل بے بہرہ ہے۔ بہرکیف ہم ہی ہیں جو اپنے افعال اور اقوال کی بنا پر جزا و سزا کے مستوجب ہیں پس ہم خود آپ ہی لپٹنے کیلیے بلا ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے بغیر اپنی خودی کی کال کوٹھری سے کسی طرح باہر نہیں آپاتے۔ سبحان اللہ ہم خود ہی اپنے لیے وبالِ جان ہیں۔ یہ کلمۂ سبحان اللہ جس طرح تعریف و توصیف کے موقع پر بولتے ہیں، اسی طرح تعجب و حیرانی کے مقام پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور یہاں مراد یہی دوسرے معانی ہیں۔ یعنی کہ یہ اک طرفہ تماشہ اور عجب ماجرا ہے کہ حضرت انسان خود ہی اپنے لیے وبال بن گیا۔ اگرچہ اس کیفیت کو متکلّم (شاعر) نے اپنی ذات سے منسوب کرکے کیا ہے مگر اس کا اصل مقصد و منظور کل انسانیت کی حقیقت سے ہے۔ میں نے ضمیر متکلّم کو غیر کے لیے استعمال کرکے اس مطلب کی مزید وضاحت و صراحت کردی ہے یعنی یہ نوع انسانی کے تمام افراد کے حال کا بیان ہے اور ہر آدمی جب تک زندہ ہے۔ قیدِ حیات میں گرفتار ہے۔ اور اختیار کا وہم ہونے کے باوجود بھی بے اختیار ہے۔ اور اپنی قوّت وادراک و فہم میں مجبور و لاچار ہے۔ اور اس سبب کے باوجود دُنیا و آخرت کی صلاح درکار ہے۔ اور اس آیت کریمہ کہ جو عمل تم نے کمائے ان کے تم ذمہ دار، اور جو ہم نے کمائے وہ ہمارے ذمّے کے بموجب انسان اپنے ہی اعمال و اقوال کے وبال میں گرفتار ہے۔ اور اُس آیت کریمہ کہ قیامت کے دن کوئی دوسرا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا کے بموجب اپنے ہی گناہوں کا بوجھ اُٹھائے گا۔ مصنف کا شعر ہے۔ ؎

دردِ سرِ ما ہمان سرِ ماست　　　　بارے کہ بدوش ماست دوش ست

(یہ ہمارا سر ہی ہماری ساری سردردی کا باعث ہے۔ ہمارے کندھوں پر خود ہمارے ہی کندھوں کا بوجھ ہے)۔ پس ہماری اس ہستی کے علم اور بُرے بھلے اُمور کے امتیاز اور نفسانی اور طبیعی ملائمات اور لذتوں نے دو جہانوں کی آفات کو انسانوں کے سر پر لاد رکھا ہے اور خودی کی اس کال کوٹھڑی سے خدائی امداد کے سوا نجات کا اور کوئی رستہ دکھائی نہیں دیتا۔ ہم ہمیشہ اپنے ہی شکنجے میں کسے ہوئے ہیں۔ اور طرح طرح کے موہوم پھندوں اور مرسوم بندھنوں میں گرفتار ہیں۔ ہمارا ایک ایک عضو، بموجب اس فرمان کے کہ کلام کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں، ہمارا اپنا دشمن ہے۔ ہمارے بدن کا رواں رواں بلاؤں کے جال کے دھاگے ہیں۔ آنکھ وہ جال ہے

Marfat.com

جو ہمیشہ ہماری نظر بندی میں محو ہے۔ اور ہر چند کہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنی نظر سے اوجھل ہو جائیں اور قطعاً اپنے آپ کو درمیان میں نہ دیکھیں اور ہمیں ظاہری اور باطنی طور پر مشاہدۂ ذات حاصل ہو جائے اور ہمیشہ اسی حال میں مستغرق رہیں۔ جس طرح اللہ کی عنایت سے باطنی آگاہی کا دوام رکھتے ہیں۔ اسی طرح ظاہر میں بھی کسی وقت مراقبہ سے سر نہیں اُٹھاتے۔ لیکن فرض نمازوں اور موکدہ سُنتوں کی ادائیگی میں یہ حالت نصیب نہیں ہوتی۔ اور اکثر و بیشتر بیہودہ طور پر ظاہر پہ نظر جمائے رہتے ہیں۔ اور اپنی پریشان نظری کے ہاتھوں آئینے کی طرح حیران ہیں۔ اور سر سے لے کر پاؤں تک ندامت کے پسینے میں شرابور ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ معاملہ باطنی صفائی میں دخل انداز نہیں ہوتا۔ اور چشمِ بصیرت مشاہدۂ ذات سے لمحہ بھر کے لیے نہیں رُکتی۔ مگر ہمارا یہ آزاد دیسے قید دل جو انتہائی طور پہ افسردہ و پژمردہ ہو چکا ہے اپنی آنکھ کے اس قدر وا ہونے کو بھی گوارا نہیں کرتا اُدھر اپنی نگاہ میں اپنے آپ کو نظر بندوں میں شمار کرتا ہے۔ دید و باز دید تو الگ بات یہ تو گفت و شنید سے بھی آشفتہ حال ہو چکا ہے اور جانتا ہے کیونکہ آنکھوں کا یہ جال ہی ہے جس نے این و آن کا اسیر بنا رکھا ہے اور یہ کانوں کا حلقہ ہی ہے جو ہمیں دوسروں کا حلقہ بگوش (غلام) بنا کر بے اختیار ملائمات کی طرف کشاں کشاں لے جاتا ہے۔ ہم اچھی بات کو خواہ کدھر سے آئے اچھا جانتے ہیں اور سریلی صدا کے مشتاق ہیں خواہ وہ کسی ساز و آہنگ سے نکلے۔ پس وہ تمام دید و باز دید کب تلک اور یہ ساری گفت و شنید کہاں تک۔ اے خدا ہم وہم ہستی کے اسیروں کو خلاصی بخش۔ تاکہ ہم اپنی اس بے بود ہستی سے نمود و نمائش کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مکمل طور پہ قطع تعلق کر کے تیری ہی ہستی کے مشاہدے میں محو و مستغرق ہو جائیں۔ اور ظاہری طور پہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق تیری ہی عبادات و اطاعات میں مشغول رہیں۔ اور ہمیں حسبِ دلخواہ ضبط اوقات نصیب فرما۔ اور ہمیں ہمارے ہی جال سے رہائی بخش۔ جیسا کہ تو نے اپنے خاص بندوں کو رہائی بخش کر احرار (آزاد منش) بندوں کی جماعت میں داخل فرمایا اور نفس و طبیعت کی غلامی سے آزاد فرما کر اپنے بندوں کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور شیطانی مکر و فریب سے اُنھیں محفوظ رکھا اور اُنھیں قرآن پاک میں شیطان سے مخاطب ہو کر ان بشارات سے نوازا کہ بیشک جو میرے حقیقی بندے ہیں ان پر تیرا بس نہیں چلے گا تاکہ

Marfat.com

یوں ہو سکے کہ تیری عنایت و مقبولیت کی مدد سے ہم بے سروسامان بھی کثرت کے ان نقوش کو جو اوائل عمری ہی سے حواس کے توسط سے ہمارے لوحِ قلب پہ منقوش ہو کر دل میں جاگزیں ہو چکے ہیں اپنے دل و دماغ کی تختی سے مٹا ڈالیں اور ان کی جگہ تیری وحدت کے مشاہدہ کا نقش بٹھا سکیں۔ کیونکہ تیرا دستِ قدرت ہر بات کی قدرت و توانائی رکھتا ہے اور تیرے انداز کا پنجہ مٹا بھی سکتا ہے اور ثبت بھی کر سکتا ہے بموجب اس آیت کریمہ کے اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ ام الکتاب اسی کے پاس ہے۔ پس ہم غلط فہموں کے عرفانی نسخے کی تصحیح کر دے۔ اور ہمارے دل کی سطور میں سے غلط بینی کی سطر کو کھُرچ کر ہمیں سراپا حق بین بنا دے۔ اور عالی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور ان کی آل و اصحاب (ان سب پہ خدا کی سلامتی ہو) کے طفیل ہم ایسے محمدیوں کو اسلام و ایمان کے شرف سے مشرف فرما۔ اور اہلِ سُنّت والجماعت کے راہِ راست پہ گامزن کر کے ہم گنہگاروں کو بھی اپنی حضوری و مشاہدے کے نور سے منوّر فرما اور ہمیں اپنی پاک ذات کے مشاہدے میں یوں محو و مستغرق فرما کہ ماسوی اللہ کے خیالات کو ہی یکسر اپنے دل سے بھلا دیں۔ اور اپنے آپ کو سراپا تیرے شہود و وحدت ہی میں گم پائیں۔ اور عین واثر کے زوال کی حالت پیدا کر کے فنا فی اللہ ہو جائیں اور ظاہری و باطنی طور پر تیرے ذکر اور تیری یاد کے سوا اور کسی بات میں آسودگی نہ پائیں۔ اور ہم کسی ایسے قول و فعل کا اقبال ہی نہ کریں جو محض تیری خاطر نہ ہو۔ اور کسی لمحہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسنونہ اوراد و وظائف اور بدنی عبادات اور زبانی ورد وظیفوں سے فارغ اور خالی نہ رہیں۔ کہ یہی ہماری تمنا کی انتہا ہے۔ اور اسی نے مکمل ایمان اور کامل یقین عطا فرمایا ہے۔ حق بات تو یہ ہے کہ سوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مخلص محمدیوں کے کسی اور کو تیری بارگاہ قرب میں شرف باریابی نہیں۔ ہر چند کہ یہ تیری ہستی ہی کا نور ہے جو ہر جگہ چمک رہا ہے۔ اور اس آفتاب عالم افروز نے موجودات کے تمام حقائق پہ بالعموم اپنا پرتو ڈالا ہے کہ کسی فرد واحد کو بھی اپنی عام رحمت رحمانی سے محروم نہیں رکھا۔ لیکن شریعت مصطفوی کے خصوصی اتباع کا اور اسلام و ایمان کی قبولیت کا شرف اور طریقتِ محمدیہ کی سعادت کا حصول جس کسی نے پورے خلوص سے پا لیا اور شریعت کے مقام پہ فائز ہوا اور تیری خاص عنایت سے طریقِ محمدی کی اُن برکات اور تیری رحیمی کی اس رحمت سے مستفیض ہوا اُس نے تو نے مخلص محمدی مومنوں کو

Marfat.com

مختص فرمایا ہے ۔اور اسے مکمل اطمینانِ قلب حاصل ہو گیا ۔ اس نے اپنے سینے کے صحن کو شکوک و شبہات کی کدورتوں سے بالکل پاک وصاف کر لیا ، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اس فضل سے نوازتا ہے ۔ بیشک وہ بہت بڑے فضل والا ہے ۔ اے ہمارے رب ! نہ ٹیڑھا کر ہمارے دلوں کو جب کہ تو نے ہمیں ہدایت دے دی ۔ اور عطا فرما ہمیں اپنی جناب سے رحمت بے شک تو ہی عطا کرنے والا ہے ۔ اور اے ہمارے رب ! بے شک تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو اس دن کے لیے جس دن میں کوئی شبہ نہیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ یہ خاص قرب جو اس کی رحمتِ رحیمی سے متعلق ہے اور صرف محمدی مومنوں کو حاصل ہوتی ہے اور نبوت اور امامت کے کمالات سے مشروط ہے اس سے دوسرے لوگ واقف نہیں ہیں نہ وہ اسے سمجھتے اور نہ جانتے ہیں ۔ کہ خداوندِ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس قسم کے معاملات و تعلقات بھی ہوتے ہیں جو اس قربِ خصوصی کے مالکوں نے بیان فرمائے ہیں اور فرما رہے ہیں ۔ وہ تو حیران و ششدر رہ جاتے ہیں کہ بندے اپنے رب سے ایسے سوال و جواب بھی کر سکتے ہیں ۔ اور ایسی عنایات اور ایسے لطف و کرم بھی بندوں پر کیے جاتے ہیں ۔ لیکن وہ کریں تو کیا کریں کیونکہ وہ معذور ہیں ۔ کیونکہ جس نے چکھا نہیں اس نے پایا نہیں ۔ ایسے امور سے ان کی دوری کا مبداء و منشا یہ ہے کہ ضعیف الاعتقاد لوگ تو انبیائے کرام (ان پر خدا کا درود و سلام) پر کما حقہٗ ایمان لائے ہی نہیں ۔ ان کی ناقص سمجھ میں جو کچھ آتا ہے وہ انہی معاملات کو سمجھ سکتے ہیں ۔ اور اپنی اسی مجبوری و لاچاری کے باعث کہ مسلمین کی جماعت میں شامل ہیں ۔ زبانی تو ان امور کا اقرار کرتے ہیں لیکن ان مطالب کی حقیقت کو اپنے ذہنوں میں اپنے خیالات کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں ۔ اور وہ اپنی سوجھ بوجھ کے عمل دخل کے بغیر اس طرح ایمان بالغیب نہیں لاتے جیسے کہ ائمہ کبار رض اور صحابہ کرام رض لائے ۔ وحی کو محض خیالی اور خیالاتی چیز سمجھتے ہیں اور جبرائیل علیہ السلام کو عقلِ عاشر (دسویں عقل) خیال کرتے ہیں ۔ اور شرعی امور کو عقلی قوت سے متعلق سمجھتے ہیں ۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بس اسی قدر اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے آپ سے زیادہ عقل مند شمار کرتے ہیں ۔ اور علیٰ ہذا القیاس نبوت کے تمام امور کو عقل اور فہم و فراست کی قسم ہی جانتے ہیں ۔ لہٰذا جب انھیں انبیائے کرام جو منصبِ نبوت کے براہِ راست مالک تھے ،

Marfat.com

یسے معاملات پر ہی شک و شبہ ہے بلکہ وہ انبیائے کرام نے جو خبریں بھی دی ہیں اُنھیں ہرگز قبول ہی نہیں کرتے۔ اور اُسے اور ہی کچھ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو عوام کے لیے تعبیریں اور تاویلیں ہیں تو پھر بھلا اولیائے کرام ان کے نزدیک کس شمار میں ہیں جو انبیائے علیہ السلام کا اتباع کرکے نبوت کے کمالات تک پہنچے اور براہِ راست ان معاملات سے مستفیض نہیں وہ ان پر یقین کریں تو کیسے؟ ان کی اس ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں بموجب اس آیت کریمہ کے کہ بعض بنا رے ظن و گمان میں پڑے رہتے ہیں انھیں ان معاملات سے محروم رکھا ہے۔ اور ان پر اس کے کشف کا دروازہ نہیں کھولا۔ وہ جیسے فلسفیانہ عقیدے رکھتے تھے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے انھی کے مطابق دید و فہم عطا فرمائی۔ اور جو امور کارخانۂ ولایت سے متعلق ہیں اسی قدر مستفیض فرمایا اور کثرت میں وحدت کے مشاہدے کے معاملے اور تہذیب اخلاق اور علمی مطالب اور روحانی الہامات اور تصوف کے مسائل بھی اُنھوں نے اپنی عقل و فہم کے مطابق ہی حاصل کیے۔ وہ کمالاتِ نبوت کے اُس قرب سے جو عقل و اکتساب سے متعلق نہیں اور محض خدائی انتخاب اور برگزیدگیوں کی بنا پر نصیب ہوتا ہے وہ بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اور اپنے خیالات میں نبوت کے کمالات کے مالکوں پر بڑے اعتراضات تراشتے ہیں۔ اور اسے عرفان و معرفت کی کوتاہی پر محمول کرتے ہیں، صاحبو! تمھارے یہ اصحاب ان معاملات سے بالکل مطلع نہیں ہوتے۔ لہٰذا وہ یہ تمام دُوری کیوں اختیار کرتے ہیں جیساکہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ کیوں تم حجتیں کرتے ہو اس بارے میں جس کا تمھیں علم نہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، وہ بزرگوار بڑی عقل رسا، صحیح عرفان اور کامل علم رکھتے تھے اور ان مطالب کو جو تم بیان کرتے ہو خوب احسن طریق سے سمجھتے تھے۔ اور اُنھیں ابتدائی دور میں بھی ولایت کے معاملات بڑی شدّومد سے پیش آئے جیساکہ ان بزرگوں کے کلام میں اکثر و بیشتر جگہوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اور از بسکہ اپنے باطن کے باطن میں نبوت کے معاملات پر جس طرح کہ ان کا قرآنی آیات اور احادیث نبوی کی عبارات کی روشنی سے بآسانی استفادہ کیا جا سکتا ہے زبردست عقیدہ اور قوی ایمان رکھتے تھے۔ آخر کار اس نورِ ایمانی کی برکت سے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ان معاملات کے معانی ان پر آشکارا فرمائے اور محض اپنی خصوصی مقبولیت سے نبوت و امامت کے کمالات کا مقام عطا فرما کر ممتاز کیا۔ لہٰذا یہ معاملہ تصوف کے مسائل کی طرح درس و تدریس سے

Marfat.com

متعلق نہیں جسے سمجھایا جا سکے اور نہ ہی فلسفیانہ مطالب کی طرح دلائل اور براہین سے وابستہ ہے جس پر بحث و تمحیص کی جا سکے۔ لہٰذا اس امر کی خبریں معاملۂ نبوت کی سنت ہی پر بیان کی گئیں جیسا کہ کلام الٰہی میں ہے۔ پس جو چاہے لے لے اپنے رب کی طرف راستہ۔ اور اگر ایسا نہیں تو تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔ اور میں نہیں ہوں مگر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔ اے خدا ہر چند کہ اپنے احاطۂ عام سے تو نے ہر شے کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے۔ ہم کسی چیز کو بھی تیرے نورِ وجود کے پرتو سے خالی نہیں دیکھتے، لیکن اپنی اس خاص معیت سے اس آیت کریمہ کے بموجب غم نہ کھاؤ، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تیری وہ رفاقت حزن و ملال کو رفع اور غم و اندوہ کو دفع کرنے والی ہے۔ ہمیں اپنی عنایت کا کامل حصہ عطا فرما، اور اپنی معیت کے شرف سے مشرف فرما۔ جیسے ان آیات قرآنی اور ایسی ہی دیگر آیات سے عیاں و ظاہر ہے۔

لہٰذا اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ہمیں نطق دیا اللہ نے جس نے گویائی بخشی ہر چیز کو۔ ہر منہ تیری ہی باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور ہر زبان تیرے ہی لیے آواز کلام اور صدا کی ترجمان ہے لیکن اس کلام پاک کی برکات جو ان آیات سے ظاہر ہیں کہ سب تعریف اللہ کے واسطے ہے جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب (قرآن) نازل فرمائی اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہ رکھی، وہ برکات ہم کمترین محمدیوں کے باطنوں پر بھی نازل فرما۔ اور ہم ادنیٰ مومنین پر اس کلامِ پاک کے اسرار و رموز منکشف فرما جس کے متعلق تو نے خود فرمایا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں اور ہر چند کہ نکتہ سنج عارفوں اور باتوں کو بغور سننے والے خوش بختوں کے نزدیک سننے جانے والے سارے کلمات کا ہر لفظ و کلمہ درحقیقت تیری ہی جانب سے ہے۔ اور ہر بات تیرے ہی دہنِ پاک کی اک رمز ہے۔

اور ہر کلام سے ذرہ تیرا ہی پیغام سنتے ہیں اور فوائد حاصل کرتے ہیں۔ لیکن ہم بھی اُمید رکھتے ہیں کہ ہم ہرزہ سراؤں کی زبان پر ہر وقت کلمہ طیبہ لاالٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا ورد جاری رہے۔

اور ہمارے غفلت شعار دلوں میں ہر وقت اس مقدس کلمہ طیبہ کے معانی مثبت رہیں۔ اور نفی و اثبات کے حالات و کیفیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عین مرضی کے مطابق راسخ ہو جائیں تاکہ اپنی خودی کو بالکل فنا کر کے فنافی الرسولؐ ہو جائیں اور اس فنافی الرسولؐ کے لباس میں فنافی اللہ کے شرف سے مشرف ہو جائیں۔ اور شریعت کی صورت سے حقیقت تک جا پہنچیں اور وسطی احوال

Marfat.com

یں حالتِ جمع کا غلبہ پورے جوش و خروش سے عروج پر تھا اور مستی کی کیفیت پورے جوش پر تھی۔ اس گنہگار بندے کے منہ سے جو کلمات بھی نکلے ہوں اُنھیں معاف فرما اور میری بیہودہ گوئی پہ نظر نہ رکھ۔ اور کلام الٰہی کی منسوخ شدہ آیات کے صدقے میرے ان متروکہ اقوال کو بھی میرے دل و دماغ کے صحیفے سے مٹا دے۔ جس طرح اپنی مقدس کتاب کی ناسخ آیات کی برکت سے میری تصانیف میں آنے والی عبارات کی حفاظت فرمائی ہے اور اُنھیں صحیفۂ روزگار پہ ثبت اور رقم فرما دیا اور اپنے کلامِ پاک کی ان آیات کے طفیل حکم کے لحاظ سے منسوخ ہونے کے باوجود قرأت کے لیے منسوخ نہیں ہیں۔ میرے ان معقولہ مقولوں کو جو میں نے ابتدائی اور وسطی ادوار میں لکھے یا کہے اور آخر کار ایمانی نور کی بنا پر اس تکرار کے بدلے میں دیگر مکمل اور کامل کلمات نصیب ہوئے اور ان پہلوں سے کوئی سروکار نہ رہا۔ جب مجھے شہرہ آفاق بنا ہی دیا تو اس پہ ثابت قدم رکھتے ہوئے مجھے اور دیگر سامعین کو منفعت بخش اور مجھے اور سامعین کو ان کی ضد سے محفوظ رکھ۔ اور اُنھیں ہمارے دل کی تختیوں سے مٹا نہ دے۔ کیونکہ وہ فوائد سے خالی نہیں ہیں، اور مجھے اور میرے تابعین کو ان تمام کے پڑھنے بلکہ ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عنایت فرما۔ اور ان علوم و معارف کے خاتمے کے مطابق جو حسنِ خاتمہ سے متعلق ہیں مجھے اور میرے پیروکاروں کو نصیب فرما۔ ہر چند کہ اپنے وقت میں وہ تمام مطالب بھی سراسر خیر و برکت ہی تھے اور سب کے سب تیرے نورِ ہدایت سے روشن ہوتے تھے اور تیری توحید کے اسرار و رموز کا انکشاف اور تیرے وجود کی نسبت عینیّت کی صراحت اور مخلوق کی نمود بے بود کی غیریت کے شبہات کو رفع کرنے والے تھے لیکن عمر کے اس آخری حصّے میں اپنی خاص مقبولیت اور رسولِ پاک صلعم کے صدقے اب جن حقائق و معارف کا مجھ پہ القا اور انکشاف فرمایا ہے نہ یہ بالکل ایک الگ چیز ہے۔ اور ایک اور ہی مقام سے پھوٹنے والے ہیں۔ جس کے ادراک سے عقل قاصر اور محروم ہے۔ اس مرتبۂ معلوم تک ذہن کی رسائی فقط ایمانی نور اور رحمانی برگزیدگی ہی سے ہوتی ہے۔ ہر چند کہ یہ معاملہ سالہا سال سے شروع ہو چکا تھا۔ اور ابتدا ہی سے میری ہر تصنیف میں جہاں کہیں توحید وجودی کے مطالب کا رنگ ظاہر ہوا اس کے ساتھ ہی حفظِ مراتب اور پاس و لحاظِ شریعت اور امتیازِ بندگی کا رنگ بھی یقیناً ہمراہ رہا۔ اور خدانخواستہ وحدت الوجودی صوفیا کی طرح ایسے کلمات جنھیں خلاف شرع

Marfat.com

قرار دیتے ہیں۔ مستی کے غلبے کی حالت میں بھی میری زبان پر نہ آئے۔ اور جب کہ یہ نسبت پوری تقویت پکڑ کر اپنی انتہائی حد کو پہنچ چکی ہے۔ اور مجھے کامل ہشیاری نصیب ہو چکی ہے۔ اور قرب خاص محمدی بھی عنایت ہو چکا ہے۔ اور شریعت کی حقیقت بھی کھل کر واضح ہو گئی ہے۔ میرا ایمان حق الیقین کے نور سے منور ہو چکا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی معیت میری چشم بصیرت کا نصب العین بن چکی ہے، ایک اور ہی معاملہ درمیان میں لے آئے، کیا کہوں کہ وہ کہاں سے کہاں تک جائیں۔ خدا کا سو شکر اور الحمد للہ کہ اس آیت کریمہ کے بموجب کہ ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں یا کم از کم ویسی ہی۔ معارف میں سے جو کچھ منسوخ کروایا کشف و کرامت سے اس سے بہتر سے نوازا۔ ادھر حقائق میں سے جو کچھ بھلا دیا ایسے ہی حقائق کے القا و الہام سے مشرف فرمایا۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ بہر حال سلوک کے ابتدائی دور میں جب کہ ہماری طریقت کی جوانی کے غلبے کا موسم ہوتا ہے۔ یہ رباعی جس کا ذکر آرہا ہے ایسی رباعیاں یا بیانات ہماری ہرزہ سرا زبان سے نکلے، کہ اب ہم ان جیسے مقولوں پر استغفار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ **رباعی:**

گاہے سخنی از دہنش مے گفتم
گہ از دہن خود سخنش مے گفتم
افسوس ز علم نا شناسا ایک عمر
او بود کہ در دہن منش مے گفتم

ترجمہ رباعی:۔ کبھی تو میں اس کے دہن سے بات کرتا تھا اور کبھی اپنے دہن سے اس کی باتیں کرتا تھا۔ اس مدت العمر کی علمی ناشناسائی پر حیف و صد افسوس، کہ اپنی غلط بینی کی بنا پر میں اُسے اپنے آپ سے تعبیر کرتا رہا، ۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) جو معانی فوری طور پر ذہن میں آتے ہیں۔ اور الفاظ بھی ان پہ دلالت کرتے ہیں اور الفاظ بھی ان پر صریحاً دلالت کرتے ہیں اور جو صوفی منش لوگوں کے مذاق کے عین موافق اور پسندیدہ ہیں ظاہر ہے کہ وہ وجودی توحید کے مطالب بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ رباعی کی ظاہری عبارت سے بھی یہی کچھ اخذ ہوتا

Marfat.com

ہے لیکن وہ معانی جو میرے موجودہ مقام کا ماحصل ہیں۔ اور اب جو کچھ میں اس رباعی کے معانی بیان کرتا ہوں یہ ہیں کہ شاعر راہِ سلوک میں پیش آنے والے حالات و واقعات کی خبر دیتے ہوئے کہتا ہے کہ کبھی میں کوئی بات اس کے دہن سے کرتا تھا، یعنی اس کے بعض اوصاف کی توصیف کرتا تھا، جس طرح عالمِ تشبیہہ میں دہن بھی انسانی اعضا میں سے ایک عضو ہے۔ اسی طرح عالمِ تنزیہہ میں دہن سے مراد اس کے اوصاف میں سے بالعموم بغیر کسی تخصیص کے کوئی ایک وصف ہے نہ محض صفتِ کلام کہ لفظ دہن کے مناسب ہے کیونکہ لفظ دہن یہاں لفظ و سخن کی دہن سے مناسبت کی وجہ سے ہے۔ اور دونوں مصرعوں میں بڑے عمدہ اور احسن طریق سے اس کی تکرار کی گئی ہے۔ اور منظور و مقصود اعضا کا ذکر اور معشوق کے اوصاف کا بیان ہے۔ جو ہر وقت عشاق کے پیش نظر رہتا ہے نہ کہ فقط دہن کی یاد تاکہ اس سے فقط صفتِ کلام مراد لی جائے۔ گو کہ اوقات میں سے بعض وقت خاص یہ خاص صفت بھی مذکور تھی جس طرح کہ عین روا ہے۔ کہ مختلف لمحات میں کسی کے فقط دہانِ محبوب ہی ذہن میں ہو۔ لیکن وہی پہلے معانی ہی مراد لیے جائیں تو بہتر ہے اور کبھی میں اس کے دہن سے بات کرتا تھا، یعنی حالتِ شوق کے غلبے اور مشاہدے میں اضطراب و اضمحلال کے باعث اس کا دہن ذہن میں رہ جاتا ہے۔ اور عشق و عاشقی کے عالم میں ایسی بوالعجبیاں اکثر ہو ہی جاتی ہیں اور اس حالت کو صوفیا قربِ نوافل (زائد نیکیوں) سے تعبیر کرتے ہیں یعنی حق تعالیٰ اللہ ہے اور بندہ فاعل جیسے کہ قربِ فرائض اسے کہتے ہیں کہ حق فاعل ہو اور بندہ آلۂ باری تعالیٰ۔ ہمیں ان اصطلاحات سے کوئی سروکار نہیں۔ تو یہ اطلاع کے لیے کہہ دیا گیا ہے وہ جانیں اور ان کا کام۔ رباعی کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب میں اس کے اوصاف و کمالات کے بیان میں مشغول تھا۔ اور کبھی اس کی یاد کی شدت کی بنا پر اسی کے خیال میں محو ہو کر اسے رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب سمجھتا تھا، لیکن افسوس اور صد حیف اپنے اُس ناشناسائی اور دریافت کی نابینائی (اندھے پن) پر کہ ایک مدت تک مستی کے احوال کے غلبے کے باعث میں غلط بینی اور اُس سے انتہائی قرب کی بنا پر اُس کے لیے لفظِ "من" (میں خود) استعمال کرتا رہا اور اُسے اپنے آپ سے متحد گمان کرتا رہا۔ اب جب کہ میں مستی کے بعد ہُشیاری اور جمع کے بعد فرق کے مقام پر پہنچا اور شریعت کی حقیقت کے نور سے تیز بین ہوا تو مجھے آخر کار پتہ چلا کہ ہم تو مٹی کا مال ہیں اور

Marfat.com

وہ رب الارباب ہے۔ وہ وہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں میں ہی ہوں اک عاجز انسان جو اس کی مخلوق ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور واحد و یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ (ان پر خدا کی تمام سلامتیاں اور درود ہو)

Marfat.com

هوالناصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو صبور اور جلیل ہے۔ اور وہی میرے لیے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔ اور درود وسلام ہو اس کے رسول محمد صلعم پر جو صبر جمیل والے ہیں۔ اور آپ کی آل رضؓ اور اصحاب رضؓ پر جو بہت بڑی قدر و منزلت والے ہیں۔ امابعد پس یہ اٹھترواں باب ہے جو صبر جمیل سے موسوم ہے۔ اور صبر جب منسوب کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف تو یہ تاخیر اور افعال میں تیزی نہ کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ پس اللہ صبور ہے۔ کرتا ہے جو چاہتا ہے اپنی حکمتِ کاملہ کے تقاضے کے تحت اور مشیت شاملہ کے تقاضے کے تحت اور پیدا کرتا ہے زمانوں میں ایک کے بعد ایک چیز، اور ظاہر کرتا ہے علل و معلولات سے، ایک معاملے کے بعد دوسرا معاملہ، اور ہر روز وہ اِک نئی شان میں ہوتا ہے اور جب نسبت دی جاتی ہے بندوں کی طرف تو یہ مصیبتوں اور تکلیفوں میں تحمّل کے بارے میں آتا ہے۔ جیسے اللہ عزّوجل نے فرمایا کہ بشارت دے دو صبر کرنے والوں کو، جب انھیں پہنچتی ہے کوئی مصیبت تو وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں یعنی بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ پس اگر ہوتا ہے صبر بندے میں تامّل اور تکلّف کے ساتھ تو یہ صبر جمیل نہیں اُسے تصبّر کہتے ہیں۔ اور اگر ہوتا ہے اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ اور بغیر تصنع کے، پس یہ صبرِ جمیل ہے۔

Marfat.com

اور اسے رضا کہتے ہیں ۔ پس جہاں تک رضا سے موسوم کرنے کا تعلق ہے تو یہ صبر کا امور قضائیہ کے ساتھ کلیتہً اور اطلاقاً تعلق کے اعتبار سے ہے ۔ اسی لیے خاص کیا رضا کو قضا کے ساتھ عموماً اور کہا جاتا ہے کہ راضی بامر اللہ یا راضی بقضائے الٰہی اور اس کا موسوم کرنا صبر سے تو یہ صبر کا امور قضائیہ کے ساتھ جزئی اور تقییداً تعلق کے اعتبار سے ہے ۔ اسی لیے خاص کیا گیا صبر کو آزمائش کے ساتھ خصوصاً اور کہا جاتا ہے کہ صبر کرنا مصیبت پر کیونکہ نفس کا راضی ہونا جزئی معاملے کے ساتھ جو کہ طبیعت کے مخالف ہوتا ہے غیر معقول ہے ۔ اس کے سوا نہیں کہ نفس اس پر صبر کرتا ہے ۔ پس اصحابِ نفوس کاملہ ہوتے ہیں راضی اللہ تعالیٰ کے تمام افعال سے اجمالاً اور اطلاقاً اور صبر کرتے ہیں طبیعت کے لیے ناپسندیدہ اور مخالف تقدیرات الٰہی سے ۔ اور شکر کرتے ہیں ان مرغوب امور پر جو طبیعت کے پسندیدہ ہوتے ہیں ۔ کیونکہ شکر مخصوص ہے نعمتوں کے ساتھ ۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے ۔

صبرِ جمیل اور ربِ جلیل کی رضا کے بیان کا باب

صبر وہ حالت ہے جو قلب پر وارد ہوتی ہے ۔ اضطرار کی طرح کہ وہ بھی ایک حالت ہے جو دل پر چھا جاتی ہے اور اکثر اوقات ان ہر دو صورتوں میں انسانی اختیار کو عمل دخل نہیں ہوتا کہ بعض اوقات وہ بے اختیاری میں بعض امور میں مضطر ہو جاتا ہے اور بعض امور خواہ وہ کتنے سخت ہوں اور نفس کے لیے ناگوار ہوں اور دوسروں کی نگاہ میں بھی بڑے کٹھن اور کڑے دکھائی دیتے ہوں بسا اوقات بڑی بے تکلفی سے صبر کرتا ہے اور ان بلاؤں اور مصیبتوں کو بڑی شائستگی سے برداشت کرتا ہے گویا کہ وہ مصیبت اس پر آئی ہی نہیں اور صبر کی ایسی حالت تو محض تائیدِ ربّانی، قدسیوں اور فرشتوں کی راہ اور ارواحِ جلیلہ کے فیض اور نورِ ایمان کی نورانیت اور عقل و عرفان کی تاثیر سے فقط شریف النفس اور تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب والے عالی ہمت لوگوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے ۔ اور یہ الہامی صبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے القا ہوتا ہے، اور اللہ کی طرف سے القا ہونے والا یہ صبر دو وجوہ سے ہوتا ہے ۔ ایک نفس پر القا ہونے والا صبر جو قوی نفوس والے اصحاب پہ القا ہوتا ہے اور اس نفسی صبر کے القاء کے لیے پیدائشی شجاعت، ذاتی غیرت، اور جبلّی ہمت

Marfat.com

شرط ہے اور اس صبر کی علامات یہ ہیں کہ ایسے مواقع پر ایسے صابر انسان کی غضبی قوت حرکت میں آکر بلا و مصیبت کے تحمل و برداشت پر سرگرم کر دیتی ہے اور اُس کی زبان پہ ہر حال میں الحمد للہ کے کلمات لا کر اس بلا و مصیبت میں صبر کی قدرت کو آشکارا کر دیتی ہے۔ اور اُس کے اردگرد سے اضطراری تاریکی کو دور کر دیتی ہے اور شعلے کی مانند جو اپنے مقام استقامت پہ اگرچہ لغزش کھاتا اور لرزتا ہے لیکن لڑکھڑا کر اپنی جگہ سے ہٹتا نہیں اور نہ ہی اپنے سر بے نیاز کو جھکاتا ہے۔ ایسا صاحبِ صبر انسان جس کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے وہ نفسی صبر رکھتا ہے نہ کہ قلبی صبر۔ اللہ کی طرف سے القاء ہونے والے اک صبر کا القا قلب پر ہوتا ہے جو صاف و شفاف قلب والے اصحاب کے دلوں پہ ہوتا ہے۔ اور اس صبر کے القا کے لیے قلبی صفائی، ذاتی محبت اور خلقی تقدس شرط ہیں۔ اور اس صبر کی علامات یہ ہیں کہ ایسے وقت میں ایسے صابر کی حبّی قوت جوش میں آکر صفائی و تصفیۂ قلب میں مزید اضافہ کرتی ہے اور بلا و مصیبت کی برداشت کو اس کے لیے آسان بنا دیتی ہے۔ اور اُس کی حُبّی (محبت کی) کیفیت پہ شکوہ و شکایت کی راہ مسدود کر دیتی ہے اور اس کے تقدس کی حیثیت اضطراری کدورتوں سے مکدر و منغض نہیں ہوتی۔ اور ایسے صابر کی طبع صبر کے پانی سے شرابور ہو کر زبان سے باری تعالیٰ کے حمد و شکر کے کلمات زبان پہ لے آتی ہے اور اپنے اردگرد سے اضطراری خشکی کو دور کر دیتی ہے۔ اور وہ آبِ دریا کی مانند اپنے طہارت کے مقام پہ ایک ہی صورت میں بہتا رہتا ہے۔ باوجودیکہ ہر لحظہ وہ بدلتا رہتا ہے لیکن اپنے مقام یعنی گزرگاہ کو نہیں چھوڑتا۔ اور اپنے سر کو تسلیم و رضا کی زمین سے اوپر نہیں اُٹھاتا۔ ایسا صاحبِ صبر جس کا یہ ذکر ہوا قلبی صبر کا مالک ہوتا ہے نہ کہ نفسی صبر کا۔ لیکن یہ ہر دو صاحبانِ صبر، کیا صبر نفسی والے اور کیا قلبی صبر والے خواص میں سے ہوتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی وجہ سے ایک دوسرے سے فاضل تر ہوتا ہے۔ ان کی باہمی فضیلت کسی وجہ سے ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک کو دوسرے پہ مطلق فضیلت نہیں ہوتی اور خاص الخاص بندوں میں سے وہ ہے جو ان دونوں صبروں کا مالک ہو۔ یعنی نفسی صبر اور قلبی صبر کا مالک ہو۔ ان مختلف اسباب و آثار والے دونوں صبروں میں سے کسی ایک فرد واحد میں یکجا جمع ہو جانے سے نتیجۃً عجز و انکسار کی ایک عجیب قسم کی صالح، کامل اور جامع کیفیت رونما ہوتی ہے۔ جو ان مذکورہ کیفیات پہ مطلق فضیلت رکھتی ہے۔ اور

Marfat.com

بہمہ وجوہ سراپا خیر ہی خیر ہے۔ ایسی کیفیت کے ظہور پذیر ہونے کے لیے جامع شخصیت چاہیے جو شریف النفس بھی ہو اور صاحبِ قلبِ مصفیٰ بھی۔ اور تمام مذکورہ صفات کی جامع ہو۔ ایسے کامل ترین جامع گرامی قدر انسان کو محمدیُ المشرب کہتے ہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ خالص محمدیت ایسے مخصوص و مختص اشخاص کے نصیب میں آتی ہے۔ جو کہ اُس صاحبِ خلقِ عظیم (پیغمبر اسلام علیہ السلام) کی کامل اور مکمل طریق سے اتباع و پیروی کرتے ہیں۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ یہ نفسی صبر انسان کے ظاہر میں بہت سی تاثیرات رونما کرتا ہے اور انسان کے بیشتر ظاہری احوال کی اصلاح کرتا ہے۔ اور ظاہر بینوں کی نگاہ میں بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور سالک کے ظاہر پہ پوری قوت سے طاری ہوتا ہے۔ لہذا کلامِ الٰہی میں اس صبر کا صلہ لفظ "علیٰ" پہ واقع ہے۔ دیکھیے یہ آیت کریمہ کہ اے ہمارے رب ہمیں صبر وسیع عطا فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہماری مدد فرما، کافروں کے خلاف، اس صبر کو صبر مفرغ بھی کہا جا سکتا ہے اور حق بات تو یہ ہے کہ یہ نفسی صبر جسے ہم نے صبر مفرغ سے تعبیر کیا ہے انسانی نفس پہ القا ہوتا ہے اور اُس کے ظاہر پہ واقع ہوتا ہے اور قلبی صبر انسان کے باطن میں سرایت کرتا ہے اور زیادہ تر اُس کے باطنی حالات کی اصلاح کرتا ہے۔ اور باطن بین حضرات کی نگاہ میں بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور سالک کے باطن پہ پوری قوت سے طاری رہتا ہے اور باطنی تسکین بخشتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلامِ الٰہی میں اس صبر کو سکینت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس کا صلہ لفظ "فی" واقع ہوا جیسا کہ اس آیتِ کریمہ میں آیا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں پہ سکینت نازل فرمائی۔ اس صبر کو صبر منزل (نازل ہونے والا صبر) بھی کہتے ہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ یہ قلبی صبر جسے صبر منزل سے تعبیر کیا گیا ہے انسانی قلب پہ القا ہوتا ہے۔ اور اس کے باطن پہ نازل ہوتا ہے۔ اور وہ صبر مطلق جو نفسی ہو اور قلبی بھی صبر مفرغ اور صبر مُنزل کا جامع ہوتا ہے اور یہ صبر کلی ہے۔ اور ظاہر اور باطن ہر دو کی اصلاح کرنے والا ہوتا ہے۔ اور درحقیقت یہی کلی صبر ہی صبر جمیل ہے۔ اور نفس و قلب کے اطمینان کا نتیجہ اور خاص الخاص قرب اور کامل ترین معیتِ حق کا ثمرہ ہوتا ہے۔ اور خالص محمدیت کے منصب سے متعلق ہوتا ہے۔ جو تمام مراتب کا خاتم اور تمام قربات الٰہیہ کا منتہیٰ ہوتا ہے۔ ایک ہوتی ہے مصابرت۔ (سختیوں پہ باہمی صبر کرنا) جو مخلوق کے باہمی معاملات

Marfat.com

سے متعلق ہوتی ہے۔ یعنی محمدیوں کو چاہیے کہ جس طرح معاملاتِ ربانی میں اللہ کی طرف سے آنے والی بلاؤں پر جن میں انسانی اختیار کو عمل دخل نہیں ہوتا۔ صبر کرتے ہیں اور راضی برضا رہتے ہیں۔ اسی طرح انسانی معاملات میں بھی ان مکروہات پر صبر کریں جو اللہ کے بندوں کی طرف سے اُنھیں پہنچتی ہیں۔ اور بظاہر انسانی اختیار میں دکھائی دیتی ہیں اور خلق خدا سے بھی ناخوش نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ حقیقت میں اختیار تو اختیار الٰہیہ ہی ہے۔ اور بندوں سے افعال بھی اسی کے ارادے اور مشیّت سے سرزد ہوتے ہیں جیساکہ فرمانِ الٰہی ہے کہ اللہ نے پیدا کیا تم کو اور جو تم عمل کرتے ہو۔ پس نفسانیت سے اس باہمی رابطے اور اتفاق کی ڈور کو توڑ نہ دینا چاہیے اور طریقت کے بھائی بندوں سے دشمنی پہ کمربستہ نہ ہوجانا چاہیے۔ دیکھیے یہ واضح آیت کریمہ کہ اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو صبر کرو باہم رابطہ رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاسکو۔ اس حالتِ مصابرت کی ایک قسم تو پیدائشی (فطری) ہوتی ہے جو صاف طینت اور نیک طبع لوگوں میں درحقیقت جبلّی طور پہ ہی ہوتی ہے۔ وہ اقربا یا یار دوستوں کی بدسلوکیوں کو مطلق خاطر میں نہیں لاتے۔ اور اپنی طرف سے صفائی و محبت کے جذبات رکھتے ہیں اور ایک قسم اکتسابی ہے۔ جو جدوجہد کرکے اخلاق کے سنوارنے کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ حاصل ہوتی ہے۔ پہلے تو تھوڑا بہت تکلف کرنا پڑتا ہے اور بتدریج رفتہ رفتہ اس تصنع کی جگہ بے ساختگی آتی جاتی ہے۔ بالکل تصبّر کی طرح جو ارادةً اور قصداً خود پہ جبر و قہر کرنے سے آتا ہے۔ پھر اسی طرح جیسے کہ بیان کیا گیا ہے عادت بن جاتی ہے۔ بہرکیف صبر کے بہت سے مراتب ہیں۔ اور اُس کی تقویت اور ضعف کے لحاظ سے کئی درجات ہیں۔ ایک صبر ایسا ہے کہ اپنے ماتحت مراتب کے نقطۂ نظر رضا کے مرتبے میں شمار ہوتا ہے۔ اور مندرجہ بالا اپنے مدارج کے لحاظ سے اضطراری حالت میں شامل ہے۔ ایسے صبروں کو اضافی صبر کہا جاسکتا ہے۔ جو اپنے اضافات کے فرق و اختلاف کی وجہ سے ترقی و تنزل پذیر ہوتے ہیں۔ اور آخر ان تمام صبروں کا سلسلہ صبر حقیقی کے سلسلے پر جا ختم ہوتا ہے۔ اور وہ صبر حقیقی حضرت حق جلّ جلالہٗ اور صبور ہی سے مخصوص ہے۔ اور ممکنات کے دائرے میں کسی فرد واحد میں صبر حقیقی کی اہلیت نہیں ہوتی۔ یہی صبر اضافی ہی ہے کہ اللہ کے بندوں کو اُن کی استعدادوں کے مطابق نصیب ہوتا ہے۔ پس بشری طاقت کے مطابق جہاں تک ہوسکے مصائب پر صبر کرو۔

Marfat.com

اور سرکشی اور نافرمانی سے اضطرار کی راہ پر گامزن نہ ہو۔ اور اگر چار و ناچار کسی امر کے تقاضے کے مطابق اور بشری قدرت کے مقتضلی کی وجہ سے اضطراری کیفیت ظاہر ہو جائے تو وہ طبیعی حرکت میں شمار ہو گی۔ اور اللہ کے نزدیک قابلِ معافی ہے جیساکہ اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ پس جو مجبور ہو گیا بغیر بغاوت کے یا سرکشی کے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ پس جب تک تیرے نفس کی وسعت اور ہمت کی توانائی تیرا ساتھ دے تو چاہیے کہ :۔ **رباعی :**

در رنج و بلا قدم بماتم نزنی
آئین رضا و صبر بر ہم نزنی
روشن ز تو بزم بندگی چون شمع ست
ہر چند کہ سوزند ترا دم نزنی

ترجمہ رباعی : کہ رنج اور آلام و مصائب میں ماتم کی طرف قدم نہ بڑھے۔ اور صبر و رضا کے آئین کو درہم برہم نہ کر، بندگی کی یہ بزم شمع کی طرح تجھی سے روشن ہے تجھیں خواہ کتنا بھی جلائیں دم نہ مار۔ (واویلا نہ کر) (مصنف کی اپنی تشریحات کے مطابق) رنج و بلا کے کلمات سے مراد مطلق مکروہات اور تکلیفات ہیں۔ کیا دکھ بیماریاں اور جسمانی روگ اور کیا نفسی حزن و ملال اور کیا قلبی ترددات اور و پریشانیاں اور کیا روحانی مصیبتیں اور تکلیفیں۔ قدم سے مراد رغبت کرنا اور مائل ہونا ہے۔ لفظ ماتم سے مراد رونا دھونا جزع فزع اور مضطر ہونا ہے۔ آئین سے مراد وطیرہ اور طریق کار، برہم سے مراد درہم برہم کرنا اور منتشر کرنا ہے۔ لفظ روشن سے مُراد ظاہر و عیاں ہونا اور لفظ " تو زدن" سے حالِ حاضر کی صورت میں عام انسان سے تخاطب ہے۔ بزم سے مراد مرتبہ اور بندگی سے ظاہری اور باطنی طور پر حقیقی اطاعت ہے۔ سوختن سے مُراد بلاؤں میں مبتلا کرنا اور دکھوں کی آگ میں جھونکنا ہے۔ اور دم زدن سے مراد شکوہ و شکایت کرنا ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ حقیقتِ انسانی ہر موجودہ فرد واِن سے فرداً فرداً مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ تمام تکالیف اور مکروہات میں بلا شرط و قید خواہ وہ جسمانی دکھ درد اور روگ ہوں یا نفسی حزن و ملال خواہ قلبی ترددات و تفکرات و پریشانیاں خواہ روحانی آلام و مصائب ہوں بے صبری اور بے قراری

Marfat.com

کی طرف مائل نہ ہو۔ اور مضطر لوگوں کی جماعت میں داخل نہ ہو جاتا اور رضا بہ رضائے مولیٰ اور بلاؤں پہ صبر و تحمل کے وطیرے کو نہ چھوڑنا۔ اور نہ ہی درہم برہم کرنا، کیونکہ اطاعتِ حقیقی کا مرتبہ کہ ظاہری و باطنی اطاعت پہ مشتمل ہے تیرے ہی تشخص سے ظاہر اور عیاں ہے۔ اس بزم بندگی کو شمع کی مانند روشن کرنے والا تو ہی ہے۔ پس ہر چند کہ کارکنان قضا و قدر تجھے دکھوں اور مصیبتوں کے منہ میں ڈالیں اور تکالیف کی آگ میں جھونک دیں لیکن تجھے حرف شکایت لب پہ نہ لانا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہی پہ راضی رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس صبر سے کام لے۔ بلاؤں کے نزول اور اپنے مقصد و مدعا کے عدم حصول پہ صبر جمیل ہی مقام بندگی کے لوازم میں سے ہے۔ بندوں کو اس سے مفر نہیں۔ اور عالم بندگی میں صبر کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ قضا پہ رضا اور بلا پہ صبر کی ڈور کو تھامے بغیر اطمینان قلب کا مقام حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں صبر تین وجوہ پہ مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک طبیعی ہے اور دیگر دو ارادی۔ وہ جو طبیعی ہے وہ آہستہ آہستہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ حاصل ہوتا ہے یا فوراً کلی یاس و نومیدی کی راہ سے میسر ہوتا ہے اور یہ عوام کا صبر ہے جو آخر کار سب مخلوق کو نصیب ہو ہی جاتا ہے۔ اور کسی ایسے امر سے جس سے مطلق مایوس کر دیں یا مدت تلک اس پر دسترس حاصل نہ ہو چار و ناچار وہ صبر کرتے ہی ہیں، جیسے کہ دوستوں کے فراق میں کچھ عرصے بعد صبر آ جا ہی جاتا ہے۔ اور احباب کے مرنے پر بھی صبر کرتے ہی ہیں۔ اور مریض بھی جب مایوسی کی حالت کو پہنچ جائے تو وہ اتنی بے صبری کا اظہار نہیں کرتا جتنا کہ جتنا کہ شروع یا درمیانی عرصے میں کرتا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس تمام امور میں ایسی ہی صورت حال ہے۔ یہ صبر خیرات کی برکات کا ثمر نہیں دیتا۔ اور نہ ہی صبر کرنے میں شمار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ کسی صورت شخص کے ارادے سے متعلق نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی انسانی افعال کے ارادے سے تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ اس کے طبیعی افعال کے زمرے سے ہوتا ہے، جو بلا قصد کیے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور نیکی و ثواب کے ثمرے یا بدی و عذاب کے نتیجے انسان کے ارادی افعال سے مشروط ہوتے ہیں۔ از بسکہ صبر بنفسہٖ ایک نیک امر ہے اختیار سے ہو یا بے اختیاری سے، اس راہ سے یہ صبر بھی فائدے سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر آخرت میں ثواب کا موجب نہ بھی ہو تو یقیناً دنیا میں غم و اندوہ سے رہائی ضرور دلا دیتا ہے۔ اور دل و دماغ سے حزن و ملال کا گرد و غبار جھاڑ دیتا

Marfat.com

ہے۔ اور وہ صبر جو ارادی ہیں ان میں سے ایک عقلی صبر ہے اور ایک ایمانی صبر۔ عقلی صبر وہ جو عقل کے حکم سے ہاتھ لگتا ہے اور عقل و شعور ہی کے راستے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ خواص کا صبر ہے۔ جیسے کہ عقلمند اور دانشور فلسفی صبر کے منافع اور فوائد کو سمجھ کر اضطرار کی خرابیوں اور قباحتوں کو خوب بھانپ کر، بے صبر لوگوں کی ذلت و رسوائی و خرابی کو دیکھ کر اپنے غیر اختیاری امور کو اپنی طاقت اور مقدرت کی حد سے باہر پا کر کسی کام کے انجام پہ خوب غور و خوض کرتے اور حتی الوسع صبر حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ اور عقل کے تقاضے کے مطابق جس طرح دیگر اخلاق کو سنوارتے ہیں۔ اور اس کیفیت کے ضمن میں صبر بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ پس یہ صبر اگر اسلامی صورت کے ساتھ جمع ہو جائے، کسی حد تک آخرت میں بھی مفید ہوگا۔ اور اُخروی ثواب کا موجب بنے گا۔ اور اگر اسلام اور ایمان کے ساتھ جمع نہ ہو سکے، تو آخرت میں کوئی فائدہ نہ دے گا۔ البتہ دُنیا میں بہت سی نیکیوں، برکتوں اور فائدوں کا موجب بنے گا۔ اور کافروں کے دیگر نیک اعمال کی طرح محو ہو کر عقبیٰ میں کار آمد نہ ہوگا۔ اور وہ جو ایمانی صبر ہے وہ نور ایمان سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور ایمانی رستے سے نصیب ہوتا ہے۔ اور یہ صبر خاص الخاص بندوں کا صبر ہے۔ اور فی الحقیقت انبیائے کرام کے افعال میں سے ہے (ان سب پہ خدا کا درود و سلام ہو) ان کے طفیل اولیائے کرام کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور انہی کے ضمن میں سچے عقیدے والے مومنوں کو بھی ان کے مراتب کے مطابق نصیب ہو جاتا ہے۔ اور یہ صبر ایمانی قوت، محبت کی شدت، شوق کے غلبے اور رب جلیل کی رضا جوئی اور کمال اطاعت کے ارادے، حق سبحانہٗ تعالیٰ کی فرمانبرداری، اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یعنی کہ بلا و مصیبت کے وقت ایسے امور کا ملحوظ خاطر رکھنا ان برگزیدہ اصحاب کے لیے صبر کا موجب بن جاتا ہے۔ اور وہ ان بلاؤں اور مصیبتوں پر صدق دل سے صبر کر لیتے ہیں۔ اور یہ انتہائی درجے کا صبر مرتبۂ بندگی کے شایان اور مرتبۂ الوہیت کے مقابل ہے۔ بے شبہ یہ دُنیا و آخرت میں خدا و رسولؐ کی رضا اور خوشنودی کا موجب بنتا ہے۔ اور دونوں جہانوں میں بہت سی برکتوں اور نیکیوں کا ثمر دیتا ہے۔ اور ربِّ رحیم اور رسولِ کریمؐ (ان پہ درود و سلام) کی بشارتیں دینے والا ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ عزّ و جل نے فرمایا ہے کہ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت آن پڑے تو کہیں کہ

Marfat.com

ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ انھیں تو خوشخبری دے دو ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ اور راست رو ہیں۔ صبر کی ان اقسام ثلاثہ کو پہچان لو، اور ان میں سے دو جو عقل و ایمان سے متعلق ہیں انسان کے لیے مفید مان لو، اور دو میں سے بھی ایمانی صبر کو اعلیٰ قسم تسلیم کر لو، کہ وہ دُنیا میں بھی نیک ثمر دیتا ہے۔ اور عاقبت میں بھی نجات اور برکات کا موجب ہے۔ تو پھر یہ سمجھ لو کہ اسی صبر ایمانی ہی کی ایک قسم ہے جسے صبر جمیل کہتے ہیں۔ اور وہ قرب خاص کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور مقامِ دوستی سے نکلتی ہے۔ اور یہ صبر جمیل عبارت ہے رضا سے، کیونکہ صبر کی یہی حالت ہے کہ تسلسل و تواتر سے جب اس کا ملکہ نفس میں راسخ ہو جاتا ہے اور مصیبتوں کے نزول کے اوقات میں قلبِ انسانی طبعاً بھی اس کیفیت سے مسرور ہو جاتا ہے۔ اور بلا ارادہ اور بے اختیار حضور و شہود کی برکت سے باطن میں بے صبری اور بدمزگی مطلقاً نہیں رہ جاتی۔ اُسے رضا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ حسین و جمیل حالت مقام رضا کا مرتبۂ اولین ہے اور مقامِ صبر کے آخری درجہ میں شمار ہوتی ہے۔ صبر جمیل کے کلمات میں لفظ جمیل سے مُراد یہ ہے کہ وہ امور جو تیرے نفس کو مکروہ لگتے ہیں تیرے باطنی آئینے میں جمیل نظر آئیں۔ اور کسی امر میں نفسی کراہت و نفرت سے کام نہ رُکے سوائے جہاں کہ حُکم ہو۔ اور چونکہ سب امور کو اسی کی طرف سے سمجھتے ہو تو چاہیے کہ تمام کو نیک ہی دیکھو، اور چشمِ بصیرت سے کراہت بالکل جاتی رہے اور اس راستے میں رنج و بلا یا نفس و ہوا و ہوس کے خلاف پیش آئے۔ اسے خیر محض سمجھو۔ اور جان لو۔ بلکہ دل و جان سے مان لو کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے عمل میں آیا میرے حق میں وہی خوب اور بہتر ہے۔ اور تقدیر ربّانی پہ بالکل راضی رہو۔ اور اپنے مالک کی مرضی اور رضا کے بڑے ذوق و شوق سے تابع رہو۔ نہ یہ کہ تکلفاً زبان کو شکوہ و شکایت سے روکے رکھو۔ اور بظاہر اس قسم کے مقولے زبان پر لاؤ جو نکتہ چینیوں کی دستاویز ہوتے ہیں۔ اور شکایت پہ دلالت کرتے ہیں۔ لیکن باطن میں تم ناراض اور ناخوش ہو اور دل میں وہی شکایت اور بیزاری ہو۔ اس سے تو اور بھی مصیبت میں گھر جائے گا۔ اگر بے صبری کی حرکات کرتا تو تھوڑا بہت اپنے پہ غم و غصّہ بھی آتا تو اس حالت میں باطنی بدمزگی میں کسی حد تک تخفیف ہوتی۔ اور یہ صبر نہیں تصبّر ہے، کیونکہ

Marfat.com

صبر اسے کہتے ہیں۔ کہ کسی ناگوار بات کی جس طرح حرفِ شکایت لب پر نہ آئے، اسی طرح دل میں بھی ناراضامندی نہ ہو اور نہ ہی ناخوشی اور دل تنگی ہو۔ پس ایک تو ہے تصبّر جو سلوک کا پہلا درجہ ہے۔ اور ابرار (بھلے مانسوں) کا مقام ہے۔ یعنی دل میں تو ناخوش ہو اور پریشان خاطر لیکن تشنّع و تکلف سے کام لیتے ہوئے شکوہ و شکایت زبان پر نہ لائے۔ اور ایک ہے صبر یہ سلوک کا دوسرا درجہ ہے اور نیکوں کا مقام ہے۔ یعنی باوجودیکہ ناملائم اور ناگوار امور سے ایذا تو پاتا ہے اور رنج و بلا میں تکلیفیں جھیلتا ہے، غمگین اور رنجیدہ بھی ہوتا ہے لیکن جس طرح زبان سے شکوہ و شکایت نہیں کرتا اسی طرح دل میں بھی اپنے پروردگار سے ناخوش نہیں ہوتا۔ اور جانتا اور مانتا ہے کہ ہر چند کہ بظاہر ان امور سے مجھے اذیت پہنچی، لیکن اس حکیم مطلق نے جو کچھ کیا ہے وہی ٹھیک ہے اور وہی میرے حق میں بہتر ہے۔ اگر میں اس کی پوشیدہ حکمت کو نہیں جانتا تو کیا ہوا۔ اس آیت کریمہ کے بموجب کہ کئی ایسی چیزیں ہیں جن سے تم کراہت کرتے ہو مگر وہ تمہارے لیے بہتر ہوتی ہیں اور ایک ہے رضا اور یہ سلوک کا تیسرا اور آخری درجہ ہے۔ یہ مقربین حق کا مقام ہے۔ یعنی بلاؤں، مصیبتوں، مشقتوں اور تکلیفوں سے جو طبعاً ناگوار ہوتی ہیں ان میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کے فضل کا مشاہدہ کرتا ہے اور اسے مرضئ مولیٰ سمجھتے ہوئے ان سے بھی محظوظ ہوتا ہے اور تکدر کی بجائے لذت حاصل کرے۔ اور راضی برضائے حق رہے۔ اور اپنی طرف سے ان کے رفع کرنے کی طلب بھی نہ کرے۔ اور اگر بلا کے دفعیہ کی دعا و استدعا کرے تو وہ بھی اس کے حکم کے اتباع کے ارادے سے کرے۔ نہ کہ اپنی نفسی خواہش کی بنا پر اپنے سب کام کاج حق سبحانہٗ تعالیٰ ہی کو سونپ کر سراپا اس کی مرضی اور رضا کا تابع ہو جائے۔ اور دائمی شرح صدر اور صبر و اطمینان قلب حاصل کر کے مکمل طور پر حضوری و مشاہدۂ ذات میں مستغرق ہو جائے۔ لیکن اگر رضا میسر نہ ہو کیونکہ اس آخری مقام پر ہر ایک تو نہیں جا سکتا۔ تصبّر کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑے اور زبان کو بھی شکوہ و شکایت سے روکے رکھے۔ کہ یہ بھی ابرار یعنی بھلے لوگوں کا کام ہے۔ یہ بھی فائدہ مند ثابت ہے اور اجر سے خالی نہیں، اس کی بھی نیک جزا ملتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آہستہ آہستہ اس سعادت کو بھی پا لو اور مقام رضا تک پہنچ جاؤ۔ اور مقربین کی جماعت میں شامل ہو جاؤ۔ جب تو حق تعالیٰ سے راضی ہو جائے گا اور رضا یقیناً حاصل کرے گا تو ادھر سے بھی حق تعالیٰ کی رضامندی کا مژدہ جانفزا

Marfat.com

سنے گا۔ اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں خود فرمایا ہے کہ اے نفس مطمئن چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اپنے نیک انجام سے خوش اور (اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ پس نفس مطمئنہ جو کہ حرفِ ندا سے پکارا گیا ہے معاملہ خاصہ کے ساتھ اس آیت کریمہ کے ضمن میں خفی ندا کے ساتھ دل کے کانوں میں اور حکم دیا گیا لوٹنے کا اپنے رب کی طرف، یوں کہ اللہ اس سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ اور وہ لوٹا ہے نفس اللہ کی طرف اللہ ان سے راضی ہو گیا، اور وہ اللہ سے۔ اور وہ ہو گیا مطمئن مکمل طور پر اللہ سبحانہٗ کی نصرت اور اعانت سے، اور وہ داخل ہو گیا اللہ کے نیک بندوں کے زمرے میں کہ نہیں ہے شیطان کو ان پہ کوئی اختیار اور وہ داخل ہوں گے اللہ کی جنت میں جو کہ حقیقی نجات کا مقام ہے۔ یعنی نفس کا منقطع ہو جانا غیر کی طرف توجہ سے۔ پس وہ مستغرق ہو گیا اپنے رب کے مشاہدے میں جس نے کہ اُسے درست درست بنایا۔ پس اے میرے رب میں نے سپرد کر دیا اپنے نفس کو تیرے اور میں نے اپنے چہرے کو تیری طرف متوجہ کر لیا، اور میں نے سپرد کر دیا اپنا معاملہ تجھے۔ اور میں نے اپنی پشت کو تیری پناہ میں دے دیا تیری طرف راغب ہوتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے، اور نہیں ہے کوئی پناہ گاہ اور نجات گاہ مگر تیری طرف۔ میں ایمان لایا تیری کتاب پر جو کہ تو نے نازل کی اور تیرے نبی پر جسے تو نے بھیجا۔ پس اگر تو نے میرے نفس کو روک لیا تو اُس پر رحم کر اور اُس کو بخش دے اور اگر تو نے اُسے بھیج دیا تو اُس کی حفاظت کر اس طرح جس طرح کہ تو حفاظت کرتا ہے اپنے صالح بندوں کی، اور بخش دیتا ہے۔ اور میری توبہ قبول فرما کہ تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ ابھی ہر موجود انسان کے لیے عرصۂ حیات خواہ تھوڑا یا زیادہ، اور مشیتِ ازدی سے ہر فرد واحد کو قضا و قدر کے موافق گوناگوں معاملات درپیش ہیں۔ خواہ بُرے ہوں یا بھلے۔ پس اپنی تمام نفسانی و جسمانی خواہشوں کو جو دل میں ہر لحظہ نئی نئی ہوا و ہوس پیدا کرتی ہیں بالکل ترک کر کے قضا پہ رضا اور بلاؤں پہ صبر کی حالت کے حصول کا عزم اور اپنی طرف سے لغویات میں پڑ کر دُنیاوی امور میں سے کچھ بھی طلب نہ کرنا چاہیے کہ آخر تو مرنا ہے اور جہانِ فانی سے رختِ سفر باندھنا ہے۔

Marfat.com

رباعی:

تا چند زفوت مدّعا رنجیدن
دکانِ ہوس زجہل برخود چیدن
تا چشم گشادہ است چوں آئینہ ات
در پیش آید ہر آنچہ بادیدن

ترجمہ رباعی: اپنے مقصد و مدعا کے تلف ہونے سے کب تک رنجیدہ رہے گا اور جہالت کے مارے ہوا و ہوس کی دکان تا یکے سجائے گا۔ جب تک تیری آنکھیں کھلی ہیں جو کچھ سامنے آتا ہے اُسے آئینے کی طرح دیکھتے رہنا چاہیے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) نفسانی مرادوں اور جسمانی خواہشوں کے بر نہ آنے یا تلف ہو جانے کے باعث کب تک رنجیدہ اور ملول رہیں گے۔ ساری عمر انہی معاملات میں گزر گئی، کیونکہ جو ہوتا ہے وہ تو ہو کے رہتا ہے۔ نہ تو تیرے ملال کے خوف سے مکروہ امور میں تجھ سے دُور بھاگتے ہیں اور نہ ہی تیرے شوق مسرت سے مرغوب امور تیرے سامنے آتے ہیں۔ پس باوجود ان تمام آئے دن کے دائمی تجربات کے دنیاوی مطلوبات کے فقدان پہ اس قدر مضطر اور غمگین ہونا کہ مناسب حدِ اعتدال سے بھی تجاوز کر جاتا یہ تو انسانیت سے بعید ہے۔ اور عقل و ایمان سے نہایت دُور، اور ادھر طبیعی مرغوبات کے پالینے سے اس قدر مسرور اور خوش و خرم ہونا جو مناسب حد سے تجاوز کر جائے۔ وہ بھی آدمیت سے بعید ہے۔ اور علم و عرفان سے نہایت دُور، حاصل مطلب یہ کہ ہر امر کے مقتضٰی سے بڑھ کر نہ تو خوشی منانی چاہیے اور نہ ہی غم کھانا چاہیے۔ اس امر کے تقاضے کے مطابق تو قابلِ معافی ہے اور انسانی طبیعی حرکات میں شامل میں داخل ہے جو ثواب و عذاب کے مقتضی نہیں۔ پس نہ تو مدعا کے فوت ہونے پہ اس قدر رنجیدہ و محزون و ملول ہونا چاہیے کہ دوسروں کو تمھیں سمجھاتے بجھاتے کی نوبت آئے اور یار دوست اور دانشور تمھیں سمجھاتے ہی کی فکر میں لگے رہیں۔ اور وہ باتیں جو تمھیں معلوم ہیں اور ایسے معاملات کے پیش آنے پہ تو دوسروں کو سمجھاتا تھا اور وہی کچھ اُنھیں کہتا تھا جو دوسرے آج تمھیں کہہ رہے ہیں۔ اور سمجھا رہے ہیں، اور جس چیز کی تمنا ہو اس کے لیے اتنی ہوس نہ کر اور اپنی عقل و ایمان کے چہرے

Marfat.com

کو حماقت اور جہالت کے ناخنوں سے یوں مت چھیل کہ ہر نجومی، فال گیر اور جوتشی کے سامنے تو رسوا ہوتا پھرے، بلکہ جب تک بقید حیات ہے اور آئینے کی طرح تیری آنکھیں کھلی ہیں اور دُنیا کے بُرے اور بھلے میں امتیاز کر سکتا ہے۔ جو کچھ بھی تجھے در پیش آئے۔ اور جو کچھ بھی رونما ہو اُسے صفائی قلب ہی سے دیکھ اور کسی امر واقعہ سے روگردانی نہ کر، سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے سمجھو، اور نہیں قوت اور طاقت کسی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے جو قابلِ ستائش و بزرگ و برتر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اُس کا حکم دیتا ہے۔

Marfat.com

هُوَالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے کہ شمس و قمر کو بنایا اور بنایا ستاروں کو ہدایت لوگوں کے لیے۔ اور ودیعت کیا ان میں ہر قسم کا اور بنایا اُنھیں نفع بخش اور ضرر رساں اپنی قضا و قدر کے مطابق پس جو ایمان لایا ان کی تاثیروں پر ان کی ذات کے ساتھ۔ پس اس نے کفر کیا اور درود و سلام آپ کے رسولؐ اطہر اور انور پر جو سچی خبر دینے والے ہیں اور آپ کی آلؓ اور اصحابؓ پر جنھوں نے کہ اچھی چیز کو لے لیا اور بُری چیز کو چھوڑ دیا۔ اما بعد پس یہ اناسیواں (۷۹) باب ہے جو نجم ہدایت سے موسوم ہے۔ جب آفتابِ رسالتؐ غروب ہو گیا، لوگوں کی نگاہوں سے اور شہادت سے غائب کی طرف لوٹ گیا اور قریب تھا کہ لوگ پلٹ جائیں اپنی ایڑیوں کے بل، پس منور کیا اللہ کے عالم کو خلفاءؓ اور اولیاءؒ کے باطنوں سے جو کہ ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے جن کی تم پیروی کروگے ہدایت پاؤگے اور مزین کیا آسمان دُنیا سے ستاروں کی زینت سے، اور ستاروں کو بنایا ہے سرکش شیطان کو رجم کرنے کے لیے اور ظاہر کیا ہدایت کے آسمان پر۔ اولیاءؒ کے چاند جو روشن ہیں نورِ شمس سے اُس کے مقابلے کی مقدار کے مطابق کیونکہ چاند کا نور حاصل ہوتا ہے سورج کے نور سے، اور اگر یہ تجھ سے سوال کرتے ہیں ہلالوں کے بارے میں، تو پس ان سے کہو کہ یہ تو لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات ہیں تاکہ لوگ ہر زمانے میں ان سے وقت کا ادراک کر سکیں۔ اور ضائع نہ کریں اپنے

Marfat.com

اوقات کو اور مشرف ہو سکیں حج بیت اللہ سے جو حقیقتاً اللہ کا گھر ہے۔ اور جسے قلب سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی وسعت نہیں رکھتی۔ نہ اس کی زمین نہ اس کا آسمان لیکن اس کے مومن بندے کا دل اس کی وسعت رکھتا ہے بہ حیثیتِ مجموعی۔ پس ہوئے چاند ایک کے بعد ایک ہمارے اس دن تک پس جب وہ ملے خالص محمدی قمر سے اور وہ ہو گیا روشن چودھویں کا چاند تو بنا دیا اس نے رات کو دن کی طرح اور پھیل گیا اُس سے نورِ ہدایت تمام عالم میں، پس یہ لیلۃ البدر ہیں۔ اور لیلۃ القدر ہے جو کہ بہتر ہے ہزار مہینوں سے۔ نازل ہوتے ہیں روح اللہ کے حکم سے ہر امر میں سلامتی ہے طلوعِ فجر تک جو کہ قیامت کا آغاز ہے۔ پس اُمید رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے وہ نہیں منقطع کرے اس سلسلے کو قیامت تک اور محمدی ہی فلاح پانے والے ہیں۔ وہ اور ان کے جوڑے اس دن تختوں پہ تکیے لگائے ہوں گے۔ ان کے لیے اس میں ہوں گے پھل اور ان کے لیے ہو گا جو وہ بلائیں گے۔ سلام ہو گا ان پہ سلام، یہ قول ہو گا ربِ رحیم کی طرف سے پس ہر چیز جو ہم نے اس مبحث میں لکھی وہ نجمِ ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب پہ یقین رکھتے ہیں اور اسی ستارے سے ہدایت پاتے ہیں۔

علوم پہ حسبِ ضرورت اکتفا اور
علم نجوم میں انتہائی مبالغہ سے ممانعت کے بیان کا باب

متن میں علوم پہ حسبِ ضرورت اکتفا کرنے سے منظور یہ ہے کہ علوم معقولہ کو اسی حد تک سیکھنا چاہیے جو کسی حد تک طبعی خوبی و عمدگی میں ممد و معاون ہو اور جس سے مطالب کے سمجھنے کی قوت پیدا ہو سکے، اور قوتِ بیان میں ایک مربوط و مضبوط اسلوب آجائے۔ اور مخالفت کی باتوں میں دخل دینے کی اہلیت اور نفس کو دینی مطالب کی تقویت کی حیثیت حاصل ہو جائے۔ پس حسبِ ضرورت عبارت ہے فقط انہی معانی سے اور علوم معقولہ جو مشتمل ہیں علم منطق، حکمت، تصوف و اخلاق وغیرہ سے ان کے پڑھے بغیر انسان میں مذکورہ بالا کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی، خواہ وہ کتنی ہی ذہنی ذکاوت کیوں نہ رکھتا ہو۔ وہ اپنی بات منوا نہیں سکتا، ہر چند کہ بزعم خود وہ باطنی سیر میں عرش سے بھی پرے نکل گیا ہو۔ اور اکتفا کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ جب ان مذکورہ بالا

Marfat.com

ظاہری علوم میں اتنی دسترس حاصل ہوجائے جتنی کہ ہم نے بیان کی ہے، اور جو کچھ منظور تھا وہ پایۂ تحصیل کو پہنچ جائے اور ان علوم سے خوب آشنائی پیدا ہوجائے۔ پس پھر ان ظاہری دسطحی ملّاؤں کی طرح ساری عمر انہی فضول بحثوں اور بے معنی مباحثوں میں ضائع نہ کرنی چاہیے۔ اور فقط طالبِ علمی ہی کو انسانی کمال نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ حُسن آدمیت کے لیے اور بھی بہت سے ظاہری و باطنی امور میں کمالات درکار ہیں۔ اور سب کمالات سے بڑھ کر یعنی عمدہ ترین کمال ہے اللہ تعالیٰ سے نسبت، عرفانی قوت، عقیدے کی درستی، اعمال میں حسن و خوبی اور اقوال میں صدق و راستی، پس پھر ہمہ تن اس کمال کے حصول میں مصروف ہوجانا چاہیے جو باعثِ نجات ہے۔ اور دیگر زائد علوم سے بقدرِ ضرورت ہی استفادہ کرنا چاہیے۔ تاکہ ذکر کرتے وقت تم سمجھانے کے محتاج نہ ہوجاؤ، نہ یہ کہ ان علوم سے اپنے باطن میں شکوک و شبہات کی قوت پیدا کرلو، اور ایمان اور سکون قلب کی دولت سے محروم رہ جاؤ۔ اور یہ کہنے لگو کہ قرآن شریف میں آسمانوں کی تخلیق کی مدت چھ دن بیان کی گئی ہے۔ یہ کس طرح صحیح ثابت ہوگا۔ اور دنوں سے مُراد کیا ہے کہ یہ ایام وجود افلاک پر موقوف ہیں اور آسمانی دروازوں سے کیا مقصود کیا ہے۔ اور ان کا بند ہونا اور کُھلنا کیسے ہوتا ہے کیونکہ عقلی دلائل کے مطابق آسمانوں میں کوئی شگاف نہیں اور نہ ہی شگاف کا بھرنا اور فرشتے شیطانوں پر ستاروں سے انگارے (پتھر) کیسے برساتے ہیں۔ کیونکہ یہ شہاب ثاقب (ٹوٹنے والے ستارے) تو خلائی کائنات میں شامل ہیں۔ اور بخارات اور دھوئیں میں کہ جن میں حرکت کی تیزی کی وجہ سے حرارت پیدا ہوجاتی ہے اور وُہ جل اٹھتے ہیں۔ کرۂ نار (آتشیں کرہ) میں پہنچ کر پھیل جاتے ہیں۔ اور ویسی اور بھی کئی مثالیں ہیں جو عقلی حکم کے مطابق دوسرے طریق سے معلوم ہوتی ہیں۔ اور شرعی حکم کے مطابق دوسرے طور پر مفہوم میں آتے ہیں۔ اور ہر شرعی امر کی ہر عقلی امر سے تطابقت کو تو کوئی بھی بیان نہیں کرسکا۔ اگرچہ بعض محققوں نے بعض امور کو زیرِ دست سعی اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے علم و فرمان کے بل بوتے پر مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر تمام امور سے کماحقہٗ عہدہ برآ نہیں ہوسکے، پس کیا لازم ہے کہ ایسے نا تمام کام پر اپنے اعتقاد کی بنیاد رکھی جائے بلکہ تمام امور کو بلا سمجھے صرف خدا و رسول کے فرمودات پر اعتماد کرکے اُنھیں قبول کرلیا جائے اور عقل کی متابعت کے مسلک کو ترک کردینا چاہیے۔

Marfat.com

ہر بات میں عقل ہی کو عمل دخل نہ دیا جائے۔ اور منقولہ امور میں سے جو امر بھی عقل اور سمجھ میں آئے اُسے عقل و نقل ہی کے مطابق بیان کرنا چاہیے اور شکر بجالانا چاہیے کہ یہ علم منقول عقلاً بھی ہم پر منکشف ہو گیا اور وہ امر جو عقل کی رو سے ہمارے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہ پہنچے تو بھی منقول پہ عقیدہ اسی طرح قائم رہنا چاہیے۔ اور سمجھ لینا چاہیے کہ عقل بیچاری مجبور ہے۔ جو اس امر کے راز کو نہ پا سکی۔ لیکن ہے ویسے ہی جیسے کہ خدا ور سولؐ نے فرمایا ہے۔ اور ان الفاظ سے وہی اللہ و رسولؐ کی بتائی ہوئی مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی مراد حق ہے۔ ہم اس سلسلے میں مختصر سا بیان کر کے فرمودۂ خداوندی پہ ایمان لے آتے ہیں۔ اور ایمان مجمل رکھتے ہیں۔ اپنی عقل کے عجز کا اعتراف اور خدا اور رسولؐ پر اعتماد و اعتقاد کرنا بہتر ہے۔ یا اپنی عقل پہ بھروسہ کر کے خدائی و نبوی چیزوں پہ شک و شبہ کرنا بہتر ہے۔ اور قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ کہ کیا تم نے اس شخص کے حال پہ غور کیا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو۔ انہی فلسفی مشرب ضعیف الایمان لوگوں کے احوال کی خبر دیتی ہے کیونکہ ان کی عاجز عقل جو سراسر نفسانی و جسمانی داغ دھبوں سے داغدار ہے سوائے ہوا و ہوس کے اور کچھ بھی تو نہیں، عقل مصفیٰ وہی ہے جو شریعت محمدیہؐ کے اتباع کی طرف لے جا کر محمدیؐ طریق میں داخل کر دے۔ وگرنہ اس ناتمام عقل سے تو عوام کی حماقت بدرجہا بہتر ہے۔ کیونکہ حدیث نبویؐ ہے کہ اکثر اہلِ جنت سادہ لوح انسان ہوں گے۔ رباعی:

اے مرد طرب خوش و آسودہ
رنجی مبر از فکر جہاں بیہودہ
چندان متما غور در افلاک و نجوم
کاین گنبد بے در ز کسے نکشودہ

ترجمہ رباعی: اے سرور و انشراح والے مردِ حق اس عمل میں خوش اور آسودہ حال رہ۔ اور اس دُنیا کے بیہودہ فکر و اندیشہ میں نہ کھو جا۔ آسمانوں اور ستاروں کے متعلق زیادہ غور و خوض نہ کر، کیونکہ یہ گنبد بے در تو کسی پہ نہ کھُل سکا۔ (مصنف خود تلمیحات کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ) مرد طرب سے ایسا انسان مُراد ہے جسے ذاتِ حق کے دائمی مشاہدے سے شرح صدر اور باطنی کیف و سرور نصیب ہو جائے اور وہ ہمیشہ مسرور و مکیف ہو۔ خوش و آسودہ بودن سے مراد ہے

Marfat.com

قلب کو تسکین اور نفس کو اطمینان حاصل ہوتا۔ رنج بردن سے مراد ہے متشکک اور متردد ہونا اور اور فکر جہاں سے مراد ہے اس دُنیا کے غیر ضروری امور کی دریافت میں مصروف رہنا۔ لفظ بیہودہ سے مراد عاقبت میں بے فائدہ ہونا ہے۔ اور لفظ چنداں سے مراد زاید از ضرورت اور غور نمودن کا مطلب غور و خوض میں لگے رہنا اور افلاک و نجوم سے مراد ہے وہ علم جو آسمانوں اور ستاروں سے متعلق ہے۔ یعنی علم نجوم وغیرہ۔ گنبد بے در سے مراد فلک الافلاک ہے جو جہالت کی حد بندی کرنے والا ہے۔ اور جہالت کو اس سے آگے کوئی راہ و گزرگاہ نہیں۔ لفظ کسی سے مراد انسانی افراد میں سے کوئی بھی فرد۔ اور کشادن سے مراد جزئی و کلی طور پر حقیقت کا انکشاف جس پر کہ وہ ہے نفس امر میں مطابقت رکھتے ہوئے عقل و نقل سے۔ حاصل مطلب رباعی کا یہ کہ حقیقتِ انسانی کی ہدایت کی حیثیت اپنے ہدایت یافتہ افراد سے متوجہ ہے۔ اگرچہ بظاہر تخاطب ان افراد میں سے کسی فرد واحد سے کرتے ہوئے شاعر کہہ رہا ہے لیکن باطن میں عوام ہی سے تخاطب ملحوظِ خاطر ہے۔ ایمان و اسلام کی ہدایت سے مستفیض تمام اصحاب سے کہ اے وہ لوگو جنھیں دوامی مشاہدۂ ذات سے دائمی سرور و کیف نصیب ہے۔ اور تم ہمیشہ خوش و خرم اور مسرور ہو۔ تمھیں چاہیے کہ اس قسم کے انشراح سے دائمی طور پر مطمئن النفس اور صاحب تسکین قلب رہو۔ اور اس دنیا کے غیر ضروری امور اور بے فائدہ باتوں کی چھان بین میں نہ لگے رہو۔ کیونکہ اس قسم کے امور کی دریافت آخرت میں کسی کام نہ آئے گی نہ کوئی فائدہ دے گی۔ فائدہ تو وہی ہے جو آخرت کے لیے فائدہ مند ہو۔ ان امور میں ضرورت سے زیادہ غور و خوض نہ کر، نہ افلاک اور ستاروں یعنی علم نجوم کو ضرورت سے زیادہ حاصل کرو، ضروری اسی قدر ہے کہ ہیئت و افلاک و ستاروں، ان کی گردشوں اور آسمانی برجوں اور ستاروں اور سیاروں سے محض لاعلمی نہ ہو۔ کہ ان کا تھوڑا بہت علم اکثر و بیشتر مقامات پر کام آتا ہے اور ایک ذی شعور انسان کے لیے یہ علم شائستہ ہے۔ لیکن احکام کے استخراج کی قوت کا بہم پہنچانا اور جنتریاں لکھنا یا رصد گاہیں بنانا مسلمانوں کے لیے ضروری نہیں۔ کیونکہ آسمان کا یہ گنبد بے در کسی سے نہیں کھلا اور جہات کی حد بندی کرنے والے اور اس سے متعلقات کی حقیقت کسی انسان پر بھی جزئی یا کلی طور پر جیسا کہ وہ نفس الامر میں ہے کسی ایسے طریقے جو عقل کے مطابق بھی ہو اور آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کے مطابق بھی ہو کسی پر منکشف نہیں ہوتی۔

Marfat.com

اگر فلسفیوں کے مسلک کے مطابق کوئی امرِ عقلی دلائل سے واضح اور عیاں کیا جائے تو وہ ان امور پہ دلالت کرتا ہے جو آیاتِ قرآنی اور احادیث نبویؐ کے صریحاً خلاف ہے۔ اگر آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کے صریحاً خلاف ہے۔ اور اگر آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کے موافق متصوّر ہو تو وہ اس کے مخالف ہوتا ہے جو عقلی دلائل سے ثابت ہو چکا ہو۔ پس مومنوں کو ایسے علم کے حاصل کرنے کی کیا ضرورت جو ان کی ایمانی کیفیت میں خلل انداز ہو۔ ایسے علم کی بحث کو ترک کرتے ہوئے اللہ رسولؐ کے علم کے حوالے کر دینا چاہیے اور مان لینا چاہیے کہ جو کچھ کلام الٰہی اور احادیث میں آیا ہے وہی حق ہے، اور جو کچھ خدا اور رسول نے فرمایا اور جو مراد انھوں نے لی بلا شبہ ویسے ہی ہے ہمیں ان امور کی کنہہ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ سادہ لوح انسانوں میں سے اکثر و بیشتر کے لیے علوم معقولہ کے مقدمات ہی ایمانی کیفیت میں مخل ہو جاتے ہیں۔ اور انہی میں سے ایک علم نجوم ہے۔ لہٰذا اس علم کے سلسلے میں مبالغے ممانعت کی گئی۔ اور اس کے احکام کے اعتقاد سے ڈرایا گیا ہے۔ کیونکہ اس علم کے پڑھنے سے طبعاً قاری کا دل افلاک و نجوم کے آثار کے تابع ہو جاتا ہے اور پھر آدمی ان کے پھندوں سے نکل نہیں سکتا۔ اور ان کی تاثیرات یقینی طور پر دل پہ ثبت ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ ہماری شرع دین متین میں یوں آیا ہے کہ جو ایمان لایا ستاروں پر پس اس نے کفر کیا۔ اگرچہ مُراد یہ نہیں ہے کہ ستاروں اور افلاک کو بالکل ہی بے تاثیر سمجھا جائے اور ان تمام آیاتِ کریمۂ الٰلیہ کو عبث و باطل سمجھا جائے کہ ایسا نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بڑی صراحت سے فرمایا ہے کہ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے جو ذکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے اور غور و فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر۔ کہتے ہیں اے ہمارے رب! تم نے نہیں پیدا کیا اس چیز کو یونہی باطل۔ پس ان کے لغو ہونے کا احتمال ہی کیا ہے۔ یقیناً ستارے، آسمان اور ان کی حرکات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے دُنیا میں اثر پذیر ہوتی ہیں۔ منع کرنے سے منظور ہے کہ ستاروں کے بذاتِ خود اثر انداز ہونے پہ ایمان نہ لایا جائے۔ اور نجومیوں کے استخراج کیے ہوئے احکام پہ اعتقاد سے ممانعت اور ایسے کاذب (جھوٹے) نجومیوں کی باتوں کی تکذیب کرنے سے ہے۔ گو کہ ان کی بعض خبریں سچ بھی ثابت ہو جاتی ہیں۔ رب کعبہ کی قسم بے شک نجومی ضرور بالضرور جھوٹے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ ستاروں

Marfat.com

میں موثرات نہیں ہیں - اور یہ کہ آسمان عبث پیدا کیا گیا ہے بلکہ اس لیے کہ وہ نہیں نکالتے احکام جیساکہ احکام کا حق ہے اور طاقت بشری قوت نہیں رکھتی ان احکام کے نکالنے کی جیسے کہ نفس امر میں ہیں - کیونکہ احکام کا استخراج ہر ایک انسانی فرد کے احوال کی جزئیت سے نہیں کیا جاتا - جیساکہ فرمانِ الٰہی ہے کہ وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں، اور گمان حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا - اس کے ساتھ ہی اس علم والوں نے دو ہزار یا اس سے چند زیادہ ستاروں کو شمار میں لاکر ان کے نام لکھے ہیں اور ان تمام ان گنت ستاروں اور ان کی تاثیرات سے بے خبر ہیں۔ حالانکہ ہر ستارہ یونہی عبث ہی تخلیق نہیں کیا گیا، ہر ایک کو آثار تفویض کیے گیے ہیں - اور اہلِ نجوم ان سے قطعاً واقفیت نہیں رکھتے - پس ثابت ہوا کہ یقیناً جو کوئی بھی اہل نجوم کے اس قلیل و مختصر سے علم پر بھروسہ کرکے ان سے نکالے گئے احکام پر اعتقاد رکھتا ہے وہ کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے لامتناہی اسرار اس کے ایمان و یقین کی نظر سے پوشیدہ رہے - اور وہ حق تعالیٰ کی قدرت الٰہیہ پر جو سبھی کی عقل و ادراک کے احاطے سے باہر ہے ایمان نہیں رکھتا - اور اس پردے میں صنعتِ خداوندی اس سے حجاب میں رہی - لیکن ایسے کم فہم اور ضعیف الایمان لوگ مجبور ہیں کہ علمِ نجوم کی کتابوں کے پڑھنے اور اس علم کے حاصل کرنے سے ان کی نگاہ ظاہرہ اسباب پر پڑتی ہے - پس ناقص العقل اور ضعیف الاعتقاد مومنوں کو چاہیے کہ اس علم کے حصول میں زیادہ مبالغے سے کام نہ لیں - اور اگر اس مقولے کے مطابق کہ کسی شے کا تھوڑا بہت علم اس کے نہ جاننے سے بہتر ہے - اگر اس علم سے بھی اپنی فضیلت کی تکمیل کے لیے تھوڑی بہت واقفیت پیدا کرلیں تو کوئی مضائقہ نہیں، مگر اس علم میں سراپا محو و مستغرق ہوجانا ضرر رساں ہے، انسانی دل و دماغ کو پراگندہ کرتا ہے اور نفسی اور قلبی سکون میں خلل ڈالتا ہے - اور ان امور پر یقین کی راہ سے انسان طبعاً ستاروں کے احکام اور اُن کی سعادت و نحوست کا تابع ہوجاتا ہے، اور اُس کا دماغ ہر لحظہ انھی غیر اختیاری امور میں کھویا رہتا ہے اور مشوش رہتا ہے اور حاصل کچھ ہوتا نہیں - کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے وہ تو ہوکر رہے گا - اور یہ عظیم کارخانہ اس کے ضعیف تدارک سے تبدیل نہ ہوگا - کیونکہ قلم خشک ہوچکا ہے اس سے جو کچھ کہ ہونے والا ہے - اگر اس کے حق میں کوئی نیک امر واقع ہوتا ہے تو کسی نیک ساعت میں خود بخود ہی وہ فعل صادر ہوجائے گا -

Marfat.com

جس طرح کہ کسی شخص کی پیدائش کے وقت نجومی اس طالع ستارے کا ملاحظہ کرتے ہیں پس اس میں کیا اختیار ہوتا ہے کہ ہونے والے واقعہ کا پہلے ہی علم ہو جائے۔ یہ بھی لغو بات ہے کہ عالم الغیب تو خدا ہے پس انسان بچارہ تو محسوسہ اور بدیہی امور میں غلطی کھا جاتا ہے۔ وہ تو بارش کے قطرات کو بھی اک واحد متصل دیکھتا ہے۔ حالانکہ ہر قطرہ الگ اور جُدا ہے۔ اور لپکتے ہوئے شعلے کو اک دائرے کی شکل میں دیکھتا ہے۔ باوجودیکہ خارج میں سوائے اک نقطہ کے کچھ موجود نہیں۔ پس جس طرح ان کے محسوسہ امور بے اعتبار ہیں ان کے امورِ معقولہ بھی قابل اعتبار نہیں۔ اور آدمی ان فلسفیانہ اعتقادات سے مشاہدۂ ذات سے محجوب اور قرب و معیتِ حق تعالیٰ سے محروم رہ جاتا ہے۔ اُسے بے حجاب تقرب حاصل نہیں ہوتا۔ اور عقول و نفوس اور ستاروں، آسمانوں، عناصر اور طبائع کے تقیّدات و تاثیرات کی انہی قیود میں بند ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور ان آثار میں فاعلِ حقیقی کے موثر و حقیقی فعل کے مشاہدے سے غافل رہتا ہے اور حق تعالیٰ کا وہ حقیقی فعل جو ان تمام مجازی فاعلوں میں چھپا ہوا ہے۔ اُسے نظر نہیں آتا۔ اور وہ حق سبحانہ تعالیٰ کی حقیقی فاعلیت کا ادراک نہیں کر سکتا، اور اگر عقلی قوت کی راہ سے کچھ تھوڑا بہت معلوم کر بھی لیتا ہے پس فقط اسی قدر سمجھ پاتا ہے کہ وہ علّتِ اولیٰ یعنی حق تعالیٰ جو تاثیر بھی دکھاتا ہے انہی دنیوی علّتوں کے توسط سے دکھاتا ہے اور بلا واسطہ اس سے وہی فعل اوّل صادر ہوا جو عقل اوّل کی ایجاد ہے۔ اور باقی تمام افعال انہی اسباب کے پردے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور وسیلوں اور واسطوں کے بغیر کثیر التعداد افعال اس واحدِ حقیقی سے صادر نہیں ہوتے۔ کیونکہ واحد سے واحد ہی صادر ہوتا ہے۔ ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اس عقلی عقیدے سے جو شریعت میں غیر مقبول ہے۔ کیونکہ اس تقرر سے ناقصوں کے فہم میں حق تعالیٰ کی قدرت کا عجز ہی آتا ہے۔ اور عقول، نفوس، افلاک، ستارے اور طبائع حق سبحانہ تعالیٰ کے لیے بمنزلہ کسی شخص کے اعضا و آلات کے سمجھ میں آتے ہیں۔ پس جس طرح انسانی نفس ناطقہ اپنے افعال میں آلات اور جسمانی اعضا کا محتاج ہے۔ پس اسی طرح حق تعالیٰ بھی اپنی تقدیرات کے اظہار کے لیے عقول، نفوس، افلاک، ستاروں اور طبائع کی وساطت پہ مجبور ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ اعتقاد تو کم عقل اور بے ایمانوں کا ہے جسے فلسفی اور ارباب معقول کہتے ہیں۔ وہ سبحانہ تعالیٰ تو قادر مطلق ہے، جو چاہتا ہے

Marfat.com

ان کی وساطت سے بھی ظہور میں لے آتا ہے اور جو چاہتا ہے ان کے توسط کے بغیر بھی ظاہر کر دیتا ہے - اس کی قدرتِ کاملہ نہ ان سے متعلق ہے اور نہ ان پہ منحصر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے کر دکھاتا ہے - لیکن یہ بات حق ہے کہ وہ حکیم مطلق جلّ شانہٗ اور وہ مسبب الاسباب عزّ سلطانہٗ اس عالم اعتبارات میں جو فعل بھی کرتا ہے اپنی حکمت بالغہ کے تقاضے کے مطابق انہی اسباب کے پردے میں کرتا ہے - کوئی فعل مطلقاً بے اسباب نہیں ہوتا - کیونکہ بے اسبابی کی صورت میں اس کی حکمت میں نقص لازم آتا ہے جس طرح کہ اسباب مخصوصہ کی قیدو شرط سے جس کے فلسفی قائل ہیں نقص قدرت ظاہر ہوتا ہے - پس اس کی قدرت کے ظہور کو حکما کی طرح اپنے انہی معلومہ اسباب پہ منحصر سمجھنا غلطی ہے - کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایسی تخلیقات ہیں جو عقل و فہم کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں - اور اللہ کے پاس ایسے لشکر ہیں جو تم کو نظر نہیں آتے - پس وہ بعض تقیدات کہ ان کے توسط سے ظہور میں لاتا ہے، جیساکہ وہ انبیا علیہ السلام کے فرشتوں کی بہت سی تائیدات درمیان میں لایا - جو ان افلاک و نجوم کے آثار کے علاوہ ہیں اور اور فلسفی و حکما انھیں پا نہیں سکتے اور ہم محمدیوں کی گفتگو تو فقط انہی لوگوں سے ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے تابع ہیں - اور جو لوگ آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے اور صرف اپنی عقل ہی کے تابع ہیں - ہمیں ان خود پسند خود پرستوں سے کوئی سروکار نہیں - اور فی الحال تو ہم بات کو یہیں ختم کرتے ہیں کہ تمھارے لیے تمھارا دین اور ہمارے لیے ہمارا دین - پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ ارادۂ الٰہی سے ظہور میں کیا آتا ہے - یعنی اس آیت کریمہ کے بموجب حکم ہوتا ہے کہ قتل کرو مشرکوں کو جہاں کہیں تم ان کو پاؤ، یا اس آیت کریمہ کے موافق کہ اکتفا کی جاتی ہے کہ وہ دیں جزیہ اپنے ہاتھوں سے اور وہ چھوٹے بن کر رہیں یا معاملہ دعوت اس آیت کریمہ پہ برقرار رہتا ہے کہ آؤ، ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے فی الحال خود اللہ تعالیٰ کی تائید سے تحریر و تقریر میں مستقلاً کاروبار اسی آیت کریمہ کے بموجب جاری ہے کہ تاکہ اُسے غالب کرے تمام کے تمام دین پر، چاہے یہ مشرکوں کو ناگوار گزرے - ہر وقت یہی حالت طاری ہے کہ لعنت ملامت کرنے والوں کی لعن طعن سے نہ ڈرو - اور اس آیت کریمہ کے بموجب کہ جب تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں،

Marfat.com

فتح و نصرت کا دروازہ دن رات کھلا ہوا ہے اور خیر دار اللہ کے لیے ہے دین خالص کا آفتاب خالص محمدیت کے آسمان سے دل اور روح کو روشنی بخش رہا ہے اور اس آیت کریمہ کے بموجب کہ اگر اُسے جھٹلاتے ہیں تو بے شک جھٹلائے گئے ہیں وہ لوگ جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں آئے ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیوں کے ساتھ اور تحریروں کے ساتھ اور کتاب منیر کے ساتھ۔ وہ آفتاب منکر چمگادڑوں کو ہرگز اپنی طرف ملتفت نہیں ہونے دیتا اور ہر لحہ اور ہر لحظہ یہ آیت کریمہ کمال اطمینان بخشتی ہے۔ کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے اور کتب حقہ کا یہ فرمان کہ بے شک اللہ تمھاری حفاظت کرنے والا ہے دلجمعی کا باعث بنتا ہے۔ اور اس آیت کریمہ پہ اعتقاد کہ اللہ پر توکل کرو وہی تمھارے لیے کافی ہے اک عجیب سکون و طمانیت بخشتی ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ خالص محمدیت کی برکات سے متعلق خاص معاملات کے اظہار کو اسی کے صاحب (ان پر خدا کی تمام سلامتیاں ہوں) پہ موقوف رکھتے ہوئے ہدایت عامہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنا چاہیے کہ ان دانشوروں اور گرامی قدر حکمت آشنا حضرات سے کوئی اِکّا دُکّا ہی ہوگا جس نے اس کو بھی پایا، یعنی علم نجوم کو پڑھا اور اُس کے احکام کی قید و بند میں نہ رہ گیا ہو۔ جس نے معاملے کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے فاعل حقیقی یعنی حق سبحانہ، تعالیٰ کی حقیقی فاعلیت کو ہر جگہ دیکھا ہو اور ستاروں آسمانوں کو بھی ان کی تاثیرات میں بے اختیار سمجھا اور حکم حق ہی کے تابع جانا ہو۔ پھر وہی ایمان جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس فاعلِ حقیقی اور قادرِ مطلق کی قدرت کو اعتباری وساطتوں کے ملاحظہ اور اضافی علّتوں کے تصور کے بغیر بھی قائم رکھتا ہے اور ان تمام دنیوی حجابات کو نظر میں نہیں لاتا کیونکہ دنیوی موجودات میں جو کچھ بھی ہے اللہ کے تابع فرمان ہے۔ سورج، چاند، ستارے بھی اسی کے امر کے ماتحت ہیں۔ عالم ارض میں جو تاثیرات بھی یہ دکھاتے ہیں اسی کے حکم سے دکھاتے ہیں۔ وہ قادرِ مطلق ہے، اگر چاہتا ہے تو ان میں تاثیر رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ اکثر سنت الٰہیہ اسی نہج پر جاری ہے۔ اور چاہے تو محض اپنی قدرتِ کاملہ کی نمائش کے لیے کسی کو کوئی تاثیر بھی نہ بخشے۔ چنانچہ انبیائے علیہ السلام کے معجزے اور اولیائے کرام کے کشف و کرامات اسی راستے سے ہیں۔ اور شق القمر (چاند کا شق ہو جانا) والشمس

Marfat.com

(سورج کا واپس لوٹ آنا) اور آنحضرت صلعم کا سایہ زمین پر نہ پڑنے اور ایسے ہی دیگر معجزات انہی معانی پہ دلالت کرتے ہیں۔ اور ہمارے قبلہ کونین (مصنف کے والد بزرگوار) قدس سرہٗ العزیز کی یہ کرامت اس وقت بھی گواہ ہے کہ ان کے مزارِ مقدس کا صفہ بغیر چھت کے ہے لیکن موسم گرما کی عین شدت کے دنوں میں بھی کبھی سورج کی تمازت سے گرم نہیں ہوتا۔ بلکہ ٹھنڈا رہتا ہے۔ اور زمین کا باقی سارا حصّہ گرمی کی شدت سے یوں تپ رہا ہوتا ہے کہ اس پہ قدم رکھنا بھی دشوار ہوتا ہے۔ اور صفہ مبارک پختہ ہونے کے باوجود اتنا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ کہ زمین بوسی کے وقت زائرین کے چہروں اور آنکھوں کو طراوت اور ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ ان کی وفات کو بارہ سال گزر گئے اور اب تک بھی وہ ظاہر وعیاں کرامت مستقلاً قائم ہے۔ اور سب مخلص اور منافق جو آتے ہیں سب اُسے دیکھتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ معاملہ جو اتنی مدت سے چلا آ رہا ہے یونہی برقرار رکھتے ہیں یا اُسے موقوف کر دیتے ہیں۔ فی الحال تو ہم لوگوں کے ایمان واعتقاد کو تقویت کے لیے یہ اک ظاہر وعیاں کرامت ہے جو صاحب یقین لوگوں کے ایقان کو اور بڑھاتی ہے۔

حق بات تو یہ ہے کہ اس ظاہری آفتاب کا جمال اور زتاب کہ وہ معنوی آفتابوں پہ غلبہ پا سکے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ میں اصل مطلب کی طرف لوٹتے ہوئے کہتا ہوں کہ اکثر و بیشتر معنوی ضعیف الاعتقاد لوگوں کو معقولات اور علم وحکمت کی ان کتابوں کے پڑھنے سے دین وایقان میں سستی رونما ہو جاتی ہے اور وہ اسلامی عقائد پہ اس طرح قائم نہیں رہتے جیسے کہ رہنا چاہیے۔ پس اکثر مومنوں اور مسلمانوں کو چاہیے کہ اس قسم کے زاید علوم سے اجتناب ہی کریں۔ اور فقہ وحدیث وتفسیر کے علم پہ اکتفا کرتے ہوئے شریعت کے مطابق اپنے اعمال کی تصحیح کی کوشش کریں۔ کیونکہ کم فہم کا یہ مرتبہ نہیں۔ علم معقول وتصوف کے علم کی معلومات کے باوجود اپنی ایمانی شمع کو نبوت کے کمالات کے نور سے روشن رکھے اس کے لیے تو محمدیؐ مشرب اور جامع استعداد کی ضرورت ہے۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور وہ بڑا صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ نقلی علوم میں سے صرف اتنا کچھ حاصل ہو جو ایمانی قوت میں خلل انداز نہ ہو بلکہ اس کی تقویت کا موجب بنے اور اس میں اس طرح غور وخوض کرنا کہ مزید ایمانی قوت کا باعث بنے۔ اور اُس سے دینی دلائل وبراہین ہاتھ لگیں یقیناً بہتر ہے۔ ورنہ اللہ کی راہ پہ چلنے والے

Marfat.com

واقع ہے۔ روا ہے کہ ہماری ناقص عقل اس دلیل کے ادراک کی اہلیت ہی نہیں رکھتی۔ اور وہ بات نفس الامر میں مدلّل اور مبرہن ہوتی ہے اور یہ کیا ضروری ہے کہ جو کچھ اس وقت ہمارے نزدیک عقلی دلیل سے ثابت ہے یقیناً واقع کے مطابق ہی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ خلاف واقع ہو۔ اور کوئی دوسری دلیل جس کا ادراک ہم نہ کرسکے ہوں اس دلیل کی تنقیض کرنے والی ہو۔ سوال بہت خوب اس بیان سے یہ معانی تو ثابت ہوگئے کہ کسی شے کا واقع کے مطابق یا مخالف ہونا اس پہ کسی دلیل کے پالینے یا نہ پالینے پہ موقوف نہیں ہے۔ لیکن اس امر کی استواری کے بارے میں تم کیا کہتے ہو کہ جس کے سلسلے کا عقل صریحاً ممانعت کا حکم دیتی ہو اس کا ثبوت کس طرح فی الواقع ہوگا۔ اور بہت سے دینی امور جیسے کہ جسمانی حشر و نشر اور ایسے ہی دیگر امور ایسی مثالیں ہیں کہ عقل ان کو جائز نہیں سمجھتی۔ جواب ہمارا جواب یہ ہے کہ ممنوع اس کو کہتے ہیں جو دلیل طلب کرے اور روا ہے کہ وہ امر اصل میں ممانعت کے رفع کرنے کی دلیل رکھتا ہو۔ اور ہم اُسے پا نہ سکے ہوں۔

سوال اگر تم یہ کہو کہ وہ امر جو عقل کے بموجب محال نظر آتا ہو اس کے بارے میں کیا کہو گے۔

جواب ہم یہ کہیں گے کہ وہ امر جو ہماری ناقص عقل کے نزدیک محالات میں داخل ہے، جائز ہے، وہ حق تعالیٰ کے کامل علم میں ممکنات کی جنس سے ہو اور ہم اس کی امکانی حیثیت کو نہ پا سکے ہوں۔ بہر حال یہ سوالات و جوابات بے اختیار ہی اسلامی طرفداری اور دینی حمیت کے باعث ہماری قلم کی نوک پہ آگئے۔ ہماری دعوت کی بنیاد استدلال (دلیل بازی) پر نہیں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہم محمدیوں کو خالص محمدیت اور مصطفوی شریعت کی حقیقت میں کوئی شبہ رونما نہیں ہوتا۔ اور وہ بغیر کسی دلیل ہی کے ثابت ہے اور جس کسی کو حق تعالیٰ ہدایت دے گا اسی کے نصیب میں اس قسم کا ایمان آجائے گا۔ وگرنہ جسے صد گمراہ کردے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ مومنوں کو چاہیے کہ اپنی عقل پہ تکیہ نہ کریں۔ اور قدرتِ الٰہیہ کے تمام امور کو فلسفیوں کے مقرر کردہ قیود و شرائط و قواعد پر منحصر نہ سمجھیں جو انھوں نے اپنی ہی ناقص عقلمندی سے وضع کیے ہیں۔ اور کسی انسان کی عقل کو تمام قضیوں اور مقدمات کا کما حقہٗ ادراک کرنے والی نہ سمجھیں۔ اور علم حقیقی اسی حکیم مطلق جلّ شانہٗ و عزّ سلطانہٗ کے علم کو جانیں اور سمجھ لیں کہ ہر چند کہ حکمتِ خداوندی کے اسرار و رموز جتنے کہ حضرت انسان نے معلوم کیے ہیں اور خداوندی صنعت کے

Marfat.com

سالکوں اور راہِ ہدایت کے طالبوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ اس سے اپنے آپ کو روکے ہی رکھیں۔ کیونکہ قربِ الٰہیہ کی نسبت تو ایمانی قوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے طفیل ہی نصیب ہوتی ہے اور عقلی قوت کسی کے کام نہیں آتی۔ اور نہ ہی تقربِ ذات کی راہیں کھولتی اور نہ ہی اخروی نجات کا چہرہ دکھاتی ہے۔ اگر بظاہر چند مدلّل اور مبرہن مسائل پہ عبور حاصل ہو جائے اور معقول و مضبوط طرزِ گفتگو بھی آجائے تو کیا ہوا۔ کیونکہ اگر یہ معاملہ بہتر ہوتا تو فلسفی و حکما انبیائے علیہ السلام سے زیادہ کامل ہوتے۔ ان کی تقریر نسبتاً حکما کی سی نہیں ہوتی وہ تو فقط حقیقت کی خبریں دیتے ہیں۔ اور وہ راستہ دکھاتے ہیں جو دونوں جہانوں میں مفید اور باعثِ نجات ہو۔ وہ باتیں عقلی دلائل سے خواہ ثابت ہوں یا نہ ہوں۔ حکما جو کچھ بھی بیان کرتے ہیں وہ معقول و مدلّل ہوتا ہے گو کہ کسی کام نہیں آتا۔ اور اُس سے مشاہدۂ ذات کی نسبت میں حجاب در حجاب حائل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ انسان کو دنیوی اعتبارات کا اسیر بنا دیتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ فلسفیوں کو تو صرف ہر امر کا ثابت ہونا ہی منظور ہوتا ہے۔ عقلی دلیل سے ایسے نہج سے کہ عقل اس کے انکار سے عاجز آجائے اور مجبور ہو کر اقرار کر لے۔ گو کہ اس سے اس شخص کے نفس کو کوئی نیک ثمرہ نہیں ملتا اور قربِ الٰہی کے حالات میسر نہیں آتے۔ اور انبیائے علیہ السلام اور اولیائے کرام کا مقصد فقط حق تعالیٰ تک پہنچانا اور نجات کا راستہ دکھانا ہوتا ہے۔ یوں کہ ان اعتقادات و افعال و اقوال کی خاصیت اُنھیں نجات کے قابل اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا اہل بنا دیتی ہے، اور مشاہدے کی راہ کھول دیتی ہے۔ گو عقل سے ثابت ہونے والے وہ امور ان کم عقلوں کے ذہن میں نہ آسکیں جو خود کو اربابِ معقول کہلواتے ہیں۔ یہاں یہ سوال نہ کر بیٹھو کہ اس تقریر سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ راستہ جو نجات کے لیے مفید اور قربِ الٰہی کا ثمر ہے۔ وہ راستہ نفس الواقع کے ادراک کے برخلاف ہے کہ اس میں عقلی دلیل نہیں پائی جاتی، اور انبیاءؑ و اولیائے کرام اس کی طرف دعوت دیتے ہیں اور وہ راستہ جس سے نجات رونما نہیں ہوتی اور قربِ حق تعالیٰ کی دوری و مہجوری حاصل ہوتی ہے اور حکما نے اس کو اختیار کیا ہے۔ پس نجات اور قربِ الٰہی کا حصول غلط فہمی سے متعلق ہوگا نہ کہ حقیقت کے ادراک سے جیسی کہ وہ ہے۔ نہیں، نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ کیسے لازم ہے کہ جس سے بالعقل دلیل ہمارے دماغ میں نہیں آتی۔ وہ فی الحقیقت دلیل ہے ہی نہیں اور خلاف

Marfat.com

جتنے دقائق انسانی حقیقت پہ منکشف ہوتے ہیں۔ جنّات اور ملائکہ کی کسی مخلوق پر اتنے اسرار نہیں کھُلے۔ اور ممکنات میں سے کوئی موجود بھی ایسے تفصیلی علم سے ممتاز نہیں ہوا۔ لیکن اگر ہر فرد چاہے کہ نوعِ انسانی کے تمام علوم کو حاصل کر لے اور ہر شخص جزئی ارادہ کر لے کہ کلی انسانیت کے تمام کمالاتِ حقیقت کو حاصل کر لے تو یہ امر محال ہے جو کبھی صورت پذیر نہیں ہو سکتا۔ محض اک وہم و گمان ہے جو آج تک کسی فردِ واحد سے ظہور پذیر نہیں ہو سکا۔ خواہ افلاطون زمان ہو یا ارسطوئے دوراں وہ بہت سی چیزوں سے ناواقف ہوتا ہے۔ اور اکثر امور میں حیران و سرگرداں رہ جاتا ہے۔ پس جو کچھ تیرے حال کے مناسب اور تیرے انجام کے لیے مفید ہے وہ یہ ہے کہ دنیاوی معلومات کے ضروری علم میں اکتفا کرو۔ اور ضرورت کے مطابق علوم حاصل کرنا عبارت ہے طالبِ علم کے مستعد ہونے سے، کیونکہ اکثر انسان اور شرفا ایسے ہی ہوتے ہیں تاکہ مجلسوں اور محفلوں میں باتیں سمجھنے سے قاصر نہ رہو۔ اور جو کچھ خود بیان کرو وہ بھی مربوط اور مضبوط ہو۔ اور اپنے بزرگوں کے دین و آئین اور ان کی راہ و روش سے آگاہ اور باخبر رہو۔ اور اپنے عقیدوں اور عملوں کے بناؤ اور بگاڑ کو سمجھ سکو۔ اس سلسلے میں زیادہ بک بک اور جھک جھک اور ملّاؤں کی سی بحثوں اور فلسفیانہ مقدمات و صوفیانہ لغویات میں مستغرق ہونا قطعاً ضروری نہیں بلکہ محض وقت کا ضائع کرنے اور کدورتوں کے پیدا کرنے کا موجب ہے۔ اپنے باطن کی صفائی میں پوری کوشش اور سعی کر اور اپنی ساری عمر کو اس لفظی علم کے حاصل کرنے میں ضائع نہ کر اور نفس علم کو زیادہ کر جو تصفیہ قلب کا باعث بنتا ہے۔ اور اپنے آپ پر حضوری و مشاہدہ کا دوامی دروازہ اک لاثانی اور اور بے کیفیتی انداز پہ کھول۔ آفاق کی وادی میں قدم نہ رکھ، اور آفاق کی سیر و گردش اور مسافت طے کرنے پر اپنی ہمت صرف نہ کر، کہ وہ بڑے دور دراز کی راہ ہے۔ اور خود پرستی والے سالک اور فلسفیانہ مشرب والے لوگ جو اپنی عقل ہی کی بزرگواری میں اسیر ہیں۔ اور کوئی بھی اس راہ سے منزل مقصود پہ نہ پہنچ سکا جو قربِ الٰہی کا مقام ہے۔ کتنے ہی کارواں اور قافلے اس بیابان میں بھٹکتے رہے اور سرگرداں ہو کر ہلاک ہو گئے۔ مگر نجات کی آبادی کا چہرہ نہ دیکھ سکے، خانۂ باطن کا رُخ کر، اور روحانی دُنیا کی سیر و گردش کے لیے قدم بڑھا۔ کیونکہ اس کاشانے کا دروازہ کھُلا ہے اور یہ حق پرستوں اور اولیاء اللہ کا مسلک ہے جو فنا و بقا کی دولت سے شرف یاب ہوں۔ طالبانِ حق

Marfat.com

تعالیٰ جوق در جوق اسی راہ سے قربِ حق کی منزل پر پہنچے۔ اور ماسوی اللہ کے پھندوں سے آزاد ہیں۔
برگزیدہ و منتخب حضرات کی راہ کا کیا بیان کیا جائے۔ جو انبیائے علیہ السلام کی راہ ہے اور انفس و آفاق سے ماورا (پرے) ہے اور اس راہ پہ نبوت کے کمالات رکھنے والے حضرات ہی چلتے یا چل سکتے ہیں۔ اس کا بیان تحریر و تقریر کے احاطے سے باہر ہے۔ خاص طور پر محمدی نبوت کے کمالات کے معاملات جو خالص محمدیت سے موسوم ہے۔ اور انہی کمالاتِ نبوت کی راہ سے اُنھوں نے مختلف مرحلے اور مرتبے طے کیے ہیں۔ ان کا کیا بیان کیا جائے کہ حیطۂ تحریر و تقریر سے باہر ہیں۔ خصوصاً نبوتِ محمدی کے کمالات کے معاملات جو خالص محمدیت سے موسوم ہیں۔ جو مراتب اور مراحل میں ان کمالاتِ نبوت سے برتر ہیں۔ ان کے متعلق کیا کہا جائے کہ کمالاتِ نبوت عامہ کے مالکوں کے فہم نبوتِ خاصہ کے کمالات کے ان مراتب سے دُور ہی رہے۔ اور اس معاملے کو تو صاحبِ معاملہ ہی سمجھ سکتا ہے۔ (جس نے اس لذّت کو نہ چکھا ہو وہ کیا جانے) مصنف کا شعر

سخن او بہیچکس نکنم ۔۔۔ غیر او نیست لائق سخنش

(میں اس کے متعلق کسی سے بھی گفتگو نہیں کرتا، اس کے بغیر اس کی باتوں کو سننے کا کوئی اہل نہیں)

اس پہ تمام برکات اور ساری نیکیاں و سلامتیاں ہوں۔ اور وہ آفاقی سیر کرنے والے اسیر جو بزعم خود موجودات کی صور علمیہ کے احوال کو دریافت کرنے کے درپے ہیں۔ جیسے کہ وہ نفس الامر میں ہیں اس کو نہیں جانتے کہ اگرچہ مصنوعات کی معرفت کا حصول کا ماحصل مانع ہے۔ اور برہان انی کے موجب معلولات سے بھی علتوں کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ لیکن ان تحقیقات میں حد سے زیادہ تجاوز مقصد کے حصول میں مانع ہوتا ہے۔ کہ یہ اکثر و بیشتر اوقات اصل مقصد سے محروم رکھتا ہے جو تقرب ذات باری تعالیٰ ہے، اور مبادیات کے ادراک چھان بین اور دوڑ دھوپ میں سرگرداں رکھتا ہے اور پیاز کی طرح تمام کا تمام سوائے چھلکے ہی چھلکے کے اور کچھ نہیں۔ اور اصل لب لباب اور مغز کے ذوق سے جو حق تعالیٰ کی معیت کی نسبت سے محروم رکھتا ہے۔ اور برہان لمی جو علّت کے ذریعے معلول کا پتہ لگاتے ہیں۔ ان کے نقطۂ نظر سے بالکل بے وقعت ہے۔ بلکہ بے فائدہ و لاحاصل۔ کف گیر و چمچہ چلاتے رہے مگر حلوہ کہاں؟ ان تمام طبیعی اور الٰہیہ کی تحقیقات کے باوجود جن میں فلسفی مصروف رہتے ہیں اُنھیں حق تعالیٰ کا وہ قرب اور رفاقت نصیب نہ ہوئی جس سے انبیائے کرام (ان پر خدا کی

Marfat.com

سلامتیاں ہوں) نے ہدایت پائی - لہٰذا یہ ساری مغز ماری لغو اور بے فائدہ ہے - باوجودیکہ ان تحقیقات سے وہ بہرہ مند نہ ہو سکے پھر بھی اگر دوامی حضوری و مشاہدے کی نسبت اور ایمان کی تقویت میسر آ گئی تو سراسر خیر ہی خیر ہے، اور مرتبۂ بندگی سے جو کچھ مقصود ہوتا ہے وہ حاصل ہو گیا - اور ایسا گرامی قدر انسان جس کی ذات تحقیق و تقریب کی جامع ہو آئے دن پیدا نہیں ہوتا - یہ آدمی اگر ایسے خیالی پلاؤ پکائے تو یہ اس کی خام خیالی ہے - اپنی اسی ایمانی اور یقینی قوت کو مستحکم بنانا چاہیے - اور حضور محمد مصطفیٰ صلعم اور محمدیوں (ان پر خدا کا درود و سلام) کے اتباع کا راستہ اختیار کرنا چاہیے اور شریعت محمدی اور طریقت مصطفویؐ کی متابعت سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے اور خالص محمدی بن جانا چاہیے کیونکہ اصل کام یہی ہے - باقی اگر مقدر میں مقسوم ہے تو دل پہ تحقیق و معرفت کا دروازہ بھی کھل جائے گا - اور براہِ راست اس کی اطاعت اور اتباع کو منظورِ نظر اور ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے - اور اسی ضمن میں اگر تحقیقات سے کوئی چیز کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے مطابق کھل جائے تو فبہا ورنہ مومنوں کو اس سے کوئی تکلیف نہیں - اور وہ حکم جس کے لیے اللہ کے بندے مکلف ہیں وہ یہی ایمان و اسلام کا قبول کرنا ہے، اور حدود اللہ اور اوامر و مناہی پہ قائم رہنا ہے - مادیات و مفردات کے سمجھنے سے عقدہ نہیں کھلتا اور منطقی قضیوں کے یاد کرنے سے نجات حاصل نہیں ہوتی - اور صوفیا کی اصطلاحات کا حفظ کر لینا شفاعت کا موجب نہیں بنتا - اور حفظ کرنے کا شوق ہے اور دماغ بھی ساتھ دیتا ہے اور وقت بھی میسر ہے اور عمر کا تقاضا بھی ہو تو قرآن مجید کو حفظ کر و گرنہ جہاں تک اور جس قدر ہو سکے قرآنی سورتوں کو زبانی یاد کر، اور اپنی نفلی نمازوں میں خشوع و خضوع اور حضورِ قلب سے انھیں بار بار دہرا کیونکہ کوئی عمل اس سے بہتر نہیں ہے - الغرض ظاہری اور باطنی طور پہ بالکل اللہ ہی کی طرف متوجہ رہ اور دنیوی امور کو سمجھنے کے ناخنوں سے اپنے دل کے چہرے کو نہ چھیل - کیونکہ ہمیشہ این و آن کی فکر میں رہنا بالکل بے معنی اور لایعنی ہے - اور کسی ایسے امر میں سر کھپانا اور کوشش کرنا جس کو کوئی انسان کما حقہٗ سر انجام نہ دے سکا ہو وہ بالکل بے معنی سی بات ہے اور بے کاروں کا شغل ہے - اور ہر ایک چیز کے دریافت کرنے کا ارادہ کرنا ہی لغو بے معنی بات ہے - کیونکہ آخر ہر امر کی جزئیات کو تو کہاں تک پا سکے گا - کیونکہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اپنے کی اپنے بندے سے روگردانی کرنے کی علامت اس کا مشغول ہونا ہے اس چیز کے ساتھ جو اس سے

Marfat.com

تعلق نہ رکھتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے دوست اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین بھلا ماسوی اللہ کی طرف رُخ کہاں کرتے ہیں۔ اور اپنے دماغی التفات کو غیر اللہ کی جانب کب کرتے ہیں۔ اُنھیں اتنی فرصت ہی کہاں کہ مشاہدۂ دوست سے ہٹ کر معقولات کے بحث مباحثوں میں جا اُلجھیں۔ اور خدا و رسولؐ کی اطاعت کو چھوڑ کر عقل کی پیروی کریں۔ ہر کسی سے مُنہ موڑ لے اور ہمیشہ پورے خلوصِ دل سے اس لاثانی اور بے کیف ذات کی طرف متوجہ رہ۔ اور شریعتِ محمدیہ اور طریقتِ مصطفویہ کے اتباع میں سرگرمِ عمل رہ۔ اپنے آپ کو پہچان یعنی ان امور کو دریافت کر جو دونوں جہانوں میں بھلائی اور اصلاح حال و مآل سے متعلق ہوں۔ اور اپنے دینِ اسلام کے راہ و رسم اور آئین کو سیکھ اور اپنے خاندانی کاشانے کی شمع کو روشن کر کیونکہ یہی کچھ تیرے ذمے ہے۔ جو امر باعثِ نجات ہو اسے دریافت کر کے اس میں مشغول ہو جانا چاہیے اور جو بات اپنی ہلاکت کا موجب ہو اُسے پہچان کر اس سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ معرفت کا نچوڑ یہی ہے۔ اور عرفان کا ماحصل یہی ہے جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ جس کسی نے ہدایت پانے والے کو نہ پہچانا وہ اپنے نفس کی نجات و خیریت میں لگ گیا۔ پس اپنے رب کی رحمت و ہدایت کی کیفیت کی دریافت میں کھو جا۔ کیونکہ حق پروردگار کا کام اپنے بندوں کی پرورش کرنا اور اُنھیں راہِ راست دکھانا ہے۔ بیشک اللہ کا راستہ ہی راہِ راست ہے۔ رباعی:

اے درد چرا بکنجِ باغش جوئی
وز بہر چہ درمیانِ راغش جوئی
من در رہ او فتادہ چون نقشِ قدم
از من جوئی اگر سراغش جوئی

ترجمہ رباعی: اے درد تو اُسے باغات کے کوتے کھدروں میں کیوں ڈھونڈتا پھرتا ہے، اُسے وادیوں اور گھاٹیوں میں کاہے کو تلاش کر رہا ہے۔ میں جو راستے میں نقشِ پا کی طرح گرا پڑا ہوں اگر اُس کا سراغ لگانا ہی ہے تو مجھ میں اس کی جستجو کر۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق کنجِ باغ کے کلمات سے مُراد تشبیہی تقیدات کا گوشہ ہے، جو مرتبۂ بشرطِ شئے وجودی کا مظہر ہے۔ اس گلستان میں اعتبارات کے رنگا رنگ کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ میانِ راغ کے کلمات

Marfat.com

سے مُراد تنزیہی اضافات میں جو مرتبۂ بشرط لاشے وجودی کے مظہر ہیں۔ کہ افکار کے کتنے ہی کاروان موت کے اس دشت و بیابان میں گھومتے رہے۔ حرف (ش) شین جو قافیے کے کلمات کے ساتھ ضمیر متصل ہے اور فعل جستن کا مفعول ہے، اس سے مقصد مرتبۂ لابشرط وجودی ہے جو عبارت ہے نفس الوجود سے، اور لفظ "من" سے منظور خالص محمدیت کے منصب کے مالک سے ہے، اور راہ سے مراد محمدی طریقت اور مصطفوی شریعت ہے اور افتادن کا مطلب نزولِ تام کے مقام کو پہنچ جانا اور اپنے لیے نقش قدم کی تمثیل اپنے پچھلے بزرگوں کے ادب کی رو سے ہے کہ جن کے قدموں تلے ہماری جگہ ہے۔ اور لفظ سُراغ سے مُراد ہے مطلوب تک پہنچنے کا طریقہ یا راستہ۔ حاصل مطلب یہ کہ شاعر اپنی تابعی حیثیت کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی متبوعیت کی حیثیت کی طرف دعوت دیتے ہوئے اپنے آپ سے کہتا ہے کہ در د تو جو دین محمدی کا تابع ہے اور اپنے اعتقادات کی بنیاد دلائل و براہین پر نہیں رکھتا تو پھر ذات الوجود کو جو مرتبۂ لابشرط ہے کیوں فلسفیوں کی طرح فقط انہی مشہودہ (دکھائی دینے والے) محسوسات اور دنیوی مشبہات میں ڈھونڈتا پھرتا ہے وہ جو مرتبۂ بشرطِ شے کے مظہر ہیں یا کاہے کو فلسفیوں کی طرح اس نفس الوجود کو فقط انہی معقولہ متصورات اور مفہومہ منزہات میں تلاش کرتا ہے کہ وہ تو مرتبۂ بشرط لاشے کے مظہر ہیں۔ میں جو کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اپنی متبوعیت کی حقیقت کی وجہ سے خالص محمدیت کے منصب کا مالک ہوں اور تشبیہ و تنزیہ کا جامع ہوں اور طریقِ محمدی اور شرع مصطفوی کے اتباع پر ثابت قدم ہوں۔ اور نزولِ تام کے مقام پر آچکا ہوں۔ اور نقش پا کی طرح میں نے اپنے بزرگوں کے قدموں تلے جگہ بھی پالی ہے۔ سو تمھیں چاہیے کہ اللہ تک پہنچنے کا طریقہ مجھ سے دریافت کر، اور میری الہامی والقائی تحقیقات پہ اعتقاد رکھ۔ اور میری معمول کی عبادات پر عمل کر، کیونکہ طریقۂ محمدیہ سے بڑھ کر اور کوئی طریقہ نہیں۔ اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف اس سے زیادہ قریب ترین رستہ اور کوئی نہیں جیسا کہ فرمان مبارک ہے کہ اگر تم محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور متابعت سے چمٹا رہا۔

Marfat.com

هُوَالنّاصِر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے کہ اُس کے جذبات میں سے ایک جذبہ جنّ و انس کی عبادت کا باہمی تقابل کرنا ہے۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے۔ اور درود و سلام اُس کے رسول پر جو دونوں جہانوں میں امتوں کے شفیع ہیں۔ اور آپؐ کی آل و اصحابؓ پر جو دونوں جہانوں میں نیک بخت ہیں۔ اما بعد پس یہ اسّی واں (۸۰) واں باب ہے جو جذبۃ اللہ سے موسوم ہے۔ اور جذبہ کے معنی دل کا اللہ کی طرف کھینچنا اور اس کا ماسوی اللہ سے منقطع ہونا ہے اور اگر یہ ذوق و شوق سے ہو اور محبت کے غلبے اور قوت ایمانی کے ساتھ ہو تو یہ حُبّی جذبہ ہے اور اگر یہ ہو دُنیا اور اُس کی فنا کی حقیقت کے ادراک سے اور سمجھا جائے نفسِ ناطقہ کا تجرد اور اس کی بقا اور نیک بختی کے حصول کا پانا انسانوں میں علویات کے ساتھ اور مشغول ہونا الٰہیات کے ساتھ اور منقطع ہونا سفلیات اور مادیات سے، پس یہ جذبۂ عقلیہ ہے۔ اور اگر وہ ہو کمزوری یا زیادہ عمر کی وجہ سے تو وہ جذبۂ طبیعیہ ہے۔ اور اگر وہ ہو اہل اللہ کی صحبت کی برکت سے تو وہ ہوتا ہے جذبۂ قسریہ۔ جب تک کہ وہ سکون نہیں پاتا اور قرار نہیں پاتا نفس میں اور جب وہ سکون و قرار پا جاتا ہے اس طرح کہ پھر نفس سے زائل نہیں ہوتا تو وہ جذبہ بالملکہ ہے۔ پس اگر وہ ہوتا ہے ذکر اذکار کی مداومت کے ساتھ تو جذبۂ ارادیہ ہے۔ اور اگر

Marfat.com

وہ ہو مرض کی شدت، اس زمانے کے طول اور عدم حصول اسباب نعمت اور نفس کے تنفس سے دُنیا کے معاش کی تنگی کی وجہ سے اور صدمات کے وقوع کی وجہ سے غموں اور دکھوں میں سے تو یہ جذبہ نفسانیہ ہے۔ جو دُکھ اور افسوس سے واقع ہوتا ہے۔ اور اگر یہ کثرت سے وحدت کے شہود سے ہو اور موجودات میں وجود کے مشمول سے تو جذبۂ وجدانیہ ہے۔ اور اگر وہ ہو رسمی علوم کے حاصل کرنے کی قوت سے تو یہ جذبۂ علمیہ ہے۔ اگر وہ ہو دماغ کے خلل اور حواس کے اختلال اور سوداوی خلط کے غلبے سے پس یہ جذبۂ جنونیہ ہے۔ پس اگر وہ ہو فطرت کی ابتدا سے درستی کے ساتھ، اور سلامتی حواس و قوا کے ساتھ ہو تو یہ جذبۂ خلقیہ ہے۔ اگر ہو خطرات سے دل کے خالی ہونے اور نشہ و مستی کی حالت کے طاری ہونے کے ساتھ اور واقعے کے غائب ہونے سے جیسے کہ ہوتا ہے بعض اوقات نقشبندیہ طریقت کے اصحاب میں سے کسی سے، پس یہ جذبۂ حالیہ ہے۔ اور اگر یہ ہو خاص چناؤ سے اور خالص انتخاب سے اچھی طرح قبول کرنے کے ساتھ رسول اللہ کے ضمن میں ظاہراً و باطناً و ایماناً و عقلاً، ذوقاً اور حالاً، بغیر زوال کے یہاں تک کہ ہو جائے وہ صفت ذاتیہ نفس اور دل کے لیے پس یہ جذبۂ محمدیہ ہے۔ اور ہر چیز ان جذمات میں سے اللہ تعالیٰ کے جذبات ہیں جن سے وہ کھینچتا ہے اپنے بندوں کو اپنی جناب میں اور اُسی کی طرف لوٹتا ہے اور ہر چیز ان جذباتِ الٰہیہ میں سے موسوم کی جاتی ہے مجازی اعتبار سے اس کی قریبی علت کے نام کے ساتھ جیسے کہ تو نے جان لیا اور اگر وہ ہو حقیقت کے مطابق تو سب کچھ اللہ سبحانہٗ ہی کی طرف سے ہے۔ اور اُسے بلحاظ اصل جذب الٰہی کہا جاتا ہے۔ ادراک میں سے ہر ایک کے الگ الگ مرتبے ہیں اور مختلف نتائج ہیں درجات اور مقتضیات اور قوت و ضعف کے تفاوت کے مطابق اور منکشف ہوتی ہے حقیقت بندوں پر حاصل ہونے والے جذبات کے مطابق گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دروازے ہیں جو کھولتا ہے اپنے بندوں کے دلوں پر اور داخل کرتا ہے انھیں جس دروازے سے چاہتا ہے، اور وہ بہت بڑا کھولنے والا اور جاننے والا ہے۔ پس جس کا جذبہ اس کے سلوک پر متقدم ہو جائے۔ یعنی اس کا جذبہ اس کے سلوک کا سبب بن جائے تو وہ مجذوب سالک ہے اور جس کا سلوک اس کے جذبے پر متقدم ہو جائے یعنی ہو اس کا سلوک اس کے جذبے کا سبب وہ سالک مجذوب ہے۔ اور جو نہیں متوجہ ہوتا سلوک کی طرف اور ہلاک ہو جاتا ہے جذبے میں ہی وہ خالص مجذوب ہے اور وہ

Marfat.com

نہیں ہوتا قابل صحبت کے، اور جس کے لیے جذبے میں سے کچھ بھی حصہ نہیں ہوتا اور تنہا سلوک پر چلتا ہے، وہ فقط سالک ہے وہ اصحابِ ذوق میں سے نہیں اور مجذوب سالک افضل ہے سالک مجذوب سے، کیونکہ جذب اشرف ہے سلوک سے۔ اور وہ شخص جس کے اندر ایک اشرف معاملہ تقدم کر گیا تو تقدم کر گیا شرافت میں یقیناً ایک جذبہ اللہ کے جذبات میں جو جنّ و انس کے عبادت کا باہمی تقابل ہے۔

خلوت کی فراغت اور تنہائی کے فائدے

باطنی تربیتوں اور نفسی عروجوں کے کارخانے کی بنیاد ماسوی اللہ سے دل کے منقطع کر لینے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے پر ہے۔ اور یہ بات خلوت اور گوشہ نشینی کو لازم کیے بغیر کما حقہٗ میسر نہیں ہوتی۔ پس اللہ کے طالبوں اور اُس کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو چاہیے کہ خلوت کو اپنے اوپر لازم کر لیں تاکہ ان کا باطن مجالس و محافل کی کثرت سے خلل پذیر اور مکدّر نہ ہو۔ اور خلوت کو لازم دینے سے مُراد یہ نہیں کہ بالکل ہی صحبت کو ترک کر دے اور قطعی تنہائی اختیار کر لے، کیونکہ یہ تو جاہلوں کا کام ہے۔ جبکہ خلوت کی لزومیت سے مُراد خلوت کو صحبت پر غالب رکھنے سے ہے۔ نیز بقدر ضرورت محافل میں بیٹھنا یعنی نماز باجماعت اور نماز جمعہ کے لیے باہر نکلنا اور طریقت کے سالکوں کے رشد و ہدایت کے لیے مقررہ اوقات میں بیٹھنا، طالب علموں کو درس دینا اور اہلِ حق کے حقوق کی ادائیگی کیونکہ اس حُسنِ نیت سے اس قدر صحبت بھی خلوت ہی میں داخل ہے اور عزلت ہی میں شمار ہوتی ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ صحبت میں غفلت نہیں برتنی چاہیے اور دن رات بے فائدہ لوگوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا نہیں چاہیے جیسا کہ غافلوں اور ناسمجھوں کا وطیرہ اور طریقہ ہے۔ کیونکہ اس طور طریقے سے جمعیتِ خاطر (یا طنی طمانیت) برقرار نہیں رہتی۔ اور ذاتی ترقیاں اور درجے نصیب نہیں ہوتے۔ اور مرشد کا وہ رعب داب جو رشد و ہدایت کے لیے ممد و معاون اور اعتقادات کے لیے مفید ہوتا ہے، دل میں باقی نہیں رہ جاتا۔ اور یہ مرشدوں اور مریدوں دونوں کے لیے ضرر رساں ہے۔ حضرت قبلۂ کونین (خدا ان کی برکات و نصرت سے ہماری مدد فرمائے) یعنی والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ درویش کے لیے دن رات میں کچھ وقت کے لیے تنہائی و خلوت میں مشغول بحق ہونا بھی ضروری

Marfat.com

ہے۔ اور بظاہر سب سے جدا ہو کر الگ کسی گوشے میں خلوت نشینی لازمی ہے کہ اس کے بہت سے فائدے ہیں۔ یاد رہے کہ طبیعت کی خلوت کی طرف رغبت اور صحبت سے نفرت تین وجہوں سے ہے۔ ان میں سے ایک محمود (قابلِ ستائش) اور ایک مذموم (قابلِ مذمت) اور ایک مجبوری کی وجہ سے، جو محمود ہے وہ عبادت میں مشغول ہونے اور انضباط اوقات اور باطنی جمعیت اور ماسوی اللہ سے مکمل قطع تعلق کرنے اور دل کا حق سبحانہٗ تعالیٰ سے مشغولی کے غلبے اور صحبتِ عوام کے نقصانات سے اجتناب برتنے اور ایسے ہی دیگر امور سے عبارت ہے۔ اور وہ جو قابلِ مذمت ہے یعنی کہ مذموم وہ عبارت ہے شہرت کے ارادے، اللہ کے بندوں سے بیزاری اور راہِ حق سے بھٹک جانے، قریبی رشتہ داروں سے محبت کے نہ ہونے اور دلی وحشت، غیظ و غضب، حوصلے کی تنگی، صحبت داری کے بوجھ کے تحمل کی اہلیت کے نہ ہونے اور ایسے ہی دیگر امور سے، اور جو محض مجبوری و لاچاری سے ہو وہ یوں ہے کہ صحبت میسر ہی نہ آئے۔ یا صحبت داری کے اسباب ہی اس شخص کے موافق دستیاب نہ ہوں۔ اور اپنی آبرو کے پاس اور عزت کے مارے خود کو صحبتوں سے روکے رکھے۔ یا بڑھاپے کے باعث اور قویٰ کے مضمحل ہونے اور بے طاقتی کی وجہ سے دل کنارہ کشی کی طرف مائل ہو۔ اور ایسے ہی دیگر امور پس لاچارگی کی یہ خلوت اگر مشغول بحق رکھے اور یونہی بیکار اور نکھے نہ بٹھائے تو یہ بھی خلوتِ محمود میں داخل ہے۔ اور اگر اُسے سست و کاہل بنا کر اپنے اوقات محض بیکاری، گراوٹ اور بدمزگی میں گزارے تو پھر خلوت مذموم میں داخل ہے۔ اور اس پہ قیاس کرتے ہوئے صحبت داری کی طرف میلان کی بھی تین وجوہ ہیں۔ ایک محمود، دوسری مذموم اور تیسری بے اختیاری۔ جو محمود ہے وہ یوں ہے کہ وہ علمی، عملی استفادے یا باطنی اور قلبی رشد و ہدایت، کی نیت سے ہو۔ اور دین و اسلام کی تقویت اور طریقِ محمدی کی ترویج اور اشاعت کے لیے ہو۔ اور وہ جو مذموم ہے وہ یوں ہے کہ لوگوں سے آشنائی و واقفیت اپنی نمود و نمائش کے لیے اور لوگوں میں گھر جانے سے ہو اور غفلت، مکاری، دنیوی لالچ، حب جاہ و جلال، شہرت و چرچے اور بزرگ منشی کی طلب کی غرض سے ہوا، اور ایسی ہی دیگر امثال سے۔ اور وہ جو بے اختیاری سے ہے یوں ہے کہ خلوت میسر ہی نہ آئے، یا اہل و عیال میں مشغولیت اور روزی کمانے کے جھنجھٹ وغیرہ کی بنا پر خلوت نشینی کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ یا جوانی کی لاابالیوں اور سن و سال

Marfat.com

کے تقاضے سے دل بے اختیار ہی مجالس ومحافل کی طرف کھنچا چلا جائے یا ایسے ہی دیگر امور ہوں پس یہ بے اختیاری والی صحبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے باز نہ رکھے۔ اور ان معمولات میں جو فرائض ہیں ان فریضوں سے نہ روکے، اور ایسی ہی شرعی ممنوعات کا ارتکاب نہ کرنے دے تو جو قطعی حرام ہیں تو وہ صحبت محمود میں شمار ہوگی۔ ورنہ صحبتِ مذموم میں داخل ہوگی۔ بہر حال چونکہ اس کے لکھنے کے ایام میں میرا یہ دل جو وحدت کدہ ہے۔ اکثر تنہائی وخلوت کی طرف میلان رکھتا ہے اور بس بقدرِ ضرورت ہی مجھے اجازت دیتا ہے خواہ اپنی نالائقی یا اپنی کوتاہی کے پیش نظر خواہ ابنائے زمانہ کے اوضاع واطوار کے مشاہدے اور یارانِ رفتہ کے غم و درد کی راہ سے خواہ اللہ کی طرف توجہ اور محویت کے غلبے خواہ بڑھاپے کے ضعف اور قوائے بدنی کی سستی اور ماسوی اللہ سے دل برداشتگی اور موت کے وقت کے قرب اور خواہ ان تمام کے مجموعے یا اپنے ہی ناقص نفس کی بنا پر جو جوانی کے آغاز سے لے کر اب تک صحبتوں کا عادی اور اسباب سے بہت مانوس تھا۔ خود ہی تخاطب کر کے یوں سمجھاتا ہے۔ رباعی:

اے دردؔ ترا نہ ہمنشینے باید
نے یار و ندیم و نے قرینے باید
اکنوں کہ نشستۂ درین کلبہ ترا
چشم و دل و اشک و آستینی باید

ترجمہ رباعی: اے دردؔ نہ تمھیں کوئی ہمنشیں چاہیے، نہ یار دوست اور نہ ساتھی چاہیے۔ اب جب کہ تم اس کوٹھڑی میں تن تنہا بیٹھے ہو تمھیں چشمِ گریاں، دل سوزاں اور اشکِ رواں اور آنسوؤں کو پونچھنے کے لیے آستین کی ضرورت ہے۔ (مصنف خود تلمیحات کی وضاحت یوں کرتا ہے کہ) لفظ دردؔ جو منادیٰ ہے اس سے شاعر کی خصوصی مراد اپنی ذات ہے اور ندا بھی اپنی ہی طرف ہے کیونکہ یہ اس کا ذاتی تخلص ہے۔ اور نیز لفظ درد سے عالم طور پر مبالغہ کی رو سے ہر وہ آدمی جو دردِ عشقِ الٰہی رکھتا ہو۔ جیسے کہ تم کہتے ہو زید عدل اور مراد اُس سے لیتے ہو زید عادل اس سے مشتق کرتے ہوئے، اور لفظ ہم نشیں سے مقصود ہے ہم مقام، ہم وضع، ہم صحبت، ہم مشرب اور ایسے ہی دیگر رفقا اور لفظ یار سے مراد مددگار و معاون ہے اور لفظ

Marfat.com

ندیم سے مُراد مصاحب جو شگفتگیٔ دل کا موجب ہو۔ اور مرضی کو سمجھنے والا ہو۔ قرین سے مراد وہ شخص جو دل سے قریب ہو اور سچا دوست ہو۔ لفظ "اکنوں" سے مراد ہے منتہائے سلوک کا زمانہ جو مقام تمکین ہے۔ نیز زندگی کا آخری دور کہ بڑھاپے کا زمانہ ہے۔ اور نشستن سے مُراد ہے مسندِ استقامت پر متمکن اور فائز ہوتا اور کچھ عرصے کے لیے اس عالم ناسوت میں زندہ رہنا۔ اور لفظ "ایں کلبہ" سے مراد ہے سرائے دُنیا جو غم و اندوہ کی کوٹھری سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ چشم سے مراد حقیقت بین آنکھ اور دل سے مراد قلب آگاہ، اشک سے مراد دل گداز اور رقت قلبی، اور آستین سے مراد لباس تقویٰ ہے جو اللہ اور بندوں کے نزدیک اکرام و مکرمت کی دستاویز ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ تم میں سے اللہ کے نزدیک وہی مکرم ہے جو پرہیز گار و متقی ہے۔ اور جس نے تقوے کا لباس پہن رکھا ہو اور یہی بہتر ہے۔ حاصل کلام یہ کہ فقیر نے اپنے ہی تخلص اور اپنے ہی نفس کو ندادی ہے اور عمومی طور پہ دردِ عشق الٰہی رکھنے والے ہر شخص کو ندا دے کر کہا ہے کہ اے نفس اور اے میری شخصیت جو درد کے تخلص سے متخلص ہے، نیز ہر وہ انسان جو دردِ عشق الٰہی رکھتا ہے تجھے اسی راہ میں کسی ہم مقام کی حاجت نہیں کہ تو اُس سے ہم کلام ہو اور وہ تیری بات سمجھے اور تو اُس کے سامنے اپنا دردِ دل بیان کرے۔ نہ ہی تجھے کسی ہم وضع کی ضرورت ہے تاکہ تو اُس سے ساتھ بے تکلف اور فارغ ہو کر بیٹھے۔ کسی ہم صحبت کی بھی ضرورت نہیں تاکہ تو اُس سے انس و محبت کی پینگیں بڑھائے۔ نہ ہی کوئی معاون و مددگار ہے۔ تاکہ اس کی مدد سے تو سرگرم معاملہ ہو سکے۔ نہ ہی تیری مرضی اور رضا کو سمجھنے والے مصاحب کی ضرورت ہے جو تیری دل شگفتگی، فرحت اور آسودہ حالی کا باعث ہو۔ کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو تیرے دل کے نزدیک ہو اور تیرا سچا دوست ہو کہ تیری غمخواری اور تیری خدمت کرے۔ اور ایسے امور ابتدائی اور وسطی دور میں شورش احوال، عقلی کوتاہی نا تجربہ کاری، خلق خدا سے تعلق، اور ماسوی اللہ سے توقع، قوائے انسانی کی قوت اور اعضائے بدنی کی درستی، عمر دراز کی اُمید، خودی کے خیال اور کمال کے گمان، تاثیر کے زعم اور نفس کے قرب کی بنا پر یقیناً سالکانِ راہ حق کے دلوں سے گزرتے ہیں اور جوانوں کے لیے منظورِ نظر ہوتے ہیں۔ لیکن کاملیت کے زمانے اور تنزلِ تام اور بڑھاپے کے وقت اور زوال و انحطاط کے ایام میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے وسوسوں سے بالکل پاک کر کے ماسویٰ اللہ

Marfat.com

سے قطعی طور پر بے نیاز کر دیتا ہے۔ لہٰذا اب جب کہ سلوک کا انتہائی زمانہ اور مقام تمکین اللہ کی عین عنایت سے نصیب ہو چکا ہے اور زندگی کا آخری دور یا بڑھاپے کا عالم آن پہنچا ہے اور قادر مطلق جلّ شانہٗ و عمّ نوالہٗ کی مدد سے مسندِ استقامت پر فائز ہونے کا موقع نصیب ہو گیا ہے۔ اب زندگی کے جو چند ایّام اس عالم ناسوت میں باقی ہیں۔ اور دُنیا کی اس سرائے فانی میں جو کلبۂ احزان (غم کے حجرے) سے زیادہ اور کچھ نہیں جو چند روز تک مقیم ہو۔ تجھے اب چشم حق بین، دل آگاہ، سوز و گداز، رقتِ قلب اور لباس تقویٰ کی ضرورت ہے تاکہ اس چشمِ بصیرت سے تو ہمیشہ امور کی حقیقت کو دیکھ سکے، اور اپنے دل آگاہ سے ہمیشہ حضوری و مشاہدۂ ذاتِ حق میں محو رہے۔ اور سوز و گداز کی اس حالت میں آنسوؤں کی گزرگاہ سے اپنے صفحۂ دل سے شقاوت کی سیاہی کو دھو ڈالے۔ اور اس لباس تقویٰ سے جسے ہم نے استعارۃً آستین سے تعبیر کیا ہے اپنی باطنی آنکھ کو پاک و صاف رکھے، اور اپنے باطنی چہرے سے گرد و غبار کو جھاڑ ڈالے۔ ساری توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے مگر حتی المقدور سر بگریباں ہی رہ۔ یعنی ہمیشہ جب تک ہو سکے اور وقت بھی اجازت دے اور کوئی بڑی رکاوٹ پیش نہ آجائے اور کوئی اشد ضرورت نہ آن پڑے اپنی شوخ کا سر جیبِ تفکرات سے اوپر نہ اُٹھا۔ اور اس راہ میں سوچ سمجھ کر قدم رکھ، اور گنے چُنے افعال و اعمال و اقوال کو عمل میں لا اپنے آپ کو غفلت و بیہودگی کے سپرد نہ کر، اور ہمیشہ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے حال کا محافظ نگہبان رہ۔ اپنی صفائی قلب پر ساری ہمت صرف کر، صفائی قلب عبارت ہے عقیدوں کے کے پاک صاف اور درست کرنے، دل کو ماسوی اللہ کے خیالات اور نفسانی باتوں سے خالی کرنے اور اُسے اللہ کی یاد و ذکر میں مسلسل مشغول رکھنے اور مشاہدہ و حضوریٔ ذات سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے قرب و رفاقت کے پیدا کرنے سے جس طرح کہ تزکیۂ نفس عبارت ہے اخلاق کے سنوارنے، شرعی احکام کی متابعت سے اپنے اعمال و اقوال کو صحیح کرنے اور ممنوعات شرعیہ سے پرہیز کرنے، ہمیشہ عبادات و ریاضت میں مصروف رہنے، نفسی رعونتوں کو توڑنے اور حیوانی قوت کو انسانی قوت کے تابع کرنے سے اور ایسے سالک کے لیے جو تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کے درپے ہو تنہائی اور رشاید یکتا سے بڑھ کر اور کوئی مونس و دوست نہیں۔ پس اُسے چاہیے کہ اکثر تنہائی اور خلوت میں رہے تاکہ پریشان صحبتوں کی پریشانی و پراگندگی سے محفوظ رہے۔

Marfat.com

اور اُس کی باطنی قوت مضبوطی پکڑے اور اُس کے اوقات میں انضباط ہو۔ اور دردِ جدائی اور ندامت نارسائی سے بڑھ کر سازگار تر کوئی ساتھی اور رفیق نہیں۔ پس چاہیے کہ اس دردِ جدائی میں مشغول رہ کر ہمیشہ ذوق و شوق میں سرگرم عمل رہے۔ اور عشقی اور محبی نسبت کو تقویت دے۔ کیونکہ عشق و محبت کی قوت کے بغیر جسے جذبۂ الٰہیہ بھی کہتے ہیں۔ اس راہ کی صعوبتوں کا تحمل ممکن نہیں، اور نہ ہی استقامت نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی دنیوی علائق سے رشتہ ٹوٹتا ہے۔ اور آدمی اُن کے فوائد سے دست بردار نہیں ہوتا۔ جو لوگ اس جذبے سے ممتاز ہوتے ہیں اور جنھوں نے دُنیا ترک کر رکھی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ دنیا غم و حزن کا اک بے نور حجرہ ہے۔ جس میں سراسر تاریکی ہی تاریکی ہے اور غفلت ہی غفلت۔ اس کی خوشیوں اور مسرتوں کا انجام غم و اندوہ اور تباہی ہے اور دولت کی شمع کی روشنی کا ماحصل کدورت و سیاہی ہے جو دانشوروں کے نزدیک کوڑی (کھاد جمع کرنے کی جگہ) اور بیت الخلا ہے نہ کہ مسرت و شادمانی کا مقام۔ اور دانا ان جھوٹی اور لغو باتوں پر ہرگز خوش نہیں ہوتے۔ اور وہ دانا و بینا لوگ دنیوی اسباب پہ مغرور نہیں ہوتے۔ یہ تو عقلمندوں کے رونے کا مقام ہے۔ کامل عقل و دانش رکھنے والے اصحاب دُنیا اور اہلِ دُنیا کے حال و قال پر آنسو بہاتے ہیں کہ دیکھتے ہیں کہ یہ غافل لوگ ناحق اور فضول ہی سراب کی موجوں میں توہمات کے سمندر میں غرق ہوتے جارہے ہیں۔ اور دُنیا کا کھنڈر اور ویرانہ صاحب دل لوگوں کے لیے عجیب پُر آشوب مقام اور عبرت کا موجب ہے۔ اور بیدردوں کے لیے خوشی کا باعث کہ ایسے بے درد سیاہ دل لوگ اس جہانِ فانی کی چند روزہ کامیابیوں پر خوشیاں مناتے ہیں۔ اور شاد و شاماں ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو رنجیدہ کرتے ہیں۔ اور ان کے مال و ملکیت کو چھین لیتے ہیں۔ اور ہمیشہ انھی دُنیاوی مطالب و مقاصد میں سرگرداں رہتے ہیں اور آخر کار خود بھی باقی نہیں رہتے۔ یا وہ اندھے اور بہرے ہیں اور اس حقیقت کو نہیں جانتے کہ دُنیا مومنوں کے لیے قید خانہ ہے اور کافروں کے لیے جنت۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمانی نور ہے اور جو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ یقین اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ دنیا کے عیش کو ہرگز عیش نہیں سمجھتے۔ بلکہ اُسے عذاب سے زیادہ اور کچھ نہیں سمجھتے اور ان نعمتوں کے مقابلے میں جو مومنوں اور صالحوں کو آخرت میں نصیب ہوں گی، عیش و آرام کی یہ سب قسمیں ہیچ اور پوچ ہیں اور ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ بلکہ یہ تو ایک عذاب اور گرفتاری کے سوا اور

Marfat.com

کچھ نہیں اور ان عقوبتوں کے مقابلے میں جو کافروں اور فاسقوں کو عاقبت میں نصیب ہوں گی۔ دُنیا کے یہ سب عذاب اور صدمے گویا اک قسم کا آرام ہیں جس میں کوئی صعوبت اور تکلیف نہیں۔ پس یہ بات حق ہے کہ دُنیا مومنوں کا دوزخ اور کافروں کی بہشت ہے۔ بہرکیف غور و تفکر کے سمندر میں غوطہ زن رہو جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو۔ تاکہ دُنیا میں اپنے آپ کو خراب نہ کرو۔ اور آخرت میں عذاب سے بچ سکو۔ اور فانی دُنیا کی ان شعبدہ بازیوں کی طرف مائل نہ ہو اور بلبلے کی طرح راستہ طے نہ کر، اور ہوا و ہوس و حرص و لالچ کے سمندر میں مت تیر۔ آنکھ جھپکنے میں موہومات کا یہ گھر دھڑام سے نیچے آگرے گا اور سارے دُنیاوی اعتبارات نایاب اور مثل موج و حباب سب کے سب فانی اور باقی رہنے والی فقط وہی ذات پاک ہے جو رب الارباب ہے۔ ہر چند کہ یار دوستوں کی صحبت سراپا باغ و بہار ہے اور لوگوں سے ملاقات اور جوابی ملاقات میں فوائد کے بہت سے پھول بھی چن لوگے مگر کنج عزلت اور گوشۂ تنہائی میں عجیب فراغت ہے اور آسودگی، جہاں نہ تم سے کسی کو کام ہوگا اور نہ تم کسی کے لیے بار خاطر بنو گے۔ رباعی:

یک لحظہ اگر دہر بباغت دارد
چوں لالہ مُدام داغ داغت دارد
بر صحبت رنگین کسان دل ننہیم
تنہائی ما عجب فراغت دارد

ترجمہ رباعی: اگر کچھ عرصے کے لیے اس باغِ عالم میں تجھے مجمع دوستوں کی فرصت ملے مگر اس کے بدلے میں گل لالہ کی طرح عمر بھر کے لیے تجھے سیاہ داغ نصیب ہوگا۔ رنگین مزاج دوستوں کی صحبتوں میں دل نہ لگا کیونکہ ہماری تنہائی و خلوت میں ہمارے لیے اک طرفہ آسودگی اور مزہ ہے۔ اور داغ سے مُراد دلی حسرت کی آگ سے دل کے جلنے کا داغ اور صحبتِ رنگیں سے مراد عیش و مسرت کی محفلیں اور "کسان" سے مراد ابنائے زمانہ ہے "دل نہ نہادن" کا مطلب ہے متوجہ نہ ہونا اور تنہائی سے مُراد ہے ترکِ دُنیا اور تجرد فراغت سے مُراد اطمینان قلب اور دلی سکون ہے۔ حاصل مطلب رباعی کا یہ کہ یہاں افرادِ انسانی کے ہر فرد سے تخاطب کر کے کہا گیا ہے۔ اگر کچھ مدّت کے لیے زمانہ تمھیں شگفتہ دل و شوخ احباب کی محافل نصیب کرے تو پھر اس کے بعد عمر بھر

Marfat.com

کے لیے آتش حسرت میں جلا کر سوختہ دل رکھے گا کیونکہ زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا۔ پس تم گوشہ نشین ابنائے زمانہ کی ان عیش و طرب کی محفلوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ ہمارے اس تجرد و ترک دُنیا و گوشۂ عزلت میں اک طرفہ سکونِ قلبی ہے۔ اس کا شکر ہم کس زبان سے ادا کریں۔ سب تعریف اللہ کے واسطے ہے جس نے مومنوں کے دل پر سکینت نازل فرمائی۔ اور درود و سلام ہو اس کے پیغمبرؐ پر اور ان کی آلؑ پر اور اصحابؓ پر۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو حق کو حق کرتا ہے اپنے کلمات سے اور ثابت کو ثابت کرتا ہے اچھی آیات سے اور درود و سلام آپ کے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلم پر جو اس کی مخلوقات میں سب سے عظیم و افضل ہیں۔ اور ان کی آل رضؓ اور اصحابؓ پر جو ذرّیات (نسل و اولاد) ہیں۔
اما بعد یہ اکاسی واں (۸۱) باب ہے جو احقاق الحق سے موسوم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ احق کو حق قرار دیتا ہے۔ اعتباری (دنیوی) حقوق میں سے وجوبی حقیقت کی حقیّت کے ضمن میں جو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے امور میں سے ہے۔ اور محقق کرتا ہے ان حقوق اضافیہ کو ان کی نسبت کے ساتھ اللہ سبحانہٗ کی طرف۔ پس جو شخص قوی نسبت والا ہے حق کے ساتھ سچائی میں اور راستی میں، قربت میں، علم میں، معرفت میں تو وہ زیادہ حقدار ہے مقبولیت کے استحقاق میں افراد سے اور اپنی ابنائے نوع میں سے دوسروں سے اور مستحق ہے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی خلافت تحقیق کے ساتھ اور اللہ ہی سے توفیق ہے۔ اور حق کے معنی لغت کے اعتبار سے واقعی اور واجبی معاملہ ہے اور کلام صادق باطل کے خلاف ہے اور حق اور سچائی اور درستی میں فرق یہ ہے کہ درستی وہ امر ثابت ہو نفس امر میں کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور حق وہ ہے جو ہوتا ہے خارج میں اور احقاق باب افعال سے ہے جو متعدی ہے حق سے، پس احقاق جب منسوب کیا جاتا ہے حق سبحانہٗ

Marfat.com

تعالیٰ کی طرف تو اُس سے مُراد امورِ حقہ کا اثبات ہے سچے کلام کے لوگوں کے دلوں پر القا کے ساتھ وحی اور الہام کے ذریعے یا عقل اور حقّی امور کی ایجاد کے ذریعے واقع ہیں اور اس کی حقیقت کے ایجاب میں اس کے حدِ نفس کے اندر اور اہلِ حق کی نصرت میں تائیدات ملکیہ کے ساتھ اور برہانی حجتوں اور اسباب ظاہری اور ان جیسے ارادوں کے ساتھ اور ان امور کی حقیقت کے اظہار کے سلسلے میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے نفس کی حقیقت کے ضمن میں اور اُس کے ایجاب میں اللہ تعالیٰ سے ذاتی وجوب کے ضمن میں، اور باقی رکھنا ان حقی موجود امور کا حق کی بقا کے سائے میں ہر وقت۔ اگر منسوب کیا جائے اشتاق بندوں کی طرف تو یہ مجازاً ہوتا ہے۔ پس اس سے مراد ان امور کا حتی الوسع بیان کرنا ہے اور مطالب کی وضاحت بشری طاقت کی استعداد کے مطابق اور گواہی دینا ہے ان حقی امور پر اور ان کے بارے میں خبر دینا ہے۔ اور ان پر دلیلیں قائم کرتا ہے۔ اور بیان کرتا ہے ان کے فوائد اور ان کے نتائج اور استقامت ان پر اللہ تعالیٰ کی تائید اور توفیق کے ساتھ۔ اور پہنچاتا ہے شہود ذات تک ان مشہودات کے مشاہدے کے توسط سے اور بناتا ہے ان کا اپنے نفسوں کے لیے حقیقی طور پر امورِ حقہ پر مداومت کے ساتھ اور ان کے اکتساب کے ساتھ۔ اور دکھاتا ہے اس راستے کا جو پہنچاتا ہے حق کی طرف مطلقاً یہ برابر ہے کہ وہ فعلاً یا قولاً، نفساً یا جسماً، تعظیماً یا تاثیراً اور اہلِ حق کا دعویٰ کرنا اپنی حقیقت پر۔ اور تحقیق باب تفضیل سے ہے۔ لغت میں یہ کلام کی تصدیق اور اُس کی تصحیح اور اُس کا ثابت کرنا اور اُس کا بیان کرنا ہے۔ پس جو کوئی ہوتا ہے زیادہ سچے کلام والا، اور صحیح بیان والا ہے اور عطا کیا گیا ہوتا ہے اس اللہ سے قوتِ حسنِ بیان، پس وہی محقق ہے اور وہی توفیق دینے والا ہے۔

تقلید و نیابت و رہبری کے رموز اور دعوت اور دیگر معاملات کی ماہیت اور اکثر شبہات کے دفعیہ کے بیان کا باب

پیروی عبارت ہے تابع کے اپنے متبوع کے نقشِ قدم پر چلنے سے تمام افعال و احوال میں ظاہری ہوں خواہ باطنی۔ مثلاً اپنی طاقت، قدرت، استطاعت، ادراک اور اہلیت کے مطابق متبوع کے معمول کے اعمال کا بجالانا اور رسمی رسوم کا ادا کرنا لباس اور مخصوص اوضاع

Marfat.com

میں مشابہت رکھنا ، اور اُس کے یقین و اعتقادات پر یقین رکھتا ، اس کے اوصاف سے متصف ہوتا ، اور اُس کی کیف بخشی کیفیات سے کیف آور ہونا ۔ پس ہر پیروکار جو اپنی معلومات میں حتی الوسع پیروی میں کوتاہی نہ کرے ، گو ظاہر میں بعض امور کے اندر وہ بھی قاصر رہے ۔ وہ اپنی ذاتی حد تک کامل مقلّد ہے ۔ کیونکہ اُس نے اپنی دانست میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اپنی قدرت و طاقت کو تمام و کمال طور پر صرف کیا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اُس کے نفس کی وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں بناتا ۔ اور اسے اتباع کہتے ہیں اور یہ امر پکے مومنوں کے عوام ، اچھے معتقدوں اور قابل مقلّدوں سے بھی اپنے اپنے حال کے مطابق سرانجام پاتا ہے ۔ اور خواص ہی سے مخصوص نہیں ۔ اور نیابت عبارت ہے مُنیب (حق کی طرف پھرنے والے) کے کاموں کے اصلی رنگ میں اجرا اور اُس کے تابعین پر امارت کے انداز میں تحکم اور منیب کی مرضی کے مطابق اور وقتی صوابدید کے مطابق عمل کرنے سے اور ورثتہً اس کی مسندِ ارشاد پر فائز ہونے اور پوری قوت سے اس کے طریق کی ترویج و اشاعت اور اُس کے مطالب کی وضاحت کرنے سے اور حکومت میں اس کے رسوم پر قائم رہنے اور حقیقتاً اُس کے احوال و افعال کا اتباع کرنے سے یعنی اس کے معمول کے اعمال کو بغیر کسی کلفت کے یا تکلف کے بجالانا ، اور رسوم کی ادائیگی میں اس کی سنت پر چلنا اور بڑے خلوص و محبت سے اس مخصوص وضع قطع اور لباس میں مشابہت رکھنا ، اور کشف و معرفت میں اس کے یقین کردہ اعتقادات پر یقین رکھنا ۔ اُس کے اوصاف سے مکمل طور پر متصف ہونا اور پورے اہتمام کے ساتھ اس کی کیف بخش کیفیات سے کیف زا ہونا اور اُسے خلافت کہتے ہیں ۔ اور رہنمائی اور دعوتِ حق اسی مرتبے سے متعلق ہے ۔ اور اس امر کا سرانجام دینا خواص سے مختص ہے ۔ ایسے صاحبِ بصیرت خلیفوں اور حقیقت آشنا نائبوں کی سنت کا اتباع بھی عین اُن کے منیب کی سنت کا اتباع ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسن رضؓ و امام حُسین رضؓ نے بھی شیخین کا اتباع کیا ہے ۔ اور دیگر تمام اصحاب ، تابعین ، تبع تابعین اور سارے مومنین کو قیامت تک انہی چاروں خلفائے راشدین کی پیروی لازم ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا یہ منصب چاروں خلفائے راشدین (ان سب کو خدا کی خوشنودی حاصل ہو) کے بعد موقوف ہوگیا اور یہ جو اولیا ، علما ، مشائخ ، قاضیوں اور سلطانوں کو نبی علیہ السلام

Marfat.com

کا نائب کہتے ہیں۔ یہ مجازی طور پر ہے نہ کہ حقیقی طور پر۔ یعنی ظاہر میں ان کے دینی احکام کے متعلق ہونے کے اعتبار سے، اور درحقیقت یہ امر بھی تقلید اور اتباع میں داخل ہے۔ یہ سمجھ لو کہ وہ خلافت جو کسی شخص کی آل اولاد کو حصے میں آتی ہے وہ منصب امامت ہے اُسے خلافت نہیں کہتے۔ کیونکہ خلیفہ ہونے کے لیے صوری (ظاہری) مغائرت (غیریت) کے ساتھ معنوی (روحانی و باطنی) اتحاد بھی چاہیے تب کہا جا سکتا ہے کہ فلاں آدمی فلاں کا خلیفہ ہے۔ اور فلاں کی خلافت فلاں کو مل گئی۔ لہٰذا ائمہؑ (اماموں) حضرات کو خلیفہ نہیں امام کہتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ خاندانی دولت انہی کے دولت کدہ میں رہی خلافت نہ ہوئی۔ اور ان کے کاشانوں میں اہل بیت کا وہی موروثی نورِ امامت جگمگا رہا ہے وہ خواہ کسی شمع سے منور ہو۔ اور خلافت جو اصحاب میں کسی پیروکار کے نصیب میں آئے وہ منصبِ امارت ہے اسے امامت نہیں کہتے چونکہ امام ہونے کے لیے ظاہری جزئیت کے ساتھ باطنی عینیت بھی درکار ہے۔ چنانچہ جس وقت حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ (ان پر اور ہمارے نبی پر درود و سلام) کو یہ منصب عنایت کیا، اور فرمایا کہ میں تمھیں دُنیا میں لوگوں کا امام و پیشوا بنانا چاہتا ہوں تو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی نسل (آل اولاد) کے لیے بھی اس منصب کی استدعا کی، یعنی کہا خداوندا! میری نسل میں سے بھی (امام و پیشوا ہوں)، یہ آیت اسی امر کی خبر دیتی ہے، یہ نہ کہا کہ خداوندا میرے اصحاب میں سے بھی۔ کیونکہ اُن خلفا حضرات کو امیر المومنین کہتے تھے نہ کہ امام المومنین۔ پس خلافت کا منصب وزارت کے منصب کی طرح ہے۔ بادشاہت کے بعد کا کوئی مرتبہ وزارت سے بڑھ کر نہیں۔ سلطنت کا سارا کاروبار وزیروں ہی سے متعلق ہوتا ہے اور وہ بادشاہ کے نائب ہوتے ہیں۔ اور سچ ہے کہ مرتبۂ نبوت کے بعد مرتبۂ خلافت آتا ہے کیونکہ قرب کے مراتب میں کوئی مرتبہ اس سے بڑھ کر نہیں اور وہ خلفائے راشدین کی عالی ذاتوں پر ختم ہو گیا، جس طرح کہ نبوت حضور خاتم الانبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ اور امامت کا منصب شاہزادگی کے منصب کی مانند ہے کہ اُس کا بادشاہت سے الگ تعین نہیں اور اُس کا تشخص بادشاہت سے خارج نہیں۔ اور بادشاہ کے ضمن میں اعتباری امتیاز پیدا کر کے بادشاہت کے عالی مرتبے سے ذرا نیچے رہ گیا۔ مگر اتنا فروتر نہیں کہ سلطنت کی تمام برکات سے کلیتہً محروم رہ گیا ہو۔ بلکہ یہ اعتباری

Marfat.com

مرتبہ ہے آقا و نوکر کے بین بین کہ شاہ سے نسبت مرتبۂ بندگی میں داخل ہے۔ اور نوکروں سے نسبت مرتبۂ خداوندی میں شمار ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض امرا کو شاہزادوں کی نسبت دولت و حشمت و اقتدار، فوج اور امور سلطنت میں عمل دخل زیادہ ہو اور ان امور میں ان سے برتر ہوں۔ بلکہ اکثر چیزوں (کاموں) میں شہزادوں کو انہی سے رجوع کرنا پڑتا ہو۔ لیکن جب وہ دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو اُمرا اور وزرا کے نصیب میں آنے والی امارت اور وزارت الگ درجہ رکھتی ہے اور شاہزادگی کا وہ مرتبہ جو سلاطین کے نصیب میں ہوتا ہے ایک الگ مرتبہ و منزلت ہے۔ اور ہر مرتبے اور منصب کی خصوصیات صاحب بصیرت لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ بلکہ ان کے امتیازات جداگانہ نہیں۔ ایک کا دوسرے سے توازن و تقابل نہیں کرنا چاہیے۔ خلیفہ ہونے کے لیے پیغمبر علیہ السلام سے قرب زمانی بھی اک شرط ہے۔ فرمایا حضور سرورِ کائنات ﷺ نے کہ میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی۔ اور دوسروں کے خلافت پاتے میں جیسا کہ خلفائے اولیا تو قربِ زمانی کی ضرورت نہیں کہ خلیفہ کے عرصۂ بعید کے بعد کوئی شخص پیدا ہوتا ہے جو اس کی نیابت کرتا ہے اور اس نائب میں پہلے خلیفوں کی سی نسبت بڑی شدّ و مد سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی ان امور کے اعتبار سے کہ جو قرب زمانی اور شرف محبت اور مزاج دانی اور رضا شناسی کی دریافت سے متعلق ہوں، پس بہت سی چیزوں میں وہی متقدمین ہی مقدم ہیں۔ پس سبقت لے جانے والے تو وہ سبقت لے جانے والے ہیں۔ وہی مقرب ہیں، پس محمدیوں میں سے پہلا وہی پہلا ہے۔ اصدقین (سچوں میں سے سچا) ہے۔ اور اگر وزن کیا جائے اس کے ایمان کا تمام محمدیوں کے ایمان کے ساتھ تو وہ ترجیح دیا جائے گا۔ اور اگر اُس کے ساتھی نے کسی کو اپنا دوست بنایا اپنے رب کے علاوہ تو اسی کو ہی بنایا۔ اور بنایا اللہ نے اُسے دو میں سے دوسرا اس کے ساتھ جیسا کہ غالب آیا اس پر غم بسبب اپنے ساتھی محبت کی شدت کے اور اس کے ساتھ رابطے کی نسبت کی قوت کے۔ پس کہا اُس سے اس کے ساتھی نے پہنچانے کے لیے اُسے مطلوب تک اس پر رحم کرتے ہوئے اور نرمی کرتے ہوئے نہ غمزدہ ہو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور وہ مددگاروں میں سے بہترین ہے۔ اور بنایا اسے اپنا امام نمازیں اپنے مرض الموت میں اور اپنے مقام پر کھڑا کرتے میں اور کہا اس کے حق میں کہ نہیں انڈیلا گیا میرے

Marfat.com

سینے میں مگر کہ انڈیلا گیا اُس کے سینے میں، اور وہ پہلا ہے جو ایمان لایا مجھ پر اور پہلا ہے جس کا حشر کیا جائے گا میرے ساتھ قیامت کے دن اور جمع کیا اللہ نے اس کے اندر محمدی جامعیت کی برکت کے ساتھ ہر نسبت قرب کی نسبتوں میں سے اور بنایا اُسے فرق کرنے والا حق اور باطل کے درمیان اور بنائی اس کی رائے کتاب کے مطابق اور قائم کیں دین کی حدود اور اُس کی بنیاد رکھی اور رواج دیا طریقۂ محمدیؐ کو اور بنایا اُسے اللہ نے اس کے نجیب الطرفین ہونے کی وجہ سے اور والدین کی سیدیت کی وجہ سے دو نوروں والا اور عطا کیا اُسے حکم اور بنایا اللہ نے اُسے اس کے صاحب کا ساتھی جنت میں اور جمع کیا گیا کتاب کو جمعیت پر اپنے زمانے میں اپنی کلائی کی قوت کے ہاتھ سے اور بنایا اللہ نے اُسے علم و معرفت کا دروازہ اور وہ اس کے صاحب میں سے ہے۔ اور وہ اس سے ہے بلکہ وہ دونوں ایک ہی نور سے ہیں۔ اس کا گوشت اس کا گوشت ہے اور اُس کا خون اس کا خون ہے۔ اور اللہ نے بنایا اُسے کتاب ناطق اور دیا ہے اللہ نے اُسے علم الکتاب، اور تخلیق کی اسی کے صاحب کی ذریات (نسل) اور بنایا اللہ نے اُسے نیکی دُنیا میں، آخرت میں اور مشرف کیا اُسے حسنین کی برکت سے اور اُس کے بھائی کے ساتھ اس کو مضبوط کیا ہے۔ اور اُسے شریک کیا اپنے معاملے میں اور دونوں کی مدد کی اپنی روح سے اور کہا تم دونوں نہ ڈرو بیشک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ اور میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں اور اُسے عطا کیا ایک پاکیزہ بچہ، پاکیزہ خاندان اور سچے ساتھی اور اللہ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ فضل عظیم والا ہے۔ اور اللہ نے بنایا اُسے برگزیدہ اور خلیفہ زمین میں اور پہلا خلیفہ ولایت آدمیت کی قوت کے ساتھ اور اُسے نجات دی نفس اور شیطان کے دھوکوں سے اور بنایا اُسے نجات دینے والا نوحی ولایت کی قوت کے ساتھ اور اللہ نرم کیا سنگ دلوں کے دلوں کی سختی کو اُس کے سامنے اور بھیجا خوش الحانوں کو اس کی طرف قوتِ ولایتِ داؤدیہ کے ساتھ۔ اور مسلط کیا اُسے اپنے بدن کے ملک پر اور اپنی طبیعت پر بحیثیت سلطان کے بیان کرنے والا سلیمانی ولایت کی قوت کے ساتھ اور بنایا اُسے خلیل اور بجھا دی اپنے غضب کی آگ اس کی طبیعت میں، پس وہ ہو گیا ٹھنڈا اور سلامتی والا، خلیلی ولایت کی قوت کے ساتھ اور ختم کر دیں اللہ تعالیٰ نے اس کی طبیعت کی خواہش اور اُس کے نفس کو ذبح کر دیا اور خالص کر دیا اسے دنیوی تعلقات سے، پس وہ منقطع ہو گیا دُنیا و ما فیہا سے کلیتہً اور مشرف کیا اُسے ذبح عظیم کے

Marfat.com

ساتھ اپنے والدِ شفیق کے سامنے اور رکھی اُس کے باپ نے چھُری اس کے حلق پر ایسی حالت میں جو حالاتِ تقرّب میں سے تھی۔ اپنے سلوک کی ابتدا میں ذبح کی نیت سے اللہ کے لیے اُس کے راستے میں۔ پس قبول کر لیا اس کے رب نے اچھا قبول کرنا اور وہ حقیقت میں ذبیح اللہ ہے۔ اور صورت میں سالم ہے۔ جیسا کہ اُسے بشارت دی تھی اُس کے باپ نے جس نے نہیں دیکھا مردے کو چلتے ہوئے زمین پر پس وہ دیکھ لے میرے اس بیٹے کو، جو کہ میرے ساتھ ہی زندہ ہے۔ اور میرے ساتھ ہی چلتا ہے اور اُسے حاصل ہوئی ہے یہ حالت اسماعیلی ولایت کی قوت سے، اور خوبصورت بنایا اس کے اللہ نے اس کی تخلیق اور اُس کے اخلاق کو اور بنایا اسے اپنے جناب کا محبوب اور مقبول بنایا اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور اُس کی طرف دلوں کو کھینچا اور ڈالی اُس کی محبت اس کے باپ کے دل میں بہت زیادہ محبت یوسفی ولایت کی قوت کے ساتھ، اور اللہ نے اُس سے بات کی الہامی کلمات کے ساتھ جب کہ اُس نے اُسے پکارا کہ بیشک میں ہوں اللہ پس اُتار دے دونوں جوتے کونین کے تعلقات کے اپنے عروج کے پاؤں سے اور رکھ دے اپنا ماسوٰی کا سہارا لینے کا عصا۔ پھینک دے اپنے علم کے ہاتھ سے۔ بیشک تو ولایت موسوی کی مقدس وادی طویٰ میں ہے اور بنایا اللہ نے اُسے مکمل کلمہ اپنے مکمل کلمات میں سے اور پھونکی اس میں اپنی روح اور وہ ہوگیا اس کی روح ولایت عیسویہ کی قوت سے اور مشرف کیا اللہ نے اُسے اس جامعیت کاملہ و خاتمہ سے کمالاتِ مراتب کے ساتھ ولایتِ محمدیہ کی قوت سے پس وہ ہوگیا اس آیت کریمہ کے حکم سے کہ تم میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ وہ ہوگیا اللہ سبحانہٗ کا حبیب اور چھپ گیا خالص محمدیت اور فنافی الرسول کی چادر میں اور نہ بچا اس میں سے نام اور نشان کچھ بھی، اور تجلّی کی اس پر اس کے رب نے اپنے جامع اسم کے ساتھ اور اُس کی مدد فرمائی، اپنی تائیدات ملکیہ کے ساتھ۔ اور وہ جانتا ہے تائید جبرائیلی کے ساتھ، بغیر اکتسابی علوم کے توسط کے۔ وہ کھاتا ہے میکائیلی تائید کے ساتھ بغیر ظاہری اسباب کے واسطے کے اور وہ سانس لیتا ہے اسرافیل کی پھونک کے ساتھ اور وہ کھولتا ہے ان کے اجزا ہر وقت اور اُنھیں اکٹھا کرتا ہے اور وہ سوتا ہے اور جاگتا ہے ہر روز اور کھینچا جاتا ہے موت کی طرف ہر زمانے میں جذبِ عزرائیلی کے ساتھ اور بنایا اللہ نے اُسے مکمل مخلوق، عقل کے لحاظ سے، نفس کے لحاظ سے، روح کے لحاظ سے،

Marfat.com

جسم کے لحاظ سے، اور جامع مظہر بنایا ہے اپنے تمام اسماٗ کے لیے اپنی صفات کے ظہور کے واسطے اور جیسے بنایا اس نے خلیفہ انسانی عمومیت کی زمین میں عموماً اور بنایا اُسے اپنے خلیفے کا خلیفہ بھی تخصیص کی بساط میں خصوصاً تاکہ اُس پر اپنی نعمت عموماً اور خصوصاً مکمل کر دے، اور مکمل کر دے اس پر اپنا دین اجمالاً اور تفصیلاً" اور پسند کیا اللہ نے اُس کے لیے اسلام کو ظاہراً اور باطناً اور وہ بیٹھا اپنے باپ کی خلافت کے تخت پر وراثتاً اور تحقیقاً اور اپنے نبی کے پیروکاروں کے مسند پر تصدیقاً اور توفیقاً اللہ کی طرف سے، پس اس نے تکیہ کیا اپنے تراشیدہ تخت پر جو کہ مُعیر سے موسوم ہے۔ اور اُس نے مزین کیا محراب و منبر کو اور پہنا اس نے اپنا عطا شدہ تاج اور بلند کیا اپنا محمدیؐ جھنڈا اور بلایا مومنین کو خالص دعوت کے ساتھ خالص محمدیؐت کی طرف اور رجوع کیا اپنے نبی کی طرف اور پہنچا اپنے ولی کی طرف اپنے رب کی کشش کے ساتھ، وہ رب کہ جس کی طرف تمام کے تمام امور لوٹتے ہیں۔ بیشک ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ رباعی:

بار ہستی کہ دوش طاقت بشکست
جز تہمت نام بر تو اے درد نہ بست
اکنوں چہ ضرور ماندنت مثل نگین
برخیز تو از میاں کہ نقش تو نشست

ترجمہ رباعی: ہستی کے بوجھ نے طاقت کے کندھوں کو توڑ دیا۔ اے درد تجھ پہ سوائے نام کی تہمت کے اور کچھ نہ چھوڑا۔ اب تجھے یہاں مزید رہنے کی کیا ضرورت کیونکہ نگین کی طرح تیرا نقش تو بیٹھ گیا۔ اب تو اٹھ بیٹھ (شاعر رباعی کے اشارات و کنایات و تلمیحات کی خود یوں وضاحت کرتا ہے کہ) بار ہستی عبارت ہے ہستی کے شعور سے اور دوش (کندھے) سے مراد ہے تحمل و برداشت کی اہلیت۔ طاقت سے مُراد بشری طاقت ہے۔ شکستن سے مراد عاجز و شکستہ دل کر دینا ہے۔ تہمت سے مُراد ہے اس نسبت سے انتساب جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ نام سے مراد ہے مخصوص اعتباری تشخص۔ بستن سے مُراد ہے مضاف بنانا اور منسوب کرنا اور "اکنوں" سے مراد ہے کشفِ حقیقت کے بعد کی حالت۔ ضرور سے مراد درکار ہے۔ "ماندن" کے معنی

Marfat.com

یہاں اپنی نظر میں آنا۔ برخاستن سے مراد ہے فنا کی کیفیت حاصل کرنا۔ لفظ "میان" سے مراد ہے اپنے علم کا مرتبہ اور "نشستن نقش" سے مراد ہے کہ تیری تخلیق کا جو مقصد تھا اس کا ظہور ہو لیا۔ حاصل مطلب یہ کہ فقیر نے اپنے حال کا اظہار خود اپنے آپ ہی پیش کیا ہے۔ لفظ تخلص سے خود کو ندا دیتے ہوئے کہا ہے کہ صورتِ حال یہ ہے کہ شعور ہستی کی حیثیت نے تیری بشری طاقت کی قوت برداشت کو عاجز اور شکستہ حال و پراگندہ خاطر کر کے رکھ دیا ہے۔ اگرچہ اس وجودی نسبت کا انتساب فی الحقیقت تیری طرف نہیں اور سوائے اک مخصوص اعتباری تشخص کے تجھ سے کچھ بھی تو منسوب و مضاف نہیں۔ پس کشف حقیقت کی حالت کے بعد تجھے خود اپنے آپ کے نظر آنے سے کیا سروکار تو اپنے لیے فنا و نیستی کی کیفیت حاصل کر، تیری تخلیق سے جو کچھ مقصود تھا وہ تو ظہور پذیر ہو چکا یعنی تجھے حقیقت کا عرفان ہو گیا، اور حق تعالیٰ کا قرب تو نے پا لیا اور معبودِ حقیقی کی عبادت میں مشغول ہو گیا اور حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے کہ نہیں پیدا کیا ہم نے جنّ و انس کو سوائے اس کے کہ وہ ہماری عبادت کریں۔ بہرکیف ہم ظالم و جاہل بندے ہر چند کہ نگینے کی طرح روسیاہ ہیں اور اپنے ساتھ امکانی ظلمت و تاریکی رکھتے ہیں۔ اور تقاضائے بشریت اور اقتضائے آدمیت کے بموجب گناہوں اور لغزشوں کے داغ دھبوں سے مطلقاً پاک صاف نہیں ہیں اور ہم اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور ہر وقت ایسی آیت کریمہ کا ورد کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ہو جائیں گے خسارہ اٹھانے والے۔ لیکن ہم نے اپنے مالک کا نام روشن کیا ہے۔ اور اپنے رب کے سارے اسمائی ظہورات کو ظہور میں لائے ہیں۔ اور تمام اسی کی صفات کے جامع مظہر بن گئے ہیں۔ نیز حقائق اور دقائق کو بیان کر کے اپنے مرشد کا نام روشن کر کے طریق محمدی کو بھی روشن کیا ہے، اور دین محمدیؐ کی اشاعت کی ہے۔ اور پختہ طریق کے سلوک کے مقدمات کو خدا کے فضل و کرم سے روز روشن کی طرح واضح اور عیاں کیا ہے۔ اور شواہد اور بین ثبوتوں سے خدا و رسولؐ اور سچے مرشد کی طرف دعوت دی ہے۔ اور ہر مطلب کو قرآنی آیات سے مستند فرمایا ہے۔ اور یوں قرآنی حقیقت کے اتباع کے راستے کو طے کیا ہے۔ جب میرے پاس آتے ہیں وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں میرے رب کی آیات پر تو میں ان سے کہتا ہوں کہ تم پر سلامتی ہو تمہارے رب نے اپنے نفس پر رحمت لکھ لی

Marfat.com

ہے اور میں اپنے رب کی طرف سے دلیل کے طور پہ ہوں۔ اسی نے مجھے دی ہے کتاب اور وہ نور اور ہدایت ہے لوگوں کے لیے۔ پس دیکھو کہ کیسے میں اخذ کرتا ہوں اللہ کی آیات سے جو کہ اللہ کا نور ہیں۔ اور اللہ ہدایت دیتا ہے اپنے نور سے جسے چاہتا ہے۔ اور ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کے واسطے ہے۔ اور اُنھوں نے جھٹلایا اپنے رب کی آیات کو اور جب وہ دیکھتے ہیں کوئی بھی آیت تو اُس پر ایمان نہیں لاتے اور مجھ سے جھگڑا کرتے ہیں نفسانیت کے ساتھ اور یہی وہ لوگ ہیں کہ ڈالا ہے اللہ نے ان کے دلوں پر حجاب اور ان کے کانوں پر بہرہ پن ہے۔ نہ تو وہ بات کو سمجھتے ہیں۔ اور نہ قول حق کو سنتے ہیں۔ اور وہ اس سے بدکتے اور اس سے دور ہوتے ہیں۔ اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالموں کو، اور میری مدد کی ہے میرے رب نے آیاتِ قرآنی کے ساتھ، کھلی اور واضح تائید لیکن اللہ کی آیات سے ظلم کرنے والے اس سے انکار کرتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو بناتا ان کو ہدایت پر۔ پس تم نہ ہو جاؤ جاہلوں میں سے، پس ہٹا دیا اللہ نے مجھ سے میرا پردہ اپنے رسول مقبول صلعم کے طفیل اور بنایا میری نگاہ کو آج تیز۔ پس میں دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نور سے جو تم نہیں دیکھتے۔ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتے ہیں۔؟ تم غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔ اور حکم دیا مجھے میرے رب نے، کہ میں ڈراؤں اس کی آیات سے ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں کہ وہ اکٹھے کیے جائیں گے اپنے رب کے پاس اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی شائد کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ بیشک مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان کی جنھیں تم پکارتے ہو اللہ کے سوا، وہ اللہ جو آسمان پر بھی اللہ ہے اور زمین میں بھی اللہ ہے وحدہٗ لاشریک ہے۔ میں تمھاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا اور میں اللہ کی عنایت سے خالص محمدیوں میں سے ہوں جنھوں نے خالص کر لیا اپنے دین کو اللہ کے لیے اور میں بدعتیوں میں سے نہیں ہوں۔ جو تفرقے میں پڑ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور بن گئے تہتر (۷۳) فرقے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔ اور جب مجھ سے حجت بازی کرتی ہے میری قوم تو میں اُنھیں کہتا ہوں کیا تم مجھ سے حجت بازی کرتے ہو اللہ کے بارے میں اس نے تو مجھے ہدایت دی ہے اور میں نہیں ڈرتا ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ سوائے اس کے کہ اگر اللہ میرا چاہے کوئی چیز۔ وسیع ہے میرا رب

Marfat.com

ہر چیز پر علم کے لحاظ سے ۔ کیا تم اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے ۔ اور کیسے میں ڈروں اس سے جو تم شریک ٹھہراتے ہو اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے شریک ٹھہرا دیا اللہ کے ساتھ اس کو کہ نہیں نازل کی گئی اس کے بارے میں تم پر کوئی دلیل ۔ پس دونوں گروہوں میں سے کون زیادہ حقدار ہے امن کا ۔ اگر تم سچے ہو کافی ہے اللہ بطور گواہ کے ۔ خالص محمدیت ہی اللہ کی ہدایت ہے ۔ ہدایت ہوتی ہے اس کے ساتھ جسے چاہتا ہے اللہ اپنے بندوں میں سے اگر انھوں نے شرک کیا تو اکارت چلے جائیں گے ان کے تمام وہ کام جو وہ کرتے ہیں ۔ اگر تم شک میں ہو اس کے بارے میں جس سے میری مدد کی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ تو لے آؤ کلام مثل اس کلام کے اور پکارو اپنے گواہوں کو عالموں کو اور عارفوں کو اللہ کے سوا یعنی بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے اپنی جانب سے ہی اگر تم سچے ہو اس بارے میں جو تم کہتے ہو اپنی زبانوں سے یا جو تمھارے دلوں میں ہے اور تم گمان کرتے ہو جاہلیت کے گمان اور اگر تم ایسا نہ کر سکو اور تم کبھی بھی ایسا نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جو بھڑکتی ہے حسد، بغض انکار اور نفاق سے ۔ وہی آگ ہے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں ۔ ان کے دلوں کی سختی کی وجہ سے اور یہ تیار کی گئی ہے کافروں اور منافقوں کے لیے ، اور حرام کی گئی ہے خالص محمدیوں پر اور بشارت دو ایمان لانے والوں کو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور مضبوطی سے تھام لو خالص محمدیت کی رسی کو جو کہ اللہ کی مضبوط رسی ہے ۔ اور عمل کرو نیک عمل ، بیشک ان کے لیے باغات ہیں آخرت میں جن کے نیچے دریا بہتے ہوں گے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جب کبھی وہ ان میں سے دیے جائیں گے پھلوں میں سے عمدہ رزق تو کہیں گے کہ یہ تو جزا ہے ایمان کی جو ہمیں دی گئی ، اس سے پہلے بھی دنیا میں اور وہ دیے گئے اس کے مشابہ اور اس کے مماثل اور یہ نعمتوں کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا ۔ اور ان کے لیے ہوں گی ان باغات میں پاکیزہ جوڑے عورتوں میں سے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ بہر حال ہم خالص محمدی محض اللہ کی خاطر اس دعوتِ حق کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اپنے مرشد کے اتباع کی غرض سے ہم نے اس بارِ گراں کو اپنے اوپر اٹھایا ہے ۔ اور محض اس کی خاطر اتنی جان ماری ہے اور اپنے مرشد کی محبت کی بنا پر اپنے مریدوں پر شفقت کرتے ہیں ۔ اور خدا اور رسول کی دوستی کی بنا پر اللہ کے بندوں اور باصفا مومنوں کو عزیز رکھتے ہیں ۔ مصنف کا

Marfat.com

کا شعر ہے۔ ؎

خالی از خود گشتن من چوں نگین بیہودہ است ٭ اینہمہ جان میکنم لیکن پئے نام کسے

(نگینے کی طرح میرا اپنے آپ سے خالی ہونا بیہودہ نہیں ہے۔ میں یہ ساری جان کھپائی کسی کے نام کی خاطر کر رہا ہوں)۔ ظاہر بین جو اس ظاہری صورتِ حال کو دیکھتے ہیں اور چشم بصیرت نہیں رکھتے اور حقیقت کا سراغ نہیں لگاتے اور صرف الفاظ اور اقوال ہی کو سنتے ہیں اور معانی کی راہ پر گامزن نہیں ہوتے اور دل کی اصلی بات کو دریافت نہیں کر پاتے وہ ہمیں غلط سمجھتے ہیں۔ اور بزعم خود ہماری اس دعوت کو جو محض خدا اور رسول ؐ اور مرشد کی رضاجوئی کی خاطر ہے اُسے اپنے ہی نفس کی طرح سمجھتے ہیں اور اس پہ نفسانیت کا گمان کرتے ہیں اور اپنی غلط فہمی کی بنا پر ہمیں نگینے کے نقش کی طرح صحیح خیال نہیں کرتے اور اُس کے برعکس کہتے ہیں اور اپنے خیال میں ہمارے اوضاع و احوال کو ہمارے بزرگوں کے اوضاع و احوال کے خلاف تصوّر کرتے ہیں۔ اور یونہی بے سُرے راگ الاپتے ہیں۔ اور ہمارے دلی نغمات کے سُروں سے بے خبر ہیں اور باطنی مقامات پر نگاہ نہیں ڈالتے اور ایسے ہی پردوں کی اوٹ میں محجوب رہ جاتے ہیں۔ اور ہر لحظہ انکار کا اظہار کرتے ہیں، اور عاشقوں کے درد بھرے نالوں کے سننے سے محروم ہیں اور اعتراض کرنے والے یہ حاسد اس بات کو نہیں سمجھتے کہ ہم محمدیوں نے کبھی بھی دوسروں کی طرح وجد اور سماع کو اپنے اور اپنے یارانِ طریقت کے لیے جائز نہیں سمجھا۔ اور ہم کبھی ایسی وجد و سماع کی مجالس برپا نہیں کرتے جیسے کہ دوسری طریقت والوں کی رسم و راہ ہے۔ اور گویّوں اور سامعین کو کبھی اپنے ہاں طلب نہیں کرتے۔ نہ ہی کسی کو اُجرت دیتے ہیں۔ نہ ہی ہم نے اپنے عزیزوں دوستوں اور اور فرزندوں کو راگ سننے کی اجازت دی ہے۔ اور جو چیز ہماری شریعت میں منع ہے اور ہماری طریقت میں متروک ہے ہم اس کے جواز کا حکم نہیں دیتے، ہم خود کو گنہگار تصوّر کرتے ہیں۔ ہم ہمیشہ اس کام کے ترک کرنے کے قصد میں مصروف رہتے ہیں اور جو لوگ راگ رنگ نہیں سنتے اُنھیں اس عمل میں اپنے آپ سے بہتر جانتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور سے امیدوار ہیں کہ وہ ہمیں بھی اس آزمائش سے رہائی بخشے گا۔ اور ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر کے ہمیں معاف فرما دے گا۔ کہ ہماری نیت کے پیش نظر اور اس راہ میں اس کے ساتھ ہمارا جو

Marfat.com

معاملہ ہے اُس کے مدِّنظر اس آیتِ کریمہ کے بموجب ہمارے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا۔ اور اس فرمان کے صیقل سے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے وہ ہماری ان لغزشوں کے تمام زنگ ہمارے دل کے آئینے سے دور کر دے گا۔ اور ہمارے اس اعترافِ گناہ پر اپنے حسن قبول کی بدولت پسند فرما کہ ہم پر اپنی عجیب رحمت کا دروازہ کھول دے گا۔ اے اللہ تو میرا رب ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے، پس تو نے مجھے پیدا کیا۔ میں تیرا بندہ اور تیرے عہد اور وعدے پر ہوں جتنی مجھ میں طاقت ہے۔ اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ جو کچھ بھی میں نے کیا ہے اس کے شر سے اور میں اعتراف کرتا ہوں تیری نعمت کا اپنے اوپر، اور میں اعتراف کرتا ہوں اپنے گناہ کا، پس مجھے بخش دے۔ کیونکہ نہیں بخشتا گناہ کوئی بھی سوائے تیرے۔ بہرکیف ربِّ رحیم جلّ شانہٗ وعمّ نوالہٗ کی عنایت اور رسول کریم صلعم (ان پر خدا کی سلامتی اور درود) کی حمایت سے اپنے خلوص نیت کی بدولت ہماری بعض حرکات جو عیب چینوں اور سبز پوشوں کی نگاہ میں معیوب ہیں وہ بھی خوب و پسندیدہ ہیں۔ اور پرکار کے خط کی طرح ہماری کجی بھی سر اسر راست روی ہے۔ اگرچہ بظاہر ہم سراپا صراطِ مستقیم پر نہیں مگر باطنی طور پہ ہم سراپا تسلیم و رضائے الٰہی کی طرف مائل ہیں۔ اور اس طریق کے بغیر دائرے کی شکل مطلوبہ حلقہ بندی میں نہیں آسکتی، درحق مرکز پذیر نہ ہوتا۔ پس فی الحقیقت ہمارے سارے اعمال و اقوال میں حُسن نیت ہی جاری وساری ہے۔ اور انگوٹھی کے نگینے کی طرح ہماری ناہمواری بھی عین ہمواری ہے۔ کیونکہ اگر وہ ہموار ہوتا تو مہر لگانے کے کام نہ آتا۔ جب وہ کندہ ہو کر ہموار ہو جاتا ہے تو اپنے مالک کا نام ظہور کی جگہ پر ثبت کر دیتا ہے اور گواہی و شہادت کے کام آتا ہے۔ ہماری سیاہی بھی روشنائی ہے جس سے ہم نے صفحۂ ہستی کو روشن و واضح معانی تحریر کر کے منور کر دیا ہے۔ اور اس مقولے کے بموجب کہ نور سیاہی ہی کی بدولت جلوہ نما ہوتا ہے۔ ہم محبوبِ حقیقی کی زلفِ سیاہ پوش بن گئے ہیں اور اگرچہ کعبہ کی طرح ہم ہمہ تن سیاہ پوش ہیں مگر اہلِ بصیرت کی آنکھ کا سُرمہ ہیں۔ ہر چند کہ آنکھ کی پتلی کی طرح سراسر سیاہ و سیاہ کار ہیں لیکن ہم اپنے بزرگوں کی آنکھوں کا نور ہیں۔ اس حدیث شریف کے مطابق کہ اے حمیرا رضؓ (حضرت بی بی عائشہ رضؓ کا لقب) ہم سے بات چیت کرو۔ ہماری غفلت بھی ہماری انشراحِ صدر اور آگہی کی معاونت کا باعث ہے۔ ہماری تباہی بھی ہماری رہنمائی،

Marfat.com

کیونکہ قبلہ نما کی طرح ہمارے حالات کی یہ گردش بھی کعبۂ مقصود کے دکھلانے کی دلالت کرتی ہے اور ہماری توجہ کے رُخ کا قرار وہ سیاہ مست مسجود ہے۔ ہم تو بادۂ فنا ہو چکے ہیں کہ حقیقی ساقی کے چہرے کے مشاہدے کے سوا ہم فانی نفسوں میں اور کچھ باقی نہیں رہا۔ ہمارا نعرہ ہے اے ہمارے رب ہمیں شراب طہور پلا، ہم اپنی ہستی سے بالکل خالی ہیں۔ پس مجازاً جو کچھ ہم سے ظہور پذیر ہوتا ہے فی الحقیقت ہم سے نہیں ہوتا اور اس حدیث کے مطابق کہ ہم اسی سے سنتے ہیں اور اُسی سے دیکھتے ہیں، والا معاملہ ہمیشہ ہمارے شاملِ حال ہے اور ہمارا باطن ارادوں اور مرادوں کی نفی کی کیفیت سے مالا مال ہے۔ ہم ہمہ تن اپنے مرشد کی خدمت میں مصروف ہیں اور ہمیں ہمیشہ اسی امر سے متعلقہ کاروبار در پیش ہیں۔ مُنیب سے جیسے بھی بن پڑے اور جس طریق سے بھی ہو سکے، نائب کو اپنے منیب کے احکام کا اجرا ہی کرنا چاہیے۔ اور اتباع کے حقیقی راستے پر چلنا چاہیے۔ اگرچہ عقل کے اندھے اس روحانی اتباع کی حقیقت کو نہیں پا سکتے، اور اس اتباع میں پوشیدہ راز کو نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ اتباع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اتباع جو عوام کا نصیبہ ہے، یعنی تابع شخص قول و فعل کی صورت کو نہ سمجھتے ہوئے جس صورت میں اپنے متبوع سے سنتا یا دیکھتا ہے وہی افعال و اقوال محض اس کی سنت کی پیروی کے لیے ادا کرتا اور بجالاتا ہے۔ اور ایک حقیقی اتباع جو خواص کا حصہ ہے۔ یعنی کہ تابع شخص اپنے متبوع کے قول و فعل کی حقیقت و حقیت کو سمجھ کر اور اس قول و فعل کی منشا اور اُس کے نتیجے کو دریافت کر کے اسی ماحصل اور منشا کو ظاہر کرنے کے ارادے سے اپنے اجتہاد اور وقتی مصلحت کے مطابق قول و فعل بجالاتا ہے جو اس کے متبوع کی غرض و غایت کا ثمرہ دیتا ہے۔ گو ظاہری اعتبار سے اسی طور پر نہ بھی ہو اور نافہموں کو اس سے مختلف نظر آئے۔ پس حقیقی اتباع میں اختلاف نہیں ہوتا اور یہ جائز ہے کہ بعض امور میں وقتی تقاضوں اور اہلِ زمانہ کی اہلیتوں کے مطابق ظاہری اختلاف واقع ہو اور ظاہری اتباع میں ظاہری صورت میں اختلاف نہیں ہوتا اور جائز ہے کہ بعض اوقات حقیقت میں اختلاف واقع ہو جائے اور متبوع کی اصل غرض و غایت ہی فوت ہو جائے لیکن عوام کو خواص کی تقلید کرتے ہوئے ظاہری اتباع کی راہ سے قدم باہر نہیں رکھنا چاہیے، کیونکہ ان بے بصروں سے حقیقی اتباع کا کام سرانجام نہ پا سکے گا اور ناآگہی اور عدم عرفان کی وجہ سے ان سے جو پوشیدہ خطائیں اور اختلافات سرزد ہوں گے جو ظاہری اتباع اور نیک نیتی کی برکت سے خدا نے چاہا تو آخر کار معاف کر دیے جائیں گے۔ اور اگر وہ ظاہری اتباع میں کوتاہی کریں گے تو عذاب

Marfat.com

کے مستوجب قرار پائیں گے اور خواص کو چاہیے کہ وہ حتی الوسع ظاہری و باطنی ہر دو اتباع کو ملحوظ رکھیں لیکن اپنا اصل مقصد اسی حقیقی اتباع کو ٹھہرائیں اور ظاہری اتباع کو محض باطنی اتباع کی حفاظت کے لیے لازم قرار دیں نہ کہ اسی ظاہری اتباع کو حاصل مطلب سمجھ بیٹھیں۔ پس وہ جو کچھ بھی کریں سوچ سمجھ کر کریں اور عوام کی طرح اندھا دھند متابعت کا راستہ اختیار نہ کریں کیونکہ وہ تو صاحب بصیرت ہیں اور اگر اتفاقاً ان سے کوئی لغزش یا اختلاف سرزد ہو جائے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ اتباع حقیقی کی برکت سے آخرت میں قابلِ معافی ہوں گے اور اگر وہ اتباع کی حقیقت میں کوتاہی کریں گے تو سزا کے مستوجب ہوں گے۔ اس لیے کہ اجتہادی قوت کے مالک ہوتے ہوئے بھی وہ اجتہادی عمل کو بروئے کار کیوں نہ لائے۔ اور اس سلسلے میں دخل نہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ حق کے نزدیک اجماع و قیاس بھی دلائل میں کتاب و سنت ہی کی طرح ہے اور علم اصول کی کتابوں میں ان چار دلائل پہ بحث کی گئی ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ جب معاملہ حق پہ ہو تو پھر حق ہی ہے۔ انشاء اللہ آخر کار یہ تمام کٹھن گھاٹیاں یعنی ابتدائی معاملے میں ہر کسی کو مختلف شکلوں میں پیش آتی ہیں اور ظاہر بین لوگوں کے اعتقاد کی راہ میں حائل ہو جاتی ہیں دُور ہو جائیں گی اور اللہ کی عنایت سے یہ ظن و گمان دُور ہو کر اصل حقیقت اور حُسن نیت ہر کسی پہ حتیٰ کہ انکار اور اعتراض کرنے والوں پہ بھی عیاں ہو جائیں گی۔ اور وہ لغزشیں اور خطائیں کہ بہ تقاضائے بشریت سہواً یا عمداً سرزد ہوں اسی فرمان کے بموجب کہ نیکیاں گناہوں کو نگل جاتی ہیں۔ اس اصل باطنی نسبت کی برکت اور خدا کے فضل سے معاف ہو جائیں گی بموجب اس آیت کریمہ کے " وہ اللہ ہی ہے جو گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے وہ خاص رحمتِ خداوندی کے نزول کا باعث بن جائے گی۔ اور اللہ کے برگزیدہ پیغمبر آدم علیہ السلام (ان پر اور ہمارے نبی پر درود و سلام) کی نسل کو انہی کی سنت پہ آدمیت کی ایسی لغزشوں کے عوض ترقیاں نصیب ہو جائیں گی۔ اور اپنے گناہوں کے اعتراف میں ان کی زبان سے نکلے ہوئے یہ کلمات کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفسوں پہ ظلم کیا رب رحیم جلّ شانہٗ کو اتنے پسند آئیں گے اور اس درجے مقبول ہونگے کہ فرشتوں کے یہ کلمات کہ خدایا تیری حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور تیری تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں ہرگز اُس درجے کو نہیں پہنچ سکتے اور یہ فرشتہ سیرت متقی و پرہیزگار اس امر سے آگاہ نہیں جو کوئی واقف کار ہے یعنی جو کوئی حق سبحانہٗ تعالیٰ کے عشق و محبت اور قرب کی نسبت رکھتا ہے

Marfat.com

اور دُنیا میں بھی رحمتِ خداوندی کے نزول کے معاملے میں باطنی طور پر ظاہری حواس کی وساطت کے بغیر آگاہ ہے وہ ان اسرار و رموز کا محرم ہے اور وہ جانتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ ایسے معاملات ہیں جو محترم عقل کے پابند و اسیر حضرات کے ادراک میں نہیں آسکتے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ ان کے دل ہیں مگر وہ سمجھتے نہیں۔ اشیا کی مختلف قسموں اور کثیر التعداد صورتوں میں ایجاد سے خالق بے مثال کا مقصد اپنے اسمائے ذات کے ظہور کا اظہار کرنا تھا۔ تاکہ اُس کے سارے اسمائی ظہورات کو پوشیدگیوں سے نکال کر ظہور و شہود کے مقام پر لے آئے اور کائنات کا ماحصل اور موجودات کی تخلیق سے خالق کائنات کا مقصود اپنی تجلیات ذات کا ظہور ہی تھا۔ تاکہ اس ذاتِ پاک کی تمام تجلیات آشکارا و عیاں ہو جائیں۔ رنگارنگ کے مظاہر جو انواع و اقسام کی صورتوں میں ظاہر ہیں ان میں بھی اسی کا جلوہ کارفرما ہے۔ جو ہر طرف آفتاب کی مانند روشن ہے اور گوناگوں مراتب جو اس کی تجلیات کی جلوہ گاہیں ہیں۔ ان میں بھی اسی کی زینت و آرائش ہے جو زیورات کی طرح سراپا زیبائش و آرائش کا موجب ہیں۔ اس دانائے مطلق خالق اور فاعل و عالمِ حقیقی جلّ شانہٗ سے جو کام یا جو فعل بھی ظہور میں آتا ہے حکمت سے خالی یا بے فائدہ اور بیہودہ نہیں ہوتا۔ ہر کام میں اس حکیم کی حکمتیں پوشیدہ ہیں اور کوئی چیز بے فائدہ نہیں، ہر شے درست اور راست ہے۔ حق سے حق بات کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہ آیتِ کریمہ کہ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں یونہی فضول ہی پیدا کیا اسی حقانیت پر دلالت کرتی ہے۔ تاکہ حجابات میں لپٹے ہوئے یہ لوگ کسی کام کو لغو اور بیہودہ نہ سمجھیں۔ اور اپنی تمام تر ہمت مشاہدہ حق پہ صرف کر دیں۔ پس عارفانِ ذات جو اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفے ہیں سنّت الٰہیہ کے مطابق کوئی بھی لغو، بیہودہ اور فضول کام نہیں کرتے اور نہ ہی عوام کی طرح کسی کام میں غفلت، بیہودہ پن اور نفسانی خواہش کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کے ہر کام میں نیک نیت ہی شامل حال ہوتی ہے۔ وہ ہر حال میں حق ہی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان رہنماؤں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ جیسے بھی بن پڑے لوگوں کو مطلوب کی طرف بلائیں اور کھینچیں اور وقتی تقاضوں کے مطابق اور طالبوں کے حقائق میں سے ہر حقیقت کے اقتضا اور سالکوں کی استعداد و اہلیت کے موافق حق ہی کی طرف دعوت دیتے ہیں جو تمام اشیا پہ محیط و حاوی ہے۔ اور آہستہ آہستہ بڑی نرمی اور دانائی سے اُنھیں منزلِ مقصود کی طرف کھینچتے ہیں۔

Marfat.com

کیونکہ یہی بہترین وعظ و نصیحت ہے۔ اور انسانی نفوس میں زود اثر ثابت ہوتی ہے۔ اور ہر صاحب ہوش اور ہر گوشِ حق نیوش کو سریلی آواز کی طرح بھلی معلوم ہوتی ہے۔ دانایانہ دعوت یہی ہے کہ اپنی حکمت عملی سے دوسروں کو تیزی کے ساتھ ان کے مطلوب و مقصود تک پہنچادیا جائے۔ قرآنِ حکیم میں بھی یہی حکم آیا ہے کہ (اے نبی) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔ ابتدائی احوال میں اس قسم کی نرم و ملائم وعظ و نصیحت زیادہ مفید اور منفعت بخش ثابت ہوتی ہے۔ اور بے شمار بھلائیوں اور برکتوں کا موجب بنتی ہے۔ اور آخر کار اگر چارو ناچار بات خواہ بحث و تمحیص اور قیل و قال یا دشمنانِ دین سے جنگ و جدال تک جائے یہی قرآنی حکم کار فرما ہے کہ لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریق پر جو احسن ہو۔ آغازِ کار میں سہولت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے یعنی کہ دعوتِ حق کی ابتدا میں تنگی و سختی سے کام نہ لینا چاہیے اور ان کے سروں پر ایسا بوجھ نہیں لادنا چاہیے جس کی سہار یا برداشت طالبوں اور سالکوں کو ناگوار گزرے۔ اور آخیر میں جب دعوتِ حق کا معاملہ مستحکم اور قوی ہو جائے، اور منظورِ نظریات ہی صورت پذیر ہو رہی ہو تو بڑے عزم سے عمل پیرا ہونا چاہیے اور اہلِ طریقت کو ان امور کا حکم دینا چاہیے جو بہترین اور مناسب ترین ہوں۔ اور جہاں تک ہو سکے اس سے ہٹنے کی راہ مسدود کر دینی چاہیے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی جانب کو تقویت دینی چاہیے لیکن رشد و ہدایت کی ابتدا میں نیت و ارادہ سہولت ہی ہو کیونکہ آخر کار رفتہ رفتہ اس طرح عمل کرنے سے عزم راسخ نصیب ہو جائے گا۔ بس اس نیک نیت کی بنا پر وہ سہولت و آسانی بھی عین عزم ہی ہے اور عزیمت والے عمل ہی کے مرتبے میں داخل ہے تاکہ وہ اس مدعا کے حصول کو جاری رکھیں جو عبارت ہے محمدی طریق کی ترویج، مقدس کتب کی اشاعت اور مخلص یارانِ طریقت کے اجماع سے، خواہ زندہ رہیں یا نہ کارکنانِ قضا و قدر اس امر کو بروئے کار لے آتے ہیں۔ ان اہل حق کے دلوں میں جو بات مرکوز ہے وہ کماحقہ ظہور پذیر نہیں ہوتی۔ لیکن اس معاملے کے مالکوں کو جو ہمہ تن دینداری اور حق پرستی میں مصروف ہیں اور کسی وقت بھی غفلت ان کے دلوں کے نزدیک پھٹکنے نہیں پاتی اور وہ نفسانی و جسمانی داغ دھبوں سے بالکل پاک صاف ہوتے ہیں، ایسے حق بین اور صاحبِ بصیرت عارفوں کا شمار اہلِ عزیمت ہی میں ہوتا ہے اور وہ اللہ کے نزدیک

Marfat.com

بھی اسی جماعت میں گنے جاتے ہیں۔ کیونکہ اعمال کا فیصلہ نیتوں پر ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کی طرف دیکھتا ہے یعنی حسن صوری اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ اور عمل خیر بھی فقط ظاہری طور پر غیر معتبر ہے۔ اور نہیں ہیں جزا کے معاملات اعمال کی صورتوں کے مطابق اور ان کے ظواہر کے مطابق، بلکہ اللہ تعالیٰ اعتبار کرتا ہے اعمال میں ان کی اصل کا، اور وہ نیت اور ارادہ ہے۔ اور یہ دونوں متعلق ہیں دل سے۔ پس اگر دل صالح ہو جائے تو اعمال سب کے سب صالح ہو جاتے ہیں اور اگر دل فاسد ہو جائے تو سارے کے سارے اعمال فاسد ہو جاتے ہیں۔ قصہ کوتاہ عارف اور اہل اللہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے بالکل فنافی اللہ اور بقا باللہ ہو چکے ہیں جو کچھ بھی کرتے ہیں نیک نیتی سے کرتے ہیں اور ہر وقت جو کچھ بھی ان سے ہوا یا جو وہ کرتے ہیں وہی ہوتا ہے جو ہونا چاہیے۔ آغازِ احوال اور اواخرِ احوال کے اختلاف کا کوئی مضائقہ نہیں ہوتا۔ ابتدا میں اکثر کام پوری سہولت سے کیے جاتے ہیں اور اواخر بھی بیشتر عزیمت کے عمل سے رونما ہوتے ہیں۔ اور ہر وقت کی مصلحت جداگانہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر اسلام کے ابتدائی دور میں جب دین اسلام نے ابھی تقویت حاصل نہ کی تھی، اور ابھی زیادہ لوگ مائل بہ اسلام نہ ہوئے تھے۔ آنحضرت سرورِ کائنات نے ان کے حال کو دیکھتے ہوئے سہولت کا دروازہ نہ کھولا تھا۔ اور مومنوں کو عام بشارت نہ دیتے تھے اور نہ ہی فرماتے تھے کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور نہ ہی یہ نوید جانفزا سناتے تھے کہ اللہ تم سے فراخی و آسانی کا ارادہ رکھتا ہے، عُسرت و تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی اس پر عمل کرتے تھے کہ تمہارا دین تمہارے لیے اور ہمارا دین ہمارے لیے۔ اور نہ ہی لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھاتے تھے، کہ اللہ کسی کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں بناتا، نہ ہی ان پر مکروہات کا بوجھ ڈالتے اور نہ ہی بوجھ کی راہ پر گامزن ہوتے۔ اور سوائے اس کے اور کسی خیال کا اظہار نہ فرماتے کہ صلح ہی میں خیر و برکت ہے۔ وہ یہ حکم بھی سنتے کہ مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو، گویہ پرچم بھی لہراتے کہ میں صاحبِ شمشیر نبی ہوں اور حسین منظر کو بھی دیکھ رہے تھے، کہ لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور اس سبزہ زار کی بہار کا مشاہدہ بھی فرما رہے تھے کہ ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی پھر اس کو تقویت دی پھر وہ گدرائی، پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کاشت کرنے

Marfat.com

والوں کو وہ خوشحال کرتی ہے تاکہ کفار اس کے پھلنے پھولنے سے جلیں۔ غرضیکہ حضور رسولِ کریم صلعم ہر امر اور ہر کام کو وقت اور صورتِ حال کے موافق ہی کرتے تھے۔ اور جو بات جس وقت مومنوں کے حق میں بہتر اور مناسب ہوتی تھی وہی روا رکھتے تھے، چنانچہ اکثر امور جو اواخر میں متروک ہیں وہ آغاز میں ممنوع نہیں تھے، جیسے کہ متعہ جب کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مومنوں کو اتنی مقدرت نہ تھی کہ وہ اپنی بیویوں یا کنیزوں کو سفر میں اپنے ہمراہ رکھتے۔ سفر بھی آئے دن درپیش رہتا تھا۔ حضور پاک صلعم نے متعہ کرنے کی اجازت دے دی تھی تاکہ زیادہ فساد نہ پھیلنے پائے، لیکن جب اسلام نے قوت پکڑ لی اور مسلمانوں کو دسترس حاصل ہو گئی اور آئے دن کے سفر بھی اتنے ضروری نہ رہے تو حضور پاکؐ نے متعہ کی رسم کو بند کر دیا کہ یہ بھی فساد کا موجب تھا۔ پس جس میں اتنی مقدرت ہوتی وہ اپنی زوجہ کو ہمراہ لے جاتے اور جن میں یہ استطاعت نہ ہوتی اُسے تھوڑی مدّت کے لیے صبر کرنا پڑتا لیکن متعہ کا یہ شاخسانہ یا رخنہ مومنوں کے لیے بہت ضرررساں ہوتا۔ لہٰذا متعہ کو حرام قرار دے دیا۔ متعہ اور پالتو گدھے کا گوشت ایک ہی دن حرام قرار پایا۔ اس قسم کے کئی احکام ہیں جو ابتدائی دور میں ایک الگ طریق سے تھے، اور آخری دَور ایک دوسرے طریق میں بدل گئے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض محقق اس امر کے قائل ہیں کہ آیات کا منسوخ ہونا اوقات و حالات کے مطابق تھا۔ یعنی جس وقت کسی امر کا تقاضا ہوا اسی کے اقتضا کے مطابق اللہ کا حکم نازل ہو گیا۔ اور جن امور میں مومنوں کی دُنیا و آخرت کی بھلائیاں تھیں انہی امور کے احکام کا اجرا ہوا۔ اس سابق امور کے احکام جو ان گذشتہ اوقات میں مفید مطلب تھے وہ اب مستقبل کے اوقات میں موقوف ہو گئے اور منسوخ قرار پائے۔ اور منسوخ شدہ آیات کے مطابق احکام باقی رہ گئے۔ اور اس وقت اس بارے میں وہی مناسب اور بہتر ہیں۔ پس آیاتِ خداوندی میں اختلاف اوقات و حالات کے مطابق وقوع پذیر ہوا۔ اور منسوخ کرنے اور منسوخ ہونے والی آیات حالات کے اعتبار سے صورت پذیر ہوئیں۔ اور اوقات کے اقتضا کے مطابق احکام میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ نہ یہ کہ ان احکام کو مطلق منسوخ کرنا مطلوب تھا۔ فی نفسہٖ وہ احکام اپنے زمانے میں حق اور درست تھے۔ پھر آگے چل کر زمانے کے مطابق باطل ہو گئے، اور نسخ کی اس صورت میں بھی اللہ علیم و علام ہی کا حکم ہے اور حکیم مطلق کا ہر حکم حکمت ہی پہ

Marfat.com

بنی ہوتا ہے جو تمام اوقات میں حق ہی ہوتا ہے ۔۔۔ ــــــــــ پس آیات کا منسوخ ہونا اوقات وحالات کے اعتبار کے سوا اور کچھ نہیں ۔ قصہ کوتاہ آیات کے نسخ کی بحث و گفتگو کو چھوڑتے ہوئے منسوخات کے ضمن میں بیان کرنا چاہیے ۔ اور ناسخات کی شکل میں جو کچھ بھی اہلِ طریقت کے لیے حالِ حاضر میں مفید ہے اس کا بیان کرنا چاہیئے کہ متن کے دو جملے ایک الگ حالت میں تھے اور عبارات کے ظہور کے وقت شرح ایک الگ مقام سے ہے ۔ پس کہنا یہ چاہیے کہ اصل کام تالیفِ قلوب ہے ۔ جس طرح بھی بن پڑے اہلِ طریق کے اجماع و کثرت کے لیے کوشاں رہنا چاہیے اور ہر کسی کو امورِ خیر ہی کی دلالت کرنی چاہیے اور اصل مقصود کی طرف دعوت دینی چاہیئے کیونکہ انبیائے السلام اور صحابۂ کبار اور ائمہ اطہار (ان سب پر خدا کی سلامتیاں ہوں) اور مرجع خلائق اولیائے کرام سب کے سب اسی کام میں مصروف رہے ۔ انھوں نے اللہ کے راستے میں جہاد بھی کیے ۔ خدا کی راہ میں اپنا مال بھی صرف کرتے رہے ۔ اُنھوں نے مشقّتیں برداشت کیں ، اپنی جانیں قربان کیں ، لوگوں کی لعنت ملامت کو بھی گوارا کیا ، ریاضتیں بھی کیں اور اجرِ عظیم پایا جیسا کہ قرآنِ حکیم میں آیا ہے نہ گمان کرو ان لوگوں کو مُردہ جو قتل کیے گئے اللہ کے راستے میں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق دیے جاتے ہیں ، خوش ہیں اس پر جو اُنھیں دیا ان کے اللہ نے اپنے فضل سے اور بشارت دیتے ہیں ان لوگوں کو جو ابھی اُن سے نہیں ملے ان کے بعد کے لوگوں میں سے کہ نہیں ہے خوف ان پر کچھ بھی اور وہ رنجیدہ ہیں اور بشارت دیتے ہیں اللہ کی نعمت سے اور اُس کے فضل سے ، اور اللہ مومنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ۔ بیچارے یہ ظاہری آزاد منش لوگ جو بے ہمتی کے جال میں اسیر ہیں وہ اس مقام کو نہیں دیکھ سکتے اور ان کی کوتاہ بینی اس بلند مرتبے تک نہیں پہنچ سکتی وہ اس مرتبے کی قدر و منزلت سے بے خبر ہوتے ہیں ۔ اور اس عالی شان مقام کی قدر کو نہیں پہچان سکتے ۔ اور اپنی سہولیات و لغویات کو وارستگی (نجات) سمجھتے ہیں لیکن وہ معذور ہیں ۔ کیونکہ ہوا و ہوس کے یہ اسیر اپنے آپ پہ قیاس کرتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ حنفی مشائخ اپنے نفسانی مشرب کی وجہ سے اسی بلا میں مبتلا ہیں ۔ اور محققین کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں ۔ اور وہ اس بات کو نہیں سمجھ پاتے کہ اللہ کے بندے اس تمام بوجھ کو محض اللہ ہی خاطر اُٹھائے پھرتے ہیں ۔ اور ان کے معاملے میں نفسانیت کو ہرگز اور قطعاً کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ۔ اور یہ جاہل معترضین

Marfat.com

اتنا شعور ہی نہیں رکھتے کہ ہر کسی کے طور اطوار سے اس کے مافی الضمیر کا پتہ چلا سکیں۔ لیکن چونکہ ہر شخص کی نیت اور ارادے کا اس کی وضع قطع سے پتہ چل جاتا ہے اور عقلمند بھانپ لیتے ہیں کہ جس شخص کے اوضاع یوں صحیح و درست ہوں اور جس کے طور و اطوار ایسے مضبوط اور قوی ہوں اس کے متعلق ایسے گمان جو اس کے شایانِ شان نہ ہوں محض لوگوں کی اپنی بد طینتی کی وجہ سے ہوتے ہیں اور تیز فہم حضرات ایسے باکمال افراد کو دیکھتے ہی اس کے ظاہر سے اس کی باطنی حقیقت کو بھانپ لیتے ہیں۔ کیونکہ اس کی دلی کیفیت اس کے چہرے مہرے اور پیشانی ہی سے عیاں ہوتی ہے۔ اور اس کی بلندی یا پستی اس کی پیشانی ہی سے آشکارا ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے قدسی نفوس عطا کیے ہوتے ہیں اور جنھیں پاکیزہ کرے تمھیں پاکیزہ کرنے کی لڑی میں پرویا ہوا ہوتا ہے ان کی بلند ہمت اس پیری مریدی کے پست مقام کی طرف کیسے متوجہ ہو سکتی ہے جو بہر کیف اس ادنیٰ دُنیا کی طلب ہی کا دوسرا نام ہے۔ ان پاکیزہ نژاد راہِ سلوک کا ادراک رکھنے والے بزرگواروں کو حضرت مجدد الف ثانی رح کا یہی فرمودہ ملحوظِ خاطر ہوتا ہے کہ مجھے پیری مریدی کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ پیری مریدی تو یُوں ہے جیسے راستے میں پھینکی ہوئی کوئی چیز اور وہ کارخانہ جو مجھ سے متعلق ہے وہ ایک الگ مقام ہے۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ اس عالیشان مقولے کی قدر و قیمت پیری مریدی کی راہ سے منکشف ہی نہیں ہوتی۔ اس حقیقت کو روشن کرنے والا نور اور ہی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے نورٌ علیٰ نور ہے۔ اور یہ نور وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے۔ الغرض اہلِ حق کے تمام معاملات کو حق ہی سمجھنا چاہیے اور ان بزرگواروں کے سلوک کے ابتدائی، وسطی اور آخری ادوار کے اختلافات کے مشاہدے سے خود کو شک و شبہ اور تردد میں نہ ڈالنا چاہیئے۔

ع : ہرچہ خوباں کنند خوب آید (محبوبوں کی ہر چیز خوب و محبوب ہوتی ہے) ۔ ہر مقام کا الگ تقاضا اور علیحدہ اقتضا ہے اور سالک سے افعال و اعمال اس کے بموجب صادر ہوتے ہیں۔ اہل اللہ نے کسی وقت جو کچھ بھی کیا، جو کچھ وہ کرتے ہیں یا کہتے ہیں وہ سب حق ہی ہوتا ہے۔ ان منتخب بزرگواروں کا ابتدا سے انتہا تک ایک ہی حال پہ رہنا ضروری نہیں۔ نادان لوگ ان کے انتہائی معاملات کی ابتدائی دور ہی میں توقع رکھتے ہیں۔ یہ بالکل بے جا خیال ہے۔ کیونکہ ہر موسم کے احکام مختلف ہوتے ہیں۔ یہ سعادتمند حضرات جس راہ پہ چلے جا رہے ہیں۔ وہ ایسے ہی باسعادت مقام پر

Marfat.com

پہنچ جائیں گے اور بالآخر ان کا انجام بخیر ہوگا۔ اور آخر کار کسی بات میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا۔ اور وہ اول المحمدین کا مکمل تابع ہوگا۔ اور اپنے اس متبوع یعنی امیر المحمدین کے ساتھ حشر کیا جائے گا اور قیامت کے دن جو جزا و سزا کا دن ہے سب پر یہ حقیقت کُھل جائے گی۔ کیا ہوا اگر یہ باطنی اندھے آج اس سے منکر ہیں اور اس حقیقت پر یقین نہیں کرتے اور نہ ہی معاملے کی حقیقت کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ ظاہر بین لوگ صورت پرست ہیں اور حقیقت شناس نہیں ہیں کہ حقیقت الامر کی حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے اس حقیقت کو سمجھ سکیں کہ اعمال کا فیصلہ نیّتوں پر ہوتا ہے۔ اور اپنی بے بصری (اندھے پن) کی وجہ سے ہر عمل کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہر امر میں متشکک اور متردّد رہتے ہیں۔ اور اپنے صاف دلوں سے کدورت کا زنگ دُور نہیں کرتے اور مومنوں سے اچھا سلوک کرنے کے راہِ حقیقی سے انحراف کرتے ہیں اور ہر لحظہ اک نیا شبہ درمیان میں لے آتے ہیں اور اپنی بدطینتی کا اظہار کرتے ہیں۔ واہ سبحان اللہ یہ ناقص العقل طالبِ دُنیا جو حقیقتاً مؤنث ہیں، وہ اک طُرفہ ام الشبہات (شبہات کی مائیں) ہیں جو ہر لحظہ اک نئے شبے کو جنم دیتی ہیں۔ لیکن ان کے باطن میں پھر بھی وہی بدبودار حمل موجود رہتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ ان کے دلوں میں اک بیماری ہے۔ اللہ نے ان کے مرض کو اور بھی بڑھا دیا اور جو جھوٹ وہ بول رہے ہیں اس کے لیے ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔ یا خدا پیٹ کے ان بندوں کو اس بیماری کے ابتلا سے چھٹکارا دے اور باطنی صحت عطا فرما، تاکہ وہ اللہ کے بندوں کے کام آسکیں۔ اور فرمانبرداری کے سلسلے میں حیلہ و بہانہ کا دروازہ نہ کھولیں اور تیری ہی اطاعت اور عبادت میں مشغول ہوجائیں اور تیرے خاص بندوں سے مانوس ہوجائیں۔ اگرچہ یہ نالائق اتنی شدت سے منکر ہوتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے بموجب کہ ایک برابر ہے تم اسے نبی اُنھیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے والے نہیں۔ ان سے کسی خلوص اور اعتقاد کی توقع نہیں ہے لیکن چونکہ حقیقت سے دور ہیں وہ معذور ہیں، وہ کریں تو کیا کہ وہ اللہ کے خاص بندوں کے معاملات سے آگاہ ہی نہیں اور باطنی نسبت کے حصول کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے کہ ان کی صحبت کی برکات سے کسی حد تک واقف ہوسکیں اور ان کی زیارت سے مستفیض ہوسکیں۔ اے اللہ ہدایت دے ہماری قوم کو کیونکہ وہ جانتے نہیں ہیں تیرے چناؤ کی حقیقت اور نہیں سمجھتے تیرے اولیاء کے اسرار

Marfat.com

کو جیسے کہ وہ ایمان نہیں رکھتے تھے تیرے انبیاءؑ پر پہلے، اور انھوں نے اُنھیں جھٹلایا بلکہ اُنھوں نے انبیاءؑ کو ناحق قتل کیا تھا۔ اور وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہو گئے تھے۔ وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں اس بندے کا جو اُنھیں بلاتا ہے طریقِ محمدیؐ کی طرف اور پہنچاتا ہے اُنھیں اُن کے رب کے پیغامات اور جسے اللہ نے اپنے بندوں میں سے خاص چناؤ کے ساتھ چنا ہے اور اُسے سکھایا ہے اپنی جناب سے تعلیم الٰہی کے ساتھ آیاتِ قرآنیہ سے اقتباس کا طریقہ، کیا وہ تدبر کرتے قرآن پر اور نہیں غور کرتے بیان پر، اور اگر ہوتا یہ معاملہ الہام کیا ہوا غیر اللہ کی جانب سے بغیر اللہ کے الہام کے، قوتِ بشریہ کے الہام کے ساتھ تو وہ ضرور پاتے اس میں بہت زیادہ اختلاف اور نہ وہ مرتبط ہوتا اللہ سبحانہ' کے کلام کے فصیح انداز سے، اور جب آتا ہے ان کے پاس کوئی معاملہ امن یا خوف کا جو خلل ڈالنے والا ہوتا ہے اعتقاد کی سلامتی میں تو اُسے پھیلا دیتے ہیں اور اُس کا افشا کر دیتے ہیں اور آپس میں اُسے بکھیر دیتے ہیں۔ اور اگر وہ اُسے لوٹاتے رسولؐ کی طرف رجوعِ باطن کے ساتھ صدق اور خلوص کے ساتھ اور لوٹاتے اس امر کو اولی الامر کی طرف رجوعِ ظاہر کے ساتھ، اعتقاداً اور ادباً تو وہ رسولؐ انھیں سکھا دیتا ان لوگوں کو جو استنباط کرتے ہیں ان میں سے وہ چیز جو ان کے لیے بہتر تھی۔ اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اُس کی رحمت اسے خالص محمدیؐو مضبوط اعتقاد کے عطیے کے ساتھ تو تم ضرور پیروی کرتے شیطان کی۔ یہ شیاطین جنّ وانس جو تمھیں گمراہ کرتے ہیں خالص محمدیؐ طریقے سے اور اللہ یقین رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور اگر وہ کرتے وہ چیز جس کی اُنھیں نصیحت کی گئی ہے اس طریقِ محمدیؐ کے اختیار میں تو یہ چیز ان کے لیے بہتر تھی۔ دونوں جہانوں میں اور مضبوطی کے ساتھ ثابت تھی اور پھر اس صورت میں اللہ اُنھیں دیتا اپنی جناب سے اجرِ عظیم اور اُنھیں ضرور ہدایت دیتا سیدھے راستے کی، اور جو کوئی اطاعت کرتا ہے اللہ کی اس کے ساتھ جس کا ہم نے حکم دیا ہے آیات کے استدلال کے ساتھ اور اطاعت کرتا ہے اللہ کی اس کے ساتھ جس کا ہم نے حکم دیا ہے آیات کے استدلال کے ساتھ، اور اطاعت کرتا ہے رسول کی اس کے ساتھ جس سے ہم اسے ہدایت دیتے ہیں طریق محمدیؐ دکھا کر۔ پس وہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر اللہ نے انعام کیا اس سے پہلے نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہدا میں سے اور صالحین میں سے، اور اللہ ان کا رفیق ہے۔ یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے

Marfat.com

خالص محمدیوں پر اور اللہ کافی ہے جاننے والا، اللہ میرا رب ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا اور ضرور تم کو جمع کرے گا قیامت کے دن جس میں کوئی شبہ نہیں۔ اور عنقریب ظاہر کرے گا تمام مرتبے اگر اللہ نے چاہا اُسے جو حق بات کہتا ہے اور اللہ سے زیادہ کوئی سچی بات کرنے والا نہیں۔ پس ہر قسم کی تعریف اللہ کے واسطے ہے جس نے خالص محمدیوں کو بنایا بہترین امت جو نکالی گئی لوگوں کے لیے اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے خالص کیا اپنے دین کو اللہ کے لیے اور اللہ نے انھیں خلاصی دی طبعی اور نفسی قیود سے۔ بیشک وہ اللہ کے خالص لوگوں میں سے ہیں۔ اور ظاہر ہوگی ان کی حقیقت سب مقربین پر اور منکرین پر اگر اللہ نے چاہا تو ایک دن۔ اور وہ یوم قیامت ہے۔ اور تم کیا جانو کہ وہ یوم الدین کیا ہے، وہ دن کہ نہیں مالک ہوگا کوئی نفس کسی نفس کے لیے کسی چیز کا۔ اور معاملہ اس دن ہوگا ظاہراً اور باطناً، حقیقتاً اور مجازاً ہر لحاظ سے اللہ کے لیے۔ اس روز مکذبین کے لیے جہنم کا گڑھا ہوگا۔ اس کے سوا نہیں کہ جو کچھ تم وعدہ کیے جاتے ہو واقع ہونے والا ہے۔ اور نہیں پائیں گے منکرین کسی ایسے کو جو اللہ کے عذاب کو دُور کرنے والا ہو۔ وَیل (ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ کیا نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے طریق محمدیؐ کو سیدھا راستہ اور محمدیوں کے امیر کو ناصر اور ولی اور محمدیوں میں سے پہلے کو پسندیدہ فرزند لیس انتظار کرو وعدے کا، اور اللہ کا وعدہ آنے والا معاملہ ہے۔ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے کیا وہ نہیں بتاتا ان دونوں کو نشانیاں اور نہیں خاص کرتا ان دونوں کو دو کتابوں سے اور نہیں سکھایا دونوں کو اپنی جناب سے علم اور منکشف کرتا اس فصل کو احسن طریق پر فیصلے کے دن۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ پھر وہ دن ہے کہ وہ باتیں نہیں کر سکیں گے۔ انھیں اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کر سکیں اور ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے اور یہ فیصلے کا دن ہے کہ جمع کیا اللہ نے پہلوں کو اور بعد والوں کو، اور انکار کرنے والے چال چلنے والے پر قادر نہیں ہوں گے۔ اور نہ چال چلیں گے۔ اس دن ہلاکت ہے جھٹلانے والوں کے لیے۔ بیشک محمدیوں میں سے متقی سایوں میں اور چشموں پر ہوں گے۔ اور ان کے لیے ہوں گے جنت میں پھل ان میں سے جو وہ چاہیں گے، اور کہا جائے گا ان سے کھاؤ اور پیو خوشدلی سے اس کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

اور تمھارا رب اسی طرح جزا دیتا ہے خالص محمدیوں کو اور وہ اس کے نیکو کار بندوں میں سے ہیں۔ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں اور منکروں کے لیے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو اور سجدہ کرو، تو نہ رکوع کرتے ہیں اور نہ سجدہ کرتے ہیں پس ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ اور نہیں وارد ہوئی کوئی چیز اس کتاب میں مگر یہ کہ وہ ملی ہوئی ہے اللہ کی کتاب کے ساتھ۔ پس کس بات پر اس کے بعد وہ ایمان رکھتے ہیں۔ اے مخلص محمدیو، نہ کمزور پڑو اور نہ رنجیدہ ہو، اور تم ہی غالب آنے والے ہو اگر تم ایماندار ہو۔ اور نہ رنجیدہ کرے تمھیں ان لوگوں کا قول جو انکار کرتے ہیں خالص محمدیت کا۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ چیز جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور اگر تمھیں پہنچا کوئی زخم یا تمھیں کوئی مصیبت آ لیتی ہے۔ اس سے پہلے بھی قوم کو اسی طرح کا زخم پہنچا ہے اور اُسے مصیبت نے آلیا ہے۔ اور یہ دن اللہ سبحانہٗ پھیرتا ہے لوگوں کے درمیان تاکہ اللہ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور تم میں سے گواہ بھی لے لے۔ پس نہ چھپاؤ گواہی کو حقیقتِ محمدیہ پر۔ اور جو کوئی چھپاتا ہے اپنے دل ہی کو گنہگار کر رہا ہے۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور کتنے ہی ہیں بلند والے اللہ کی طرف کہ جب اُنھوں نے کوشش کی اللہ کے راستے میں تو ان کے ساتھ مل کر جنگ کی بہت سارے خدا پرستوں نے، پس وہ کمزور نہ ہوئے۔ پس اللہ کے راستے میں ان پر جو مصیبتیں پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے، نہ انھوں نے کمزوری دکھائی اور نہ باطل کے آگے سرنگوں ہوئے۔ اور اللہ محبت کرتا ہے صبر کرنے والوں سے اور نہیں تھا ان کا قول اس کے سوا کہ اے ہمارے رب ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما اور ہمارے کام میں جو تیری حدود سے تجاوز کر گیا ہے اسے معاف کر دے۔ اور ہمارے قدموں کو مضبوطی سے جمائے رکھ۔ اور کافروں کے معاملے میں ہماری مدد کر۔ پس اللہ نے ان کی مدد فرمائی ایسے لشکروں سے کہ جنھیں عوام نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور وہ بہترین مدد گار ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ ہم محمدیوں کو ایسے ضعیف البنیان بد باطنوں کے انکار سے کیا خوف، کیونکہ نفس الامر میں ہمارا معاملہ پاک ہے حق تعالیٰ کی حمایت ہمیشہ حاصل ہے اور باطنی برکات، طمانیت خاطر، قلبی سکون اور حضور و شہود کی نسبت کی تقویت اور نیک اعمال کی توفیق کی بدولت اللہ تعالیٰ کی انواع و اقسام کی مدد امدادیں ہمارے شاملِ حال ہیں۔ اور طرح طرح کی تائیدات ربانی مثلاً تحریر و تقریر کی قوت کا عطیہ،

Marfat.com

دینِ محمدی پر استقامت، مزاج کا مستغنی ہونا، متوکلانہ گزر بسر، اخلاقِ حسنہ، اور تابعین و لواحقین کا اتحاد و اتفاق وغیرہ وغیرہ ہر وقت بلکہ ہر لحظہ غیب سے ہمیں پہنچتی ہیں۔ اور ہمارے خدائے عزّو جل کی یہی عنایت ہمارے لیے کافی ہے اور اس آیت کریمہ کے بموجب ہمارے لیے موجب تسلّی کہ اگر یہ لوگ تمھیں جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں ان کے پاس ان کے رسول کھُلے دلائل اور صحیفے اور روشن ہدایات دینے والی کتاب لے کر آئے تھے۔ شروع ہی سے حجاب کے ماروں کا محققین کے ساتھ یہی وطیرہ رہا ہے۔ اور اللہ دشمن اللہ کے دوستوں کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح کا سلوک کرتے رہے۔ پس عارف ذات کو چاہیے کہ اس معاملے کی تہ اور حقیقت کو پا کر ان لوگوں سے اجتناب کرے، یعنی ان کے ردّ و بدل اور فساد و خلل کی طرف توجہ ہی نہ دے۔ نہ ان سے سوال جواب کرے۔ کیونکہ یہ نافہم لوگ کسی کے سمجھانے سے سمجھیں گے نہیں اور نہ ہی کبھی کسی کے سمجھانے بجھانے سے سمجھے ہیں۔ اور نہیں ہے ظالموں کے واسطے کچھ سوائے خسارے کی زیادتی کے۔ بلکہ صاحبِ بصیرت کو چاہیے کہ ایسے لوگوں سے زائد بات ہی نہ کرے۔ جب وہ محفل میں آئیں تو خاموشی ہی اختیار کرلے، لیکن یوں بھی نہیں کہ وہ سکوت ہی موضوعِ گفتگو بن جائے اور اس کا چرچا زبانوں پر چل نکلے، بلکہ یوں چاہیے کہ حال و قال کے سالک لیے خبیث النفس لوگوں کو ساکت بنا دے۔ ان کو انہی کے حال پر چھوڑ دے۔ انھیں کچھ نہ سمجھائے اور بحث و تمحیص اور قیل و قال سے مُنہ موڑ لے، کیونکہ قیل و قال تو بے معرفت ملاؤں کا شیوہ ہے اور عارفوں اور اولیاءؒ اللہ کا شعار نہیں۔ نہ ہی خود کو ان جاہلوں میں داخل کر دے۔ اور نہ ہی ان کی طرح بیہودہ شور مچائے۔ کیونکہ یہ تو ان بے غیرتوں کی عادت ہوتی ہے۔ وہ اس کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان میں ندامت و انفعال کی قوت ہی نہیں ہوتی۔ ان میں سے اکثر ہر جگہ موردِ الزام ٹھہرائے جاتے ہیں اور دوسروں پر بھی الزام تراشی کرتے ہیں۔ اور پھر اسی طرح ملتے جلتے رہتے ہیں اور کچھ پروا نہیں کرتے بلکہ حیوانوں کی طرح جو کبھی بالکل کسی معمولی لغو و بیہودہ بات پر آپس میں لڑ پڑتے ہیں اور پھر کچھ وقت کے بعد سر جھکائے باہم ایک ہی جگہ چر رہے ہوتے ہیں۔ انسانیت اور انسانی حمیت اس بات کا تقاضا نہیں کرتی۔ انسان کو حفظ مراتب، اور حقوق انسانی اور باہمی آشنائی اور ادب آداب کو لازماً ملحوظِ خاطر رکھنا پڑتا ہے۔ غیرت مند حضرات بات

Marfat.com

کو محفلوں میں اس حد تک نہیں لے جاتے کہ بن نہ پڑے۔ اور اُسے آخر کار نادم و پشیمان ہونا پڑے اور شامت ہی آجائے۔ اگر کوئی مرتبے میں ان سے بلند تر ہے اور ان سے نرم و ملائم انداز میں گفتگو نہیں کرتا تو بھی تحمل سے کام لیتے ہیں۔ ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ اور اگر اُن سے کم مرتبے کا ہو اُس کے مناسب حال عمل سے اُسے ہرزہ سرائی اور لغو بیانی سے چپ کرا دیتے ہیں۔ ہموار طبع اصحاب کا یہی دستور ہوتا ہے اور جو لوگ شریف النفس غیور اور جرأت مند ہیں اور ابتدا ہی سے اس آیت کریمہ کے پابند و عادی ہیں کہ اپنی آوازوں کو نبی کریم صلعم کی آواز سے اونچا نہ کرو۔ ان کا نفس نفیس اس امر کو کیسے قبول کر سکتا ہے کہ اِدھر سے یہ لوگ بات کریں اور اُدھر سے وہ ان کے مقابلے میں ایسے ہی الفاظ زبان پر لائیں یا تو وہ خود کچھ کہتے ہی نہیں اور دوسرا جو کچھ کہتا ہے اُسے سُن لیتے ہیں۔ یا وہ کوئی بات کہتے ہیں اور دوسرا کچھ نہیں کہتا، چپ چاپ بیٹھا سنتا رہتا ہے۔ بارگاہ کبریائی تک رسائی رکھنے والے یہ لوگ جو بلاشبہ نائبانِ حق ہیں۔ گفتگو کے دوران کسی قسم کا رد و بدل اور جنگ و جدال نہیں کرتے۔ اور جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے اس سعادت سے سرفراز فرمایا ہو اس کا شکرانہ یہ ہے کہ دل میں اپنے مخالفوں سے بھی دشمنی و خصومت نہ رکھے۔ اپنی طرف سے بالکل صاف دل ہو۔ اور ان کے خلاف کچھ نہ کرے جہاں تک ہو سکے درگزر سے کام لے۔ اور انھیں معذور و مجبور سمجھے اور بدلہ لینے کی کوشش نہ کرے۔ نہ ہی خود بدنفسی سے کام لے خواہ اُسے قدرت حاصل ہو بھی کہ وہ انھیں سزا دے سکے۔ کیوں تم میں سے سب سے زیادہ مضبوط آدمی وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے اور تم میں سے سب سے زیادہ بردبار وہ ہے جو قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے۔ اور عجز و انکسار سے کام لے۔ بداخلاقی کا مظاہرہ نہ کرے۔ اور جاہلوں کی طرح جوش و خروش میں نہ آئے اور غصے میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کر جائے۔ سبھی کو خدا کو سونپ دے اور قرآن شریف کی اس آیت کریمہ پر عمل پیرا ہو کہ جھٹلانے والے لوگوں سے نمٹنے کا کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے۔ رباعی:

امرد رسیدت اگر از خلق آزار — رنجی مبر از ذلت و خواری زنہار
گر بر سر تو نہند پا مردم دہر — تو از رہ انکسار سر بر پا دار

Marfat.com

ترجمہ رباعی: اے انسان اگر تھیں لوگوں سے آزاد پہنچے تو اس ذلت وخواری سے ہرگز رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ اگر لوگ تیرے سر پہ پاؤں بھی رکھیں تو عجز وانکسار سے کام لیتے ہوئے اپنا سر ان کے پاؤں ہی پہ رہنے دے۔ (اب مصنف رباعی کی اشارات وتلیمحات کی کڑیاں خود یوں کھولتا ہے کہ)

رباعی میں لفظ مرد سے مراد عام آدمی نہیں بلکہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو جوانمرد ہو، یعنی مردانہ وار ہمت وجرأت اور بوجھ اُٹھانے کی سہار اور تحمل، جہاد اکبر کی طاقت، رشد وہدایت کی اہلیت، بلاکشی کی قوت، صبر ورضا کی استعداد اور خدائی نسبت، مستغنی مزاج اور قناعت پسند طبیعت رکھتا ہو اور لفظ خلق سے مُراد وہ ہمعصر عوام ہیں کہ جن کی اکثریت اپنے ہم عصر بزرگوں سے موافقت نہیں رکھتی۔ آزار سے مُراد مرضی کے خلاف اور طبع کے ناگوار گزرنے والے امور ہیں۔ رنج بردن سے مُراد ہے دل تنگ ہونا۔ ذلت وخواری سے مقصود ہے اپنے مرکوز خاطر امور پہ پیش رفت کا نہ ہونا اور پا بر سر نہادن سے مُراد ہے بے ادبانہ اور گستاخانہ سلوک، انکسار سے مُراد عجز وتواضع اور سر برپا داشتن سے مُراد ہے خوش خلقی سے پیش آنا اور حاصل مطلب رباعی کا یہ ہے کہ جوانمرد شخص کو ندا دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اے وہ انسان جو اپنے اندر مردانہ وار ہمت وجرأت اور بوجھ اُٹھانے کا تحمل، جہاد اکبر کی طاقت، رشد وہدایت کی اہلیت رکھتا ہے، اور جسے بلاکشی کی ہمت اور صبر و رضا کی سعادت بھی حاصل ہے، اور حق تعالیٰ نے تجھے کبریائی نفس اور استغنا اور قناعت بھی عطا فرمائی ہے۔ تو اگر اپنے ہم عصروں سے اپنے خلاف مرضی کوئی ایسی بات دیکھے جو تجھے ناگوار گزرے اور پیش رفت کے رکنے سے دل تنگ نہ ہوتا اور ان بے ثبات مکروہات اور ناملایمات پر صبر کر، بلکہ وہ تجھ سے بے ادبانہ اور گستاخانہ سلوک بھی کریں تو چاہیے کہ عجز وانکسار اختیار کر کے اچھے اخلاق اور صاف دلی سے پیش آئے اور صاحبِ خلق عظیم (یعنی حضور سرورِ کائنات صلعم) (ان پر خدا کی تمام وکمال سلامتیاں اور درود ہوں) کی پیروی کرے۔ ان لوگوں کی طرف نہ دیکھ۔ معاملہ خالق سے ہے۔ مخلوق سے بے نیاز رہتے ہوئے اس آیت کریمہ کو پیش نظر رکھ کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو خدا کے ذمے ہے۔ وہی ہے جس سے مدد مانگی جاتی ہے۔ اور اسی سلطان عزوجل پر توکل کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے۔ جس نے پیدا کیا انسان کو اور سکھایا اسے بیان اور درود و سلام اس کے رسولؐ پر کہ جس کے اوپر نازل کیا قرآن اور آپؐ کی آلؓ اور آپؐ کے اصحابؓ اہلِ علم اور اہلِ عرفان پر۔ امابعد پس یہ بیاسی واں (۸۲) باب ہے جو احسن البیان سے موسوم ہے۔ بیشک بیان میں قوت تاثیر کا جادو ہے تقدیس کے اندر۔ پس اگر یہ ہو نبی کی طرف سے تو یہ داخل ہے اس کے معجزات میں، اور یہ ہو ولی کی طرف سے۔ یہ کرامات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور نہیں منسوب کیا جاتا اس صاحب بیان کی طرف ان دو مرتبوں میں شاعری اور جادوگری کا انتساب اور اگر وہ ہو کسی ولی کے علاوہ جیسے شعرا اور دوسرے فصحا پس وہ جادو کی قسم میں سے ہے اور شمار کیا جاتا ہے صنائع اور بدائع میں اور لطائف وظرائف میں۔ اور کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے معجزات میں سے نزول قرآن مجید ہے۔ پس اس لیے اللہ نے خالص محمدیوںؐ کو ان کے رسولؐ کی سنت پر احسن بیان کے ساتھ مخصوص کر دیا جو کہ نبی علیہ السلام کی اُمت کے اولیاؒ کی بڑی کرامات میں سے ہے۔ پس دوسرے مسحور کر دینے والے اہلِ بیان نے جب دیکھا ان کی کتابوں کو تو اعتراف کیا ان کی حقیقت کا اور گر پڑے جادوگر سجدے میں اور انھوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے ان کے رب پر۔ بیشک محمدیوںؐ کا قلم وہ کچھ کرتا ہے جو

Marfat.com

کہ عصائے موسوی ؑ نے کیا۔ اور اس کے سوا نہیں کہ ہم نے کیا صنعت شاعریہ کے ساتھ اور ہم نے جمع کیا قوت فکریہ کے ساتھ جادوگر کی چال کو بغیر اللہ تعالیٰ کی کرامت کے اور بغیر اللہ جل جلالہٗ کی عنایت کے اپنی آرا سے اور اپنی خواہشات کے القا سے شعری قیاسوں اور مسحور کن تاثیرات سے اور کامیاب نہیں ہوتا جادوگر جہاں کہیں سے بھی وہ آئے ۔اور کہتا ہے اللہ تعالیٰ خالص محمدیت والے سے بے شک تو ہی اعلیٰ مرتبے پر رہے گا غلبے کے ساتھ۔ اور جان لے کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ بے شک میں اللہ ہوں اور نہیں ہے میرے سوائے کوئی معبود۔ پس میری عبادت کرو اور میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔ بے شک قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر متنفس اپنی کوشش کے مطابق بدلہ پائے۔

حقیقت سخن کی شناخت اور اس اہل فن کی کیفیت کی دریافت کے بیان کا باب :

حقیقت سخن کی شناخت سے مُراد کلام کی ماہیت کا پہچاننا ہے۔ یعنی کہ کلام فی نفسہٖ ہے کیا چیز اور اُس کی کتنی قسمیں ہیں۔ اور اس اہل فن کی کیفیت کی دریافت کا مطلب ہے صاحبانِ کلام کی کیفیت کو پہچاننا جو مشتمل ہے نبیوں، ولیوں، عارفوں اور محققوں پہ نیز دیگر دانشوروں پر بھی جو عالم، شاعر اور فصیح و بلیغ حضرات ہوتے ہیں۔ یہاں فن سخن سے مراد فقط شاعری نہیں جو اس کے اصطلاحی معنی ہیں بلکہ مُراد یہاں سخن کے عام معانی ہیں تمام ارباب سخن کو حاصل ہیں اور بے قید کلام پہ مشتمل ہے۔ پس سمجھ لو کہ کلام کی اصل الاصل اور اس کا منبع و سرچشمہ یہ ہے کہ موجودات کے یہ ممکنہ حقائق عدم سے وجود اور مقام ظہور پہ آئے اور حضرتِ وجود نے علمی مرتبے میں اعتباری اور اضافی امتیاز پایا اور تفصیلات اختصار کی شکل میں اور جزئیات تفصیل کے اسلوب سے ممتاز ہوئیں تو ان تمام معلومہ موجودات کو متمیّز کرنے والے حضرت علم نے ہر حقیقت کو خصوصی صورت میں خلعت عطا کی اور حقائق کو صورِ علمیہ سے مصور کیا، اسی طرح ہر شے کے بالمقابل ایسی صورت معین کی جو اس شے پہ دلالت کرتی ہو اور اُس شے سے متعلق خبر دیتی ہو۔ اور حضرتِ وجود نے ان ہر دو یعنی دال و مدلول کو اپنے نفسی اتحاد کے فیض سے یکجا جمع کر کے اُنھیں خاص باہمی نسبت عنایت فرمائی۔ اور وجودی باطن کے مرتبے میں ظاہر فرمایا۔ اور یہ باطنی

Marfat.com

موجودات عالم معانی کا ایک لطیف (باریک و پاکیزہ) مرکب ہے اور وُہ 'امورِ' معنوی الفاظ کے دال اور وہ اشیا علمی معانی کے مدلول ہیں اور ان الفاظ و معانی کا مجموعہ قدسی کلماتِ الٰہیہ ہیں اور جب حق سبحانہ' تعالیٰ نے چاہا کہ عالم معانی کی اس موجودات کو باطنی وجود کے مرتبے سے ظاہری وجود کے مرتبے میں لائے تو اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے وہ باطنی موجودات ظاہری وجود کے آئینے میں منعکس ہوگئیں، اور اُس علم کے مطابق اس عالم میں ظاہر ہوگئیں جو صوری عالم کے نام سے موسوم ہے، اور ان امور دالہ نے جو معنوی الفاظ تھے اشارات نام پایا اور وہ مدلولہ اشیا جو علمی معانی تھے وہ خارجی موجودات کے نام سے موسوم ہوئیں اور ان اشارات و موجودات کا مجموعہ کلمات وارشاداتِ ربانی ہیں جو اس متکلمِ حقیقی جل شانہ' کی زبانِ قدرت سے نکلے۔

نفسی و لفظی کلام کے حال اور

حقیقت جبرائیلیہ اور حقیقت محمدیہ کے بیان کا باب

سمجھ لو کہ کلام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نفسی کلام اور دوسرا لفظی کلام۔ نفسی کلام عبارت ہے کسی شخص کے اپنی صورِ علمیہ کے تصور سے اور ان امورِ معلومہ کا تقدم و تاخر کی ترتیب سے ذکر یعنی کہ ایک صورت کا دوسری صورت اور ایک امر کا دوسرے امر کے بعد ذکر۔ اور یہ نفسی کلام ان نفوس ممکنات کا ہے جسے نفسی خیالات اور باتوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس نفسی کلام کو کرنے والا سوائے اس شخص کے اپنے آپ سے اور کوئی نہیں ہوتا۔ کلام کرنے والا نفس خود ہی سامع (سننے والا) ہوتا ہے۔ اور اس نفسی کلام کی حالت عبارت ہے اس شخص کے ان صورِ علمیہ اور معلومہ امور کے ذکر کے علمی احاطے سے ان متصورہ صورتوں اور متذکرہ امور کی فرداً فرداً جزئی تفصیلات کے ادراک کی حیثیت سے۔ درحقیقت اس مرتبے میں کلام اور سماعت کی صفات متحد ہوتی ہیں اور بالکل ایک دوسرے کا عین۔ بس صرف کہنے میں حیثیات کے اختلاف کے لحاظ سے اعتبار امتیاز رکھتے ہیں۔ اور حق سبحانہ' تعالیٰ کا کلامِ نفسی عبارت ہے حقی صورِ علمیہ کے انکشاف سے نفس پر منقش ہوئے بغیر۔ اور ان کے تقدم و تاخر کی ترتیب کے لحاظ سے ان معلومہ امور کے انداز سے ذاتِ سبحانہ' تعالیٰ کی علمی کیفیت میں ہوتے ہیں۔ اور واجب تعالیٰ کے اس کلام نفسی کو ارادۃ اللہ یا مشیتِ ایزدی کہتے ہیں۔ اور اُس کے اس پاک کلام کو اس کے علاوہ اور کوئی نہیں سُن سکتا۔ اس متکلمِ حقیقی کی اپنی

Marfat.com

ذات ہی اپنے کلام کی سامع ہوتی ہے۔ اور اس کلام کی سماعت عبارت ہے حق تعالیٰ کے ان علمیہ امور اور مقتدرہ امور کی جزئی تفصیلات کی فرداً فرداً علمی معلومات کے احاطے سے اور درحقیقت اس انتہائی مرتبہ کلام و سماعت کی صفات متحد ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کا عین۔ کوئی اور زائد نہیں ہوتا۔ بس حضرت علم کے ہاں حیثیات کے اختلاف کے اعتبار سے اضافی امتیاز رکھتے ہیں۔ اور کلام لفظی عبارت ہے انسانی زبان کے توسط سے الفاظ کی صورت میں ذاتی مطالب کے اظہار سے، یہ لفظی کلام انسان سے متعلق ہوتا ہے جسے معقولات اور کلمات سے تعبیر کرتے ہیں اور اپنے ہی لفظی کلام کو متکلم خود بھی اپنے کانوں کی وساطت سے سنتا ہے اور اُس کے علاوہ دوسرے بھی سنتے ہیں۔ اور اس لفظی کلام کی سماعت عبارت ہے ہوا کی لہروں سے کلمات کا لفظ بہ لفظ کان کے پردوں سے ادراک کرنے سے، اور اس مرتبے میں کلام کی صفت سماعت کی صفت سے جدا اور الگ ہوتی ہے۔ ایک انسانی عضو زبان سے مخصوص ہے اور دوسرا انسانی عضو کان سے۔ اور وہ ہے مطالب کا نکلنا نفس سے خارج کی طرف اور یہ ہے مطالب کا داخل ہونا خارج سے نفس کی طرف، حق سبحانہٗ تعالیٰ کا لفظی کلام عبارت ہے حضرت جبرائیل کے توسط سے نفسی معانی کے نازل کرنے سے ایجاد الفاظ کے لباس میں انبیائے علیہ السلام پر۔ اور اس کلام لفظیٔ خداوندی کی آیات، صحیفوں اور نازل شدہ کتب آسمانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اپنے اس لفظی کلام کو وہ متکلم حقیقی حق سبحانہٗ تعالیٰ جل شانہٗ اپنی ذات پہ زائد صفت سماعت سے۔ خود سنتا ہے اور اُس کے بندے بھی سنتے ہیں۔ اس کلام لفظی کی سماعت کو حق تعالیٰ سے نسبت دی جائے تو وہ عبارت ہے ان الفاظ و معانی کے مجموعی تفصیلی علم سے اور بندوں سے نسبت دی جائے تو یہ عبارت ہے ان کے کلام اللہ کے سننے سے مع اس حقیقت کے اقرار کے کہ یہ کلام الٰہی ہے جو حضرت رسول کریم صلعم (ان پہ خدا کا درود و سلام ہو) پہ نازل ہوا۔ اور اگر منکرین اور کافرین سنیں تو گویا اُنھوں نے کلامِ الٰہی کو سنا ہی نہیں جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ ان کے کان تو ہیں مگر وہ سنتے نہیں۔ قصۂ کوتاہ یہ کہ حقِ تعالیٰ کا یہ کلام نفسی جو ان قرآنی آیات و الفاظ میں دلالت کیا گیا ہے زمانۂ قدیم سے اسی خالص تنزیہی حالت میں ہے۔ اور ان الفاظ کا القا حقیقت جبرائیل پہ ہوا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایک رسولِ کریمؐ کا قول ہے آخر تک اور جسے جبرائیل علیہ السلام نے ہر نبی کو اس کی خاص زبان میں یہ کلامِ الٰہی پہنچایا۔ ہم اس مطلب

Marfat.com

کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جبرائیل کی مثال انسانی عضو زبان کی ہے اور انبیائے کرام کی مثال سامعین کی ہے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی مثال مُتکلّم کی ہے۔ پس جب کوئی جامع علوم شخصیت اپنا کلام سامعین کو سنوانا چاہے۔ پس وہ اپنے ان نفسی مطالب کو الفاظ کی شکل میں زبان سے ادا کرتا ہے۔ از بسکہ زبان میں ہر لغت کے الفاظ کی ادائیگی کی اہلیت ہے۔ وہ ہر قوم کے لوگوں کے سامنے انہی کی زبان والفاظ میں ان مطالب کو صاف صاف ادا کر دے گا۔ باوجودیکہ اس کی زبان کسی لغت کا ادراک نہیں رکھتی لیکن اس کے ارادے کے بموجب ہر شخص سے الگ الگ اس کی اپنی خاص زبان میں کلام کرتا ہے اور اس نفس کلام کو لفظی کلام کی شکل میں لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ پس حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حقیقت جبرائیلیہ میں زبان کی طرح ہر لغت کے الفاظ کے تلفظ کی قابلیت تخلیق فرمائی ہے اور اس کی وساطت سے جس زبان میں چاہا اپنے کلام کو انبیائے کرام پر نازل فرمایا۔ باوجودیکہ جبرائیلی لغت نہ عبرانی ہے نہ سریانی نہ عربی۔ حضرت روح الامین (حضرت جبرائیلؑ) محض قدرتِ حق سے ہر نبی سے اسی کی زبان میں ہمکلام ہوتے تھے۔ اور انھیں حقِ تعالیٰ کے کلام کے اسرار و رموز سمجھاتے تھے۔ زبان کی طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام واسطۂ کلام سے اور زیادہ کچھ نہیں۔ اور ان الفاظ کے اجرا کے بغیر پہلے کلام الٰہی حضرت جمع الجمع سے جسے ہم مرتبۂ جمعِ الٰہی کہتے ہیں حقیقتِ محمدیہؐ پر (جسے ہم جمعِ محمدیؐ کہتے ہیں) نازل ہوا، اور حقیقت محمدیہؐ کی وساطت سے حقیقتِ جبرائیلیہ پر نازل ہوا۔ اور جبرائیلی تعین سے محمدیؐ تشخص پر جو اس سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری تعین ہے نازل ہوا۔ پس جبرائیل اک واسطہ ہے حقیقت محمدیہؐ اور صورتِ محمدیہؐ کے درمیان جو حقیقتِ محمدیہؐ سے کلام سنتا ہے اور صورت محمدیہؐ کو کلام اللہ کے الفاظ پہنچا دیتا تھا۔ اور حقیقت محمدیہؐ واسطہ ہے عظمتِ الٰہیہ اور حقیقت جبرائیلیہ کے مابین جو مرتبۂ الوہیت سے کلام اللہ کے معانی حقیقتِ محمدیہؐ پر نازل کرتا تھا اور خود حضرت حق کے واسطے کے بغیر اس مقدس کلام کو سنتا تھا، اور یہ آیت کریمہ کہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے اسی مرتبہ الوہیت سے حقیقتِ محمدیہؐ پر بلاواسطہ نازل ہونے کی خبر دیتی ہے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ کہ بے شک اس نے اسے نازل کیا تمھارے دل پر اللہ کے حکم سے تصدیق کرتا ہے اس کی جو اس سے پہلے ہے اسی کلام رسانی کے معاملے کی طرف اشارہ کرتی ہے جو

Marfat.com

حضرت جبرائیل علیہ السلام حقیقت محمدیہ سے صورت محمدیہ تک پہنچاتے تھے۔ پس حقیقت محمدیہ تعبیر کی گئی اللہ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کے کلام میں، کیونکہ رسول اللہ صلعم کی روح مبارک اللہ کے حکم سے تھی۔ اور امر اور اذن معنی میں ایک دوسرے کے قریب ہیں اور جب اذن کے ساتھ تائید کی جاتی ہے تو وہ امر بن جاتا ہے۔ پس اسی طرح جب حقیقت متوجہ ہوتی ہے باطنی مرتبے سے ظاہری مرتبے کی طرف تو وہ ہوجاتی ہے روح۔ اور صورت محمدیہ تعبیر کی گئی ہے اللہ سبحانہ کے کلام میں دل سے کیونکہ دل بدن کے اعضا میں سے سب سے بڑا عضو ہے۔ پس اس آیت کی تعبیر یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نازل کیے قرآن کے الفاظ صورت محمدیہ پر حقیقت محمدیہ کے توسط کے ساتھ اس حال میں کہ جبرئیل تصدیق کرنے والے ہیں اور اعتراف کرتے والے ہیں اس کا جو اُس کے سامنے ہیں اس پر حقیقت محمدیہ کی تنزیل میں سے۔ پس جب تم نے جان لی مراد اذن اللہ کی۔ پس ظاہر ہوگیا تم پر اس آیت کا راز بھی کہ کون ہے جو شفاعت کرے اس کے پاس بغیر اس کے اذن کے، یعنی نہیں ممکن شفاعت مگر شفیع المذنبین کے طفیل اور وہ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر خدا کا درود و سلام ہو۔

کلام کے انسان سے مختص ہونے کے بیان اور اس کے مراتب کی حقیقت کے اظہار کا باب

کلام کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ اس کا ظاہر تو الفاظ و حروف ہیں اور باطن اس کا معانی و مطالب ہیں۔ پس وجود جو کہ ظاہر و باطن کا جامع ہے کلام اسی کا حق ہے۔ جیسے انسان کہ جسم اس کا ظاہر ہے اور روح اس کا باطن۔ لہٰذا گویائی انسان سے مخصوص ہوئی اور الفاظ و حروف کے لباس میں معانی و مطالب کا اظہار اسی سے مختص ہوا کیونکہ ظاہر و باطن کی ایسی کامل جامعیت جو تمام و کمال طریق سے انسان کو حاصل ہے کسی موجود مخلوق کو حاصل نہیں۔ اور تمام امور کے حقائق و دقائق کا اظہار جو انسانی کلام سے وقوع پذیر ہوا اور کسی مخلوق کے ہاتھوں سرانجام نہ پایا۔

سوال: اگر تم یہ کہو کہ اس بیان سے معلوم ہوا کہ کلام کسی ایسے کا حق ہے جو ظاہر و باطن کا جامع ہو۔ جیسے انسان جسم اور رُوح کا مجموعہ ہے۔ پس چاہیے کہ کلام الٰہی کلام نہ ہو کہ وہ ذات پاک ظاہر و باطن

Marfat.com

کا مجموعہ نہیں۔ اور وہ حقیقی بسیط واحدِ حقیقی ہے ۔ اس کی پاک ذات میں مرکب ہونے کے احتمال کی گنجائش کہاں؟ جواب : میں یہ کہتا ہوں باوجودیکہ ذاتِ واجب کا وجود عالی ظاہر و باطن کا مجموعہ نہیں اور اُس بسیط حقیقی ذات میں مرکب ہونے کے تصور کا احتمال نہیں۔ لیکن ذات و صفات اور تنزیہہ و تشبیہہ کے اعتبار کے لحاظ سے وہی ظاہر ہے اور وہی باطن اور درحقیقت کلام الٰہی متکلم حقیقی جل شانہٗ کا وصف ہے ۔ اور یہ مجازی کلام جو انسانوں کو نصیب ہوا ہے اسی کلام کا پَرتو ہے ۔ جس نے اس مظہر میں بہ تمام و کمال ظہور فرمایا ۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں آیا ہے کہ پیدا کیا انسان کو خدا نے اور اُسے بیان سکھایا ۔ سوال : اگر تم یہ کہو کہ فرشتوں اور جنّات وغیرہ کا کلام بھی احادیث و کلام الٰہی سے ثابت ہے لیکن وہ انسان کی طرح جسم اور روح کا مرکب نہیں ہیں ۔ اور لطیف و پاک ہیں ۔ پس پھر ان کو ظاہر و باطن کا جامع کیسے کہا جا سکے گا تاکہ ان سے کلام کا صادر ہونا صحیح ثابت ہو ۔ جواب : میرا کہنا یہ ہے کہ اگرچہ فرشتے لطیف و پاک ہیں اور عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اور انسان کی طرح کثیف بدن نہیں رکھتے ۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کی ایک خاص صورت اور مخصوص حقیقت ہے کہ اسی حقیقت و صورت کے امتیاز سے وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض کے دو دو ، بعض کے تین تین اور بعض کے چار چار پر ہیں اور ہر چند کہ جنّات انسان جیسا محسوس کیے جانے والا بدن نہیں رکھتے جو ہر خاص و عام کو ہر وقت نظر آسکے ، لیکن ان میں سے بھی ہر ایک کو اُس کے مناسب حال جان و جسم اور حقیقت و صورت حاصل ہے ۔ اور کلام کے صادر ہونے کے لیے اسی قدر ظاہری و باطنی جامعیت کافی ہے ۔ سوال : اگر یہ کہا جائے کہ کلام کے صادر ہونے کے لیے ظاہر و باطن کی اسی قدر جامعیت حقیقت و صورت ہی کے اعتبار سے کافی ہے تو پھر ایسا کونسا وجود ہے جو ان دو امور سے خالی ہے ۔ پھر تو چاہیے کہ ہر موجود سے کلام ظہور پذیر ہو ۔ اور تخصیص کی شرط بالکل لغو ہے ۔ جواب میں یہ کہتا ہوں کہ دیکھئے گا یہ آیت کریمہ کہ وہ (انسانی کھالیں) جواب دیں گی کہ ہمیں اسی خدا نے گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا ہے ۔ یقیناً ہر شے اپنے مناسبِ حال قوتِ گویائی رکھتی ہے ۔ اور بے شک ہر شے اس کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے خواہ زبانِ حال سے خواہ زبانِ قال سے ، اور یہ حیوانات جو اشاروں اور آوازوں سے باہم کارروائی کرتے ہیں یہ بھی گفت و شنید سے خالی نہیں ۔ لیکن

Marfat.com

چونکہ دوسری موجودات کی ترکیب انسانی ترکیب کے مقابلے میں ناقص تر ہے اور اس قدر جامع نہیں ان سے کلام تام ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ اور کسی سے الفاظ و معانی کا یوں اظہار نہیں ہوتا جیسے کہ انسان سے۔ لہذا کلمہ و کلام کا اطلاق الفاظ و تلفظ کے لحاظ سے انسان ہی پہ ہوا۔ اور دوسروں کی آوازیں اور اشارے اور زبانِ حال کا بیان انسانی تلفظ الفاظ کی مانند کلام میں داخل نہیں۔ دیکھئے طوطی کی طرح کے کئی حیوان جو انسان ہی کی طرح لفظ ادا کرتے ہیں وہ بھی کلام میں داخل نہیں کیونکہ طوطی نے اگرچہ الفاظ تو انسان سے سیکھ لیے اور ادا بھی کر دیے لیکن وہ ان کے معانی سے بے خبر ہے۔ اور الفاظ و معانی کو ارادۃً جمع نہیں کرتے گو فی نفسہٖ وہ الفاظ بامعنی ہوں اور اتفاقاً موقع محل پہ مصرف میں بھی آئے ہوں اور کلام کی نوع یا قسم وہی ہے جس میں انسان کلام کرتا ہے حتیٰ کہ کلام اللہ بھی اسی کو کہا جا سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کلام اللہ کی شرط کے ساتھ سننے میں آیا۔ اور حُسن کمال انہی کامل و اکمل انسانوں کے نصیب میں آیا جو ظاہری و باطنی علوم کے جامع ہیں اور قرآنی حقیقت کی آگہی سے فائز ہوئے۔

الفاظ و معانی و اشارات کی تفریق اور کلام کی انواع و اقسام کی تحقیق کے بیان کا باب

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مفہومات کا تصور جب تک انسانی ذہن میں ہے اُسے معانی کہتے ہیں اور جب زبانی عضو کے علاوہ دیگر اعضا کی حرکات سے ظہور میں آئے تو اُسے ایما و اشارہ سے موسوم کرتے ہیں، اور جب زبان اور مُنہ سے ادا کیا جائے اُنھیں الفاظ کہتے ہیں۔ اور کلام وہ ہے جو دو کلموں کو اپنے اندر لیے ہو اسناد کے ساتھ۔ پس کلام کی جنس سے جو کچھ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے انبیائے کرام پر نازل ہوا اُسے وحی کہتے ہیں اور جو کچھ اولیائے کرام کے دلوں پہ ربانی القائے ان کے مقدس نفوس پہ وارد ہوتا ہے اُسے الہام کہتے ہیں۔ اور جو کچھ اور جو کچھ دانشوروں کی قوتِ فکر سے برآمد ہوا اُسے نقل و حکایت کہتے ہیں۔ اور جو کچھ عارفوں کے مونہوں سے ان کی استعداد و ادراک کے مطابق ظہور میں آئے اُسے تحقیق کہتے ہیں۔ اور جو کچھ

Marfat.com

عالموں کے ہاتھوں چند کتابوں سے اخذ و استخراج کر کے یکجا جمع کر کے رقم کر دیا جائے اُسے تالیف کہتے ہیں اور جو کچھ محققین کے ہاتھوں بغیر ارادۂ نقل کے محض اپنے عرفان و معرفت کی بدولت معرض تحریر میں آئے اُسے تصنیف کہتے ہیں۔ یہ ایک برابر ہے وہ دوسرے کے نوشتہ جات کے موافق ہو یا ناموافق۔ اور جو کچھ باطنی کشف کے راستے اولیا سے معرض بیان میں آئے اُسے کشف شدہ امر کہتے ہیں۔ اور کلام کی یہ ساری قسمیں متکلم حقیقی کی جناب کے حسن بیان سے بندوں کے دلوں پر ان کے قرب و معیتِ حق کے حالات اور ان کی ذاتی اہلیت و قابلیت کے موافق اور صفائی قلب و لیاقت کے مطابق اور ان کی جامعیت و مناسبت کے لحاظ سے القا ہوتی ہیں۔ ان امور کے القا کی علت اللہ تعالیٰ کی حکمتِ کاملہ کے اقتضا سے نفس انسانی کی ہمواری اور رُوح انسانی کے جسم سے قرب ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ قسم ہے نفس انسانی کی اور اُس ذات کی قسم جس نے اُسے ہموار اور پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پہ الہام کر دی۔ پس جس کسی تے نفس کی تخلیق اعلیٰ اور جس کے بدن کی پیدائش حقیقی اعتدال کے قریب ترین ہوگی۔ اس کا کلام احسن اور اکمل اور اس کا بیان جامع اور شامل ترین اور مربوط اور مضبوط ہو گا۔ اس کی تحقیقات نہایت درست اور مناسب ترین اور اس کی تصنیفات صحیح، فصیح و بلیغ ہوں گی۔ اور اس کے کشف و مکشوفات اور معارف نہایت سچے اور حق ہوں گے۔ اس کے کلمات پُر تاثیر اور اُس کے اشعار دلچسپ و دلنشین ہوں گے۔ اور جس کا جوہر نفس ادنیٰ اور بدنی مزاج حدِ اعتدال سے دور تر ہو گا اس کا کلام قبیح، اور بیان غیر فصیح اور ناقص و ناتمام اور بے اصل و بے ربط و غیر مضبوط ہو گا۔ اس کی تحقیقات نادرست، اس کی تالیفات غلط و غیر صحیح اور اس کے تخیلات وا وہام باطل، غلط اور جھوٹے ہوں گے۔ اس کے مقولے بے تاثیر، اس کے اشعار بے جان و پژمردہ و غیر موثر ہوں گے۔ کلام کی درستی کے لیے بہت سی چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ مثلاً ظاہری علم اور مختلف النوع محفلوں اور مجلسوں کی دریافت، تقاریر اور اہلِ کمال کی باتوں کے سننے کی مشق، کامل استاد کی تربیت، دل کا دغدغوں سے خالی ہونا۔ ذہنی و قلبی سکون، عقلِ رسا۔ جیری نفس، ذہنی ذکاوت، طبعی فراست اور ایسی ہی دیگر خصوصیات، اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ شعر و سخن کی قبولیت اور کلام کی شہرت اور تصانیف کی ترویج، اللہ تعالیٰ کی عنایت اور غیبی تائید اور ربانی امداد کے

Marfat.com

بغیر میسر نہیں آتی۔ کتنی ہی حق باتیں برباد گئیں جن پر کسی نے کان تک نہ دھرا، کتنی ہی عمدہ تصانیف اور صحیح تالیفات ملیامیٹ ہو گئیں جنھیں کسی نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ شعر و سخن یا کلام کی بقا انسانی عمر کی طرح نوشتۂ مقدر کے مطابق اجل کے گرد و غبار کا نشانہ بن جاتی ہے۔ آخر کار سبھی کو فنا کا سامنا ہے جیسا کہ قرآنِ حکیم میں آیا ہے کہ ہر شے فنا ہو جانے والی ہے سوائے اللہ کے چہرے کے، بقا فقط اسی کو ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ آخر کار قرآنی حروف کو بھی اس دُنیا سے اٹھالیں گے۔ اور قیامت کے نزدیکی وقت میں روئے زمین پہ کوئی کلمہ گو نہ رہ جائے گا۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ اس غنیٔ مطلق کی بے نیازی اور کبریائی انہی معانی کی مقتضی ہے۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ ہی بڑا ہے، اللہ ہی بڑا ہے۔ اور سب تعریف اسی کے واسطے ہے لیکن اس ساری بے ثباتی و فنا کے باوجود نیک کلمات اور عمدہ تصنیفات کے نتیجے اور ثمرے دیگر باقی رہنے والی نیکیوں کی طرح ابدالآباد تک مصنفوں اور مقرروں کے انمٹ نقوش مترتب رہیں گے۔ اور ہمیشہ ان کے عوض میں ہی لاانتہا برکتوں اور عظیم اجروں سے مستفیض ہوتے رہیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ بہر حال حقیقت اسی ڈھب پہ ہے۔

رباعی:۔

اے درد ز مردمان اہل عرفان
از وضع کلام مینوان یافت نشان
مارا مطلب بجز میان تصنیف
مانند معانی یکتا بیم نہان

ترجمہ رباعی: اے درد کلام کی وضع قطع کا نشان تو اہلِ عرفان و معرفت ہی سے ملتا ہے۔ ہمیں ہماری تصانیف کے علاوہ اور کہیں تلاش نہ کرو۔ ہم تو معانی کی طرح اپنی کتب میں ہی پوشیدہ ہیں۔ (شاعر کی اپنی وضاحت کے مطابق) اہلِ عرفان سے مُراد محققین ہیں جو جادہ تحقیق پہ گامزن ہیں۔ اور فقط بار بط کلام ہی لب کشائی کرتے ہیں۔ وضع کلام کے الفاظ سے مُراد ہے اسلوبِ بیان۔ نشان یافتن سے مُراد ہے علمی کیفیت و حقیقت کی دریافت اور مقرر کی تقریر کا ادراک نیز اس کے اعتقادات اور مزاج کے رنگ و بو کو بھانپ لینا، لفظ "ما" سے ہماری مُراد

Marfat.com

تمام اہل تصنیف و تالیف سے جو تقدیر و قسمت کے بموجب مطالب کی تحریر کی بنا پر خلق خدا کی نفرین و تحسین کی آماجگاہ بنتے ہوتے ہیں۔ معانی سے مراد ہے عبارت سے استفادہ کیے جانے والے مطالب اور کتاب سے مُراد تالیفات و تصنیفات اور نہاں بودن سے مُراد ہے نافہموں اور بے علموں سے مستورالحال (چھُپے) رہنا۔ حاصل مطلب یہ کہ لفظِ تخلّص سے ندا کرکے افہام و تفہیم کے لحاظ سے خود ہی اپنے آپ سے اعتباری مغائرت (اجنبیت) بہم پہنچاتے ہوئے اپنے آپ ہی سے کہا گیا ہے۔ اور غرض اس سے دوسروں کی بات سنتا ہے یعنی وہ محققین جو جادۂ تحقیق پہ گامزن ہوئے اور جنھوں نے مربوط کلام پر لب کشائی کی ان کے اسلوبِ بیان سے آگاہ ہوتا مقصود ہے اور علمی کیفیت اور حقیقت کی دریافت مقرر کے طرزِ بیان کا ادراک اس کے طرزِ بیان ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ اور اُس کے اعتقادات کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے مزاج کے رنگ و بو کو اس کے الفاظ کے رنگ و روپ ہی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ پس جو کوئی ہم ایسے مصنفوں اور موموں کے دیدار کا طالب ہوگا اُسے چاہیے کہ ہم مجبوروں کو مطالب کی بنا پہ جو قسمت و مقدر کے بموجب ہم سے معرضِ تحریر میں آئے، اور ہمیں خلق خدا کی تنقید و تحسین کی آماجگاہ بنا دیا۔ ہماری انہی تصنیفات و تالیفات میں ہماری جستجو کرے اور اپنی فہم و فراست کے مطابق ہماری حقیقت کو سمجھے۔ اور ہماری متصورہ صورت کو عقل سے پہچانے کیونکہ ہم انہی تصنیفات و تالیفات میں عبارت سے استفادہ کیے جانے والے مطالب کی طرح نافہموں اور کم عقلوں کی نظروں سے پوشیدہ و پنہاں ہیں۔ اور علم و عرفان رکھنے والے صاحبِ بصیرت لوگوں کے لیے ظاہر و عیاں ہیں۔ اور نہیں کم کی ہم نے کتاب میں کوئی چیز۔ یہ آیت کریمہ انسانی سخن کی خوشبو اور اس گلستان کی نکہت کا ایک جھونکا ہے۔ جس طرح ہر پھول کا رنگ و بو دوسرے سے الگ اور مختلف ہوتا ہے، اسی طرح ہر آدمی کا اسلوبِ بیان اور طرزِ کلام اور ہر کسی کے شعر و سخن کا رنگ بھی مختلف اور الگ ہوتا ہے۔ ہر شخص کی حقیقت اس کے کلام سے جانی جا سکتی ہے کیونکہ کلام ہی کسی کی استعداد و اہلیت کی کسوٹی ہے۔ ہر آدمی کی کیفیت کو اس کے بیان سے پہچانا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کا سخن و کلام اس کی قدرت بیان اور ذاتی استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔ ؎ از کوزہ برون ہمان تراود کہ درو ست ⁂ و از زبان ہمان برمے آید کہ در دل ست

Marfat.com

دکوزے سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے اور زبان پر بھی وہی بات آتی ہے جو دل میں ہو)۔ مصنف کا ایک شاہکار شعر۔ ؎

ہر آنچہ ہست بدل بر زباں ہمیں آید بود صفائی سخن دال بر صفائے دلم

(جو کچھ دل میں ہے زبان پر وہی آتا ہے۔ کلام کی صفائی ہی قلبی صفائی پر دلالت کرتی ہے)۔ پس زبان دل کی ترجمانی کرتی ہے اور حسنِ بیان اس عقل کے لیے روشنی بخش ہوتا ہے پیچیدہ تقریر کج مج بیان میں شمار ہوتی ہے۔ اور بے ربط تحریر زبان میں لکنت کی مانند ہوتی ہے۔ کہ نہ اس سے کچھ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی اس طریقے سے کوئی مطلب نکلتا ہے۔ عمدہ سخن محبوب کی تجلی کی طرح ہوتا ہے جو بے اختیار بھلا معلوم ہوتا ہے اور دل کو لبھاتا ہے۔ سبحان اللہ اور بحمد اللہ کیا ہی شان ہے عالی قدر شاعروں کی کہ شعر و سخن کا محبوب جن کا خانہ زاد غلام ہوتا ہے اور عبارت کی رنگینی ان معانی اندیش حضرات کا فرش راہ ہوتی ہے۔ لفظی تناسب ان بادشاہانِ سخن کے وسیلے جو حضرات کی لڑی میں پروئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور معنوی رعایت ان کی بارگاہ کے خادموں کی محکوم ہوتی ہے۔ نثر کا سلسلہ اک موج ہے جو ان کی طبع رواں کے سمندر سے اُٹھتی ہے اور نظم کا قافلہ وہ فوج ہے جو ان کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے لشکر سے صف آراستہ ہے۔ رنگین مضامین کا گلدستہ، ان کی فکری ڈور سے بندھا ہوا ہوتا ہے اور برجستہ شعر کا شعلہ وہ ہر مل ہے جو ان کی انگیٹھی سے ابھرتا ہے۔ فصاحت و بلاغت ان کے آباد گھر کی کنیزوں میں سے ہوتی ہے۔ شمعِ معانی انہی کی منور نورانیت سے روشن ہے۔ استعارے کی شخصیت انہی کی عاریتاً رعایت سے ملبوس ہے اور صنعت ترصیع انہی کی بدولت مرصّع ہے۔ ایہام ان کی دو اسپہ بگھی کا نوکر ہے اور نظم کلام انہی کی سرکار کی دربان اور سر رشتہ دار (اہلکار) ہے۔ قلم و زبان محمدیؐ ان کے دربار کے پیش کاروں میں سے ہیں جو ہمیشہ سرنگوں رہتے ہیں۔ اور کاغذ کا صفحہ ان کی حکمرانی و مملکت کی اک قلمرو جو ہر کس و ناکس پہ عیاں ہے۔ نفسانیت عبارت ہے سخندانی سے، اور گویائی نوعِ انسانی کی اک فصل (باب) اور حق بات یہ ہے کہ سخن ہی نے دادِ انسانیت دی ہے اور انسانی سخن کا در وا کیا ہے۔ اگر یہ رحمانی شاگرد کلام و تکلّم کے لیے لب کشائی نہ کرتا تو کوئی آدمی بھی کلام الٰہی کو نہ سُن پاتا۔ کلام اک خدائی امانت ہے جو اس حق سبحانہ تعالیٰ نے خصوصاً

Marfat.com

اس خلیفۂ ارضی کو عنایت فرمائی ہے۔ اور اس آیت کریمہ کے بموجب کہ ہم نے اپنی طرف سے ایک خاص علم کا دروازہ اس پہ کھول دیا۔ اور اُس کے باعث لامتناہی اسرار و رموز ظہور پذیر ہوتے ہیں یہ کلام ہی ہے جو دل و دماغ کے آئینوں سے زنگ دُور کرتا ہے اور متن کا یہ جملہ امانت خداوندی کا معطوف نہیں جو لفظ کلام کی خبر واقع ہوئی۔ بلکہ اس جملہ معترضہ کا بہ تمام و کمال اور سابق کلام کے کمال کا عطف ہے اور وہ معترضہ ہے۔ بے انتہا اسرار و رموز ہیں جو کلام کے ذریعے ظاہر ہوئے یہ آیت کریمہ کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا اور اُسے بیان سکھایا اسی صورتِ حال پہ گواہی دیتی ہے۔ حُسن بیان حُسنِ آدمیت پر دلالت کرتا ہے جو کچھ بھی ہے بیان ہی ہے۔ جسم و جاں کے مجموعے کا ماحصل بھی سخن و بیان ہی ہے جس نے ہدایت کا دروازہ کھولا۔ اور حق کی جانب دلالت کی۔ سخن ہی ہے جس نے خاموشی کے فائدے بیان کیے اور سکوت و خامشی کی قدر و منزلت کو لوگوں نے نظروں میں بڑھایا۔ یہ کلام ہی ہے جو انبیائے علیہ السلام پہ نازل ہوا اور وحی کا نزول حضرات انبیائے علیہ السلام کا دیگر تمام انسانی افراد سے امتیاز کا موجب تھا۔ کلام ہی ہے جس نے حق و باطل میں امتیاز پیدا کیا، اور اسلام کو کفر سے الگ کیا، کلمہ طیبہ کا پڑھنا ایمان کے ارکان میں سے ہے۔ پس جو کلام عقلی اور نقلی طور پر ثابت ہو اور عقل و شرع اس کی حقیقت پہ گواہی دے اور ذہنی اور خارجی طور پہ واقع کے مطابق بھی وہ ایک ایسے درخت کی طرح ہے جو سراسر اچھے نتائج ہی دیتا ہے اور انسانی ہدایت اور نفع کے باعث جس سے ہر خاص و عام کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کیسے بیان کی مثال اللہ نے پاکیزہ کلمے کی یعنی پاکیزہ ہو جھوٹ سے اور اختلاف سے جیسے پاکیزہ درخت ہو کہ جس کی کلیاں اور پھل عمدہ خوشبو اور ذائقے والے ہوتے ہیں کہ اس کی جڑ مضبوط ہوتی ہے، یعنی اس کلمے کی جڑ عقل و نقل کے ساتھ ثابت ہوتی ہے جو نفس واقعہ میں جیسے کہ ہوتی ہے عظیم درخت کی جڑ ثابت زمین میں ہر طرف سے، اور اس کی شاخیں ہوتی ہیں آسمان میں، یعنی اس کلمے کی شاخ جو کہ تشبیہ دی گئی ہے درخت سے، ہوتی ہے آسمانوں پر معانی کی بلندی کی وجہ سے اور شاخ سے مُراد اُس سے اخذ ہونے والے معانی ہیں۔ وہ درخت اپنے پھل دیتا ہے۔ یعنی اپنے پھل اور نتائج ہر وقت یعنی ہمیشہ کہنے والے کی زندگی کے زمانے میں بھی اور اُس کے مرنے کے بعد بھی اللہ کے حکم سے جو کہ زندہ کرتا

Marfat.com

ہے اور مارتا ہے اور وہ ایسا زندہ ہے جو وفات نہیں پاتا ۔ اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے قول ثابت کے ساتھ دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور گمراہ کرتا ہے ظالموں کو اور کرتا ہے جو چاہتا ہے، اور وہ بیان جو نفس الامر کے خلاف ہو اور واقعتاً نہ ہو اور پایۂ ثبوت کو نہ پہنچے اور کسی بھی عقلی دلائل اور نقلی براہین و شواہد سے ثابت ہو۔ وہ ایک ایسے درخت کی طرح ہے جو اکھڑا ہوا ہے جس کی جڑیں قائم نہیں ۔ اور ہر بندے کی گمراہی کا سبب بنتا ہے ۔ کیونکہ وہ خود بے بنیاد ہے اور اُس کی اپنی کوئی اصل نہیں ۔ جو کچھ اس سے متعلق ہوگا وہ بھی ہیچ پوچ اور ہوا میں معلق ہوگا ۔ اور اُس کا منبع وہمی دلالت ہے اور مثال بُرے کلمے یعنی خباثت اور بطلان کی آلودگیوں سے آلودہ اور جھوٹ اور اختلاف کی میل کچیل سے ملوّث ۔ پیدا کرنے والا ہے خباثتوں کو شکوک و شبہات میں سے بوجہِ عدم ثبوت عقل و نقل جیسے بُرے درخت جسے اکھاڑ پھینکا جائے زمین کے اوپر سے جس کی جڑ مضبوط نہیں ہوتی اور اُسے قرار نہیں ہوتا کسی معاملے میں عقل میں سے اور نقل میں سے ۔ پس تم پر لازم ہے کہ تم غور و فکر کرو ان کلمات پر جو تم سے صادر ہوتے ہیں ۔ اگر پاکیزہ ہوں تو اللہ کا شکر ادا کرو اور بناؤ اُسے سیڑھی اپنی بلندی کے لیے اللہ کی طرف اور اُسے بلند اعمال صالح کے ساتھ ۔ کیونکہ اسی کی طرف بلند ہوتا ہے پاکیزہ کلمہ اور عمل صالح بھی اسی کی طرف چڑھتا ہے ۔ پس پاکیزہ کلمے کا بالذات اللہ کی طرف چڑھنا اسی طرح ہے جیسے ہوتا ہے طبعی میلان جسم کے اندر ایک جانب طبعی طور پر اور نیک عمل اُسے کھینچتا ہے جھکاؤ کی جانب پس وہ ہو جاتا ہے چڑھنے میں اور زیادہ تیز اور وہ اُسے بلند کر دیتا ہے اعتباری نظر میں اور اُسے بنا دیتا ہے معتبر اور مستحکم ۔ پس پاکیزہ کلمے پاکیزہ درختوں کی طرح ہیں، اور نیک اعمال پانیوں اور بارشوں کی طرح ہیں ۔ پس اگر وہ ہیں خبیث تو ان سے توبہ کر اور اللہ کی پناہ میں آ ۔ رہ ان کے شروں سے دُور، اللہ سے بخشش مانگ ۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے ۔ مٹا دیتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جسے چاہتا ہے ۔ اسی کے پاس ہے ام الکتاب ۔ پس بخش دیتا ہے اللہ تمھیں اپنی کتاب کی برکت سے اور نہیں کوئی خشک اور کوئی تر مگر اُس کے اندر ہی ہے ۔ الغرض سخن کی بقا اہلِ سخن کی زندگی کی بقا ہے ۔ جب تک کلام باقی ہے گویا متکلم زندہ ہے اور کلمہ اس بزم کائنات کی روشنی ہے ۔ کیونکہ بزم جہاں اسی کلام و سخن کی نورانیت سے منور ہے ۔ ہر چیز کی حقیقت و کیفیت

Marfat.com

کا نام ونشان اس کلام ہی کی وضاحت سے ظاہر ہوا۔ حتیٰ کہ ہر مرتبۂ بے نام ونشان، نورِ بے کیف ماہیت اور اُس ذات کی حقیقت جس کے وصف نامعلوم۔ وہ بھی کلام ہی کی وساطت سے ہویدا ہوئے۔ اور معلوم و نامعلوم مرتبے میں سے کوئی مرتبہ بھی نہ رہ گیا جو معرضِ بیان میں نہ آیا ہو۔ خواہ مختصراً خواہ تفصیلاً۔ پس کلام سے نسبت پیدا کرنا انسانیت کا خاصہ ہے اور اُسے اچھی طرح سمجھنا اور احسن طریق سے بیان کرنا آدمیت کا نشان ہے۔ مطالعہ کرنا صاحبِ کتاب سے گفتگو کرنا ہے۔ اور محققین کی کتابوں اور رسالوں کو استفادے کی غرض سے یا ادب و اعتقاد سے دیکھنا بھی صحبت میں داخل ہے۔ اور انہی کے یار دوستوں میں سے ہے۔ اور سخنور حضرات کا تذکرہ اصحاب و احباب کے لیے مفید ہے۔ کیونکہ ایسے ہی دانشوروں کے ذکرِ خیر کی برکت سے راہِ کلام کھلتا ہے اور سخن و کلام کا فیض حاصل ہوتا ہے۔ اور حسنِ کلام رونما ہوتا ہے اور دل سے زنگ کو دور کر دیتا ہے۔ کلام رب الارباب ہی کی حقیقی صفات میں سے ہے۔ اللہ کے ساتھ نسبت کی قوت کے بغیر یہ در کبھی نہیں کھلتا۔ اور اسی نسبت کی مناسبت سے نورِ معرفت پرتو ڈالتا ہے اور کامل انسان حُسنِ کلام سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور کامل عارفوں کو تقریر و تحریر کی قوت عطا ہوتی ہے۔ بیچارے بے علم سالک جو جہالت کی نسبت کے جال میں اسیر ہیں۔ اس میدان میں بالکل بے دست و پا ہیں اور اُدھر کا راستہ پا ہی نہیں سکتے۔ فقط انہی ذکر اذکار اور باطنی مشغلوں اور اپنے ظنّی الہامات پر جو وسوسوں اور خیالوں سے زیادہ اور کچھ نہیں، انکشافات ہی پر اکتفا کر لی جو خواب و خیال سے زیادہ کچھ نہ تھے۔ اور انہی میں مگن ہیں۔ بموجب اس آیت کریمہ کے کہ ہر گروہ اپنے ہی حال میں خوش و خرم ہے۔ بہر حال اس کلام کی قدر و منزلت کو وہی آدمی سمجھے گا جو اس آیتِ قرآنی کے شرف سے شرفیاب ہوگا۔ کیونکہ ان کُند نظروں کی نگاہ اس حُسنِ کلام کو نہیں دیکھ پاتی۔ اور ان ادنیٰ فطرتوں کے مادی حواس اس عقلی نور کا ادراک نہیں کر پاتے۔ کیونکہ اگرچہ کلام کے معانی انسانی معانی کی طرح الفاظ کے جسموں میں مقیّد ہیں اور حروف و نقوش کی شکل میں پڑھنے لکھنے میں آتے ہیں۔ جس طرح کہ آدمی جسم کے لحاظ سے محسوس کرتا ہے اور دیکھتا ہے لیکن اپنے معانی اور اپنی لطافت کے لحاظ سے نفسِ ناطقہ کی طرح اپنی اس خاص تنزیہی حالت پر قائم و برقرار رہتا ہے جیسے کامل العقل حضرات

Marfat.com

اور قدسی نفوس کے علاوہ اور کوئی ادراک نہیں کر سکتا۔ سبحان اللہ انسان قدرتِ الٰہی کے دہن سے نکلا ہوا کلام ہے جو خدائی اسرار و رموز کا مظہر بن گیا۔ اور انسانی کلام جس نے آدمی کی خاکِ پاک سے جنم لیا انسانی حُسن و جمال کا آئینہ بن گیا۔ پس تمام انسانی افراد ربّانی کلمات ہیں جو مختلف معانی پر مشتمل ہیں۔ کیونکہ صورتیں بمنزلہ الفاظ کے ہیں اور اہلیتیں اور حقائق معانی کی مانند ہیں جو ان الفاظ کی شکل میں جلوہ ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں (ہمارے نبی اور ان پر درود و سلام) کہ وہ اس کا کلمہ ہیں جو اُس نے ڈالا مریمؑ کی طرف پس جیسے کہ کلام کیا عیسیٰ نے پنگوڑے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسی طرح کلام کرتے ہیں عارف لوگ جو کہ اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات ہیں زمین کے مہد میں اپنے رب کے حکم سے، اور وہ کہتے ہیں بیشک ہم اللہ کے بندے ہیں اور دی ہیں اللہ نے ہمیں کتابیں، اور ہم اللہ کے نیک بندوں میں سے ہیں۔ پکڑ لو جو ہم دیتے ہیں تم کو قوت کے ساتھ اور یاد کرو جو اس کے اندر ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ پس اعضا اور اجسام ہمارے تنزیہی آئینے ہیں کہ ہماری باطنی حقیقت اللہ کی عنایت سے ہمارے ظاہر سے پیدا و ہویدا ہے۔ اور ہماری باطنی نیست کی بے رنگی و لطافت اس تشبیہی پردے سے جلوہ فرما ہے جو ہم رکھتے ہیں کیونکہ ہر کسی کے باطنی حالات اُس کے اقوال و افعال اور گزر بسر اور معاشی طریق سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور ظاہر و باطن کے ہر امر کا اظہار اور مخفی پن اسی جل جلالہٗ و عم نوالہٗ کی قدرتِ کاملہ سے تعلق رکھتا ہے۔ رباعی:

ہر چند ہمہ پا و سر و اعضائیم
لیکن آنم جملہ نا پیدائیم
اے درد زمانی کہ سخن میگوئیم
چون نغمہ ز ساز خود بروں مے آئیم

ہر چند کہ ہم سراسر سر و پا اور اعضا کا ڈھانچہ ہیں لیکن حقیقتاً وہ ہیں جو ہمہ تن ناپیدا ہیں۔ اے درد جس وقت میں کلام کرتا ہوں میں نغمے کی طرح ساز سے باہر نکل آتا ہوں۔ مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق پا و سر اور اعضا سے مراد جملہ تشبیہی امور ہیں جو انسانی جسم سے متعلق ہیں نہ کہ فقط یہی بدنی اعضا۔ لفظ "آن" کا اشارہ نفسِ ناطقہ کی طرف ہے اور ناپیدائی سے

Marfat.com

مقصود اس کی لطافت، تجرد اور تنزہ اور سخن گفتن سے مقصود ہے دینوی اور دینی حقائق کا بیان اور نغمہ و ساز کی مثال تشبیہہ کے لیے لائی گئی ہے۔ برون آمدن سے مُراد ظاہر ہونا ہے اور پہچانے جانا ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ اپنے تخلص سے تخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگرچہ میں اسی صورت میں ہوں جو ان تمام تشبیہی امور کے لباس میں انسانی جسم سے متعلق ہیں انھی سے میں ظاہر ہوں اور یہی سراپا اور سارے دیگر اعضا میری شخصی صورت ہیں، لیکن معنی و حقیقت کے اعتبار سے میں وہ نفس ناطقہ ہوں جو سراسر لطافت، تجرد اور تنزہ سے تشکیل پذیر ہے۔ اور مویشیوں جیسے عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہوں۔ پس جس وقت میں کلام کرتا ہوں اور سامعین کی استعداد و اہلیت کے مطابق دینوی و دینی حقائق و دقائق ان کے سامنے پیش کرتا ہوں تو میں نغمے کی طرح اس جسمانی ساز سے باہر نکل آتا ہوں۔ اور ان پہ یوں تھوڑی بہت حقیقت کُھل جاتی ہے۔ اور وہ اپنی شناختی استعداد کے مطابق مجھے پہچانتے ہیں۔ ورنہ درحقیقت تو نغمے کی حقیقت سے نفس ہی کماحقہٗ آگاہ ہوتا ہے۔ اولیائے کرام ایک گنبد تلے ہیں اور نہیں جانتا اُنھیں سوائے میرے کوئی۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جس نے متقی مومنین کو تقوے کا لباس پہنایا اور انھیں ہدایت کی ہدایت کے راستے کی طرف ، اور درود و سلام اس کے سب سے زیادہ بزرگی والے اور سب سے زیادہ متقی رسولؐ پر اور آپؐ کی آلؑ پر اور آپؐ کے اصحابؓ پر جو بزرگی اور بلندی والے ہیں ۔ پس یہ ترا سی واں (۸۳) باب ہے جو لباسِ تقویٰ سے موسوم ہے ۔ اور تقوے کا لباس تو یہ بہتر ہے ۔ پس جان لو کہ لباس وہ چیز ہے جس سے بدن کو چھپایا جاتا ہے ۔ اور وہ ہوتا ہے مرد کے پوشیدہ حصّے کا پردہ ۔ پس جب پہنتا ہے انسان تقوے کا لباس تو پردے میں کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ و ستار اُس کے عیوبِ ذاتی کو خلائق کی نگاہوں سے اور وہ ہوتا ہے اس لباس میں مخلوق سے مستور الحال ، اور تقویٰ اجتناب کرتا ہے ممنوعہ کاموں سے اور مشغول ہوتا ہے شرعی احکامات میں تمام و کمال انداز میں ۔ اور یہ ہے بچنا رخصت سے اور کام کرنا پختہ ارادے کے ساتھ ۔ اور یہ تقویٰ ہوتا ہے دو قسموں کا ۔ سچا اور جھوٹا ۔ پس سچا تقویٰ وہ ہے جو ہوتا ہے خلوصِ نیت کے ساتھ خالصتہً اللہ تعالیٰ کے لیے اور تقویٰ کاذب وہ ہے جو ہوتا ہے لوگوں کو دکھانے کے لیے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کے لیے نہیں ۔ پس جھوٹے تقوے کا لباس بھی کرتا ہے اپنا کام اور چھپاتا ہے ذاتی عیوب کو لوگوں کی نگاہوں سے ، اور زیادہ کرتا ہے شخصی عزت کو ان کے

Marfat.com

نزدیک لیکن نہیں ہوتا ایسا لباس جو چھپا دے اس کی بُرائی کو اور وہ نہیں ہوتا چھپانے والا اس کی ذات کو اس کی ذات سے اور نہیں چھپاتا اس کے عیوب کو واقعتہً اور وہ ہوتا ہے اپنی نگاہ میں ذلیل اور جھوٹا اور دکھاوا کرنے والا ہمیشہ جیسے کہ عاریتہً لیا ہوا لباس، انسان کی عزت کا سبب تو ہوتا ہے ان لوگوں کے نزدیک جو صورتِ حال کو نہیں جانتے اور اُس کے نزدیک جس سے وہ لباس مستعار لیا اور ان لوگوں کے نزدیک جو معاملے کو جانتے ہیں عزت کو زیادہ نہیں کر پاتا، بلکہ ذلت ہی حاصل ہوتی ہے۔ پس یہ تقویٰ نہیں ہے معتبر اللہ کے نزدیک اور فرشتوں کے نزدیک اور انسانی نفس کے نزدیک، اور یہ کچھ فائدہ نہیں دیتا اُسے آخرت میں اور اس کی ذات میں اس کی حالت کی کچھ اصلاح نہیں کرتا اور دُنیاوی اُمور میں وہ دھوکے باز شمار کیا جاتا ہے۔ اور سچا تقویٰ جیسے پردہ ڈالتا ہے اپنے صاحب کے عیوب پر لوگوں کی نگاہوں کے سامنے اسی طرح اس کے ذاتی امکانی عیوب کو بھی چھپاتا ہے۔ وہ عیوب جو ذاتِ ممکن سے دُور ہٹنے والے نہیں ہوتے خود اس کی نگاہ سے بھی اور وہ ہو جاتا ہے اپنی نگاہ میں عزت والا اور واقعی تکریم والا، اسی طرح جیسے وہ ہوتا ہے لوگوں کی نگاہ میں بڑا اور عزت والا، اور عزت اللہ، اور اُس کے رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے۔ اور یہ متقی جو ہیں مکرم اور نیک بندے ہیں اور زیادہ عزت والے ہیں اللہ کے ہاں۔ بیشک تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ یہاں تک عارفوں کا اپنی نگاہوں میں ذلیل ہوتا اور اللہ کے سامنے محتاج و فقیر ہوتا ہے تو یہ ایک اور معاملہ ہے جو ان کے رب کی جلالت اور اُس کی عظمت اور اُس کی کبریائی کے مشاہدے سے ہوتا ہے۔ نہ کہ اپنے جھوٹ دھوکے یا ریاکاری کے باعث ہوتا ہے ان کے اندر اور اسی طرح کا دعویٰ ہے جھوٹوں اور دکھاوا کرنے والوں کا، عزیز و مکرم ہونا ان کے گمان میں ایک اور معاملہ ہے جو خلافِ واقعہ ہے ایک شخص کے نفس کے اندھے ہوتے میں اپنے عیوب کو دیکھنے اور اپنے گناہوں کو ہلکا سمجھنے میں ظاہری مشاہدے میں۔ پھر جان لو کہ تقویٰ صادق دو قسم کا ہوتا ہے۔ ظاہری اور باطنی۔ پس سچا ظاہری تقویٰ جو ہے وہ بچنا ہے گناہوں سے اور اطاعت کے ساتھ مشغول ہو جانا ہے خالصتہً اللہ کے لیے پوشیدہ طور پر بھی اور ظاہری طور پر بھی یکسانیت کے ساتھ بغیر تفاوت اور تجاوز کے سچائی کے ساتھ اور تقویٰ صادق باطنی جو ہے

Marfat.com

وہ ہے دل کا منقطع کر لینا ماسوائی اللہ سے کلی طور پر اور حضور و شہود میں ہمیشہ مستغرق رہنا اور جس آدمی نے ظاہری صادق تقویٰ کا لباس پہن لیا تو اللہ چھپا دیتا ہے اس کے عیوب انسانوں، جنوں اور فرشتوں سب سے پس ان کے لیے مبارک ہے اور اُن کا ٹھکانہ بہترین ہے۔ اور جس نے پہنا سچے باطنی سچے تقوے کا لباس، تو چھپا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پوری ذات کو اس سے اور تمام مخلوقات سے اپنی عظمت کبریائی کی چادر میں اور اُسے کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ اور اُسے داخل کرتا ہے اپنے اولیاء کے زمرے میں جو اس کے گنبد کے نیچے ہوتے ہیں۔ جنھیں اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور اُسے حاصل ہو جاتا ہے عین واثر کا زوال (بدنظری) اور اس کی انانیت میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی ترقی سے مشرف ہو جاتا ہے اور اُس کا اجر پس اللہ رب العالمین ہی پر ہوتا ہے۔ اور جان لو کہ بیشک افعال، اقوال، خصال اور عادات سب کی سب نفس انسانی کے لباس ہیں کہ جن کو وہ پہنتا ہے اور اس سے چھپتا ہے اور اس سے پردے میں آتا ہے۔ اور اُس کے پہننے سے مزین ہوتا ہے۔ پس اس لباس پہننے سے حسین لگتا ہے۔ پس افعال حسنہ اور اقوال صادقہ اور عمدہ خصلتیں اور پسندیدہ خو بو سب کے سب کیا ہی اچھے لباس ہیں۔ اور اُنھیں پہنتا ہے وہ شخص جس پر اللہ نے انعام کیا اور اُسے چُن لیا دُنیا و آخرت میں اور وہ صالحین میں سے ہوا۔ اور بُرے اعمال اور جھوٹے قول اور ذلیل اوصاف اور مذموم اخلاق سب کے سب کیا ہی بُرے لباس ہیں، اُنھیں پہنتا ہے وہ شخص جس پر اللہ غضب ناک ہوتا ہے۔ اور اللہ ان سے ناراض ہوا اور وہ گمراہوں میں سے ہیں۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے کہا کہ تقوے کا لباس ہی اچھا ہے اور فسق و فجور کا لباس ہی بُرا لباس ہے۔ پس جان لو کہ تقویٰ باطنی جھوٹا نہیں ہوتا۔ جھوٹ کی صلاحیت کے معدوم ہونے کے سبب کیونکہ اگرچہ ہوتا ہے تو ہوتا ہے واقعاً اور اگر نہیں ہوتا تو نہیں ہوتا جیسے کہ ہوتا ہے روزے کا حال عبادات ظاہرہ میں کہ نہیں ہے اس کے اندر ریا کا دخل۔ پس روزہ دار اگر ہو پہلا روزے دار پس احتمال ہے کاذب تقوے کا ظاہری تقوے میں اور یہ کبھی کبھی ہوتا ہے بعض عزیزوں میں سچا اور بعض اشخاص میں جھوٹا۔ اور اللہ آگاہ ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ پس اگر تو نے باطنی اور ظاہری سچے تقوے کو اختیار کیا ہے تو تم پر لازم ہے کہ تم گمان نہ کرو مومنین کے بارے میں مگر خیر ہی کا، اور ان سب کے سب کو اچھا سمجھو سوائے اعلانیہ طور پر فاسق کو،

Marfat.com

کیونکہ اس کی غیبت کرنا غیبت نہیں ہے۔ بلکہ اُسے چھوڑ دو اس کے حال پر اور اُس سے درگزر کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ خاتمہ کیسے ہو گا ۔ تم کس حال میں مرو گے اور وہ کسی حال میں اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ وہ کل کیا کمائے گا ۔ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کس سرزمین میں وہ فوت ہو گا یا کس مرتبے پر ۔ آیا سعادت، نیکی اور ایمان کے مقام پر یا بدبختی، کفر اور سرکشی کے مقام پر ۔ بالجملہ تیری بدظنی ضرر رساں ہے تیرے ہی نفس کے لیے، کسی اور کے لیے نہیں۔ پس اس سے بچ شاید اللہ تجھے عنایت کرے ظاہری اور باطنی اصلاح اور صلاح اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور نہیں ہے قوت اور طاقت مگر بلند عظمت والے اللہ کے ساتھ ؛

پوشاک اور معاش کی کیفیت اور سعی و تلاش کے ترک کرنے کے بیان کا باب

فقرا اور درویشوں کی وضع قطعیں اور گزر بسر کی انواع و اقسام مختلف صورتوں میں ہوتی ہیں۔ بعض صُوف (اُون) اور گدڑی کا پہناوا اختیار کرتے ہیں ۔ اور بعض امیرانہ اور نفیس لباس پہنتے ہیں۔ اور ہر کسی کے کھانے پینے کا انداز بھی الگ ہوتا ہے ۔ بعض حیوانات کا گوشت کھانا ترک کر دیتے ہیں اور بلا گھی کے یا کم گھی ڈال کر کھاتے ہیں ۔ اور خواہ مخواہ مزیدار اور لذیذ چیزوں میں پانی ڈال کر اس کی حالت بدل کر نوش جان کرتے ہیں ۔ اور بہت ہی قلیل مقدار میں غذا کھاتے ہیں ۔ اور وہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں کا میلان طبع اچھے اور لذیذ کھانوں کی طرف ہو وہ پیٹ کے بندے ہیں اور ان کے مزاج میں حرص غالب ہے ۔ اور وہ زبان کے چٹخارے اور تن پروری میں گرفتار ہیں اور اُن کا نفس تفیس ادنیٰ پن کی طرف مائل ہوتا ہے کہ وہ حیوانوں کی طرح کھانے میں مصروف رہتے ہیں ۔ وہ کونسا درویش ہو گا کہ ذکر کے وقت اُسے کھانے پینے کی فکر شاملِ حال ہو۔ درویش کو ضرورت کی بنیاد پر غذا کو دوا ہی کی مقدار میں کھانا چاہیے تاکہ بھوک کے مرض کا دفعیہ کر سکے۔ بعض خوش خوراک ہوتے ہیں اور خوش خوراکی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور بدمزہ خوراک جس میں صحیح مقدار میں پانی اور نمک نہ ہونے کی بنا پر مرغوب طبع نہ ہو وہ اُسے کھاتے ہی نہیں اور کھانے کے برتن اور دستر خوان کو خوب صاف ستھرا رکھتے ہیں اور جو شخص ایسا نہ ہو اُسے بدمذاق و بدسلیقہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کھانے میں لطافت اور پاکیزگی کی قید و شرط آدمیت کا تقاضا ہے۔ ہم سے خشک زاہدوں کی طرح جَو کی روٹی اور ایسی غذائیں نہیں کھائی جاتیں۔ وہ کون درویش ہے جو اللہ کی نعمتوں کو ترک کر دے۔ کیونکہ یہ عمل تو منعمِ حقیقی کی مرضی کے خلاف ہے۔ یقیناً انسانی نفس کا بھی اس پر حق ہے۔ اسے تنگی دی جائے تو یہ عارفوں کا کام نہیں۔ سارے گروہ اپنے اپنے حال پر شاداں و فرحاں ہیں۔ قصہ کوتاہ ہمارے خاندان کے بزرگوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ درویش کو چاہیے کہ وہ روزی اور معاش کے تفکر و تردد کو ہرگز دل سے گزرنے نہ دے۔ اور اپنے نفس اور طبیعت کے میلان کی ڈور کو لذاتِ دینوی سے بالکل منقطع کر لے اور اپنی طرف سے ہرگز اسباب کے جمع کرنے میں کوشش نہ کرے۔ اور پوری فراغت سے بغیر کسی وسوسے اور دغدغے کے اپنے سارے امور کو اللہ تعالیٰ کو سونپ دے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے ہمیشہ اسی کے مشاہدے وحضوری میں مصروف رہتے ہوئے شرعِ دین متین کے بموجب عبادت اور اطاعت میں مشغول رہے۔ اور اسی روحانی غذا پر اکتفا کرے جو رزق حلال ہے اور بدنی رزق کو جو حیوانی قوت ہے مطلقاً اپنے دل میں نہ لائے۔ اسی کیفیت اور حالت کی سلامتی سمیت خوراک و پوشاک میں سے جو کچھ بھی بہم پہنچے اُسے اللہ کی جانب سے سمجھتے ہوئے خدائی ضیافت ہی سمجھے۔ اور میلان و رغبت اور کلفت و کراہت کے بغیر پوری رضا و رغبت سے کھائے اور پہنے۔ یعنی کھانے پینے کے سلسلے میں اگر بدذائقہ اور بے مزہ خوراک میسّر آئے تو اُس سے کراہت نہ کرے اور نہ ہی شکوہ و شکایت کرے۔ گو کہ کم کھائے گا اور سیر ہو کر نہ کھا سکے گا کیونکہ یہ انسانی ذائقے کا اقتضا ہے مگر کوئی مضائقہ نہ کرے۔ اگر کھانا لذیذ اور مزے دار ہو تو حریص اور لالچی آدمیوں کی طرح غفلت اور خوشدلی سے اس پہ پل نہ پڑے۔ اور اپنے معمول کی حد سے تجاوز نہ کرے۔ گو کہ خشک روٹی کی نسبت زیادہ کھائے مگر بے تحاشا کھانے پہ پل نہ پڑے۔ اور پاس و آداب درویشی کی عنان کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ اور ملبوسات کی جنس میں سے اگر گندہ اور بدنما لباس ہاتھ لگے تو شکستہ دل نہ ہو اور نہ ہی حجاب کرے۔ اگر ہر موسم یعنی سرما و گرما کے موافق و مناسب نہ بھی ہو تو کوئی پرواہ نہ کرے۔ اور سردی و گرمی کی تکلیف کو یوں اپنا دلی مقصد نہ بنائے جس ڈھب سے بھی گزران ہو سکے بے نیازی سے گزر بسر کرے۔ اور غنا و استغنا کے سر کو جھکنے نہ دے۔

Marfat.com

اور لباس فاخرہ پہنے والوں کے ساتھ عاجزی سے ملاقات نہ کرے۔ اور نہ ہی ان کی طرف رغبت اور حسرت سے دیکھے، جیساکہ اکثر طمع کے مارے درویشوں کی رسم ہوتی ہے۔ کہ جب دُنیا داروں میں سے کسی کو پر تکلف لباس پہنے دیکھتے ہیں تو بے اختیار اس کی تعریف کرتے ہیں یا خواہ مخواہ اس کے سامنے اپنی خوش ذائقگی اور نفاستِ طبع کے اظہار کے بہانے سے طرح طرح کے خورش و طعام اور اس کی لذتوں کی اقسام اور ملبوسات کی انواع کا ذکر اور ملبوسات کی خوش نمائی اور خوش قطعی وغیرہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ سب ان کے دلی حرص و لالچ پر دلالت کرتے ہیں۔ اور درویشوں کو اُمرا اور اغنیا سے ایسی گفتگو ہرگز نہیں کرنی چاہیے اور ایسے حریصانہ خیالات کو مطلقاً اپنے دل میں سے گزرنے نہ دے۔ اور اگر اتفاقاً یا اچانک برسبیل تذکرہ دوامی یار دوستوں کے درمیان یہ بھی آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور یہ ہوا و ہوس کے خیالات میں شمار نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی دُنیا کی طرف رغبت و میلان میں شامل ہیں۔ کیونکہ اس طرح کا کلام ایک مختلف رنگ رکھتا ہے اور وہ خوب پہچانتے ہیں اس امر کو کہ غنی دل والے سیر چشم ایک الگ ہی دُنیا رکھتے ہیں۔ اور حرص پیشہ ادنیٰ لوگ فی نفسہٖ ایک اور عالم میں ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ کہ اب اصل مطلب کا بیان جو موضوع بحث ہے کرنا چاہیے اور کہنا چاہیے کہ شکستہ حالی میں درویش کو ایسے ہی گزر بسر کرنی چاہیے اور اس کی سعی و جستجو کے بغیر ہی حق تعالیٰ اُسے عمدہ اور فاخرہ لباس عطا فرمائے تو اُسے پہنے مگر چند قیود و شرائط کو ملحوظ رکھے۔ پہلے یہ کہ جو کچھ شریعت میں ممنوع ہے اُسے خود ہرگز نہ پہنے، دوسرے یہ کہ اپنے خاندان و اہل خاندان کی وضع قطع اپنے سن و سال (عمر) اور اپنے ہم صحبتوں اور اپنے زمانے کے ہم وضعوں کو ملحوظ خاطر رکھے اور نہ ہی ان کی طبیعت سے اس قدر اختلاف کا باعث ہو کہ ان کی نظروں میں بُرا لگے اور نہ ہی ان کے اس قدر مشابہ ہو جائے کہ وضع قطع کے تغیر و تبدل میں شمار ہو۔ اور کچھ عرصے بعد یقیناً لباس کی وضع قطع دستار باندھنے اور دیگر رسومات و عادات میں تبدیلی آجاتی ہے۔ اور اسی غالب دانا حکیم کے اندازے ہیں۔ تیسرے یہ کہ زیادہ باریک، تنگ زرلفت، زردوز (سنہری تاروں والے) شوخ و شنگ و نرم و نازک اور اسی قسم کے دیگر لباس نہ پہنے۔ چوتھے یہ کہ سلائی میں پر تکلف اور پھولوں کی کڑھائی کے بخیے والا لباس یا الفی کی طرح یا ایسا ہی کوئی لباس نہ ہو، کیونکہ یہ تو بے نوا

Marfat.com

جاہلوں اور بے سروپا آزاد منشوں کی وضع ہے۔ پانچویں یہ کہ کوئی خاص رنگ جو کسی کفار قوم نے کسی وقت اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہو اپنے لیے لازم نہ گردانے اور اگر کبھی ضرورتاً اس کے پہننے کا اتفاق ہو جائے تو قابلِ معافی ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ جو کچھ کھائے یا پہنے یا جو کچھ کرے دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر نیک نیتی سے شرع کے موافق اور حال کے وقتی تقاضے کے مناسب اور اپنے بزرگوں کی مرضی کے مطابق عمل میں لائے گو دوسرے کی مرضی سے مطابقت نہ بھی رکھے۔ بات دوسروں کی مرضی اور دانست کی نہیں اپنی دانست کا معاملہ ہے۔ اپنے علم میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس صورت میں خطا بھی عین صواب ہے۔ اجتہادی خطا بھی اجر سے خالی نہیں ہوتی۔ میرا بندہ میرے بارے میں جیسا گمان کرتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے پس گمان کرے بندہ میرے بارے میں جیسا چاہے۔ یہ بھی جان لو کہ حد اعتدال کا اختیار کرنا اور حال کی مناسبت کو ملحوظ رکھنا اور حسنِ نیت اور صحبت کی مراعات فقط ان دو امور یعنی کھانے اور پہننے ہی پہ موقوف نہیں۔ بلکہ محمدیوں کو چاہیے کہ معاش و روزی کے سبھی امور میں ان معاملات کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ کیا فرش اور کیا مکان، کیا لوگوں سے میل ملاپ۔ کیا آمد و رفت اور نشست و برخاست کیا نذر، نذرانوں اور ہدیوں کی آمد یا ان کا فقدان، کیا محافل و مجالس کے منعقد کرنے، کیا خلوت کے اوقات، کیا بیماری کے ایام یا صحت کا زمانہ، کیا خوشی و مسرت کے لمحات یا غم و اندوہ کے اوقات، کیا حصولِ علم یا تدریس و تعلیم، کیا غیظ و غضب اور کیا بردباری اور تحمل کا اظہار، کیا اولاد اور احباب کو ادب آموزی، کیا اپنوں اور بیگانوں کی پاسداری و جانب داری، کیا بات کرنے یا چپ سادھنے کے سلسلے میں غرضیکہ جو کچھ بھی عمل میں آئے اور جو کچھ بھی زندگی میں رونما ہو وہ مکمل آگہی اور نیک نیتی سے ہو اور بے فائدہ اور غفلت سے نہ ہو۔ اور خالص محمدیوں کے وطیرے کے مناسب اور محمدی طریق کے عین موافق سرانجام پائے اور ظاہری و باطنی طور پہ خیر و برکت ہی ہو۔ تمام جزئیات کی تفصیل اور دیگر شعبوں اور شاخوں کی تشریح و توضیح تو بہت طوالت پکڑ جائے گی۔ اور کلیہ داں صاحبِ بصیرت حضرات کو اس کی اتنی حاجت بھی نہیں ہوتی۔ قصہ کوتاہ یہ ضرورت کے مطابق انہی مختصرات سے تفصیلات کا قیاس کیا جا سکتا ہے اور جزئیات تو کلیات کے تحت ہی درج ہوتی ہیں۔ ہر چند بہت سے ایسے معاملات اور

Marfat.com

کاروبار ہیں کہ وہ جیسے ہیں یا ہوتے چاہئیں بغیر دیکھے یا سُنے خیال میں نہیں آسکتے۔ لیکن تمام جزئیات کے مکمل احاطہ کرنے کا تو امکان ہی نہیں۔ لہذا متن میں بھی امورِ معیشت کے انہیں دو جزئی امور یعنی خوراک و پوشاک پہ اکتفا کی گئی اور منظور اس سے تمام معاش، گزر بسر اور بود و باش کی کلی اصلاح کو رکھا گیا ہے۔ سب سے پہلے انگیخت دی گئی ریئس یا سر تاج کے ترک کی، یعنی کہ حبِّ دنیا اور دنیوی مال و منال و اسباب کے حصول کی سعی و کوشش کے ترک کرنے کی ترغیب دی گئی جو تمام بھلائیوں کی اصل الاصل اور جملہ نیکیوں کا منبع و مبدا ہے۔ اپنی انانیت کو ترک کرنا گویا فنافی اللہ ہونا ہے۔ رباعی:

تا کے پئے تلاش مال خواہی کوشید
یا ہر بد و نیک دہر خواہی جوشید
پوشیدن جامہ ہا مکرر شدہ است
اکنوں از خویش چشم باید پوشید

ترجمہ رباعی: تو کب تلک مال و متاع کی تلاش میں کوشاں و سرگرداں رہے گا اور دنیا کے ہر نیک و بد انسان سے میل جول پیدا کرے گا۔ ظاہری معاش کی نمود اور ملبوسات میں تکلف بہت کچھ ہولیا اب تو اپنی طرف سے آنکھیں بند کر لے، یعنی ان ترددات سے بے نیاز و بے التفات ہوجا۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) کوشش سے مراد مال کی تلاش اور دنیوی مال و متاع کے حصول کی سعی کرنا، جوشش سے مراد دُنیا کے ہر نیک و بد سے میل ملاپ اور مختلف اوضاع کے مالدار لوگوں سے میل جول جن کے طور اطوار مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر بدسرشت اور دھوکے باز ہوتے ہیں اور بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو نیک طینت ہوں اور جو حاضر و غائب دونوں حالتوں میں یکساں ہوں۔ پوشیدن جامہ ہا سے مراد ظاہری معاش کی کلی آرائش اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے گزر بسر، نہ فقط ملبوسات میں تکلف کرکے۔ اور از چشم پوشیدن از خویش سے مُراد ہے اپنی روزی اور معیشت کے سلسلے میں ترددات و تفکرّات سے بے التفاتی کرنا۔ حاصل مطلب یہ کہ کب تلک دنیوی مال و منال کے حصول کے لیے مارے مارے پھروگے کیونکہ حرص کی تو کوئی انتہا نہیں اور عمر کو کوئی وفا نہیں۔ پھر آخر کب تک اہلِ دُنیا کے مختلف اوضاع والے

Marfat.com

مال دار لوگوں سے رابطے کے لیے بھاگتے پھرو گے۔ کیونکہ ان کے طور اطوار انواع و اقسام کے ہوتے ہیں۔ ان کی صحبت کا نتیجہ اور ثمرہ سوائے پریشان حالی، پراگندگیٔ خاطر اور خفت اور ذلت و نفاق کے سوا اور کچھ نہیں۔ اُن میں سے اکثر بدسرشت اور دھوکے باز ہوتے ہیں۔ کہیں شاذ و نادر ہی اِکّا دُکّا آدمی نیک طینت ہوتا ہے، وہ جن کا حضور و غیاب یکساں ہوتا ہے۔ اور یہ سب سرکاری درباری لوگ اپنی غرض ہی سے آشنائی پیدا کر لیتے ہیں اور کسی کے نہ دلی طور پر خیر خواہ ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی کے جگری و دلی دوست۔ اتنی سی مدت العمر میں ہر کسی کو اُس کے حال کے مطابق کئی بار کچھ تھوڑی بہت ظاہری معاش کی آرائش اور گزر بسر کی فراغت اور ملبوسات میں تکلف جوانی کے اقتضا کے مطابق نصیب ہوئی ہوگی۔ اب اگر تم میں کچھ غیرت اور حمیّت ہے یا کچھ عبرت حاصل ہوئی ہو تو پھر اس تگ و دو سے آنکھیں بند کر لو۔ روزی و معاش کے امور کے ترددات و تفکرات کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے اور اس آیت کریمہ پر اعتقاد رکھو کہ زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔ اور رباعی میں پوشیدہ چشم اور پوشیدن جامے کے محاسن شعری سخن فہم حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ ظاہری آرائش باطنی خرابی کی علامت ہے۔ کیونکہ تن پروری اور ظاہری آرائش غافلوں کا کام ہے۔ اور خوشنمائی اور زیبائی پر بھرپور مشغولیت اہلِ ہوا و ہوس کا شعار ہے۔ ہر کام میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ خواہ مخواہ پریشان حال اور ناپسندیدہ وضع قطع بھی ضروری نہیں۔ کیونکہ اولیاء اللہ میں حقیقتاً تکلف اور تصنع کے طبعاً فقدان سے تمام امور اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں۔ تمام احوال اور اطوار میں موزونیت عطا ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ وہ کبھی ناموزوں نہیں ہوتا۔ اور حق بات یہ ہے کہ ہے بھی واقعتاً یونہی۔ اور اسی قسم کا حسن با کمال حضرت قبلہ کونین (اللہ تعالیٰ ان کے حال کو اور بھی احسن بنائے) کی ذات گرامی میں دیکھا گیا ہے کہ ملبوسات کی طرف بالکل بے التفاتی کے باوجود ایسی جامہ زیبی اور ایسا حسن خداداد نہ کسی حسین و جمیل میں حُسن و جمال اس خوبی و محبوبی و دلچسپی سے دیکھنے میں آیا اور نہ ہی کسی بادشاہ یا کسی امیر الامراء میں اپنے تمام شاہی جاہ و جلال سمیت نگاہ سے گزرا۔ حاصل مطلب یہ کہ تکلفاً ہمہ اوقات خود آرائی میں مشغول نہ رہنا چاہیے اور اپنی وضع قطع کو تکلف و تصنع اور بناوٹ

Marfat.com

سے بناؤ ، یہ درویشوں کی وضع پہ ناگوار ہے ۔ جس طرح کہ ہلکی وضع کے پیرزادوں اور دکاندار قسم کے پیروں کی رسم وراہ ہے ۔ وہ تو عورتوں کے لیے خوشی کا باعث ہوتا ہے اور یہ مردوں کو فریب دینے کے لیے ۔ وہ پہلی بات شکل وصورت کی زیبائی و رعنائی کے لیے ہوتی ہے ۔ اور یہ اپنی بڑائی کی نمائش کا لباس ۔ غرضیکہ ہر صورت میں بے تکلف و بے تصنع ہونا ہی احسن ہے اور لباس کے تکلف کا پابند رہنا مکروہ ہے ۔ کیونکہ یہ طبیعت کو متشکک اور متردد بنا تا ہے اور دنیاوی طلب میں ڈال دیتا ہے ۔ اور عقل مندوں کی نظر میں بے اعتبار بنا تا ہے ۔ جس سے حقیقت بینوں کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی ۔ زیبائش و آرائش کی فکر میں ہرگز مبتلا نہ ہو ۔ اپنے نفس کو ادھر متوجہ ہی نہ کر ، اور لباسی آرائش میں مصروف نہ ہو کہ یہ عورتوں کا کام ہے اور یہ ناقص العقل جنھیں خدا نے پیدا ہی اس کام کے لیے کیا ہے اپنی بساط میں اس کے علاوہ اور کوئی عمل رکھتے ہی نہیں ۔ اگر وہ خود کو سجائیں سنواریں نہ تو اور کریں کیا ؟ اور کس کام آئیں ۔ جب تک وہ اپنے خاوندوں کی نظروں میں بھلی معلوم نہ ہو تو مزید افزائش نسل کا سلسلہ خیر و خوبی سے کس طرح انجام پاتے ۔ اور انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کی تخلیق کیسے ظہور پذیر ہو ۔ لیکن آدمیوں کو ایسے خسیس کاموں میں ضرورت سے زیادہ مصروف رہنے کی کیا حاجت ؟ کیونکہ مردانگی لباس اور خط و خال سے عبارت نہیں وہ الگ امر ہے اور ان چیزوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ پس تمھیں حق تعالیٰ نے مرد بنایا ہے ۔ خود میں ہمت مردانہ پیدا کر ، اور مردانہ کاموں میں مشغول رہ ۔ اور اپنے دل کو ملبوسات کی ہوس کے ناخنوں سے نہ خراش ۔ اور اپنے قیمتی اوقات کو ایسے خیالوں میں ضائع نہ کر ، اور نہ ہی دل و دماغ کو ان کاموں میں لگا ، یہ کام ہمتِ مردانہ سے بعید ہیں ۔ وہ لوگ جو اپنے دل میں مردانگی کا ولولہ رکھتے ہیں ، اور جن کی طبیعت میں قدرت نے شرافت ، ذاتی غیرت و حمیت ودیعت فرمائی ہے اور جو صاحب ہمت اور باعزم لوگ ہیں وہ ایسے بے اعتبار امور کی طرف ہرگز التفات نہیں کرتے ، بلکہ ایسی وضع قطع اور لباس و پوشاک سے جس سے اہل ہوا و ہوس شاد و شادکام ہوتے ہیں اور فخر کرتے ہیں اُن سے اُنھیں حیا آتی ہے ۔ اور ان کی غیور طبع ان باتوں کو قبول ہی نہیں کرتی ۔ پس اگر تم مردوں کے گروہ میں سے ہو تو مردانہ کاموں کی طرف متوجہ رہو ۔ اور طالب حق بنو اور دُنیا کے طالبوں کو انہی کے حال پہ چھوڑ دو ۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے ۔ پس اتنا کہہ دو کہ اللہ ،

Marfat.com

پھر انھیں اپنی دلیل بازیوں سے کھیلنے کے لیے چھوڑ دو۔ مصنف کا شعر ہے۔ ؎

دردؔ از دُنیا گذشتن مردی ست کارفرما ہمّت مردانہ را

(اے دردؔ دُنیا کا چھوڑ نامردانگی ہے لہٰذا ہمت مردانہ ہی کو بروئے کار لا) اگر تیرے ارادے کے بغیر ہی حق سبحانہ تعالیٰ چاہے کہ تیرے جسمانی گھوڑے کو عمدہ جھول سے آراستہ کرے اور تیری ذاتی کوشش اور تگ و دو کے بغیر ہی تیرے بدنی گھوڑے کے لیے پاک و حلال آب و دانہ و چارہ مہیّا فرمائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور مناسبت کے مطابق پھر اُسے جائز و شرعی ساز و سامان سے جیسے چاہے آراستہ کر، اور حلال آب و دانہ اُسے کھلا پلا۔ اگر تجھے عطا کی جائے کوئی چیز بغیر اس بات کے کہ تو اس کے بارے میں سوال کرے پس کھا اور صدقہ دے۔ کیونکہ اس حد تک متاعِ دُنیا سے اس طرح تمتع اُٹھانا دُنیاداری کی گرفتاری میں داخل نہیں۔ اور اس سے کوئی ضرر نہیں۔ اور نہ ہی سالک کے باطنی احوال میں خلل انداز ہوتا ہے۔ بلکہ مفید مطلب ہے خواہ مخواہ اپنے آپ کو خستہ حال اور پریشان حال مت رکھ۔ اور تکلف سے شکستہ حال کا اظہار نہ کر۔ کیونکہ یہ کفرانِ نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کے عطیوں کا چھپانا ہے۔ اور نہ ہی زاہدوں کی طرح صوف پوشی کی طرف قدم بڑھا۔ اور خستہ حالی کو خود پہ لازم قرار نہ دے۔ نہ اس کی قید میں مقید ہو کر رہ جا کہ یہ بات معرفتِ حق سے بعید ہے۔ عارفانِ ذات ایسے تقیّدات کے جالوں میں نہیں پھنستے۔ جیسا کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ اپنے لباس کو اچھا بناؤ۔ اور اپنے گھروں کو درست کرو۔ یہاں تک کہ ہو جاؤ تم لوگوں پہ تِل کی طرح۔ کہو کس نے حرام کر دی اللہ کی زینت جسے اُس نے نکالا اپنے بندوں کے لیے اور پاکیزہ چیزیں رزق میں سے اسی معاملے کے اظہار کی بات ہے۔ جب اللہ نے تجھے مال عطا کیا، پس چاہیے کہ نظر آئے اللہ کی نعمت اور اس کی سخاوت کا اثر تجھ پر۔ بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ نظر آئے اس کا اثر بندے پر اچھا اور وہ نہیں پسند کرتا محتاجی کو، اور بہ تکلف طاری کی ہوئی حاجت مندی کا اظہار نہ کر۔ حاصل مطلب یہ کہ جو کچھ قدرتِ حق حاضر کرے نوش جان کر، اور شکر ادا کر، اور زیادہ طلبی نہ کر، جو کچھ کارکنانِ قضا و قدر پہنچائیں خوشی بخوشی پہن لے، اچھے اور بُرے لباس کو یکساں سمجھ۔ چونکہ اس سرائے فانی میں تو حق تعالیٰ کا مہمان ہے پھر جس طرح وہ میزبان تجھے رکھے اور جس ڈھنگ سے کارکنانِ قضا و قدر

Marfat.com

تیرے امور کو سرانجام دیں اور جس طرح تیری ضیافت کریں اسی پر قناعت کر اور راضی رہ ۔ دُنیا کو دیدۂ عبرت نگاہ سے دیکھ اور دُنیا کی طرف معرفت کی نگاہ سے دیکھ، اور کسی دنیوی گرفتاری میں اسیر نہ ہو۔ اور ماسوی اللہ سے بالکل آزاد ہو جا ۔ رباعی:

چون آمدۂ بعالمِ امکان باش
دیدی کن و بر وضع جہاں خندان باش
اینجا اے درّد خود صلائے عامیست
یکچند دریں خانہ تو ہم مہمان باش

ترجمہ رباعی: جب تو اس عالمِ امکان میں آ ہی گیا ہے تو پھر جیسے رکھیں ویسے رہ ۔ جہان کی وضع قطع کو دیکھ اور خوش و خرم رہ ۔ اے دردؔ یہاں تو اک صلائے عام ہے ۔ لہٰذا کچھ عرصے کے لیے تو بھی یہاں قیام کر لے ۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) لفظ آمدن سے مُراد موجود ہونا ہے اور عالم امکان سے مُراد یہ حادث دُنیائے فانی ۔ لفظ " باش " سے مُراد یہاں کچھ عرصے کے لیے ٹھہرنا ۔ دید کردن سے مُراد اس عالم کو عبرت کی نگاہ سے دیکھنا اور خندیدن بر وضع جہاں کا مطلب ہے اس دُنیائے فانی کے امور کو یعنی خوشی، غمی، رنج و راحت، تنگی یا فراخی صحت یا بیماری، عزت اور ذلت اور ایسی ہی دیگر باتوں کو بے اعتبار سمجھنا ۔ صلائے عام سے مُراد واجب تعالیٰ کی رحمتِ رحمانی ہے جو تمام موجودات کے شاملِ حال ہے ۔ یک چند سے مُراد اپنی مدت العمر ہے ۔ ازیں خانہ سے مُراد دُنیا کا یہ گھر اور مہمان بودن سے مراد عرصۂ حیات بسر کرنا ۔ حاصل مطلب یہ کہ انسانی حقیقت خود اپنی ہی ذات کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ جب تو اس سرائے فانی میں آ ہی گیا ہے تو پھر اس فانی سرائے میں حق تعالیٰ جس طرح چاہے اسی کی رضا کے مطابق زندگی بسر کر، کیونکہ آخر تو فنا ہی ہے ۔ اس دُنیا کو عبرت کی نگاہ سے دیکھ اور اس دُنیا کے بے ثبات امور کو یعنی خوشی، غمی، رنج و راحت، تنگی و فراخی، بیماری و صحت اور عزت و ذلت وغیرہم کو اپنی نگاہِ معرفت میں بے اعتبار سمجھ اور ہمیشہ خوش حال رہ ۔ کیوں کہ یہاں رحمتِ رحمانی اک صلائے عام ہے جو ذاتِ واجبِ تعالیٰ کی طرف سے تمام موجودات کے شاملِ حال ہے اور ہر موجود تک پہنچتی ہے ۔ اس ذات پاک نے سبھی کو ضیافت دی ہے اور اس کی رحمت کی

Marfat.com

وسعت نے تمام اشیا کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے۔ پس اپنی مدت العمر کو دنیا کی اس سرائے فانی میں جیسے خدا چاہے ویسے ہی بسر کر، اور پورے سکونِ قلب اور اطمینان نفس سے اس دارِ فانی سے کوچ کر، اور خدا تعالیٰ کے خاص بندوں میں داخل ہو جا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ اے نفسِ مطمئن! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے نیک انجام سے) خوش اور (اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں اور داخل ہو جا تو میری جنت میں۔

Marfat.com

هُوَالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو نہیں ضائع کرتا عمل کرنے والے کے عمل کو مرد یا عورت میں سے، تم میں سے۔ بعض بعض میں سے ہیں اور عنقریب اللہ دیگا مومنوں کو عظیم اجر۔ اُس نے وعدہ کیا ہے جنتوں کا اور نعمتوں کا، اور تیار کیا ہے کافروں کے لیے دردناک عذاب اور جس نے توبہ کی اور نیک عمل کیے وہ پالیتا ہے اللہ کو بخشنے والا، رحم کرنے والا اور درود و سلام ہو محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھیں اللہ نے بھیجا رسول کریم بنا کر اور آپ کی آلؓ و اصحابؓ پر، جنھیں ہدایت کی اللہ تعالیٰ نے سیدھے راستے کی۔ امابعد پس یہ چوراسی واں (۸۴) باب ہے جو نتائج اعمال سے موسوم ہے اور نتیجہ وہ چیز ہے جو کسی چیز سے حاصل ہو اور ہوتا ہے اس کا حاصل اور ثمر۔ برابر ہے کہ وہ ہو اس چیز کے ساتھ جیسا کہ نقش کا ظاہر ہونا حرکت قلم سے یا اس چیز کے بعد جیسے سیر ہوجاتا ہے کھانا کھانے کے بعد، اور اگر وہ دونوں ہوں حقیقت میں ذات اپنے عدم کے ساتھ علت کے معلول پہ متقدم ہونے کے ساتھ اور معلول کے اس سے متاخر ہونے کے ساتھ واقعتاً اور یوں نہیں تو پھر کیسے کہا جاسکے گا کہ یہ نتیجہ ہے اُس کا۔ جہاں تک نزدیکی اور دوری کے امتیاز میں فرق کرتا ہے اس کے سوا نہیں کہ وہ ہوتا ہے بلحاظ زمانے کے ——————

—————— اور اس کے بیان کا فائدہ ہے نتائج اعمال کو سمجھنے

Marfat.com

کے لیے جو حاصل ہوتا ہے دُنیا میں اور گویا کہ وہ ہوتا ہے عمل کے ساتھ ان دونوں کے واقع ہونے کی وجہ سے ایک ہی عالم میں اور ایک ہی زمانے میں کام کرنے والی کی زندگی کی مدت میں اور اگر تو نے تاخیر کی گھڑیوں اور دنوں اور مہینوں اور سالوں کے حساب میں دیر سے آنے والے نتیجے سے جو کہ حاصل ہوتا ہے آخرت میں تو گویا وہ ہے عمل کے بعد اس اعتبار سے کہ وہ ہے عالم آخرت میں جو کہ دار الجزا ہے۔ اور عمل کا ہونا دوسرے عالم میں جو کہ دار العمل ہے دار الجزا نہیں ہے اور قبر، برزخ، قیامت اور جنت اور دوزخ کے عوالم کے معاملات سب کے سب حساب کیے جاتے ہیں دیر سے آنے والے نتائج میں جو کہ شمار کیے جاتے ہیں اعمال کے بعد۔ پس پہلا نتیجہ جو کہ حاصل ہوتا ہے دُنیا میں عمل سے وہ عاجلہ (جلدی ہونے والا) ہے۔ وہ عمل کی جزا نہیں کیونکہ دُنیا دار الجزا نہیں۔ اور اُسے موسوم کیا جاتا ہے اس عمل کی برکت یا نحوست کی وجہ سے، اور وہ داخل ہوتا ہے اعمال کے آثار اور مقتضیات میں اور نتیجہ ثانیہ جو ودیعت کیا گیا آخرت میں اور وہ آجلہ (دیر سے آنے والا) وہ عمل کی جزا ہے۔ اور عالم دار الجزا ہے۔ اور دیا جائے گا اس دن بدلہ ہر نفس کو اس چیز کا جو اس نے کی، اور اللہ نہیں ظلم کرتا ایک ذرے کے برابر بھی اور بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ بلکہ وہ بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ وعید (دھمکی) میں اختلاف کرتا ہے اور جہاں تک وعدے کا تعلق ہے پس وہ وعدے میں اختلاف نہیں کرتا۔ وہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ جان لو کہ عمل مطلق فعل کے معنوں میں ہے۔ اور اگر تو ارادہ ہے اس میں اس چیز کا جو کہ آخرت میں ثواب وعذاب کا مستوجب ہو اور تو اُسے خاص کر دے اصطلاحی طور پر تو یہ اطاعات اور گناہ ہیں۔ یعنی اگر وہ صادر ہو اللہ کے حکم کے جاننے کے ارادے کے ساتھ اور اُس کے رسولؐ کا اتباع کرتے ہوئے جیسے کہ آتا ہے ان کاموں تک جن کا حکم دیا گیا ہو یعنی اوامر اور بچنا شرعی ممنوعات سے۔ پس وہ گمان کیا جاتا ہے بھلائی اور نیکیوں کے اعمال میں، اور اگر صادر ہو اس سے غفلت اور قصد کے ساتھ اور ہو مخالف شرع کے پس وہ شمار کیا جاتا ہے شرّ اور بُرائی کے کاموں میں۔ اور اگر وہ ہوتا ہے مستلزم امور کے ساتھ شرک کے لیے پس وہ مشرکین کے اعمال میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، اور بخش دیتا ہے اس سے کم درجے کی چیز کو

Marfat.com

جس کو چاہتا ہے اور جو شریک کرتا ہے کسی کو اللہ کے ساتھ تو وہ بہت دور کی گمراہی میں پڑ گیا۔ پھر عمل دو قسموں کا ہوتا ہے باطنی اور ظاہری، جیسے افعال علاجی اور غیر علاجی۔ پس باطنی عمل وہ ہیں جن کا تعلق دل سے اور نفس سے ہے۔ جیسے ایمان، کفر، خلوص، نفاق، محبت، بغض، علم جہالت اور ان سے مشابہت رکھنے والی دوسری چیزیں اور ظاہری عمل وہ جو متعلق ہوتا ہے جسم اور اعضا سے جیسے ظاہری عبادات کا ادا کرنا اور گناہوں کا ارتکاب جو صادر ہوتے ہیں اعضا سے، اور ان جیسی دیگر چیزیں اور باطنی اعمال بھی دو طرح کے ہوتے ہیں طبیعی اور ارادی۔ پس طبیعی خیالات کا نازل ہونا دل پر اور نفس کا بات کرنا بغیر اختیار کے اور اللہ تعالیٰ ان کا نفساً محاسبہ نہیں کرتا اور یہ مطلق عمل کی قسموں میں سے ہے بغیر مخصوص کے جو کہ عذاب اور ثواب کے مستوجب ہوتے ہیں۔ اور اُسے تعبیر کیا جاتا ہے لغو (مہمل) عمل سے بغیر انسانی کسب کے اور حاصل کرنے کے ارادے کے، اور نہیں مواخذہ کرے گا تم سے تمہاری قسموں میں سے لغو کا لیکن مواخذہ کرے گا اس چیز کا جنھیں کمایا تمھارے دلوں نے اور اللہ بخشنے والا، بردبار ہے۔

اور جہاں تک خواص کا تعلق ہے تو وہ بھی اس سے اجتناب کرتے ہیں امکان کی حد تک، اور دل کا تخلیہ اور اُس کا تصفیہ عبارت ہے اس سے، اور ارادی جو ہے یہ ہے اذکار خفیہ، اشغال نفسیہ، نیّات حسنہ، وساوس وہمیہ، صورِ خیالیہ، ارادات فاسدہ اور دیگر جیسی یہ ہیں۔ ان میں سے جو اچھے ہیں ان سے چمٹ جا، اور جو بُرے ہیں ان کو چھوڑ دے کیونکہ ان کے قوی اثرات ہوتے ہیں۔ پس اللہ کی پناہ میں آجا وسواس الخناس کے شر سے جو کہ وسوسے ڈالتا ہے لوگوں کے سینوں میں جنّوں میں سے اور انسانوں میں سے، اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل سے اور تضرّع کے ساتھ اور پوشیدہ طور پر اور یہی راستہ ہے اس کے پاس پہنچنے کا، اور اللہ جانتا ہے پوشیدہ بات کو بھی اور جانتا ہے ان باتوں کو بھی جو تمھارے دلوں میں تمھارے نفس پیدا کرتے ہیں اور وہ علیم و خبیر ہے۔ اور ظاہری بھی دو شکلوں میں ہوتا ہے قولی اور فعلی، ان دونوں کے مفصل بیان کی کوئی ضرورت نہیں، ان دونوں کو عوام میں سے ہر ایک جانتا ہے۔ پس اے ایمان والو اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر پس ڈر جاؤ اس سے سچائی کے ساتھ، اور خلوص کے ساتھ، اور چاہیے کہ دیکھے ہر نفس وہ چیز جو اس نے آگے بھیجی ہے کل کے لیے اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو۔

Marfat.com

اعمال کے نتائج اور اقوال وافعال کے ثمرات کے بیان کا باب

یہ جان لینا چاہیے کہ جس طرح حقائق اشیا ثابت ہیں اور موجودات کی ماہیات نفس الامر میں موجود ہیں اسی طرح اشیا کے خواص بھی ثابت ہیں اور ماہیات کا ذاتی لوازم سے خالی رہنا محال ہے۔ پس اعمال و اقوال اگرچہ قائم بالغیر معقولات سے ہیں اور فعل و انفعال کے مقولہ میں داخل ہیں۔ لیکن چونکہ جوہر (قائم بالذات) اور عرض (قائم بالغیر) دونوں موجوداتِ ممکنہ کی اقسام سے ہیں اور موجوداتِ ثلاثہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اعمال و اقوال بھی اشیا میں شمار ہوتے ہیں اور لاشیٔ نہیں ہیں۔ اور ان کے خواص جو ان کے ذاتی لوازم کی طرح ہیں وہ بھی ثابت ہیں۔ اور انھیں ان کے نتائج اور ثمرات کہتے ہیں۔ اور جب اعمال و اقوال انسانوں سے متعلق ہوئے جو کہ اشرف المخلوقات ہے تو طبعی اور حیوانی حرکات سے ترقی کر کے انسان کے ارادی افعال کہلائے اپنے موضوع کی شرافت کی وجہ سے ان میں بھی شرافت پیدا ہوگئی اور اس کی دو قسمیں ہوگئیں۔ ایک دنیاوی اعمال و افعال اور ایک اخروی اعمال و افعال۔ پس دُنیاوی وہ ہیں جو صرف انسانی جسم سے متعلق ہیں۔ اور ان کے نتائج کی تاثیرات فقط انسانی بدن تک پہنچتی ہیں۔ اور ان کا نفع یا نقصان بدن ہی سے لاحق ہوتا ہے۔ اور ایسے اعمال اور افعال معاش کے لیے اصلاح کنندہ بھی ہوتے ہیں اور فساد کنندہ بھی۔ اور بدن کے ساتھ ہی اپنے نتائج سمیت فنا ہو جاتے ہیں۔ اور جب ان کا موضوع یعنی جوہر جسم ہی نہ رہا تو یہ اعراض بھی نہیں رہتے۔ اور ان سے تعلق کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے اور اخروی وہ جو صرف انسانی جسم سے متعلق نہ ہوں گے انسانی نفس کے لیے بھی مفید اور مضر ہوں۔ اور نفس کو ان کی بدولت صفائی و نورانیت یا خرابی و تاریکی حاصل ہوتی ہے۔ ایسے اعمال و اقوال جسمانی تعلق کی بنا پر معاش کے لیے مصلح اور مفسد بھی ہوتے ہیں۔ اور نفسانی تعلق کی بنا پر آخرت کے لیے بھی مصلح اور مفسد ہوتے ہیں اور بدنی بگاڑ کے بعد ان کے نتائج و ثمرات جوہر نفس کے ساتھ قائم رہتے ہیں کیونکہ انسانی نفس فنا نہیں ہوتا۔ اور قیامت کے دن جب عناصر کے ان جسموں کا حشر و نشر ہوگا تو نفس کے ساتھ اجسام پر بھی ان اعمال و اقوال کی سزا و جزا طاری ہوگی۔ پس ہر وہ عمل اور قول جو معاش کے لیے مفید ہے وہ آخرت کے لیے ضرر رساں نہیں اور جائز اجناس میں

Marfat.com

سے ہے اور جملہ دُنیاوی حسنات میں ہے۔ اور جو کچھ معاش کے لیے مضر ہے آخرت میں کوئی نفع نہیں رکھتا۔ وہ دنیاوی مکروہات اور جملہ برائیوں میں سے ہے۔ اور وہ جو دنیا میں زبردست نفع اور آخرت میں معمولی ضرر کا حامل ہے وہ صغیرہ گناہ ہیں اور جو دُنیا میں معمولی نفع اور آخرت میں زبردست ضرر رساں ہے اور جس کے نفع سے اس کا ضرر زیادہ ہے وہ گناہ کبیرہ ہیں۔ اور وہ جو روح کو زبردست راحت اور بدن کو زبردست تکلیف دے وہ ریاضیات میں سے، اور جو روح کو معمولی راحت اور بدن کو زبردست تکلیف پہنچائے وہ رہبانیت میں داخل ہے اور شریعتِ محمدیہ میں متروک ہے۔

یاد رہے کہ سالک کو نیک اعمال کی توفیق دو حالتوں میں رونما ہوتی ہے۔ ایک تو ابتدا میں جب طلب حق اور شوق کی حالت کا دل پر غلبہ ہوتا ہے اور ان اعمال کی وساطت سے وہ چاہتا ہے کہ کشادگی و کشود ظہور پذیر ہو اور طلب کا یہ جوش و ولولہ اُسے عبادات و ریاضیات میں سرگرم عمل رکھتا ہے۔ اور ان نیک اعمال کو درخت کا بیج سمجھئے جو ابتدا میں سلوک کی زمین میں بوئے جاتے ہیں جو ظہورِ حقائق اور معارف و باطنی کیفیات کی ابتدائی حالتیں ہوتی ہیں پھر نشو و نما پا کر اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے درخت بن جاتے ہیں۔ جس طرح کہ بچپن میں چھوٹے بالے نماز سیکھنے کے شوق میں بڑی نمازیں ادا کرتے ہیں اور بڑے ذوق و شوق سے روزے رکھتے ہیں اور نماز روزہ کی طرف بڑی رغبت سے مائل ہوتے ہیں لیکن نیک اعمال کی یہ توفیق جو سلوک کی ابتدا میں دلوں کی سرزمین میں درخت کے بیج کی طرح بوئی گئی تھی، سلوک کے وسطی دور میں سینوں میں گم ہو کر ناپید ہو جاتی ہے۔ اور دیگر عرفانی کیفیات کا پودا اگنے کے بعد مستی کی حالت کی آبیاری سے سرسبز و شاداب ہوتا ہے۔ اور اپنی باطنی جوانی کے اس موسم میں سالک اپنی ان تمام عمومی عبادات کو جو وہ پہلے بجالاتا تھا اپنی بچگانہ لطاعتوں میں شمار کرتا ہے جو وہ بچپن اور لڑکپن میں کیا کرتا تھا۔ اور انتہائی دور میں جب عالم مستی سے نکل کر ہشیاری کے مقام پر پہنچتا ہے تو پھر انہی نیک اعمال کی توفیق اور انضباط اوقات اس کے باطن سے اُبھرتے ہیں جو بمنزلہ ثمر کے ہوتے ہیں اور وہ بزرگوں اور کہن سالوں کی سی گزران اختیار کر لیتا ہے۔ اور گلشن وصال کی بہار کے جوبن کو ظاہری اور باطنی طور پر دیکھتا ہے اور دائرۂ کمال کو انتہا اور اختتام تک پہنچا دیتا ہے اور عروج و نزول کے دائرے کو تمام کر لیتا ہے۔ وہ نیک اعمال جو ابتدا میں کیے گئے ان کا حال الگ ہے۔ کیونکہ بیج کی طرح ان سے منظور کسی اور دوسرے پودے کا وجود

Marfat.com

ہوتا ہے۔ اور یہ نیک اعمال جو آخری دور میں رونما ہوتے ہیں ان کا رنگ ڈھنگ مختلف ہے۔ کیونکہ ثمر کی طرح ان اعمال سے منظور وہی ذات العمل ہے نہ کہ کوئی اور آخری امر، اور وہ ان تمام حقائق و معارف کا نتیجہ و ثمرہ ہوتے ہیں جس طرح کہ انہی پھلوں کے اندر سے اسی درخت کے بیج نمودار ہوتے ہیں۔ اور گلستانِ ہدایت کی بہار کو اس عالم میں قائم رکھتے ہیں۔ اور ایسے بزرگوں کے اعمال و افعال عالم اور اہلِ عالم کے لیے برکات و خیرات کا موجب بنتے ہیں۔ اور خلق خدا انہی کے دامنِ عاطفت کو پکڑے آسانی سے راہ راست طے کیے جاتی ہے۔ رباعی:

آنرا کہ درین باغ دلش باخبر ست
پاداشِ عمل ہمیشہ مدِّ نظر ست
خود فعل جزای خود شود روزِ جزا
چو تخم بدست شاخ آید ثمر ست

ترجمہ رباعی: جس کا دل اس باغ عالم میں باخبر ہے اسے اپنے عملوں کی جزا و سزا ہمیشہ پیش نظر رہتی ہے۔ قیامت کے دن افعال ہی اپنی سزا و جزا بن جائیں گے۔ جس طرح پھل کی صورت میں درخت کی شاخ پر اُس کا بیج ہی ہاتھ آتا ہے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) "ایں باغ" کے الفاظ سے مُراد یہ دُنیا ہے جو رنگا رنگ کی موجودات کا اک گلشن ہے۔ دل سے مراد ہے قوت عاقلہ اور نفس ناطقہ، شین (ش) ضمیر متصل ہے جو دل کا مضاف الیہ ہے جو لفظ "آں" کے مشاراً الیہ کا مرجع ہے۔ باخبری سے مُراد حقیقت فہمی اور پاداشِ عمل کا مطلب نتیجہ و ثمرہ ہے جو اس عمل سے آخرت میں حاصل ہوگا۔ مدِّ نظر سے مراد نگاہ میں رکھنا اور منظور نظر رکھنا ہے۔ فعل سے مُراد وہ عمل جو نیکی و بدی کی بنا پر سزا و جزا کا مقتضی ہوگا۔ اور جزا سے مُراد وہ نعمت یا عقوبت جو اس عمل کے بدلے آخرت میں حاصل ہوگی۔ روز جزا سے مراد روزِ قیامت اور میدانِ حشر۔ اور چوتھے مصرعے میں تیسرے مصرعے کے لیے مثال دی گئی ہے حاصل مطلب یہ کہ جس کسی کا نفسِ ناطقہ اور جس کی قوتِ عاقلہ اس دُنیا میں حقیقت فہم ہے اور ہر امر کی حقیقت کا ادراک رکھتا ہے، اعمال کے نتائج اور ثمرات ہمیشہ اس کی نظر کے سامنے رہتے ہیں اور اُسے خیر و برکت ملحوظ ہوتی ہے، کیونکہ نیکیوں اور برائیوں میں سے ہر عمل جو نیکی اور بدی کی بنا پر

Marfat.com

پر سزا و جزا کا مقتضی ہوگا وہ قیامت کے دن نعمت یا عقوبت کی شکل میں اس عمل کے بدلے میں ہر کسی کے سامنے آجائے گا۔ درخت کے بیج کی طرح کہ جب تک وہ زمین میں خاک کے تلے ہوتا ہے۔ اس کے پھل کا ذائقہ ورنگ و بو جو اس کی استعداد میں پنہاں ہوتے ہیں کسی پہ آشکارا نہیں ہوتے اور جب وہی تخم موسم بہار میں درخت کی ٹہنیوں کی شکل میں بڑھتا اور شاخیں نکالتا ہے اور ہر شاخ پر ثمر کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور اپنا رنگ و بو اور ذائقہ دکھاتا ہے۔ پس بُرے اور بھلے اعمال ان بیجوں کی مانند ہیں جو اس کشت زار میں بوئے جاتے ہیں۔ اور بہشت و دوزخ میں عذاب و ثواب کی مختلف شکلوں میں پھلوں کی مانند ظہور پذیر ہوں گے۔ کیونکہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ پس اس سے یہ سمجھا گیا کہ جس طرح اعمال جزا کے درختوں کے بیج کی طرح ہیں۔ خیر و شر ہی سے اس طرح دُنیا ساری کی ساری آخرت کی کھیتی ہے۔ اور نہیں دیکھا جائے گا آخرت میں کچھ بھی مگر وہی جو اس نے دیکھا دُنیا میں، اور اگرچہ ہوں گے بعض امور صوری، جزئی مخصوص اعتبار سے خالص اختراع کیے ہوئے، اور نہ دیکھا ہوگا ان کو آنکھوں نے، نہ دیکھا ہوگا ان کے کانوں نے جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جو کہ ان صورتوں کے متشکل کا منشا و مبدا ہے۔ اور ان اجزا کی طرح ہیں ان کی ترکیب میں جو کہ تھی دُنیا میں دوسری صورت میں اور نہیں ممکن انسانی ارواح کا داخل ہونا پہلے اس دُنیا میں نزول کے بغیر اور یہ دُنیا آخرت کے لیے تیاری کی جگہ ہے۔ اور اس حکمت کے تحت لوٹایا انسان کو اسفل السافلین کی طرف اور نہیں چاہیے تیرے لیے کہ تو کہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں تھے پہلے پھر وہاں سے گرا دیے گئے۔ اور دنیا میں آئے، پس کیسے تصدیق کی جا سکتی ہے جو تو نے بات کہی۔ کیونکہ جنت میں آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی تھے اور ان دونوں کو گمراہ کیا تھا شیطان نے اور ان دونوں کو وہاں سے نکالا تھا جس میں وہ تھے کہ وہ دُنیا کی کھیتی تھی۔ جیسے کہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اور یہ پہلی جنت دنیا کی تیاریوں میں سے تھی۔ پس پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ ارواح کو اس ناقص اور مختصر سی جنت میں پہلے پھر انھیں بھیجتا ہے آخرت کی کھیتی میں جسے موسوم کیا گیا ہے دُنیا سے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے پیدا کیا انسان کو بہترین سانچے میں، پھر ہم نے اُسے لوٹایا اسفل السافلین کی طرف اور یہ جامع اور مفصل مقام پھل کی طرح ہے پہلی جنت کے لیے اور بیج کے مقام پر ہے

Marfat.com

اتری ہی جنت اور جہنم کے لیے اور نہیں تھی جہنم کے لیے ابتدا جنت کی طرح بسبب رحمت کی سبقت کے غضب پر ۔ پھر جب اللہ کھینچ لیتا ہے ارواح کو بدنوں سے، اور نکالتا ہے انھیں دُنیا سے اور انھیں داخل کر دیتا ہے اس دُنیا میں جسے عالم برزخ سے منسوب کیا گیا ہے وہ عالم پہلی جنت سے زیادہ وسیع ہے اور دُنیا سے زیادہ لطیف ہے ۔ پھر جب اُسے دوبارہ اُٹھاتا ہے اور نکالتا ہے اسے اس عالم سے اور اُسے اکٹھا کرتا ہے عالم میں جو زیادہ وسیع، زیادہ ظاہر اور زیادہ جامع ہے جسے قیامت سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ اور یہ عالم، عالم برزخ سے زیادہ شدید ہے اور زیادہ قوی ہے عالم دُنیا سے اور زیادہ منوّر ہے پہلی جنت کے عالم سے ۔ پھر جب وہ نکالتا ہے اُسے اُس عالم سے اور اُسے داخل کرتا ہے عالم ابدی و باقی میں جسے کوئی زوال نہیں ۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اور اس عالم کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم کو جنّت سے موسوم کیا گیا ہے اور اس کی نعمتیں ختم نہیں ہوتیں اور اس کی لذات کبھی منقطع نہیں ہوتیں اور اس میں نیک بخت لوگ داخل ہوتے ہیں ۔ اور ایک قسم جہنم سے موسوم ہے اور اس کی سزائیں کبھی زوال پذیر نہیں ہوتیں اور اُس کے دُکھ کبھی فنا نہیں ہوتے اور اُس میں بدبخت داخل ہوتے ہیں ۔ پس طویل زمانوں اور کثیر وجودوں اور مدتِ مدید اور شدت شدید کہ نہیں اس کی مقدار کو کوئی بھی جانتا سوائے اللہ قدیم کے ۔ ان کے ختم ہونے کے بعد رحمتِ الٰہیہ کے اپنے غضب پر غالب ہونے کے تقاضے اور اہلِ جہنم کے جہنم کی سزاؤں کے ساتھ عادی ہونے کے سبب وہ ہو جائیں گے راضی جہنم میں اپنے رب سے، اگر وہ ہوں گے رہنے والے ہمیشہ ہمیشہ اس کے اندر، انھیں نہیں ضرور دے گا عذاب بلکہ اس سے کہا جائے گا کہ نکالے گا اللہ تعالیٰ تمھیں اس جہنم سے تو اس پر راضی نہیں ہوں گے ۔ اور وہ مقام جو ان دو قسموں کے درمیان حائل ہے اس عالم میں سے وہ عین وسط میں واقع ہے ۔ ان دونوں کے ذیل میں جیسے کہ نقاہت جو درمیان میں ہوتی ہے صحت اور مرض کے ۔ اور یہ اصلاً تیسری قسم شمار نہیں ہوتی ۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک اوٹ (پردہ) حائل ہے اور اُسے اعراف سے موسوم کیا گیا ہے ۔ اور یہ درمیان میں آنے والی قوم کے لیے حصّہ ہے ۔ جو نہیں ہے جانبین میں سے، اور ان کی توڑ پھوڑ کے سبب سے حاصل ہوتی ہے ایک اور کیفیت جو ان دونوں کیفیتوں سے الگ ہوتی ہے اور اہل اعراف میں لوگ ہوں گے جانتے ہوں گے ہر چیز انھی نشانیوں سے، اور بلائیں گے اصحابِ جنت کو کہ سلامتی ہو تم پر اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ

Marfat.com

کی طرف پھریں گی تو کہیں گے اسے اللہ ہمیں ظالم لوگوں کا ساتھی نہ بنا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ جب دُنیا آخرت کی کھیتی ہے، پس یہاں اچھے بُرے اعمال و افعال سے جو کچھ بوؤ گے اور بیج کی مانند یہاں بکھیرو گے اس عالم اعتبار میں ہر عمل و قول کی مناسب سزا و جزا پالے گا یعنی یہی نیک اور بد اعمال جو اب تم سے وقوع پذیر ہو رہے ہیں اس عالم آخرت میں جنت اور جہنم کی صورت میں جلوہ گر ہوں گے جس طرح کہ عالم مثال میں ہر بے صورت معنیٰ ایک خاص صورت سے مماثلت رکھتی ہوئی نظر آتی ہے اور حق تعالیٰ جو محض بے صورت اور مطلق لطیف ہے۔ اسے اس عالم میں خواب میں دیکھنا بھی جائز ہے۔ اور اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بہشت بھی اک زمین ہے۔ نیکیوں میں سے جو کچھ تم اس میں بوتے ہو وہاں اُسے کاٹو گے۔ اور جو کوئی ایک بار کلمہ سبحان اللہ کہتا ہے وہ بہشت میں ایک پودا لگاتا ہے۔ اور اس قسم کی اور کئی احادیث و اخبار بھی ہیں۔ فرمایا حضورؐ نے کہ میں معراج کی رات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملا۔ اس رات جب کہ راتوں رات لے گیا انھیں اللہ تو ابراہیمؑ نے کہا کہ اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہنا اور انھیں کہنا کہ جنت بڑی عمدہ مٹی والی اور میٹھے پانی والی ہے اور ہموار ہے اور اس کا سینچنا (سیراب کرنا) سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اور فرمایا نبی کریم صلعم نے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا حُور کو ملائکہ کی تسبیح سے اور کہا نبی کریمؐ پر جو درود بھیجتا ہے وہ سبز رنگ کے پرندے کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور کہا کہ بخل کی صورت ظاہر ہوتی ہے قبر میں بچھو کی صورت میں۔ اور کہا کہ ہوتی ہے سود خوار کی یہ شکل اور فرمایا ظلم سے بچو۔ کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوگا اور غوث الاعظمؒ نے فرمایا کہ ان کے نجیب اعمال ایسی صورتیں اختیار کریں گے اچھی صورتوں والے لوگ ان پر سوار ہوتے ہیں۔ پس ہوتا ہے اس کا نجیب عمل اس لباس اس کا عمامہ۔ پس عمدہ ہوتا ہے اس کا عمل اور لباس اور اس کا عمامہ ہوتا ہے جو اعمال اس نے کیے وہ صورت اختیار کرتے ہیں اچھی صورتیں اور بُری صورتیں ان کے نیک اعمال۔ ان کے نیک اعمال صورتیں اختیار کرتے ہیں ایسی کہ ان کا نور ظاہر ہو جاتا ہے ان کے چہروں پر، الغرض یہ کہ یہی بھلے اور بُرے اعمال اسی صورت میں ظاہر ہوں گے، اور خود اپنی سزا و جزا ہوں گے نہ کہ کوئی اور امر، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں میں سے ہر کوئی اپنی آگ دوزخ میں اپنے ہمراہ لے جائے گا اور وہاں آگ نہیں ہے۔ وہاں گرمی اور تھوہر اور

Marfat.com

باقی تمام جہنمی عقوبتیں اسی شوم نفس کے شر ہیں جو اُن سے مماثلت رکھتے ہیں۔ وہ دوزخ میں اس صورت میں نظر آئیں گے۔ جس طرح کہ دُنیا میں بُرے اخلاق اور بد افعال کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ اور جنت کی نعمتیں اور اس کے انوار اور تجلیات وہی ارواحِ جلیلہ اور نیک نفوس ہیں جو بہشت میں یوں نظر آئیں گے جس طرح کہ دُنیا میں اوصافِ حمیدہ اور اعمال پسندیدہ سمیت نظر آتے تھے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ پس جو کوئی کرتا ہے ذرے کے برابر بھلائی اُسے دیکھ لے گا اور جو کوئی نیک عمل کرتا ہے ذرے کے برابر یعنی خواہ وہ تھوڑا سا ہو وہ اس عمل کو آخرت میں دیکھ لے گا جزائے خیر کی شکل میں اور جو برا عمل کرتا ہے ذرے برابر یعنی خواہ کتنا چھوٹے سے چھوٹا کیوں نہ ہو وہ عاقبت میں اُسے سزا کی بُری شکل میں دیکھ لے گا۔ جو جیسا عمل کرے گا اُسے ویسا ہی حاضر پائے گا۔ کیونکہ اس مرتبے میں خیر و شر کے یہی معانی ہیں جو نفع اور ضرر کی شکل میں ہوں گے۔ کیونکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ کے اقتضا کے مطابق ہر عالم میں تمام اعتباری اضافی، وجودی اور عدمی معانی کو اس عالم کے مناسب حال ایک خاص صورت میں ظہور پذیر کرتا ہے جو اس عالم کے شایان و مناسب ہو اور پہلی صورت کو آخری صورت کی علت بنا دیتا ہے حتیٰ کہ اس مرتبے تک پہنچا دیتا ہے جو صورِ ممکنہ کے اختلافات کا منتہیٰ ہے۔ کیونکہ صوری اختلافات کو اس سے مزید امکان کی راہ نہیں۔ وہ انہی معانی کو اسی آخری صورت میں ابدالآباد تک قائم و برقرار رکھتی ہے اور باقی کو دوامی اور دائمی حالت میں چھوڑ دیتی ہے۔ لہٰذا یہ مرتبہ عالمِ آخرت سے موسوم ہوا۔ اور یہی دار القرار ہے۔ پس ان اعتباری عدمی معانی کو کہ جن اعتبار کا مبدأ عدمی جانب ہے اور عدمی مفہوم سے ہی مناسب تر ہیں ظلّ وجودی کے تحت لا کر نفس و شیطان اور درندگی و وحشت کی صورتوں میں تخلیق فرمایا۔ چونکہ یہ دُنیا مجموعی طور پر بھی بذاتِ خود کلیتہً عدم ہی کے مطلق معانی میں مناسب تر ہے۔ اور اس کا اعتباری مبدأ و منشا مطلق عدم اعتباری ہے نہ کہ ایسی حادث زمانی صورت میں جو مصور ہوئی اور نہ ہوگی۔ اور اس فانی دُنیا کو یوں ناپائداری و بے ثباتی حاصل ہوئی۔ اور نفس و شیطان اور نفسانی صورتوں حق سبحانہٗ نے دوسری صورتوں کو ان عدمی اعتباری معانی کی علت ٹھہرایا۔ اور اس مرتبے میں ان معانی نے نفسانی رذالتوں بُرے اخلاق، شیطانی خیالات، وسوسوں اور جسمانی شہرتوں اور ناقص

Marfat.com

وصفوں کی صورت اختیار کرلی۔ اور پہلی صورتوں کے معلول بن گئے۔ اور پچھلی صورتوں سے منسوب ہوگئے۔ اور ان صورتوں کو حق سبحانہ' تعالیٰ نے انہی اعتباری عدمی معانی کے ظہور کی علت بنایا اور اس مرتبے میں وہ معانی کفر، برے افعال، بداقوال اور گناہوں کی صورت میں ظاہر ہوئے اور سابقہ صورتوں سے بطور معلول لاحق ہوگئے اور ان کے مقتضیات کے نام سے موسوم ہوئے۔ اور ان صورتوں کو حق تعالیٰ نے انہی اعتباری عدمی معانی کے دیگر امور کی علت ٹھہرایا۔ اور اس باقی وقائم و برقرار رہنے والے مرتبے میں وہ معانی آتش جہنم اور اُخروی عذابوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔ اور اپنی سابقہ صورتوں کے معلول ہوں گے اور ان پہلی صورتوں کے مضاف و منسوب ہوکر ان کا نتیجہ اور ثمرہ نام پاکر ان کی جزا سے موسوم ہوں گے دراصل وہی ایک اعتباری وعدمی شریت ہے جو کئی مختلف رنگوں میں نورِ وجودی کے پرتو میں ظہور پذیر ہوا اور ہوتا رہے گا۔ ایسے انفاس کے شر و فساد اور ایسے اعمال کے گناہوں سے خدا اپنی امان و پناہ میں رکھے۔ اس طرح حق تعالیٰ نے ان اعتباری وجودی معانی کو کہ جن کا اعتباری مبداو منشا وجود کی طرف ہے اور اسی مرتبۂ وجود سے اُنھیں بقا ہے اپنے ظلِ وجودی کے تحت لاکر ارواحِ جلیلہ و ملائکہ کی صورتوں میں مصوّر کیا اور ان صورتوں کو انہی اعتباری وجودی معانی کی دوسری صورتوں کی علت بنا دیا۔ اور اس مرتبے میں وہ معانی مخصوص روحانی صورتوں، نیک خصلتوں، ملکی الہامات، صالح واردات، عقلی مصلحتوں اور اوصافِ حمیدہ میں مصور ہوگئے۔ اور سابقہ صورتوں کے معلول قرار پائے۔ اور پہلی صورتوں کے مضاف اور ان صورتوں کو حق سبحانہ' تعالیٰ نے انہی اعتباری وجودی معانی کی دیگر صورتوں کی علت بنایا۔ اور اس مرتبے میں وہ معانی ایمان، نیک اعمال، صالح افعال اور نیکیوں کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اور سابقہ صورتوں سے بطور معلول لاحق ہوئے اور ان کے حقیقیات سے موسوم ہوئے۔ ان صورتوں کو حق تعالیٰ نے انہی اعتباری وجودی معانی کی دیگر صورتوں کی علت بنایا اور اس قائم برقرار اور باقی رہنے والے مرتبے میں ان معانی نے جنت، حور و محلّات اور اخروی نعمتوں کی شکل میں ظہور کیا۔ اور اپنی سابقہ صورتوں کے معلول ہوئے اور اُن سے منسوب و مضاف ہوکر ان کے نتیجہ و ثمرہ کا نام پاکر ان کی جزا سے موسوم ہوئے۔ اور درحقیقت وہی ایک اعتباری وجودِ مطلق ہے جس نے اپنے نورِ وجودی کے ضمن میں اتنے مظاہر میں ظہور فرمایا، اور فرماتا رہے گا۔ اے ہمارے رب ہمیں دُنیا میں بھی نیکی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں آتشِ

Marfat.com

دوزخ سے محفوظ رکھ۔ پس یہاں تک تم سے ہو سکے، اور یہاں تک تیرے مجازی اختیار کے ہاتھوں ممکن ہو نفسانی شہوتوں سے باز رہ اور یہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو طبیعی لذات کی طرف مائل نہ ہونے دے تاکہ ہوا و ہوس کا جوش ہی نہ نکلنے پائے۔ اور اس عالم بے ثبات میں صرف نہ ہو جائے۔ اور یہاں کا یہ بیج وہاں جلوہ نما ہو اور اُدھر اُگ کر اپنے موسم میں پھل پھول لاکر ایسی بہار لائے جسے کبھی خزاں نہ ہو۔ اور سدا بہار درخت ثابت ہو۔ اور قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ کہ جس نے اپنے نفس کو بُری خواہشات سے باز رکھا جنت اس کا ٹھکانہ ہوگی اسی معاملے کی خبر دیتی ہے۔ کیونکہ یہی نفسانی شہوتیں ہیں کہ جب یہاں اُبھرنے نہیں پاتیں اور جب نفس کی مرضی کے خلاف اور شرعی احکام اور طریقت کی راہ کے اتباع میں دُنیا میں خالصتہً اللہ ہی کے لیے ان لذّات سے ہاتھ کھینچ لیا جائے تو وہاں اس عالم عاقبت میں یہ حور و قصور کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں اور عالم آخرت میں انسانی نفس ان فانی لذات کے ترک کرنے کے عوض میں اپنی مرغوبات و خواہشات میں بطورِ احسن فائز ہوتا ہے۔ اور کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ جیساکہ فرمایا اللہ عزوجلّ نے اس راز کو ظاہر کرنے کے لیے اس میں ہے وہ چیز جس کی نفوس خواہش کرتے ہیں اور جن سے آنکھیں لذّت حاصل کرتی ہیں وہ ان میں سے جن کی نفوس اشتہا کرتے ہیں۔ ان سے مُراد وہ امور اور ان کے متعلقات ہیں جن سے نفس خوش ہوتا ہے اور وہی نفسانی خواہشات میں سے ہیں جیسے جاہ و حشمت اور قدرت اس چیز پر جو تم چاہو اور ان جیسی اور چیزوں پر اور ان میں سے جن سے آنکھیں لذّت حاصل کرتی ہیں وہ امور مُراد ہیں جو بدن سے متعلق ہوتے ہیں اور جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جن کا ظاہری حواس سے ادراک کیا جاتا ہے۔ اور وہ جسمانی خواہشات ہیں جیسے حوریں، محلّات اور ان سے ملتی جلتی اور چیزیں۔ پس بیان کیا جاتا ہے ان کلموں میں ہر وہ چیز جو جنت میں ہوگی۔ نعمتوں میں سے کہ اگر تم ان کو گنو تو ان کا احاطہ نہ کر سکو، اور کلماتِ تامہ اسی کے لیے ہیں اور وہ پُر مغز باتیں نازل کرتا ہے۔ پس وہ لوگ جو نفسانی خواہشات کے حلقہ سے بالکل باہر آگئے ہیں اور جو کلی طور پر طبیعی حرصوں سے خالی ہو گئے ہیں جنھوں نے اپنی خواہشات اور ارادوں کی نفی کر دی ہے اور خود قطعاً درمیان میں رہ ہی نہیں گئے۔ وہ فنافی اللہ اور مشاہدۂ ذات میں مستغرق ہو کر بقا باللہ تک جا پہنچے۔ حضوری و مشاہدۂ حق کی نسبت کی قوت نے اُنھیں مکمل

Marfat.com

طور پر ما سوی اللہ سے منقطع کر دیا ہے۔ سو یہ وہ صاحب بصیرت لوگ ہیں جنھوں نے سنت رسول مازاغ البصر (نگاہ چندھیائی) کا سرمہ اپنی باطنی آنکھ میں لگالیا، اور پھر وہ دونوں جہانوں کے عجائبات کی طرف ہرگز التفات نہیں کرتے اور یہ کاملانِ ذات محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کی طرف دیکھتے ہی نہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اور کوئی چیز ہے بھی یا نہیں۔ وہ ہمہ تن ذاتِ بے کیف الٰہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں کیونکہ ان کا مقصود بالذات اور محبوبِ حقیقی وہی ہے۔ ایسے مقربانِ ذات کو جو بہشتِ بریں نصیب ہوگی وہاں حور و قصور کو باریابی نہیں۔ اور نہ ہی مقدس ارواح کو اُن سے کوئی سروکار ہوگا۔ کیونکہ اُن کا مادہ تو شہوات ہے جس سے خواہشات کی طرف میلان ہوتا ہے۔ اور ایسے مقدس نفوس کو شہوات سے کوئی رغبت نہیں ہوتی، اُنھیں اپنے پروردگار کے دیدار سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ جیسا کہ کائنات کے افضل ترین انسان (ان پر خدا کا درود و سلام ہو) نے جو سب سے بڑے مقرب اور محبوبوں اور رسولوں کے سردار اور خاتم الانبیاءؑ ہیں، اپنی بہشت کا حال یوں بیان فرمایا ہے اور اُس قربِ خاص کا دروازہ یوں کھولا ہے؛ وہاں نہ حور نہ قصور، بس فقط اللہ تعالیٰ کی مسکراتی ہوئی ذات ہے۔ یہ تو معاملہ ہے حق تعالیٰ اور اُس کے محبوب کے مابین جن کی عشقی نسبت ہے۔ نا آشنا لوگ اس کیفیت سے محروم ہوتے ہیں۔ اور حریم محبت کے نامحرموں کو ان اسرار و رموز سے خبر تلک نہیں ہوتی۔ پلائے ہمیں اور تمھیں اللہ اس شراب طہور میں سے ایک گھونٹ اپنے حبیب کے صدقے اس سے یہ خیال نہ کر لینا کہ وہ جنت جس کے متعلق اُس سرورِ کائناتؐ نے یہ خبر دی ہے۔ حور و قصور سے خالی ہوگی۔ اور انواع و اقسام کی وہ نعمتیں جو صالحین اور ابرار کو نصیب ہوں گی اس خلدِ بریں میں موجود ہی نہ ہوں گی۔ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ یہ تو اک بے جا وہم ہے بلکہ آنحضرت سرورِ کائناتؐ والی بہشت میں اس خیر البشر کے اعمالِ خیر کے نتائج و ثمرات کے طور پر حضور پاکؐ کے لیے سب سے بہترین اور احسن طریق سے موجود ہوں گی۔ انبیاء میں سے کسی کی بہشت بھی اس خوبی و محبوبی کو پہنچ سکے گی۔ ہاں اس حدیث شریف کا حاصل مطلب یہ ہے کہ آنحضرت رسول کریم صلعم جنت کی ان تمام نعمتوں کی کثرت میں بھی مشاہدۂ وحدتِ ذات میں محو ہوں گے۔ اور حضور و شہود حق میں مستغرق ہوں گے۔ وحدت سے ہٹ کر ان کی چشم بصیرت اس کثرت پر پڑے گی ہی نہیں۔ اور دوسروں کی اعتباری نگاہوں کی طرح وہ اُنھیں دیکھیں گے ہی

Marfat.com

نہیں۔ اوران خوب و مرغوب نعمتوں کی کثرت والی جنت کے جلوے سے بے نیاز ہوکر حضرت واجب الوجود کی ذات والاصفات اور مجمع کمالات ہی کا دیدار کریں گے۔ اور اس وجودی مسرت و انبساط کو جسے تبسم سے تعبیر کیا گیا ہے اسے اپنے ربِ قدیر کا تبسم ہی سمجھیں گے، اور قربِ الٰہی کے انواع واقسام کی لذتوں اور تجلیوں میں محو رہیں گے اور کسی لمحہ، کسی تامل اور کسی چیز میں معشوق حقیقی کی تجلی کے سوا اور کچھ نہ دیکھیں گے۔ نہ ہی اس کے سوا کچھ اوران کے پیشِ نظر ہوگا جس طرح اس دُنیا میں بھی اپنی حینِ حیات میں وہ ہمیشہ اس کے جمالِ باکمال کے تماشائی رہے اور ہر جانب اور ہر وقت انہی تجلیات کا مشاہدہ کرتے رہے جو اس دُنیا کے شایاں ہیں اور یوں وہ اس آیت کریمہ کی ہدایت کے سلسلے میں سراپا دلالت بن جاتے تھے کہ تم جدھر کا رُخ کرو اُدھر ہی اللہ کا رُخ ہے اور کسی وقت بھی تبلیغ دین اور دعوتِ حق سے رُکتے نہیں تھے۔ پس انہی کی سنت کے مطابق اُمت محمدیہؐ کے اولیائے کرام اور کامل ترین انسان ظاہری اور باطنی طور پر شریعت مصطفویہؐ اور طریقِ محمدیہؐ کا مکمل اتباع کرتے ہیں۔ اور حضور پُرنورؐ اوران کی آلؓ اور اصحابؓ کے فیوض و برکات کے انوار سے نور اخذ کرتے ہیں اور بارگاہ نبوت سے اس نویدِ جانفزا کا مژدہ سنتے ہیں کہ جسے جس سے محبت ہو وہ اسی کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اُس کی توفیق سے وہ یہاں بھی دائمی حضوری و مشاہدے میں محو ہوکر اپنے شب و روز متوجہ بحق ہوکر گزارتے ہیں، اور وہاں عالمِ عقبیٰ میں بھی اسی تجلی کے امیدوار ہیں۔ اور رسول اللہؐ کے صدقے تجلّی ذات کی امید واثق رکھتے ہیں۔ جس کا آخرت میں وعدہ دیا گیا ہے۔ جیساکہ فرمانِ الٰہی ہے کہ جو کوئی اللہ سے ملنے کی اُمید رکھتا ہے پس بے شک اللہ کا اجل آنے والا ہے۔ اور اللہ سے سچی بات کہنے والا کون ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں عطا فرما جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی وساطت سے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا۔ بے شک تو وعدے کی خلاف ورزی کرنے والا نہیں۔ رباعی:

آندم کہ کشاید درِ بخششِ غفار
آید ہمہ اسرارِ نہان در اظہار
از راہ معیتی کہ دارد باما!
مارا زجمالِ اوست چشمِ دیدار

Marfat.com

ترجمہ رباعی: جس وقت اس غفار کی بخشش کا دروازہ کھلتا ہے تو تمام پوشیدہ اسرار و رموز آشکارا ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ معیت اور رفاقت کی راہ رکھتا ہے۔ اسی راہ سے ہماری چشم دیدار اس کے جمالِ باکمال کا مشاہدہ کرتی ہے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) لفظ "آن دم" سے مراد ہے روزِ قیامت کی صبح اور اُس دن کی صبح کے سانس لینے کا وقت۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ صبح جب سانس لے اور "کشودن دروازہ" سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کے فیوض و بخشائش کے دروازے کا مومنوں اور مخلص محمدیوں پہ کھلنا۔ اس غفار سے مراد وہی ذات الٰہی مع اپنی غفرانی کے اور مغفرت کی نعمت کے۔ اور اسرارِ نہاں سے مراد ہیں وہ نعمتیں اور عنائتیں جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور محمدیوں کے لیے وعدہ کر رکھی ہیں۔ اور جنھیں اس نے لوگوں کی نگاہوں سے مخفی اور نہاں رکھا ہوا ہے۔ پس نہیں جانتا کوئی نفس کہ کیا چھپایا گیا ہے ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے اس چیز کے بدلے جو وہ کرتے ہیں۔ اور "در اظہار آمدن" کے کلمات کا مطلب ہے ان نعمتوں کا عطا کیے جانا اور مومنوں پر ان عنایات کا رونما ہونا۔ لفظ "راہ" سے مراد وجہ اور سبب ہے۔ اور معیت سے مراد ہے حضور و شہود حق کی کیفیت کی راسخ و پختہ نسبت اور اللہ تعالیٰ کی رفاقت و معیت کا ادراک اور فعل "دارد" کا فاعل حق تعالیٰ کو کہا گیا ہے۔ اور کلمہ "باما" مفعول ہے مع داشتہ کے اس لیے کہ اس نسبت کا نفس انسانی میں قائم و برقرار رہنا حق سبحانہ تعالیٰ کی توفیق و قبولیت سے ہے۔ اور درحقیقت رفاقت کا ثبوت ادھر سے ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو میں تمھارے ساتھ ہوں۔ اور لفظ "جمال" سے مراد ہے وجہ اللہ کی جمالی تجلیات اور لفظ "چشم" سے مراد ہے امیدواران تجلیات کے دیکھنے کی اہلیت۔ دیدار سے مراد ہے آخرت میں رویتِ حق، جس کا مومنوں سے وعدہ ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ جب قیامت کے دن حق تعالیٰ کی خاص رحمت کا فیضان مومنوں اور محمدیوں پہ ربِ غفار کی طرف سے رونما ہوگا تو وہ تمام نعمتیں اور عنائتیں جو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں اور اپنے رسولؐ کی زبانی محمدیوں اور مومنوں سے وعدہ کر رکھی ہیں اس عالمِ آخرت میں انھیں عطا کر دی جائیں گی۔ اور ان پہ وہ عنایات مبذول فرما دے گا۔ اور محسنین اور صالحین کو ان کی سب نیکیوں کے شایان شان جزا مل جائے گی۔ پس جس طرح دیگر بدنی و جسمانی عبادات کی جزا مثلاً حور و قصور اور دیگر نعمتیں جنت میں ہوں گی جو جان

Marfat.com

اور جسم کے کام آئیں گی۔ اسی طرح ان روحانی و نفسانی اعمال کی جزا جو حضور و شہود کی کیفیت اور رفاقت و قربت حق کی نسبت ہوگی اور وہی دیدار الٰہی اور بے کیف رویت حق ہوگی جس طرح اس وقت ان تنزیہی معانی کا ادراک باطن اور نفس میں ثابت اور راسخ ہے۔ اسی طرح اس وقت اسی امر کا مشاہدہ تشبیہی صورت میں آنکھ اور بصارت کا نصب العین بن کر سامنے آئے گا۔ اس لیے رباعی میں کہا گیا کہ حضوری و مشاہدے کی راسخ کیفیت کی نسبت کی وجہ اور سبب سے وہ حضوری و مشاہدہ جو خدا تعالیٰ کی توفیق و قبولیت سے ہمارے نفس میں ثابت و راسخ ہو چکی ہے ہمیں وجہ اللہ کی جمالی تجلیات کے دیکھنے کی اُمید اور اہلیت اسی کی عنایت سے نصیب ہوگی۔ ہم آخرت کے دیدار ذات پر قوی ایمان اور پختہ اعتقاد رکھتے ہیں اور خدا نے چاہا تو قیامت کے دن رسول کریم صلعم کے طفیل مومنین کو نظر آئے گا۔

Marfat.com

هُوَالنّاصِر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جس کا احسان عام ہے اور اس کی شان بلند ہے اور اس کی دلیل عالیشان ہے اور اس کا غلبہ زبردست ہے اور درود و سلام اس کے رسول محمد صلعم پر کہ کیا ہی عظیم ہے ان کی شان اور کیا ہی خوب ہے ان کا بیان اور ان کی آل رضؓ اور ان کے اصحابؓ پر جو ان کے مددگار ہیں۔ پس یہ پچاسی واں (۸۵) باب ہے جو سرِّ مکنون (چھپے ہوئے راز) سے موسوم ہے اور موسوم کیا گیا ہے۔ اس میں ذات کے اختفا کے بیان کی مناسبت سے تاکہ رہبری کرے یہ اسم اس مطلب پر اور نام سے جان لیا جائے کہ اس سے مسمیٰ کا مقصود کیا ہے چاہے یہ اجمالی طور پر ہی ہے۔ مگر کامل ہونے کی وجہ سے درخشاں ہو اور ہم نہیں متوجہ ہوئے ظہور اسمائے صفات کے کلمے کی رعایت کی طرف اور جو کچھ کہ آیا ہے اس مذکور کی جنس میں سے متن اور شرح میں ضمناً اور تقریباً وہ مقصود بالذات نہیں ہے۔ اور جیسے جملہ معترضہ کہ آتا ہے عبارتوں میں کسی اور فائدے کے لیے جیسے تمہید جو واقع ہوتی ہے شعروں میں، اور وہ ہوتا ہے قریب کرنے کے لیے مطلب کے بیان کو اور اس کے اظہار کو اور ہماری غرض اسے اصل میں اللہ سبحانہ کے نفس کی پاکیزگی کا بیان کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا سمجھنا ہے۔ اور پانا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کا اور اس کے پوشیدہ ہونے کو لوگوں کے فہموں اور عقلوں سے، جیسے کہ اس

Marfat.com

کونگاہیں نہیں پاسکتیں اسی طرح اسے فہم بھی نہیں سمجھ سکتے، اور نہ ہی عقلیں اُسے پا سکتی ہیں ۔ پس اس کی ذات چھپ گئی ہے کبریائی چادر کے ساتھ اور عظمت کے تہ بندیں اور پردے میں ہے اپنے سوا ہر چیز سے اپنی نورانی شعاعوں کے دیار سے اور چھپ گئی اُس کے ظہور کی شدت سے ۔ پس ہو گیا انکشاف اور احتجاب (حجاب) اکٹھا اس مرتبے پر۔ بلکہ وہ دونوں ایک ہی معاملہ ہے ۔ اور وہ ممتاز ہو گئے ہیں اور دو اعتباروں سے علم میں پس اعتبار انکشاف ظہور سے موسوم کیا جاتا ہے اور منسوب کیا جاتا ہے یا اسمائے اور صفات کی طرف اسمائی اور صفاتی تفاصیل کی مناسبت سے اور ظہورات نوریہ اور صوریہ کی اقسام کی مناسبت سے اور احتجاب (حجاب) کے اعتبار سے اسے موسوم کیا گیا ہے اختفا سے اور منسوب کیا جاتا ہے ذات کی طرف مرتبۂ ذات کی اجمالیت کی نسبت سے، اور اختفا کا مجمل معنوں میں ہونے کی وجہ سے، پس یہ امر واحد جسے کہا جاتا ہے مراتب اسماء وصفات میں اس کے ظہورات میں سے اُسے کہا جاتا ہے مرتبۂ ذات میں اس کا اختفا اور اُس کا احتجاب (حجاب) اور وہی ظاہر اور وہی باطن ہے اور اللہ ڈراتا ہے تمھیں اپنے نفس سے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ۔

اسماء وصفات کے ظہور اور اختفائے ذات کے بیان کا باب

جان لو کہ ظہور اور اختفا بھی ذات کی دو صفتیں ہیں ۔ جیسے دوسری صفتیں ہیں ۔ اور اُس سے کبھی الگ نہیں ہوتیں ۔ اور ظہور کی حالت میں اختفا ہوتا ہے اور اختفا کی حالت میں ظہور ہوتا ہے ۔ پس پوشیدہ ذات پوشیدگی میں اوقاتِ صفاتیہ اور اسمائیہ ہیں ۔ جو اس سے ظاہر ہیں اور نہیں مزاحم اس کا ظہور اُس کے اختفا سے اور نہ اس کے برعکس کیونکہ صفاتِ کمالیۂ ذاتِ الٰہیہ سے الگ نہیں ہوتے ورنہ وہ اپنی ذات میں کیسے مکمل ہو سکتی ہے ۔ پس اس صورت میں ظاہر ہوتی ذات صفت کے اعتبار سے اور چھپ جاتی دوسری صفت کے اعتبار سے، پس جب وہ حجاب میں ہو جاتی ایک صفت کے اعتبار سے تو وہ منکشف ہو جاتی دوسری صفت کے اعتبار سے، اور یہ حال ہمیشہ مدام ومدت کے ساتھ اسی طرح ہوتا یعنی وجۂ اختفا اور وہ ظہور میں سے اور نہ ہوتا مطلق اخفا اور نہ مطلق ہوتا مطلق ظہور، جہاں تک کامل ترین لوگوں کا تعلق ہے ۔ جب انھوں نے دیکھا ظہور

Marfat.com

کے مفہوم کی طرف تو انھوں نے پائے ایجابی معانی تشبیہ کے زیادہ قریب پس انھوں نے منسوب کر دیا اس کو اسماء وصفات کی طرف اور بیان کیا اس کے آثار و انوار کو اور کہا کہ عالم اسماوصفات کا مظہر ہے۔ اور جب انھوں نے دیکھا اختفا کے مفہوم کو تو انھوں نے اُسے سلبی معنوں میں پاکیزگی کے زیادہ قریب پایا۔ پس انھوں نے اسے منسوب کر دیا ذات کی طرف اور بیان کیں اس کی ذات کے جلال وعظمت کی دقیق باتیں اور انھوں نے کہا کہ ذات منکشف نہیں ہوتی نہ اُسے جانا جاسکتا ہے نہ ادراک کیا جاسکتا ہے نہ ادراک کیا جاسکتا ہے۔ نہ نگاہ سے نہ بصیرت سے اور عاجز ہوتا ہے ادراک کے پانے سے وہی اس مرتبے پر ادراک ہے۔ پس نہ گمان کرو اس کے بیان سے کہ انھوں نے مخصوص کر دیا ذات کو ورائیت اور اختفا سے اور اُسے مقید کر دیا ہے وجود کے مقید مرتبے میں اور وہ مرتبہ ہے شرطِ لا کے ساتھ۔ اور انھوں نے ثابت کر دیا ہے اسماوصفات کے لیے ظہورات اور مقتضیات اور اس کے سوا نہیں کہ یہ وہ اعتبارات ہیں جو نکالے گئے ہیں اس مرتبے سے کسی چیز کی شرط کے ساتھ، اور نہیں پہنچے وجود مطلق کی حقیقت کو جو کہ ایک مرتبہ ہے کسی چیز کی شرط کے بغیر۔ حاشا وکلا بلکہ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو، اور تم نہیں سمجھ پاتے ہو انھوں نے کہا اور تم نہیں پہنچ پاتے ان کے کلام کے لب لباب کو کہ وہ ایسا کلام ہے کہ جس کے باطنی معنی ہوتے ہیں اور اس کو نہیں سمجھ پاتے مگر عقل والے۔ رباعی:

الله تجلّی بظهور الاسماء

اياه وجدنا بحضور الاسماء

بالشمس كما يضئ جرم القمر

الخلق منور بنور الاسماء

ترجمہ رباعی: اللہ ظہور آسمان کے ساتھ متجلی (روشن) ہوا۔ اس سے ہم نے پایا اسماء کے حضور کے ساتھ سورج کے ساتھ جیسے چمکتا ہے چاند کا جسم، اور مخلوق منور ہے اسماء کے نور سے۔ اسم اللہ سے مراد اس اسم مبارک کا مسمیٰ جو کہ مرتبۂ ذاتِ واجبیہ ہے تمام صفاتِ کمالیہ کے ملاحظے کے ساتھ اور تجلّی ظہور وانکشاف میں سے اور ظہور اعتبار میں سے اور اسمائے الٰہیّہ کے اسماء میں سے ہے اور بالوجہ (پوری طرح) ادراک کے پالینے سے اور تصور کے حضور میں

Marfat.com

سے اور تیسرے مصرعے میں مثال کا بیان جو ہے مطلب کے سمجھنے کے لیے ہے اور خلق سے مُراد حقائقِ ممکنہ ہے اور منور سے مُراد موجود ہے اور نور سے مُراد وجود ظلی ہے۔ پس اس سارے مجموعے کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ذاتِ واجبیہ کا مرتبہ اس کی تمام صفاتِ کمالیہ کے ملاحظے کے ساتھ کمالات کی جامعیت کی حیثیت ہے اور کہ یہ لفظ اللہ کا مدلول ہے جو ظاہر ہوا اور منکشف ہوا امتیازات کے آئینوں میں اسمائے الٰہیہ کے اعتبار کے ساتھ، اور ہم نے پایا وہ پاکیزہ مرتبہ کیفیاتِ صفاتیہ کے مراتب اور اسمائے کے تصوّر سے جو وصف کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور ہم نے ان کو بالوجہ پالیا۔ اور ہم نے مشاہدہ کیا اسمائے کے امتیازات کو ان کے مظاہر میں جو کہ موجوداتِ ممکنہ ہیں ظاہری آنکھ میں۔ پس جان لو کہ جس طرح جرم قمری روشن ہوتا ہے سورج کی روشنی کے سبب اور مستفید ہوتا ہے اس کے نور سے مقابلے میں آکر اسی طرح حقائقِ ممکنہ موجود ہیں وجود ظلی کے فیض سے اسمائے الٰہیہ میں سے اور وجوب کے مقابلے کی مقدار کے مطابق اور وجود کا واجب سے استفادہ کرنے کی اہلیت کے مطابق ہوگی موجوداتِ کونیہ۔ تاریک عدمی اعتباری رات ہوگئی اس کے ظلّی وجود کے ساتھ بدر کی رات اور ہم نے دیا اُسے دن کا حکم اور ایک معاملہ کہ تم عنقریب دیکھو گے اپنے رب کو جس طرح تم دیکھتے ہو چودھویں کے چاند کو۔ جس کا وعدہ کیا گیا ہے عام مومنین سے آخرت میں۔ وہ حاصل ہوگئی اس دن خاص محمدیوں کے لیے دنیا میں۔ سبحان اللہ جیسے کہ تھا حال ان مقربین کا جو کہ نگاہوں والے ہیں۔ بسبب قوتِ شعور اور شدتِ نور کے ظہور کی اس تاریک رات میں عالمِ دُنیا میں سے اس راستے پر پس کیسی ہوں گی ان کی آنکھوں کی تیزی اور کہاں پہنچیں گے ان کے اسرار کے معاملات قیامت کے دن جو کہ حساب کتاب کا دن ہے۔ اور منکشف ہوگی حقیقت اس میں عوام پر بھی جو چوپایوں کی طرح ہیں۔ ایسے منکشف ہوتا جو سورج سے بھی زیادہ ظاہر ہو۔ اور اُنھیں یقین آجائے گا اور حق بات یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو ان کے غیر کے حق میں ہے ان کے لیے بھی وعدہ کی ہوئی ہے۔ آج کے دن ان کے لیے وافر حصّہ ہے۔ گویا کہ وہ دجود ہے۔ کیا اندھے اور دیکھنے والے برابر ہو سکتے ہیں۔ پس اُنھوں نے دیکھا دنیا میں جو کچھ کہ دیکھا اور عنقریب وہ ملیں گے عاقبت میں اگر اللہ بصیر نے چاہا جو کچھ کہ وہ عنقریب دیکھیں گے۔ بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے۔ اور جو کوئی اللہ سے ملاقات کی اُمید رکھتا ہے تو بیشک اللہ کا اجل آنے والا ہے۔ اور کہا قیصری نے جوہر

Marfat.com

اور عرض اور مبحث ہیں۔ جب میں نے گہری نگاہ ڈالی اشیا کے حقائق پر تو میں نے پایا ان میں سے بعض کو عوارض کا متبوع (اتباع کنندہ) اور ان میں سے بعض کو عوارض کا تابع اور لاحق۔ پس متبوع جواہر ہیں اور تابع اعراض ہیں۔ ان دونوں کو وجود جمع کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ان میں سے ہر ایک کی صورت سے مل کر جلوہ گر ہوتا ہے۔ پس جواہر اور عین جوہر اکٹھے ہوتے ہیں اور وہ ایک ہی حقیقت ہے۔ وہی مظہر ذاتِ الٰہیہ ہے اپنی قیومیت اور حقیقت کی حیثیت سے۔ جس طرح کہ عرض ان کی (جواہر) کی صفاتِ تابعہ کا مظہر ہے۔ قیصری کا کلام ختم ہوگیا، اور شیخ کے اس کلام کا حاصل یہ ہے یعنی ممکنات موجودہ منحصر ہیں دو قسموں پر اور وہ ہیں جوہر اور عرض۔ اور ان دونوں کو وجود نے جمع کیا ہے۔ جو ان دونوں پہ مشتمل ہے اور ان دونوں میں ظاہر ہے۔ اور جوہر ماہیت ہے جب تو نے پایا اسے اعیان میں، اور وہ نہیں تھا موضوع میں اور قائم اپنے نفس کے ساتھ اور عرض ماہیت ہے جب کہ انھیں پایا اسے اعیان میں موضوع میں اور قائم اس کے موضوع کے ساتھ اور عرض تابع ماہیت ہے اور جوہر متبوع ماہیت ہے۔ اور مرتبۂ واجبیت میں جو کہ بلند اور مقدس ہے میں بھی دو مرتبے ہیں، مرتبۂ ذات اور مرتبۂ صفات۔ اور ذات جو ہے وہ ہے قائم بالذات۔ اور قیوم ہے حقیقی طور پر وہ وجود میں کسی غیر کی محتاج نہیں اور صفات اپنے نفوس کے ساتھ نہیں ہیں جو کہ مفہوماتِ قائمہ ہیں ذات کے اندر ذات کے ساتھ اور محتاج ہیں وجود میں اس کے پس جوہر کا لا موضوع میں ہونے کی مناسبت سے اور اُس کا اپنی حدود میں اپنے نفس کے ساتھ قائم ہونے میں اور ذاتِ واجبیہ کا ہوتا قائم حقیقی طور پہ اور موجود ہونا اپنے نفس کے ساتھ گمان کیا شیخ نے کہ وہ ذاتِ الٰہیہ کا مظہر ہے اپنی قیومیت اور حقیقت کی حیثیت سے، اور عرض کے موضوع میں مشابہ ہونے کی وجہ سے اور غیر کے ساتھ محیط ہونے میں اور صفاتِ واجبیہ کے ذاتِ واجب کے ساتھ قائم ہونے میں اور موجود ہوتے میں اس کے ضمن میں۔ انھوں نے کہا کہ بے شک عرض صفاتِ تابعہ کا مظہر ہے ذات کے لیے اور عرض تابع ہے جوہر نہیں جیسے کہ صفات تابع ہیں ذات کے اور جوہر متبوع ہے عرض کا جیسے کہ ذات متبوع ہے صفات کی، اور یہ بیان بھی تصدیق ایک طریق سے کسی حد تک یہاں تک بہترین بیان ہے وہ ہے جو تفسیر کی ہے میرے باپ اور میرے مرشد نے اپنی کتاب نالۂ عندلیب میں۔ پس اس کی طرف رجوع کر، پس یہاں تک اس کے

Marfat.com

خلاصے کا تعلق ہے وہ یہ ہے یعنی ذاتِ واجبیہ کا مرتبہ وراالورا ہے۔ اور نہیں ہے اشیائے کونیہ میں سے کسی چیز میں اہلیت اس کی مظہریت کی اس کی حیثیت کے ساتھ، بے شک ہم نہیں فرق کرتے کہ یہ مظہرِ ذات ہے اور وہ مظہرِ صفات ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہر چیز موجودات میں سے صفات اور اسماء کا مظہر ہے۔ اور اللہ کی غنی ذات مبرا ہے اس نسبت سے اور اضافات سے، بلکہ یہ موجوداتِ ممکنہ جو مخلوقات کے دائرے میں شامل ہیں یہ بھی صفات اور اسمائے سے مستفیض نہیں ہوتیں بغیر واسطے کے۔ مٹی اور رب الارباب کا کیا جوڑ! پس جس طرح ذات اور اسماء کے درمیان واسطہ صفات ہے اسی طرح اسماء واسطہ ہیں صفات اور مرتبے کے درمیان جنھیں ہم اصطلاحاً مقتضیات الاسماء کہتے ہیں۔ اور وہ مرتبہ مقتضیات واسطہ ہے اسمائے الٰہیہ اور مخلوقات کے درمیان اور یہ مرتبۂ متوسطہ مخلوق عالم کے اوپر کا مرتبہ ہے۔ اور مرتبۂ وجوبیہ سے نیچے ہے معنی کے لحاظ سے پس وہ لیتا ہے فیض اسمائے الٰہیہ سے وجوب کی مناسبت سے اور قریب ہونے کی وجہ سے فیض دیتا ہے مخلوقات کو اور وہ ہوتا ہے سببِ حقائق اور ان جیسی اور چیزوں کی ایجاد کا سمجھنے کے لیے جیسے طلوعِ شمس، سورج کی طرف نسبت کے ساتھ، اور دن کے وجود کے ساتھ نسبت ہے۔ پس طلوعِ شمس جیسے کہ سمجھ آتی ہے خاص مفہوم ہے، یہ غیر ہے مفہوم شمس سے جو اپنی ذات شمس سے قائم ہے اور اس کا موجود ہونا اسی طرح مغائر ہے دن کے مفہوم سے اور سبب ہے اس کے وجود کا۔ اگر تو سورج طلوع ہے تو دن موجود ہے پس یہ سمجھ لے اور غور کر لے کیونکہ یہ بڑی دقیق تحقیق ہے۔ اور محافظ ہے عبودیت اور معبودیت کے امتیاز کے مرتبے میں اور اللہ ہدایت دینے والا ہے سیدھے راستے کی طرف بالجملہ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے جو ہم نے کہی کہ جوہر بھی مظہرِ صفات ہے نہ کہ مظہرِ ذات۔ میں کہتا ہوں مخاطب کرتے ہوئے شیخ مذکور کے پیروی کرنے والے تابعین کو جب تم نے کہا پیروی کرتے ہوئے شیخ کی، اور روایت کرتے ہوئے اس کے کلام کی کہ جوہر ذات کا مظہر ہے اپنی قیومیت اور حقیقت کی حیثیت میں تو اس کے سوا نہیں کہ تم نے گمان کیا جوہر کو مظہر اللہ سبحانہ کی ذات کے لیے دو مخصوص مشترک امور پانے کی وجہ سے جوہر اور ذات میں اور وہ ہیں دونوں قیومیت اور حقیقت یعنی اس کا قائم ہونا اپنے نفس کا اور اس کی اقامت اپنے غیر کے ساتھ اور ذات وہ

Marfat.com

ہے جس سے صفات قائم ہوتی ہے اور جوہر وہ ہے جس سے قائم ہوتی ہیں اعراض جیسا کہ معلوم ہے اور اس تناسب کی وجہ سے تم نے کہا کہ وہ اس کا مظہر ہے پس تمہاری تقریر سے یہ ظاہر ہوا کہ جوہر مظہر ہے قیومیت اور حقیقت کا اور ان دونوں حیثیتوں کا نظارہ ذات کا مظہر نہیں ہے۔ جیسی کہ وہ ہے بلکہ وہ حیثیت ذاتیہ میں سے اس کی جلوہ گاہ ہے اور قیومیت اور حقیقت بھی دو صفتیں ہیں دوسری صفات کی طرح پس جوہر بھی صفات کا مظہر ہے جیسے کہ عرض ہے اور یہ دونوں ذات کی مظہریت کے لائق نہیں ہیں اس کی حیثیت کے ساتھ اور دائرہ ممکنات سارے کا سارا اس کے سوا نہیں کہ گھومتا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے گھومنے کے ساتھ اور منور ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ، اور نہیں نکلتی ذات اوقاتِ صفاتیہ کے راز سے اور وہ نہیں جلوہ نما ہوتی اپنے نفس کے ساتھ کسی پر اسما اور صفات کے توسّط کے بغیر کہیں بھی۔ پس جوہر اور عرض کی حقیقت کے بیان میں قابلِ ترجیح بات یہ ہے کہ عمومیت کے ساتھ یہ کہا جائے کہ جوہر اور عرض دونوں صفات کے مظہر ہیں، اور منوّر کیے جاتے ہیں اس کے انوار سے جوہر خاص طور پر امتیاز کے ساتھ عرض کے مقابلے میں اور اُس پر رفعت دیے جاتے ہوئے اور وہ مظہر ہے صفت متبوعہ شرافت والی اور جو بڑے شرف کے ساتھ آگے بڑھاتی گئی ہے، اور مرتبہ جو کہ قیومیت اور حقیقت ہے اور عرض بلحاظ جوہر کے تابع ہونے کے مظہر صفاتِ تابعہ ہے اس متبوع صفت کا اور وہ سب تابع ہیں اس کے تحقق اور وجود کے لحاظ سے اور خالص ذات جو کہ وراء الورا ہے، نہ تابع ہے نہ متبوع ہے اور نہ ہی یہ نسبتیں اس کی طرف منسوب کی جا سکتی ہیں اس کی ذاتی پاکیزہ حیثیت میں بلکہ وہ تنزیہہ سے بھی بے نیاز ہے۔ اور بری ہے ہر قسم کے نسب سے اپنے نفس کے اعتبار سے اور اگرچہ کہ ہوتے ہیں نسب اور اضافات سب کے سب کُل کے رجوع کے لحاظ سے ذاتِ مطلقہ کے مرتبے کی طرف لوٹتے ہوئے اسی کی طرف اور اللہ ہی کی طرف لوٹتا ہے اور نہیں ہے ذات کے لیے خاص مظہر اس کی حیثیت میں کہ تخصیص سے کہا جا سکے کہ یہ مظہر ذات ہے اور وہ مظہر ذات نہیں ہے۔ پس حق بلکہ بڑا حق وہ ہے جو کہ کہا میرے باپ نے جو محقق اور دقیق بین مرشد ہے اللہ اُن سے راضی ہو۔ وہ باپ ہے وہی مرشد ہے اور اُس نے مجھے پیدا کیا اور دو دفعہ ظاہری اور باطنی طور پہ مدد کی ہماری اللہ نے اس کے راز کی

Marfat.com

نصرت سے جیساکہ اُس نے اس کی مدد کی تھی اس سے پہلے تائیدات ربانیہ کے ساتھ اور اس کی نیکی کی برکت سے ہمیں مقدس کیا تھا تقدیسات سبحانیہ کے ساتھ۔ نہ جلوہ نما ہوئی ذاتِ الٰہیہ مرتبۂ کونیہ میں مراتب امکانیہ میں سے اور مکونات (موجودات) میں سے یعنی سب کے سب مکونات مظاہر صفات الٰہیہ میں اور ظہورات الٰہیہ کے آئینے میں اور اُن کا ماحصل یہ ہے کہ ذات نہ ظاہر ہوئی اپنی ذاتی حیثیت میں، اور نہ جانی گئی مگر وصف کے ساتھ۔ اور نہ جلوہ نمائی ہوئی مگر تجلیات صفاتیہ کے ساتھ ظہورات اسمائیہ کے ساتھ کیونکہ اگر ہم فرض کرلیں اللہ کی تجلّی کو اس کی ذات کے ساتھ اور ہم کہیں کہ اللہ سبحانہٗ جلوہ نما ہوتا ہے ذات کے ساتھ بغیر صفات کے توسط سے اور اسمائے وساطت کے اور مفہوم لفظ تجلی جس کو کہ انھوں نے قرار دیا ہے ہر چیز کا ظہور ہونا ایک مرتبے سے دوسرے مرتبے میں جیسے آدمی کے جمال کا ظاہر ہونا آدمی میں پس آدمی کا چہرہ اس کے جمال کی جلوہ گاہ ہے۔ اور وہ عکس جوکہ ظاہر ہوا وہ تجلّی کا مرتبہ ہے اور وہ شخص جوکہ عکس کا ظرف ہے وہ منظر کا مرتبہ ہے۔ پس لازم ہوا اللہ کے لیے ذاتی تجلی کے فرض سے ذات کا ظہور مرتبۂ ثانیہ میں جیسے کہ مثالِ مذکور میں ہے۔ اور نہیں ہے اس کے لیے یعنی ذاتِ متوحدہ و منفردہ الٰہیہ کے لیے سوائے اس کے کچھ بھی، اور جو کوئی شرک کرتا ہے اللہ کے ساتھ اس نے بہت بڑا افترا کیا۔ پاک ہے وہ ذات کہ نہیں ہے کوئی حاجت کسی دلیل کی اس بات کے لیے کیونکہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ اسی کی ذات سے ثابت ہیں۔ وہ عقل کے چراغ کا نور ہے نفوس کے اندر اُس نے عطا کیا ہے نور ایمان دلوں کو اور تحقق اور ثبوت کے اعتبار واقع ہے دلیل سے پہلے جیسے امر حق کا وجود اپنے حد نفس میں وہی پہلا ہے، اور دلیل کے ساتھ ہونے کے اعتبار سے ظاہر ہے جیسے نور جو کسی چیز کو منور کرنے والا ہے۔ وہی ظاہر ہے دلیل کے اندر باطنی طور پر ہونے کے اعتبار سے جیسے کہ عبارت کے اندر موجود معنی ہی باطن ہیں۔ اور اس کے تقرر کے اعتبار سے انتہائی دلیل کے بعد جیساکہ نتیجہ جو اخذ کیا گیا ہو شکل سے وہ اور چیز ہے اور باعتبار اس کے علم کے احاطے کے صور علمیہ کے ساتھ جوکہ موجودات کے حقائق ہیں اور وہ ہر چیز سے آگاہ ہے اور اللہ کہتا ہے حق اپنے انبیا اور اولیا کی زبان سے اور وہی ہدایت دیتا ہے راستے کی اپنے اوپر ایمان دینے کے ساتھ اور

Marfat.com

اس کے ملائکہ اور اس کے رسولوں پر جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہی ہادی ہے سیدھے راستے کا۔ رباعی:

لا نعت لذاتہ ولا توصیف
لا امر بوجدہا ولا تکلیف
العجز عن الدرک لدرک ثمہ
لا اسم ولا رسم ولا تعریف

ترجمہ رباعی: نہیں ہے تعریف اس کی ذات کے لیے اور نہ توصیف اور نہ کوئی حکم مطلق اس کے ادراک کے ساتھ اور نہ تکلیف ہے یعنی کہ وہ (ذات) پابند نہیں۔ عاجزی ہے ذاتی مرتبے کو پانے سے نہ کوئی نام ہے نہ نشان ہے نہ کوئی تعریف کی ہے۔ نعت سے مُراد ہے تعریف کرنے والا ذات کی اس حیثیت میں اور توصیف سے مُراد ہے وہ تعریف جو اُس کی کُنہ (ماہیت) کی منکشف کرنے والی ہے اور اس سے مُراد حکم مطلق ہے جس کے اندر حکم شرعی اور عقلی شامل ہے۔ اور وجد سے مراد ماہیت کا ادراک ہے اور تکلیف سے مراد متوجہ ہونا نفس کا ادراک کی طرف اور عجز سے مُراد قاصر ہونے کا اعتراف کرنا ہے۔ اور درک اوّل سے مُراد ذات کا ادراک ہے۔ اس حیثیت میں جیسے کہ وہ ہے اور دوسرے درک سے مُراد طاقتِ بشریہ کی مقدار کے مطابق اور لفظ ثمہ سے مُراد مرتبۂ ذاتیہ اور اسم سے مُراد وہ اسم جو ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ذات کی حیثیت سے اور اسم سے مُراد رسم مطلق ہے چاہے تو وہ مکمل ہو چاہے ناقص ہو۔ اور تعریف سے مُراد معرف جس کی تعریف کی گئی ہو اور حد مطلق رسم کی طرح ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ وراءالورا ہے فہموں سے اور ذہنوں سے کہ نفس اس کا تصوّر نہیں کر سکتا اور نہ عقل اسے سمجھ سکتی ہے اور نہیں ہے اس کی ذات کی تعریف کرنے والا اس کی حیثیت کے ساتھ کوئی معاملہ اور نہیں ہے کوئی چیز تعریف کے ساتھ معرفہ بنائی ہوئی اور جو منکشف کرنے والی ہے ماہیت کو۔ اور نہیں ہے کوئی شرع اور عقل کا معاملہ اس کی کنہ پا لینے کے ساتھ۔ اور نہیں ارادہ کیا شارع علیہ السلام نے نفس کو متوجہ کرنے کا، اس کو پانے کی طرف جب کہ اس سے منع فرمایا اور کہا نہ غور و فکر کرو اللہ کی ذات میں کیونکہ اعتراف کرنا قاصر ہونے کا ذات کو پانے سے اس

Marfat.com

حیثیت سے جس میں کہ وہ ہے۔ وہ پاتا ہے طاقت بشری کے مطابق اس مرتبے میں اور یہی معرفت انسانی کی منتہیٰ ہے اس مقام پر اور نہیں ہے ذات الٰہیہ کے لیے کوئی مخصوص رسم اس کی حیثیت کے ساتھ یہاں تک کہ اسے اس سے موسوم کیا جائے۔ نہ اس کے لیے کوئی رسم (نشان) مکمل اور ناقص یہاں تک کہ اس سے اسے مرسوم (نشان زدہ) کیا جائے۔ اور نہ اس کے لیے کوئی معرف ہے اور نہ کوئی حد ہے۔ یہاں تک کہ اس سے ہم اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کو جان سکیں اور تعریف اللہ کے لیے نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، اور نہیں ہے کوئی طاقت اور قوت مگر اللہ علی العظیم کے ساتھ ۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑے رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جس نے نہ پیدا کیا جن و انس کو مگر یہ کہ اس کی عبادت کریں اور وہ گواہ ہے اس پر جو کچھ وہ کرتے ہیں اور جنھوں نے جدوجہد کی اس کے راستے میں۔ پس وہ اس کی رہبری سے ہدایت پاتے ہیں اور درود و سلام ہو اس کے رسول محمد صلعم پر جنھوں نے ابھارا مومنوں کو نیکیوں پر تاکہ وہ فلاح پائیں۔ اور آپ کی آلؓ پر اور آپ کے اصحابؓ پر جو اس کے راستے میں جہاد کرنے والے ہیں۔ اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ پس یہ چھیاسی واں (۸۶) باب ہے جو جہادِ اکبر کے نام سے موسوم ہے۔ جان لو کہ جہاد دو قسموں کا ہوتا ہے۔ جہاد اصغر اور جہادِ اکبر۔ پس اصغر جہاد وہ جنگ و جدال ہے کفار کے ساتھ خالص اللہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یا آپ کے خلفا اور آپ کے نائبین کے سامنے، آپ کے بعد قیامت کے دن تک دین کو بچاتے اور شریعت کو قائم کرنے اور طریقہ محمدیہ کی ترویج استطاعت اور زمانے کے تقاضے کے مطابق۔ اسے جہادِ اصغر کہنے یا موسوم کرنے کا سبب جنگ کے معاملے کا تھوڑی مدت میں ختم ہو جاتا ہے اگرچہ وہ چلے کچھ دن یا مہینے یا سال اتفاقاً یا اُسے موسوم کیا گیا ہے اس سے بوجہ آسان ہوتے کے اس معاملے کے بہادروں کے نفسوں پر کیونکہ وہ مشتاق ہوتے ہیں جنگ کے یہاں تک کہ وہ پسند کرتے ہیں تلوار سے ضرب لگانے کو اور نہیں

Marfat.com

ہوتا یہ معاملہ ان کی نگاہوں میں کوئی بڑا اور ممکن ہے یہ معاملہ ان کی نگاہوں میں کوئی بڑا اور ممکن ہے یہ معاملہ ایسے ہی ہوتا ہے ابنائے زمان کے درمیان بھی دُنیا کے لیے، اور لڑتے ہیں بادشاہ اور امرا ملکی اور مالی معاملات کے لیے جو کہ دُنیا کی متاع ہے۔ پس جس طرح دُنیا کی متاع اللہ کے نزدیک تھوڑا ہے اسی طرح وہ معاملہ جو اس سے متعلق ہے اللہ کے نزدیک اور اُس کے رسولؐ کے نزدیک چھوٹا ہے اور نہیں ہوتی اس کی کوئی بڑی قدر، جیسے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ ہم لوٹے ہیں جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف، جب آپؐ لوٹے جنگ سے گھر کی طرف۔ اس کے سوا نہیں کہ یہ معاملہ شاق ہوتا ہے بزدلوں پر اور گمان کرتے ہیں اسے بہت بڑا کام۔ اور وہ لوگ جو دلوں کے بہادر ہیں اُسے بڑا حقیر اور چھوٹا سمجھتے ہیں۔ بلکہ زیادہ حقیر اور زیادہ چھوٹا سمجھتے ہیں دوسرے امور سے جو ان پر بڑے شاق گزرتے ہیں۔ جیسے نفس کو ذلیل کرنا اور اُس کو توڑنا (نفس کشی) حالانکہ بزدل اسے بڑا آسان سمجھتا ہے جنگ کی نسبت۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ انسان کے سینے میں ہے۔ اور جانتا ہے ان چیزوں کو جن سے اُس کا نفس اس کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے، اور وہ لطیف و خبیر ہے۔ اور جہادِ اکبر جو ہے وہ نفس کی مخالفت ہے اور مجاہدہ ہے حیوانی طبیعت کے خلاف اللہ کے لیے خلوص نیت کی مدد سے اور رسول اللہ صلعم کے حکم کے ساتھ اور مرشد کے حکم سے جو کہ اولی الامر میں سے ہے۔ اور اس کی اطاعت بھی واجب ہے جیسے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت ہے۔ جیسا کہ اللہ عزّ وجلّ نے فرمایا کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسولؐ کی اور تم میں سے جو صاحبِ امر ہیں۔ اِن کی، اور دہرایا ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اطاعت کے امر کو اللہ اور اُس کے رسول کے معاملے میں کیونکہ رسولؐ کی اطاعت بھی مستقل حکم ہے اور بالذات فرض ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اور نبی رسول مختار ہے۔ فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے اور فیصلہ دیتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔ اور اُن سے سوال نہیں کیا جاسکتا جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی سنت پر اور نہیں روا کسی کے لیے کہ وہ آپ سے سوال کرے اعتراضاً اللہ تعالیٰ عزّ وجلّ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ تم سوال کرو اپنے رسولؐ کو جیسے موسیٰؑ سے سوال کیے گئے تم سے پہلے۔ اور اولی الامر کی اطاعت واجب ہے نبی صلعم کی اطاعت کے ضمن میں بالذات اور استقلال کے ساتھ نہیں، وہ تو آپ کی اُمت میں آپ کے نائبین اور خلفا میں سے ہے۔ پس اللہ نے

Marfat.com

کفایت کی واؤ عاطفہ کے ساتھ، اور لفظ اولی الامر معطوف ہے اور کلمۂ رسول معطوف علیہ ہے اور اطاعت کا حکم ایک ہی ہے جو اپنے اندر لیے ہوئے ہے ان دونوں کو۔ جہاں تک رسول کریمؐ کا تعلق ہے وہ اصالتاً اور مستقلاً ہے اور اولی الامر کے لیے ضمنی طور پر ہے۔ اور اتباعاً اور نہ کہو کہ بیشک رسول یقیناً نہیں گفتگو کرتا اپنی ہوا سے، اس کے سوا نہیں کہ وہ وحی کیا جاتا ہے پس اس کی اطاعت بھی فرض ہے اللہ کی اطاعت کے ضمن میں جیسے کہ اولی الامر کی اطاعت رسول اللہؐ کی اطاعت کے ضمن میں۔ پس کیا فرق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ موجوداتِ ممکنہ کی جنس میں سے نہیں اور ہماری غرض اس بیان سے یہ ہے کہ رسولؐ واجب الاطاعت ہیں مستقل طور پر موجوداتِ کونیہ میں اور ان کی اطاعت ہم پر واجب ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ان کے نفس پر ہے نہ کہ کسی اور کی ان کی اپنی بنی نوع انسان کی قسم میں سے اور اطاعت اولی الامر واجب ہے حضور پاکؐ اور آپ کے تابعین کے ضمن میں، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر نہیں۔ پس ان دونوں میں فرق ظاہر ہو گیا۔ اور فی الحقیقت نہیں ثابت ہوتی اطاعت اصالتاً مگر اللہ ہی کے لیے۔ کیونکہ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا اور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تمام کے تمام معاملات اور یہ مجازی امتیازات ہیں۔ جو مراتب اعتباریہ سے ملتے ہیں اور اس میں بہت سارے فائدے ہیں اور ان کا ذکر نہیں کرتے مگر اہلِ عقل بالجملہ۔ پس جب تم نے اسے جان لیا تو اسے جہاد کا نام دیا گیا۔ پس ہم شروع کرتے ہیں جہادِ اکبر کا بیان جو کہ اللہ کے راستے میں مجاہدہ ہے اور اللہ ہی کی طرف سے ہے توفیق!!

اطاعات پہ ترغیب اور مجاہدات پہ آمادگی کے بیان کا باب

اور اللہ کے راستے میں مجاہدہ وصول الی اللہ کے اسباب میں سے ہے۔ جیسے کہ اللہ عزّوجل نے فرمایا کہ جنھوں نے جہاد کیا ہمارے راستے میں، ہم انھیں ضرور راستہ دکھا دیں گے۔ اور ہدایت کے دو معنی ہیں۔ پہلا ہے راستہ دکھانا اور دوسرا ہے مطلوب تک پہنچانا۔ پس مجاہدے سے پہلے بندے میں ہدایت ظاہر ہوتی ہے۔ پہلے معنوں میں ہدایت دینے والے اللہ کی عنایت اور اس کی توفیق سے، اور وہ ہوتا ہے سبب مجاہدے کے ظہور کا۔ اور مجاہدے کے بعد حاصل ہوتا ہے بندے کو دوسرے معانی اللہ کے انتخاب اور اُس کے چن لینے کے ساتھ۔

Marfat.com

پس ہوتی ہے ہدایت مجاہدے کے دونوں جانب ابتدا اور انتہا میں سے، اور نہیں خالی ہوتا مبتدی اور منتہی مجاہدے سے۔ جہاں تک مبتدی کے مجاہدے کا تعلق ہے وہ پہلی ہدایت کا معلول ہوتا ہے اور دوسری ہدایت کی علت ہوتا ہے۔ اور منتہی کا مجاہدہ وہ دوسری ہدایت کا معلول ہوتا ہے اور اس کے لیے نتیجے کی طرح ہوتا ہے اس کی ذات کو دیکھتے ہوئے اور پہلی ہدایت کا سبب ہوتا ہے دیکھتے ہوئے دوسرے سالکین کو اس کے ساتھیوں میں سے اور متوسط کے لیے بھی مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ مجاہدہ کبھی کبھی واقع ہوتا ہے دو ہدایتوں کے درمیان پس متوسط کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا ورنہ اس کا حال اصلاح پذیر نہیں ہوتا اور اس پہ غالب آجاتا ہے تعطّل اور اس کے احوال میں واقع ہونے والی درستی فاسد ہو جاتی ہے۔ اور سالک ہلاکت میں پڑجاتا ہے۔ اور نہیں پہنچ پاتا کاملین میں سے پہنچنے والوں کے مقام کو۔ پس مجاہدہ فی سبیل اللہ لازم اور ضروری ہے ابتدا سے انتہا تک تمام مبتدیوں، متوسلوں اور منتہیوں کے لیے اور وہ نہیں ساقط ہوتا کسی آدمی کی ذمہ داری سے کسی حال میں بھی۔ ہاں البتہ مجاہدے کی مقدار کثرت اور قلت اور قوت اور ضعف سے ہے بدنوں کی طاقت کی مناسبت اور نفوس کی وسعت کے لحاظ سے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اُس کی وسعت کے مطابق۔ قصہ کوتاہ جو کچھ کہ آخرِ کار معلوم ہوا اور متحقق ہوا وہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہے عمل ہی ہے۔ اور نیک اعمال اور نیک اقوال ہی تمام سیر و سلوک کا ماحصل ہیں۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان درحقیقت خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے۔ کیونکہ آگہی ذات اور مشاہدۂ حق کا ماحصل ہی یہ ہے کہ انسان میں اخلاق حمیدہ پیدا ہوں اور اچھے اخلاق کا نتیجہ یہ ہے کہ نیک اعمال صادر ہوں اور نیک اقوال ظہور پذیر ہوں۔ اور پھر ان نیک اعمال و افعال کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانی اخلاق اور اوصاف اور بھی سنور کر اچھے ہو جائیں اور نیک اوصاف اور اخلاق کا نتیجہ یہ ہے کہ ملکوتی نسبت پیدا ہو جائے اور ملائکہ سے مشابہت کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُنس پیدا ہو اور مشاہدہ وحضوری و آگہی حق نصیب ہو جاتے۔ اور پھر اس آگہی و مشاہدے کا ماحصل یہ ہے کہ نیک اخلاق ظہور پذیر ہوں اور علیٰ ہذا القیاس اسی مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق نسبت کا یہ دور انسانی ظاہر و باطن میں ہر وقت جاری و ساری

Marfat.com

رہے اور ظاہری آثار باطن میں سرایت کر جائیں اور باطنی آثار ظاہر میں رونما ہو جائیں۔ اور جب تک جسم و جان میں ربط قائم ہے یہ گردش دائمی طور پر جاری رہے۔ پس اگر اس دور میں سے فقط ایک امر بھی نہ ہو تو سارے دور میں خلل پڑ جاتا ہے۔ اور فیض کی جاری و ساری و طاری راہ گم ہو جاتی ہے اور ہدایت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ پس انسانی ظاہر و باطن میں مذکورہ بالا امور کی مثال اب ج د کی طرح فرض کر لو۔ اور یہ تصور کر لو کہ الف سے ب فیض اخذ کرتی ہے اور ب سے ج اور ج سے د اور علیٰ ہذا القیاس۔ د سے پھر الف۔ چونکہ گول شکل میں ابتدا اور انتہا نہیں ہوتی سوائے فرضی اور اعتباری کے۔ پس اس راستے سے بعض سلسلوں کے بزرگ و اکابر سالک کی تربیت ظاہر کی طرف سے شروع کرتے ہیں۔ اور پہلے ریاضات اور مجاہدات کرواتے ہیں اور تزکیہ نفس کو تصفیہ قلب پر مقدم رکھتے ہیں۔ اور معاملات کی ابتدا اسی اعتباری جانب سے کرتے ہیں اور ان کے تابعین اسی طریق پر چلتے رہتے ہیں اور ان کے سلسلوں میں طریق و تربیت کا یہی ڈھنگ جاری ہے۔ اور بعض سلسلوں کے بزرگ سالک کی تربیت کا آغاز باطن کی طرف سے کرتے ہیں اور پہلے باطنی اوراد و وظائف اور ذکر اذکار کی تلقین کرتے ہیں اور تصفیۂ قلب کو تزکیۂ نفس پر مقدم گردانتے ہیں۔ اور معاملات کی ابتدا اسی اعتباری جانب سے کرتے ہیں اور اسی طریق پر چلتے رہتے ہیں۔ اور ان کے پیروکار تربیت کے اسی ڈھنگ پر گامزن رہتے ہیں اور یہی طریقہ جاری رہتا ہے۔ راہِ سلوک کی ان ہر دو روشوں میں ان میں سے ہر ایک سلسلے کی نیت نیک ہی ہوتی ہے اور نیکوکاروں سے سوائے نیکی کے اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا۔ لیکن خالص محمدیوں کی تجویز و صلاح یہی ہے کہ ہر سالک کی اس کے مناسبِ حال تربیت کرنی چاہیے۔ جس کے نفس کو تزکیہ کی اشد ضرورت ہو اس کے معاملے کی ابتدا تزکیۂ نفس سے کرنی چاہیے۔ اس کے ضمن میں آہستہ آہستہ تصفیہ قلب بھی حاصل ہو جائے گا۔ پہلے تزکیۂ نفس ہی مقدم رکھا جائے اور مناسب مجاہدات و ریاضات کا حکم دیا جائے۔ اور جس کا قلب تصفیے کا شدید محتاج ہو اس کے معاملے کی ابتدا تصفیہ قلب سے کرنی چاہیے۔ کیونکہ آہستہ آہستہ اسی کے ضمن میں تزکیۂ نفس بھی حاصل ہو جائے گا۔ پہلے تصفیۂ قلب ہی کو مقدم رکھنا چاہیے اور مناسب ذکر اذکار اور اوراد و وظائف اور مراقبات کی کثرت کا حکم دینا چاہیے۔ اور مراقبہ ایسا عمل ہے جو تصفیہ و تزکیہ دونوں کا جامع ہے۔

Marfat.com

حاصل مطلب یہ کہ جس طرح بدنی امراض میں طبیب کو پہلے مرض کا ازالہ کرنا چاہیے اور پھر معروضی مرض کا ضمناً خود بخود ازالہ ہو جائے گا۔ اسی طرح باطنی اصلاح میں اہم امر کو اہم سمجھتے ہوئے ہر علاج معالجے میں بڑی ذکاوت و بصیرت سے کام لینا چاہیے اور جس کا نفس شریر ترین اور قلب ظالم ترین ہو اور اس کی سخت دلی پتھر کی طرح سخت ہو یعنی وہ سنگ دل ہو اور جس کا نفسی شر کفر و نفاق سے بھی شدید تر ہو وہ لاعلاج ہے۔ اس کے علاج معالجے سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔ اس کے علاج کی طرف توجہ ہی نہیں دینی چاہیے۔ کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں، مکمل شفا نصیب ہی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔ قصہ کوتاہ یہ کہ جب تم نے مذکورہ بالا دائرے کو پہچان لیا اور اُس کے مراتب میں تاثیرات کے دور (گول چکر) کو سمجھ لیا تو فلک کی مانند ہمیشہ ہدایت کی نسبت سے متحرک رکھ تاکہ تجھے عالمِ علوی کے گروہ (فرشتوں) سے مشابہت نصیب ہو جائے اور کسی وقت بھی نیکی سے فارغ نہ بیٹھ تاکہ آخر کار زمین کی طرح اسفل ترین مرتبے تک محدود نہ رہ جائے اور اسی دائرے کے قطبین انسانی قلب اور قالب ہیں، جب تک قلب و قالب قائم ہیں دائرہ گردش میں ہے خواہ ہدایت کی طرف خواہ گمراہی کی طرف، اور وہ کسی لمحہ اس گردش سے نہیں رکتا اور ایک صورت پر قائم نہیں رہتا۔ اور اس مجموعی دائرے کی مثال فلک سے ملتی جلتی ہے، اور اُس کے مراتب کے اختلاف بمنزلہ تمام اور مکمل کرنے والی چیزوں کے ہیں۔ کہ وہ نیک بخت اور بدبخت نفوس کو سیارگان کی طرح لپیٹتے ہمراہ اعلیٰ علیین یا اسفل السافلین کے منازل طے کرتے ہیں۔ اور اُنھیں اوج یا پستی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور اُنھیں عروج یا زوال نصیب کرتے ہیں۔ اور بعض جزئی امور جو افلاک کی مانند مدور ہیں، بعض نفوس کو بعض اوقات پسپائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور خمسہ متحیرہ (یعنی عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری اور زحل) کی مانند تعطل میں ڈال دیتے ہیں، یعنی پیچھے کی طرف رجعت کرتے ہیں۔ اور ایسے اوقات میں گویا ان نفوس کے کواکب کو تحیر لاحق ہو جاتا ہے۔ اور کچھ عرصے بعد پھر سیدھی راہ پر آ کر اسی دائرے میں جس میں کہ وہ داخل ہوتے ہیں استقامت پیدا کر لیتے ہیں۔ اور بعض شمس و قمر کی طرح ایسے قوی نفس ہوتے ہیں کہ وہ کبھی رجعت (پسپائی) کا منہ نہیں دیکھتے

Marfat.com

اور وُہ تعطل جو بمنزلہ رجعت و تحیّر کے ہے اُنھیں لاحق نہیں ہوتا۔ وہ جس راہ پر چل رہے ہوتے ہیں اسی راہ پر چلے جاتے ہیں لیکن چونکہ انسان کا کلی وجوہ کی بنا پر سدا ایک ہی حال میں رہنا محال ہے ان نفوس کو بھی ظاہری اعتبارات و خارجی عوارض کی بنا پر سورج گہن یا چاند گرہن لگ جاتا ہے اور ان کو بھی عروج و زوال اور بلندی و پستی نصیب ہو جاتی ہے یعنی قوت اور ضعف کی حالت اور مختلف کیفیات حاصل ہو جاتی ہیں۔ ان تمام ستاروں کی سعادت یا نحوست بھی تمام عالم میں سرایت کرتی ہے اور یہ جان لو کہ ہدایت کی مخالف سمت میں دائرے کی حرکت جو گمراہی ہے وہی ایک قسم ہے اور اُس کے ہر حصّے کی مرادات اس کے بالمقابل رکھی جاتی ہیں، یعنی آگہی و مشاہدے کی بجائے غفلت و بدنصیبی اور اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کی بجائے مذموم اخلاق اور بُرے اوصاف اور اعمالِ صالحہ اور نیک اقوال کی بجائے بُرے اعمال اور بد اقوال اور فرشتوں سے مشابہت اور عالمِ علوی کی طرف چڑھائی کی بجائے شیطانوں سے مشابہت اور اسفل السافلین کی گراوٹ نصیب ہوتی ہے۔ اس دائرے کی حرکت کا اعتبار سابقہ دائرے کی حرکت کے برعکس تصور کرنا چاہیے۔ اور افلاک کی حرکت کی طرح کہ بعض کی حرکت مشرق سے مغرب کی طرف ہے اور بعض کی حرکت مغرب سے مشرق کی جانب ہے۔ اور یہ صورتیں ان دائروں کی کی یہ مثالیں ان معانی کے سمجھانے کے لیے لکھی گئی ہیں۔ تاکہ ہر کسی کے ذہن میں آسانی سے آسکیں۔ اور درحقیقت اس بیان سے منظور وہی نفس انسانی کی سعادت و نحوست کی طرف حرکت ہے اور گمراہی کے دائرے کی شکل کو ہدایت کے دروازے کے بالمقابل اسی وضع پر خیال کر لینا چاہیے۔

بہر حال ہر لمحہ اور ہر لحظہ سعد اور منحوس آثار سعادتمندوں اور نیکوکاروں کے ظاہر اور باطن میں اپنی تاثیر دکھاتے ہیں۔ اور نحوست و شومیٔ قسمت کے آثار شقی القلب بدبختوں کے ظاہر و باطن میں اپنی تاثیر اور جس حالت پر خاتمہ ہوتا ہے اسی حالت کی تاثیرات نفس میں راسخ رہتی ہیں۔ سب بندے اسی حالت میں اُٹھیں گے جس حالت میں کہ وہ مرے۔ یہی وجہ ہے کہ سب کاملانِ حق خاتمہ بالخیر کی تمنا کرتے رہے ہیں۔ اور خاتمے کا خوف ان کے دلوں پر طاری رہا۔ اور اس امر کی دعا و استدعا کرتے رہے کہ خدا اپنے فضل و کرم سے انجام بخیر کرے۔

Marfat.com

اے ہمارے رب! مکمل کر دے ہمارے لیے ہمارے نور کو، اور دور کر دے ہماری برائیاں اور ہمیں وفات دے نیک لوگوں کے ساتھ۔ سنت الٰہی اکثر اسی صورت پہ جاری رہتی ہے۔ کہ جیسے تم زندہ رہتے ہو اور جیسے تم فوت ہوتے ہو اسی طرح تم اٹھائے جاؤ گے۔ رباعی:

اے حاصل تو ز زندگانی مُردن
تا چند پئے حیات فانی مُردن
اے غرّہ و ہم خود پرستی مردی
پیش از مُردن اگر توانی مُردن

ترجمہ رباعی: اے کہ تیری زندگی کا حاصل آخر موت ہے۔ تو کب تک اس فانی زندگی کے پیچھے مرتا رہے گا۔ اے غرور کے پتلے اور خود پرست انسان، تو اگر مرنے سے پہلے مر جائے تو تو جوانمرد اور باہمت انسان ہے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) لفظ حاصل سے مُراد انجام کار ہے۔ اور زندگانی سے مُراد نفس ناطقہ کا جسم سے ارتباط اور اُس کا بدن پر تصرف ہے۔ جو اسے اس وقت حاصل ہے۔ اور مُردن سے مُراد نفس ناطقہ اور جسم کا تفرقہ ہے اور اس ناپائیدار جسم کا تصرف و قبضے کو چھوڑ دینا ہے۔ اور دوسرے مصرع میں لفظ مردن کا مطلب ہے دُنیاوی زندگی کے لیے حریص ہونا، جیسا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ تم اُنھیں سب سے بڑھ کر جینے کا حریص پاؤ گے۔ اور فارسی محاورے میں اسے شدید ذوق و شوق کے موقع پر استعمال کرتے ہیں کہ فلاں تو فلاں چیز پر جان دیتا ہے، یعنی مرتا ہے۔ اور پہلے مصرعے میں جو حرف ندا ہے اس کا منادیٰ محذوف ہے۔ یعنی اے وہ انسان کہ تیری زندگی کا انجام و مآل تو مرنا ہی ہے۔ اور تخاطب یہاں ہر عام سے ہے یعنی ہر جاندار سے اور لفظ "تا چند" سے منظور غافلوں کو متنبہ کرنا ہے اور تیسرے مصرعے میں لفظ اے، جو دوسری بار آیا ہے اس سے مراد خاص حقیقت ناشناسوں سے ہے۔ اُنہیں تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی ترغیب دلانے کی غرض سے جو روحانی فنا ہے اور اس کا منادیٰ سارے مغرور اور خود پرست ہیں۔ یعنی اے غرور کرنے والے، مغرور ہونے والے اور خود پرست انسان اور وہ مضاف ہے وہم کی طرف اور خود پرستی کی طرف اور یہ مرکب کلمہ ہے جو ایک لفظ بن گیا ہے اور اسی مصرعے کے

Marfat.com

کے آخر میں جو لفظ مرد استعمال ہوا ہے اس کے معنی ہیں جوانمرد اور باہمت انسان، اور حرف (ی) جو اس کے آخر میں ملایا گیا ہے ضمیر متصل مخاطب ہے۔ جس کے معنی ہیں اسے کہ تو اگر جوانمرد ہے۔ پیش از مردن کے کلمات سے منظور یہی زندگی کا فرصت کا زمانہ ہے۔ اور مردن سے یہی ظاہری مرنا اور دوسرا لفظ مردن جو چوتھے مصرعے کے آخر میں ہے اس کا مطلب قلب و نفس کی فنا کا حاصل ہونا اور خواہشاتِ انسانی اور مرغوبات سے بالکل خالی ہوتا ہے اور فنا فی اللہ ہو جاتا، اور لفظ مردن جو ردیف ہے ہر جگہ اور ہر مصرعے میں اک جداگانہ لطف و معنی دیتا ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ ہر جاندار سے تخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اے انسان تیری زندگی کا انجام اور اصل علت تو موت ہی ہے اور اس مادی جسم اور نفس ناطقہ میں کچھ عرصے بعد جدائی ہو کر رہے گی۔ اور چار و ناچار نفس ناطقہ اس بدن سے تصرف چھوڑ دے گا اور جسمانی ترکیب تحلیل ہو کر رہے گی۔ پس تو اس مستعار اور ناپائیدار زندگی کا کب تک مشتاق رہے گا۔ اور کب تک اس زندگی و روزگار کے شغلِ معیشت میں محو و مستغرق رہے گا۔ اے حقیقتِ ناشناس تو جو اپنے ہی وہم و خود پرستی پہ مغرور اور خوش و خورسند ہے اور تجھے تن پروری کے اسباب حاصل ہیں تب معلوم ہوگا کہ تو جوانمرد اور باہمت انسان ہے کہ اگر زندگی کے اس قلیل عرصے میں ظاہری موت نہیں۔ حیوانی موت سے پہلے ہی مر جائے اور فنائے قلب اور فنائے نفس کی حالت حاصل کرے اور نفسانی و جسمانی خواہشات اور لذات سے بالکل خالی ہو جائے اور فنا فی اللہ ہو کر مرنے سے پہلے ہی مر جائے۔ دیکھئے یہ آیت کریمہ کہ ان سے کہو جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تو تمھیں آ کر ہی رہے گی اور تم اس کے سامنے پیش کیے جاؤ گے خواہ تم قلعی چونے کے مضبوط قلعوں میں کیوں نہ ہو۔ یہ بھی جان لو کہ بزرگانِ دین یعنی حضرات انبیائے کرام اور اولیائے کرام (ان کو خدا کی خوشنودی حاصل ہو) جنھوں نے اپنے نفس و طبیعت کی شکست پہ کمرِ ہمت باندھ رکھی اور اپنے نفس کی مخالفت پہ سعی و جد و جہد کی اور انواع و اقسام کی ریاضات اور عبادات سے اُسے شکستہ حال رکھا یقیناً ہر عقلمند کے نزدیک ہماری تمھاری نسبت جو کہ ان کے پیروکار ہیں وہ زیادہ دانشمند تھے اور ان کی عقل اور فہم و فراست کامل تر تھی اور تقاضائے بشریت کے مطابق ان کا نفس بھی ہماری طرح نفسانی و جسمانی لذات و مرغوبات کی طرف میلان رکھتا تھا اور اُنھیں بدی پر اکساتا تھا، جیسا کہ حق سبحانہٗ

Marfat.com

تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بے شک نفس امارہ گناہوں کی ترغیب دیتا ہے اور یہی بات روحانی ترقی کا موجب تھی ورنہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کا کام تو فرشتے بڑے احسن طریق سے سرانجام دیتے تھے۔ اور زمین میں فساد پھیلاتے اور خون بہانے والی نوعِ انسانی سے اپنا خلیفہ (نائب حق) پیدا نہ کرتا۔ پس وہ لوگ جو بارگاہِ الٰہی کے مقرب اور اللہ کے برگزیدہ بندے تھے۔ ہر چند کہ ان کا نفس انھیں مرغوبات کی طرف رغبت دلاتا تھا لیکن وہ اس کی مخالفت کی سعی کرتے رہے اور اپنے نفس کو رضائے حق کے خلاف اور غیر شرعی امور سے روکتے رہے اور نفس کی مخالفت کرکے اس کے تزکیہ پر متوجہ رہتے اور نفس کا تزکیہ کرکے اُسے مہذب بناتے، اور اس نفس امارہ کو نفس مطمئنہ بناکر اس خطاب کے قابل بناتے کہ اے نفس مطمئن چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے نیک انجام سے) خوش اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اور اللہ تجھ سے راضی اور تو اُس سے راضی کا مژدۂ جانفزا سُنتے۔ پس جس چیز پر جمہور دانشوروں کا اتفاق ہو اس کی خلاف ورزی پشیمانی کا باعث بنتی ہے اور وہ طریق جس کی طرف انبیائے علیہ السلام نے رہنمائی فرمائی اس سے روگردانی، پریشان حالی اور سرگردانی کا موجب ہے۔ اور اپنے ناقص فہم اور لاحاصل دریافت پہ کلی بھروسہ ایمانی کمزوری سے رونما ہوتا ہے۔ کیونکہ سچے مومنوں کو خدا اور رسول ؐ کے فرمودات پر کامل یقین رکھنا چاہیے۔ کیا ہوا اگر بعض امور تمھارے اپنے فہم میں اس وقت معقول دکھائی نہیں دیتے اور امر محال معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حق وہی ہے جو خدا و رسول ؐ نے فرمایا اور جس کی ہمارے مرشدوں نے خبر دی ہے۔ نہ یہ کہ حق وہی ہے جو خود اپنے آپ کو نامعقول نظر آئے۔ اور محال دکھائی دے اور جو کچھ اپنی سمجھ میں نہ آئے وہ باطل ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب تو گویا حقیقتاً اپنی ہی سمجھ بوجھ پہ ایمان و اعتقاد رکھنا ہے۔ نہ کہ خدا و رسول ؐ اور مرشدوں کے فرمودات پہ۔ پس مسلمانوں کو ظاہری اور باطنی طور پہ بڑی رضا و رغبت سے صرف احکام الٰہی کی اطاعت اور رسول اللہ کا اتباع اور برگزیدگان حق کی پیروی کرنی چاہیے۔ شریعت مصطفویہ اور طریق محمدؐیہ سے انحراف اور اس کی مخالفت مومنوں کو زیب نہیں دیتی۔ جیسا کہ خدا نے خود فرمایا ہے کہ اے نبیؐ وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے۔ انھی کے راستے پر تم چلو۔ پس اپنی عقل کو انھی بزرگانِ دین کی عقل کے تابع رکھنا ہی دانشمندی اور ایمانداری ہے۔ اور اپنے آپ کو

Marfat.com

سارے عاقلوں اور خداوندِ تعالیٰ کے مقربوں سے عاقل تر اور دانا تر سمجھنا محض نادانی اور جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور یہ سراسر حماقت ہے۔ پس ہمت سے کام لے اور اتباع کے کمال کی راہ پر گامزن رہ اور لذات اور مرغوبات سے ہاتھ کھینچ لے اور اپنے نفس کے خلاف اقدام کر اور ساری نفسانی اور جسمانی خواہشات اور لذات سے دست بردار ہو جا۔ اور محض جواز اور جائز ہونے کا سہارا نہ لے۔ اور ریاضات و عبادات اپنے نفس کا تزکیہ کر۔ اور اپنے آپ کو شرعِ دینِ متین کے مطابق ریاضات و عبادات میں مصروف رکھ، اور حضور پاک سے منقول دعاؤں کو ورد دینا اور حکم دیئے گئے ذکر اذکار میں مشغول رہ۔ اور محمدیؐ طریق کے معمول کے ذکر اذکار اور امداد و وظائف اور اعمال پر دائمی طور پر مسلسل قائم رہ۔ اور بے کیف حضوری و مشاہدۂ ذات میں محو و مستغرق ہو کر اپنے ایمانِ بالغیب کو اتنا مستحکم کر کہ اس کے نتائج اور آثار تیرے ظاہر و باطن پر اسی عالمِ شہادت میں طاری ہو جائیں۔ اور تو دنیا ہی میں بے حرف اور بے صدا الہامات اور تنزیہی مقدس تجلیات سے مشرف ہو جائے۔ اور اس آیت کریمہ کے بموجب عاقبت میں بھی انواع و اقسام کی عنایاتِ خداوندی سے فائز ہو جائے۔ کہ جو لوگ بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں یقیناً ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ کیونکہ اس ایمانی کیفیت اور ذاتِ حق کی طرف رجوع اور آئین و دینِ اسلام کے اختیار کرنے اور جملہ احکامِ خداوندی کے اتباع کی برکت سے تو اپنی خودی و انا کو مار سکے گا اور اپنی دید و فہمید کے ظن و گمان سے خلاصی پا لے گا اور نفس اور طبیعت کی گرفتاری سے رہائی حاصل کر لے گا۔ اور دنیا اور اس کے متعلقات بلکہ ماسوی اللہ سے مکمل باطنی انقطاع حاصل ہونے سے تیرے دل میں سوائے حضوری و رفاقتِ حق کے اور کچھ بھی نہ رہے گا۔ بلکہ قربِ حق کی بدولت حضور و شہود کا ادراک بھی نہ رہے گا اور تیرے باطن پر سوائے ذاتِ حق کے اور کسی چیز کی سمائی نہ ہو گی۔ اور مرتے وقت جس کی شدت ہر کسی کو درپیش ہو گی تیرے منہ میں حیرت و حسرت کی انگلی نہ ہو اور ان فانی دنیاوی مرغوبات کی الفت تجھے اپنی طرف کھینچ کر اس جماعت میں نہ لے جائے جس کے متعلق قرآن پاک فرماتا ہے کہ کاش تم دیکھو وہ وقت جب یہ مجرم سر جھکائے اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہوں گے۔ اور تیری ضعیف ایمانی قوت تجھے مضطر اور بے وسیلہ نہ بنا دے۔ اور دنیوی اسباب کی ہوس تیرے باطن میں حسرت

Marfat.com

کی آگ نہ بھڑکا دے۔ اور اس دُنیا سے جدائی کی آگ تیرے دل کو نہ جلائے، بلکہ اس دمِ واپسیں موت کا تصور تیرے باطن کو اس خیال سے مسرور کردے کہ یہ موت تو حبیب کو حبیب سے ملا دینے والا ایک پُل ہے اور اس آیت کریمہ کے بموجب تیرے دل میں اُمید کی یہ جوت جگا کر ایمانی قوت کو مزید قوی کردے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا۔ اور تیرے دل میں یہ شوق پیدا ہو جائے کہ جو لوگ اللہ سے ملاقات کی اُمید رکھتے ہیں تو بے شک اللہ کا اجل آنے والا ہے اور یہ بشارت کہ جس کو جس کسی سے محبت ہوگی اس کا شمار اسی کے ساتھ ہوگا۔ گناہگاروں کے شافع روزِ جزا کی زیارت کے اشتیاق وشوق کی نوید کی محرک ہوگی۔ اور اپنے بزرگوں کی محبت کا جوش ان کی قدم بوسی کا سخت مشتاق بنا دے گا۔ اور ربِ رحیم کی الفت ومؤانست کی کیفیت دلی اطمینان بخشے گی اور حوادث کی اس دُنیا سے ایمان کی سلامتی کے ساتھ رخصت ہونے سے مکمل خوشی حاصل ہوگی۔ ہاں ہاں موت امیروں کے لیے حسرت اور درویشوں کے لیے راحت ہوتی ہے اس مقولے کے یہی معنی ہیں۔ پس چاہیے کہ جب تک زندہ ہو جہادِ اکبر میں مصروف رہو۔ اور عبادات وریاضات میں سرگرمِ عمل رہو۔ اپنے آپ کو آرام طلب نہ بناؤ۔ اور فارغ اور بیکار نہ رہ۔ دُنیا میں آسودگی محال ہے۔ نہ کسی کو نصیب ہوئی اور نہ ہوگی۔ جس کسی نے اس خیال کو اپنایا اس نے اپنی عمر کو ضائع کیا۔ اور فرصت کی اس مہلت کو ہاتھ سے کھو دیا۔ اور زندگی کی یہ کال کوٹھری تو عجیب قسم کے خس وخاشاک اور کانٹوں کا اک پنجرہ ہے۔ آزادگی کا خیال محض اک وہم ہے اور اک فضول گمان کہ جس کا کوئی امکان نہیں۔ رباعی:

خونِ جگرت ہنوز خوردن باقی ست
یعنے نفس چند شمر دن باقی ست
از کشمکش ہستیٔ آفت بنیاد
معلوم نجات تا کہ مُر دن باقی ست

ترجمہ رباعی: ابھی تجھے مزید خونِ جگر پینا باقی ہے۔ یعنی زندگی کے کچھ سانس اور لینے باقی ہیں۔ اس آفت بنیاد ہستی کی کشمکش سے ہنوز نجات ورہائی کی صورت نظر نہیں آتی، کیونکہ

Marfat.com

ابھی موت کا مرحلہ باقی ہے۔ (مصنف رباعی کی تلمیحات و اشارات و کنایات کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ) خونِ جگر خوردن سے مُراد ہے دین و دُنیا کے امور میں غم کھانا۔ غم کی حالت میں خون یقیناً خشک ہو جاتا ہے۔ گویا پھر خونِ جگر ہی پینا پڑتا ہے۔ لہذا خون خوردن یا خون خوردن غم و غصّہ کھانے کے معنوں میں آیا ہے۔ اور یہ محاورہ فارسی محاورات میں مستعمل اور رائج ہے۔ نفس چند شمردن کے کلمات سے منظور ہے چند روزہ زندگانی کا زمانہ جو چند لمحات اور سانسوں سے زیادہ نہیں، نیز اصطلاحی طور پر جو نفس شماری ابھی درپیش ہے وہ ہے حالتِ نزع کا طاری ہونا اور موت کی مستی و بیہوشی۔ اور کشمکش سے مراد ہے بدنی تقاضوں کا انسان کو اپنی طرف کھینچنا اور روحانی تقاضوں کا اپنی طرف کھینچنا یعنی جسمانی اور روحانی مقتضیات کی کھینچا تانی۔ اور لفظ ہستی جو لفظ کشمکش کا مضاف الیہ ہے اس سے مراد ہے دنیوی زندگی یعنی اس دُنیا کا قیام۔ اور آفت بنیاد کے کلمات اس مذکورہ بالا زندگی کی صفت ہے اور بنیاد آفت شدن سے مُراد ہے دونوں کا بلاؤں اور آفتوں پہ مبنی ہونا ہے۔ اسی اعتباری ہستی میں جو دُنیا میں حاصل ہے۔ اور حاصل مطلب رباعی کا یہ کہ بنی نوع انسان کے ہر کسی فرد سے تخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اے جاندار عزیز ابھی دین و دُنیا کے امور کا غم کھانا اور اُن سے غمگین ہونا تیری قسمت میں باقی ہے کیا ہوا اگر اس وقت تو بزعم خود کامیابی کی مسند پہ براجمان ہے اور آخرت کی زندگی کی تجھے کوئی پرواہ نہیں یعنی اس چندروزہ زندگی کا زمانہ جو چند سانسوں سے زیادہ نہیں تاحال بطور خود قائم ہے نیز اصطلاحی لفظ نفس شماری کا مطلب جان کنی اور نزع کی حالت ہے جو ہنوز درپیش ہے۔ لہذا جسمانی اور روحانی مقتضیات کی اپنی اپنی طرف کھینچا تانی تجھے اس عالم ہستی میں جس کی بنیاد ہی بلاؤں اور آفتوں پر ہے سے فراغت نصیب نہیں ہونے دیتی۔ اور نہ ہی رہائی اور نجات کی کوئی صورت نظر آتی ہے۔ کیونکہ وہ بڑا مرحلہ جسے موت کہتے ہیں ہنوز باقی ہے۔ اللہ خاتمہ بالخیر کرے۔ اور تمھیں یہاں سے آسانی سے لے جائے اور اللہ اپنے فضل و کرم سے تجھے قبر کے عذاب، عالم برزخ اور قیامت اور دوزخ سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اے ہمارے رب ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر گرفت نہ کر۔ مالک ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار جس بار کو اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہم پر نہ رکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر۔ ہم سے درگزر فرما ہم پر رحم کر تو ہمارا مولیٰ ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑے رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے کہ ادراک اس کے پانے سے عاجز ہے اور وہ ہر چیز کو پالیتا ہے اور پاتال (تحت الثریٰ) سے فرقدین تک ۔ اور درود وسلام ہو اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اگر وہ نہ ہوتے تو افلاک نہ بنائے جاتے ۔ اور آپ کی آل رضی اللہ عنہ اور اصحاب رضی اللہ عنہم پر جو ارباب اضمحلال اور ہلاکت چاہنے والے ہیں ۔ اما بعد یہ ستاسی واں (۸۷) باب ہے جو تحذیر (ڈراتا) سے موسوم ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ڈراتا ہے تم کو اپنی ذات سے اور اللہ مہربان ہے بندوں پر اور تحذیر سے مُراد اس کی ذاتی نرمی ہے اور نفسی رحمت ہے جو اس نے اپنے آپ پہ لکھ رکھی ہے ۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے لکھ لی ہے اپنے نفس پر رحمت، اور اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ ڈرائے تم کو سوچنے سے اس کی ماہیت کو پانے سے کیونکہ اس ذات کی ماہیت کو پانے کے لیے غور و فکر میں ہلاک ہو جاتا ہے بندہ اس کے ذاتی جلال کے تقاضے کے تحت اور ہو جاتی ہے اس کبریائی کے مقام پر ہر چیز ہلاک ہونے والی سوائے اللہ تعالیٰ کے چہرے کی اور یہ فکر کچھ فائدہ نہیں دیتا بلکہ انسان کو نقصان پہنچاتی ہے اور منقطع ہو جاتا ہے اس سے پہنچنے کی امید کا سلسلہ اور ہو جاتا ہے بندہ مایوس ادراک اور پانے سے، کیونکہ وہ جب نہیں سمجھ پاتا ماہیات ممکنہ میں سے کسی ماہیت کو اُس کی اصلیت کے ساتھ مگر ظاہر اور اعتبار کے ساتھ ۔

Marfat.com

پس ہمیں ماہیتِ واجبیہ کا کیسا ادراک ہو سکتا ہے۔ جو کہ پاکیزگی اور تقدس کی انتہا پر ہے اور وہ ورا الورا ہے ان کی عقول کے تصور سے اور ان کے فہموں کی سوجھ بوجھ سے۔ پس اللہ کے کامل بندے جو اللہ کے خلیفہ بھی ہیں ڈرتے ہیں غور و خوض سے ذات کے مرتبے میں اللہ تعالیٰ کی سنت پر، اور روکتے ہیں اس میں سوچنے سے اور کہتے ہیں نہ غور و فکر کرو اللہ کی ذات میں مخلصین اور مومنین پر نرمی اور رحم کرتے ہوئے اور ان کی اس سے غرض روکنا ہے ادراک کے قصد سے جو اس طریق پر ہو جس پر دلالت کرتی ہے عقل قیاسات براہنیہ کے ساتھ جیسے کہ پہلے حکما اور اُن کے تابعین اس کی طرف کیونکہ طاقتِ بشریہ تن تنہا اس امانت کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اور عقل انسانی نہیں پہنچ پاتی اس کے ادراک کو اس طرح جیسے اس کا حق ہے مگر وہی شخص جسے چُن لیا اللہ تعالیٰ نے دُنیا اور آخرت میں اور اس کی مدد کی روح القدس کے ساتھ اور اُس کا پردہ اُس سے دُور کر دیا اور بنا دی اس کی نگاہ تیز۔ پس یہ منتخب بندہ مشاہدہ کرتا ہے اس پاکیزہ اور مقدس مرتبے کا بصیرت کی نگاہ سے اور عبادت کرتا ہے اللہ کی ایسی کیفیت میں گویا کہ اُسے دیکھ رہا ہے حق معرفت کے ادراک عاجزی کے اعتراف کے ساتھ۔ پس تم پر اے محمدیو! اس کے ساتھ کہ تم نہیں پہچان پاتے اللہ کو ویسے جیسے کہ اس کو جاننا چاہیئے اور وہ ورا الورا ہے تمہاری عقلوں سے اور تمہارے فہموں سے اور تم اُسے نہیں سمجھ پاتے جیسا کہ اس کا حق ہے کبھی بھی اگرچہ تم اُسے پالو تمام چیزوں کے ساتھ جو تم پاتے ہو۔ اور نہ عبادت کرو مگر اُسی کی اور منقطع ہو جاؤ ہر اس چیز سے جو اس کے علاوہ ہے اور غرق ہو جاؤ اس کے مشاہدے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اور پکڑ لو ایمان کی مضبوط رسی کو پوری قوت سے اور ثابت قدم رہو یقین کی مضبوط رسی کے ساتھ یہاں تک کہ جس طرف کہ تم اپنا منہ پھیرو وہیں تم پالو اللہ کے چہرے کو اور تمہیں حاصل ہو جائے قوی مشاہدہ اس حیثیت میں گویا کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو قوتِ باصرہ کے ساتھ۔ اگر تم اُسے نہیں دیکھ رہے تو جان لو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے بندوں کو۔

Marfat.com

ذات پاک کے تنزیہہ اور ادراک کی نارسائی کے بیان کا باب

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے کلمات سے مُراد ہے اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات اپنی بلندی و تقدس سمیت اور انسانی فہموں اور عقلوں کے ادراک کی اس کی ماہیت سے کماحقہٗ نارسائی، اور ممکنات کے علم کا ذاتِ واجب کا احاطہ نہ کر سکنا۔ کیونکہ یہ امر محال ہے بلکہ وہ تمام اشیا پہ محیط ہے۔ بے شک اللہ کو تمام اشیا کا علم ہے اور وہ بلند و عظیم ہے۔ یہ سمجھ لیجیے کہ تنزہ (بے عیب ہونے) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقیقی تنزہ اور وہ اضافات کا مطلقاً سلب ہونا ہے۔ کیا اضافاتِ تشبیہی اور کیا اضافاتِ تنزیہی۔ اس تنزہ مطلق میں تنزہ اور تشبیہ ایک دوسرے کا عین ہی ہیں۔ یعنی تشبیہی اضافات کے سلب کے اعتبار سے اعتباری تنزہ میں شمار ہوتا ہے۔ اور سلبی اضافات کے سلب کے لحاظ سے تشبیہ اضافی میں داخل ہے۔ ورنہ نقیضین (باہم توڑنے والوں) کی بلندی لازم آتی ہے۔ اور وہ امر محال ہے۔ اور یہ تنزہ (بے عیب ہونا) حق تعالیٰ کا ذاتی وصف اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذاتی شانوں میں سے ہے۔ اور یہ باب تنعل میں سے ہے لازم کے معنوں میں۔ اور یہ ذات پہ زائد نہیں ہے بلکہ اس کا عین ہے اور باقی سب تنزیہی (بے عیب) مراتب کے نکلنے کا منبع و مبدا۔ ایک اضافی تنزہ ہے، اور وہ فقط تشبیہی اضافات کا سلب ہوتا ہے۔ اور تنزہ کے اس مرتبے میں مقید تنزہ تشبیہ سے الگ اور جُدا ہے۔ اور یہ تنزہ حق سبحانہٗ کا وصفی امر ہے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کے جملہ افعالِ مقیدہ میں سے ہے۔ اس مرتبے کو مرتبۂ تنزیہہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ باب تنعیل سے ہے اور متعدی معنوں میں ہے۔ اور ذات پر زائد ہے اور نکلنے والے امور اور معقولات سے دوم درجے پہ ہے۔ تشبیہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تشبیہ حقیقی اور اضافات کا مطلقاً واجب ہوتا ہے، کیا تنزیہی اضافات اور کیا تشبیہی اضافات۔ اس مطلق تشبیہ کے مرتبے میں وہ تشبیہ اور تنزہ ایک دوسرے کا عین ہیں، یعنی کہ تشبیہی اضافات کے لزوم سے اعتباری تنزہ کے مرتبے میں شمار ہوتا ہے اور یہ تشبیہ ذاتِ حق تعالیٰ کا ذاتی وصف ہے اور ذاتِ سبحانہٗ کی جملہ شانوں میں سے ہے بلکہ وہی ایک مرتبہ ہے کہ اُس مرتبے کے باطن کو دیکھا جائے تو تنزہ مطلق کہا جائے گا اور اس مرتبے کے ظاہر کی

Marfat.com

طرف دیکھا جائے تو تشبیہ مطلق کہا جائے گا۔ تشبیہ مطلق کا یہ مرتبہ جو حضرت واجب الوجود کا ظاہر ہے۔ دیگر تمام تشبیہی مراتب کے نکلنے کا منبع ومبدا ہے۔ ایک ہے تشبیہ اضافی۔ اور یہ فقط تشبیہی اضافات کا لزوم ہے اور اس مقید تشبیہ کے مرتبے میں تشبیہ تنزہ سے بالکل الگ اور جدا ہے۔ اور یہ تشبیہ ذاتِ سبحانہٗ کا وصفی امر ہے اور اس کے منجملہ وصفی افعال میں سے ہے اس مرتبے کو مرتبۂ تشبیہہ کہا جا سکتا ہے نہ کہ تشبیہ اور یہ ذات پہ زائد ہے اور معقول دوم ہے اور تنزیہہ وتشبیہہ کے یہ مراتب جو تنزہ وتشبیہ کے مراتب سے الگ ہیں۔ مرتبے میں دائرہ امکان سے برتر ہیں۔ اور اسمائے ذات وصفاتِ الٰہیہ کے مقتضیات اور تمام دینوی، عالمِ غیب اور عالمِ شہادت کے مادی اور مجرد اصول کے رنگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ پس انسان جو مجرد و مادی امور کا مجموعہ ہے اپنی استعداد اور ادراک کے مطابق ان تنزیہی اور تشبیہی مراتب سے بہرہ مند ہوتا ہے، یعنی اس کا ظاہر اپنی اہلیت کے مطابق تشبیہی تجلیات سے محظوظ ہوتا ہے اور اس کا باطن اپنی حیثیت کے مطابق تنزیہی مراتب سے اپنا نصیب حاصل کرتا ہے اور اپنے اس تنزہ و تشبیہ کے ذاتی مرتبے کو ذاتِ باری تعالیٰ خود ہی بہتر جانتا ہے پس اس کی حمد وثنا کا احاطہ نہیں ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ وہ اپنی ذات میں ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ تنزہ وتشبیہ کا مرتبہ جو تنزیہہ و تشبیہہ کا منبع اور کامل ترین ہے۔ حق تعالیٰ کا ذاتی وصف ہے اور وجوبی کمالات میں داخل ہے جسے ممکنات نہیں پا سکتے اور انسانی فہم وعقل اس کے ادراک سے عاجز ہیں اور انسانی آنکھیں اور نگاہیں اس کے دیکھنے سے قاصر ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ اُسے کوئی نگاہ نہیں پا سکتی ایمان بالغیب کا یہی مدعا ومقصود ہے۔ جو نامعلوم تعریف کے اسلوب پہ اسی بلند مرتبے سے جا ملتا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ یہی ہیں وہ پرہیزگار لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اپنے رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں۔ اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اور تنزیہہ وتشبیہہ کا یہ مرتبہ جو نکالے جانے والا امر ہے اور اس مرتبے کا سایہ اس کے نکلنے کا منبع و مبدا ہے یہی علم کے آئینے میں منعکس ومنقوش ہوا اور اپنی موجودیت اور حصولیت کے لحاظ سے اس کا رُخ امکان کی جانب ہے۔ اور ان واجب الذّات کے تحقق اور ثبوت کے لحاظ سے اس کا رُخ وجوب کی جانب ہے۔ اور یہ واجب اور امکان کے درمیان اک واسطہ ہے۔

Marfat.com

واجب کے لیے فیض رسانی کا اور حقائق ممکنہ کے لیے ان کے مستفیض ہونے کا۔ اور قرآن مجید میں جو یہ حکم آیا ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اس کی جناب میں باریابی کا ذریعہ تلاش کرو، گویا اسی تشبیہہ و تنزیہہ کے مرتبے کے اثبات کے لیے ہے۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ تنزیہہ و تشبیہہ کے مرتبے کی وساطت کے بغیر فیض کا راستہ نہیں کھلتا اور ان مراتب کے وسیلے کے بغیر کامل ایمان و اطمینان میسّر نہیں ہوتا۔ کیونکہ تنزیہی مرتبہ آداب کا پھل دینے والا ہے اور مرتبۂ تشبیہہ اس وقت روزے کے کھلنے کا باعث بنتا ہے۔ جب کہ دل تشبیہی عجائب سے مانوس ہو کر بند ہو جاتا ہے اور اُسے تنزیہی لطائف کے تصوّر ہی سے اس جال سے رہائی دلائی جا سکتی ہے۔ اور جو کچھ بھی محسوس ہو اور مشاہدے میں آئے بلکہ جو کچھ فہم اور سمجھ میں آئے اس کی کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے نفی کر کے اس مرتبے کا اثبات کیا جائے جو محسوسات و معقولات سے ماوراء ہے۔ اور یوں غیب الغیب کی لامتناہی فضاؤں میں پرواز کرے۔ اور جس وقت دل تنزیہی مراتب کی سیر و گردش سے تھک کر مایوس ہو جائے تو تشبیہی شواہد کے تصوّر سے اُسے اس وادی سے پلٹائے اور جو کچھ مشاہدے یا محسوسات میں آئے اور عقل و فہم میں سمائے سب کو اسی ظاہر و باطن آفتاب کی نورانی شعاعوں کے دبدبہ میں گم کر کے اس تجلی سے دل کو مسرور کرے کہ جدھر کا تم رُخ کرو، اُدھر ہی کو اللہ کا رُخ پاؤ اور آخرت میں دل کو اس مژدۂ جانفزا کا اُمیدوار رکھنا چاہیے کہ جو صاحب ایمان اللہ سے ملاقات کی اُمید رکھتے ہیں اُنھیں کہہ دو کہ اللہ کا اجل آنے والا ہے۔ نہ تو تنزیہہ کی طرف اس حد تک چلے جاؤ کہ بالکل مایوس ہو کر تنگ دل ہو جاؤ اور نہ ہی تشبیہہ میں اس قدر مصروف ہو جاؤ کہ حق تعالیٰ کو اس دینی موجودات میں گم کر کے الحاد کا دروازہ کھول لو۔ ان کے بین بین راستہ اختیار کرو اور کہو کہ وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے اور وہ ہر شے کے جاننے والا ہے۔ وہ ان چیزوں سے پہلے بھی معبود تھا اور سب اشیا کے بعد بھی معبود ہو گا۔ وہی آسمانوں کا خدا ہے اور وہی زمین کا خدا ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور وہ تمام اشیا پہ محیط ہے اور وہ ہر شے پہ گواہ ہے اور وہ باریک بین اور باخبر ہے۔ وہ سُننے والا ہے وہ جاننے والا ہے اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا بھی کرتا ہے اور اس کا اعادہ بھی۔ اور سب امور کو اسی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اور اسی کی طرف بازگشت ہے۔ نہیں کسی کو قدرت اور طاقت اس کے سوا۔ وہ جو چاہتا ہے

Marfat.com

حکم دیتا ہے۔ اور اُس کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں اور نہیں کوئی بھی جانتا اس کے سوا، اور وہ سب عالموں سے بڑھ کر علیم وخبیر ہے۔ عاقبت کی نجات اور دُنیاوی بھلائی کی فکر کرنی چاہیے اور ظاہری و باطنی طور پر شریعت کے مطابق مشغول بحق رہنا چاہیے اور تحقیق کی رو سے اس ذات سبحانہٗ تک رسائی اور پہنچ کا تردد بالکل بے جا ہے۔ عینیت اور اتحاد کا خیال اک خطا ہے بیچارے ممکن کو جدھر ہانکتے ہیں چلا جاتا ہے اور جدھر بلاتے ہیں بھاگا چلا آتا ہے اور اپنی بساط پر اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔ اور بذاتِ خود وہ کسی مرتبے کا مالک نہیں۔ رباعی:

نے شاہی درد نے گدائی داریم
نے سازِ غنا نہ بے نوائی داریم
نے نشا نارسا و نے نالہ رسا
فریاد ز دست نارسائی داریم

ترجمہ رباعی: اے درد نہ ہم شاہ ہیں نہ گدا یعنی نہ واجب اور نہ ہی عادم۔ نہ ہی استغنا کا ساز رکھتے ہیں اور نہ ہی بے نوائی کا، نہ مکمل استغراق اور دائمی استہلاک رکھتے ہیں اور نہ ہی نالۂ رسا۔ ہم اپنی اس نارسائی کے ہاتھوں فریاد کرتے ہیں۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق رباعی کی تلمیحات، کنایات کا مطلب یوں ہے۔) شاہی سے مُراد ذاتی وجوب ہے اور ذاتی طور پر ملک وجود کا تصرف جو واجب تعالیٰ سے مخصوص ہے اور اسی کی حقیقی ملکیت ہے۔ گدائی سے مراد محض فقدان اور عدمیت کہ مفہوم ممتنع سے مخصوص ہے، اور غنا سے مُراد کسی وقت بھی وجود یا عدم کا محتاج نہ ہوتا اور بے نوائی سے مُراد ہے حالاتی رنگ میں موجودیت کی اہلیت کا نہ رکھنا۔ اور رسائی سے مقصود ہے کلی محویت اور مشاہدۂ ذات میں دائمی استہلاک اور محض بے علمی کا پیدا ہوتا۔ اور رسائی نالہ سے ذاتِ الٰہیہ کی ماہیت کا بیان جیسی کہ وہ ہے اور ماہیات کی تحقیقات ان کی ذات کے لحاظ سے، اور فریاد سے مُراد ہے معارف و مطالب کی اپنی استعداد کے مطابق تحریر و تقریر اور نارسائیِ مطلق سے مُراد ہے کسی امر کا مقیدّ نہ ہونا اور رباعی کے چوتھے مصرعے میں واقع ہے حقیقت ممکنہ کا بھی عدم یا وجود کسی ایک طرف سے مخصوص نہ ہوتا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ سے تخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اے فلاں

Marfat.com

ہم موجوداتِ ممکنہ نہ تو ذاتی وجوب رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنی ذات پہ اور اپنے وجود پہ پورا تصرّف رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ امر محض حق تعالیٰ سے مخصوص ہے اور وہی مالک حقیقی ہے۔ اور نہ ہی محض فقدان اور عدمیت ہمارے نصیب میں آئی، کیونکہ یہ معانی مفہوم ممتنع کے لیے مخصوص ہے اور نہ ہی حقیقت کی یہ کیفیت ہمیں حاصل ہے کہ ہم نہ کبھی وجود کے محتاج ہوں اور نہ عدم کے، کیونکہ اس سے نقیضیں (توڑنے والوں کی) بلندی لازم آتی ہے اور نہ ہی ہمیں یہ حالت نصیب ہے کہ محالات کی طرح موجودیت کی اہلیت اور وجوب بالغیر رکھتے ہیں اور نہ ہی مشاہدۂ حق میں ایسی محویت اور دائمی استہلاک اور مکمل بے علمی رکھتے ہیں جیسے بشری افاقہ سے کوئی سروکار ہو۔ نہ ہی ہم پہ حق تعالیٰ کی معرفت کا یوں انکشاف ہوا کہ ہم ذاتِ الٰہیہ کی کُنہہ و ماہیت کا بیان کر سکیں جیسی کہ وہ ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ماہیات موجودہ کی تحقیقات پہ ان کے نفوس کی حیثیت سے لب کشائی کر سکیں۔ اس معاملہ میں بشری طاقت عاجز ہے۔ ہم نے اُسے نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم نے پہچانا ہے ذات کو اوصاف و اعتبارات و اضافات سے اور یہ اُسے جاننے کا حق نہیں ہے۔ اور وُہ ذات اصلاً جانی نہیں جا سکتی۔ اپنے اعرف المعارف ہونے کے باوجود اپنے نفس کے اندر اپنے نفس کے لیے اور اُس کی مدد سے چیزیں پہچانی جاتی ہیں جو کچھ کہ پہچانی جاتی ہیں۔ ذات خود مجہول ہے اپنی ماہیت میں اور بالوجہ (ظاہری طور پہ) معلوم ہے۔ پس جس طرف بھی تم منہ پھیرو گے اُدھر ہی اللہ کا سامنا ہے۔ بیشک اللہ وسعت دینے والا جاننے والا ہے۔ پس ہم قاصر لوگ اپنی قاصر قوت اور ناقص علمی قوت کے مطابق معارف و مطالب کا جو بیان کرتے ہیں فی الحقیقت وہ ہماری فریاد ہے جو ہم اس ذاتِ الٰہیہ کی عظمت و کبریائی کی بارگاہ میں کرتے ہیں۔ کیونکہ ہماری حقیقتِ ممکنہ وجود و عدم کی کسی ایک طرف مخصوص نہیں ہے۔ جب حق تعالیٰ کے وجوب کے ضمن میں ہر حقیقت ممکنہ وجود کی طرف رُخ کرتی ہے۔ تو اس آیتِ کریمہ کے مطابق کہ سکھا دیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء، کا دروازہ کُھل جاتا ہے۔ اور جب یہ حقیقت ممکنہ اپنے ذاتی عدم کی طرف آتی ہے اور یہ اس قرآنی آیت کے مطابق اپنے چہرے پہ ظالم و جاہل ہونے کا برقعہ اوڑھ لیتی ہے۔ پس رسائی اور واصل ہونے کا

Marfat.com

دعویٰ کیسے اور وحدت و اتحاد کہاں ؟ کیونکہ واصل ہونے کا معاملہ تو کون وحصول کے مرتبے میں ہے اور ان دُنیاوی موجودات کو باہم اتصال و واصل ہونے کی نسبت حاصل ہوتی ہے اور ان کے سلسلے میں کہا جاسکتا ہے کہ فلاں فلاں سے واصل ہوگیا ، یا فلاں چیز کو فلاں چیز سے اتصال ہے۔ ہر چند کہ اتصال و علیحدگی مادہ و مادیات سے مختص ہے۔ لیکن موجودات میں بھی قرب و فراق کا اطلاق کرتے ہیں۔ اور نفوس کو مقارنات (قرب والی) اور عقلوں کو مفارقات (فرق والی) کہتے ہیں۔ یعنی نفوس اجسام سے نزدیکی و قرب پیدا کرتے ہیں اور بدنوں پر تصرف جماتے ہیں اور عقول کو بدنوں پر تصرف نہیں۔ وہ اجسام میں اثر انداز ہوتی ہیں۔ اسی لیے اُنھیں مفارقات یعنی فرق کرنے والی کہتے ہیں۔ پس واجب تعالیٰ کی مقدس ذات تک جو تمام مجردات سے قریب نہیں اور وہ بے عیب ذات علیحدہ ہے اس تک رسائی کا احتمال کیسے ہوسکتا ہے۔ کیونکہ واصل ہونے کے معانی کے لیے حصولیت درکار ہے اور یہ کیفیت تو دنیاوی حیثیات سے ہے، اور دینوی موجودات کے لیے حادث ہونا لازم ہے خواہ وہ ذاتی ہو یا زمانی۔ اور حادث کو قدیم سے کیا نسبت ؟ مگر نارسائی کی یہی نسبت اور ممکنات کے ذاتی حدوث کی کوتاہ دستی کی اضافت واجب تعالیٰ کی قدیم ذات کے دامن عظمت و کبریائی تک پہنچتی ہے اور واصل نہ ہوتے کا یہی اعتراف حصول کی حقیقت کے ادراک پر دلالت کرتا ہے۔ اور اپنے ادراک کا عجز ہی اس مقام کا ادراک ہے۔ اور اُس جل جلالہٗ کے مرتبۂ عظیم تک واصل نہ ہوسکنے اور اُس کے عدم دریافت کی دلیل ہے۔ اور ایسے امور کے توہمات سلوک کے وسطی دور بلکہ ولایت کے ابتدائی معاملات میں شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ولایت صغریٰ کے مقام پر تقویت پکڑ جاتے ہیں اور ان کے مفصل نتائج اور ثمرات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور عجیب قسم کے ذوق وحال اور وجد کی کیفیات رونما ہوتی ہیں۔ اور عینیت ، اتحاد ، واصل و شامل ہونے کے حقائق و معارف کا انکشاف ہوتا ہے۔ لیکن ولایت کبریٰ اور اس مرتبے سے بلند مقامات طے ہونے کے بعد کمالات نبوت کے معاملات کا آغاز ہوتا ہے تو وہم پر دلالت کرنے والے یہ تمام توہمات چھپ جاتے ہیں اور دیگر لطیف و تنزیہی معاملات کا انکشاف دوسرے عالم میں ہوتا ہے۔ اور یہ اس عالم مقام کا قرب سالک سے کہیں بڑھ کر قوی اور بدرجہا اعلیٰ ہوتا ہے۔ ہر چند کہ یہ دوئی کے لحاظ سمیت ہوتا ہے یعنی اس

Marfat.com

عینیت کی نسبت کے توہم سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے اور اُس کا رنگ حضرات انبیائے کرام کے رنگ کی مانند ہوتا ہے اور حق بات تو یہ ہے کہ یہی بزرگانِ دین بنی اسرائیل کے انبیاءؑ کی مانند ہیں اور انبیائے علیہ السلام کا ورثہ اللہ تعالیٰ کے انہی برگزیدہ بندوں کے حال کے مناسب و شایان ہوتا ہے۔ اور جب اس مقام سے بھی ترقی واقع ہو جاتی ہے اور اس مقام سے بلند تر مقامات بھی طے ہو جاتے ہیں تو قدم وہاں جا پہنچتا ہے جو تمام مقامات کا منتہی اور تقرب کی تمام جہات کی حد بندی کرنے والا ہے اور خاتم النبیینؐ (ان پر خدا کی تمام سلامتیاں اور مکمل درود ہو) کے مبارک قدموں تلے جگہ مل جاتی ہے۔ اور خالص محمدیت کے مقام پر قرار نصیب ہو جاتا ہے اور گہرے رموز، سچے معاملات، حقی تجلیات، قلبی لشارات، یقینی تقربات، کھلی آیات اور ظاہری آداب وشرعی حقائق اور محمدیؐ معارف کا اک عجیب وغریب دروازہ کھل جاتا ہے کہ اس کی تشریح محمدیوںؐ کے اس احقر ترین انسان اور ان کے آستانہ عالیہ کی خاک کے پتلے سے ہو نہیں سکتی۔ عبارت ان کی کماحقہٗ ادائیگی کا ساتھ نہیں دیتی۔ بہر حال واصل ہونے کے دعوے تو جاہل طبیعوں کے کرشمے ہیں۔ اور متحد ہونے اور اس تک رسائی مانع حقیقت ہے کیونکہ واصل ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ واصل کا پھر اپنا کوئی نام ونشان نہ رہ جائے اور جس سے واصل ہوتا ہے اس کے سوا اور کچھ باقی اور موجود نہ ہو۔ یہ ہے وصل حقیقی اور اتحادِ حقیقی اور یہ مقام خسیس، حادث اور ممکنہ موجودات کی کسی نوع کو کبھی بھی واجب تعالیٰ کے مقدس اور قدیم مرتبے تک حاصل ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ کیا مسئلہ توحید شہودی کے انداز سے اور کیا توحید وجودی کے لحاظ سے، کیونکہ توحید شہودی کے اعتبار سے تو خود بخود ظاہر ہے کہ اس صورت میں حقائق ممکنہ کے نفوس کبھی ذات واجب تعالیٰ کا عین نہیں ہو سکتے، بلکہ سالک کی باطنی نگاہ سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے نور شہود میں ستاروں کی طرح چھپ جاتے ہیں جو ہر روز سورج کی درخشندہ شعاعوں کے سامنے گم ہو جاتے ہیں اور اپنی ہستی سے نیست ہو کر عین آفتاب کی ذات نہیں بن جاتے اور توحید وجودی کے اعتبار سے بھی مقیدّ مطلق کا عین نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ مطلق مقید کا عین نہ بھی ہو اور وحدت الوجودی صوفیا کے نزدیک بھی یہ معانی ثابت شدہ ہیں۔ اور انھوں نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے۔ پس حق تعالیٰ کی ذات میرا سے وصل و رسائی

Marfat.com

قربِ حقیقی کے مانع ہے، اور انبیائے علیہ السلام کی اصیل و شریف نسبت سے محروم رکھتی ہے۔ اور اس مرتبۂ بلند تک رسائی کے گمان سے جو ایمان بالغیب ہے اور جس کی کلامِ الٰہی میں کئی جگہ بشارات بھی آئی ہیں سے رُک کر ظلّی وصل کے دھوکوں سے جس کی کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے نفی کی گئی ہے اس سے نکال کر خوش و خرم کر دیتی ہے۔ پس وحدت الوجودی فلسفیوں کی طرح موجودات کے صور علمیہ (جیسی کہ وہ فی نفسہٖ ہیں) کے خیال میں کھوئے گئے ہیں۔ اور حقائق ممکنہ کی ذاتوں کے عدم و وجود واقع کے اعتبار سے ان کی عینیّت اور غیریّت کو اپنی سمجھ کے مطابق بیان کیا اور اس ایمانی قوت اور اتباعِ رسولؐ کی طرف عقیدت کی نگاہ نہیں ڈالی جو اُمتیوں کو ڈالنی چاہیے۔ اور نہ ہی مومنوں کے اصلاحِ احوال کی طرف آنکھ کھولی ہے، اور نہ ہی ان تحقیقات کے ماحصل کی طرف دیکھا ہے۔ وہ نجات وغیر نجات اور حال اور انجام کی خیر و برکت سے سروکار نہیں رکھتے، اُنھوں نے وہی کچھ بیان کیا ہے جو کچھ اُنھیں اپنی وجدانی کیفیت میں ظاہر ہوا۔ اگرچہ سرسری نگاہ میں عقلی قواعد کے حساب سے ان کے مسائل بھی فلسفیوں کے مسائل کی طرح معقول دکھائی دیتے ہیں اور مدلل اور مضبوط معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ اس قرب و نسبت کے نور سے جو اہل کمالاتِ نبوت کے اتباعِ نبوی کے نور سے ظاہر ہوتا ہے، بے بہرہ ہیں۔ سمجھنا یا نہ سمجھنا کسی کام نہیں آتا۔ اصل چیز جو درکار ہے وہ ہے رسولؐ اللہ کی سنت کا اتّباع اور قلب کا ماسوی اللہ سے بالکل خالی ہونا۔ وحدت الشہودیوں نے حضرات انبیاءؑ علیہم السلام کے کامل اتباع پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اور اپنے متبوعین کی طرح اُنھیں بھی دونوں جہانوں میں اپنے اور دیگر مومنوں کے حال کی اصلاح ملحوظ خاطر ہے۔ وہ اپنے قلب اور سینے کو ماسوی اللہ کی یاد سے بالکل خالی رکھتے ہیں۔ اور اُسے حضوری و مشاہدۂ ذاتِ حق سے منور رکھتے ہیں۔ اور موجودات کے عدم و وجود اور ان کی عینیّت اور غیریّت کی طرف توجہ مبذول نہ کرتے ہوئے ان امور کے اثبات یا نفی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ اور وہ اس کیفیت اور حالت کے حصول کو منظورِ نظر رکھتے ہیں جیسے کہ ستارے دن کے وقت آنکھ سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اور قلب کو ماسوی اللہ سے خالی کرنے کو معتبر سمجھتے ہوئے ان کی ذاتوں کے موجود ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق پر توجہ نہیں دیتے۔ نہ ہی حقائق ممکنہ کی فی نفسہٖ موجودیت و معدومیت کی صفائی ستھرائی کی طرف توجہ مبذول کرتے

Marfat.com

ہیں۔ وہ جیسی ہیں سو ہیں۔ حق تعالیٰ ہی ان کیفیتوں سے خوب آگاہ ہے اور بندوں کو اُن سے چھیڑ چھاڑ کی ضرورت نہیں۔ اپنے اندر وہ کیفیت پیدا کرنی چاہیے جو اپنے لیے مفید، اپنے حال کے لیے مصلح اور اپنی نجات کا موجب ہو۔ اور وہ اسی قدر ہے کہ انسان کے دل میں سوائے خدا کی یاد اور اُس کے مشاہدے کے اور کچھ نہ ہو۔ ماسوی اللہ کے خیالات و تصوّرات اس کے دل و دماغ سے بالکل محو ہو جائیں اور جو کچھ بھی ظہور پذیر ہو اُسے اللہ کی جانب سے سمجھے اور اسی کا اندازہ اور تقدیر سمجھے اور فاعلِ حقیقی کے فعل کی قدرت کے مشاہدے کی بنا پر عمرو زید و بکر کی فاعلیت اسے نظر ہی نہ آئے۔ کیونکہ وہ توحید جس کے حصول کا شرع شریف نے حکم دیا ہے اسی قدر ہے اور اللہ تعالیٰ سے قرب اور ولایت اسی کیفیت کی قوتِ کاملہ سے عبارت ہے۔ اور عینیّت اور غیریّت کی یہ تحقیق سب زاید اور غیر ضروری باتیں ہیں۔ بلکہ اکثر طالبوں اور سالکوں کے لیے ضرر رساں اور ان کے احوال کے بگاڑ کا باعث بنتی ہیں۔ پس یہ بزرگانِ دین اسی کو بیان کرتے ہیں جو کچھ شرع شریف میں ظاہری طور پر بیان میں آیا ہے۔ اور اُس علم کی تفصیل کو خدا اور رسول ﷺ کے حوالے کرتے ہوئے اپنی عقل کے عجز کا اعتراف کرتے ہیں۔ اگرچہ سرسری نگاہ میں ان کے معارف و مطالب عقلی قواعد کے لحاظ سے حضرات انبیائے علیہم السلام کی خبروں کی طرح معقول نظر نہیں آتے اور نہ ہی ان کی طرح مدلل و مضبوط دکھائی دیتے ہیں، لیکن وہ سراپا نورِ ہدایت سے پُر ہیں اور دُنیا و آخرت میں برکت و نجات کا موجب ہیں۔ ان تیز بین حضرات کا نصب العین ہمیشہ اپنے عجز کو دیکھنا ہے۔ اور اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کا مسلک اپنی بندگی کے عجز کا اعتراف کرنا ہے کیونکہ رسائی کا دعویٰ سراسر نارسائی کی بنا پر ہے اور عینیّت اور اتحاد کا دعویٰ بھی اجنبیت اور جدائی ہی کی خبر دیتا ہے اور خود نمائی کی نظارہ بازی کی۔ کیونکہ لفظ نظر پہلے تو ذاتی طور پر ناظر کے وجود پر اور پھر پیروی کے لحاظ سے منظور کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اور دید و دیدار کا کا یہ گمان وہم سے پھوٹتا ہے۔ کیونکہ بے کیف ذات تو اتنی بلند و مقدس ہے کہ اس تک کسی کے علم و عقل کی رسائی نہیں۔ آنکھ اور بصارت کا تو ذکر ہی کیا۔ اُسے یہ طاقت کہاں؟ کہ اُسے دیکھ سکے۔ یہ ایک عجیب رمز ہے جو حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ اُسے کوئی نگاہ نہیں پا سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پا سکتا ہے۔ یہ اک طرفہ راز ہے جو خدا نے بیان فرمایا ہے اور اس امر

Marfat.com

کا جس طور پہ باطن پہ انکشاف ہوتا ہے ظاہری طور پہ بیان میں نہیں سما سکتا۔ اس امر سے جو لذتیں قلب حاصل کر سکتا ہے زبان اس کا اظہار نہیں کر سکتی۔ پاک ہے وہ ذات اور ہر قسم کی تعریف اسی کے لیے ہے۔ اگرچہ بصیرت بھی بصارت کی طرح اس ذات کے ادراک سے محروم ہے اور کامل عقلوں اور فہموں کو بھی اس مرتبۂ بلند پہ سوائے اعترافِ عجز کے اور کچھ حاصل نہیں۔ موجوداتِ ممکنہ میں سے کوئی بھی ذاتِ الٰہی کی کُنہہ و ماہیت تک نہیں پہنچ سکا۔ اور کائنات کے افضل ترین انسان صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا کہ اے پروردگار ہم تجھیں کما حقہ نہ پہچان سکے۔ اس مقام پر ظاہری آنکھ کی طرح باطنی آنکھ (چشمِ بصیرت) بھی حیران و ششدر رہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام (ان پر اور ہمارے نبی پہ درود و سلام) کی طرح تو بھی وہی جواب سنے گا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن اپنے اسماء و صفات کے وسیلے اور اپنی شانوں اور اعتبارات کے نور کی وساطت سے وہ ہر نظر کا نور ہے اور ظاہر و باطن میں ہر جگہ جلوہ افروز ہے۔ ہمارے دل و دماغ کی نگاہیں بھی اسی کے نُور سے روشن ہیں۔ اور آنکھوں کی یہ بینائی بھی اسی کے ظہور سے دیکھتی ہے۔ اور وہ ہر شے پہ گواہ ہے اور ہر چیز کو احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ دیکھتے ہوئے اس کی ذات ورائُ الوراء ہے، مگر دیکھتے ہوئے اس کی صفات وہ ہر جگہ پیدا و ہویدا ہے۔ پس کلامِ الٰہی میں ایمان بالغیب کی بشارت ان لوگوں کے لیے ہے جو ذاتِ حق کو ورائُ الورا اور غیب الغیب جانتے ہیں۔ اور دوسرے بے ادب، مُنہ پھٹ، گستاخ اور موحّد نما ملحدوں کی طرح ہر کُتّے اور سؤر کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا مظہر نہیں سمجھتے۔ اور مخلوق اور اُس خالقِ حقیقی کے حلول کو جائز نہیں سمجھتے اور ہر ادنیٰ اور خسیس بندے کو یا مولیٰ یا ہادی اور یا رب کہہ کر نہیں پکارتے، بلکہ اس کو انتہائی بے ادبی اور لغویت سمجھتے ہیں اور کثرت میں وحدت کے شہود کو ماسویٰ اللہ میں گرفتاری سمجھتے ہیں۔ اور ہمہ اوست کو بازیچۂ اطفال گردانتے ہیں۔ اور اُسے اللہ کی ذات سے غفلت پہ محمول کرتے ہیں۔ اور اُس مقدس ذات کو تمام اضافات اور اعتبارات سے مبرّا و معرا سمجھتے ہیں۔ اور اس کے یوں مبرّا ہونے کی حیثیت کو اُس کے تنزیہی مرتبے پہ اطلاق کو بھی عبارت آرائی اور اشارات کی نارسائی جانتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی برتر سمجھتے ہیں۔ اور جو کچھ بھی انسانی ذہن یا تصوّر میں آتا ہے اس سے بھی اعلیٰ و ارفع جانتے ہیں اور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے

Marfat.com

کہتے ہیں کہ ہم عاجز بندوں کی کیا مجال کہ اس خالق بے مثال و بے نظیر کو سمجھ سکنے کا دم ماریں ۔ یا دعویٰ کریں ۔ اور ہم عاجزوں کی کیا طاقت کہ اس کی ماہیت کی دریافت کا ارادہ کریں ۔ وہ اپنی محرومیت پہ اصرار کرتے ہیں ۔ اور اُس مرتبۂ بلند سے یہ محرومیت تمام ممکنات کے نصیب میں سے سمجھتے ہیں ، اور اُس سبحانہٗ تعالیٰ کی مقدس ذات کا ادب ایسے ہی بجالاتے ہیں جیسے مومنوں کو چاہیے ۔ حقیقت میں واصلانِ حق وہی ہیں ۔ اور اللہ تک پہنچنے کا جو طریق شرع شریف بتلاتی ہے ۔ ان کا وہی طریقہ ہے ۔ سچ بات تو یہ ہے کہ ان کا طریقہ محمدی طریقہ ہے ۔ (ان پر خدا کا درود و سلام) یہی بزرگ خدا رسیدہ ہیں اور یہی شریعت کی حقیقت کو پہنچنے والے ہیں اور حق سبحانہٗ تعالیٰ سے کمالاتِ نبوت کی طرح بے کیف قرب رکھتے ہیں اور انھیں اللہ سے وہی نسبت ہے جو سرورِ کائنات ﷺ کے حضور میں اہلِ بیت یا صحابہ کرامؓ کو حاصل تھی ۔ اور ولایت کی ان نسبتوں کو جو اولیائے کرام کے نصیب ہیں اور ان کے مقلدوں کو کامل کمال سمجھتے ہیں ۔ وہ ان بالائی مراحل کو طے کر گئے ہیں جو حساب و شمار میں نہیں آسکتے ۔ اور صاحبانِ ولایت کے ذوق و حال اور وجد و سرور کی کیفیات کے راہ کے عجائبات کا تفصیلی نظارہ کرکے اور اُسے خوب دیکھ بھال کر اس سے بھی آگے نکل گئے ۔ یوں نہیں جیسے کہ اک بے سروپا صوفی اور لغو پیروکار یا مقلد سہل و آسان سمجھتا ہے اور دوسروں کو سمجھاتا ہے ۔ بزرگانِ دین ان امور سے نہیں گزرتے اور جن اسرار کے ادراک کا یہ کند ذہن بیہودہ گو دعویٰ کرتے ہیں ۔ ان صاحبانِ بصیرت نے ان کا ادراک نہیں کیا ، ہرگز نہیں ، ایسا ہرگز نہیں ۔ یہ کم عقل ، ضعیف الاعتقاد ، ہرزہ سرا ، ناعاقبت اندیش ، سبک وضع اور بے ادب اور فسادی ، ان کامل العقل ، قوی ایمان ، کم گو ، عاقبت اندیش ، بردبار و باادب مصلحین کے کلام کے لب لباب کو پہنچ ہی نہیں سکتے ۔ وہ اپنے حال و قال کے انجام تک کو نہیں جانتے ۔ اگرچہ وہ خدا رسیدہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ، لیکن وہ رسول اللہ صلعم کے مسلک و مشرب سے کٹ کر رہ جاتے ہیں ۔ اور وہ بزرگوار ہرچند کہ دوئی کے قائل ہوتے ہیں ، عبد کو معبود سے ظاہر آجدا مانتے ہیں لیکن ہمیشہ اسی راہِ راست پر چلتے ہیں جو شریعت نبوی کے مطابق شارعِ عام ہے اور جہاں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ، بلکہ دوسرے گم کردہ راہوں کو راہِ راست پر لاتے ہیں اور نبوت خلافت کا حق ادا کرتے ہیں ۔ اور دوسروں کو بھی نبوت و رفاقت کے کمالات

Marfat.com

پر فائز کرتے ہیں بمشاہدۂ ذات جیسا کہ کرنا چاہیے انہی کے نصیب میں آیا ہے۔ حق تعالیٰ کے شہود کے مسرور ہیں۔ نیز اس کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور اتباع کرتے ہیں۔ اور انتہائی قرب وکمال ورفاقت کی حالت میں بھی حضور حق میں سراپا ادب ہیں اور عین وصال میں بھی مہجور اور محبوب حقیقی بے پردگی کے پردہ میں اُن سے پوشیدہ اور اس کی بے حجابی نے اُنھیں حجاب میں ڈال رکھا ہے۔ اور ان کی عبدیت کی آنکھ پر حیا کا پردہ ڈال رکھا ہے اور بے شک حیا ایمان کا اک لازم جزو ہے۔ پس ان کے ایمان نے محرومیت کے عذاب اور ان کے عرفان نے اس کی دریافت کے عجز کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ واقعی محبوب حقیقی سے دُور اور مہجور ہیں۔ کیونکہ جو اس کے وصل واتحاد کا دم بھرتے اور عینیّت کا دعویٰ کرتے ہیں حقیقتاً دور رہنے والے بے خبر وہی ہیں۔ اور عینیت کے توہّم میں پڑکر اجنبیت پیدا کرچکے ہیں۔ اور اعتباری وصل ہی پہ خورسند ہوکر حجاب سے بہرہ یاب ہیں۔ وہ محبوب کے نقاب کو دیکھنے ہی کو دیدارِ یار سمجھ بیٹھے اور محمل ہی کو لیلیٰ سمجھ لیا۔ اور مجنوں کی طرح فریبِ عشق میں مبتلا ہوکر "انا لیلیٰ" کے قائل ہوگئے اور اصل سے کٹ کر رہ گئے۔ اور بزعمِ خود وہ لیلیٰ تک جاپہنچے۔ ع درعشق چنیں بوالعجبیہا باشد۔ (عشق میں ایسی بوالعجبیاں کئی ہیں) اور وہ کاملانِ حق جنھوں نے اس سارے کاروبار کو خوب دیکھا، بھالا اور سمجھا آخر کار اپنی اس دید وفہمید سے کٹ کر مخبر صادق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروں پر کلی اعتماد کیا اور مکمل طور پر ذاتِ حق سے پیوست ہوگئے۔ اور اپنی انا وخودی کی قید سے بالکل رہائی پاگئے۔ اور نور وظلمت کے حجابات ان کی نظروں کے سامنے سے اُٹھا دیے گئے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ ہم نے وہ پردہ ہٹادیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا۔ اور ان کے ایمان ویقین کو مزید تقویت دی۔ حق بات تو یہ ہے وہی صاحبِ عقل لوگ ہیں اور یہ مطلقاً بے حجاب وبے پردہ حضرات ہیں۔ کیونکہ ان کی نورانی آنکھوں میں وجود وعدم کے حجابات یکساں ہیں۔ وہ حجاب کے رفع کرنے کے محتاج نہیں ہوتے اور دوسروں کی طرح انھیں ان اعتباری حجابات کو رفع کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ پردہ داری کو لازم سمجھتے ہیں اور پردوں سے عجیب طرح کے شوق انگیز نغمے سنتے ہیں۔ پس وہ سنتے ہیں جو کچھ کہ سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں جو کچھ کہ دیکھتے ہیں، اور ان کے ساتھ کیا گیا جو کچھ کہ کیا گیا۔ اُنھیں عین وصال میں جدائی کا غم ہے۔ باوجودیکہ

Marfat.com

وہ فیض کا اک چشمہ ہیں لیکن پھر بھی اس خدائی بحرِ بیکراں کے لیے تشنہ کام ہیں، اور اس تمام رسائی کے باوجود بھی انھیں اپنی نارسائی نظر آتی ہے اور خود کو کبھی اس ذات پاک تک رسیدگان نہیں سمجھتے کیونکہ ان بلند ہمتوں کو کسی شان نے بھی اپنا مقید نہیں بنایا جسے مکتفی سمجھ کر وہ خورسند ہو کر اسی مرتبے تک محدود رہ جائیں۔ وہ اس کو حق مطلق سمجھتے ہیں اور کسی این و آن سے دل نہیں لگاتے تاکہ نفسانی و طبیعی ہوا و ہوس انھیں جالوں میں اسیر نہ بنالیں۔ یہ کمال دانائی و ہوشمندی ہے اور باوجودیکہ وہ ہمیشہ توحیدی محمدی کی شراب طہورہ سے سرمست و سرشار ہوتے ہیں لیکن بارگاہِ محمدی میں ہمیشہ آداب ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ اور ہمیشہ نماز ادا کرتے ہیں۔ عین جوش و خروش میں بھی باہوش اور خموش رہتے ہیں باوجودیکہ ذوق و شوق محبوب کی نسبت رات دن ان کے سینوں میں شورِ قیامت بپا کیے رکھتی ہے اور عشق حقیقی مکمل طور پر موجزن ہوتا ہے لیکن اُن سے کبھی بھی مستانہ وار نعرے فضا میں نہیں گونجتے، نہ ہی وہ وجد و رقص میں آتے ہیں۔ اس بلند ذات کا مرتبہ جس کے متعلق قرآن پاک کہتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں سے بے نیاز ہے، ان مقربانِ بارگاہِ الٰہی کی باطنی نظروں کے سامنے ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ اور ان حضرات کی بے کیف توجہ اس تنزیہی مرتبے کی طرف مبذول رہتی ہے۔ اور اس مرتبے کے مشاہدے میں کلی استغراق و استہلاک انتہائی معاملات میں سے ہے اور اس مرتبے کی کیفیت و حالت کی دریافت کی تمہید بے جا بلکہ عینِ خطا ہے۔ کیونکہ ذات پاک کا یہ مرتبہ لاثانی و بے مثال ہے جو ہر شک و شبہ سے مبرّا و معرّا ہے اور انسانی علم کے احاطے سے باہر ہے، کیونکہ کسی صاحبِ علم کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس مقام سے ہمیشہ پُرحذر اور باادب رہنا چاہیے کیونکہ ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے نفس سے، اور یہ آیت کریمہ اس ذات کی کیفیت و چگونگی کی دریافت کے ارادہ سے ڈرانے ہی کے لیے ہے۔ اس کے مرتبۂ بلند میں زیادہ سوچ بچار نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ نقصان ہوگا اور ذہن اپنے ادراک اور فہم میں کسی اور ہی امر کو تراش لے گا اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام امور سے بلند و بالا اور برتر ہے جو انسانی ذہن اور فہم از خود تراشتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اللہ کی ذات پر غور و فکر نہ کرو اور اس بات سے روکا گیا ہے۔ پس جہاں وصل کا خیال محض محرومیت ہے جو خود کو واصلانِ حق میں سے سمجھتا ہے، درحقیقت وہ بے خبران و دُورانِ حق میں سے ہے اور درد

Marfat.com

جدائی ہی وصل کا درمان ہے اور اپنے عجز کا اعتراف ہی عین عرفان ہے۔ یہ نارسیدگی اور نارسائی ہی ہے جو وہاں تک پہنچتی ہے اور عرفان و معرفت کا حق ادا کرتی ہے اور اُس مرتبۂ عالی تک وسیلہ کا سبب بنتی ہے۔ ایمان بالغیب یہی ہے جس پر دین کی بنیاد ہے اور ایمان بلا شبہ یہی ہے جو اہلِ یقین کو حاصل ہے۔ پس اس قسم کی مایوسی کہ جس کا مبداو منبع حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا مشاہدہ ہے، اُمید سے بہتر ہے کہ یہ اُمید تو صفات کے مشاہدے سے پیدا ہوتی ہے اور اس یاس و مایوسی کا تعلق ملاحظۂ ذات سے ہے۔ اور ایسی ابدی محرومیت جو عینِ وصال و اتحاد میں فرق و امتیاز کی ڈور ہاتھ سے نہیں چھوڑتی وصل جاودانی ہے۔ پس کاملانِ ذات اور اولیائے کرام اور خاصانِ عرفا کے نصیب میں ہوتی ہے۔ یہ یاس و نومیدی مطلوب کے فقدان سے نہیں بلکہ ذات الوجوب کے پالینے سے دل کو اس مقام تک پہنچادیتی ہے اور انسانی توجہ کو اس مرتبے تک لے جاتی ہے کہ وصل و رسائی کا وہ وہم جو نا تمام سالکوں کو دورانِ راہ لاحق ہو جاتا ہے کہ وہ وہاں تک پہنچ نہیں سکتے سوائے اس عقلِ کُل اور کامل کے جو اس فرمان سے مستفیض ہو کر کہ اے خدا ہم تجھے کماحقہ پہچان نہ سکے اس حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی۔ نہ ہی وہ اس امر کی تصدیق کر سکتی ہے جو اس امر کی مصداق نہ ہو کہ جو زیادہ سچا ہے وہی زیادہ حقدار ہے۔ جس کے معنی ہیں ادراکِ ذات سے عجز کا اعتراف کرنا۔ ہاں اس مرتبے کا کماحقہٗ انکشاف انبیائے علیہ السلام پر ضرور ہوا اور ان کے طفیل اور صدقے سے کمالاتِ نبوت کے صاحبان پر روشن ہوا جو خاص محمدیؐ اصحاب ہیں۔ نبوت عامہ کے کمالات والے حضرات متقدم ہیں انہی نے اس خاص نسبت کی بنیاد رکھی اور پھر اس مرتبے کے اسرار و رموز کے انکشاف سے مکمل حصّہ اور وافر نصیبہ حاصل کیا۔ لیکن ولایتِ صغریٰ میں رہ کر بچھڑ جانے والے بیچارے اس معاملے سے اصلاً مطلع نہیں ہوتے اور وہ حضرات جو ولایتِ کبریٰ میں داخل ہیں یا ولایت کے اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہیں ہو سکتا ہے اس مقام کے مالکوں کے معارف و مطالب کو سن کر بعض چیزوں سے واقف ہو جائیں اور راہِ حقیقت پالیں اور لطف اندوز ہوں۔ لیکن حیف صد حیف کہ آخر گوش حق نیوش اور فہم نکتہ سنج اور سخن شناس کتنوں کو حاصل ہے۔ ع قاہا ثم آہا ثم آہا (اور واہ واہ سبحان اللہ) اس انتہائی مقام کے تمام سالکان احوال کے تغیرات و تبدلات سے مامون و مصئون ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ہر چند کہ بظاہر ساری عمر زمان و مکان کے تحت ہی بسر کرتے ہیں لیکن باطن میں وہ زمان و مکان سے اتنا آگے نکل گئے ہیں کہ زمان و مکان کے آثار جو تغیر و تبدل و تقید پہ مشتمل ہوتے ہیں کبھی ان کے دل کے اردگرد نہیں منڈلاتے۔ اور ان کے باطنی معاملات میں خلل انداز نہیں ہوتے۔ اللہ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔ رباعی:

دردی کہ زمانہ گہہ بدردش نرسد
آسیب ز دست گرم و سردش نرسد
دریاب کہ یاس میرساند دل را
جائی کہ رسیدگی بگردش نرسد

ترجمہ رباعی: آہ دردِ عشق الٰہی کہ یہ زمانہ اس کا علاج نہیں کر سکتا۔ اور اس زمانے کے گرم و سرد یعنی نشیب و فراز سے اس عشقِ حقیقی میں کوئی خلل بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس یاس و ناامیدی کو حاصل کر جو اپنی نارسائی اور اپنے عجز کے اعتراف سے پیدا ہوتی ہے، اور توہمات سے یہی انقطاع درِ حقیقت مطلوب تک پہنچانے والا ہے۔ (مصنف رباعی کی تلمیحات و اشارات و کنایات کی کڑیاں خود یوں کھولتا ہے کہ) پہلے مصرعے میں آنے والے لفظ "درد" سے مراد دردِ عشق الٰہی ہے۔ اور زمانہ سے مراد وہ عرصہ جو افلاک کی گردش سے پیدا ہوتا ہے اور ذہنی امتداد پیدا کرتا ہے۔ اور بدرد نرسیدن سے مراد ہے چارہ و علاج نہ کر سکنا، اور آسیب نرسیدن کا مطلب ہے زمانے کے گرم و سرد سے عشق الٰہی کی اس کیفیت میں کوئی خلل یا فساد پیدا نہ ہوتا، یعنی زمانے کے مختلف حوادث و عوارض کو زمانے کے گرم و سرد اور نشیب و فراز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد ہے وصول و حصول سے اُمید کا منقطع کرنا جس کا مطلب ہے اپنی نارسائی اور عجز کا اعتراف اور ادراک سے عجز کا یہی اعتراف اور واصل ہونے کے وہم سے منقطع ہو جانا درِ حقیقت مطلوب تک پہنچانے والا وسیلہ ہے اور یہ فعل رسانیدن کا فاعل ہے اور لفظ "جای" جو ظرف مکان ہے اس سے مراد وہ مقام و مرتبہ ہے کہ جہاں پہنچنا مقصود ہے نہ کہ یہ جگہ رسانیدن کی فاعل ہے یعنی یہ معنی منظور نہیں کہ یہ مرتبہ یاس و نومیدی بہم پہنچاتی ہے اور دل کو مطلق مایوس، بے نسبت اور بے نصیب بنا دیتی ہے۔ اور رسیدگی سے مراد ہے علمی و خیالی رسائی اور واصل ہونے کا دعویٰ

Marfat.com

اور بگرد آن مرتبہ نرسیدن سے مُراد ہے کہ اُس سے کئی مراحل دور اور پرے رہ جانا۔ اور اُس کے ادنیٰ ترین مرتبے تک نہ پہنچ سکتا۔ حاصل مطلب یہ کہ دردِ عشقِ الٰہی تو خاص نفوس کو حاصل ہوتا ہے اور اس کا چارہ کار یا علاج معالجہ حرکات فلکی سے پیدا ہونے والا یہ زمانہ کسی وقت بھی کچھ نہیں کرسکتا۔ یہ تو بس ذہنی مدت پیدا کر دیتا ہے اور اس عرصہ یا ان ایام کے اس امتداد سے یہ عشقی درد مٹتا نہیں اور نہ ہی زائل ہوتا ہے، نہ ہی اس میں کوئی خلل یا بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ گردشِ افلاک کی تاثیرات بھی اس کے لیے سود مند نہیں کیونکہ اس اعلیٰ اور تغیر ناپذیر حالت کا مالک زمان ومکان سے بلند و بالا ہوچکا ہے۔ نہ اس راہ میں مدتِ زمانہ کے کٹنے سے اس میں کوتاہی آتی ہے اور نہ ہی اس جہت سے آدمی اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے کیونکہ ذات واجب الوجوب زمانی نہیں ہے۔ حق سبحانہ' تعالیٰ کو جو نسبت ازل سے ہے، وہی نسبت ابد سے ہے۔ نہ اس کے نزدیک ہے نہ اُس سے دُور، بلکہ ازل اور ابد دونوں اس کے ذاتی دوام میں گم ہیں۔ نہ تو کوئی ممکن الوجود ابتداء میں اس سے دُور تھا اور نہ کوئی فرد انتہا میں اس تک پہنچ سکے گا۔ ہم مٹی کا مال ہیں اور وہ رب الارباب ہے۔ پس سمجھ لو کہ حصول و وصول کی ایسی مایوسی اور ناامیدی جو کامل عارفوں کو نصیب ہے۔ دل کو ایک ایسے مقام تک پہنچا دیتی ہے اور ترقی کے ایسے منازل تک لے جاتی ہے کہ یہ علمی وخیالی رسائی جو ایسے واصل ہونے میں شمار ہوتی ہے اس کی گرد کو نہیں پاسکتی۔ اور ان منتہی حضرات کی نارسائی کا اعتراف. بتدیوں اور وسطی دور والے سالکوں کے وصلی دعوؤں سے کئی گنا افضل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کو اس طرح نہ پہچان سکے جیسے کہ پہچاننے کا حق تھا۔ اور وہ جاننے والا اور باخبر ہے۔ اور ہم نے نہیں عبادت کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ہے اور وہ زبردست اور عظیم ہے۔

Marfat.com

هُوَالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ، رحمان و رحیم اور زبردست اور بلند و بزرگی والے کے لیے ہے اور درود و سلام اس کے رسول محمدؐ صلعم پر جو خلقِ عظیم والے تھے، اور آپؐ کی آلؑ پر اور اصحابؓ پر جو بڑی عزت اور تعظیم والے ہیں۔ اما بعد پس یہ اٹھاسی واں (۸۸) باب ہے جو خلقِ محمدیؐ سے موسوم ہے۔ جان لے اللہ تجھے نیک بخت بنائے اور تجھے بہترین اخلاق سے نوازے۔ بیشک خلقِ الٰہی سب سے بڑا اخلاق ہے۔ کیونکہ وہ مجمع ہے تمام صفاتِ کمالیہ کا جو متضاد ہیں جمال اور جلال میں سے ذاتِ واحد میں واجبیت کے ساتھ۔ یوں کہ نہیں تصور کیا جا سکتا اس سے زیادہ کسی اور بھلائی کا اور نہیں ہے اخلاق میں کوئی مرتبہ اس سے اوپر اور اُس سے زیادہ اچھا نہ ذہناً، نہ خارجاً، نہ عقلاً اور نہ فرضاً، اور نہیں ہے ممکن کہ وہ ظاہر ہو بندے سے اور اُسے حاصل کر پائے مخلوق وہ منحصر ہے عالی مرتبت اور مقدس واجب ذات کے اندر اور خلقِ محمدیؐ، وہ بڑا عظیم خلق ہے کیونکہ وہ متصف کرتا ہے بندے کو اخلاق الہیہ سے بشری طاقت کے مطابق یوں کہ نہیں ہے ممکن موجوداتِ ممکنہ میں اس سے بہتر خلق کا ظہور بلکہ اس جیسا بھی۔ اور یہ مخصوص ہے ایک ہی فرد کے لیے نوعِ انسانی میں سے اور وہ ہے خاتم النبوت (ان پر درود ہو مکمل اور سلامتیاں ہوں تمام) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے حق

Marfat.com

میں فرمایا کہ آپ خلق کے بہترین مقام پر ہیں۔ اور اس خلق عظیم کے نیچے بہت سارے مراتب ہیں اور اس کا اشرف ہونا اس خلق کے ساتھ قربت کے اعتبار سے ہے پس جب کہ خالص محمدیت کا حصول اس خلق کے زیادہ قریب ہے اتباع کے مرتبے میں دوسرے اخلاق سے جسے حاصل کرتے ہیں حکماء اور دوسرے طریقوں والے۔ پس اُسے بھی خُلق محمدیؐ کہا جاتا ہے اور یہ اتباع کے درجوں میں سے سب سے بڑا درجہ ہے۔ اور اسی لیے اس باب کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں متضاد کمالات کا اکٹھا ہونا بیان کیا گیا ہے اخلاق میں سے اعتدال ممکن پر اور وہ ہے اکٹھا ہونا فقر و غنا، تواضع و کبریائی، بردباری اور غصّہ اور لطف اور ادب اور عطا اور روکنا اور ان سے مشابہت رکھنے والے متضاد کمال رکھنے والے اخلاق میں سے اور جو گمان کرتے ہیں جہلا ناقص استعداد والوں میں سے اور کم عقلوں میں سے کہ خُلق جو ہے وہ عبارت ہے اظہار کرنا فقر اور کثیر تواضع اور بردباری کی زیادتی اور لطف کی زیادتی اور خالص (مکمل) عطا کی زیادتی جو اپنی حدود سے تجاوز کر جاتی ہے یہاں تک کہ نہیں باقی رہتی بے نیازی اور کبریائی قطعی طور پر اور نہیں ہوتا غصّہ اور ادب اور روکنا مطلقاً اور یہ وہ اوصاف ہیں جنھیں بنایا اللہ حکیم نے انسان میں بہت سی مصلحتوں کے لیے جو زائل ہوتے ہیں سب کے سب۔ پس وہ نہیں ہیں حُسن اخلاق میں سے بلکہ منجملہ بُرے اخلاق میں سے ہیں۔ کیونکہ فقط فقر کا اظہار شکایت کرتے ہوئے اور بے موقع انکساری کی کثرت نفاق کی علامت ہے اور بردباری کی زیادتی غیر مناسب حد تک عدم غیریت کی متقاضی ہے اور لطف کی زیادتی اس مقدار میں جو مناسب نہ ہو ادب کے منافی ہے اور بے موقع دینا اسراف ہے جس طرح کہ فقط غنا کا اظہار فخر ہے اور بے محل کبریائی کی کثرت تکبّر اور غرور ہے اور غصّے کی وحشی پن ہے اور ادب کی زیادتی حد سے ایسی چیز کی تکلیف دینا ہے جس کی طاقت نہ ہو اور روکنا اصلاح سے زیادہ بُخل ہے اور کمال جو ہے وہ جمع کرتا ہے ان تمام خصلتوں کا اعتدال سے۔ سوائے اس کے سنت النبیہ کے اتباع کے مطابق جمال کو ترجیح دینا جلال پر اور رحمت کو سبقت دینا غضب پر لازم ہے۔ پس جہاں تک یتیم کا تعلق ہے اُسے غصّے نہ ہو اور سائل کو جھڑکو نہیں اور جہاں تک تمھارے رب کی نعمت کا تعلق ہے اس کا تذکرہ کرو۔

Marfat.com

فقر و کبریائی اور خُلق و صفائی کی دولت کے بیان کا باب

اللہ پاک ہے اور وہی ہر تعریف کے لائق ہے۔ درحقیقت فقر کی دولت ایک عجیب لازوال دولت ہے۔ اگر اس کی صحیح قدر پہچانی جائے اور دل اس کا بوجھ اٹھانے سے تنگ نہ آجائے۔ درویشی کی عظمت اک طرفہ حسین عظمت ہے اگر وہ اللہ پر اعتماد کی راہ سے ظہور میں آئے اور نفسانیت سے ظہور پذیر نہ ہو۔ درویشانہ خلق اک عجیب پرلطف انکساری ہے اگر وہ بے غرضی سے ہو اور احتیاج کی شراکت سے خراب نہ ہو۔ درویشانہ صفائی اک طرفہ بے کدورت صفائی ہے اگر مودبانہ ہو اور سبکی اور بے امتیازی کی حد تک نہ چلی جائے۔ دولتِ فقر سے مُراد فقر کی یہی حالت اور توکل والی گزربسر ہے جو بیانی اضافت رکھتی ہے۔ اس حالت کو لفظِ دولت سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ جس طرح دنیوی دولت سے آدمی دولت مند اور مالدار ہوجاتا ہے اسی طرح جس کسی کے ہاتھ میں توکّل کی گزربسر کی ڈور آجاتی ہے وہ مستغنی ہوجاتا ہے اور ماسوٰی اللہ کا محتاج نہیں رہتا۔ اور فقر کی کبریائی عبارت ہے فقط درویشوں کی غیرت مند اور باعزت بے نیازی اور کم التفاتی سے جو بعض شریف النفس حضرات میں جلوہ گر ہوتی ہے اور گدا منش ادنیٰ نفوس اس اس حال کے اہل نہیں ہوتے۔ جب اللہ ارادہ کرتا ہے کسی بندے سے بھلائی کا تو اپنی بے نیازی اس کے نفس میں ڈال دیتا ہے اور تقویٰ اس کے دل میں ڈال دیتا ہے، اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ کسی بندے سے بُرائی کا تو اس کا فقر اس کی آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے۔ اور درویشانہ خلق عبارت ہے مناسب انکساری سے کہ یہ بزرگوں کا شعار ہوتا ہے۔ یعنی متکبروں اور بے ادبوں سے کشیدگی (کھنچے رہنا) مناسب ہے اور بزرگوں اور ممتاز بندوں کے سامنے فروتنی و عاجزی ہی مناسب ہے ——————— وگرنہ

وہ بے جا انکساری جو بے حقیقتی اور مکاری سے نکلے (ظہور پذیر ہو) وہ تو ہر عام وضع قطع کے لغو معاش و منافق اور دغاباز کو بھی عام طور پر حاصل ہوتی ہے۔ وہ حُسنِ خلق میں شمار نہیں ہوتی اور درویشانہ صفائی عبارت ہے اہم طریق بھائیوں سے محبت، خلق خدا پہ شفقت اور معاش کے معاملے میں تکلف اور بناوٹ سے پاکیزگی اور عبادتوں اور ریاضتوں میں بے ریائی سے، ورنہ وہ

Marfat.com

دینی بے حمیتی و بے غیرتی جسے دورِ حاضر میں صُلحِ کُل سے تعبیر کیا جاتا ہے لغوگو، ہرزہ سرا ملحد کو بھی میسر ہوتی ہے۔ اور وہ ذلت اور بے امتیازی جو بے دینوں کی زبان پر بے غرضی کہلاتی ہے وہ تو ہر بے غیرت اور بے امتیاز انسان کو بھی حاصل ہوتی ہے۔ سب عزت اللہ اور اُس کے رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ محمدیؐ درویش کو چاہیے کہ ہر وقت ہر بات میں درویشانہ وضع کو ملحوظ رکھے اور درویشی کے اس لباس کی عزت و حرمت کو ملحوظ رکھے اور درویشی کے اس لباس کی عزت و حرمت کو ہر وقت بلکہ ہر لمحہ پیشِ نظر رکھے۔ اپنے نفس کے لیے نہیں بلکہ موجودہ اور ماضی کے گزرے ہوئے بزرگوں کے ادب کی خاطر کہ یہ مردانِ حق کا لباس ہے۔ اور اس سے پیشتر بھی واجب التعظیم بزرگ اور اسی وضع قطع کے کریم النفس اکابر ہو گزرے ہیں۔ بارگاہِ خداوندی کے مقربوں کا یہی لباس رہا ہے اور صادق رہنماؤں نے اسی پاکیزہ درخت کا بیج بویا اور اسی طرح یہ فیض ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ خدا نہ کرے کہ اس صورت میں کوئی خلل و خرابی پیدا ہو جائے۔ اور کسی ناخلف کی بے اعتباری بزرگانِ ماضی کے حضور میں بدظنی کا موجب بنے۔ اور ضعیف الاعتقاد بے دین لوگ یہ گمان کریں کہ شاید پہلے بزرگ بھی اسی قسم کے تھے۔ اور اُنھیں انکار کے لیے حجت ہاتھ لگ جائے۔ اے اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھ اور ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ اور ہماری مدد فرما منکر لوگوں کے خلاف!! اسی تذکرے کے مناسبِ حال ایک حکایت یاد آگئی جو اپنے نفس کی تنبیہہ اور اپنے مومن اور ہم صورت بھائیوں کی عبرت کے لیے سپردِ قلم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور توفیق سے مناسب اور شایانِ اثر و تاثیر عنایت فرمائے۔ حکایت اگر تو ہر زمان کے اسرار و رموز سے واقف ہے ہو سکتا ہے کہ تو عارفوں کی باتوں کو سمجھ سکے۔ کہتے ہیں کہ ایک فاختہ نے کسی صاحبِ کمال مرد سے جا کر فریاد کی جو جانوروں کی بولی سمجھتا تھا۔ اور کہنے لگی کہ اے مردِ خود آگاہ و خلیفۂ الٰہی مجھ مظلوم کی فریاد رسی کر کہ ایک مظلوم نما ظالم نے مجھ پر عجیب ظلم کیا ہے۔ اس مردہ ظالم نے میرے پری پیکر نر کو جال میں پھانس کر پنجرے میں ڈال دیا ہے۔ اور مجھ غم کی ماری مادہ کو اس بیابان میں عجیب حیرانی و پریشانی کے عالم میں تنہا چھوڑ دیا ہے۔ خدا کے لیے میرے حال پر رحم فرما، چند قدم چلنے کی زحمت گوارا کر اور میرے بے قصور گرفتار نر کو اس موذی کے پنجے سے رہائی دلا، تاکہ مجھ

Marfat.com

بے سروسامان کی اس عملی مدد کے بدلے میں خدا تجھے ماسوی اللہ سے خلاصی بخشے اور اپنے تک رسائی نصیب کرے۔ وہ صاحبِ کمال بزرگ یہ بات سُن کر بہت حیران اور رنجیدہ ہوا اپنی جگہ سے اُٹھا اور فوراً اسی وقت اس بے زبان فریادی کے ہمراہ روانہ ہوگیا۔ اپنے دل میں سوچ کر سخت حیران ہوا کہ عجب ماجرا ہے کہ ایک مُردہ انسان نے ایک زندہ جانور کو کیسے پکڑا ہوگا۔ سوائے اس کے کہ وہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے اور وہ تمام امور پہ قادر و توانا ہے۔ پس چلو خدا کی اس قدرت کے کرشمے کا بھی مشاہدہ کرنا چاہیے۔ قصہ کوتاہ جب وہ مرد صاحب کمال اس خستہ حال شکار کے سر پہ پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک شخص چھُری ہاتھ میں لیے اس جانور کو ذبح کرنا چاہتا ہے۔ اسی اثنا میں فاختہ نے دُور ہی سے فریاد کی کہ اے مردِ خدا یہی وہ مردہ دل جاندار ہے جو اس پرندے کو ذبح کرنے کو ہے اور یہی پرندہ میرا نر ساتھی ہے۔ جو اس بدفطرت کے جال میں پھنس گیا تھا۔ اس آشفتہ حال فاختہ کی باتوں کو سُن کر وہ مردِ باکمال جھنجھلا کر سخت غضب ناک ہوکر کہنے لگا کہ اے بے سروپا باتیں اور ہرزہ سرائی کرنے والی فاختہ تو نے تو کہا تھا کہ میرے نر کو ایک مُردہ شخص اپنے جال میں پھانس کر لے گیا ہے۔ یہ آدمی تو زندہ ہے اور اُسے ذبح کرنے کو ہے۔ فاختہ نے کہا کہ اے مردِ حق اسی موئے شخص سے پوچھ لو کہ اس وقت اس کی کیا حالت تھی۔ اس باکمال بزرگ نے اس نڈر اور بیباک انسان کو ایک ہولناک آواز میں بڑی سختی اور تندی سے آواز دی کہ خبردار دیکھو کیا کر رہے ہو، اگر یہ بے گناہ کٹ گیا تو میں تیرا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا اور تو تباہ حال ہو جائے گا۔ یہ بات سُن کر اس شخص نے اس کام سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اُس پرندے کو اسی حال میں چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ میاں تم کون ہو اور مجھے کیوں منع کر رہے ہو۔ میں شرع کے بموجب ایک کام کر رہا ہوں یعنی ایک حلال جانور کو ذبح کر رہا ہوں۔ اس مردِ باکمال نے کہا کہ اے غافل شریعت کو حقیقت کے ساتھ ملا اور معرفت کو طریقت کے ساتھ یک جا جمع کردے۔ کیونکہ نہ تو بے جان بدن سے کوئی کام ہو سکتا ہے اور نہ بے تن جان سے کچھ ہو سکتا ہے۔ یہ تو جسم و جان دونوں کا ربط و یکجائی ہے جو اس انجمن کی شمع ہے۔ باطن کو ظاہر سے لباس حاصل ہے اور ظاہر کو باطن سے سرمایہ نصیب ہے۔ اگر تم ایک کامل انسان اور صادق مومن ہوتے تو ان دونوں کو یکجا جمع کرتے۔ اور ساری توفیق اللہ ہی کو ہے۔ مگر اے بیدرد انسان ذرا یہ تو بتا کہ تو ہے کون، اور جس وقت تو نے اس

Marfat.com

معمولی حیوان کو پکڑا تھا تو تسے کیا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ دھوکے باز انسان اس مومن صادق کے سامنے بے بس ہو کر کہنے لگا یا حضرت سچ بات تو یہ ہے کہ میں ایک جال رکھنے والا شکاری ہوں میرا یہی پیشہ ہے کہ میں جانوروں کو پکڑ کر بیچتا ہوں اور یوں گزر بسر کرتا ہوں۔ یہی میری روزی کا سامان ہے۔ چونکہ میں یہی کچھ کرتا چلا آیا ہوں، لہٰذا اس جنگل کے جانور مجھے پہچانتے ہیں۔ لہٰذا آج میں نے درویشانہ لباس پہن لیا اور وہ الفی (کفنی) پہن لی جو غریب و بے نوا فقیر پہنتے ہیں تاکہ یہ جانور مجھے پہچان نہ سکیں۔ چونکہ صبح سے لے کر اس وقت تک سوائے اس پرندے کے میرے جال میں کچھ بھی نہ آیا۔ لہٰذا میں نے غصّے میں آ کر چاہا کہ اسے ذبح کر کے وقتی طور پر اپنی پیٹ پوجا تو کروں۔ آخر اس ایک اکیلے پرندے کی کیا قیمت ملے گی جو اسے بیچنے کے لیے مارا مارا پھروں۔ اس بے پروبال فاختہ نے فریاد کی کہ سُن لیا یا حضرت آپ نے! میں نے سچ ہی عرض کی تھی کہ ایک مردے نے میرے نر کو پکڑ لیا ہے، یعنی الفی پوش درویش جو فی الحقیقت اسے کفن سمجھ کر پہنتے ہیں اس فرمان کے مطابق کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ وہ فنا فی النفس ہو جاتے ہیں اور بے حس و حرکت ہوتے ہیں جیسے غسل دینے والے کے ہاتھ میں میّت اور فنا فی اللہ سے گزر کر بقا باللہ کی حالت میں چند روزہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ پس ہم ظاہر بینوں نے جب اس کو درویشوں کے لباس میں دیکھا تو ہم نے خیال کیا کہ اس کا باطن اس کے ظاہر کی طرح ہی ہوگا اور ہم دھوکے میں آ کر بے دھڑک اس کے پاس چلے، کیونکہ درویش کی طرف سے ہمارے دلوں میں کوئی کھٹکا نہ تھا۔ لیکن اب اس دغا باز کی اس حرکت سے ہمارا ان صادق حال درویشوں پر سے بھی اعتقاد اُٹھ گیا ہے۔ اب ہم شکوک و شبہات کی تباہی میں جا پڑے ہیں۔ سکونِ قلب اور دلی اعتقاد کو ٹھیس لگی ہے، اور اب ہماری وہ کیفیت نہیں رہی۔ بہر حال جب اس بد اندیش انسان نے جال کو کھینچا تو ہم دونوں نر و مادہ بے خبری کے عالم میں اچانک گھبرا کر اُڑے۔ میں جو کسی حد تک اس کے جال کی زد سے باہر تھی اس کے جال میں نہ پھنسی اور دوسرا ساتھی پھنس گیا۔ پس یا حضرت یہ آدمی اگر اپنی وہی شکاریوں جیسی وضع قطع رکھتا ہمیں بھی خدا نے آنکھ اور کان عطا کیے ہیں، ہم جان بوجھ کر کیوں پھنستے یقیناً ہماری قوت واہمہ ہمیں خبردار کر دیتی اور اس تمام آگاہی کے باوجود اگر ہمیں دانے کا لالچ اور حرص جال میں پھنسا دیتا تو اس مظلوم نما ظالم کے خلاف میں کبھی آپ کی

Marfat.com

عدالت میں شکایت لے کر نہ جاتی ۔ کیونکہ وہ ہماری اپنی خطا ہوتی کہ ہم دیکھنے اور جاننے کے باوجود طمع کے ہاتھوں مصیبت میں مبتلا ہو گئے ۔ اور یہ شخص قابلِ معافی ہوتا ۔ کیونکہ جال بچھانے والوں کا تو پیشہ ہی یہی ہوتا ہے ، اور ہم ان پیشہ ور شکاریوں کی وضع قطع کو خوب پہچانتے ہیں ۔ پس میری شکایت کا لب لباب یہ ہے کہ اس بے ایمان شخص نے خدا کے برگزیدہ بندوں کی بھیس میں ہمیں دھوکا کاہے کو دیا ۔ اس نے مردانِ حق کے لباس کا کوئی احترام نہیں کیا ، دھوکا دینے کی اور صورتیں کیا کم تھیں کہ اس نے اسی بے کدورت صورت کو رسوا کیا ۔ اس حال کو سن کر وہ مرد باکمال زار و قطار رونے لگا ۔ اور اس پہ عجیب کیف وحال و مستی کی حالت طاری ہو گئی کہ اس کی اس صحبت کے اثر اور اُس کیفیت کی قوت سے وہ حقیقت ناآشنا صیاد بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا ۔ اور اُس سے تنبیہہ حاصل کرتے ہوئے اس نے جال بچھانے اور شکار کرنے کا پیشہ ہی ترک کر دیا ۔ اور اپنے اُس بُرے کام سے توبہ کی ۔ اور اُس اسیر پرندے کو رہا کر دیا ۔ اور اُس درویش کی محبت کے جال میں پھنس گیا اور اُس کے عقیدت مندوں کے حلقے میں داخل ہو گیا ۔ اور راہِ حق کے سالکوں کی لڑی میں پرو یا گیا ، اور حقیقتاً ظاہری اور باطنی طور پر درویشانہ صورت اختیار کر لی ۔ اور حقیقی آزاد منش اور تارک الدنیا لوگوں میں سے ہو گیا ۔ اور دُنیاوی اسباب جمع کرنے سے بیزار ہو گیا ، اس فانی دُنیا سے قطع تعلق کر لیا اور خدائے لایزال کے حضور و شہود کے دھاگے میں اپنے دل کو پرو لیا اور اللہ پہ توکل کی کیفیت سے سرشار ہو کر اس رباعی کے مسند کے گاؤ تکیہ سے ٹیک لگا بیٹھا ۔ رباعی :

نے مال مرا باید و نے فوج و سپاہ
از قطع تعلقم بود حشمت و جاہ
ترک اسباب بہ ز جمع اسباب
کز دولتِ فقر ہر گدا گردد شاہ

ترجمہ رباعی : نہ مجھے مال و متاع چاہیے اور نہ ہی لشکر و سپاہ ۔ میرا تمام جاہ و حشمت تو دنیوی علائق سے انقطاع میں ہے ۔ دنیوی اسباب جمع کرنے سے اسباب دنیوی کو ترک کرنا بہتر ہے ۔ کیونکہ فقر کی دولت سے ہر گدا بھی بادشاہ بن جاتا ہے ۔ مُراد یہ ہے

Marfat.com

کہ ہم درویش لوگوں کو دنیاوی مال و منال ہرگز نہیں چاہیے۔ اور نہ ہی فوج لشکر و سپاہ اور ہجوم و ازدحام درکار ہے۔ کیونکہ یہ اُمور تو اہل دُنیا کی شان و شوکت میں افزائش کا موجب بنتے ہیں۔ ان سے درویشوں کی قدر و منزلت نہیں بڑھتی۔ کیونکہ اللہ اور اُس کے بندوں کے نزدیک ان کے جاہ و حشمت میں افزائش کا باعث وہی ماسوی اللہ سے دلی انقطاع ہے۔ جہاں تک بھی ہو سکے، پس درویشوں کے لیے دنیوی اسباب جمع کرنے کی بجائے اس کا ترک کرنا ہی مناسب اور بہتر ہے۔ کیونکہ لباس فقیری ہی سے ہر گدا کو شاہ کہتے ہیں اور فلاں مست کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ پس صادق حضرات کے اس گروہ کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے ظاہر و باطن کا دنیوی امور سے قطع تعلق کر لیں۔ اور بشری تقاضے کے مطابق صرف ضرورت کے مطابق اکتفا کر کے قناعت اختیار کریں۔ انسان جب تک زندہ ہے اس جال سے رہائی نہیں پا سکتا۔ اور اتنی ظاہری مراعات باطنی معاملات میں خلل نہیں ڈالتی اور یہ انسان کے طبیعی امور میں شمار ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی مضائقہ نہیں۔ حاصل مطلب یہ کہ اہلِ دُنیا کی طرح دنیاوی مال و منال کے جوڑنے اور جمع کرنے کے درپے نہیں ہونا چاہیے، اور ظاہری اسباب کو ارادۃً سعی و کوشش کر کے جمع نہیں کرنا چاہیے بلکہ جو کچھ بلا ارادہ ہاتھ لگے اُسے حتی المقدور نیک نیتی سے ہر جگہ صرف کرنا چاہیے۔ اپنے پاس ہی جمع نہ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ مال و اسباب کی فراوانی اور زیادتی سراسر آفت اور فساد کا موجب ہے۔ اور درویشوں کے احوال کے لیے ضرر رساں ہے۔ درویش جتنا خستہ و شکستہ حال ہو اتنا ہی بہتر، مگر اتنا بھی نہیں کہ درویشانہ صورت بھی برقرار نہ رکھ سکے۔ اور ظاہر بینوں کی نظروں میں مطلق بے اعتباری کا باعث بن جائے اور دل گرفتگی اور دلی بوجھ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ مُنہ کے بل گرا دینے والے فقر (فقر مکب) سے اپنی امان میں رکھے۔ فقر مکب اسی کو کہتے ہیں کہ جس کے بوجھ کے اٹھانے کا فقیر متحمل نہ ہو سکے۔ اور جو اس کی قوت برداشت سے بڑھ کر ہو۔ اور ہر شخص کی طاقت اس کی ہمت، غیرت، قوت نفس اور اللہ کے ساتھ اس کی نسبت کے مطابق الگ الگ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے نفس کو اُس کی وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں بناتا۔ اور بندوں کے مراتب کے ان فرقوں اور تفاوت کی کوئی انتہا نہیں نہ ہی کوئی حد و حساب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔

Marfat.com

پس اے متوکل انسان دینوی اسباب کی نایابی اور گزر بسر کے سامان کے فقدان پر اسی طرح خوشی و مسرّت کا اظہار کر، اور ہر کسی کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آ کہ یہی درویشوں کی دولت کی ترقی کا موجب ہوتا ہے۔ اور جو طرزِ معاش تم نے اختیار کر رکھا ہے تو اپنے عروج کی حالت کو پہنچ چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس راہ میں قبول فرمالیا ہے۔ کہ یہ سارا فقر و فاقہ تمھیں عنایت کیا ہے۔ ورنہ وہ رزّاقِ مطلق تو کسی کتّے بلّے کو بھی بھوکا نہیں رکھتا۔ اور سب یہودیوں و نصرانیوں اور آتش پرستوں تک کو روزی دیتا ہے۔ پس یہ ایک خاص رحمت ہے جو اس نے تیرے حال پر کی ہے۔ اس عظیم نعمت کی قدر پہچان اور اپنے باطن کو صبر و رضا سے بھر لے، کیونکہ اگر زندگی ہے تو اسی حال پہ قائم نہیں رہے گا اور اُس کی برکتیں ظاہر و باطن پر نمودار ہو کر رہیں گی۔ کیونکہ کسی عبادت اور کسی ریاضت سے اس قدر کشادگی نصیب نہیں ہوتی۔ روزے دار کی طرح اس کی پیاس ختم ہو گئی۔ آنتیں تر و تازہ ہو گئیں اور اجر انشاء اللہ ثابت ہو گیا۔ اور اگر موت اسی طرح مقدر ہے تو کیا ڈر ہے کہ عنقریب ہی تم مر جاؤ گے اور یہ سختی اور کلفت رفع ہو جائے گی اور تو پوری فراغت اور کامل آرام و سکون سے اللہ کے جوارِ رحمت میں ابدی نیند سو جائے گا۔ اور اللہ کی طرف سے شہیدوں کا درجہ پائے گا۔ دوسری صورتوں میں مرتے ہیں کیا خوبی ہے کہ کوئی بھی اس احسن طریق سے آسانی کے ساتھ جان خالقِ حقیقی کے سپرد نہیں کرتا۔ تم اک عجیب و خاص قرب سے حضورِ حق میں جاؤ گے۔ اور خصوصی عنایت کے حقدار ہو گے۔ جس نے اس حالت میں جان دی یقیناً وہ اس کے قصاص کا مستحق ٹھہرا۔ یہ مقولہ ایسے ہی مقبول مقتول بندوں کے حق میں کہا گیا ہے۔ نذر نیاز اور فتوح و تحائف کے وصول کرنے پہ ان سب کو خدا کی راہ میں صرف کر اور حاجت مندوں کو دے کیونکہ درویش صفت متوکل ایسے اوقات میں حق سبحانہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کی آزمائش کی گھڑی ہوتی ہے۔ یعنی یہ درویشوں کے امتحان کا وقت ہے اور نذر نیازوں اور فتوح کا یوں بھیجنا بھی وہ اللہ کی ایک تدبیر سمجھتے ہیں۔ اور وہ اس بہترین چال چلنے والے کے خوف سے بہت ڈرتے ہیں۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بہ تقاضائے بشریت ان کا دل ان امور کی طرف مائل ہو جائے، اور وہ بھی دوسروں کی طرح دینوی مال و متاع

Marfat.com

کے ابتلا میں نہ پڑ جائیں۔ اللہ ہی ہمارے لیے کافی ہے اور جس نے اللہ پر بھروسہ کیا وہی اس کے لیے کافی ہے۔ توکل اور استغنا کی قوت کی بدولت خلقِ خدا سے بے نیازی اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کامل شریف النفس لوگوں کا کام ہے۔ یہ بات ادنیٰ النفس والے ضعیف الاعتقاد اور کم ہمت و حریص طبع لوگوں سے ہرگز ظہور پذیر نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی سرانجام کو پہنچتی ہے۔ اور حقیقت بینی کے باعث اخلاقِ حسنہ اور انکساری اور ہر جگہ جمالِ ذات کا دیدار و مشاہدہ عرفان کا تقاضا ہے۔ کیونکہ ناحق شناس بدخلقوں اور بے بنیاد متکبروں سے یہ کام ہر عمل میں نہیں آسکتا۔ اور ان کی پیشانیوں سے یہ نور نہیں چمکتا۔ بدخوئی اور غرور ایک الگ چیز ہے جو قابلِ مذمت ہے اور ناہموار جاہلوں کا پیشہ ہے۔ عظمت و استغنا آخری امر ہے جو قابلِ ستائش ہے اور یہ عارفوں اور اوصافِ حمیدہ والے اصحاب کا کام ہے۔ ع فربہی چیزے دگر آماس چیزے دیگر ست۔ (موٹاپا اور چیز ہے اور سوجن ایک علیحدہ چیز ہے) اور اکثر ناواقف حضرات ان ہر دو اُمور کے فرق کو نہ سمجھتے ہوئے غلطی میں جا پڑتے ہیں اور مناسب و نامناسب کا امتیاز نہیں کر پاتے اور بن دیکھے اور اَن سمجھے الگ الگ وطیرہ اختیار کر لیتے ہیں۔ خواہ عام انکساری کی وضع اور تواضع کی کثرت ہو جو دیگر چیزوں کی علامات سے دیکھی جاسکتی ہے اور خواہ لوگوں سے کھنچے کھنچے رہنے کی وضع اور اُن سے بالکل میل ملاپ نہ ہو جو بدخلقی اور تکبر پر دلالت کرتی ہے۔ یقیناً اِن ہر دو امور میں سے ایک امر کا اختیار کر لینا سہل اور آسان ہے۔ اور کچھ عرصے بعد خود اپنے اور دوسروں کے نفوس پر بھی ہموار ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ان صورتوں میں بعض کی حق تلفی ہو جاتی ہے اور اہلِ حق یعنی سچوں اور جھوٹوں میں امتیاز نہیں رہ جاتا۔ لیکن ان دو متضاد امور کی یکجائی اور جامعیت کے لیے خالص محمدیت کی جامعیت درکار ہے۔ خلق عظیم (اخلاقِ حسنہ) کی دولت و سعادت کا حصول شائستہ ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس جامعیت کی دوڑ ہاتھ میں لینا بڑی دشوار سی بات ہے۔ اور ہر شخص سے ہر وقت وہی کچھ کرنا جو بالکل صحیح اور درست ہو بڑا کٹھن کام ہے۔ اور تائید ربانی کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ اس کے لیے بڑی دانائی، معرفت، ذاتی شرافت اور ایمانی قوت درکار ہے۔ اے پروردگار! ہمیں بھی اس صاحب خلق عظیم کی حرمت کے طفیل اخلاقِ حسنہ عطا فرما۔ خلقِ عظیم عبارت ہے اس اخلاق کی وسطی حد

Marfat.com

سے جو اس منطقہ کی طرح ہے جو دائرے کے وسط میں واقع ہوتا ہے اور باقی تمام دائروں سے بڑا ہوتا ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ حدِ اعتدال سے آگے نکل جانا یا پیچھے رہ جانا دونوں قابل مذمّت امور ہیں۔ نہ تو تواضع و انکساری کی یوں کثرت ہو جو بے اعتباری کی حد تک لے جائے اور نہ لوگوں سے اس قدر کم التفاتی اور کھچاوٹ جو غرور و بد اخلاقی پہ جا ختم ہو۔ پس اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ بعض ناجنسوں کے سامنے غیر مخلص اُمرا، ناہنجار کفار، دین محمدی کے مخالفین اور شکوک و شبہات کے مارے نکتہ چین، بدعقیدہ مشاہیر اور بے اعتبار غیر مستقل مزاج رنگیلے لوگ اور عجز و انکسار سے عاری غرور طبع اور کم نگاہ بدنفس اور شرارت پسند خبیث باطن والے لوگوں کے سامنے اپنا سر کبھی نہ جھکا۔ اور اُن سے جب بھی ملو کھچاوٹ سے سوچ سمجھ کر ملو۔ ان سے محبت نہ رکھو اور ان سے بڑی بے نیازی سے پیش آ۔ لیکن بد اخلاقی کا اظہار نہ کر۔ اور اپنی طرف سے کوئی خرابی اور خلل پیدا نہ کر، اور اپنے اہلِ طریقت والے حضرات جیسے کہ صادق و مخلص احباب، صحیح العقیدہ اور وفا شعار ساتھی اور محبت کرنے والے اہلِ طریقت؛ سعادتمند شاگردانِ عزیز اور صحیح قسم کے دوست آشنا مؤدب قسم کے دولت مند، مہذب عزیزان اور دل سے ملنے والے متفق بھائی بندوں اور مستحق اور حقدار اعزا و اقربا سے محبت رکھ۔ اور ان سے کبھی اجنبیوں جیسا سلوک نہ کرو اور ہر کسی کے حفظ مراتب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کے ساتھ خلوص، ادب، محبت و شفقت سے دریغ نہ کرو اور ان سب کا خیر خواہ بنو۔ نہیں ایمان رکھتا تم میں سے کوئی یہاں تک کہ وہ پسند کرے اپنے بھائی کے لیے جو وہ پسند کرتا ہے اپنے لیے۔ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی آلؑ اور حضورؐ کے اصحابؓ کی یہی سُنت رہی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں جو کفار پر بڑے درشت اور سخت ہوتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پہ رحم کرنے والے ہوتے ہیں۔ محبت بھی اللہ کے لیے ہوتی ہے اور بغض بھی اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ اور نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور وہ نہیں عبادت کرتے مگر اس کی۔ اور نہیں ہے کوئی طاقت اور کوئی قوت مگر اللہ ہی کو ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ جو کچھ بھی عمل میں آئے وہ خالصتہً اللہ ہی کے لیے ہو اور پوری آگہی سے وقوع پذیر ہو۔ اور غفلت سے سرزد نہ ہو۔

Marfat.com

اور نہ ہی نفس کے لیے ہو۔ اور فساد اور شر نہ بھڑکائے۔ اور تیرے اپنے اور دوسروں کے حق میں خیر و بھلائی ہی کے لیے ہو۔ کیونکہ آخر تو نے مرنا ہی ہے اور عاقبت کے لیے رختِ سفر باندھنا ہی ہے اے عزیز تو جو موہوم دنیوی ہستی کے توہّم کا اسیر ہے۔ اپنے آپ کو زیادہ تراش خراش نہ کر، کہ تجھ جیسے ہزاروں اس سراب میں ذلیل و خوار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ اور اہلِ نظر کی قبولیت کا امیدوار رہ۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحبِ نظر تیری طرف لطف آمیز نگاہ سے دیکھے اور تجھے تجھ سے بے نیاز کر دے۔ اور اس کے طفیل جذباتِ الٰہیہ میں سے کوئی جذبہ تیرے دل پر کھل جائے اور شاہدِ مقصود جلوہ افروز ہو۔ کیونکہ یہ فیض سینہ بہ سینہ حاصل ہوتا ہے اور دل ہی دل کے لیے آئینہ ہوتا ہے۔ رباعی:

در دسر نہ ہوای مال و جاہی دارم
در دل نہ غمِ زر و سپاہی دارم
صاحبِ نظری توجہی گر بکند
چوں آئینہ چشم یک نگاہے دارم

ترجمہ رباعی: میں اپنے سر میں نہ تو جاہ و حشمت اور مال و متاع کا سودا رکھتا ہوں، نہ ہی میرے دل میں دولت اور لشکر و سپاہ کا غم ہے، اگر کوئی صاحبِ نظر توجہ فرمائے تو میں آئینے کی طرح سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہوں۔ (مصنّف کی اپنی وضاحت کے مطابق) سر سے مُراد ہے دماغ کہ اعصاب انسانی کی رونیدگی اور جسمانی حواس کو جمع کرنے والا ہے۔ اور جاہ و حشمت کی ہوا و ہوس تو ہوسوں ہی کے دماغ میں گھومتی رہتی ہے اور دنیاوی مال و متاع کے غرور کی ہوا انہی تھالی کے بینگنوں کے سر میں سر سراتی رہتی ہے اور لفظ دل سے مُراد ہے انسانی نفس جو روحانی لطائف کا منبع اور ادراکات کا مبدا ہے۔ زر و مال اور سپاہ و لشکر کا غم اور تردد تو اہل دُنیا کے دلوں میں ہوتا ہے۔ اور اس امر کا فکر و اندیشہ تو نفس کے انہی تابعین میں ہوتا ہے اور لفظ صاحبِ نظر سے مقصود ہے صاحبِ بصیرت انسان جو ہر امر کی حقیقت کو دیکھتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں اور وہی لوگ ہیں جو صاحبانِ بصیرت ہیں۔ اور توجہ سے مُراد خلوص کے ساتھ متوجہ ہونا اور صفا و خلوص کی طرف رُخ کرنا اور لفظ "چشم" سے مُراد ہے اُمید اور

Marfat.com

توقع ۔ نگاہ سے مُراد لطف و مرحمت کرنا اور قبول فرمانا ۔ حاصل مطلب یہ کہ مجھ نااہل کے دماغ میں نہ مہوسوں کی طرح جاہ و حشمت کی ہوا پیچ و تاب کھارہی ہے اور نہ ہی مال و متاع کے غرور کی ہوا مجھ بے بضاعت کے دماغ میں چل رہی ہے ۔ اور مجھ بے غرض انسان کے نفس ناطقہ میں نہ تو مال و دولت اور سپاہ و لشکر کے جمع کرنے کا غم اور تردّد ہے اور نہ ہی مجھ افسردہ دل آدمی میں دوستوں کی کثرت و گرم بازاری کا فکر و اندیشہ ہے ۔ لیکن صاحب بصیرت انسان جو ہر چیز کی حقیقت کو دیکھتا اور اچھی طرح پہچانتا ہے اور صاحبانِ بصیرت کے زمرے میں داخل ہوتا ہے اور دلی خلوص سے ہماری کتاب پہ توجہ میذول کر کے اُسے پڑھے اور ہماری جانب خلوص و صفائے قلب کا رُخ رکھے تو میں آئینے کی مانند نیک طینت و روشن ضمیر ہوں اور سبھی کو آئینہ وار ایک ہی نظر سے دیکھتا ہوں ۔ اور اک نگاہِ لطف و کرم کا امیدوار ہوں ، اور قبولیت کی توقع رکھتا ہوں ۔ کیونکہ دلوں کی قبولیت خدائی مقبولیت کی علامت ہوتی ہے ۔ اور بزرگوں کا لطف و کرم لطفِ خداوندی کا پَرتو ہوتا ہے ۔ حیف ہے اس سخن پر جو سخنددانوں کے دل کی گہرائیوں تک نہ پہنچے ۔ اے ہمارے رب قبول فرما ہم سے ۔ بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے ۔

Marfat.com

هو الناصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو کچھ کہ اس نے انعام کیا ہم پر بھلائیوں میں سے اور محفوظ رکھا ہمیں آفات اور مصیبتوں سے، اور سلام و درود ہو اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ان پر سب سے افضل درود و مکمل سلام ہو) اور آپؐ کی آلؓ اور اصحابؓ صاحبِ فیوض و برکات پر۔ اما بعد پس یہ نواسی واں (۸۹) باب ہے جو استخارے سے موسوم ہے۔ اور استخارہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا ہے عبدیت کے مقام کے تقاضے کے مطابق۔ پس میں خیر طلب کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے تمام معاملات اور تمام بھلائیوں میں اس کی اعانت چاہتا ہوں، اور اُس کی پناہ میں آتا ہوں تمام شرّوں سے۔ اے اللہ اصلاح فرما میرے لیے میرے دین میں جو میرے معاملے کی حفاظت گاہ ہے۔ اور اصلاح فرما میری دُنیا میں جس میں میری روزی ہے۔ اور میرے لیے میری آخرت کی اصلاح فرما جس میں میرا معاد یعنی بازگشت ہے۔ اور بنا میرے لیے زندگی زیادہ ہر بھلائی میں اور بنا میرے لیے موت راحت ہر شرّ سے خداوندا تجھ سے سوال کرتا ہوں بھلائی کا ساری کی ساری۔ جلدی آنے والی ہو یا دیر سے آنے والی اس میں سے میں کسی کو جانتا ہوں یا نہ جانتا ہوں اور تیری پناہ میں آتا ہوں ہر قسم کے شرّ سے جلدی آنے والے یا دیر سے آنے والے جس کو میں جانتا ہوں یا نہیں جانتا ہوں۔ اے خدا

Marfat.com

میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اچھا سوال کرنا، اچھی دُعا اور اچھی بات اور اچھا عمل اور اچھا قول اور اچھی زندگی، اور اچھی موت۔ مجھے ثابت قدم رکھ، میرے وزن کو بوجھل بنا اور میرے ایمان کو حقیقی بنا دے اور میرے درجے کو بلند فرما۔ اور میری نماز قبول فرما اور میری غلطی معاف کر دے۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بھلائیوں کو کھولنے والے اور بند کرنے والے اسباب جمع کرنے والوں کا اور اوّل کا اور بھلائی کے آخر کا۔ اُس کے ظاہر کا اور باطن کا اور جنت میں بلند مرتبوں کا (آمین) اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں بُرائی کے دن سے، بُرائی کی رات سے۔ بُری گھڑی سے، بُرے آدمی سے اور قیام گاہ میں بُرے پڑوسی سے، اور تیری پناہ میں آتا ہوں آگ کے آزار سے، آزمائشوں سے جو اُن میں ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں۔ اور دجال کے قضیے سے۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس عالم کی بھلائی کا، اس کی فتح کا، اور نصرت اور نور کا اور برکت کا اور ہدایت کا اور تیری پناہ میں آتا ہوں جو کچھ کہ اس عالم میں بُرائی سے اور اُس شر سے جو اُس کے بعد ہے۔ اے میرے رب میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس چیز کا جو بھلی ہے اس عالم میں اور اس کے بعد، اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز سے جو بُری ہے اس عالم میں اور اس کے بعد، اور میں تجھ سے عافیت چاہتا ہوں دُنیا اور آخرت میں۔ پس جان لو اے خالص محمدیو! اللہ تمھیں برکت دے استخارہ ایک امر مسنون ہے۔ اور مشائخ کے معمول کا عمل ہے اس طریق پر جس کا ذکر کیا گیا ہے زبانی بھی اور دل سے بھی۔ یعنی بھلائی طلب کرنا ہر معاملے میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ سے اور نہیں صادر ہوتا ان سب مقربین، مصلحین اور اصلاح چاہنے والے لوگوں کا عمل مگر اللہ کی طرف رجوع کرنے سے، خیر کی نیت اور طلب خیر کے ساتھ اور یہی بھلائیاں ہیں۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا جب تو ارادہ کرے کسی کام کا تو اس بارے میں سات مرتبہ اللہ سے خیر چاہ پھر دیکھ اس چیز کی طرف جو تیرے دل کی طرف سبقت کرتی ہے۔ کیونکہ بھلائی اسی میں ہے اور یہاں تک وہ چیز جو بدعتیوں میں پھیلی ہوئی ہے اور اُنھوں نے اس کا نام استخارہ رکھا ہوا ہے وہ کسی چیز کو کسی دوسری چیز سے متعلق کرتا ہے اس طرح کہ ان کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہوتا نہ اصلاً نہ عقلاً اور یہ استخارہ اتفاقی معاملہ ہوتا ہے اور یہ استخارہ کیسے متفق ہو جب کہ اس کی اصل ہی تذبذب اور شک و شبہ پر ہے اور اس کی شرط لگانے سے تعلق جو ہے وہ

Marfat.com

قرعہ اندازی کی شرطوں کی قسموں میں سے ہے۔ گمان نہیں ہے بے نیاز کرتا حق سے کچھ بھی اور عین ممکن ہے کہ تم بلاؤ فحش غلطی اور گمراہی کی طرف، اور تم روکو درستی سے اکثر حالات میں اور یہ قرعہ اندازی یا استخارہ نہیں ہوتا اعتماد کے قابل اور نہ ہی اعتقاد کے جاننے والا اور اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے درستی کی طرف اور راہِ راست کی طرف، اور اگر یہ واقع ہو تفریح طبع کے لیے اور قطعی طور پر تنقیح (پاکیزگی) کے لیے نہ ہو بلکہ فال لینے کے لیے ہو اور مبالغہ نہ کیا جائے تو اس میں بھی کوئی بُرائی نہیں، اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ ممنوع ہے۔ اور یہ شگون لینے کی جنس میں سے ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ وہ فال کو پسند کرتے تھے اور شگون سے نفرت کرتے تھے۔ پس تو شگون نہ لے اور اگر تم نے ایسا کیا ہے اس سے پہلے تو اسے چھوڑ دو۔ اور اللہ سے توبہ کرو اور کوئی شگون نہیں سوائے تیرے شگون کے، اور نہیں کوئی معبود سوائے تیرے اور جب تو دیکھتا ہے شگون میں سے کوئی چیز جسے تو ناپسند کرتا ہے۔ پس تو کہہ دے کہ اے اللہ نہیں لاتا نیکیوں کو کوئی بھی مگر تو ہی اور نہیں لے جاتا برائیوں کو کوئی بھی مگر تو ہی اور نہیں ہے کوئی قوت یا طاقت مگر اللہ کے ساتھ۔

شکوہ و شکایت کی شامت، کفرانِ نعمت کی آفت، امن کے زمانے اور سلطانی عدل کی برکات اور اتفاق کی شیرینی اور نفاق کی بدمزگی کے بیان کا باب

سمجھ لو کہ شکوہ و شکایت کرنا عبارت ہے اپنے خلافِ طبع ناگوار حالت اور اپنے نفس پہ وارد ہونے والی ناپسندیدہ کیفیات کے بیان سے یُوں کہ اس میں رنجیدگی اور نالہ و فریاد کا پہلو ہو اور جس سے دلی بے چینی اور غم و اندوہ کا اظہار ہو۔ اور اگر جمعیتِ خاطر کے ساتھ کسی مصلحت کے تحت یا کسی ضرر کے دفعیہ کے لیے اپنے مناسبِ حال پوری دلی آگاہی سے بیان کیا جائے جیسے کہ ایک مریض طبیب کے سامنے اپنا حال بیان کرتا ہے، یا ایک دوست دوسرے دوست کو اپنا حال احوال سناتا ہے، یا کوئی مظلوم اپنی دادرسی کے لیے حاکمِ وقت کے سامنے داد فریاد کرتا ہے تو وہ شکایت نہیں حکایت ہے۔ وہ عرضِ حال اور بیانِ احوالِ واقعی ہے۔ اور اگر ایسا بیان بھی بلاضرورت و بلا اہلیت اور حد سے زیادہ اکثر اوقات ہو تو وہ بھی ناگوار

Marfat.com

ہے اور شکایت ہی کی مانند ہے۔ اور اس امر کی شامت بھی اپنی قدر کے مطابق ضرر رساں ہوتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے زبان پہ حکایت کے طور پر بھی ایسے الفاظ نہ آنے پائیں جن پہ شکایت کا گمان گزرے، بلکہ دل میں ایسے خیالات گزرنے بھی نہ پائیں۔ حاصل شدہ نعمتوں کو خاطر میں نہ لانا اور اُنھیں معمولی اور ناچیز شمار کرنا کفرانِ نعمت ہے جیساکہ اکثر کفرانِ نعمت کرنے والے کہتے ہیں کہ فلاں نے ہم پہ جو احسان کیا ہے وہ بھلا کونسا احسان ہے اور کس شمار قطار میں آتا ہے۔ اس سے بڑھ کر تو کئی مقامات پہ ظہور پذیر ہوا۔ اور فلاں نے جو ہمیں فلاں نعمت دی ہے، بھلا وہ بھی کوئی نعمت ہے اور کس حساب کتاب میں؟ یہ نعمت تو بالعموم ہر کسی کو پہنچتی ہے جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا وہ اللہ کا شکر کیسے ادا کر سکے گا۔ اور علیٰ ہذا القیاس، اللہ تعالیٰ کے حضور میں بھی ایسی ہی باتیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ لا تعداد اور بے شمار نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے۔ اس کفرانِ نعمت کی شامت آخر اپنا اثر دکھاتی ہے اور انسان کے ظاہر و باطن کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اور زمانے کے امن سے مُراد اہلِ زمانہ کی بہبود اور شہروں و علاقوں کا لوٹ مار قحط اور دیگر حادثاتِ زمانہ سے محفوظ رہنا اور اہلِ دُنیا کی اکثر و بیشتر آسودہ حالی و صحت و سلامتی ہے۔ یقیناً اس حقیقت کی برکت تمام شہروں اور علاقوں میں پھیل جاتی ہے اور عدلِ سلطانی سے منظور ہے بادشاہ کا رعایا کے حق میں عدل و انصاف، بزرگانِ دین کی معاونت اور مسکینوں، عالموں، فاضلوں اور مستحق افراد کی مدد امداد نیز ارکانِ سلطنت کی نیک نیتی اور متمول اصحاب کی توفیق، ان سب کی نیکی بھی بادشاہ کی نیکیوں میں شمار ہوتی ہے۔ اور ان کی کفایت شعاری وہی شاہانہ عدل و انصاف اور خبرداری ہے کہ وہ بادشاہ کے اعضا کی مانند ہیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ ایسے اکابر و اراکین کی نیکیوں میں برکت ہوتی ہے جو ہر کس و ناکس کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ وفاق شیرینی سے مقصود وہ لذت و بہبود ہے جو اہلِ معاملات کے مابین کسی بھلی بات پہ متفق ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ بالکل صحیح ہے کہ دُنیا میں دوستوں کے باہمی اتفاق سے بڑھ کر کوئی لذت اور بہبود نہیں ہے۔ اور بدمزگی سے مُراد نفاق، افراتفری اور فساد ہے جو مختلف النوع اہلِ معاملات کو درپیش آتے ہیں۔ اور یہ بھی درست ہے کہ دُنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں کہ جن لوگوں سے قطع تعلق نہ کیا جاسکتا ہو ان کے درمیان نااتفاقی

Marfat.com

اور ناچاقی ہو۔ اللہ تعالیٰ سید المرسلین حضور نبی کریم ان کی آل پاک اور صحابہ و خلفائے راشدین (ان سب پر خدا کی سلامتیاں اور درود ہوں) کے طفیل دُنیا کی ایسی سب بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ اہلِ دُنیا کا اکثر و بیشتر یہی حال ہے کہ شومیٔ دوران کی وجہ سے سب چھوٹے بڑے ہمیشہ اسی شکوہ و شکایت و نالہ و فریاد میں مبتلا رہتے ہیں۔ سب ادنیٰ و اعلیٰ ہمیشہ اپنی ہی خواہشات کے پابند، ہر امیر و غریب اپنے حال پہ حیران و پریشان اور ہر اعلیٰ و ادنیٰ اپنی اپنی جگہ فریاد کناں و گریاں۔ رباعی:

گر مردم محتاج ز غم میگریند
زان بیشتر ارباب نعم میگریند
وقت ست کہ از دست زمانہ اکنوں
چوں ابر ہمہ اہل کرم میگریند

ترجمہ رباعی: حاجت مند لوگ اگر غموں کے مارے روتے ہیں تو منعم حضرات ان سے بھی بڑھ کر روتے دھوتے ہیں۔ ایسا وقت ہے کہ اب زمانے کے ہاتھوں سبھی اہلِ کرم بادل کی طرح روتے ہیں۔ مُراد اس سے یہ ہے کہ اگر محتاج لوگ اپنی ضرورت پوری نہ ہونے کی وجہ سے بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے ضروریاتِ زندگی کے میسر نہ ہونے پہ رنج و غم میں مبتلا رہتے ہیں اور شکوہ و شکایت کرتے ہیں وہ مجبور ہیں کہ ضعیف بنیاد انسان عاجز ہے۔ اور تھوڑی سی تکلیف پہ بھی بے چین ہو جاتا ہے اور جزع فزع کرنے لگ جاتا ہے مگر طرفہ تماشا اور خوبی تو یہ ہے کہ ممول اور منعم لوگ ان سے بھی بڑھ کر گلہ و شکوہ زبان پہ لاتے ہیں اور روتے دھوتے ہیں۔ بیشک انسان اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے۔ پس ظاہری اور مجازی اعتبار سے حکام کی سست عملی، بادشاہوں کی ناطاقتی، ارکانِ سلطنت کی نالائقی، بےحضوری عالموں کی خوشامد، قاضیوں کی طمع، درویشوں کی غیر مستقل مزاجی، رعایا کی بدامنی، شرفا کی محتاجی، رذیلوں اور کمینوں کی شکم سیری، سرکشوں کی قدرت و طاقت، موذیوں کا زور پکڑنا، شریف النفس لوگوں کی کمزوری سے وقت ایسا آن پہنچا ہے کہ ظالم زمانے کے ظلم کے ہاتھوں کریم النفس اور سخی لوگ بھی مفلسوں اور محتاجوں کی مانند اپنے حالات میں نالہ و فریاد کرنے میں مبتلا ہیں اور برسنے والے بادل

Marfat.com

کی طرح ہر وقت اشکبار رہتے ہیں۔ اے ہمارے خدا ہمیں صبر عطا فرما، ہمیں ثابت قدم رکھ، اور ہمیں قوم کفار پہ فتح و نصرت عنایت فرما۔ بہر حال ان پریشان حال اور مضطرب لوگوں کے حال پر بے اختیار رحم کرتے ہوئے اُنھیں وہ تلقین کی جاتی ہے جس میں ان کی دُنیا و آخرت کی بھلائی ہے کہ ایسے بد اندیش شکایت پیشہ لوگوں کے دل کو چاہیئے کہ اپنی زبان کو ایسے کلمات و الفاظ سے روکے رکھیں اور کسی بُرے عمل کے واقع ہونے سے قبل اس کا تصوّر تک دل میں نہ لائیں اور حاصل شدہ حالات پہ ہمیشہ راضی اور شکر گزار رہیں اور آنے والے امور کو خواہ مخواہ بُرا اور خراب خیال نہ کریں، کیونکہ بُری فال بُرے حال کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اور اپنے یا اللہ کے دوسرے بندوں کے حق میں بُری فال لینا یا زبان پر لانا درحقیقت شر انگیزی ہے اور فساد کا موجب ہے۔ اور یہ بات انسانی نفس کی خباثت، کمینگی، غفلت اور کم حوصلگی پر دلالت کرتی ہے اور حالات کے فساد کی مُورث اور پریشانی و پراگندگی کا باعث ہوتی ہے۔ دیکھیے یہ مصرع مزن فال بد کآورد حال بد (بری فال مت نکالو کہ وہ بُرے حالات ہی کا پیام لاتی ہے) ۔ اقوال کے بڑے طاقت ور اثرات ہوتے ہیں اور انہی پر دُعاؤں، استخاروں، وردوں، ذکروں، تعوّذ اور توبہ و استغفار اور استجابت اور ان جیسی اور چیزوں کا انحصار ہے۔ شکایات سے شامت و بدبختی بھی بڑھتی ہے اور یہ کدورت اور تاریکی کو بڑھاتی ہے گھٹن اور سکیڑ کی حالت طول پکڑتی ہے۔ اور اس کی بدمزگی ظاہر و باطن میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور شکایت جب حد سے بڑھ جاتی ہے اور عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے تو پھر کسی حالت میں بھی آدمی سے گلہ و شکوہ و شکایت کے الفاظ کے سوا اور کچھ بھی مُنہ سے نہیں نکلتا۔ اور ہر بات اور کام میں اُسے وہی خلافِ طبع ناگواری ہی نظر آتی ہے۔ ہر چند کہ اکثر وجوہ کی بنا پہ اس امر کی جو موافق طبع خوشگوار اطراف بھی ہوں۔ پس دراصل گویا کہ یہ لوگوں کے اقوال اور افعال ہی ہیں جو ان تمام آفتوں اور بلاؤں کی مختلف شکلیں اختیار کر کے سامنے آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اتمامِ حجت کے لیے عمل کی اس دُنیا میں جزا کی اس دُنیا کا تھوڑا بہت نمونہ پیش کر دیتی ہے۔ یہ کفرانِ نعمت ہی ہے کہ ان شکوہ سنج گلہ گزار غافلوں کے حق میں زحمت کی صورت میں نمودار ہو کر ان کی ناشکری کی شامت بن کر ظہور پذیر ہوتی ہے۔ پس کبھی اپنی زبان کو شکوہ و شکایت سے آلودہ نہ کرو، کیونکہ یہ عذاب و عقوبت کی ایزادی کا باعث ہے۔ کبھی شکایت کا دروازہ نہ کھولو، کیونکہ یہ کدورت

Marfat.com

کی افزائش کا سبب ہے۔ اس لیے کہ شکوہ و شکایت بذاتِ خود ایک مصیبت ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے کسی مسلمان کے نصیب نہ کرے۔ یہ دوسری ہزاروں آفتوں کا موجب ہے۔ کیونکہ شکایت کی کثرت اور گلے شکوے کی عادت سے جو مصیبت بھی رونما ہوتی ہے وہ اپنی مقدار سے بڑھ کر نظر آتی ہے۔ اور اس شخص پہ سخت گراں گزرتی ہے۔ اور اس کی کمر ہمت کو توڑ کے رکھ دیتی ہے۔ اُسے بے چین کر دیتی ہے۔ اور انسان کو دوسروں کی نگاہوں میں گرا دیتی ہے۔ اُسے ذلت کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے۔ اور صبر و مستقل مزاجی بذاتِ خود ایک نعمت ہے۔ اللہ سارے مسلمانوں کو یہ نصیب کرے۔ اور یہ کئی دیگر امور کی سلامتی کا سبب بھی ہے کہ انسان صبر اور مستقل مزاجی کی دولت کی برکت سے شیطان کی مکاری اور نفس کے دھوکے اور فریب سے محفوظ رہتا ہے۔ اور ابنائے زمانہ کے بہت سے ضرروں سے بچا رہتا ہے۔ اور اُسے ذلت و خواری بھی نہیں اُٹھانی پڑتی نہ ہی وہ اتنا پراگندہ خاطر اور پریشان حال ہوتا ہے کہ وہ لعنت ملامت کا مستحق اور عذاب و عقوبت کا سزاوار ہو۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اکثر اوقات عوام کی مصیبت کے وقت نوعی شراکت اور بشری تقاضوں کے باعث خواص بھی عوام کی اسی شامت و شومی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور عوام کی بلاؤں کی کدورت ہر کس و ناکس اور ہر نیک و بد پہ ان کے مراتب کے فرقوں کے مطابق اپنا اثر دکھاتی ہے۔ بدکاروں اور بُرے حاکموں کے ملک میں فساد و نفاق کی آفت ان لوگوں کی کثرت اور ان کی حکومت کے باعث ہر سو پھیل جاتی ہے۔ اور اس چھوٹے سے گروہ کے افراد کی ناطاقتی اور قلت کی بنا پر خیر و عافیت کا ثمر لانے والے اتفاق اور موافقت پہ غلبہ پا لیتی ہے۔ اور وبائی امراض کی مانند سارے شہروں قصبوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور اس سرزمین کی آب و ہوا میں خرابی پیدا کرتی ہے۔ اور سب کا ایک سا حال بنا دیتی ہے۔ گو کہ بعض کی نسبت بعض میں فرق بھی درمیان میں ہو۔ "ملک اس کا ہے جو غالب آگیا" کی ایک توجیہہ یہ بھی ہے۔ اور حق بات یہ ہے کہ اکثریت کے لیے حکم کُل ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کر دیں کسی بستی کو، تو ہم حکم دیتے ہیں ان میں سے جو صاحب حیثیت لوگ ہوتے ہیں۔ پس وہ اس میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ پس ان پہ ہمارا قول حق ہو جاتا ہے۔ پس ہم اُنھیں ہلاک کر دیتے ہیں ہلاک کرنا۔ اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی قوم سے بھلائی کا

Marfat.com

تو اُس کے فقہا کو کثیر کر دیتا ہے اور کے جُہلا کو کم کر دیتا ہے۔ پس جب بات کرتا ہے فقیہہ تو پا لیتا ہے مددگار، اور جب جاہل کلام کرتا ہے تو مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ کسی قوم سے برائی کا تو اُس کے جاہلوں کو زیادہ اور فقہا کو کم کر دیتا ہے۔ پس جب جاہل بات کرتا ہے تو اپنے مددگار پا لیتا ہے۔ اور جب فقیہہ بات کرتا ہے تو مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور اگر اکابر و اراکین سلطنت مثلاً بادشاہ، وزرا، امرا، مشائخ، علما، فضلا اور دیگر روسائ حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کریں اور اپنے متعلقہ امور میں تساہل، غفلت، سستی اور سہل انگاری سے کام نہ لیں اور معاملات کو عدل و انصاف سے نپٹائیں اور وہی کچھ کریں جو کرنا چاہیے تو یقیناً ان کی خیر و برکت سبھی لوگوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور اس کا ہر اعلیٰ و ادنیٰ فرد کو نفع پہنچتا ہے۔ رئیسوں کی نیکیاں ماتحتوں کے شاملِ حال ہوتی ہیں، اور ان کے شر و فساد پر غالب آجاتی ہیں اور تمام شہروں کو سلامتی کے نور سے منور کر دیتی ہیں اور مغلوبہ کدورتوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اور تمام جزوی فسادات کو رفع دفع کر دیتی ہیں۔ بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اور اس آیت کریمہ کا حکم نیکیوں کے اعتبار سے کلی اور برائیوں کے اعتبار سے جزوی ہے۔ وگرنہ اگر برائیوں کو کلّی اور نیکیوں کو جزوی سمجھا جائے تو معاملہ برعکس ہو جائے۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ کہ اعمال کو مٹا دیتی ہے اس امر کی گواہ ہے۔ اسی کی بنا پر گناہگار مومنین بھی آخر کار نجات پا جائیں گے۔ گو وہ توبہ کیے بغیر ہی مر گئے ہوں۔ اور بے دین کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، خواہ وہ اپنے وقت کے تارک الدنیا ہی کیوں نہ ہوں۔ کیوں کہ ایمان لانا اور اسلام قبول کرنا ایک کلیہ نیکی ہے جو تمام دیگر برائیوں کو دُور کر دیتی ہے اور شرک و کفر ایک کلّیہ بُرائی ہے جو تمام نیکیوں کو باطل کر دیتی ہے۔ اس طرح ہر آدمی میں اعضا کے سردار یعنی دل کی اچھائی یا برائی سارے بدن میں سرایت کر جاتی ہے اور اپنے ضمن میں لے لیتی ہے۔ بیشک ابن آدم کے جسم ہی میں اک لوتھڑا ہے جو اگر درست ہو جائے تو تمام جسم درست ہے اور اگر وہ فاسد ہو جائے تو سارا جسم ہی فاسد ہو جاتا ہے۔ آگاہ رہو وہی دل ہے۔ پس سرداروں کی نیکیاں اور برائیاں جو بمنزلہ کلی نیکیوں اور برائیوں کے ہیں۔ ماتحتوں کی نیکیوں اور برائیوں کو نیست و نابود کر دیتی ہیں جو بمنزلہ جزوی نیکیوں اور برائیوں کے ہیں۔ جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم سے بھلائی کا تو اُن کے

Marfat.com

بُردبار لوگوں کو اُن کا والی بنا دیتا ہے۔ اور اُن کے عالموں کو ان کے درمیان ثالث بنا دیتا ہے۔ اور مال ان کے سخیوں کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم سے شر کا تو ان پر والی بنا دیتا ہے ان کے بیوقوفوں کو۔ ان کے جاہلوں کو ان کے درمیان قاضی بنا دیتا ہے اور مال اُن کا بخیلوں کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور جب ہوتے ہیں تمھارے پیچھے پسندیدہ لوگ اچھے اور تمھارے امیر تمھارے سخی اور تمھارے معاملات تمھارے درمیان مشورہ سے طے ہوتے ہوں تو پس زمین کی پشت تمھارے لیے اس کے بطن سے بہتر ہے اور جب تمھارے امرا شریر لوگ ہوں اور تمھارے غنی بخیل لوگ ہوں اور تمھارے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں ہو جائیں پس زمین کا بطن تمھارے لیے بہتر ہے اس کی پشت سے۔ پس عادل بادشاہ اور دُنیا کے پاک دامن امرا کو دینی امور کے اجرا میں کلی عمل دخل ہے۔ اور جب تک بادشاہ انصاف پسند، نیک نیت اور اوصافِ حمیدہ والے امرا دینداری کی طرف متوجہ اور مائل نہ ہوں اور شرعِ دینِ متین کے حامی اور رائج کرنے اور محمدیوں کے معین و مددگار نہ ہوں۔ تو شرعی احکام کا نفاذ اور محمدی طریق کی اشاعت اکثر و بیشتر جیسی کہ محمدیوں کو منظور ہوتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ اُنھیں ظاہری و باطنی تائیدات سے مدد فرمائے) ظہور پذیر نہیں ہوتی اور عوام کی ہدایت کا دروازہ نہیں کھُلتا۔ باوجود اس کے کہ دُنیاوی اور روحانی صدموں اور مصیبتوں سے زمانے میں امن حاصل ہو اور اہلِ دُنیا اکثر و بیشتر حادثاتِ زمانہ سے محفوظ ہوں، پھر بھی شریعت اور طریقت کا نور عمومی انداز میں اہلِ دُنیا میں نہیں پھیلتا۔ پس مخلص دنیا دار، عالم، صالح، نیک اور سعادت مند نوجوان اگر اس نیک نیت اور ارادے سے اُمرا اور سلاطین سے ملیں اور احکام الٰہی کی تبلیغ اور طریق محمدی کی طرف ترغیب کے ارادے سے ان کے ساتھ راہ و ربط رکھیں تاکہ انھیں راہِ حق کی طرف کھینچ کر دین کی تقویت کا باعث بنائیں اور اُنھیں ہر وقت اور ہر تقریب میں ہر بہانے سے نیک کلمات سنوارنے ہی کے لیے کوشاں رہیں اور ان غنی لوگوں کی بے توجہی اور خر دماغی سے قطع نظر محض نیک نیتی کی راہ سے اس مصرع کے مطابق۔ ع کس نشنود یا نشنود من گفتگوی میکنم (اپنی سی کوشش کیے جائیں کہ کوئی سنے یا نہ سنے میں اپنی بات کیے جاؤں گا)۔ سو ان کے سامنے حق بات کہنے سے دریغ نہ کریں اور ہر وقت دقتی مصلحت اور تقاضے کے

Marfat.com

مطابق جو کچھ کہنا چاہیے کہتے رہیں۔ خدا نے چاہا تو آخرت میں اللہ کے ہاں نیک اجر پائیں گے اور دُنیا میں بھی لوگ ان کے شکر گزار ہوں گے۔ اور آخرت کی اس کھیتی کا حاصل انھیں دین و دُنیا دونوں میں نصیب ہوگا۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی نیکی و بھلائی کی توفیق عطا فرما اور ہمیں دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھ۔ متوکل اور درویش وضع محمدی اور عارفین و مقربین اور گوشہ نشین بزرگان دین اگر اس نیک نیت کے ساتھ بادشاہ وقت اور امرا و ارکین سلطنت، رعایا اور ملک و ملت کے حق میں دعا کریں اور امن و امان کی التجا و استدعا کریں اور دل و جان سے اس امر کی طرف متوجہ ہوں اور اس کام پر ہمت صرف کریں اور جہاں تک ہو سکے اپنی استعداد کے مطابق محمدی طریق کے لیے سعی و کوشش کریں اور ان لوگوں کو اپنی بابرکت صحبت و مجلس میں شرف باریابی بخشیں اور اپنے حضور میں ان کے حاضر ہونے میں مانع نہ ہوں تو یقیناً ان کا شمار اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدوں میں ہوگا۔ اور دُعا کے لشکر میں داخل ہوں گے۔ باوجود اس کے کہ ہونی تو ہو کر رہے گی مگر یہ وہ اللہ کے نزدیک اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ خدائی اندازوں اور تقدیروں میں کسی کو عمل دخل نہیں لیکن اپنی طرف سے نیک سوچ ہی رکھنی چاہیے اور خیر و برکت کا طلبگار رہنا چاہیے۔ جیساکہ فرمایا ابراہیم علیہ السلام (ہمارے نبی اور ان پر سلامتی) نے اپنی سرزمین کے بارے میں۔ اے میرے رب بنادے اس سرزمین کو امن والا اور رزق دے اس کے رہنے والوں کو پھلوں میں سے۔ جان لو کہ بلد دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک بلد آفاقی اور ایک انفسی۔ پس بلد آفاقی سے مراد وہ معروف سرزمین ہے جو موجود ہے زمین پر جسے لوگ وطن کہتے یا بناتے ہیں اور اس میں سکونت اختیار کرتے ہیں۔ اور اس سے مانوس ہوتے ہیں۔ اور انفس بلد وہ انسانی بدن ہے کہ جس کے ساتھ جس کا ساتھی ہوتا ہے اور اس میں تصرف کرتا ہے۔ پس جس طرح صحت بدنی اور نفسی عافیت ممد ہوتی ہے بھلائیوں کے لیے خواص میں اور مددگار ہوتی ہے نیکیوں میں زیادہ توفیق کے لیے اسی طرح سرزمین کا امن اور رزق کی وسعت اس کے رہنے والوں کے لیے سبب ہوتی ہے طریقت کے اجرا کے لیے اور ہدایت کو زیادہ کرنے کے لیے، پس طلب کرنا بھلائی کا دونوں بلدوں میں آخرت کے حُسن طلب میں شمار کیا جاتا ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے

Marfat.com

عافیت چاہتا ہوں دُنیا و آخرت میں میرے جسم کو سالم بنا اور مجھے اطاعت اور عبادت کی توفیق دے اور مجھے محفوظ رکھ اس چیز کے ساتھ جس سے تو محفوظ رکھتا ہے اپنے صالح بندوں کو اور بنا میرے شہر کو امن والا اور رزق دے اس کے رہنے والوں کو پھلوں کا اور پاکیزہ چیزوں کا اور بنا انھیں امن والا اپنے رسولِ امین کے طفیل اس کے امن والے شہر کے ذیل میں (آمین) ۔ قصّہ کوتاہ اگر اصلاحِ عام کا وقت میسر نہ ہو اور زمانہ فرصت نہ دے اور اہلِ زمانہ گرویدہ نہ ہوں اور حضرتِ نوح والا معاملہ در پیش آجائے کہ تھوڑے ہی لوگ تھے جو نوح کے ساتھ ایمان لائے تھے، پھر بھی ان کی ہدایت کے تقاضے پر اپنی قوم کے لوگوں کو شب و روز پکارتے رہو، اگرچہ ظالموں کے لیے ان کی استعدادات کے مطابق خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں ہوتا ۔ پس ایسے اوقات میں چاہیے کہ تم اپنی تربیت سے غافل نہ رہو ۔ اور ہر لحظہ اپنے حال کی حفاظت کے لیے کوشاں رہو ۔ اور اپنی دعوتِ حق کے صحیح عزم کو سست نہ بناؤ ۔ ان کے پر آشوب حال پر نظر رکھتے ہوئے اپنے طریق حق کے اظہار سے نہ رکو ۔ اور اپنی مقدرت اور وسعت کے مطابق اپنے آپ کو بھی غفلت کی بنا پر ان کا شریک نہ بناؤ ۔ اور اپنے اوقات کو پریشان نہ کرو ۔ اور عبادت اور اطاعت میں سرگرمِ عمل رہو ۔ اور اپنے خاص حال کی اسی اصلاح اور اپنے نفس کی مخصوص ہدایت میں مشغول رہتے ہوئے اپنے ظاہری و باطنی سکون میں خلل نہ ڈالو ۔ اور بُرے اور وحشیانہ خیالات کو دل میں نہ گزرنے دو، کیونکہ وہ خواہ مخواہ فضول ہی دلی پریشانی کا موجب ہوں گے ۔ اور تشویش کی زیادتی کا باعث بنیں گے ۔ منتشر امور کا تصور تک نہ کرو، اور مقدور بھر کیا اپنے لیے اور کیا دوسرے بندگانِ حق کے لیے بداندیش نہ بنو ۔ اور اپنے نفس میں فاسد خیالات کو پختہ نہ ہونے دو ۔ کیونکہ انسانی نفس اور خصوصاً کامل نفوس کا دنیاوی ڈھانچے پر تصرف ہے ۔ اور تمام اجسام میں وہ بالعموم اک خاص نسبت سے اثر انداز ہوتا ہے ۔ اور اس کی تاثیر اور سرایت ساری دُنیا میں ہوتی ہے ۔ پس ناپسندیدہ امور پر ہمت صرف نہیں کرنی چاہیے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ توجہ مبذول اور ہمت صرف کرنے سے ایسے امور معرضِ ظہور میں آجائیں ۔ اور ذہن سے خارج میں نمودار ہو جائیں کہ داناؤں نے کہا ہے اور یہ شعر بھی اسی حال کی خبر دیتا ہے ۔ ؎

Marfat.com

کار نہ این گنبدِ گردان کند   ہر چہ کند ہمتِ مردان کند

(کام یہ گردشِ فلک نہیں کرتی جو کچھ کرتی ہے مردانِ حق کی ہمت ہی کرتی ہے)۔ اور انسانی قوی نفوس کے اثرات ہیں اور انسانی نفس ناطقہ عجیب تاثیرات رکھتا ہے کیونکہ افلاک و آسمانی حرکات کی تاثیرات ارضی عناصر پہ جو مشتمل ہیں اربعہ عناصر (آگ پانی مٹی اور ہوا) اور موالید ثلاثہ یعنی جمادات و نباتات و حیوانات پر۔ یہ بھی ان کے نفوس ناطقہ کی بدولت ہے اور فلکی نفوس آسمانی اجرام کے محرک ہیں اور گردشِ فلک اک ارادی حرکت ہے۔ عقول عشرہ (فرشتوں) کے تشبہ کے لیے کیونکہ عقول عشرہ کو جو کہ فرشتگان ہیں زمانہ ماضی و مستقبل کے تمام امور کا علم کلیتہً حاصل ہے۔ اور نفوس ناطقہ کو فقط ماضی کے زمانے کے امور کا علم ہے اور انھیں مستقبل کے زمانے کے امور کی خبر نہیں ہوتی۔ لہٰذا افلاکی نفوس افلاک کو ہمیشہ حرکت میں رکھتے ہیں تاکہ مستقبل کا زمانہ ظہور پذیر ہو۔ اور ان کو آنے والے وقت کے امور کا علم بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ ہر لحظہ عقول عشرہ کے علم کے حصول میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں لامتناہی ترقیاں کرتے ہیں۔ اور کسی وقت بھی نہ تو زمانہ ختم ہوتا ہے اور نہ ہی آسمان اپنی حرکت سے رکتے ہیں۔ اور یہ جو قرآن پاک میں آیا ہے کہ آسمانوں کا لپیٹنا ایسے ہی ہے جیسے کہ کتابوں کے طومار کا، وہ بھی فلکی حرکات کی قسموں میں حرکت ہی کی ایک قسم ہے جو آخرت کے زمانے کی پیدائش کا باعث ہے۔ اور نہیں انھیں جانتا کوئی جیسے کہ ان کا حق ہے سوائے اللہ کے۔ اور علم میں راسخ اور عرفان میں کامل لوگ کہتے ہیں ہم اس پہ ایمان لائے، اس کے کہنے والے پر اعتماد کرتے اور اعتقاد رکھتے ہوئے رسولؐ پر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل کیا نبی صلعم کے دل پر۔ یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور اللہ اور اُس کا رسولؐ حقیقتِ حال کو خوب جانتے ہیں اور اس ذکر سے نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر اہلِ عقل ہی جو نبوت کے کمالات اور امامت کی برکات میں صاحبِ کمال ہیں۔ یہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔ اور سمجھ لینا چاہیے کہ اس افلاکی حرکت سے جو کاغذ کی طرح لپیٹا جائے گا۔ سارا زمانہ اپنے آپ پر لپیٹ کر سب کا سب رسی کی انٹی کی طرح جمع ہو جائے گا اور لپیٹے ہوئے شاہی فرمان کی طرح اس کا پھر کھلتا زمانے کے انقلاب اور گردشِ فلک کا پلٹنا ہوگا اور اسی وجہ سے

Marfat.com

قیامت کے دن سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور یہ حرکت ماضی کے زمانوں کے اعادے کے لیے ہے تاکہ سارا پچھلا کاروبار پھر سے معرضِ ظہور میں آئے اور دُنیا بھر کے سارے معاملات ظہور پذیر ہوں۔ جس طرح حضرت مبداءِ اوّل نے ان میں ایک بار ابتدائی حرکات تخلیق فرمائی ہیں۔ اسی طرح وہ دوسری دفعہ لوٹانے والا دوسری بار ان کو لوٹا کر لائے گا۔ اور جس وقت کن فکاں کے اس فصیح بیان کی صنعتِ لف ونشر مکمل ہوجائے گی تو وہ جلد ترین حساب لینے والا اور حاکموں کا حاکم بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ جزا و سزا کے تمام معاملات اور تمام ماجرے کو ابتدا سے انتہا تک انجام تک پہنچا دے گا۔ اس وقت زمانے کو جسے قرار نہیں قرار دے کر تغیر و تبدل کے بغیر ٹھہرا دے گا اور اپنے نفسِ دوام کے ضمن میں لے کر اس سرے سے لے کر اس سرے تک ازل اور ابد کو اس میں گم کرتے ہوئے ایک ہی حال پر قائم و دائم کر دے گا۔ اور اضافی زمانے اور نکلنے والے امر کو زمانِ حقیقی کے وصل تک جو اس کے نکلنے کا منبع و مبدا تھا پہنچا دے گا۔ اور اپنی ذاتی قدامت کی تجلی اور نفسی دوام کی تجلی میں حضرت وجود کی بقائی مدت کی نسبت کو فنا کر دے گا۔ اور اس کے بعد افلاک کی حرکت کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور اپنے رب کے مرتبے سے واصل ہوکر آسودہ حال ہوجائیں گے اور ہمیشہ ایک ہی وضع پر رہیں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایک صبح کا وقت ہی نظر آئے گا جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ کہہ دو کہ اگر بنا دے اللہ تمھارے لیے دن کو قیامت کے دن تک تو کون ہے معبود اللہ کے علاوہ کہ تم پر لے آئے رات جس میں تم سکون حاصل کر سکو۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو اور اس کی رحمت میں سے یہ بات ہے کہ بنایا اس نے تمھارے لیے دن اور رات کو تاکہ تم سکون حاصل کرو اور تم چاہو اس کا فضل اور تم شکر ادا کرو۔ نفسِ زمان اور نفسِ مکان جو غیر زمانی اور غیر مکانی ہے اپنی خالص حالت میں باقی رہے گا اور ابتدا و انتہا، اور ازل اور ابد، اور مدت کی کمی و بیشی اور نزدیکی و دوری، پس و پیش اور آگے پیچھے اور ستّوں سالوں مہینوں اور دنوں ساعتوں اور دن رات اور صبح و شام لمحوں اور لحظوں سب کو ایک ہی باقی اور دائم رہنے والے واحد مرتبے میں متحد کر کے ایک ہی بنا دیگا اور اس تمام طولانی اور دراز عرصے کو جس کی مثال اونٹ اور رگ و ریشہ کی سی ہے اور درزی کے نشان بلکہ اس سے بھی کم تر کو داخل کر کے محالات کو بھی ممکنات میں کھینچ لائے گا۔ اور یوں ہر مرتبے

Marfat.com

کو اپنے وجوب تقسی کے غلبے وحکمرانی میں کم اور ناپید کر کے پھر ظاہر وعیاں کرے گا کہ جس میں ایک سے دوسرے کے فرق کی گنجائش نہ رہے گی۔ اور نہ ہی ایک سے دوسرے کے اتحاد کو دخل ہوگا۔ اور دائمی عذاب پانے والوں کے عذاب اور عقوبت کا اختتام بھی یہیں تک ہے کہ تمام معاملات ختم ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ بیشک وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور تکبر اختیار کیا نہیں کھولے جائیں گے ان کے واسطے آسمان کے دروازے، اور وہ نہیں داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ گزر جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں سے اور اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔ ایک بار پھر ہم اصل مطلب کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب انسانی نفوس ناطقہ کی تاثیرات دیگر تمام اشیا کے خواص اور آثار میں ثابت ہو گئیں۔ لہذا جہاں تک ممکن ہو سکے نفس کو نیک کاموں کے تصور میں مشغول رکھو اور برے امور کا تصور تک نہ کرو، اور نہ ہی مکروہ اشکال اور وحشیانہ وسوسوں اور وہموں کا خیال کرو، اور باطل خیالات کو دل سے نہ گزرنے دو، اور فاسد ارادوں کو اپنے نفس کا ساتھی نہ بناؤ، کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اس نفس کی ہمت کو اس میں دخل ہو۔ اور تیرے نفس کی مدد سے قوت سے فعلی شکل اختیار کر لیں اور اندرونی کمینگاہ سے منصۂ شہود پر جلوہ فرما ہو جائیں۔ ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اپنے نفسوں کے شر سے جو برائیوں کے اسباب اور ان کے موجب ہیں۔ اور ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اپنے اعمال کی برائیوں سے جو کہ نفسی شرور اور ان کی مقتضیات کی معلومات ہیں۔ اور اس طرح بعض دینی امور کبھی کبھی ان کا ہونا بعض نفوس انسانیہ کی توجہ سے متعلق ہو جاتا ہے۔ اور اس میں بعض نفوس کا ارادہ شرط ہوتا ہے۔ اور وہ قضائے معلّق کی قسم میں سے ہیں اور اُس پر دُعا کی بنیاد ہے اور اس قضا کو رد نہیں کرتی مگر دُعا۔ پس سب کے لیے دُعائے خیر ہی کرنی چاہیے اور خلق خدا کے حق میں خیر خواہی کے سوا اور کچھ نہیں کرنا چاہیے اور ہر مومن کے متعلق نیک گمان رکھنا چاہیے اور نیک گمان کا دروازہ ہی کھولنا چاہیے، اس آیت کریمہ کہ مومنوں کے متعلق نیک ظن ہی رکھو، کی ایک توجیہہ یہ بھی ہے۔ اور درحقیقت مومنوں کے حق میں نیک گمان کا سبب یہ ہے کہ نیک ظن خود صاحب ظن کے حال کی بھی اصلاح کرتا ہے۔ اور برے گمان کی بنا پر پیدا ہونے والے برے امور کے احتمال کو بھی رفع دفع کرتا ہے۔ اور کئی ظنی امور ایسے

Marfat.com

ہوتے ہیں کہ قیاس و قرینہ سے ان کا وہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے جو فی الحقیقت ویسے ہوتا نہیں - خود قرآن فرماتا ہے کہ گمان حق کی ضرورت کو کچھ بھی پورا نہیں کرتا - پس بدظن آدمی ہر صورت میں خود ہی بُرا آدمی ہوتا ہے - کیونکہ جس کے متعلق بُرا گمان کیا اگر وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس نے ظن کیا تو پھر اس صورت میں ایک مسلمان کی غیبت کے سوا اس کے ہاتھ اور کچھ بھی نہ آیا اور اگر وہ ویسا نہیں جیسا کہ اس نے گمان کیا تو پھر یہ گمان کرنے والا مفت میں افترا پرداز ٹھہرا - اور خواہ مخواہ گنہگار ہوا - کیونکہ بعض گمان اکثر گناہ ہوتے ہیں - بہرحال کسی کے متعلق بدظنی یا کسی کی بدخواہی گمراہی ہے - جو اپنی باطنی صفائی کے راستے کو بند کر دیتی ہے - اور دوسروں کی خیرخواہی آگاہی سے پیدا ہوتی ہے جو صاف باطن لوگوں کا حصہ اور نصیبہ ہے - تجھ سے تو اپنے یارانِ طریقت اور ساتھی بھائیوں کی محبت اور صفائی قلب مطلوب ہے - اور تجھ سے مسئول قریبی رشتہ داروں سے محبت ہے - اور جو دین کے زیادہ قریب ہوتا ہے وہ حقیقتاً زیادہ محبوب ہوتا ہے - اور اللہ بخش دے ہمیں اپنی بخشش کے ساتھ جس کے بارے میں ہم نے سنا اور ہم نے اس کی اطاعت کی، اور بخش دے جو فوت ہو گیا ہمارے احبّا میں سے، اور ان پر رحم فرما، اور اُن سے درگزر فرما - بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا ہے - اور بنا ان کو خالص مخلص اور نہ بنا انھیں منافقوں اور گمراہوں میں سے، اپنی رحمت سے اے ارحم الرّحمین!!

سارے نیک امور اور دینی احکام کے اجرا کی بنیاد اتفاق پر ہے - جب تک اہلِ طریقت دل و جان سے باہم متفق نہ ہوں گے اور ظاہر و باطن میں ایک دوسرے سے اتفاق کرتے ہوئے اہم کاموں میں مصروف نہ ہوں گے، ترویج و اشاعت کا طریق سرانجام نہ پائے گا - نفاق میں سراسر فساد و خرابی ہے - منافق مفسد ہوتے ہیں - سوادِ اعظم سے ہرگز ہرگز کٹ کر الگ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ حضورؐ پاک نے اسی لیے فرمایا ہے کہ میری اُمت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوتی - رسول اللہ صلعم نے فرمایا دو لوگ بہتر ہیں ایک سے اور تین بہتر ہیں دو سے اور چار بہتر ہیں ہیں تین سے - پس تم پر لازم ہے کہ ساتھ رہنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں جمع کرتا میری اُمّت کو مگر ہدایت پر - پس یہ بات خوب جان لو کہ وفاق و موافقت کی لذت دین و دُنیا کو خوشگوار بنا دیتی ہے اور دُنیا و آخرت کی خوبیاں اور نیکیاں اتفاق ہی سے حاصل ہوتی ہیں اور نفاق کی کڑواہٹ وفاق کی شیرینی و لذت

Marfat.com

کو بدمزہ کر دیتی ہے اور دین و دُنیا دونوں کو ناگوار اور بدمزہ بنا دیتی ہے۔ جیسے سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے اور اس کی مٹھاس کو ضائع کر دیتا ہے۔ غرضیکہ اتفاق و اتحاد ایک ایسی بات ہے جو ہر حال میں مطلوب ہے۔ اور سب توفیق اللہ ہی کو ہے اور وہی بہترین رفیق ہے۔

رباعی:

اے بے خبر اتفاق مے باید کرد
با ہمہ گر اتفاق مے باید کرد
از وہم خودی نفاق خیزد غافل
از خود گذر اتفاق مے باید کرد

ترجمہ رباعی: اے بے خبر اتفاق کرنا چاہیئے۔ ایک دوسرے سے اتفاق و اتحاد کرنا چاہیے۔ اے غافل خودی و تکبّر کے وہم و گمان سے نفاق پیدا ہوتا ہے۔ اپنی خودی سے باز آ۔ اتفاق کر اور اتفاق ہی کرنا چاہیے۔ (مصنف خود اس کی وضاحت یوں کرتا ہے کہ) اے بے خبر اگر حقیقت میں تو دین کی تقویت اور طریقت کی اشاعت کا عزم رکھتا ہے تو تیرے لیے لازم ہے کہ عام اتفاق کا دروازہ کھول دے اور مکمل اتحاد کا قصد کر، جہاں تک ہو سکے کسی کو رنجیدہ نہ کر، اور اپنی طرف سے مخالفت کرتے ہوئے نہ لوٹا سوائے اس کے کہ سخت لاچاری و مجبوری ہو جو تیرے لیے ناگزیر ہو۔ حتیٰ المقدور دوسروں کو اپنے سے متفق ہی رکھ خواہ عطا و بخشش سے، خواہ حُسنِ اخلاق اور صفائی قلب سے، خواہ ڈرا دھمکا کر یا عذر معذرت سے خواہ تصرف و قبضے سے۔ حاصل مطلب یہ کہ جس طرح بھی بن پڑے اتفاق کی ڈور اور اجتماع کی مضبوط رسی کو ہاتھ سے نہ چھوڑ، تمھارے لیے سوادِ اعظم کا مقولہ اسی امر کی خبر دیتا ہے۔ خاص طور پہ ایک دوسرے کے ساتھ یعنی برادرانِ طریقت اور یارانِ مشفق و مہربان کے ساتھ کیونکہ ان لوگوں سے تو سراسر اتفاق ہی کرنا چاہیے اور ان کی ناپسندیدہ باتوں کو بھی برداشت کرنا چاہیے۔ ان کا بوجھ اُٹھانا اور بٹانا چاہیے حتیٰ کہ ان میں سے جو منافق ہیں اُنھیں بھی کھلے بندوں ان احکام سے مختص نہ کرنا چاہیے جو ان کے لائق نہیں سوائے اس مجبوری کے کہ زیادہ فساد کا اندیشہ ہو۔ اور کلیہ کی رُو سے نفاق کی قباحتوں اور برائیوں کو بیان کرنا چاہیے۔ یوں خواہ وہ درست ہوں یا

Marfat.com

نہ ہوں ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے ۔ اور اس عمل کو تو اپنے حق میں نفاق نہ سمجھ کیونکہ بُرے کو بُرا سمجھنا اور پھر بھی اس کے حق میں بدی نہ کرنا اور معاف کر دینا نفاق نہیں ہے بلکہ یہ تو کریمی صفت ہے ۔ نفاق یہ ہے کہ نیک کو بُرا خیال کرنا اور جو کوئی اپنے حق میں نیکی کرتا ہے اس کے ساتھ بدی کرتا اور باطن میں اسے بُرا سمجھنا ، اور اُس کی عدم موجودگی میں اُس کو جھٹلانا اور ظاہر میں اسی کے طریق میں داخل ہو کر اس کی تصدیق کرنا ۔ پس اپنی طرف سے محض اور سراسر اللہ ہی خوشنودی کے لیے صفائی قلب میں مصروف رہنا چاہیے ۔ کیونکہ ہر شخص کا معاملہ اس کے اپنے نفس سے وابستہ ہے ۔ قرآن مجید میں واضح طور پر آیا ہے کہ جو کچھ میں کرتا ہوں اس کی ذمہ داری سے تم بری ہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی ذمہ داری سے میں بری ہوں ۔
نفاق کا منبع و مبدا خودی و انانیت کا وہم و گمان ہے جسے خود بینی و نفسانیت کہتے ہیں ۔ پس اے غافل تو جو کہ نفاق کے برپا ہونے کی اصل وجہ سے واقف نہیں ہے اپنی خودی و انانیت کو چھوڑ ۔ اپنی نفسانیت سے چھٹکارا پا ۔ کچھ مدت کے لیے ان سے اتفاق کر کہ آخر کو نہ تو رہے گا اور نہ یہ رہ جائیں گے ۔ اس نیک کام کا اجر تو اپنے ساتھ ہی لے جائے گا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ۔

Marfat.com

هوالنّاصح

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے انسان کو پیدا کیا، پھر اُسے ہدایت دی اور اس پر عبرت اور تنبیہ کا دروازہ کھولا۔ اور درود و سلام ہو اس کے حبیب محمد الرسول اللہ صلعم پر اور اُس کی آل رضؓ اور اصحاب رضؓ پر جو بلا شک و شبہ صاحبانِ ہدایت ہیں۔ اما بعد یہ نوّے واں (۹۰) باب ہے جو انتباہ سے موسوم ہے۔ جان لو کہ تنبیہ اور انتباہ انسان کے لیے حاصل ہوتا ہے، انسان کو ضرورت کے تحت اکثر اوقات امور کے مشاہدے سے جو نفس انسانی پر اثر انداز ہوتا ہے ان کی استعدادوں کے فرق کے مطابق۔ بیشک عوام جو ہیں اسے منسوب کرتے ہیں معاملے کے ختم ہونے کے بعد جو کہ ہوتا ہے سبب اس تنبیہ اور انتباہ کا جیسے کہ حیوانات متوحش ہوتے ہیں وحشت پیدا کرنے والے اور ڈرانے والے امور سے یا منافرت پیدا کرنے والے ہوتے ہیں طبیعت نوعیہ کے لیے۔ پھر اُنھیں منسوب کرتے ہیں جب کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں۔ اور یہ انتباہ، انتباہِ وہمی ہے جو قوتِ وہمیہ سے واقع ہوتا ہے حفاظت کے لیے بچتے ہوئے مضرات سے اور یہ انسان کے حق میں معتبر نہیں ہے۔ اور نہ یہ عقبیٰ کی بھلائی میں کوئی مفید ہے۔ بیشک یہ تو فائدہ دیتا ہے دُنیا میں، اور وہ انتباہ جو کہ خواص میں اور خاص ہوتا ہے انسان کے ساتھ اور اُسے فائدہ دیتا ہے نفع پہنچاتا ہے

Marfat.com

دُنیا و آخرت میں، وہ دو قسم کا ہوتا ہے ۔عقلی اور ایمانی ۔ پس جہاں تک عقلی کا تعلق ہے جو کہ داناؤں اور عقلمندوں میں ہوتا ہے ۔ اس کا مبدا و منبع بھی عقل ہوتی ہے ۔ اور وہ قوتِ فکریہ سے واقع ہوتا ہے ۔ اور دُنیا میں حال کو درست کرتا ہے اور فائدہ دیتا ہے کسی حد تک فائدہ سزا کو کم کرتے ہیں لیکن وہ نجات کا سبب اور تقرب کا وسیلہ نہیں ہوتا اور یہ اسلام کے ساتھ مشروط نہیں ہے ۔ پس عقل کی سلامتی اور فکر کی صحت اور ذہن کی ذکاوت اس کے لیے شرط ہیں ۔ جہاں تک ایمان کا تعلق ہے جو محمّدیوں کے ساتھ خالص ہے اور ہمیشہ ان کے ساتھ ہی رہتا ہے جو حاصل ہوتا ہے خاص انتخاب الٰہی سے اور اُس کے حُسنِ قبول سے اور دونوں جہانوں میں حالات کو درست کرتا ہے اور باطن کو منوّر اور ظاہر کو پاکیزہ کرتا ہے اور وہ ہوتا ہے سببِ نجات کا اور وسیلہ قرب کا ۔ اور یہ ہے اعلیٰ قسم کا انتباہ اور تنبیہہ اور اُس کا لبِّ لباب ۔ اور اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں مگر عقلوں والے ۔

دوستوں سے جُدائی اور مرنے والوں کے حالات سے انتباہ کے بیان کا باب

واحسرتا اور حیف صد حیف کہ بے مثال دوست کہ جن سا دُنیا میں کوئی بھی نہیں ہم پیچھے رہ جانے والوں سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئے ۔ یعنی ماں باپ (اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت کرے) جو ہمارے بچپن ہی میں رحلت فرماگئے اور ہمیں ہمارے حال پہ تنہا چھوڑ گئے ، اور ظاہر میں ہمارے سر سے سایۂ عاطفت اُٹھالیا ۔ پس افسوس صد افسوس ، ہم نازوں کے پلے ہوئے اور نعمتوں کے عادی اشخاص کے پُر آشوب احوال پہ اگر ہم اپنے ذہن و عقل کے ہاتھ سے اس ہستی کی رفاقت اور حضوری کے دامن کو چھوڑ دیں جو ستّر (۷۰) مہربان ماؤں سے بھی زیادہ مہربان ہے اور ہم ظاہر بین غافلوں کے حال پُر ملال پہ حیف صد حیف اگر ہم اپنے دل کا رُخ اس مشفق و مہربان ہستی کی طرف نہ کریں جو شفیق باپ سے بھی زیادہ شفقت اور رحم کرنے والا ہے ۔ اور ہم کوتاہ اندیش ناقص العقلوں کی غلط سوچ پہ ہزار افسوس کہ اگر ہم اس ہستی کے توکل و اعتماد کی ڈور کو مضبوطی سے نہ تھامیں جو ابتدا سے لے کر انتہا تک ہر چھوٹے بڑے کی پرورش کرتی ہے ۔ ہم ضعیف الاعتقاد

Marfat.com

اور ظاہری اسباب کے پابند بے تسکینوں کے یقین پہ حیف و صد حیف اگر ہم اپنی چشم بصیرت کو ایسی ہستی کی قدرت کے مشاہدے کیلئے نہ کھولیں جو ان تمام اسباب کا مسبّب ہے اور یوں پراگندہ خاطر اور پریشان حال رہیں۔ بُرا بیٹا باپ کے ورثے سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور جوہر سے عاری بھائی اپنے بھائی کی دولت سے بے بہرہ رہ جاتا ہے۔ دیکھئے یہ آیت کریمہ کہ جسے بنایا اللہ تعالیٰ نے وارث اس کے لیے جسے عطا کیا کوثر اور پیا پانی مشربِ محمدیؐ سے جس میں سے کہ بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ پس اسے پلائی اس کے رب نے شرابِ طہور اور وہ پلاتا ہے تمام لوگوں کو اپنے مشرب سے اور اُن سے کہتا ہے کہ کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق میں سے، اور زمین پر فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ بہرحال اب وقت ایسا ہے کہ اپنے سے بچھڑ جانے والوں بزرگوں کے دردِ جدائی کو جو ہم نالائقوں کے سچے دوست تھے اپنے غفلت کیش دل میں ہمیشہ قائم اور تازہ رکھنا چاہیے اور ان کی محبت کے اس سرمایے کو عشقیہ نسبت کا بیج بنا کر جذبِ الٰہی کے گلشن کے ذوق و شوق کی کیفیت کا پودا بنا کر سرسبز و شاداب رکھتے ہوئے ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے اور اپنے ان بزرگوں سے اپنے حال پہ جو شفقت و محبت و تربیت اپنے سے چھوٹوں پر روا رکھنی چاہیے اور ان کی ادب آموزی اور تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنی چاہیے۔ ان کے سروں پر اپنا سایہ عاطفت و شفقت ڈالنا چاہیے مگر اتنا بھی نہیں کہ وہ شوخ چشم ہی ہو جائیں۔ اور اَور بھی بدتر ہو جائیں اور سب توفیق اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

رباعی:

صد حیف کہ جملہ دوستداران رفتند
زین دشت تمام شہسواران رفتند
اکنوں منِ واماندہ چہ سازم چہ کنم
ای درد کجا اینہمہ یاران رفتند

ترجمہ رباعی: افسوس صد افسوس کہ سب دوست کوچ کر گئے اس دشتِ دُنیا سے سب شہسوار رخصت ہو گئے۔ اب ان سے بچھڑ جانے والا میں ناچیز کیا کروں۔ اے دردِ دل سے ملنے والے وہ سب کے سب پیارے آخر کہاں چلے گئے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق)

Marfat.com

لفظ دوستداران سے مُراد بڑے اور بزرگ ہیں جو اپنے چھوٹوں اور نوخیز عزیزوں کے دین و دُنیا کی عافیت اور ان کے ظاہر و باطن کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اور ان کے حقیقی خیر خواہ اور یقینی بہی خواہ ہوتے ہیں۔ ان کی تربیت کرتے ہیں اور جو کچھ واقعتاً درکار ہوتا ہے وہ سمجھاتے ہیں، کرنے والے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور نواہی سے روکتے ہیں۔ اور اکثر و بیشتر عادتِ الٰہیہ یونہی جاری ہے کہ پہلے وہ بزرگوں کو اس دُنیا سے اُٹھا لیتا ہے اور چھوٹوں کو ان کے بعد کچھ مدت کے لیے پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ کیونکہ بڑوں کی قدر و منزلت کا جیسی کہ ہونی چاہیے اُن کے اُٹھ جانے کے بعد ہی پتا چلتا ہے۔ ہمیں کسی نعمت کا احساس اس کے کھوئے جانے ہی پہ ہوتا ہے۔ بہت کم چھوٹوں کو ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ان سے وہی کچھ دکھائے جو دکھایا جانا چاہیے اور بزرگوں کو ان سے پوری طرح راضی حالت میں اس جہانِ فانی سے اُٹھا لے اور اُنھیں ان بزرگوں کی ظاہری جدائی کے علاوہ اور کوئی غم و اندوہ نہیں ہوتا۔ نہ تو اُنھیں وقت تلف ہونے کی حسرت یا افسوس ہوتا ہے اور نہ ہی اس دولت کے ہاتھ سے چھن جانے کے ملال کا گرد و غبار دل پر چھاتا ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے، بیشک وہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ اور لفظ "این دشت" سے منظور اسی فانی دُنیا کا یہ کھنڈر و ویرانہ ہے اور لفظِ شہسواراں سے مُراد وہ لوگ ہیں جو اس دنیا سے ایمان کی سلامتی کے ساتھ رخصت ہوئے۔ وہ جب تک زندہ تھے اپنے نفس کے سرکش گھوڑے پر غالب رہے اور اپنے فہم و فراست کے گھوڑے کو شریعت کی راہ پر چلاتے رہے اور اپنی عقل و نفس کی لگام کو اپنے ایمان کے ہاتھ میں تھامے رکھا اور گمراہی سے روکے رکھا۔ نیز ان پر شہسواری کا اطلاق ان بچھڑتے والوں کے اس جہانِ فانی کی گزرگاہ سے پہلے گزر جاتے یعنی سبقت لے جانے کی بنا پر بھی ہوتا ہے۔ اور لفظ "الکنون" سے مُراد اپنی پس ماندگی اور بقیہ چند روزہ زندگی ہے۔ اور چہ کنم و سازم کے کلمات سے مُراد ان رفتگان و بزرگان سے ایمان کی سلامتی و نیک اعمالی کے ساتھ جانتے کی تدبیر کا استفسار ہے۔ اور ان برگزیدہ اصحاب کی رضا و خوشنودی کے طریق کا پوچھنا ہے۔ اور اپنے نفس کے لیے ان کی پیشوائی بھی۔ اور لفظ یاراں، یاروں کی بجائے مستعمل ہے۔ ان بزرگوں کی مدد و نصرت کرنے کے اعتبار سے نہ کہ اس لحاظ سے کہ ان سے برابری و مساوات مقصود ہے۔

Marfat.com

اور یہ پوچھنا کہ کہاں گئے وہ؟ اس سے مقصود ہے ان لطافت پہ قدرت رکھنے والے مقدس بزرگوں کا یکایک آنکھوں سے اوجھل ہو جانا۔ اے قبروں میں ابدی نیند سونے والو تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ انشاء اللہ ہم بھی تم سے جلدی آملنے کی دعا کرتے ہیں۔ ہر چند کہ بنی نوع انسان کی فنا ہماری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیتی ہے۔ اور تم ممکن الوجود موجودات کی عدمیت تیز ہماری اپنی فنا کی حقیقت آشکارا کر دیتی ہے اور ہمارے دلوں کی سرزمین عبرت کا بیج بو دیتی ہے اور ہمارے اپنے نفس کو بھی جملہ رفتگان کے زمرے میں شمار کرواتی ہے۔ لیکن ہم غافلوں کو کماحقہٗ تنبیہہ میسر نہیں ہوتی اور نفس و طبیعت سے مکمل انقطاع کا دروازہ نہیں کھلتا۔ پاک ہے اللہ کی ذات اور یہ اس کی حکمت بالغہ ہے کہ اگر غفلت زندگی کے لوازم میں سے نہ ہوتی اور وہ حکیم مطلق ہمارے نفوس پر اس امر مطلق کا دروازہ بے قید اور بلا شرط نہ کھولتا تو کوئی جاندار کسی لمحہ بھی موت کے فکر سے فارغ نہ ہوتا۔ اور کوئی آدمی بھی دنیوی امور کو سرانجام نہ دیتا۔ اور اب بھی کبھی کبھار یہ کیفیت رونما ہوتی ہے۔ اور دل و جان پر طاری ہو جاتی ہے اگر یہ دائمی شکل اختیار کر لے اور مشاہدے کی اسی قوت سے دائمی حضوری نصیب ہو جائے تو اک عجیب نعمت ہو اور کمال دولت۔ بڑی خوش بختی ہو اور انتہائی قرب کہ نہ تو دنیوی مکروہات سے کوئی چیز نفس کے لیے مکروہ ہو اور نہ گراں گزرے اور نہ ہی طبیعت و نفس کی پسندیدہ اشیا سے کوئی چیز مرغوب رہے نہ ہی نفس و طبیعت اس کی طرف راغب ہو نہ مائل۔ پس اے ابدی سعادت کے طالب تجھے چاہیے کہ تو ہمہ تن عقبیٰ ہی مشغول ہو جائے اور دنیوی امور معاش کی طرف لاچاری و مجبوری ہی سے متوجہ ہو اور وہ بھی بقدرِ ضرورت۔ اور ہمیشہ باقی رہنے والی نیکیوں میں ہمہ تن مصروف ہو جائے اور جو کچھ تو کرے نیک نیتی سے محض رضائے الٰہی اور اُخروی نجات کے لیے کرے۔ عمل وہی ہے جو مرنے کے بعد کام آئے اور نجات کی راہیں کھول دے اور نیک نیتی سے ظہور پذیر ہو۔ اور ظاہری و باطنی پاکیزگی اور نورانیت کو بڑھائے۔ وگرنہ سب کام محض تضیع اوقات ہیں۔ اور حیوانات کی حرکات سے بھی بدتر ہیں۔ اور عذاب و عقوبت کا موجب ہیں۔ اور دُنیا و آخرت دونوں میں آفتوں کا ثمر دینے والے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اپنے نبی کریم صلعم کے صدقے

Marfat.com

اور دُور کر دے ہم سے ہماری برائیاں حضور صلعم کی بزرگ و برتر آل رضؓ کے طفیل اور بلند مرتبہ صحابہ رضؓ کے صدقے اور ہمیں موت عطا فرما نیک لوگوں کے ساتھ اپنی رحمت کے ساتھ اے بخشنے والے۔ افسوس صد افسوس کہ باغ کمالات کے پھول یعنی ہمارے بڑے بزرگ جو ہماری آنکھوں میں اس باغ دُنیا کی بہار تھے زمین کے پردے میں پنہاں ہو گئے اور ظاہری اعتبار سے قبروں میں دفن ہو گئے۔ اور ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ اور حُسن معانی کے موتی کو اُنھوں نے اخفاو پوشیدگی کی لڑی میں پرو دیا۔ اور ہم ظاہر بینوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے۔ اور اپنے چاہنے والوں یعنی ہمارے دل و جان کو جدائی کے داغ سے جلا کر چلے گئے۔ رباعی:

صد حیف ز چشم گلستانی رفتست
در خاک ز حسن کاروانی رفتست
در دیدہ خلد نگاہ مانند غبار
از پیش نظر لبسکہ جہانی رفتست

ترجمہ رباعی: حیف صد حیف کہ آنکھوں سے اک گلستان پُر بہار اوجھل ہو گیا حُسن کا اک کارواں پردۂ خاک میں چُھپ گیا، اب تو نگاہ بھی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔ گویا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے سے اک جہاں اُٹھ گیا۔ (حاصل مطلب یہ کہ) اپنے حال پر افسوس کرتے ہوئے اور بچھڑ جانے والے اکابر اور بزرگوں کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ حیف صد حیف ہم غافلوں کی نظروں سے کتنے ہی اکابر و بزرگانِ دین اس جہان سے اُٹھ گئے گویا کہ کمالات کا اک باغ تھا جو ہماری آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ اور حُسن اخلاق، حُسن اعمال اور حُسن عقیدہ کا اک قافلہ تھا جو شہرِ خموشاں میں جا بسا۔ پس ان واقعات سے ہم غم کے ماروں کا یہ حال ہوا کہ اب تو ہماری نگاہ بھی ہماری آنکھوں کے لیے آزار اور ایذا کا موجب بن گئی۔ اب تو کسی طرف دیکھنا اور آنکھ کا کھولنا بھی ناگوار ہے، اور یہ خاکی دُنیا سراپا گرد و غبار اور کدورت سے آلودہ نظر آتی ہے۔ جس طرح کہ جب فوج گزر جاتی ہے تو اپنے پیچھے گرد و غبار کا اک طوفان چھوڑ جاتی ہے۔ اور پیچھے رہ جانے والوں کی طبیعت کو منغض اور مکدر کر دیتی ہے۔ اور دُنیا کا ہر فردِ واحد اس جہانِ فانی سے کوچ کے لیے تیار ہے۔ —— بیشک ہم اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اُسی کی طرف ہمیں لوٹ جانا ہے۔

Marfat.com

هو الناصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں تلقین کرنے اور رشد و ہدایت دینے کے راستے کی راہبری کی۔ اور ہدایت دی ہمیں ہدایت اور راست روی کے راستے کی۔ اور درود و سلام اس کے رسولؐ پر جو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔ اور آپؐ کی بزرگی والی آلؓ اور آپؐ کے اصحاب پر جو بندوں میں سے بہترین ہیں۔ اما بعد پس یہ اکیانوے واں (۹۱) باب ہے جو تلقین کے نام سے موسوم ہے۔ اللہ میرا اور تمھارا رب ہے۔ پس اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے وہ گمراہی میں دور نکل گیا۔ محمد الرسول اللہ نہیں ہیں مگر اللہ کے رسولؐ اور خاتم النّبیین، اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اور نہیں ہے کوئی بھی ان کے بعد اس بات کے ہوتے ہوئے بھی کہ اس کی اُمّت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا کی طرح ہیں اور اللہ کا درود و سلام ہو اُنؐ پر اور اُنؐ کی آلؓ پر جیسے کہ درود بھیجا اللہ نے ابراہیمؑ پر اور ان کی آلؓ پر ہر وقت اور نہیں منقطع ہوا ان کی ہدایت کا سلسلہ ان کی پاکیزہ اولاد کے وجود کی وجہ سے، کیا اگر ان میں سے کوئی مر جائے یا قتل ہو جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے خالص محمدیت کے خروج کے ساتھ۔ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پر پھر گیا وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور عنقریب اللہ جزا دے گا خالص محمدیوں

Marfat.com

میں سے شکر کرنے والوں کو۔ پس اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس کی طرف وسیلہ چاہو ان موجود ائمہ کی بیعت سے جو تمھارے زمانے میں ہیں خالص محمدیوں میں سے تاکہ تم اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں زیادہ ہو جاؤ۔ اور تجدید کرو اپنے ایمان کی کلمہ لا اله الا الله محمد الرسول الله کی تکرار کے ساتھ۔ اور چن لو خالص محمدیت کو اور شیطان کے نقوش قدم کی خواہش نہ کرو۔ بدعتی فرقوں کے انتشار کے ساتھ جو نہیں تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور چلو اس مسلکِ نبوی پر جس کے اوپر تھے نبی صلعم اور آپؐ کی آلؓ اور آپ کے اصحابؓ۔ اور وہی طریق محمدیؐ ہے۔ ثابت قدم رکھے اللہ ہمیں اور تمھیں اس سیدھے راستے پر اپنے نبی کریم کے صدقے۔ پس اے وہ لوگو! جنھوں نے اعتقاد رکھا اور بیعت کی پوری کرو اپنی قسمیں، بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ ہو جاؤ محبت کرنے والے اللہ کے لیے اور نیکی اور تقوے کے معاملے میں باہم تعاون کرو جتنی تم میں طاقت ہے۔ اور نہ تعاون کرو باہم گناہ اور سرکشی پر۔ اور اللہ آگاہ ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔ اللہ تم پر کوئی تنگی نہیں چاہتا۔ اور نہ یہ چاہتا ہے کہ تمھارے اوپر ایسا بوجھ ڈالے کہ جس کی تم میں سہار نہ ہو، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاکیزہ کرے طبعی اور نفسانی آلائشوں سے تاکہ مکمل کرے اپنی نعمت پر برکات خالص محمدیہ میں سے۔ تم شکر ادا کرو اس کی اسی نعمت کا اپنے اوپر جو کہ اُس نے کی تم پر خالص محمدیت کو مشرف کر کے اور اُس کے وعدے کی وجہ سے جو اس نے تم سے باندھا ہے بیعت کے دن جب تم نے کہا گواہوں کے سامنے ہم نے سنا ہے، ہم نے اطاعت کی اس چیز کی جس کی طرف ہمیں اللہ نے بلایا اور ہم نے اس کی بیعت کی۔ پس ثابت قدم رہو ایفائے عہد پر۔ بیشک اللہ تعالیٰ سینے کی باتوں کو جانتا ہے۔ اور ہو جاؤ قائم رہنے والے اللہ کے لیے اور گواہ عدل کے ساتھ۔ اور کہو ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں داخل کیا خالص بنا کر طریق محمدیؐ میں اور ہم نے بیعت کی حقیقتاً امیر المحمدین خواجہ محمد ناصر محمدیؐ کے ہاتھ پر (اللہ کی ان پر سلامتی ہو) اور مجازاً محمدیوں میں سے پہلے کے ہاتھ پر، اللہ بخشے اُسے جو کچھ کہ گزرے ہیں اس کے گناہ میں سے پہلے اور جو بعد میں ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ خالص محمدیت

Marfat.com

ہی سچا اور آخری راستہ ہے۔ اور اللہ کا خالص دین ہے۔ اور ہم نے گواہی دی اللہ کے دین پر دُنیا میں بھی اور عنقریب ہم گواہی دیں گے انشاء اللہ قیامت کے دن بھی اسے ہمارے رب لکھ لیں ہمیں شاہدین کے ساتھ۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے اللہ نے تمھیں ہدایت دی ہے اور وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اپنی طرف سے بخشش اور اجرِ عظیم کا۔ اور وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا اپنے رب کی آیات کو اور اپنی انگلیوں کو کانوں میں ٹھونستے ہیں گویا کہ اُنھوں نے یہ دعوتِ تامہ حقہ نہیں سنی۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اور عنقریب انھیں خبر دے گا اس چیز کی جو وہ کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ پس جس نے توبہ کر لی ان میں سے اپنے ظلم کے بعد اور درست کر لیا اپنے حال کو ظاہراً اور باطناً، بیشک اللہ اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اور اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔ اے محمدؐ یو نہ رنجیدہ کریں تمھیں منافق جو ایمان لے آئے اپنے مُونہوں سے لیکن ان کے دل ایمان نہیں لائے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نہیں چاہتا کہ ان کے دلوں کو پاکیزہ کرے۔ ان کے لیے دُنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔ نازل کی اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول کی طرف وہ کتاب جو کہ قرآن ہے حق کے ساتھ اور بنایا اُسے تصدیق کرنے والا اس چیز کا جو ہمارے سامنے ہے کتاب میں سے جو کہ علم الکتاب ہے۔ اور بنایا قرآن کو اُس کے اوپر نگران اور اُس نے فیصلہ کیا لوگوں کے درمیان اس کے ساتھ جو اللہ نے نازل کیا۔ اور نہ پیروی کی ان کی خواہشات کی، اور اگر اللہ چاہتا تو بنا دیتا سب کے سب لوگوں کو ایک ہی اُمّت، لیکن یہ سب کچھ اس لیے پیدا کیا کہ وہ آزمائے انھیں اس بارے میں جو اُنھیں دیا ہے۔ اور اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا اور اُس نے مجھے حکم دیا کہ میں پہنچاؤں وُہ چیز جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ پس میں نے وہ پہنچا دی۔ اور اگر میں ایسے نہ کروں تو پھر میں نے گویا اس کی پیغام رسانی کی بجا آوری نہیں کی۔ وہی میرے لیے کافی ہے اور بچانے والا ہے مجھے لوگوں سے اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے ارادے سے، اور وہ اللہ اس پہ کافی ہے بطور وکیل کے اور وہ بہترین محافظ ہے۔

Marfat.com

حق طلبی اور کارکشائی کے طریق اور بیہودہ پھرنے اور ہرجائی ہونے کے بیان کا باب

جب شریف النفس اور تیز ذہن دل علوی تقاضوں کی بنا پر جو اس کی استعداد میں ودیعت ہیں بے اختیار علویات کی جانب کھینچتا ہے اور اُسے اشیا کی حقیقت کی پہچان اور امور کی آخری کیفیت کی دریافت دامنگیر ہوتی ہے۔ اور اللہ تک پہنچنے کا ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور عشق و محبت کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور اس طلب کی بے قراری اُسے بے آرام کردیتی ہے۔ اس کا دل و دماغ اس حجاب کو اُٹھانا چاہتا ہے مگر حقیقت کے منکشف نہ ہونے سے وہ تنگ دل ہو جاتا ہے تو اس صورتِ حال میں احوال کی مستقل جلن سے وہ بیقراری کے عالم میں جستجو کی راہ پر چل نکلتا ہے اور اُس عزیز مطلق کا سراغ لگانے کے لیے ہر سُو تگ و دو کرتا ہے کہ شاید کہیں سے رہنمائی ہو سکے جو سیدھے راستے پر دلالت کرے اور معاملے کے چہرے سے پردہ اُٹھا دے اور مطلوب تک پہنچا دے اور محبوب کے ساتھ بٹھا دے۔ چونکہ سنت الٰہیہ نے اس فیض کے دروازے کو سینہ بسینہ کے طریق پر کھولا ہے اور صحبتوں میں تاثیرات رکھی ہیں اور نہ پائے گا تو اللہ کی سُنت کو تبدیل ہونے والا، اور یہ ممکن ہے ہی نہیں کہ کسی زندہ دل کی صحبت دریافت کیے بغیر کوئی دل زندہ ہو جائے۔ اور کسی زندہ شخص سے عقیدت و ارادت کے وسیلے کے بغیر وفات پاتے والوں کی ارواح جلیلہ سے فیض حاصل ہو سکے۔ اور یہ جو بعض حجاب زدہ لوگوں کے گروہ کا یہ گمان ہے کہ اپنے کسی ہم عصر کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری نہیں۔ ہمارا مرشد وہی اک ذاتِ شریف ہے جو شہر علم کا دروازہ کہلاتا ہے۔ اور پیغمبر علیہ السلام والصلوٰۃ کے حضور میں وہی ایک وسیلہ کافی ہے اور یوں وہ لوگ پیری مریدی کے طریق کو جھٹلاتے ہیں اور قربت الٰہی اور ولایت کی نسبت کے دروازے کو بند سمجھتے ہیں۔ یہ بات محض غلط اور یہ عقیدہ فاسد ہے جو اللہ تک رسائی میں مانع ہوتا ہے اور حجاب اندر حجاب پیدا کرتا ہے اور قرب و نزدیکی کی نسبت سے دُور رکھتا ہے۔ اس حجابی عقیدے کے مالک اپنے

Marfat.com

مقصد کا سراغ نہیں لگا سکتے اور اپنے اصل مطلب میں کامیاب نہیں ہوتے اور لیس امیر المومنین حضرت علیؓ اور ائمہ کرام کے وسیلے کا اظہار کرتے ہیں اور وہ باطنی طور پر ہرگز اس راہ کی طرف نہیں جاتے اور وہ اُدھر کا باطنی راستہ پا بھی کیسے سکتے ہیں کیونکہ وہ بے راہ لوگ تو باطنی معاملات کے منکر ہیں اور باطنی تقرب کا اقرار نہیں کرتے جو ولایت کی نسبت ہے۔ اور سارے اولیائے کرام کو اپنی طرح محجوب اور مہجور سمجھتے ہیں۔ ہر آدمی اپنے ہی نفس پر قیاس کرتا ہے۔ جس طرح اگلوں نے ائمہ حضرات سے مخالفت اور دشمنی صورت اختیار کی اور سارے بنی فاطمہ کو ان کی موروثی سرداری سے محروم رکھا اور کاشانۂ نبوت کی شمعوں کو بجھا دیا اور اہلِ بیتؓ کے بھرے پُرے گھر کو بے چراغ کر دیا۔ اسی طرح یہ بے دین دشمنان اسلام چاہتے ہیں کہ ائمہ کبار کی دوستی کے پردے میں باطن میں ان کی آل کی موروثی نسبت کو حق پوشی کی راہ سے تلف کر دیں۔ اور کاشانۂ سادات کے چراغوں کو گل کر دیں۔ اور خاندان امامت کے مقدس گھرانے کو بے نور کر دیں۔ اور خاندانِ ولایت کے دفتر کو درہم برہم کر دیں۔ اور کمالاتِ نبوت کے سرمایے کو برباد کر دیں۔ دُنیا سے ہدایت کا تخم اڑا دیں اور اس سلسلے کے فیض کو جو مہدیٔ موعود پر جا کر ختم ہو گا ابھی سے بند کر دیں۔ لیکن چونکہ ربانی تائید اور نبوی مدد و نصرت ہر وقت خالص محمدیوں کے شاملِ حال ہے۔ ان ناکس بھنگیوں میں سے کوئی بھی ان روشن ضمیروں کے حقی شعلہ کو اپنے کوڑے کرکٹ سے ڈھانپ نہیں سکتا۔ اور نہ ہی مخالفت کا دروازہ کھول سکتا ہے۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور وہی سب سے بہتر حامی و ناصر ہے قصہ کوتاہ یہ کہ ان تمام کور باطن نااہلوں کی صحبت سے پرہیز کرنا نہایت ضروری ہے۔ خواہ وہ بداندیش دُنیاداروں کے لباس میں ہوں۔ خواہ ظاہری درویشوں کی طرح فقیرانہ گدڑی میں ہوں ان برائے نام مومنوں اور عمل کے ملحدوں سے میل ملاقات زہر ہلاہل کی طرح ہے جو دل کو مردہ کر دیتا ہے اور انسان کے ایمان کی حرارتِ غریزی کو بجھا دیتا ہے۔ ان سے ہرگز ہرگز نہ ملنا۔ جہاں تک ہو سکے اجتناب کر۔ اور اپنی فرصت کے قیمتی لمحات کو ہر بے حقیقت گدا کی صحبت میں ضائع نہ کر، اپنے قلبی مراقبے کی طرف توجہ کر، مطلوب وہیں ہے۔ دل خانۂ خدا ہے۔ دیکھئے یہ فرمان الٰہی کہ نہیں وسعت رکھتی میری ــ میری زمین نہ آسمان لیکن میرے مومن

Marfat.com

بندے کا دل میری وسعت رکھتا ہے۔ رباعی:

اے کردہ تلف عمر گرانمایۂ خویش
درصحبت ہر مرد فقیر و درویش
از عالمِ غیب آنچہ خواہی در تست
اے مخزنِ اسرار الٰہی اندیش

ترجمہ رباعی: اے کہ تو نے اپنی گرانقدر عمر ہر فقیر و درویش کی صحبت میں ضائع کر دی۔ اے اسرارِ الٰہی کے خزانے ذرا سوچ کہ جو کچھ تو عالمِ غیب سے چاہتا ہے وہ تو تیرے اپنے اندر ہے (حاصل مطلب یہ کہ) عام طور پہ ہر خباثت پیشہ متردّد و متذبذب لوگوں یا ناسمجھ احمقوں کے طریقے یا رسم وراہ پہ ہر فقیر و درویش سے میل ملاقات تضیعِ اوقات ہے اور اپنی عمر عزیز کے قیمتی لمحات کو تلف کرنا ہے۔ اور اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس ضرر رساں ضرور ہے۔ ایسی ہرزہ گردی ہرگز اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ نامعلوم اور نامفہوم حقائق جسے تو اپنے حساب میں عالمِ غیب شمار کرتا ہے۔ اور تو جس کی دریافت اور ادراک کے درپے ہے وہ سب کا سب تیرے ہی جامعۂ انسانی میں مستور ہے۔ اور اُس کے ادراک اور فہم کی قوت تیری استعداد کے مطابق تیرے اپنے ہی نفس میں موجود ہے۔ پس اے رموزِ خداوندی کے خزانے اور حق تعالیٰ کے لامتناہی فیض کے انوار کے مظہر تھوڑا بہت غور و خوض کر، اور اُس سے جو کچھ تیری سمجھ میں آتا ہے اسے کتاب و سنت کے ترازو میں تول اور اُسے مرشدوں کے اتباع کی کسوٹی پہ پرکھ۔ اگر فہم میں آنے والے یہ مطالب اور منکشف ہونے والے یہ امور وزنی، کھرے اور کامل العیار نکلے تو یہی تیری مراد ہے ورنہ اس سے استغفار کر، اسے اپنے دل میں جگہ نہ دے۔ اور اپنے اعتقاد کو انہی آیاتِ قرآنی، احادیث نبوی اور مخلص محمدیوں کی کتابوں اور رسالوں پہ قائم رکھ جو درحقیقت سراسر کلام الٰہی کی تفسیر اور احادیث نبوی کی شرح و تشریح ہیں۔ اور دل و جان سے بزرگوں کی ارواح کی طرف متوجہ ہو کر ان اسرار و رموز کے انکشاف کا امیدوار رہ۔ اور ان لغو گو لوگوں کی بکھری بکھری باتوں کو مت سُن جو اپنے آپ کو وحدت الوجودی صوفی کہتے ہیں۔ اور کور باطن، تاریک دل اور بے برکتوں کی صحبت میں نہ جا کیونکہ ہر فقیر و درویش کی صحبت میں

Marfat.com

جانا اور ان کی مختلف وضعوں کو اپنی سہل طبیعت اور وضع پہ گوارا اور قابلِ استحسان سمجھنا اور ہر کسی کا بیج اپنے سینے میں بونا، اور دل میں شکوک آمیز بحث مباحثوں کا ذخیرہ جمع کرنا ذہنی انتشار کا موجب ہوتا ہے۔ اور بے یقینی کی آگ میں جھونک دیتا ہے۔ اور سکون و اطمینان کو راہِ راست سے دُور پھینک دیتا ہے۔ اور جمعیت خاطر کی نقدی کو ہار دیتا ہے۔ ہر چند کہ ابتدائے حال میں اور طلب کے آغاز میں جب کسی کے حضور میں عقیدت پیدا ہو۔ اور ارادت کی نسبت صحیح طور پر قائم ہو جائے۔ اور وہ ازلی رابطہ جو ازل کے دن سے طرفین میں یعنی مرشدوں اور مریدوں میں مربوط ہوتی ہے اور ارواح کے جمع شدہ لشکر میں باہم الفت ہو جاتی ہے۔ یہم انس و موانست بندھ جاتی ہے اور وہ پوشیدہ امر عالم شہادت میں بھی ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر میں بھی بیعت کر لی جاتی ہے طالب کو سُو بہ سُو تلاش اور کُو بہ کُو جستجو کرنی چاہیے تاکہ اس حُکم کی تعمیل ہو جائے کہ اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ اس وقت یعنی مرشد کی صحبت سے مستفید ہوئے بغیر سعی و طلب میں تعطل نہیں آنا چاہیے۔ یہاں تک کہ محبوبِ مطلوبہ کہیں سے رونما ہو جائے۔ اور اضطراری حالت رفع ہو جائے، کیونکہ یہ کلیّہ قاعدہ ہے کہ ڈوبتا ہوا تنکے کا بھی سہارا لیتا ہے۔ لیکن جب کسی مقام پر پہنچ جائے اور دل کو وہاں کشائش نصیب ہو اور روحانی مناسبت اس صحت کی گواہی دے اور اُس صاحب کی طرف دل مائل ہو تو اُس ایک شخص پہ اکتفا کر لینی چاہیے اور اُس کے دامنِ دولت کو یقین کے ہاتھ سے مضبوطی کے ساتھ تھام لینا چاہیے اور بیہودہ بادیہ پیمائی نہیں کرنی چاہیے اس کے بعد خدا طلبی کے ارادے سے کہیں اور جگہ نہیں جانا چاہیے، اگرچہ دوسروں کی طرف سے انکار نہ بھی ہو اور دوسرے بزرگوں کو جو فی الحقیقت بزرگ ہیں بزرگ ہی سمجھے لیکن سوائے اس ایک شخص سے کسی دوسرے سے سروکار نہ رکھے۔ اور جسمانی باپ کی طرح یہ روحانی باپ بھی اسی وحدہٗ لاشریک کے جلوے کا مظہر ہے۔ اور اگر اس طرح شرفِ قبولیت بخشیں کہ جسمانی باپ اور روحانی باپ کے مرتبے میں دوئی کی گنجائش نہ رہے اور وہی ایک شخص باپ بھی ہو گا اور مرشد بھی۔ یہ وہ سعادت ہے جو ہر کسی کے اختیار میں نہیں۔ اور ایسا فضل و رحمت ہے کہ کسب و قصد سے میسر نہیں ہوتا، اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہے اس فضل سے مختص کر دیتا ہے۔ بیشک اللہ بڑا صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ بہر حال خدا ایک ہے، رسول ؐ ایک ہے، مرشد بھی

Marfat.com

ایک ہی چاہیے۔ پس اگر قسمت میں اللہ تک رسائی اور قربِ حقانی مقدر ہے اور اولیاؤ مقربانِ ذات کی جماعت میں داخل ہونا تیرے نصیب میں ہے تو تیرا دل جو اسرار و رموزِ الٰہی کا خزینہ اور لامتناہی حقائق و معارف کا گنجینہ ہے اُس کا قفل اسی ایک شخص کی چابی سے کھل جائے گا جو تیرا مرشد ہے۔ اور تیرے دل و دماغ کے آئینے سے شبہات کا زنگ اتار دے گا۔ اور کسی اور کی مدد کے بغیر انفس و آفاق کی نشانیوں میں سے جو کچھ دکھانا تمھیں مقصود ہے خود بخود دکھا دیں گے۔ اور جس مقام اور مرتبے پہ پہنچنے کی تجھ میں اہلیت ہے وہاں پہنچا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فیض عام ہر جگہ موجود ہے۔ اگر تیرے نصیب اور مقدر میں کام کی کشائش اور کشادگی مقدر ہے اور انوارِ ذات کا انکشاف تیرے مقدر میں ہے تو اسی مرشد کے دروازے سے تمام اسرار و رموز کھل جائیں گے۔ اسی مرشد کا دروازہ تیرے لیے بابِ خداوندی ہے۔ یہ لامتناہی فیض سبھی کا رہتا ہے۔ پس اگر کوئی چیز دکھانی ہے تو اسی ایک شمع کی روشنی سے دکھا دیں گے۔

ضعیف الاعتقادی بے ایمانی ہے۔ اور شکوک و شبہات پریشانی، پشیمانی، خرابی و نادانی کا موجب اور مزید شبہات و ترددات کا باعث ہوتے ہیں۔ اپنی طبع و مجہول کو خطرات کے ارادے سے نہ چھیل۔ اور بے یقینی کی راہ پر نہ چل۔ اور حق تعالیٰ کی قبولیت کا امیدوار رہ مطیع و اطاعت گزار بن۔ جا بجا وسیلہ ڈھونڈنا در حقیقت بے وسیلہ پن ہے۔ کیونکہ اُسے کہیں بھی استحکام حاصل نہیں ہوتا۔ بیہودہ پھرنے سے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔ اس سے نیکی کا پھل ہاتھ نہیں لگتا۔ اسی لیے داناؤں نے کہا ہے جو ایک جگہ جم جائے وہ گویا ہر جگہ جم گیا۔ اور جو ہر جگہ جمنے کی کوشش کرے وہ کہیں کا نہیں رہتا۔ کیونکہ جا بجا جانا اور ہر جائی بننا در حقیقت بے وفائی ہے اور بے وفائی عین رسوائی ہوتی ہے۔ وحدت کے خزینے سے آشنائی پیدا کر اور یگانگت کی طرف دوڑ اور کثرت کے بازار میں نہ جا اور اس موہوم دُنیا کی کثرت کا گرویدہ نہ بن۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور نہیں عبادت کرتے ہم مگر اُسی کی۔ رباعی:

مردیکہ بوحدت چو الف آگہ گشت
وارست ز تعداد شش و ہفت و ہشت
ای مرکز امکان ہمہ تفصیل تست
چون دائرہ گرد خویش مے باید گشت

Marfat.com

ترجمہ رباعی: جو آدمی الف کی طرح وحدت سے آگاہ ہوگیا۔ وہ چھ سات آٹھ کی تعداد، یعنی کثرت سے چھٹکارا پا گیا۔ تو اس عالم امکان کا مرکز ہے، سبھی تفصیلات تیرے اپنے اندر ہیں۔ دائرے کی طرح اپنے گرد ہی گھومنا چاہیے۔ یعنی جو شخص مرتبۂ وحدت کی حقیقت سے آگاہ ہوگیا اور اس مرتبۂ وحدت کے مشاہدے میں محو و مستغرق ہوگیا وہ ظاہری اور باطنی طور پر بھی ظاہری اعتباری رسوم اور باطنی اضافی قیود سے نجات پا گیا۔ اور الف کی مانند آزاد ہوگیا جو شکل میں ایک خطِ واحد ہے اور سیدھا کھڑا ہے اور حساب کے لحاظ سے بھی عددِ واحد ہی پر دلالت کرتا ہے۔ پس درحقیقت انسانی جامعہ کا مختصر ذکر ہو لیا کہ تو اس امکانِ ہستی کے دائرے کا مرکز ہے اور تو اپنے اندر مختصراً اس عالمِ خلق و امر کے تفصیلی مراتب رکھتا ہے۔ لہٰذا تیرے لیے لازم یہ ہے کہ ہمیشہ پرکار کے خط اور گھومنے والے آسمان کی طرح اپنے گرد گردش کر، اور روحانی سیر کر، اور اپنے اسی وطن کا سفر اختیار کر تاکہ عقول عشرہ یعنی فرشتوں سے مشابہت پیدا ہو جائے اور خدائی مقدس مرتبے کا تقرب ہاتھ لگے۔ اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو لازم ہے تم پر اپنے نفسوں کو قابو میں رکھنا اور اللہ تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو۔ وہ بڑا لطیف و خبیر ہے۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے۔ جس نے نجات دی مومنین کو عظیم کرب سے اور ان کے حال کو درست کیا اور محمدیوں کے نفوس کو پاکیزہ کیا اور ان کی حالت کی اصلاح کی اور درود و سلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو مسلمانوں کے امام اور ان کے مولیٰ ہیں اور آپؐ کی آلؓ اور اصحابؓ پر وہ کہ جن سے اللہ تعالیٰ ان کے عمل قبول کرتا ہے۔ اما بعد پس یہ بانوے واں (۹۲) باب ہے۔ جو اصلاح القلوب کے نام سے موسوم ہے۔ اصلاح سے مراد دل کی اصلاح ہے، جیسے نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ بیشک دل آدم کے جسم میں اک لوتھڑا ہے۔ اگر وہ درست ہو جائے تو سارے کا سارا جسم درست اور اگر وہ فاسد ہو جائے تو سارے کا سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ آگاہ رہو وہی دل ہے۔ پس جس نے درست کر لیا اپنے دل کو پس وہ نیک اور مصلحین میں سے ہے اور دل کی درستی عبارت ہے اس کے خالی ہونے سے خیالات ماسوی اللہ سے اور نیتوں کے خالص ہونے میں اللہ کے لیے اور حاصل کرنا ہے تسکین و اطمینان، اور مضبوط ہونا نسبت یقین و ایمان کا اور غفلت کا ازالہ اور حضور و مشاہدے کا دوام۔ اور دنیاوی تعلقات کا انقطاع اور آخری معاملات کا یقین اور اللہ پر توکّل اور ماسوی اللہ سے روگردانی۔ اور یہ ہے قلب سلیم کا حال۔ اور جس کا دل فاسد ہو گیا پس وہ گمراہ مفسدین میں سے ہے جن کے دلوں میں مرض ہے

Marfat.com

اے اللہ ہمیں محفوظ رکھ اے فیاض تمام برائیوں سے، بلاؤں سے اور امراض سے۔ اور نہ ٹیڑھے کر ہمارے دلوں کو ان کی ہدایت کے بعد۔ اور عطا کر ہمیں اپنی جناب سے رحمت۔ بیشک تو ہی دینے والا ہے اور جان لو اے بھائیو بیشک نفس انسانی جو کہ روح انسانی ہے اسے نفس حیوانی برباد کر دیتا ہے جو کہ نفس امارہ ہے برائی کے ساتھ۔ پس حسی لذات اور بدنی خواہشات کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور جدوجہد کرو دل کی صفائی میں اور کوشش کرو نفس کی پاکیزگی میں، کیونکہ فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ کیا، اور نامراد ہوا جس نے اُسے ملوث کیا۔ اے لوگو بیشک تم نے ظلم کیا اپنے نفسوں پر بچھڑے کو اختیار کر کے طبیعت حیوانی اور ہوائے نفسانی کے اتباع میں سے۔ پس توبہ کرو باری تعالیٰ کی طرف اور لوٹو اس کی طرف۔ پس قتل کرو اپنے نفوس کو پس حاصل کرو فنائے نفس یہ تمہارے لیے بہتر ہے خالق کے ہاں دونوں جہانوں میں اور وہ تمہاری توبہ قبول کرنے والا ہے فضل اور عنایت سے بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا ہے اپنے بندوں پر اپنی ذاتی رحمت کے تقاضے کے تحت جو کہ اس نے اپنی ذات پہ لکھ رکھی ہے۔ اور اگر تم کہتے ہو اللہ کی طرف بلانے والے کو ہم تم پر مضبوط ایمان لانے والے نہیں، یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ تعالیٰ ظاہری طور پر ظاہری آنکھوں سے جو کہ تمہاری دیکھنے والی آنکھیں ہیں یا تمہاری باطنی آنکھیں جو تمہاری ناقص عقل کی آنکھیں ہیں۔ پس تمھیں آلیا کڑکے نے تمہارے تمہارے رب کے جلال میں سے اور تم دیکھ رہے تھے اس کے ظہور و انوار میں تمام سمتوں میں لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے تھے۔ اے جاہلو کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے جو تمھیں دی ہیں تمہارے رب نے شریعت مصطفویہ کی نعمتوں میں سے اور طریقت محمدیہ میں سے، اور اللہ نے تم پر ظلم نہیں کیا بلکہ تم خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہو اور داخل ہو جاؤ دروازے میں سے سجدہ کرتے ہوئے اطاعت اور نیازمندی کے ساتھ اور کہو حطّتہ" اپنی خطاؤں پر معافی مانگتے اور دوسروں کی خطاؤں سے درگزر کرتے ہوئے اور بخشش مانگو اپنے رب سے، تمھیں بخش دے گا اللہ سبحانہ، تمہاری خطائیں اور وہ عنقریب محسنین کو زیادہ دے گا ان کی نیکیوں کی جزا کئی گنا زیادہ اور اللہ جاننے والا ہے اس چیز کو جو تم کرتے ہو۔ اور جس نے تبدیل کر دیا قول اس کے علاوہ جو اس سے کہا گیا اور ظلم کیا اپنے نفس پر خالص محمدیوں پر افتراپردازی کے ساتھ

Marfat.com

بغیر ان کے کلام کے مغز کو جانتے ہوئے۔ پس نازل کرے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جنھوں نے ظلم کیا آسمان سے عذاب اس کے بدلے میں جو وہ فسق کیا کرتے تھے خالص محمدیوں کے معاملات میں لوگوں میں سے۔ ہر ایک نے حق میں سے اپنے گھاٹ کو پہچان لیا ہے اور محمدی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور فلاح پانے والے ہیں اور وہ کہتے ہیں لوگوں سے کھاؤ پئیو اللہ کے رزق میں سے اور نہیں ہے ہمارے مشرب میں مگر پاکیزہ شراب۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ جیسے طریقے والوں نے کیا الحاد کے کلمات کے ساتھ اور صوفیانہ لغویات کے ساتھ جو کہ پہیلیں زمانے میں۔ کیا تم بدلتے ہو اس چیز سے جو گھٹیا ہے اس چیز سے جو بڑھیا ہے (اچھی ہے) اور یہ کہ تم گر جاؤ اس مقام اعلیٰ سے تصوف کے شہر میں بیشک تمھارے لیے ہے جو تم سوال کرتے ہو بازاری مسائل میں سے، جن کے بارے میں بحث کرتے ہیں تمام ملحد جن کے اوپر ذلت اور ناداری مسلط کر دی گئی، اور انھوں نے اللہ کے عذاب کو سمیٹ لیا اس لیے کہ وہ آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے تھے۔ اور ناحق خالص محمدیوں کی مخالفت کرتے تھے۔ یہ اسی وجہ سے ہے جو انھوں نے سرکشی کی، اور وہ حد سے تجاوز کرنے والے تھے، اور جو کوئی ایمان لے آیا ان میں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور اس نے نیک کام کیے اور وہ ہو گیا خالص محمدی۔ پس وہ ان میں سے ہے جن کے لیے اجر ہے ان کے رب کے پاس، اور نہیں ہے ان پر کوئی خوف، اور نہ ہی وہ رنجیدہ ہیں۔ اے قوم لے لو وہ چیز جو اللہ نے تمھیں دی قوت کے ساتھ اور میرے ساتھ ٹھٹھول نہ کرو۔ اور یہ جہلا کے مذاق کی قسموں میں سے نہیں ہے۔ اور بیشک میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ میں ہو جاہلوں میں سے، اور اگر اللہ کی تم پر رحمت نہ ہو تو اس عظیم کرامت کی تصدیق کے ساتھ تو تم ہوتے نقصان اٹھانے والوں میں سے، اور اللہ مومنین کا ولی ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔

جسموں کے قیود کے رنج و آلام اور آفتیں اور بدنوں کی پرورش کے باعث انسانی نفس کی خرابیوں کے بیان کا باب

یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے اور اس حکیم مطلق کی حکمتِ بالغہ

Marfat.com

کا یہی تقاضا ہے کہ انسان جس قدر جسموں کی قیود یعنی ظاہری دنیوی اسباب کا پابند اور محسوس ہونے والی مادیات میں مبتلا ہوتا جائے اتنی ہی اسے باطنی آفتیں، رنج و آلام اور پریشانی اور ذہنی تردد، روحانی اضطرار، اور قلبی غفلت لاحق ہوتی جاتی ہے۔ وہ بدن کی جس قدر پرورش کرتا ہے یعنی تن پروری اور ظاہر آرائی میں مشغول ہوتا ہے اتنی ہی نفس ناطقہ (روحانی) احوال کی خرابی اور روحانی ضعف رونما ہوتا ہے اور صفائی قلب اور نورانیت گھٹتی ہے۔ اور کدورت و تاریکی بڑھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نفس کشی، ریاضتیں اور مراقبے سلوک کی شرائط میں سے ہیں۔ اور دُنیا کا ترک اور ماسوی اللہ سے قطع تعلق کرنا طریقت کے جملہ لوازمات میں سے ہے۔ پس اشیائے خورد و نوش میں ضرورت کے مطابق قناعت کرتے ہوئے باطنی نسبت کی تقویت پہ ہمہ تن مصروف ہو جانا چاہیے جو عبارت ہے حق تعالیٰ کی حضوری و مشاہدہ اور اس کی معیت سے، بدن کے لاغر یا موٹا ہونے کے وہم میں مبتلا نہ ہونا چاہیے اور نہ ہی حفظِ صحت کے فکر اور مرض کے ازالے کے چکر میں سرگردان رہنا چاہیے، کیونکہ ہر وقت انہی خیالوں اور اندیشوں میں کھوئے رہنا بھی وسواسی امراض میں سے ایک مرض ہے۔ قلب سلیم والوں کے دلوں کے نزدیک یہ اندیشہ پھٹکنے بھی نہیں پاتا۔ اور جب انجام کار آخر مرنا ہی ہے اور یہ جسمانی چولا اتارنا ہی ہے۔ لہٰذا بدن پہ یوں شیفتہ و فریفتہ ہو کر دن رات اسی تردد میں نہ رہنا چاہیے۔ اور اپنی نفسی ہستی کو محض اسی جسم کی بقا پر موقوف نہ سمجھنا چاہیے جو محض گوشت پوست کا اک ڈھانچہ ہے۔ دیکھئے یہ آیت کریمہ کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں اُنھیں مردہ نہ سمجھو وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ اور یہ فانی زندگی جو حیوانی روح کے سبب سے ہے اور بقا کی یہ صورت جو اعضا و قوا سے متعلق ہے، جسے ہم دنیوی بقا یا زندگی کہتے ہیں ایک موہوم گلستان کی چند روزہ بہار سے زائد اور تخیل کے طلسم کی بے بود نمود کے سوا اور کچھ نہیں اور ایماندار دانشمند اس لیے ثبات زندگی کا گرویدہ ہوتے اور اس ناپائدار قیام کو اپنا مقصود ٹھہرانے کی کبھی رال ٹپکنے نہیں دیتے۔ اور اس باطل خیال کو جو درحقیقت بالکل لاحاصل ہے کبھی اپنے دل میں سے گزرنے ہی نہیں دیتے۔ بلکہ اس جسم کے اسیر ہونے کو اپنے نفس مجردہ (روح) کے لیے آلام اور آفات کا موجب گردانتے ہیں اور ہر لحظہ موت کے لیے کمر بستہ رہتے ہیں۔ اور دن رات اپنے رب کے

Marfat.com

دعا رے کے منتظر ہیں ۔ وہ جانتے ہیں کہ ہر چند کہ ہم جو حادث باغ کے نونہال اپنے حواس کے لشکر ہی کے سبب علمی امتیازات تلے روندے گئے ہیں اور تجرد کی فضا کے آزاد پرندے اسی بے بنیاد قفس عنصری کی وجہ سے اعتباری قیود میں پھنسے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی ان غافل بنی نوع انسان کو ہمیشہ اعضاء و قوائے بانی کی شاخوں اور پتوں کی سرسبزی و شادابی درکار ہے ۔ اور وہ ان شاخوں کے سیر و تماشے کے مشتاق ہیں اور ہمیشہ اپنے اس قفس عنصری کی مرمت میں لگے رہتے ہیں اور اسی ہوس کا شکار رہتے ہیں ۔ اے صاحبِ بصیرت انسانو تمہارے لیے عبرت کا مقام ہے ۔ رباعی :

پر ہم چوں گل زدست اوراق خودیم
آتش زدۂ شرار چقماق خودیم
از ماست ہر آنچہ درد بر ماست ہمہ
ای وای کہ با اینہمہ مشتاق خودیم

ترجمہ رباعی : ہم اپنے ہی اوراق کے ہاتھوں پھول کی پتیوں کی طرح منتشر ہیں اور اپنے ہی چقماق کے شراروں سے جھلسے ہوئے ہیں ۔ ہم پہ جو کچھ بھی بیت رہی ہے ہماری اپنی وجہ سے ہے ۔ افسوس صد افسوس کہ اس سب کے باوجود بھی ہم خود اپنے مشتاق ہیں ۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) پر ہم شدن سے مُراد دلی پریشانی اور پراگندگی خاطر ہے ، اور اوراق سے مُراد بشری حاجات اور جسمانی ضروریات جو انسان کو لاحق ہیں ۔ آتش زدن سے مُراد ہے نفس کی پسندیدہ اور مرغوب اشیا کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہوتا ۔ شرار سے مُراد نفسانی شہوتیں اور جسمانی خواہشیں ہیں ۔ اور چقماق سے مُراد رُوح کی بدن سے نزدیکی سے حاصل ہونے والی کیفیت جسے دنیوی زندگی کہتے ہیں اور مشتاقِ خود بودن سے مقصود ہے اس زندگی کو عزیز سمجھنا اور موت سے نفرت کرنا جو اس جہان کا تقاضا ہے ۔ حاصل مطلب یہ کہ شاعر اپنے آپ سے کہتا ہے کہ صورتِ حال یہ ہے جس طرح پھول کی پتیاں بکھر جاتی ہیں اسی طرح ہم بنی نوع انسان بندوں کو لاحق ہونے والی بشری حاجات اور جسمانی ضروریات کے باعث پریشان حالی اور پراگندہ خاطر رہتے ہیں اور اُسے بہار کا جوبن اور شگفتگی سمجھتے ہیں ۔ اور نفسانی شہوتیں اور جسمانی خواہش جو دنیاوی زندگی

Marfat.com

سے حاصل ہوتے والی کیفیت سے ہمارے اندر پیدا ہوتی ہیں۔ ہمیں ان مرغوبات کے حصول کے لیے سرگرم عمل رکھتی ہیں۔ وہ ہمارے اپنے ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہمیں سے منسوب ہیں اور ہماری جانب ہی سے ہیں۔ اچھے بُرے عملوں میں سے جو کچھ بھی وقوع پذیر ہوتا ہے اور ہم سے سرزد ہوتا ہے سب ہمارے ہی ذمے اور ہمارے ہی کھاتے میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا ہمیں حساب کتاب دینا ہے اور اس کی جزا و سزا پیش آئے گی۔ ہمارا کیا ہماری ہی گردن پر۔ حق بات تو یہ ہے کہ جو کچھ ہم پہ بیت رہی ہے ہماری اپنی وجہ سے ہے۔ پس حیف صد حیف ہماری ان تمام دنیوی اور اُخروی خرابیوں کی غفلت پہ کہ ہم اس زندگی کے متوالے ہیں اور اسے اتنا عزیز سمجھتے ہیں اور موت سے نفرت کرتے ہیں اور مرنے سے سخت بیزار ہیں۔ اے ہمارے رب ہم سے ہمارا پردہ ہٹا دے اور بنا دے ہماری نگاہ کو آج تیز تاکہ ہم ہو جائیں مستعد موت کے لیے، اور نہ بنا ہمیں ان لوگوں میں سے جو زندگی میں بہت زیادہ حریص ہیں۔ اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور تیری طرف ہی ہم دوڑتے ہیں۔ اور تو ہی رفیق اعلیٰ ہے۔ ہر شخص کا نفس ہی اس کے وبال کا سبب ہے۔ نفسانیت انسان کو بہت خراب کرتی ہے۔ اور ہر نفس کی ہوا و ہوس اس کے زوال کا باعث ہے جو اسے عجیب پھندوں میں پھنسا دیتی ہے، اور اُسے کون و مکان میں اس آیت کریمہ کا ماحصل درپیش آتا ہے کہ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال اسی پر ہے۔ جسمانی شامت کے سبب سے بیچاری انسانی روح بھی پریشان حال رہتی ہے۔ کیونکہ یہ حواس کی کثرت ہی ہے جو پریشانی کا موجب بنتی ہے اور انھی آلات کی راہ سے کثیر التعداد امور کا ادراک کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے روح انسانی کو پریشانی ہوتی ہے۔ اور جزئیات و کلیات میں تفرقے کا دروازہ کھُل جاتا ہے۔ وگرنہ جسم سے نزدیکی و قربت سے قبل وہ ایک مفرد جوہر تھا جو محسوسات و معنی کے ادراک سے مبرا تھا اور معقولات کے تفصیلی علم سے مبرا۔ اس کی بدنی ترکیب نے اُسے ہلاک کر دیا کہ اُسے بدیہی اور نظری باتی قضیوں کی ترتیب میں لگا کر ایسی مصیبتوں میں ڈال دیا کہ وہ دونوں جہانوں کے فکر و اندیشہ میں گھُل کر رہ گیا۔ وہ ہمیشہ بدن کی پرورش میں مصروف رہتا ہے۔ اور ہر وقت تن پروری کے شغل میں لگا رہتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والی لذات سے مانوس اور حسی لذات سے

Marfat.com

کمال درجہ تک لذت حاصل کر کے خوش ہوتا ہے، اپنی ذاتی لذات سے غافل ہے اور اپنی روحانی پاکیزہ لطافتوں سے آگاہ نہیں اور اپنے تجرّد کی کیفیت سے بے خبر ہے۔ اور مجرّدات کے لطیف مراتب سے ناآشنا، لیکن محسوسات میں پھنسا ہوا ایسا نفس کرے تو کیا وہ معذور ہے اس کے علاوہ اسے بدن سے عشقی نسبت حاصل ہے۔ جیسے کہ دانشمندوں نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور حسیات کا عادی نفس دن رات حسی ادراک کی طرف مائل ہے۔ اور ہر لمحہ محسوسات کی طرف راغب، اور ان سفلی عادات کی طرف مکمل رغبت کا سبب یہ ہے کہ ایسے نفس پر عالم ملکوت کا دروازہ کھولا ہی نہیں جاتا اور نہ ہی اُسے پاک نفس کے ذوق کی کیفیت چکھائی جاتی ہے جسے حق تعالیٰ سے قرب و انس اور مشاہدہ و حضوری و آگہی کہا جاتا ہے نہ ہی اس پہ ہجر و فراق کی موانست کا راستہ کھولا جاتا ہے۔ اُسے علمی نسبت اور کامل عقول کے کام یعنی علمی نسبت اور حقیقت کے ادراک سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اعلیٰ و ادنیٰ کے معاملات کے اسرار اور لطیف کی کثیف سے محبت کے رموز اس پہ منکشف نہیں کیے جاتے، وگرنہ وہ جان لیتا کہ عقول کو نفوس سے بدنوں اور نفسوں کی نسبت زیادہ محبت ہے۔ جس طرح نفس کا بدن پر تصرف ہے اسی طرح عقل کا نفس سے تعلق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت سب محبتوں سے زیادہ قوی ہے اور اُس کی وسیع رحمت تمام اشیا پہ محیط ہے اور اس کے ساتھ ہونے کی نسبت مفردات و مادیات سے یکساں ہے اور دونوں جہانوں کا وہ رب سراپا جود و احسان ہے اور یہ فرمان کہ اس نے اپنی ذات پہ رحمت لکھ رکھی ہے اسی امر کی خبر دیتا ہے۔ اسی لیے تو اس کی رحمانی رحمت ہر ادنیٰ و اعلیٰ کے شامل حال ہے۔ اسی اعتبار سے فرمایا کہ جلّ شانہ' و عمّ نوالہٗ کی رحمت ہر شے پہ محیط ہے۔ پس جو لوگ ایمانی قوت کی راہ سے حضرت غیب الغیب کے گرویدہ ہوتے ہیں اس آیت کریمہ کے بموجب بشارت ہے ان کے لیے جو غیب پر ایمان لائے۔ ان بزرگوں کا حال یہ ہے کہ تمام محبتوں سے قطع تعلق کر کے حق تعالیٰ کی حضوری و مشاہدے میں سکون پایا اور سراپا حُبِّ الٰہی میں محو ہو گئے ہیں۔ وہ حقانیت کے پلڑے کو نفسانیت کے پلڑے پر غالب رکھتے ہیں اور ترجیح دیتے ہیں۔ قرآن شریف میں انہی بزرگوں کی صفت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اور یہی مخلص و صادق لوگ کامل مومن ہیں۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ ان برگزیدہ مومنوں کا حال اس

Marfat.com

آیت کریمہ کے مصداق ہے کہ وہ اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا پہلے حق تعالیٰ نے محبوب جانا اور اپنی خاص رحمت سے قبولیت بخشی اور پھر ان کے دلوں میں حب الٰہی کی توفیق اور یاد پیدا ہوئی۔ اس آیت کریمہ کے مطابق وہ خوش نصیب ہیں اور ان کے لیے نیک انجام ہے۔ جو لوگ شہود سے بے خبر ہیں اور اپنے باطن کی نگرانی اور اللہ کی طرف توجہ نہیں کرتے اور مقربان حق میں سے کسی بزرگ کی صحبت سے شرفیاب نہیں ہوتے اور اُن سے رابطہ کی نسبت قائم نہیں کرتے ہمیشہ ایک دوسرے کی باہمی الفت میں گرفتار رہتے ہیں اور علائق دُنیا اور اہل دُنیا کے پابند رہتے ہیں اور اپنے آپ کو اور اپنے ساتھ معاملات رکھنے والوں کو یہی بدن سمجھتے ہیں جو اُنھیں محسوس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وُہ رُوح کی حقیقت اور اس کی بقا سے آگہی نہیں رکھتے۔ وہ بدنی ملاقات ہی کو وصل سمجھتے ہیں اور ظاہری و بدنی دید و بازدید ہی کو مدعا سمجھتے ہیں اور ارواح کی ملاقات اور قرب خداوندی سے کچھ حاصل نہیں کرتے، وہ حکمرانی اور جہاں بانی کے مشتاق ہیں جیسے بھی ہاتھ لگ سکے۔ جتنی مہلت بھی ملے وہ اس دُنیا کی زندگی کے سخت حریص ہیں۔ اس آیت کریمہ میں انھی بے یقین محجوب انسانوں کے حال کا بیان ہے کہ تم ضرور پاؤ گے اُنھیں زیادہ حریص لوگوں میں سے زندگی پر۔ پس اپنے آپ کو اور دیگر بنی نوع انسان کو محض یہی گوشت پوست کا ڈھانچہ سمجھنا اور اپنی روحانی بقا کو اربعۂ عناصر سے بنے ہوئے اسی جسم سے متعلق و موقوف جاننا گویا اپنی حقیقت تک پہنچنا ہے اور نفس ناطقہ یعنی روح کی جوہریت، وسعت اور تجرّد کے ادراک سے غافل رہنا ہے۔ اور نفس و طبیعت کی دوستی کو منتخب کرنا گویا شیطنت اور حیوانیت کو تقویت دینا ہے۔ اور دوستی کے پردے میں خود اپنی ذات سے دشمنی کرنا ہے۔ کیونکہ آخر کار پتہ چل جائے گا۔ ان چند روزہ ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کر، اور شرعی ممنوعات سے اپنے آپ کو روکے رکھ۔ اور اوامر یعنی نیک کاموں کو بجالا اور جو فرض کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر اُسے اور تو ہو جائے گا لوگوں میں سے سب سے زیادہ عبادت گزار اور بچ اس سے جو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تجھ پر، تو تُو ہو جائے گا لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا، اور راضی ہو جا اس سے جو اللہ نے لکھ دیا تیرے لیے تو تُو ہو جائے گا لوگوں میں سے سب سے زیادہ غنی، کاموں کے انجام پر نگاہ رکھ، دُنیا و آخرت میں ان کے نتائج کو ملحوظ رکھ۔ جہاں تک ہو سکے ہوا و ہوس سے بچ کیونکہ

Marfat.com

دنیا فانی ہے۔ گریبانِ قناعت میں جھانک جو دائمی دولت و سعادت کا موجب ہے۔ اور فرمایا رسول اللہ صلعم نے سب سے زیادہ خوف دلانے والی چیز جس کے بارے میں ڈرتا ہوں اپنی طرف سے وہ ہوائے نفسانی ہے، اور لمبی امیدیں ہیں۔ تن پروری سے باز آ، کہ آخر یہ جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا اور رحم کی شکل میں اپنے اوپر ظلم نہ کر، کہ آخر یہ معاملہ تجھے غمگین کر دے گا۔ تیرے دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔ رباعی:

چندی کہ معاش کامرانی کردیم
غافل ز معاد زندگانی کردیم
ایدرد کجا ز دست دشمن آید
ما آنچہ بخود ز مہربانی کردیم

ترجمہ رباعی: جتنا ہم نے دینوی کامرانی کا خیال کیا اتنا ہی اخروی زندگی سے غافل رہے۔ اے دردؔ ہم نے اپنے آپ سے دوستی کے پردے میں جو دشمنی کی، وہ بھلا دشمن کے ہاتھوں سے بھی کب ہو سکتی ہے۔ یعنی جب تک کہ ہم غافل اس دینوی زندگی کی معیشت اور کامرانی میں مصروف رہے اور نفس کی خواہشوں اور مرادوں کو پورا کرتے رہے اور اپنی طبیعت کی خواہش کے مطابق اپنے مرغوبات کو سرانجام دیتے رہے۔ درحقیقت ہم اخروی زندگی کی حقیقت سے غافل رہے، اور زندگی کو جو درحقیقت آخرت کا سرمایہ تھا اسے ہم نے اس ناپائدار دُنیا کی طلب میں صرف کر دیا بلکہ ضائع کر دیا۔ اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ کسی دشمن کے ہاتھوں بھی ایسی دشمنی نہیں ہو سکتی اور کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو دُنیا و آخرت میں یوں خراب و تباہ نہیں کرتا جیسے ہم نے اپنے نفس کے احکام کو بجا لا کر اُسے تباہ و برباد کیا ہے۔ اور ہمارے نفس نے اپنی حاکمیت سے جتنا ہمیں خراب کیا ہے گویا دوستی کے پردے میں ہم نے خود اپنے آپ سے دشمنی کی ہے مہربانی کی شکل میں خود پہ قہر کیا ہے اور دھوکا کھایا۔ ہم پناہ میں آتے ہیں اللہ کی اپنے نفسوں کے شرّوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے، ہم اس سے بخشش مانگتے ہیں اور اُس سے مدد چاہتے ہیں اس کی رحمت سے، وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ بخشنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے۔

Marfat.com

هواللہ اصی

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے۔ جس نے آج کے دن ہمارا دین مکمل کر دیا ہمارے لیے اور زیادہ کیا ہمیں یقین کے لحاظ سے، اور مکمل کی ہم پر اپنی نعمت اور پسند کیا ہمارے لیے اسلام کو بطور دین کے اور ہدایت دی ہمیں قریب ترین رستے کی اور دکھایا ہمیں درست ترین راستہ، اور عطا کیا ہمیں بیان شافی اور بخشا ہمیں عرفانِ کافی۔ اور استعداد دی ہمیں بلاغ مبین کی۔ (کھلا کھلا پہنچانا) اور درود و سلام محمد صلعم پر جسے بھیجا تمام مخلوق کی طرف رسول امین بنا کر، اور آپؐ کی آلؓ پر اور اصحابؓ پر جو کامل ہیں یقین و ایمان کے لحاظ سے، اما بعد یہ ترانوے وال (۹۳) باب ہے جو دین کامل سے موسوم ہے۔ آج مکمل کر دیا اللہ تعالیٰ نے خالص محمدیوں کے لیے اُن کا دین محمدیؐ طریقہ دکھا کر جسے مکمل کر دیا ان کے لیے دین شریعتِ مصطفویہ کے اظہار کے ساتھ اور تمام کر دی ان پر اس کی نعمت شریعتاً اور طریقتاً اور پسند کیا ان کے لیے اسلام بطور دین کے اور نازل کی ان کے دل میں تسکین ایمان اور یقین کے لحاظ سے، اور بنایا اُنھیں بہترین اُمت جو نکالی گئی لوگوں کے لیے، اور اللہ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے، جنھیں اُس نے چن لیا اور اگر اللہ چاہتا تو بنا تا سب کے سب لوگوں کو ایک امت خالص محمدیت کے ساتھ لیکن اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے، اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے تاکہ

Marfat.com

اندھا اور بینا برابر نہ ہوں۔ جو بینا ہوا پس اپنے نفس کے لیے ہوا، اور اندھا ہوا اس کا وبال اس کے اپنے نفس پر ہی ہے۔ پس خالص محمدیؐ شمار کیے جاتے ہیں قدیم ترین لوگوں کے زمرے میں اور وہی سابقون الاوّلون ہیں۔ مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ لوگ جنھوں نے ان کی پیروی کی، اچھائی کے ساتھ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اور تیار کیا اللہ نے ان کے لیے جنتوں کو کہ جن نیچے بہتی ہیں نہریں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور وہ داخل ہیں اسی سلسلۂ عالیہ میں جس سلسلے کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے پلیدی (نجاست) کو دور کر دیا ہے۔ اور انھیں پاکیزہ بنا دیا ہے اور وہ سلسلہ پہنچ گیا ہے دائرے میں نقطۂ اخیرہ سے نقطۂ اولیٰ تک۔ پس ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دینِ حق کے ساتھ، تاکہ اُسے غالب کرے تمام دینوں پر چاہے یہ بات مشرکوں کو ناگوار گزرے۔ پس وہ لوگ جنھوں نے اطاعت کی اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اور ان میں سے اصحابِ امر کی، وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے، اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

لامتناہی کمالات کے مشاہدے اور اخلاقِ الٰہی پیدا کرنے اور روح و جملہ حواس کی رب العالمین کے مرتبۂ ذات و صفات پر توجہ کے بیان کا باب

مُراد ہماری یہ ہے کہ اس کثیر التعداد موجودات اور مختلف النوع امکانی معاملات میں جو دراصل انفس و آفاق کی نشانیاں اور ذاتِ حق کی تجلیات کے مظہر ہیں فقط اسی ذاتِ حق کا مشاہدہ اور اسی وجودِ مطلق کے بے انتہا کمالات کا دیدار کرنا چاہیے تاکہ کسی صورت میں بھی ان مختلف اعتباری صورتوں سے دل میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کی نسبت غفلت پیدا نہ ہو جائے۔ اور ان متعدد اضافی شانوں میں سے کوئی شان دل کو اپنی طرف مشغول نہ کر لے۔ جو کچھ بھی دیکھا یا سمجھا جائے کلمۂ "لا" سے اس کی نفی اور حق تعالیٰ کا اثبات کرے کہ جس کا رتبہ ہر کسی کی بینائی اور فہم سے برتر ہے اپنے باطن کو اسی کے تنزیہی مرتبے کا نگران بنانا چاہیے اور ہر وقت اور ہر جگہ اسی پاک ذات کو اپنے ساتھ تصور کرتے ہوئے درج ذیل جیسی آیاتِ قرآنی کو ملحوظ رکھنا چاہیے

Marfat.com

مثلاً اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اور وہ ذات پاک ہر شے پر قادر ہے، یا یہ کہ اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔ یا اللہ ہمارے سینے تک کی باتوں کو جانتا ہے اور وہ باریک بین اور باخبر ہے یا کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے۔ وہ زندہ ہے اور قائم و دائم ہے۔ اُسے نہ اونگھ آتی ہے، نہ نیند یا اپنے کام اللہ کو سونپ دے۔ بیشک اللہ اپنے بندوں کو دیکھتے والا ہے، تاکہ کمالاتِ الٰہیہ والی ان آیاتِ کریمہ کے مطالعے سے تیرے باطن میں حضوری و مشاہدے کی وہ کیفیت پیدا ہو جائے جو قرب و معیتِ ذات کی حالت ہے۔ اور الہامات کا راستہ اور فیوض و برکات کا دروازہ کھل جائے۔ اور عالم ارواح و مثال کا کشف رونما ہو۔ اور ان ظاہری آنکھوں کی وساطت کے بغیر تو اُس دوسرے عالم کے عجائبات کو دیکھ سکے اور ان کانوں کے توسّل کے بغیر اُس عالم کے الفاظ و کلمات کو سُن سکے۔ اور یہ معاملات اتنی قوت پکڑ جائیں کہ ظاہری حواس سے بھی محسوس ہونے لگیں۔ اور ان کے آثار اور نتیجے خارجی طور پر بھی ظہور پذیر ہونے لگیں۔ قربِ الٰہی عبارت ہے اسی لازوال باطنی حضوری کی نسبت سے صحیح عقیدے اور نیک اعمال سمیت!! اور یہ لغو گوئی اور زبانی جمع خرچ جو ان دنوں "تصوف دانی" کے نام سے مشہور ہے اور ہر صوفی کا ملحد کا شعار اور وطیرہ ہے کسی کام نہیں آتا۔ اور گمراہی و ضلالت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام محمدیوں کے باطنوں کو ایسی بازاری قسم کی باطل کیفیت سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اور محمدی طریقت و شریعت کی برکات کے شرف سے مشرف فرمائے۔ اس کے سوا نہیں کہ مومن وہ لوگ ہیں کہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے عطا کیا اعتقاد اور فرمانبرداری۔ اور جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور وہ حاضر ہوتے ہیں اور داخل ہوتے ہیں حلقۂ ذکر میں اور مراقبے میں تو اللہ کے حضور کی وجہ سے ان کے دل پر خشیت اللہ (خوفِ خدا) طاری ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں گڑگڑا کر اور پوشیدہ طور پر۔ اور منکشف کرتا ہے ان پر اللہ اپنی معیت کا راز اپنی برکت سے اور وہ سمجھ جاتے ہیں راز کے اس طرح اشارے کو کہ اللہ تعالیٰ حائل ہے آدمی اور اُس کے دل کے درمیان، اور جب ان پر پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیات اس فصیح بیان کے ساتھ باطنی تاویلات کی توضیحات کے ساتھ اور ظاہری معانی کی مراعات کے ساتھ تو وہ آیات ان کو زیادہ کرتی ہیں طریق محمدی کی حقیقت میں ایمان و یقین کے لحاظ سے، اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو چھوڑ دیتے ہیں دنیوی اسباب کو، اختیار کرتے ہیں فقر کے

Marfat.com

معاش کو خالص محمدیوں کے ساتھ - اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور قائم کرتے ہیں نماز جماعت کے ساتھ اور فرض اور مسنون روزے رکھتے ہیں - اور اس میں سے جو اللہ نے انھیں دیا ہے رزق ظاہر اور باطن میں سے خرچ کرتے ہیں اپنی وسعت اور امکان کے مطابق - یہی لوگ حقیقت میں مومن ہیں اور خالص محمدی ہیں - ان کے لیے درجے ہیں بڑے بلند اگر اللہ نے چاہا تو ان کے رب کے ہاں اور مغفرت ہے اور عمدہ رزق ہے -

طریقت محمدیہ کے سلوک کے بیان کا باب

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اُمّت مرحومہ محمدیہ کے ارباب طریق کے ہر طریق کے اکابر اور بزرگان دین نے اللہ تک رسائی کے لیے مختلف ذکر اذکار، اور اوراد و وظائف اور ریاضتیں اور مجاہدے وضع کیے ہیں اور ہر کسی نے جس طور پر بھی راستہ پایا اسی طریق کی اپنے تابعین کو دلالت کی - اور اسی طریق کو نزدیک ترین راستہ سمجھا اور اپنے مریدوں کی اسی راستے پر رہنمائی کی - چنانچہ ہر طریق والوں کے حاصل کرنے کا طریق الگ انداز میں ہے - بعض مراقبوں کا حکم دیتے ہیں اور باطنی نیکیوں میں مشغول رکھتے ہیں اور بعض کثرت میں وحدت کے مطالعے کا حکم دیتے ہیں - اور ظاہری حواس پہ توجہ مبذول کرواتے ہیں - بعض مرشد کا تصوّر کرنا سکھاتے ہیں اور بعض انفاس کو ملحوظ رکھنے کی تعلیم دیتے ہیں - بعض بلند آواز سے ذکر (ذکر جلی) اور بعض ذکر خفی (پوشیدہ طور پہ خموشی سے ذکر) کرنے کی تلقین کرتے ہیں - بعض سانس روکنے اور نفی و اثبات کا حکم دیتے ہیں اور اس قسم کی کئی اور مثالیں ہیں جیسے کہ " انہد نصیراً محمودا " ذکر حدادی (جس سے قلب پہ ہتھوڑے کی سی ضرب لگے،) ذکر ارہ (جس سے آری کے چیرتے یا لکڑی چیرے جانے کی صدا نکلے) ذکر قمری (فاختہ کی سی صدائے ہُو) اور ایسے ہی دیگر اذکار ہیں جن کا وہ حکم دیتے ہیں - اور سالکوں کو ان میں مشغول رکھتے ہیں - اگرچہ خالص محمدی بھی دوسروں کی طرح اپنے مرشدوں کے اتباع میں اپنے آپ کو آغازِ حال میں نقشبندی اور قادری طریقے کے معمولاتی ذکر اذکار میں مشغول رکھتے ہیں جو ان کے مرشدوں سے ان تک پہنچے ہیں اسی کی تلقین کرتے ہیں - اور مراقبے اور باطنی نسبت کے القا کی توجہ مجدّدی مشائخ کے طریقے پر کرتے ہیں - لیکن انجام کار یعنی آخیر میں جا کر کلام الٰہی کے

Marfat.com

توسط ہی سے ترقی حاصل کرتے ہیں۔ اور اسی امام مبین یعنی قرآن مجید ہی کو اپنا پیشوا بناتے ہیں۔ یعنی بموجب اس فرمان کے کہ عبادت سے پہلے توبہ کرو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ گویا پہلے گناہوں سے توبہ و استغفار کرواتے ہیں۔ اور خود بھی ہر وقت نفسانی ہوا و ہوس اور جسمانی خواہشات کی آمیزش سے توبہ کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی ہستی کے شعور اور خودی و انانیت کے گناہ سے تائب ہوتے ہیں اور خود پرستی اور تن پروری کو مکمل طور پر گناہ سمجھتے ہوئے تمام شر و فساد کا میداو منبع سمجھتے ہیں۔ اور ہر لمحہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے ورد کی تکرار کرتے رہتے ہیں۔ اور خودی و انانیت کے وہم و گمان سے بالکل خالی ہوجاتے ہیں۔ جب ظاہری و باطنی گناہوں سے توبہ کی یہ کیفیت نفس میں راسخ ہوجاتی ہے اور سالک کا ظاہر و باطن ان داغ دھبوں سے پاک ہوجاتا ہے تو پھر اسے مقام صلاح کی بشارت دیتے ہیں جو قرب حق کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔ اور اُسے اولیا کے اس زمرے میں شمار کرتے ہیں جو صالحین سے موسوم ہے اور اس آیت کریمہ کے بموجب کہ ذکر کرو اپنے رب کا اپنے دل میں گڑگڑاتے ہوئے اور پوشیدہ طور پر اظہار کیے بغیر قول میں سے، صبح اور شام اور تم نہ ہوجاؤ غافلوں میں سے، اور یا اس آیت کریمہ کے حکم کے مطابق کہ پکارو اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور پوشیدہ طور پر اور تم نہ ہوجاؤ حد سے گزرنے والوں میں سے، — وہ لوگ اسم اللہ کے ذکر کو اپنے ادراک کرنے والے نفس میں جو قلبی حقیقت ہے اس میں راسخ کر لیتے ہیں اور ابتدا میں ذکر کا طریقہ سکھانے کے لیے پہلے یوں تعلیم دیتے ہیں کہ سالک اپنی زبان کو تالو سے چپکائے اور آنکھیں بند کر کے سرنگوں ہو کر بائیں پستان کی طرف کو ملحوظ رکھے جو جسمانی قلب (گوشت پوست کا لوتھڑا) کی جگہ ہے اپنے قلب کی طرف توجہ دے۔ دل سے گزرنے والے ارادے اور خیال کی مانند زبان کے ہلائے اور نفس کی شراکت کے بغیر اسی اسم اللہ، اللہ کو دہراتا جائے۔ اور جب یہ قلبی ذکر قائم ہوجائے اور پھر اسی طرح دیگر لطائف سے جو عبارت ہیں روحانی نیکی و مخفی و پوشیدہ اور مخفی ترین نیکیوں سے، ان کا ذکر کراتے ہیں جب سارا جسم ذکر کرنے لگے، تو اسے ذکر سلطان کہتے ہیں، اور جب ذکر کی یہ کیفیت تقویت پکڑ لیتی ہے تو مقام ذکر کی بشارت دیتے ہیں جو قربت حق کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے اور اُسے اولیائے کے اس گروہ میں شمار کرتے ہیں جسے ذاکرین سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور

Marfat.com

اس آیت کریمہ کے بموجب کہ کہو اللہ اور پھر اُسے چھوڑ دو، جب اس اسم مبارک کا ذکر قلب میں راسخ ہوجاتا ہے اور اس قلبی ذکر کے غلبے سے دیگر خیالات دل میں نہیں آتے، تو اس حالت میں تذکر خالص کے مقام کی بشارت دیتے ہیں اور اُسے اولیاء کے اس زمرے میں شمار کرتے ہیں جنھیں متذکرین کہا جاتا ہے۔ اور اگر بہ تقاضائے بشریت اس نسبتی ذکر اذکار کی شدت میں فتور واقع ہوجائے اور غفلت ہونے لگے، تو اس آیت کریمہ کہ اگر بھولے سے ایسی بات زبان سے نکل جائے تو فوراً اپنے رب کو یاد کرو سے متنبہ ہو کر دوامی ذکر کی ڈور کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے جب تک کہ زوال ذکر سے بالکل محفوظ ہو کر اس آیت کریمہ کی بشارت حاصل نہ کرلیں کہ وہ ہوشمند لوگ اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اس حالت میں اُنھیں دائمی صلواۃ کے مقام کی بشارت دیتے ہیں جو قرب کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔ بموجب اس آیت کریمہ کے کہ وہ اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں۔ اور اس حالت کے مالک کو اولیاء کی اس جماعت میں داخل سمجھتے ہیں جو مصلّین کے نام سے موسوم ہے۔ اور اس آیت کریمہ کہ ایسے لوگوں کو بشارت دے دو جو صبر کریں اور جب کوئی مصیبت آن پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جاتا ہے۔ جب حضوری نسبت کی قوت اور معیتِ حق کی حالت کے غلبے کے سبب سخت مصیبتوں اور بلاؤں کی قوتِ برداشت باطن میں پیدا ہوجاتی ہے اور دل مکروہات کے پانے اور مرغوبات کے نہ پانے سے پریشان نہیں ہوتا بلکہ مصیبت پڑنے پر اور بھی زیادہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس حالت میں مقامِ صبر کی بشارت دیتے ہیں اور اولیا کی اس جماعت میں شمار کرتے ہیں جسے صابرین کہتے ہیں۔ اور مختلف حالات و مقامات پہ شکر ادا کرتے ہیں۔ اور درج ذیل آیات کے معانی کے تصور کے بموجب کہ اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے اور اللہ سینے تک کی باتوں کو جانتا ہے خواہ اسے پوشیدہ طور پہ پکارو، خواہ بلند آواز سے باطن میں حضوری و آگہی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اور ہر وقت اور ہر جگہ دل رب العزت کے مشاہدہ و ادب کی عجیب کیفیت سے معمور ہوجاتا ہے۔ تو وہ لوگ ان آیات کی تلاوت یعنی کہ اللہ ہر شے پہ محیط ہے اور اللہ ہر شے پر گواہ ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے سے حق تعالیٰ کے بے کیف احاطہ و بلا کلام شہادت اور بلا عجز قدرت کو ہمیشہ اپنی چشمِ بصیرت

Marfat.com

کے سامنے رکھتے ہیں۔ اس حالت میں اُنھیں مقامِ معیت کی بشارت دیتے ہیں جو قرب حق کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔ اور اس مقام کے مالکوں کو اولیا کے اس گروہ میں داخل کرتے ہیں جو مقربین کے نام سے موسوم ہیں۔ اور اس آیت کریمہ کے مطابق کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے فنا ہو جاتے والا ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ وہ تمام وجودی اضافات کو اُتار پھینکتے ہیں اور ذات باری تعالیٰ کے نور وجود سے سراپا پُر ہو کر فنافی اللہ کی منزل سے گزرتے ہوئے باقی باللہ ہو جاتے ہیں۔ جب یہ حالت تقویت پکڑ لیتی ہے تو اُنھیں مقامِ اصطفا کی بشارت دیتے ہیں اور اولیا کے اس زمرے میں شمار کرتے ہیں جنھیں ابدال کہتے ہیں اور یہ آیت کریمہ میں کہ یہی لوگ ہیں جن کے گناہوں کو خدا نیکیوں میں بدل دیتا ہے، اسی مرتبے کے مالکوں کے احوال کی شرح ہے۔ اور اس آیت کریمہ کے بموجب کہ عنقریب ہم انھیں دکھائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں اور خود ان کے دلوں میں یہاں تک کہ ان پر کُھل جائیں گی یہ بات کہ یہی حق ہے۔ انفس و آفاق میں قدرت الٰہیہ کے عجائب و غرائب اس کے کمالات، اور صفاتی و ذاتی ظہورات کے مشاہدات سے علم الیقین اور عین الیقین کے مرتبوں کو طے کرتے ہوئے حق الیقین کے مرتبے پر فائز ہو جاتے ہیں۔ اس حالت میں اُنھیں مقام تحقیق کی بشارت دیتے ہیں اور اولیا کی اس جماعت میں داخل کر لیتے ہیں جنھیں محققین کہا جاتا ہے۔ اور اس آیتِ کریمہ کے بموجب کہ تمھارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے، وہ اپنے ارادوں اور مُرادوں کی نفی کر کے اور اپنے قصد و ارادے کی اضافتوں کو اپنے آپ سے گرا کر خود جسمانی و نفسانی خواہشات سے بالکل خالی ہوتے ہوئے مشیّتِ الٰہی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اور اسی قادرِ مطلق کے مرید ہو جاتے ہیں جو جی چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس حالت میں انھیں ارادات و مرادات کی نفی کے مقام کی بشارت دیتے ہیں اور اولیا کے اس زمرے میں داخل کر دیتے ہیں جو مرادین سے موسوم ہے۔ اور اس آیت کریمہ کے بموجب کہ جو کوئی اللہ پر توکّل کرتا ہے۔ پس وہی کافی ہے۔ وہ باطن میں دنیوی اسباب اور علائق دنیوی کو ترک کر کے حق تعالیٰ کی رزّاقیت اور مطلق کارسازی پہ اعتماد کرتے ہیں۔ ان کے دلوں سے دنیوی اسباب کے حجابات بالکل اُٹھ جاتے ہیں۔ وہ انھیں محض موہوم امور ہی سمجھتے ہیں اور مسبب الاسباب

Marfat.com

کے مشاہدے کے دروازے کے سوا اور کچھ نہیں کھلتا۔ اس حالت میں حقیقی توکل کے مقام کی بشارت دیتے ہیں اور اولیا کے اس زمرے میں شمار کرتے ہیں جنھیں متوکلین کہتے ہیں اور جب یہ حالت تقویت پکڑ لیتی ہے اور ظاہر و باطن میں یکسانیت حقیقی توکل کے ساتھ یک جا جمع ہو جاتی ہے۔ یعنی ظاہر میں بھی دنیوی مقررہ اسباب کے بغیر درویشانہ وضع قطع سے گزر بسر میسّر آ جاتی ہے تو اس حالت میں حقیقی توکل کے مقام کی بشارت دیتے ہیں اور اولیا کے اس زمرے میں محسوب کرتے ہیں جسے متوکلین محبوبین کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو اسی پر بھروسہ کرے۔ اس آیت کریمہ کے بموجب کہ جو اللہ کے دوست ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ جب ان کے باطن سے ماسوی اللہ کا حزن و ملال دُور ہو جاتا ہے اور طبیعی تقاضوں کے اقتضا پر پیدا ہونے والا حد سے زیادہ حزن و ملال اور حد سے زیادہ خوف جو مشاہدہ ذات کے لیے حجاب ہوتا ہے ان کے دلوں سے دُور ہو جاتا ہے اور کلی اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو انھیں مقام مامون کی بشارت دیتے ہیں اور جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن پا گیا۔ اور اس آیت کریمہ کے مطابق ارشاد ہو گا کہ اے نفس مطمئن چل اپنے آپ کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے، شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ جب اسے مکمل رضا اور کلی اطمینان نصیب ہو جاتا ہے تو اُسے مقام رضا و اطمینان کی بشارت دیتے ہیں اور اس آیت کریمہ کے بموجب کہ آگاہ رہو اللہ ہی کے لیے ہے دین خالص جب حقیقی خلوص سے مکمل طور پر بہرہ مند ہو جاتا ہے کہ قرب الٰہی کے مراتب میں سے اس سے بڑھ کر اور کسی مرتبے کا تصور ہی نہیں، اور وہ ذات پاک کے قریب ترین اور تمام ربانی صفات کمالیہ پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ کا جامع ہے تو اُنھیں خالص محمدیت کے منصب کی بشارت دی جاتی ہے، اور علیٰ ہذا القیاس محمدی طریق و سلوک کے حالات و مقامات و بشارات کی بہت سی جزئیات ہیں جو اس نسبت کے مالک پر قرآن حکیم کی تلاوت کے وقت خود بخود منکشف ہوتے جائیں گے، ہم نے ان کی دریافت کا رستہ دکھا دیا

Marfat.com

اور باطنی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا۔ چونکہ تھوڑی چیز دلالت کرتی ہے زیادہ پر۔ اللہ اللہ خالص محمدیوں کے گوش حق نیوش ہر مقام میں جو آہنگ بھی ہو اس سے سوائے کلام اللہ کے اور کچھ نہیں سنتے اور آنکھیں مشاہدے سے آسودہ ہونے پہ صادق مومنین ہر آئینے میں جیسا بھی وہ ہو تجلیٔ ذات کے جلوے کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن پاک میں آیا ہے کہ اس روز (قیامت کے دن) کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ رباعی:

ہر جا زنی و چنگ صدا مے شنویم
آہنگ ترا نام خدا مے شنویم
گر چشم کشائیم تو سد نظری
در گوش نہنیم ہم ترا مے شنویم

ترجمہ رباعی: تو جہاں کہیں بھی نے نوازی کرتا یا چنگ و رباب بجاتا ہے ہم تیری ہی صدا سنتے ہیں۔ تیرے ہر آہنگ اور سُر میں خدا ہی کا نام سنتے ہیں۔ اور اگر آنکھ کھولیں تو تو ہمارے پیش نظر ہے اور اگر کسی آواز پر کان دھریں تو تیری ہی آواز کو سنتے ہیں۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) ہر جا، ہر مقام اور ہر مرتبے سے مراد عالم شہادت، عالم مثال اور عالم ارواح وغیرہ ہیں۔ یعنی جہاں کہیں اس مخلوقات کے موجودہ حقائق کے ساز اور تعینات کے آہنگ کو جنھیں لفظِ نے اور چنگ سے تعبیر کیا گیا ہے سنتے ہیں اور جب ان سے نمود بے بود کے نغمات کے نقوش محسوس کرتے ہیں اور ان کے ظہور اور پیدائی کا ادراک و فہم آتا ہے تو اس مقام پر اے حقیقی غنا کے مالک تیرے عشاق ہر آہنگ سے کھلے بندوں تیرے ہی نام کا الاپ اور آہنگ سنتے ہیں یعنی بلا اعتبار تیرے وجودِ مطلق اور تیری پاک ذات کی وحدانیت کے اقراری ہو جاتے ہیں۔ اور کسی وقت بھی ان کی حقیقت بین آنکھیں تیرے لقائے لایزال کے جمالِ باکمال کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھتیں اور ان کے الہام ربانی کو سننے والے کان تیرے کلام کے سوا اور کچھ نہیں سنتے۔ دیکھئے یہ آیت کریمہ پس وہ دیکھتے ہیں جو کچھ دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں جو کچھ وہ سنتے ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب لوگ ہدایت پر ہیں اپنے

Marfat.com

رب کی طرف سے اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔ قصہ کوتاہ، حبیب رباعی کی سب مرادیں متن میں بھی لکھی ہوئی ہیں ان کی مزید وضاحت کی جاتی ہے۔ کہ نے و چنگ سے مراد اس مخلوقات کے تعیناتی پردے (آہنگ) اور موجودہ حقائق ہیں جو اس خالق بے مثال کے مظاہر اور جلوہ گاہیں ہیں صدا سے مُراد ان دنیوی اعتبارات کی نمود بے بود ہے۔ شنیدن سے مُراد ان کا احساس اور ادراک کرنا ہے اور آہنگ سے مُراد وجود مطلق کے اعتباری معانی کا ظہور جو حاضر و ناظر و مخاطب ہے اور لفظ خدا بڑے موقع محل پر لطیف پیرائے میں استعمال ہوا ہے۔ شنیدن آن مرتبہ سے مُراد اس پر یقین و ایمان لانا اور مشاہدہ و معرفت ذات کی حالت کا بہم پہنچانا ہے۔ حق بات یہ ہے کہ اعتبارات کے ان تمام مراتب میں اس کے لئے اعتباری معانی کا ظہور ہے۔ کیونکہ اس مرتبۂ لا تعین کی تجلی انہی تعیناتی مراتب میں ہوتی ہے اور لا اعتباری مرتبے کی بے کیفی انہی اعتباری کیفیات سے فہم میں آتی ہے اور ہر مقید موجود اسی وجودِ مطلق پر دلالت کرتا ہے اور ہر شے حق تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہے اور چشم کشادن عبارت ہے آئینہ شہادت میں ذات واحد کے مشاہدے سے جو فقط اولیا اور عارفوں ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ اور نظر بودن سے مُراد ہے نصب العین ہونا اور اس کے شہود و مشاہدے کا قرار پانا اور گوش نہادن عبارت ہے مرتبۂ غیب و لطافت کی طرف توجہ سے کہ ایمان دار سننے والوں کو بھی اور مبشّرین کو بھی ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی ہی کی بدولت میسر ہوتی ہے اور اُس لطیف ترین مرتبۂ غیب الغیب کا سننا یہی اس کو پالینا اُسے دیکھنا اور اس کی پاکیزگی ہے۔ جن لوگوں کی حقیقت بین آنکھ کھلی ہے اور جن کی چشم بصیرت کو تیز بنایا ہے اور گوش ہوش اور عرفان عطا کیا ہے اور جنھیں اطاعت و اتباع کی قوت علم و عرفان کی قوت سمیت حاصل ہے وہ تعینات کے ساز اور اعتبارات کی بانسری کے ہر آہنگ سے ہر گھڑی وہی دلکش آواز سنتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اپنے رب پر اور اللہ تعالیٰ کی رحمانی تجلی اور وسیع رحمت کا جس سے اس کی غفاری عبارت ہے مشاہدہ کرتے ہیں اور کلام اللہ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے اور یوں اپنے ایمان کو مزید تقویت بخشتے ہیں۔ اور وجودی فیضان کی اطاعت کرتے ہیں اور تمام موجودات کو حق تعالیٰ کے نور سے منور دیکھتے ہیں۔ اور ہر لحظہ اُدھر ہی کو چلے جا رہے ہیں اور ہر لحظہ اسی چیز کا مطالعہ کرتے ہیں کہ سب امور کا رجوع اسی

Marfat.com

کی طرف ہے اور اپنی زبان حال وقال کہتے ہیں کہ ہم نے ظاہری و باطنی کانوں سے سُنا اور ہم نے جسمانی اور روحانی طور پر اطاعت کی، تیری بخشش درکار ہے ہمارے رب اور تو ہی بخشنے والا ہے، اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے، اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔ پس شریعت و طریقت کا جامع اور کامل معرفت والا وہ ہے کہ ظاہری اور باطنی طور پر بہ تمام و کمال اللہ کی طرف متوجہ ہو یعنی کہ اُس کا نفس ناطقہ جو عبارت ہے رُوح انسانی سے ہمیشہ اس پاک مقدس اور اعلیٰ وارفع ذات کی طرف مائل ہو جو تمام اضافات سے پاک ہے۔ حتیٰ کہ سلبِ اضافات کی اضافت بھی اس کی عظمت وکبریائی کے دامن تک نہیں پہنچتی اور وہ تمام اعتبارات سے مبرا ہے۔ یہاں تک کہ لا اعتباری نسبت بھی اس کے غنا و استغنا کے مسند سے دُور رہتی ہے!! وہ عارف کامل اس بے مثال انداز اور بے کیف تصور میں متوجہ رہے اور بلاکیف ذات کی کیفیت وحالت کے ادراک کا ارادہ نہ کرے اور اُس بلند مرتبے کی نامعلوم نسبت حاصل کرے اور اس باطنی کشش و نگرانی کو جسے آگاہی و حضوری سے موسوم کرتے ہیں ذوق و شوق کی حالت کو انشراح قلب اور سرور و جذب و مستی اور خوف و ادب سمیت حاصل کرے تاکہ یہ معاملہ حواس بصری کے احساس تک جا پہنچے، گویا کہ حق تعالیٰ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اور اس حالت کے آثار اس کے ذہن اور خارج اور خلوت و جلوت، اور تنگی و فراخی اور صحت و بیماری یعنی تمام حالات میں اس پر مرتب ہو جائیں۔ اور وہ امور جو محسوسات و معقولات کے ان پابند انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں ان کی باطنی آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگیں اور اس پر ان کا اتنی قوت سے انکشاف ہو جائے کہ اس کے نفس میں انکار کی مجال نہ رہے۔ لیکن یہ انتخاب و برگزیدگی کا معاملہ ہے جو کسب و ارادے سے میسّر نہیں ہوتا جب تک کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اللہ تعالیٰ کی قبولیت نہ پہنچے۔ لہٰذا چاہیے کہ غیب پر یقین، خدا اور رسول اور اپنے سچے مرشدوں کے فرمان پر اعتماد کرتے ہوئے مکمل یقین حاصل کرے اور اس عام عنایت کا منتظر رہے اور ہمیشہ اس بے کیف فیض کے انتظار کی حالت کو ماسوی اللہ کے خیالات اور دیگر خطرات کی مزاحمت کے بغیر اپنے باطن میں قائم رکھے بلکہ خدا تعالیٰ کے صفاتی و ذاتی اعتبارات کے امتیازات میں بھی مشغول نہ ہو کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لائے، والی آیت کریمہ اسی مقام کی بشارت دیتی ہے۔

Marfat.com

اور نسبت پیغمبرِ پاک کامل تابعین کو نصیب ہوتی ہے اور دستر خوان نبوت کا خاص خورش ہے۔ جو کہ سلسلۂ نقشبندیہ کے متاخرین حضرات (ان سب کو خدا کی خوشنودی حاصل ہو) کی اصطلاح میں کمالاتِ نبوت سے موسوم ہے اور حق بات تو یہ ہے کہ کلام اللہ میں ایمان بالغیب کی بشارت بھی اسی معاملے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور اسی مرتبہ پہ یہ دلالت ہے کہ عطا کی اللہ نے ہمیں اور تمام محمدیوں کو یہ مضبوط عالی نسبت اس مضبوط و روشن طریقت کے اکابر کی ارواح کی برکت سے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ قصّہ کوتاہ عارفِ کامل وہی ہے کہ جو اس طرح اپنی ذات کو ہمیشہ اسی مذکور بالا انداز میں مرتبۂ ذات الٰہی کی طرف متوجہ رکھنے اور یونہی اپنی صفات کو حق تعالیٰ کی کمال صفات کا آئینہ سمجھے اور ہر صفت اور ہر حس کے مناسب اللہ جل شانہ کا خصوصی قرب حاصل کرے اور حواس عشرہ کو (ظاہری و باطنی حواس) انسانی نفس ناطقہ کے آلات اور خداوندی کمالات وصفات کے مظہر ہیں۔ صفاتِ ربانی سے بہرہ یاب کرے۔ اور اپنی ہر مجازی صفت کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی حقیقی صفات کا سایہ اور اس کے انوار کے پرتو سے منور سمجھے۔ اور ان کمالات کی جلوہ گاہ جانے۔ اور اپنی اعتباری ہستی کو اللہ تعالیٰ کے وجودِ حقیقی کا سایہ سمجھے کیونکہ جب وہ فیصلہ کرتا ہے کسی چیز کا پس وہ کہتا ہے اور وہ ہوجاتا ہے۔ اور اپنی اس عاریتاً ملی ہوئی زندگی کو حیّ قیوم کی ذات کی حیات کا سایہ سمجھے وہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ اور اپنے اضافی علم کو اس علیم مطلق کے نفسی علم سایہ سمجھے اور یہ آیت کریمہ یاد رہے کہ خدا نے انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔ اور اپنے حادث ارادے کو اس کے قدیم ارادے کا پرتو گردانے کیونکہ بموجب اس آیت کریمہ کے تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور اپنی مادی سماعت کو (قوت شنوائی) اس سمیع حقیقی کی مجرد سماعت کا سایہ سمجھے۔ دیکھیے یہ آیت کریمہ کہ کیا تم سناؤ گے بہروں کو چاہے وہ عقل نہ رکھتے ہوں۔ اور اپنی غیر معتبر بصارت (بینائی) کو اس بصیر حقیقی کی پاک نظر کی بصارت کا سایہ جانے۔ دیکھیے یہ قرآنی آیت کہ کیا تم ہدایت دو گے اندھوں کو اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں اپنے لفظی اور نفسی کلام کو اللہ کے نفسی اور حقیقی حکم کا پرتو جانے۔ ہمیں نطق عطا کیا اُسی نے جس نے ہر چیز کو گویائی سکھائی۔ اور اپنی ناقص قدرت کو اُس قدیرِ حقیقی اور قادر مختار کی قدرت کاملہ

Marfat.com

کا سایہ سمجھے۔ نہیں ہے طاقت اور نہ ہی قدرت سوائے اللہ کے جو اعلیٰ اور عظیم ہے۔ اور اپنے سراپا انفعال (دوسروں کا اثر قبول کرنے والے) افعال کو اس فاعلِ حقیقی کی تخلیق کا پرتو سمجھے، کیونکہ اللہ ہی نے پیدا کیا تم کو اور ان چیزوں کو جو تم کرتے ہو۔ اور علیٰ ہذا القیاس دسوں حواس (ظاہری + باطنی) کی ہر حس کو بھی حق سبحانہٗ کے شہود و مشاہدے میں صرف کرے اور ظاہری و باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرف کامل رجوع پیدا کرے۔ کیونکہ انہی کامل ترین مقربوں کو اوّابین (یعنی تسبیح و تقدیس و توبہ و رجوع کرنے والے) کہتے ہیں۔ ہر حس کی کیفیت کی تفصیل یہ ہے کہ اپنی قوت متخیلہ کو جو کہ جزئی صورتوں کا خزانہ ہے جملہ کمالاتِ الٰہیہ اور اس کی کمالی صفات کے حقیقی تصورات سے آباد رکھے اور خدا کو حاضر و ناظر اور سامع اور شاہد جانے۔ اور کوشش کرے کہ اس مطالعے سے حضوری کی نسبت کو خوب تقویت دے۔ یہ سالک کے ظاہر و باطن کے لیے مفید ہے اور ذات کی جمیع صفات کے مرتبے کی حضوری و مشاہدے کی لذت سے اپنے شخصی تخیل کو شاد و شادمان رکھے اور اپنے خیالات کی تصحیح کے لیے کوشاں رہے یہاں تک کہ حق الیقین کی حالت نصیب ہو جائے اور اپنی غور و فکر کرنے والی انسانی قوت کو صفات الٰہیہ کی خوبیوں اور ان شانوں کی تفصیلات کی شناخت میں صرف کرے کیونکہ ہر صفت کی شان الگ ہے اور ذات باری اعلیٰ و ارفع و مقدس ہے۔ وہ ہر شان میں اک نئے رنگ میں جلوہ فرما ہوتا ہے۔ اپنی فکری قوت کو ان شواہد کے عجائبات پر متوجہ رکھے اور ان کمالات کے فوائد سے بہرہ یاب ہو اور صفات و اسمائے ذات کے اسرار و رموز کو بشری طاقت کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرے اور فکر کے سرکش گھوڑے کو اس رفیع الدرجات ذات کے سمجھنے کی جولانگاہ میں نہ دوڑائے۔ دیکھئے یہ فرمان کہ اللہ کی صفات پر غور و فکر کرو مگر اللہ کی ذات کے متعلق غور و فکر نہ کرو۔ یہ عجیب عبارت ہے انشاء اللہ تعالیٰ ہر خاص و عام کے لیے مفید اور اصلاح کنندہ ثابت ہوگی۔ اپنے حافظے کے صندوق کو جو جزئی معانی کا خزانہ ہے اور جس کے اندر عجیب و غریب چمک دار موتی ہوتے ہیں اسم الٰہی کی ہر صفت کے موتیوں اور مفہوم کے جواہر سے اس طرح بھرے کہ اسم و مسمّیٰ کے ذکر کے سوا ماسوی اللہ کی یاد کا کوئی نام و نشان تک باطن میں نہ رہے۔ اس حالت کی مکمل قوت کی حقیقت سے سالک کو حقیقتِ قرآنی کا مقام نصیب ہوتا ہے اور قرآن شریف کے حقیقی طور پر حفظ کرنے

Marfat.com

والے حضرات اس مقام کے مالک ہوتے ہیں۔ اور حقیقتِ قرآن کے ضمن میں ان برگزیدہ حضرات کے باطن کا محافظ وہی حافظ حقیقی ہوتا ہے۔ جیساکہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ بیشک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ سالک کو چاہیے کہ مذکورہ بالا کی کیفیت کی ہر وقت دیکھ بھال کرے اور خزانے کے جمع کرتے اور اس جواہر خانے کی ذخیرہ اندوزی سے اپنی باطنی جمعیت اور کمالات کی جامعیت سے اپنے دل کو مسرور رکھے۔ اور ان جواہرات کے ذکر اذکار اور یادداشت میں کوشاں رہے جو عبارت ہے حضوری و ملاحظہ و فکر اور ذات و صفات و اسمائے الٰہیہ کے ذکر سے اور اس سلسلے میں ہر لمحہ اور ہر لحظہ اہتمام و سعی کرے کیونکہ حقیقت میں وقوفِ قلبی یہی ہے۔ اور غفلت اور کوتاہی کے چور کو اُدھر گھسنے نہ دے۔ اور اپنے انفاس کو غنیمت سمجھتے ہوئے خاص پاس و لحاظ رکھے۔ کیونکہ ہر نفس اس کے حق میں مسیحائی نفس کا اثر رکھتا ہے۔ اور حسِ مشترک سے جو ادراک کرنے والی جامع حس ہے کثرت میں وحدت کا ملاحظہ کرے تاکہ انسان اعتباری صورتوں کی کثرت میں سراسر اسی ذاتِ واحد کا جلوہ دیکھے۔ اور مرتبۂ وجود کے معنوی اشتراک کا انکشاف ہو۔ اور یہ دریافت کر سکے کہ یہ تمام موجودات وجودات نہیں ہیں بلکہ ایک وجودی معنی ہیں جو ان میں جلوہ گر ہیں اور نیز اس حس مشترک کو عینِ اتحاد میں امتیاز کا رنگ دے اور کثرت میں وحدت کا مشاہدے تاکہ ادب کی حد سے تجاوز نہ کرے اور عین مشاہدے حالت میں وحدت کے حفظِ مراتب کا دامن نہ چھوڑے اور اپنی قوت واہمہ کو جو حُبِّ دُنیا اور فقر و فاقہ کی حالت سے خوف اور رسوم و عادات کی پابندی کا موجب اور خواہشات کے طول اور ماسوی اللہ سے خوف و دہشت کی عِلت ہے۔ ان سے آزاد رکھے۔ اور موہوم موجودات جو اس ناپائدار فانی دُنیا کے متعلقات اور اس بے بنیاد چند روزہ زندگی کے پھندے ہیں ان سے بچے اور حقیقت میں دُنیا کے کاروبار کی قیود اور اہلِ دُنیا کی رسومات و عادات کا باطنی طور پر ہرگز مقید اور پابند نہ رہے۔ جہاں تک ہو سکے اور مناسب حال ہو ظاہری طور بھی ترکِ دُنیا اختیار کرے اور بے فائدہ اپنے آپ کو دنیاوی افکار و تفرقات میں نہ ڈالے اور اس مصیبت اور تردّد میں نہ پڑے۔ اور اپنی عمر عزیز اور اس کے قیمتی لمحات کو ایسی لغویات میں ضائع نہ کرے۔ دل پر خوفِ خدا کو مسلّط رکھتے ہوئے عاقبت کے عذاب سے ڈرتا رہے۔ گناہگاروں کے شافع روزِ جزا یعنی محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے

Marfat.com

دامنِ شفاعت کو شریعتِ نبوی کے مکمل اتّباع سے بڑی مضبوطی سے تھامے رکھے اور ماسوی اللہ کے خوف وہراس اور حزن وملال کو اپنے دل کی دُنیا سے گزرنے تک نہ دے۔ اور سوائے بشری تقاضوں کے بقدرِ ضرورت جوکہ جبلہ طبیعی افعال ہیں ایسے امور کی قلب میں گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اور انسان بلا شک وشبہ اس آیت کریمہ کا مصداق بن جاتا ہے کہ بیشک جو لوگ اللہ کے دوست ہیں ان کے لیے نہ کوئی خوف کا موقع ہے اور نہ حزن وملال کا۔ اور اس حالت کا ولایت کبریٰ کے آخر میں آغاز ہوتا ہے اور کمالاتِ نبوت کے مقام پر پہنچ کر یہ حالت پوری قوت پکڑ لیتی ہے۔ جیساکہ حق تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں فرمایا ہے کہ میرے حضور میں رسول ڈرا نہیں کرتے۔ جب باطنی حواس ان کیفیات سے پُر ہوجائیں تو ظاہری حواس کی طرف متوجہ ہوکر اپنے حال کے مناسب ہر حس کو اس کا حصّہ پہنچائے اور قوتِ سامعہ کو جو کان کے سوراخ میں بچھائی گئی ہے حق تعالیٰ کی ہی گوش سماعت کا مظہر سمجھے۔ اور خود ہمہ تن گوش حق نیوش بن جائے اور جس کسی سے جو کچھ بھی سُنے اُسے پیغام دوست ہی سمجھے اور ہر صورت اور ہر کلام سے اُس کے پیام وکلام کی لذت وبرکت حاصل کرے۔ اور ہر مقام پر اس آیت کریمہ کا مورد بن جائے کہ رب رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا گیا ہے۔ اور قوتِ بینائی کو جو آنکھ کے عضو اور دیگر طبقات و رطوبات پر مشتمل ہے۔ اس سبحانہٗ تعالیٰ کے آلاتِ بصری کے بغیر بصارت کا منظر گاہ سمجھے۔ اور آئینے کی طرح حُسنِ محبوب کو دیکھنے کے لیے سراپا اک چشمِ حیران بن جائے۔ اور تمام دکھائی دینے والی چیزوں میں خواہ وہ کسی صورت میں رونما ہوں اسی کے جلوے کا پَرتو دیکھے اور اس سرائے فانی میں اس آیت کریمہ کی کیفیت بہم پہنچالے کہ بہت سے چہرے اس روز (روزِ قیامت) تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ مصنف کا شعر ؎

سزد کہ از ہمہ کس چشم پر بندیم　　　تمام چشم و ہمہ گوش کردہٗ مارا

(ہمیں تو نے ہمہ تن گوش اور سراپا چشم بنا دیا ہے، پس سزاوار ہے کہ ہم کسی کے کان اور آنکھ کو بند کردیں)۔ اپنی سونگھنے والی قوت کو اسی کے اُنس وموانست کی عطر بیز خوشبو سے معطر پائیں اور ہر سمت اسی کے تقرب کی خوشبو کی تلاش کریں۔ ہر جگہ اسی کے حسن کے پھول کو سونگھیں اور مقید اور کثیف صورتوں کے عطر دان سے تمام خوشبوؤں کو جو سونگھی جاسکتی ہیں اسی

Marfat.com

لطیف مطلق کی پاکیزہ خوشبوئیں سمجھے۔ اور اُسی کی طرف رجوع کی خوشبو سے مست ہو جائے اور اپنی قوتِ ذائقہ کو حقیقی ذوق سے لذت آشنا کرے، ذوقی وحالی علم حاصل کرے اور ذوق وشوق کی حالت میں محو رہے اور ذائقے کی تمام لذتوں اور کیفیتوں میں اسی کی رزاقیت و حلاوت کی نعمت کو پائے۔ حق بات یہ ہے کہ قناعت پسند سیر شکم حضرات پیٹ کے ان پجاری حریص طبعوں کے برعکس کھانے سے زبان کے اسی چٹخارے کے علاوہ ایک دوسری لذت بھی حاصل کرتے ہیں۔ اُس لذت کے حصول پہ ہر لقمے میں اللہ کی حمد وستائش کرتے ہیں اور شکر بجالاتے ہیں۔ اور یہ ذاتی معاملہ ہے جو سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آتا بموجب اس مقولے کے کہ جس نے چکھا نہیں اُس نے پایا نہیں۔ اور چھونے کی قوت کو جو تمام جسم میں جاری وساری ہے محفوظ رکھے اور حقیقی لمس (چھونا) اور تنزیہی لمس سے اُس مفردِ حقیقی میں محو ومستغرق ہو جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے کسی چیز کو بھی اس کے وجود کے نور کے احاطے سے باہر نہ دیکھے اور ہر جگہ اسی حق تعالیٰ کی معیت کا مشاہدہ کرے اور ہر موجود کو اسی کے وجود کا مظہر سمجھے اور ان تمام اُمور کو جو دُنیا میں موجود ہیں اور جن کی شرع شریف میں اجازت ہے اور جن کا جائز وحلال ہونا شریعت کی رو سے معلوم ہے ان میں سے اپنے حصّے میں آنے والی رنگارنگ کی جو نعمتیں اور طرح طرح کے جو منافع ہیں ان سے لطف اندوز ہونے اور نفع اُٹھانے کو بغیر کسی وسوسے کے اپنے لیے حلال سمجھے اور کسی قسم کا خوف وخدشہ نہ رکھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رسولؐ سے فرمایا ہے کہ اے نبیؐ تم کیوں حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حلال وحرام اور شرعی اوامر ومناہی سے آگاہ فرمایا ہے شریعت میں جس چیز سے منع کیا گیا ہے اور دوٹوک حکم اور قرآنی نص سے جو شے ممنوع قرار پائی اور ممنوعات میں شمار ہوئی اور صحیح احادیث کے مطابق غیر شرعی ٹھہری اسے اپنے لیے حرام جانے کیونکہ محمدیوں کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے اور ہرگز اس کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے اسے ضرر کا باعث سمجھے اگرچہ وقتی طور پہ اس کا ضرر ونقصان اُسے معلوم نہ ہو اور یہ سمجھ لے کہ اگرچہ اسے بھی خالقِ مطلق اور منعمِ حقیقی نے اطلاقی نسبت سے نعمتوں میں داخل کیا ہے اور یہ بھی جملہ نعمتوں میں سے ہے اور اس آیت کریمہ کے بموجب کہ اے رب تو نے یہ سب کچھ یونہی بے فائدہ تو پیدا نہیں

Marfat.com

کیا، حقیقت مطلقہ میں شمولیت سے خارج نہیں۔ لیکن اُسے میرے حصّے میں نہیں دیا گیا اور یہ میرے حق میں خوب نہیں ہے۔ میں اپنی تقدیری نسبت کی رُو سے اس کو باطل کرنے میں پڑا ہوا ہوں اور اپنے حق کو تلف کر رہا ہوں۔ پس اس کی طرف طمع کا ہاتھ بڑھانا اور اس نعمت سے فائدا اٹھانا چوری کرنے کی مانند ہے۔ اور وہ بدبختی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور اس کی سزا ہاتھ کا کاٹنا ہے تاکہ پھر کبھی اس سے یہ عمل سرزد نہ ہو۔ رسول کریم صلعم کے توسط سے ہم استغفار کرتے ہیں۔ ان تمام شرعی ممنوعہ امور سے جو عمداً اور سہواً کیے گئے اور خطاؤں اور کاموں پر جو اختیاراً یا اضطراراً سرزد ہوئے، اور دلی وسوسوں سے اور ان باتوں سے جو طوعاً، کرہاً یا مجبوراً اور اتفاقاً سنی گئیں اور طبعی رجحان یا ارادہ یا غفلت و شک و شبہ سے دیکھی گئیں اور دراصل ہم میں نہ ہمت ہے نہ طاقت اور سوائے بلندی اور عظمت والے اللہ کے اور نہیں ہے رفیق سوائے اس کے، اور وہ حکمت والا دیتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اسی کا حکم دیتا ہے۔
قصہ کوتاہ یہ کہ ایسے کامل عارف کے متعلق جو مذکورہ بالا کیفیات کا مجموعہ اور ان سارے کمالات کا جامع ہو کہا جاتا ہے کہ جب وہ ایسی حالت پیدا کر لیتا ہے یعنی ظاہری و باطنی اور روحانی و جسمانی طور پر بالکل اس ذات سبحانہٗ کے مشاہدے میں محو ہو گیا اور کلیتہً مستغرق بذاتِ حق ہو گیا اور اس کی ذات و صفات حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی آئینہ دار بن گئیں اس کا دین کامل ہو گیا، اور اُسے کُلّی قرب حاصل ہو گیا جہاں پہلے قدم نہ پہنچا تھا۔ اور حق تعالیٰ کی نعمتیں اس پر تمام ہو گئیں اور وہ سراپا واصل بہ محبوبِ حقیقی ہو گیا۔ اور اس آیتِ کریمہ کی بشارت دینے والا بن گیا کہ آج ہم نے تم پر تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ اس سے پیشتر کہ بالعموم برکتِ محمدؐیہ سے مستفیض تھا اب بالخصوص قربتِ حق کی راہ پر بھی چل نکلا۔ اور اب تمھیں وہ ابدی وصال نصیب ہو گیا جس میں ہجر و فراق کا شائبہ نہیں۔ اس سعادت و خوش بختی کے حصول کے بعد جو محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے نصیب ہوتا ہے۔ اگر تمھیں کچھ روز اور زندہ رہنے کی مہلت ملے اور مخلوق کی طرف بھیج کر تجھ سے رشد و ہدایت کا کام سرانجام دلائیں اور دوسروں کی ہدایت کا موجب بنائیں اور دوسروں تک پہنچنے والی نعمت سے بھی نوازیں۔ تو زہے نصیب و خوش بختی، اور کیا کہنے اس قدر و منزلت کے کہ اصل کام یہی ہے جو انبیائے کرام سے حدِ کمال تک انجام پایا۔ اور

Marfat.com

انسان سے مطلوب بھی یہی کچھ ہے۔ یہ کائنات کے افضل ترین یعنی خیر البشر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جاکر تمام اور ختم ہوا۔ اور اگر تجھے رشد و ہدایت کے مسند پر نہ بٹھایا اور لوگوں کو تیری طرف راستہ نہ دکھایا پس اس صورت میں تو خود مرتبہ کمال کو پہنچ گیا، اور لازمی نعمت سے مستفید ہوا اور اپنی پیدائش کا جو مقصود تھا اس پہ تجھے فائز کر دیا اور تو اللہ تعالیٰ کے خاص قرب سے مشرف ہو گیا۔ حاصل کلام یہ کہ مکمل طور پہ محبوب حقیقی میں محو ہوجا اور بڑے ذوق و شوق سے اس کی طرف دوڑ، اور ہر طریقے سے اس کی طرف چل۔ خواہ سلوک پہ جذبی تقدم کے طریق سے، خواہ سلوکی تقدم کے جذبی طریق سے جو مرشدوں اور مریدوں کا طریق ہے۔ اور ذاتِ حق سے نسبت، معیت، قربت اور معرفت حاصل کر۔ کیونکہ حضرت انسان کی تخلیق و پیدائش کی یہی علّتِ غائی ہے۔ اور آیت کریمہ کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے اسی امر کی خبر دیتی ہے۔ حیف صد حیف کہ اس نسبت و قربت کے عجیب کامل ترین حضرات ہم غافلوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ چند دن کی بات ہے کہ وہ ہم گناہگاروں کو اپنی صحبت کی عنایات سے نوازتے تھے، یعنی ہم مخلص محمدیوں کے اکابر اور بزرگان دین نے سفر آخرت پہ کمر باندھی اور اُس دارِ بقا کو سدھار گئے۔ اور زندگی کی قید سے نجات پا گئے۔ اور ہم پیچھے رہ جانے والوں کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا گئے۔ پس ہم اپنے جسم و جان سے کہتے ہیں کہ اے ہمارے بے فائدہ جسم اور اے ہماری بیقرار روح تو بھی ان کی پیروی پہ کمر ہمت باندھ اور اکابر دین اور مرشدوں کے اُس آفتاب عالم تاب یعنی حضرت امیر المحدثین (مصنف کا والد بزرگوار) کے ارشادات سے جو کچھ دیکھا سُنا ہے اس پر عمل پیرا ہو۔ اور ماسوای اللہ سے اپنے دل کو منقطع کر لے، اور اپنے آپ کو انہی رفتگان کے زمرے میں شمار کر، رباعی:

ساز سفری اکابر آراستہ اند
ماہم بہ رکاب گر چنیں خواستہ اند
ای درد تو ہم برای تعظیم اکنون
برخیز کہ اہل بزم بر خواستہ اند

ترجمہ رباعی: اکابر و بزرگان دین نے سفر کا ساز و سامان تیار کر لیا ہے۔ اگر وہ ایسا چاہتے ہیں

Marfat.com

تو ہم بھی پا بہ رکاب ہیں ۔ اسے درد تعظیم کے طور پر اب تو بھی اُٹھ کہ اہل بزم تو اُٹھ کھڑے ہوئے (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) آراستن ساز سے یہاں مُراد ہے وہی سفر کی تیاری کرنا، ان معنوں میں نہیں کہ سفری امور کی تیاری میں ہیں اور کلمہ ما ہم بہ رکاب سے مراد خود سفر کے لیے مستعد تیار ہوتا ہے ۔ اور اُن سے الحاق کا مقصد اور ان کے ہم رکاب ہونے کی سعادت ہے ۔ اور اہل بزم کے اُٹھ کھڑے ہونے اور پھر تعظیماً دوسروں کا اُٹھ کھڑے ہونا اور پہلے لوگوں کے جہاں سے اُٹھ جانے اور پھر کچھ عرصے بعد پس ماندگان کے مر جانے میں جو محاسنِ شعری ہیں وہ سخن فہم حضرات کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ۔ بیشک ہر ذی حیات نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے ۔

Marfat.com

هوالناصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے نیک بخت کو اُس کی ماں کے پیٹ کے اندر ہی نیک بخت بنایا اور بد بخت کو اس کی ماں کے پیٹ کے اندر ہی بد بخت بنایا اس کی تخلیق کے وقت میں۔ اور وہ دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو اور سلام و درود اس کے رسول صلعم پر جو ہدایت دینے والے ہیں درستی کے راستے کی طرف، اور آپؐ کی آلؓ و اصحابؓ پر جو نیک بخت ہیں اپنی استعداد کے اصل میں۔ امابعد پس یہ چورانواں (۹۴) باب ہے جو نیک بختی کے راستے سے سے موسوم ہے۔ ہدایت دے اللہ ہمیں اور تمھیں سیدھے راستے کی جو راستہ ہے ان لوگوں کا جن پر اللہ نے انعام کیا خاص محمدیوںؐ میں سے۔ اللہ کی سلامتی اور برکات ہوں ان پر۔ پس اگر تو چلے گا اس راستے پر جو طریقِ محمدیؐ اور شرع نبوی ہے دُنیا میں سچائی اور خلوص کے ساتھ۔ پس تو انشاء اللہ العزیز چلے گا اس راستے پر جو آخرت میں سرعت اور سلامتی سے موعود ہے۔ جیسے بجلی پلک جھپکنے میں۔ اور بچائے اللہ تمھیں آگ سے اور ان کی سزاؤں سے اور بخشے گا تجھے کیونکہ وہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اُس کے ورے ورے بخش دیتا ہے جس کو چاہے اور جو کوئی شریک ٹھہراتا ہے کسی کو اللہ کا، اور نہیں ایمان رکھتا اس کی وحدانیت پر۔ پس وہ گمراہی میں بہت دُور نکل گیا، اور جو کوئی شریک ٹھہراتا ہے رسولؐ کے ساتھ کسی کو

Marfat.com

اور نہیں انتخاب کرتا خالص محمدیت کو، پس وہ ہو گیا گمراہ شدید حجاب میں۔ اور جس سے اللہ تعالیٰ اس کا پردہ ہٹا دیتا ہے اور بناتا ہے اس کی نگاہ کو تیز، پس اسے داخل کرتا ہے اس راستے پہ جو جامع اور خاتم ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ بیشک یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اس کی پیروی کرو۔ اور نہیں پیروی کرتا اس کی مگر وہ جسے اللہ نے اصلاً نیک بخت بنایا ہو۔ اور ہم نے اپنی طرف سے یہ کوئی نیا راستہ نہیں بنایا اور نہ ہے۔ نئے نئے راستوں کی طرح بلکہ اللہ نے نور محمدی کو روشن کیا انتہائی روشنی کے ساتھ اور اُسے منور کیا قوتِ تامہ کے ساتھ یہاں تک کہ ظاہر کیا حقیقت کو ظاہراً اور باطناً اور شریعۃً اور طریقۃً اور روشن ہو گئی زمین اپنے رب کے نور سے، اور تمام کام اپنے اوقات پر مرہون ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ شکور اور حمید ہے اور جان لو کہ ہمارا رسول علیہ السلام والصلوٰۃ رحمتِ الٰہیہ کے بادل ہیں اور تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ اور ان کی رحمت کی مثال بارش کی ہے اسی لیے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ ان کے اوّل بھلائی ہے یا آخر بھلائی ہے اور اللہ کافی ہے بطور گواہ کے کیونکہ نبی کریم صلعم کی امت میں جو متاخرین میں سے ایسے لوگ ہیں کہ جن کے حق میں فرمایا کہ آہ! کس قدر اشتیاق ہے میرے دل میں، شوق اپنے بھائیوں سے ملاقات کا جو ہوں گے میرے بعد اور وہ بھی اُمید کریں گے اُن سے ملاقات کی اور اشتیاق ہو گا اُنھیں بڑا شدید اشتیاق۔ اے اللہ برکت عطا فرما اور اُنھیں ملا دے اس چیز کے ساتھ جس کی وُہ تمنا کرتے ہیں۔ بیشک تو شاکر اور حمید ہے۔

خوش بختی اور بدبختی اور پیدائشی و اکتسابی اخلاق اور اچھے اخلاق کی فضیلت اور بُرے اخلاق کی رذالت کے بیان کا باب

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہر چیز کی نیک بختی عبارت ہے اس امر سے جس کے لیے وہ چیز وضع کی گئی ہو۔ مثلاً تخت کی سعادت اس میں ہے کہ بادشاہ اس پر اجلاس فرمائے کیونکہ اسے بنایا ہی بادشاہ کی تخت نشینی کے لیے گیا ہے۔ اور اس کی علّتِ غائی یہی ہے اور بدبختی اس کے برعکس۔ چنانچہ تخت کی بدبختی یہ ہو گی کہ بادشاہ اس پہ کبھی اجلاس نہ فرمائے بلکہ کُتّے اور سوّر اس پر بیٹھیں اور پیشاب کریں۔ پس جب اس آیت کریمہ کے بموجب کہ نہیں بنایا ہم نے جنوں اور انسانوں کو سوائے اس کے کہ عبادت کریں۔ حضرت انسان کی تخلیق معبود حقیقی کی عبادت کے لیے ہے۔ اور اس

Marfat.com

آیت کریمہ کے مطابق کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں ۔حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق خلافت ربانی کو سرانجام دیتے اور اندر اخلاق الٰہیہ پیدا کرنے کے لیے ہے ۔ پس ہر انسان کی خوش بختی اسی میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ معبود حقیقی کی اطاعت اور عبادت میں مشغول رہے اور دن رات بغیر کسی قسم کے خلل کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے ۔اور ہر آدمی کی سعادت اسی میں ہے کہ روئے زمین پر خلافت الٰہیہ کو سرانجام دے ۔ اور اخلاقِ الٰہیہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے ۔کہ یہ دونوں باتیں بمنزلہ تخت نشینی کے ہیں ۔ اور انسانی پیدائش اور اس کی تخلیق کی علّت غائی ہیں ۔ اور خلافت ربانی کی بجائے اپنے نفس اور جسم کی اطاعت باطل معبودوں کی پرستش کے برابر ہے ۔ اور شیطان کی پیروی اور اس کے نقش قدم پہ چلنے کے مترادف ہے ۔ اور یہ بدبختی کے باعث ہوتا ہے جیسے کہ تختِ شاہی پر شاہ کی بجائے کتّے اور سؤر کا جا بیٹھنا اور یہ بدبخت بندوں کا شعار ہے ۔ اس سے خدا کی پناہ !! سوال اگر تم یہ پوچھو کہ تم نے کہا ہے کہ ہر شے کی سعادت اسی میں ہے جس کے لیے وہ شے بنائی گئی ۔ اس تقریر سے تو لازم آتا ہے کہ جس طرح خوش بخت نیکی اور جنت کے لیے پیدا ہوئے ہیں ، اسی طرح بدبخت گمراہی اور جہنم کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں ۔ پس نیک بختوں کی سعادت یہی ہے کہ وہ اپنے کام میں سرگرم عمل کریں ۔ اور بدبختوں کی سعادت یہ ہے کہ وہ اپنے کاموں میں لگے رہیں تو پھر سعید اور شقی میں فرق کیا ہوا ؟ ۔ جواب میں یہ کہوں گا انسانی آفرینش کا اصل مقصد اس سے امور سعادت کا ظہور پذیر ہوتا ہے ۔ گر امکانی طور پہ اس میں بدبختی کے امور بھی مندرج ہوں ۔ جس طرح شاہی تخت کے بنانے کا اصل مقصد سلطان کا اس پہ اجلاس فرمانا ہے گو کہ ممکن ہے کہ کتا بھی اس پہ جا بیٹھے اور مکانیت کی رُو سے وہ مطلق بیٹھنے ہی کی جگہ ہے جو کوئی بھی بیٹھے ، لیکن ارادے کی رُو سے جو اس تخت کے بنانے کا موجب بنا ۔ مطلوب وہی جلوس سلطانی ہے نہ کہ مطلقاً ہر کس و ناکس کا بیٹھنا ورنہ اُسے شاہی دربار میں رکھا ہی کس لیے جائے ۔ اُسے بنا کر گلی کوچوں میں رکھ دیتے ۔ پس چونکہ اسے شاہی دربار میں رکھا گیا ہے ۔ حاصل مطلب یہ ہوا کہ فقط بادشاہ ہی اس پہ بیٹھے اگر کوئی دوسرا اس پہ قدم رکھے تو وہ مجرم ہے اور گردن زدنی ہے ۔ اور اگر اس تخت پہ کُتا بیٹھے تو یہ اس تخت کی بدبختی ہے اس کی خوش بختی اس میں ہے کہ بادشاہ اس پہ اجلاس فرمائے یہ ہے اس اعتراض کا جواب ۔ اور یہی زائد امور جو کہ درحقیقت انسانی پیدائش کا اصل مقصد نہیں

Marfat.com

ہیں اور اُس کی حقیقت جامعہ کی جامعیت کی شمولیت کی راہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں انہی کے ملاحظہ کی رُو سے فرشتوں نے جو اس حقیقت سے ناآشنا تھے یوں لب کشائی کی کہ کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے اور خونریزیاں کرے۔ لیکن حق جل جلالہٗ نے جو تمام اشیا کا خالق ہے اس امر کے لحاظ سے کہ اس کی تخلیق کا اصل مقصد جامع انسان تھا فرمایا کہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے کیونکہ اس قدر کلی اور مکمل جامعیت کی مظہریت کے بغیر سارے اسمائے الٰہیہ ظہور میں نہ آتے۔ اور اس آیت کریمہ کے بموجب کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے کی خلعتِ فاخرہ آدمؑ کے قدِ زیبا پر پوری نہ آتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی خلافت جامع طور پر سرانجام نہ پاتی۔ پس علیم و حکیم مطلق جل جلالہٗ کی حکمتِ بالغہ نے ان ناپسندیدہ جزئی امور سے قطع نظر کرتے ہوئے انہی اصلی کلی اُمور کو منظور رکھتے ہوئے زمین پر خلیفہ بنانے کے دروازے کو کھولا۔ اور حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ چونکہ انسان کے اخلاق مطلقاً اچھے اور بُرے اخلاق کا مجموعہ ہے۔ وہ دو قسموں میں منقسم ہیں۔ ایک کسبی اخلاق جس کا تعلق اکتساب سے ہے اور ایک فطری (پیدائشی) جو اس کی سرشت میں موجود ہوتا ہے۔ پس یہ سمجھ لو کہ کسبی اخلاق عبارت ہے افعال کے ارتکاب اور ان کے اکتساب کے باعث نفس میں راسخ ہو جانے سے، جس طرح کہ کوئی آدمی جوئے بازی کے باعث آہستہ آہستہ چوری کا وصف بھی پیدا کر لیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے اس میں یہ وصف نہ تھا۔ اور کوئی عزیز نماز کی ادائیگی کی بدولت کچھ عرصے کے بعد اپنے اندر صالحوں، عالموں اور درویشوں کی محبت پیدا کر لیتا ہے، حالانکہ اس سے پیشتر وہ ان سے یہ محبت نہ رکھتا تھا۔ فطری یا پیدائشی اخلاق عبارت ہے اس امر سے کہ نفسی کیفیات اور ذاتی اوصاف افعال و اعمال کے ظہور کا موجب بن جاتے ہیں، مثلاً شقی القلب، سنگدل اور ظالم طبع انسان فطری طور پر ہی رہزنی کا طریقہ اختیار کر لیتا ہے اور بے کھٹک لوگوں کو قتل کر دیتا ہے اور ان کا مال و متاع لوٹ لیتا ہے۔ یا کوئی رقیق القلب اور سلیم الطبع انسان اُن لُٹے پُٹے لوگوں کے حالِ زار پر روتا ہے اور اپنے پاس سے ان کے نقصان کی تلافی کرتا ہے اور اپنے گھر سے اُنھیں وہ مال و اشیا دیتا ہے اور اس کام سے طبعاً خوش ہوتا ہے۔ اور اُدھر بدکار کا یہ کام کہ وہ سنگ دل اگر اس امر کو دیکھے یا معلوم کرے تو طبعاً پھر قتل و غارت اور لوٹ مار

Marfat.com

میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ اور خوشی بخوشی اس کام میں سعی کرتا ہے۔ اور خوش خلقی اور اچھے اخلاق کی خوبیاں بالکل عیاں ہیں جو بیان کی محتاج نہیں کیونکہ صالح اعمال وافعال کی خاصیت یہ ہے کہ وہ آدمی کو بلندی کی طرف کھینچتے ہیں اور دونوں جہانوں میں خیر و برکت کا موجب ہوتے ہیں۔ اور اپنے نفس کی نجات اور سلامتی کا باعث اور دوسروں کی راحت اور نفع کا سبب بھی بنتے ہیں اور بدخلقی کی برائی اور بُرے اخلاق کی شامت بھی بالکل واضح و عیاں ہے وہ بھی محتاجِ بیان نہیں، عیاں کو بیان کرنے کی کیا ضرورت! کیونکہ مذموم اخلاق اور بُرے اعمال طبعاً انسان کو پستی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور دونوں جہانوں میں خسارے کا موجب ہوتے ہیں اور اپنے نفس کی شامت و ہلاکت کا موجب بھی، اور دوسروں کے لیے اذیت اور نقصان کا باعث بھی۔ اے اللہ اچھا بنادے ہماری تخلیق کو باطنی طور پر بھی جیسے کہ تو نے اچھا بنایا ہمیں ظاہری طور پر۔ اور دکھا چیزوں کی حقیقتیں ہمیں۔ عیاں کردے انھیں جیسی کہ وہ ہیں اور دُور کردے ہم سے ہمارا پردہ تاکہ ہم نہ دیکھ پائیں سوائے حق کے کچھ بھی اور ہم نہ دیکھیں عالم کے آئینوں میں سوائے تیری حقیقتِ مشہود کے، اور تو نے یہ سب کچھ باطل تو پیدا نہیں کیا، قصّہ کوتاہ یہ کہ عرفانِ ربانی کے ہر طالب اور ہر مودب سالک کو مخاطب کرکے کہا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے۔ رباعی:

برخاستہ گر ز دل شہودِ غیرت
سوی ہمہ کس بعجز باشد سیرت
در خلق خدا بغیر خوش خلقی نیست
غیرے کہ بود باعثِ ذکر خیرت

ترجمہ رباعی: اگر دل سے ماسوی اللہ کا مشاہدہ جاتا رہے، یعنی غیر کے شہود کا حجاب حائل نہ رہے تو ہر کسی اور ہر موجود کی طرف تو عجز و نیاز سے رُخ کرے گا۔ مخلوق خداوندی میں خوش خلقی کے علاوہ اور کوئی وصف ایسا نہیں جو اتنا اچھا اور بابرکت ہو۔ اور تیرے بعد بھی تیرے ذکرِ خیر کا موجب بنتے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) اگر باطنی آنکھوں اور چشمِ بصیرت سے ماسوی اللہ کا مشاہدہ قطعی طور پر رفع ہو جائے اور غیر کے شہود کا حجاب حائل نہ ہو تو ایسی حالت میں تو جس کسی مخلوق یا موجود کی طرف رُخ کرے گا تو سراپا عجز و نیاز ہی ہوگا۔ کیونکہ تو ہر جگہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی قدرت کے ظہور کا نور ہی دیکھے گا اور اسی پاک ذات کے وجود کو ہر موجود پر محیط پائے گا اور

Marfat.com

کسی شے کو اس کی ہستی کے احاطے سے باہر نہ پائے گا اور یہ حقیقت دریافت کر لے گا کہ تمام کائنات میں خوش خوئی اور خوش خلقی سے بڑھ کر کوئی چیز بھی اچھی اور بابرکت نہیں جو لوگوں اور فرشتوں کے نزدیک تیرے ذکرِ خیر کا موجب بنے اور بد اخلاقی تمام عبادتوں اور نیکیوں کو ضائع کر دیتی ہے حتیٰ کہ سخاوت کے وصف کو بھی جو انسانی نفوس میں تاثیر کے لحاظ سے سب اوصاف سے بڑھ کر ہے اُسے بھی باطل کر دیتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نہ باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذا رسانی سے۔ چونکہ حُسنِ اخلاق بہترین وصف ہے اس لیے رب کریم کے محبوب سید الانبیا حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ خُلقِ عظیم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے اسی وصف کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔ (آپؐ پر خدا کا درود و سلام ہو) حضرت رسولِ کریم صلعم کو خلق عظیم عطا کرنے سے حق تعالیٰ کا مقصود و مطلوب وہ فیض عمیم جو خدائے واحد کی طرف دعوت دینے کی وجہ سے ہر خاص و عام کے شاملِ حال تھا۔ کیونکہ مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دینے کا معاملہ خوش اخلاقی اور خوش خوئی کے بغیر سر انجام نہیں پا سکتا اور ایسے ناپسندیدہ و مکروہ امور کی برداشت کی نیک جزا اللہ تعالیٰ کے اپنے خاص بندوں کو دُنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں تو حدِ کمال تک دے گا۔ دیکھیے یہ آیتِ کریمہ کہ نہیں میرا اجر کسی کے ذمہ سوائے اللہ کریم کے۔ وہ جاننے والا ہے بردبار ہے اور وہ حکمت والا ہے۔ پس ہم محمدیوں کو چاہیے کہ حتی المقدور اپنے پیغمبر علیہ السلام کے اتباع کی کوشش کریں اور اخلاقِ حسنہ کے حصول کے لیے سعیٔ کامل کریں اور عجز و انکسار اور خوش خلقی کی خلعت فاخرہ نہیں۔ اور سراپا خوش خوئی کی طرف مائل ہوں۔ کیونکہ مقام کی بلندی اور رفعت اور اللہ اور اُس کے بندوں کے نزدیک مرتبے کی برتری انکساری میں ہے۔ لیکن لوگوں کے سامنے اتنی زیادہ عاجزی اور انکساری بھی نہ کرو کہ اپنے آپ کو ذلیل کر لو کہ یہ بات بھی بد خلقی میں داخل ہے۔ جس طرح غرور و تکبر لوگوں کی نفرت اور بد اقبالی کا موجب ہے۔ اسی طرح بے جا عاجزی اور اہلِ دُنیا کی خوشامد بھی بہت خراب کرتی ہے اور یہ دُنیا میں انسان کو سُبک اور حقیر بناتی ہے اور عاقبت میں عذاب کا باعث ہوگی۔ معتدل قسم کی عاجزی، خالص خدا کی خوشنودی کے لیے تواضع اور بجا طور پر موقع محل پر انکساری عزت کو بڑھاتی ہے اور دونوں جہانوں میں مرتبے کی بلندی کا موجب ہوتی ہے اور جس نے

Marfat.com

تواضع اختیار کی اللہ کے لیے، اللہ نے اس کو بلند مرتبہ کر دیا۔ اور وہ اُسے باعزت بنا دیتا ہے فرشتوں اور لوگوں کے نزدیک لازماً، اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا کسی بھی مغرور اور شیخی خورے کو۔ پس نہ چلو زمین پر اکڑ کر اور غرور چھوڑ دو اور سمجھ لو کہ نیکیاں اور برائیاں بدنی افعال و اعمال میں سے ہیں۔ وہ اصل نیکیوں اور برائیوں کے سائے کی طرح ہیں اور وہ عبارت ہیں اچھے بُرے اخلاق سے مثلاً شجاعت و سخاوت، اور بخیلی و بزدلی اور ایسے ہی دیگر اوصاف جو بندے کی فطری صفات ہیں نہ کہ اکتسابی و عملی۔ اور انسانی نفوس سے متعلق ہیں اور نفس میں موجود ہوتی ہیں۔ وہ ہر شخص کے نفس میں فطرت کی ابتدا ہی سے بدنی یکسانیت اور روح و جسم کے میل ملاپ کے لیے تخلیق کی جاتی ہیں۔ اور نیک بختی اور بد بختی بھی یہی ہیں اور حقیقی خوش بخت وہ ہے جس کے پیدائشی اخلاق عمدہ اور قابلِ تعریف ہوں، اور اصلی بدبخت وہ ہوتا ہے جس کے جبلّی اوصاف مذموم ہوں۔ جیسا کہ فرمایا نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نیک بختی اور بد بختی دو ایسے امر ہیں جو حاصل ہوتے ہیں کسی نفس کو ماں کے پیٹ میں اور یہ دونوں پیدائشی کیفیتیں ہیں جو ہیولائے عقل کی منزل پر ہیں۔ پس جب وہ پہنچتی ہیں اپنی کامل قوت کو اور نکلتی ہیں قوت سے فعل کی طرف سے تو ان دونوں کی موافقت کے مطابق اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ اور وہی نیکیاں اور برائیاں ہیں۔ پس سعادت اور بد بختی علت ہے اور اچھے اور بُرے اعمال اس کے معلولات ہیں۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ اللہ عزّ و جلّ نے کہا اس میں جو کچھ کہ نازل کیا گیا ہے کتب میں۔ بیشک میں اللہ ہوں نہیں ہے کوئی معبود سوائے میرے۔ میں نے اندازہ کر لیا ہے بھلائی کا اور برائی کا۔ پس مبارک ہو اس کے لیے کہ جس کے ہاتھ پر بھلائی کا اندازہ کیا گیا ہے اور جس کے لیے آسان کیا ہے اور ہلاکت ہے اس کے لیے کہ جس کے ہاتھ پر برائی کا اندازہ کیا ہے اور اُس کے لیے وہ آسان کیا ہے بیشک میں اللہ ہوں نہیں کوئی معبود سوائے میرے۔ مجھ سے نہیں سوال کیا جاتا اس چیز کے بارے میں جو میں کرتا ہوں اور وہ سوال کیے جاتے ہیں۔ پس ہلاکت ہے اس کے لیے جس نے کہا کیسے اور کیسے اور کہا بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر چھُوا اس کی پیٹھ کو اپنے دائیں ہاتھ سے۔ پس نکالا اس میں سے اولاد کو، اور کہا میں نے پیدا کیا ان سب کو جنت کے لیے، اور وہ اہل جنت کے عمل کے ساتھ عمل کریں گے۔ پھر چھُوا اس کی پشت کو اور نکالا اس سے اس کی اولاد کو پس کیا یہ سب لوگ آگ کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور

Marfat.com

یہ اہلِ نار کے کام کریں گے۔ پس کہا ایک آدمی نے پھر عمل کیوں؟ پس آپؐ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے جب پیدا کیا بندے کو جنت کے لیے تو اُسے عامل بنایا اہلِ جنت کے عمل کے ساتھ یہاں تک کہ فوت ہوگا اہلِ جنت کے اعمال میں سے عمل پر۔ پس اللہ اُسے داخل کرے گا جنت میں اور جب پیدا اللہ تعالیٰ نے آگ کے لیے تو اُسے عامل بنایا اہلِ نار کے عمل کا۔ یہاں تک کہ وہ اہل جہنم کے اعمال میں سے عمل پر فوت ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ اُسے داخل کرے گا آگ میں اور فرمایا کہ نہیں ہے تم میں سے کوئی بھی مگر یہ کہ اس کے لیے لکھ دیا گیا ہے اس کے لیے ٹھکانہ جنّت میں یا جہنّم میں۔ کہا گیا یارسول اللہؐ کیا ہم اس پہ توکّل نہ کریں، آپ نے فرمایا نہیں، توکّل نہ کرو، پس ہر ایک کے لیے آسان کیا گیا ہے وہ کام جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ پھر پڑھا پس جس کسی نے عطا کیا اور پرہیزگاری اختیار کی، اور سچائی کی تصدیق کی، اس کے لیے ہم عنقریب سختی کو آسان کردیں گے، پس جس نے بخل اختیار کیا۔ بے نیاز ہو بیٹھا اور جھٹلایا نیکی کو، پس عنقریب اس کے لیے آسان کردیں گے تنگی کو، اور فرمایا رسول اللہ نے کہ اگر تم سنو کسی پہاڑ کے بارے میں کہ وہ ہٹ گیا ہے اپنی جگہ سے۔ پس اس کی تصدیق کرو، اور اگر تم سنو کسی آدمی کے بارے میں کہ وہ ہٹ گیا ہے اپنی خلقت سے، تو پس اس کی تصدیق نہ کرو، بیشک وہ جائے گا اسی چیز کی طرف جس پہ اس کی سرشت بنائی گئی ہے۔ شریعت میں تہذیب، اخلاق کے نیک کام کرنے کا حکم اور خلاف شرع کاموں سے ممانعت (جنھیں ہم امر معروف اور نہی منکر کہتے ہیں) اس کا مکلّف اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس میں یہ فائدہ ہے۔ کہ اگر ان نیکیوں میں سے ایک بیج برابر بھی کسی کی سرشت میں استعداد ہو تو آہستہ آہستہ مجاہدات کی آبیاری سے آخر کار وہ پھل پھول لے آتا ہے اور سعادت کا پودا تقویت پکڑ لیتا ہے سرسبز وشاداب ہوکر اچھا پھل دیتا ہے اور اپنی مُراد کو پہنچ جاتا ہے۔ اور نجات و بہبود کی بہار جلوہ گر ہوجاتی ہے۔ ہدایت کے شگوفے پھوٹتے ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے، وگرنہ ایک بیج برابر ذرہ بھی اس سعادت کا کسی کی ذاتی سرشت میں ودیعت نہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں سعی و کوشش بالکل بے سود ہے۔ اور وہ سرد لوہا کوٹنے کے مترادف ہے اور محض مشقت میں جان مارنا ہے۔ اور صحرا سے ریت ہٹانے کے لیے جھاڑو دینے کی مانند ہے کہ آخر کب تک جھاڑو دیتے رہوگے اور اس کا کیا فائدہ ہوگا۔

Marfat.com

ایسے شخص کے سب اعمالِ نیک محو ہو جائیں گے۔ مگر ایسے مطلق شریر کم ہی پیدا ہوتے ہیں اور شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو کہ ہوتے ہی نہیں۔ وہی چند اشخاص جو قرآن شریف کی رُو سے قطعاً جہنمی ثابت ہوتے ہیں، اور جن کے ناموں کا ذکر ہے جو ایسے ہوئے ہیں یا وہ لوگ رسول اللہؐ کی مخالفت اور عداوت کے باعث جن میں جتنی بھی نیکی تھی وُہ شرّ میں بدل گئی۔ اور نہیں ظلم کرتا اللہ اپنے بندوں پر بلکہ وہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ اعضائے انسانی کے افعال جو ظاہراً نیک یا بد ہیں اور اچھے اور بُرے اعمال جو اکتسابی ہوتے ہیں اور انسانوں سے وقوع میں آتے ہیں۔ وہ انسان کے جبلّی جوہروں یعنی اس کے باطنی اخلاق کے عکس اور نقوش ہوتے ہیں۔ جن کی اس سے قبل مختصر تشریح گزر چکی ہے۔ اور وہ جو ظاہر میں کیے جاتے ہیں ان پہ خیر و شر کی نسبت انہی کے اس اصول پر ہے کہ جو محمود اور مذموم اوصاف پر لاگو ہوتے ہیں۔ اور یہ سب ظاہری افعال کے لیے مواد ہوتے ہیں۔ اور ان اچھے بُرے کی کلیات کو مجموعی طور پر شجاعت، سخاوت، عدالت، پاکدامنی، پرہیزگاری، تقوٰی، خوش اخلاق، حلم و بردباری، بزدلی، بخیلی، بے حیائی، جہالت، فسق و فجور اور بد خلقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ان کی تراکیب سے پیدا ہوتے والی جزئیات اور شاخیں بہت ہیں جو ان گنت ہیں۔ پس خوش خلقی جسے عرفِ عام میں خوش خوئی کہتے ہیں ایک روحانی نیکی ہے اور نفسی اطاعت، جو دوسری برائیوں پر غالب آجاتی ہے اپنی خوبی کی قوت اور غلبے سے، اور مذموم اوصاف چھپالیتی ہے اور عیبوں کو ڈھانپ لیتی ہے لوگوں کی نگاہوں سے دنیا میں اور آخرکار قیامت کے دن ان کی برائیوں کو نیکیوں کے رنگ میں رنگ دیتی ہے۔ یعنی عفو و بخشش کے ظہور کا مقام بنا دیتی ہے بموجب اس آیت کریمہ کے، یہی ہیں وہ لوگ جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ بیشک اللہ گناہوں کو بخش دینے والا ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اسی طرح بُرا اخلاق جو بدخوئی کے نام سے مشہور ہے ایک روحانی برائی ہے اور باطنی گناہ، جو دوسری نیکیوں کو مٹا دیتی ہے اپنی بدی کی شدت و شومی کے غلبے سے، اور اوصافِ حمیدہ کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔ اور ہنروں کو لوگوں کی نظر سے چھپا لیتی ہے دُنیا میں اور آخرت میں سزا و جزا کے دن ان نیکیوں کو اپنی بدمزگی میں لپیٹ لیتی

Marfat.com

ہے یعنی کہ انسان کو قہر و غضب الٰہی کا مورد بنا دیتی ہے جیسا کہ سرورِ کائنات ؐ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ بُرا اخلاق اطاعت کا یوں نیست و نابود کر دیتا ہے جیسے کہ سرکہ شہد کو۔ یہ عبارت ایک حدیث شریف کا ترجمہ ہے۔ اور اس کے بالمقابل اچھے اخلاق کی تعریف میں بہت سی احادیث ہیں جو محتاجِ بیان نہیں ہیں۔ اور دے اللہ ہمیں اور تمھیں اسے خالص محمدؐ کو حسنِ اخلاق اپنے نعمتوں والے کرم سے، خالص محمدیت کی برکت کے ضمن میں۔ اور اُس خلقِ عظیم کے حامل پر خدا کی سلامتی ہو جو رسولوں میں سب سے بہترین اور خاتم النّبیین ہیں۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ حبیب اصل کام اللہ کے فضل اور قبولیت ہی پہ موقوف ہے۔ پس جس قدر عبادت اور ریاضت تم کرو اس پہ مغرور نہ ہو۔ اور اُسے مدِ نظر نہ رکھو، نہ ہی اس پہ اعتبار کرو، اللہ کے ان بندوں کے حضور میں جنھیں حقِ تعالیٰ سے زبردست نسبت اور جنھیں اس کی معیت اور کامل قرب حاصل ہے بڑے عجز و نیاز کے ساتھ حاضر ہو۔ ان کے دلوں میں اپنے لیے جگہ بنا۔ تاکہ وہ تجھے اس ظاہری عبادت سے عبادت کی اصل حقیقت تک پہنچا دیں۔ اور حضوری و مشاہدۂ ذات کی نسبت کو تیرے باطن میں راسخ کر دیں۔ اور باطنی طور پہ بھی تمھیں حق تعالیٰ کی طرف سے یہ نویدِ جانفزا سنوا دیں کہ ایسے بندوں پہ اللہ کی دائمی رحمت ہے۔ اور دائمی دُعا و درود کی حقیقت کے مقام پہ مشرف فرما دیں۔ اور مکر و فریب کے پھندوں سے رہائی دلا دیں بلکہ تمام نفسانی عیبوں اور امکانی داغ دھبوں سے پاک کر دیں۔ اور انبیائے علیہم السلام کی سنت کے حق تعالیٰ کی بے کیف حضوری و مشاہدے سے شرفیاب فرمائیں۔ اور تیرے ذوق و شوق کے تالو میں کمالاتِ نبوت کا صاف و شفاف پانی ٹپکائیں اور تجھے اس خالص محمدیت کا جام شیریں نوش جان کرائیں۔ اس وقت اس حالت میں حقیقت بینی اور قوتِ مشاہدہ کے سبب بشریت کی رُو سے اطاعت، عبادت اور ریاضت کی نسبت کی سندات میں اپنی طرف اور اپنی ان نیکیوں سے تو یوں حیا محسوس کرے گا اور اتنا نادم ہوگا جیسا کہ تو آغازِ کار میں موجودہ معیت کی نسبت سے کرتا ہے اور اپنے گناہوں سے شرمسار ہوتا ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس نے ارادہ کیا پیروی کا وصول کے بعد، پس اُس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اللہ کا۔ اور فنائے کامل اور عین و اثر کے زوال کے مقام میں شرکِ خفی سے بالکل نجات حاصل ہو جاتی ہے بہر حال اس لیے کہ اس منصب

Marfat.com

پہ فائز ہوجاؤ اپنی عبادتوں کی طرف تکلف سے نہ دیکھ اور ہر حال میں اعلانیہ اور پوشیدہ طور پر خود سے اور اپنی نظر سے اُنھیں پوشیدہ رکھ اور سر سے زُہد کا غرور نکال دے۔ اور اس سے ملنے یا نہ ملنے کو منظور نظر نہ رکھ، اور مخلوق کے گرویدہ و مائل ہونے یا نہ ہونے کو یکساں سمجھ اور انانیت کے دعوے کا نعرہ نہ لگا، اور زاہدوں کی طرح اپنے آپ کو لوگوں کے ہاتھ مت بیچ۔ احکام الٰہی کے اوڑھنے بچھونے سے اپنا ستر ڈھانپ، اور حیا ایمان کا اہم جزو ہے اس مقولے کا شربت نوشجان فرما۔ رباعی:

اے کردی عبادت بہ ریا جملہ تباہ
رسوا شدہ ولے نگشتی آگاہ
باید پنہاں کردن طاعت کوشی
بر تست ضرور ستر ناموس الٰہ

ترجمہ رباعی: اے کہ تو نے عبادت کو ریاکاری سے بالکل تباہ و برباد کر لیا تو رسوا و ذلیل و خوار ہوگیا۔ اور دل آگہیٔ ذات حاصل نہ کر سکا، اپنی اطاعت کوشی کو چھپانا چاہیے۔ تم پر احکام الٰہی سے ستر پوشی اختیار کرنا لازم ہے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) ہر وہ عبادت جو ریاکاری، نفس کی آمیزش اور کھوٹی نیت سے کی جاتی ہے بلا شبہ وہ سب کی سب اکارت اور رائگاں جاتی ہے، اور تباہ و برباد ہوجاتی ہے اور درحقیقت تیز بین حضرات، فرشتوں اور حضورِ حق میں ذلت و رسوائی کا موجب بنتی ہے۔ لیکن احمق زاہدوں اور حقیقت نا آشنا بزرگوں کو اس کی خبر اور آگاہی نہیں ہوتی۔ اور مویشیوں جیسے عوام الکثران کے جالوں میں پھنس جاتے ہیں پس ایسے عقل کے اندھے عابدوں اور کُند نظر ریاضت کرنے والوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنی اطاعت کو چھپائیں اور حتی المقدور چھپ چھپا کر عبادت کریں۔ کیونکہ حکمت کی اصطلاح میں ناموس الٰہی شرعی احکام کو کہتے ہیں۔ اور نوامیس اسی لفظ ناموس کی جمع ہے اور لفظ ستر اور اس کے ساتھ ناموس کی مناسبت بالکل واضح و عیاں ہے۔ جو لوگ مقامِ احسان کو پہنچ چکے ہیں اور جنھیں اس فرمان کے

Marfat.com

بموجب کہ عبادت کرو اللہ کی گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو حضورِ حق کی کیفیت کے حامل تھے۔ ان کے لیے خلوت وجلوت ایک برابر ہے۔ بلکہ لوگوں کا اُنھیں دیکھنا زیادہ مناسب ہے تاکہ بعض لوگ اُنھیں دیکھ کر انہی کے مطابق عمل کریں۔ مرشد کی ریا مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے کہ یہی معنی ہیں۔

Marfat.com

ھوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جس نے تھکا دیا انسان کو اپنی ماہیت میں اور ساقط کر دیا بیان کو کمالات کے اظہار میں اور درود و سلام اس کے رسول محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے اس کی رسالت کو پہنچایا اور اُس پر ایمان لایا جیسا کہ وہ ہے اس کے اسماء اور صفات کے ساتھ اور آپؐ کی آلؓ اور آپؐ کے اصحاب پر اور ذریاتؓ پر۔ اما بعد پس یہ پچانواں (۹۵) واں باب ہے جو کشفِ حقیقت سے موسوم ہے۔ حقیقت ذات ہے یعنی وہ چیز جس سے کوئی چیز، چیز ہوتی ہے اور یہاں مُراد حقیقت سے اصلاً ذاتِ الٰہیہ تک پہنچنا ہے۔ اور ضمناً پیروی ہے تمام غیبی امور کے حقائق کی جن کی خبر دی ہے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ پاک نے۔ پس اُس نے اُسے کھول دیا ہے یعنی میری مراد ہے کھول دیا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو، وہ یوں ہے کہ نہیں منکشف ہوتی وہ ذات اور نہیں ظاہر ہوتی مگر صفات و اسماء کے آئینوں میں، اور نہیں ہوتا اس کا ادراک اور نہ اس کی سمجھ آتی ہے مگر اعتبارات اور شیؤنات کے ساتھ۔ پس منکشف کیا اُس نے اس کی کنہ کو اسی طرح جیسے کہ وہ ہے حالات میں سے، اور نہیں قدرت رکھتا کوئی بھی اس کے ادراک کی اس طرح جس طرح کہ وہ ہے۔ پس عاجز آنا ادراک سے اس مرتبے پر بھی ادراک صحیح اور ادراکِ کامل ہے۔ اور اس کی معرفت کی انتہا اس کی معرفت سے قاصر ہونے کا اعتبار ہے۔ اس ذات کی حقیقت

Marfat.com

اور ثبوت کے اقرار کے ساتھ جیسے کہ حضور نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ ہم نے تجھے نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق ہوتا ہے۔ اور دوسرے حقائق کا انکشاف غیب کے امور میں سے جن کا تذکرہ شرع کی زبان نے کیا وہ بھی عقل سے منکشف نہیں ہوتے اور نہ فکر سے سمجھ میں آتے ہیں۔ اور نہ ان کا ادراک کر سکتا ہے سوائے اس شخص کے جو رحمان کے نور سے دیکھتا ہے اور ایمان کی نگاہ سے مشاہدہ کرتا ہے، پس اس کا کشف خاص انتخاب اور خالص چناؤ پہ موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے۔ پس یہ رحمت رحیمیہ خاص ہے انبیائے کرامؑ کے ساتھ اپنے تمام و کمال کے ساتھ۔ وہ اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں اور اسی سے سنتے ہیں دور کر دیا اللہ نے اُن سے پردہ اور بنا دیا ان کی نگاہ کو تیز۔ پس جہاں تک سچے مومنوں کا تعلق ہے جو ان کی پیروی کرنے والے ہیں اور کامل ہیں ان کے لیے بھی حصہ ہے کسی حد تک اس خاص رحمت میں سے، انبیائے علیہم السلام کے طفیل اور وہ بھی دیکھتے ہیں رحمان کے نور سے، اور اسی سے سنتے ہیں اپنے رسولوں کی سنت کے مطابق خاص طور پہ خالص محمدیؐ جو پیروی کرنے والے ہیں سید المرسلین اور خاتم النبیینؐ کی۔ پس جس طرح نبی کریم صلعم اشرف الانبیا ہیں اسی طرح ان کی اُمت خیر الامم ہے۔ اور ان کی اُمت میں وہ جو آپؐ کے زیادہ قریب ہیں خلوص کے اعتبار سے خاص طور پر پس وہ ان کی اُمت میں سے سب سے اشرف ہیں۔ اور ان میں سے سردار ہیں اور وہ بھی دیکھتے ہیں رحمان کے نور سے جو تم نہیں دیکھتے، اور اس کے ساتھ وہ سنتا ہے جو تم نہیں سنتے۔ پس سنو جو دل کہتا ہے اور اُس کی پیروی کرو۔ اور جو لوگ سنتے ہیں بات کو اور پیروی کرتے ہیں اس میں سے بہترین کی وہ ہدایت پہ ہے اپنے رب کی طرف سے اور درحقیقت وہی فلاح پانے والے ہیں۔

مرتبۂ ذات پہ گفتگو کے لاحاصل اور اس تک پہنچنے کے خیال کے محال ہونے نیز یہ بیان کہ باوجودیکہ حق سبحانہ نے علم بخشا لیکن از روئے ادب اُن کے لب کشائی نہ کرنے اور رسول اللہ صلعم کے اتباع اور ایمان بالغیب پر دعوت دینے، دعوتِ انبیا کے راز اور حکما کی حقیقت کے بیان کا باب

اللہ تمھیں دنیا و آخرت میں سعادت نصیب کرے۔ یہ سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کی مقدس ذات کی

Marfat.com

کیفیت کا بیان اور اس کے بلند مرتبے کا جیسا کہ وہ ہے اس کے متعلق گفتگو کسی سے بھی سر انجام نہ پا سکی اور نہ ہی سر انجام پا سکے گی۔ کیونکہ واجب تعالیٰ و تقدس کی ذات بالکل بے مثال و بے کیف ہے تو پھر اس کی کیفیت کا بیان صحیح کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے متعلق گفتگو محض عوارض اور حیثیات سے کی جاتی ہے۔ وہ عوارض خواہ ذاتی ہوں خواہ غیر ذاتی، پس اس کی حقیقی نفس الماہیت میں ترکیب (اجزاء سے ترکیب پاتا) کو اصلاً دخل نہیں وہ حقیقی مفرد ہے۔ اس کی حقیقت جیسی کہ ہے بھلا کیسے سر انجام پا سکتی ہے۔ بس وہ ایمان بالغیب کا ہاتھ ہی ہے کہ انبیائے علیہم السلام والصلوٰۃ اور اولیائے کرام حضرات کی دستگیری سے اس بلند ترین چوٹی تک اک نامعلوم تعریف کے طریقے سے پہنچتا ہے۔ اور بلا شک و شبہ یقین حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس قوت سے کہ یہ واضح تعینات اور حکما کا خالص محمدیوں کے حق الیقین کی نسبت نظریہ بس وہم وظن و گمان ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور عقل کے ان عقلی پابندوں کے حق میں کہا جاتا ہے۔ کہ وہ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی اور بیشک گمان حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا۔ کیونکہ دلیل کے ان محتاجوں کی ناقص عقلیں دلیل و حجت کے ضمیمہ کے ملائے بغیر کامل نہیں ہو سکتیں۔ چونکہ مستقل بالذات کا لفظ معانی میں نہیں اور انبیائے علیہم السلام اور اولیائے کرام حضرات کے باطنوں کا کامل نور دلیل کے ضمیموں کی شمولیت کا محتاج نہیں ہوتا۔ اور مستقل بالذات اسم کی طرح معانی کے فائدے پہنچانے میں ہے۔ خودی و انا کے پردے میں محجوب بندوں کی عقل و فہم ان دانا و بینا لوگوں کی بینائی تک پہنچ سکتے جو نور رحمانی سے دیکھتے ہیں۔ پس اس غیب الغیب کے حضور جو حق تعالیٰ کا مرتبہ ہے اپنے فہم کے عمل دخل کی شراکت کے بغیر اس غیب الغیب کی کیفیت کو اپنی عقل کے بل بوتے پر دریافت کرنے کا قصد کیے بغیر خدا اور رسول کے فرمودات اور حق تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی کمالی صفات کی تصدیق سمیت اسی طریق سے ایمان لانا چاہیے جیسے کہ شرع شریف میں لکھا ہوا ہے تاکہ اس کی معیت کے حالات اور تقرب کے معاملات رونما ہوں۔ اور وہ معاملہ جو حضرات انبیائے علیہ السلام کو براہِ راست پیش آیا اتباع سے حاصل ہو سکے، اور یہ آیت کریمہ کہ میری اتباع کرو اللہ تمہیں محبوب رکھے گا اسی امر پر دلالت کرتی ہے۔ اور حضور خاتم الانبیا علیہ السلام والصلوٰۃ کے کامل اتباع کے بغیر کمالات نبوت کے قریب کے طور پر اس عالی و بلند مرتبے تک پہنچنا محالات

Marfat.com

میں سے ہے۔ اور حق تعالیٰ کی حقیقت اور ماہیت کے ادراک کا اپنی عقل کی وساطت سے اور اپنے وسیلے سے قربت حاصل کرنے کا خیال محض ایک وہم وگمان ہی ہے۔ جس کے وقوع کا کوئی امکان نہیں، جہاں تک ہو سکے تم سے حضور سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت صلعم کے مخلص محمدیوں کے اتباع کی کوشش کرو۔ اور اپنے آپ کو اپنی عقل کی خودسری کے ہاتھ مت بیچو۔ اور نبی کریم صلعم کے ان نائبوں کے فرمودات پر اعتقاد رکھو۔ ان حقیقت بین بصیرت والوں کی صلاح وتجویز کے مطابق عمل کرو۔ ع کہ سالک بیخبر نبود زراہ ورسمِ منزلہا۔ بقول حافظ شیرازی سالک منازل سلوک کے راہ ورسم سے بے خبر نہیں ہوتا۔ کیونکہ عرفان ومعرفت کے ان دشتوں اور یافت وخیرت کے ان بیابانوں اور فہم وفراست کے جنگلوں، خیال ووہم کے صحراؤں، ریاضتوں اور عملوں کے کہستانوں، ذکراذکار کے ریگستانوں اور وجد وسرور کے بازاروں، کیف وحال کے کوچوں، جذب وسلوک کے شہروں، شکوک وشبہات کے ویرانوں، علم وفضل کے مدرسوں اور عقل وحکمت کے مکتبوں، وجود وشہود کے معرکوں، رسوم وپابندیوں کے جنگلوں، مختلف سلسلوں اور مذہبوں کے راستوں اور مختلف فرقوں اور مسلکوں کے سمندروں پہ منتہی تم سے زیادہ گرویدہ ہو رہے ہیں جن کا شمار یا گنتی طوالت چاہتی ہے بلکہ محال ودشوار ہے۔ لیکن آخر کار محض ربِّ رحیم کی عنایت لم یزلی سے خالص محمدیت کے خضرِ راہ نے دستگیری ورہنمائی فرمائی اور یہ بتایا کہ نجات وہدایت کا راستہ اور خوش بختی وسلامتی کا طریقہ یہی شرعِ مصطفوی اور طریق محمدی ہے۔ اس کے علاوہ اور جو راستہ بھی ہے وہ پریشانی وسرگردانی کا موجب اور ہلاکت وپشیمانی کا باعث ہے۔ جو کوئی پیروی کرتا ہے رسول کی اور اُس کا اتباع کرتا ہے۔ پس اُس نے نجات پائی اور جو کوئی بے رغبتی کرتا ہے اس کی ملّت سے اور اُس کے راستے سے، پس وہ گمراہ ہوا۔ حاصل کلام یہ کہ اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان طریق محمدی کے اماموں کی دعوت کے ان الفاظ کے ساتھ لانا چاہیے کہ ہم نے سُنا اور ہم نے اطاعت کی، اور سچے محققوں کی حق گوئی پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی ناقص عقل کو اس ذات واجب کے مرتبے اور حقیقی صفات کے سمجھنے میں کوئی عمل دخل نہیں سونپنا چاہیے اور دینی امور میں اپنی رائے کو شریک نہیں بنانا چاہیے۔ اقتدا کرنے والے ان صادق اور راستبازوں کا اتباع ہی کافی ہے۔ ہر ناقص العقل اور ضعیف الاعتقاد انسان ان اسرار کے سمجھنے اور اس کی حقیقت کو دریافت کرنے

Marfat.com

کے کام کا اہل نہیں۔ باطن میں عقلی دوستی، ایمانی قوت اور رحمانی نور کی فراوانی درکار ہے۔ تاکہ ان اسرار و رموز میں سے کچھ تھوڑا بہت سمجھ میں آسکے۔ اور اللہ اور اُس کا رسول ہی حقیقتِ امر سے صحیح طور پر باخبر ہیں۔ اور علم میں راسخ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور تقویت حاصل نہیں کرتے مگر عقل والے۔ لہذا مخلص محمدی باوجود یکہ حق سبحانہ تعالیٰ نے انھیں رسول مقبول صلعم کے صدقے بشری استعداد کے مطابق اسمائے حسنیٰ اور ذات وصفات کے اسرار و رموز سمجھائے ہیں اور وہ علم جو محقق مومنوں کے شایان ہے انھیں بخشا ہے لیکن پھر بھی یہ محتاط حضرات اس مقام پر محض ادب کی بنا پر لب کشائی نہیں کرتے۔ اور شریعت کی زبان سے سنتے ہوئے ضروری و لازمی مطالب کی تفصیل کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع کی راہ پر گامزن رہتے ہیں۔ اور اس طرح ایمان بالغیب کی طرف دعوت دیتے ہیں کہ یہ انبیائے کرام کی سُنت ہے۔ (ان سب پر خدا کا درود و سلام) درس و تدریس کے ذریعے سکھانا پڑھانا فلاسفہ کا طریقہ ہے۔ اور ان ہر دو امور کی حقیقت کا بیان اس باب کے متن اور اس کی شرح میں آئے گا اللہ علیم وخبیر کی مدد سے۔ قصہ مختصر اب ہم اصل مطلب کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرات ذاتِ واجب کا مرتبہ اس قدر ارفع و مقدس ہے کہ جس کی آئینہ داری عالم حیرت کے سوا ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی بلند چوٹیوں تک دستِ نارسا کے سوا کسی کی رسائی نہیں۔ لیکن یہ حیرت وہ حیرت نہیں جو ہجر و فراق کے ماروں کو محبوب کی عدم موجودگی میں افسوس و حسرت کے ساتھ لاحق ہوتی ہے، بلکہ یہ حیرت وہ حیرت ہے جو کہ واصل بحق ہونے والوں کو حضوری کی حالت میں سرور و معیت محبوب سے نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ نایافت وہ نارسائی نہیں جو متشککین کو مزید شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتی ہے۔ بلکہ یہ نایافت وہ نارسائی ہے جو مومنوں کو اس خوان نعمت سے سرشار کرتی ہے کہ اے ہمارے رب ہم تمھیں اس طرح نہ پہچان سکے کہ جیسے پہچاننے کا حق تھا۔ اور اس مقام پر رونما ہونے والی حیرت سراپا دیدار کی آئینہ دار ہوتی ہے اور باقی تمام صفاتی و ذاتی تجلیات کی آرزوں کو لوحِ دل سے مٹا دیتی ہے۔ اور اس مقام پر ظہور پذیر ہونے والی یاس و نومیدی کاملاً اُمید واثق ہوتی ہے۔ اور باقی تمام ظلی اور عکسی امیدوں کو دل سے نکال دیتی ہے اور یہ ایک ذوقی امر ہے جب تک تو اُسے چکھے نہیں اس کی لذت کو نہیں سمجھ سکتا۔

Marfat.com

رباعی:

حیرت از چشم گفتگوہا افگند
یاس آمد از دل آرزوہا افگند
چون برق و شرار نارسائی تلاش
آتش در جان جستجوہا افگند

ترجمہ رباعی: حضوری حق سے پیدا ہونے والی حیرت نے ہر قسم کی تحقیقی گفتگو کو آنکھوں سے ہٹا دیا۔ یاس و نومیدی آئی اور اُس نے آرزوؤں کو دل سے نکال دیا۔ تلاش کی نارسائی نے برق و شرار کی طرح جستجو کی جان کو آگ لگا دی۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) تلمیحات و کنایات کی تشریح یوں ہے کہ حیرتِ پاک ذات کے مشاہدے کی مقتضی ہے اور اس مقام پر گفتگو جو عبارت ہے تحقیقات اور معارف سے عارف کی چشم بصیرت کے سامنے سے ہٹ جاتی ہے کیونکہ تحقیق و معرفت علم کی شاخیں ہیں، اور علم ادراک کا تعلق اعتبارات سے ہے جو ذات کے اعتبارات ہیں عین ذات نہیں جیسی کہ وہ ہے۔ اور لفظ یاس کا مطلب انسانی علم کی مرتبۂ ذات الٰہی کی ماہیت تک نارسائی کا یقین ہے۔ اور اس یاس و نومیدی کا رتبہ اُمید وصال سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے جو دورانِ راہ سالک پہ ذاتی و صفاتی تجلّیات کی شکل میں رونما ہوتی ہے۔ اور لفظ آرزو سے مقصود ذوق و شوق کے حالات ہیں جو ولایتِ صغریٰ کے مقتضی ہیں۔ اور آخیر میں جا کر طرح طرح کی ان تمام کیفیتوں کو سکون مل جاتا ہے۔ اور فقط اس پاک ذات کی طرف پورے اطمینان نفس اور سکونِ قلب کے ساتھ وہی بے کیف رجوع باقی رہ جاتا ہے اور سالک مکمل طور پر مقام تمکین پہ پہنچ جاتا ہے۔ اور نارسائی تلاش عبارت ہے مریدوں کے مرتبۂ مراد تک نہ پہنچنے سے، کیونکہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کام کا انحصار فقط اس کی عنایت پر ہے۔ باقی سب حیلے بہانے ہیں۔ اور آتش در جان جستجو افگندن کے کلمات سے مُراد اس کا جلاتا ہے۔ یعنی اس مقام پہ دونوں جستجو اور کسب تلاش پر اعتماد نہیں رہتا اور فقط حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی قبولیت پہ نگاہ ہوتی ہے۔ اور دل میں فقط فیضانِ خداوندی کا انتظار ہوتا ہے۔ اور تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب اور دیگر عبادتوں اور ریاضتوں میں مسلسل اور دائماً مصروف رہنے کے باوجود بھی ایسے منتہی عارف کی نظر میں

Marfat.com

کوئی عمل بھی قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔ اسے بھی فقط اللہ تعالیٰ کی توفیق کا عطیہ ہی سمجھتا ہے اور اُس کے اسی فضل و کرم کو اس تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھتا ہے۔ اور محاسنِ بشری کے لحاظ سے برق و شرار کی صورت میں جستجو اور اُس کا سراپا آتش ہوتے اور گرم و بیقرار رہنے اور اس سب کے باوجود کہیں نہ پہنچ سکتا اور ختم ہو جاتے والی مثال کا حسن و خوبی سخن فہم حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ بہر حال حق تعالیٰ کی ذاتی معیت کے بیان میں عرفان و معرفت کی زبان گنگ و لال ہے۔ اور تقریر کی جولانگاہ میں انسانی ذہن کا کمیت (مشکی رنگ کا) گھوڑا لنگڑا ہے۔ جسے عرفانِ ذات نصیب ہو گیا افشائے راز کے خوف سے اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ ع جو پا گیا ہے راز وہ گم ہے خموش ہے۔ اس سے یہ مُراد نہیں کہ اولیائے کرام تقریر یا تحریر کی صورت میں حقائق و معارف کا کوئی لفظ بھی زبان پر نہیں لاتے اور نہ ہی اس سلسلے میں کتابی صورت میں کوئی تصنیف و تالیف کرتے ہیں۔ اُنھیں ذاتی قرب حاصل ہوتا ہے اور جن اولیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے بیان شافی عطا فرمایا ہے اور صاحبِ کتاب بنایا ہے اُنھیں صفاتی قرب نصیب ہوتا ہے۔ حاشا و کلّا ان مصنف دانشمندوں کا مرتبہ صاحبان کتاب انبیاؑ کی طرح ارفع و بلند نہیں۔ جمعیت خاطر والے ایسے جامع اصحاب کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات پہ کمال درجے کا قرب میسر ہوتا ہے اور بشری قوت کے مطابق وہ اسمائی اور صفاتی حقائق کی تفصیل کو بڑی شرح و وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ اور انسانی اہلیت اور استعداد کے مطابق مختصراً ذات کی ماہیت کے رموز اور ذاتی شانوں کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کی مقدس و ارفع ذات کے حضور میں بے کیف معیّت کی نسبت کو بلا حرف و صوت صادق اور خالص محمدیوں کے دلوں پر القا کرتے ہیں۔ اور تعلیم و تلقین دونوں مسلکوں کو روا رکھتے ہیں۔ اور اسما و صفات کے حقائق اور دقائق کو سمجھاتے ہیں۔ اور ذاتی معیت کی نسبت سے دستگیری کرتے ہوئے منزل تک پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انسانی ذہن ذات کے ادراک سے قاصر ہے۔ اور ان نافہموں کو ان اسرار کے سمجھنے کی اہلیت نہیں اور نہ ہی اس بلند مرتبے پہ کسی ایسی تعبیر کی گنجائش ہے جو زبان سے کریں تو دوسرے کی سمجھ میں آجائے۔ پس اس نسبت کے القا کے لیے وہی مراقبہ اور باطنی توجہ کا دروازہ کھولتے ہیں اور خاموشی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ کیونکہ زبان کی درازی تو مقامِ صفات میں ہے۔ جس نے اللہ کو پہچان لیا تو بیان صفات اور درجِ حق میں

Marfat.com

اس کی زبان دراز ہوگئی، اسی مقام کے سلسلے میں کہا گیا ہے۔ بیان کا تعلق تو اعتبارات سے ہے۔ اور گفتگو اور بحث یعنی آرزو کی اس انجمن کی شمع اس ذات کے حضور میں یاس و نومیدی سے پامال ہے۔ اور اللہ انھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے والی آیت کریمہ یہی ادب سکھاتی ہے اور انسانی نفس ان معانی کے ادراک میں بے حواس ہے۔ یعنی اس مقام پر کسی حس کا وسیلہ کام نہیں آتا۔ اور روح کا وہی حضوری و مشاہدے کا علم ہے جو قرب کا دروازہ کھولتا ہے اور فقط نور ایمان ہے جو ہدایت بخشتا ہے اس مرتبے کی برہان و دانش سے دریافت کرنے کی تمنا بے جا ہے۔ اور اپنے غور و خوض اور تفکر و تدبر سے اس مقام پر پہنچنے کی آرزو محض اک خطا ہے۔ ع آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ (آرزو کر مگر کسی اندازے کے تحت) کیونکہ گھاس کا ایک تنکا پہاڑ کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔ اس مقام پر سعی و جستجو بے دست و پا ہیں۔ اس راز سے پردہ یہی مقولہ اٹھاتا ہے کہ اے خدا ہم تیری عبادت اس طرح نہ کر سکے جیسے کہ کرنے کا حق تھا۔ اس مرتبے تک واصل ہونے کی جستجو بے جا ہے اور نارسائی کا اعتراف ذہنِ رسا کا کام ہے۔ پس جو لوگ اپنے آپ کو واصل بحق سمجھتے ہیں ان وحدت الوجودی صوفیوں کی طرح ہیں جو ان دنوں بہت ذلیل و خوار ہیں اور آوارگی کی حالت میں گزر بسر کرتے ہیں اور اپنے ظن و گمان پر خوش ہیں اور اپنے خیال کے مطابق وہ موحّد (توحید پرست) ہیں اور درحقیقت ملحد ہیں نہ تو امکانی حقیقت کو پہچان پاتے ہیں اور نہ ہی ذات واجب کے مرتبے کی ماہیت کو دریافت کر سکتے ہیں۔ اور نہیں پہچانا انھوں نے اللہ کو جیسے کہ پہچاننے کا حق ہے پاکیزگی میں سے اور مشابہت میں سے اور ذات میں سے اور صفات میں سے۔ ہم مٹی کا مال ہیں اور وہ رب الارباب ہے۔ ممکنات مخلوقات میں اس کی ذات غنی ہے ان سے، اللہ بے نیاز ہے تمام جہانوں سے۔ پس لازم ہے تم پر اے خالص محمدیؐ کہ اس کی صفات اور تجلیات پر اکتفا کرے جو وسیلے ہیں تیرے لیے اس کی جناب میں۔ جان لے کہ وہ یکتا ہے، زندہ ہے، علیم ہے، سمیع ہے، بصیر ہے۔ ارادہ کرنے والا ہے، قادر ہے، متکلم ہے، منصف ہے تمام کمال کی صفات کے ساتھ اور پاکیزہ ہے ہر قسم کے نقص اور زوال کی نشانیوں سے اور نہ اعتقاد رکھ دوسرے متصوفین کی طرح کہ وہ حقیقتِ مطلقہ ہے جو شامل ہے اور جاری ہے ہر ایک میں کیونکہ یہ اعتقاد اللہ تعالیٰ کے کلام اور حدیث سے موافقت نہیں رکھتا اور نجات کا فائدہ نہیں ہوتا اور کمالاتِ

Marfat.com

نبوت کے قریب نہیں پہنچاتا۔ اور محمدیوں کے لیے مخصوص نہیں ہے اور یہ عقیدہ تو بہت سے ہنود اور کافر بھی رکھتے ہیں۔ اور نیچری اور دہری اس کا انکار نہیں کرتے اور یہ اعتقاد فاسد ہے اور تلاش کر ذات کی طرف صفات کا وسیلہ جیسے کہ حکم دیا اللہ جل جلالہٗ نے اس کی طرف وسیلہ حاصل کرو اور عینیّت صفات کا اعتقاد صوفیا اور حکما کے منہج پر حقیقت میں وہ لے جاتا ہے نفیٔ صفات کی طرف۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ صفات عین الذات ہیں اور وہ علمی اعتبارات ہیں۔ جہاں تک صفات کی زیادتی کا تعلق ہے۔ ذات پر وفا بھی اعتبار علمی ہے۔ پس وہ اس پہ انکار نہیں کرتے اور وہ نہیں کہتے کہ صفات ذات پر زائد ہے۔ جیسے کہ عین الذات ہے اور یہ دونوں معنی اگرچہ اعتباری ہیں لیکن یہ اعتباری ہیں نفس الامر کے لحاظ سے اور نہیں ہے متعلق فرض الفارض سے جیساکہ سورج کے طلوع کا لازم ہونا اور ان کا وجود امر اعتباری ہے نفس الامر میں وہ فرض فارض سے متعلق نہیں ہے اور اعتبار المعتبر ہے بالجملہ جس طرح کہ صفات اسی کے جلوے کی وجہ سے فیض وجودی ذات واجب سے موجودات ممکنہ تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح ملاحظۃ الصفات کا توسط قوی کرتا ہے نسبت شہود اور ایمان کو فائدہ دیتا ہے سالک کے باطن کو، اور وہ اس سے بہت زیادہ نفع حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ یہ وسائل صفاتیہ آئینوں کی طرح ہیں جمال ذات کے مشاہدے کے لیے۔ پس دیکھو بصیرت کی نگاہ سے ان میں یعنی ان آئینوں میں۔ اس باب کا مقصد اور ہمارے اس کلام کا حاصل یہ ہے یعنی صفات اعتبارات حقیقتہ ہیں نہ کہ مفروضہ امور کی طرح جو نفس امر میں غیر ثابت ہوں جیسے کہ بعضوں نے گمان کیا ہے۔ اور ذات اس میں معتبر ہے اور جلوہ نما ہے ان مراتب میں۔ ایک صورت میں ان میں سے ہر ایک خاص تجلّی کے ساتھ، پس حیثیت اعتباریہ کے لحاظ سے یہ اس ذات کے علاوہ ہیں، کیونکہ ذات کا تصوّر کہ وہ، وہ ہے ایک اور معاملہ ہے اور اس کے ساتھ صفات کا ملاحظہ ایک اور معاملہ ہے۔ پس دونوں اعتباری یعنی مغائرہ ہیں۔ دونوں اپنے اپنے مفہوم میں۔ پس صفات حقیقیہ زائد ہیں ذات پر جیساکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ اور بحیثیت معتبر یہ اور تحقق اور وجود صفات بالذات وہ اس کا عین ہے۔ اور صفات میں نہیں موجود مگر ذات ہی، اور اگر دیکھا جائے دونوں حیثیتوں کی طرف اور ملاحظہ کیا جائے جانبین کا تو کہا جائے گا کہ نہ تو تمام وجوہ سے عین ہے اور نہ تمام وجوہ سے غیر ہے۔

Marfat.com

پس نتیجہ یہ نکلتا ہے یعنی وجہ عین کے لحاظ سے وہ وجہ وجودی ہے۔ اور وجہ غیر کے حساب سے ، وجہ حصولی ہے۔ اور خالص محمدی یعنی ہمارا خالص لشکر اس مقام پر ادب کی وجہ سے کلام نہیں کرتے ۔ اور وہ یہ حکم لگاتے ہیں کہ صفات عین الذات یا ذات کے علاوہ ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اپنی ذات اور صفات کی کیفیات کو اور ہم جانتے کہ وہ علیم و سمیع و بصیر ہے اور صفاتِ کمالیہ اسی کے لیے ہیں ۔ اور شرع نے ہمیں مکلّف نہیں کیا کہ ہم سمجھیں کہ کیا کیفیت ہے ذات کی نسبت کی صفات کے ساتھ ۔ تاکہ ہم فیصلہ کریں اس کی عینیّت کا یا غیریّت کا ۔

یہ محتاط لوگ ہیں اور زائد بحثوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور کفائت کرتے ہیں اسی مقدار پر جس کی خبر دی ہے انھیں ان کے صاحبؐ نے اور وہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم (ان پر درود و سلام کثیر و کثیر۔) اور وہ چھوڑ دیتے ہیں ان زائد بحثوں کو جو کہ نئی پیدا ہوئیں حضور پاکؐ کے بعد ۔ نبی صلعم کی سنّت کا اتباع کرتے ہوئے اور فضول باتوں سے بچتے ہوئے ، کیونکہ یہ نئی نئی بحثیں شبہات اور فساد کا مبداو منبع ہیں مومنین میں سے اکثر لوگوں کے لیے اُمتِ مرحومۂ محمدیہ میں ۔ پس اُنھوں نے اسے چھوڑا عمداً اور قصداً شر کو دُور کرنے کے لیے اور فساد کا راستہ روکنے کے لیے اس لیے نہیں کہ وہ یعنی خالص محمدئی جاہل ہیں لغویات سے ، اور اس لیے نہیں کہ وہ نہ پا سکے ان بحثوں کو جو کہ عوام کی نوک زبان ہیں اور جس کے بارے میں متصوّفین میں سے ہر گھٹیا درجے کا صوفی اور وہ صحیح طور پر سمجھ نہیں پاتے ، ہرگز نہیں بلکہ وہ دیکھتے ہیں ان کے کلام کو اور جانتے ہیں جو کچھ لکھا پہلے صوفیوں نے اور واقف ہیں ان کے کلام سے کشفاً اور علماً ، اور سمجھتے ہیں ان کے رازوں کو جیسا کہ انھیں سمجھنے کا حق ہے ذوق اور عرفان کے لحاظ سے ، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ طریقِ محمدیؐ پر چلے اور اُنھوں نے خالص کر لیا اپنے دین کو کامل مصطفوی اتباع کے ساتھ اور وہ چلے نبی کے مسلک پر اور اُنھوں نے چن لیا سیدھا راستہ اور اُنھوں نے بیزاری کا اظہار کیا انانیت کے امتزاج سے اور ان لوگوں نے نہ شریک کیا اپنے نفسوں کو اپنے دین میں اور وہ پاکیزہ ہو گئے نفسانی آلائشوں سے اور اللہ اور رسولؐ میں فنا ہو گئے ۔ اور پہنچ گئے شریعت بالغہ کی حقیقت کو اور پہنچے بلاغِ مبین کو اور اُنھوں نے چن لیا خالص محمّدیت کو اور وہ خالص ہو گئے خلوص و یقین کے ساتھ ۔ پس وہ چلے نورِ محمّدی کے ساتھ حقائقِ ثابتۂ ایمانیہ میں سے تمام میں اور اسلام کے حقیقی طریقوں میں سے تمام راستوں

پردہ مشتمل ہو گئے ہیں۔ اور انھوں نے گھیر لیا موجودات کے تمام کے تمام حقائق کے ساتھ ان کی جامعیت کی اپنی استعداد کی بلندی کے ساتھ اور حقیقت محمدیہ کی امداد کے ساتھ، اور وسعت الہیہ کی تائید کے ساتھ مکمل طور پر احاطہ کر لیا، اور تمام مخلوقات کی ہدایت کے لیے مبعوث کیے گئے اپنے رسول کی سنت پر۔ پس ان لوگوں میں سے بعض ہمارے اس دن سے لے کر قیامت کے دن تک داخل ہیں ان کی اہلِ اجابت (مستجاب الدعوات) کی جماعت میں اور بعض شمار کیے جاتے ہیں ان کے اہلِ دعوت کے زمرے میں۔ اور جسے نہیں پہنچی ان کی دعوت کی شہرت تو وہ پہاڑ کی بلندی میں سے تو یہ خالص محمدی، مامور ہیں اس حکم کو پہنچانے کے لیے۔ پس انھوں نے کیا جس کا انھیں حکم دیا گیا اللہ کی طرف سے۔ انھوں نے وہ کام کیا جس پر وہ اللہ اور رسول کی طرف سے مامور تھے۔ اور منکشف کیا خالص محمدیت کے مرتبے کے رازوں کو جو کچھ کہ منکشف کیا صحیح کشف کے ساتھ اور نقلی اور عقلی دلیلوں کے ساتھ۔ اور ان کے لیے سچے اور مصدقہ گواہ ہیں۔ بوجہ اس کے کہ جو ان کے سامنے ہیں کتب و رسائل میں سے، بلکہ ان کی معیشت ساری کی ساری دلت کرتی ہے ان کی حقیقت پر اور ان کی محبت کی برکت پر نظروں سے پردے ہٹانے کے ساتھ اور ان کا جمال دلالت کرتا ہے ان کے کمال پر اور ان کا کلام خبر دیتا ہے ان کے مقام کی مگر وہ شخص کہ مہر لگا دی اللہ نے اس کے دل پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اور وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے پردے میں ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی ہادی نہیں۔ اور انھوں نے غیب کی خبروں کی خبر دی شک اور تردد کے بغیر اور اللہ کے ساتھ اپنی قربت کی قوت اور نبی کے ساتھ نسبت کے استحکام کے ساتھ اور انھوں نے بیان کیے راز جس میں کوئی شبہ نہیں جو مطابق ہیں واقعہ کے، ان میں کوئی شبہ نہیں اور اگر تم شک میں ہو اس بات میں جو اللہ نے الہام کی ہے ان پر تو لاؤ کوئی نعمت ان کی نعمتوں کی مانند کہ اگر تم ان کو گنو تو نہ گن پاؤ۔ پس یقین رکھو کہ ان کے مقولات حقہ الہام سے ثابت کیے جاتے ہیں باطن کے اندر، اور وہ ظاہر میں آیات اور احادیث سے متمسک ہوتے ہیں اور وہ سچے ہیں اور بہت ہی سچے ہیں ظاہراً اور باطناً اور ان کے دل نے جھوٹ نہیں کہا جب کہ انھوں نے دیکھا اپنے معاملات کو اور انھوں نے نہ قصد کیا، تعلیم و تفہیم کا لوگوں کے لیے عقلی دلائل کے ساتھ حکما کے طریقے پر اور نہیں ہے ان کے تمام مطالبوں کی بنا عقل پر اور انھوں نے

Marfat.com

اکتفا کی نقلی استناد پہ اللہ کے کلام میں سے اور اُس کے رسول ؐ کے کلام میں سے کیونکہ دلیل عقلی کے ساتھ تعلیم اور تفہیم نظری دلیلوں کے ساتھ۔ یہ حکما کا طریقہ ہے جنھیں اربابِ عقول کہا جاتا ہے۔ اور حقیقت کی خبر دینا انبیا٘ کا طریقہ ہے۔ کیونکہ خبر دینا لغت کے اعتبار سے خبر وہی ہے اور دونوں مصدر ایک ہی معنوں میں ہیں۔ اور نبی خبر دینے والا ہے فقط اور تفہیم پہ مامور نہیں ہے جو اس پہ ایمان لایا اور اس کی اطاعت کی پس نے ہدایت پائی اور وہ ہوتا ہے نجات پاتے والوں میں سے آخرت میں، اور جس نے کفر کیا اور روگردانی کی۔ پس وہ گمراہ ہوا، اور وہ ہوتا ہے ہلاک ہوتے والا آخرت میں اور اس معاملے کا راز ہے یعنی خبر دینے کو اختیار کرنا اور سمجھانے کو چھوڑنا۔ بیشک حکما کی دعوت مقلد کے لیے خاص دعوت ہے۔ اور وہ عوام کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور ان کے لیے اللہ تک عقل کے راستے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ پس جس نے ان سے تعلیم پائی اور انھی کے مطالب کو سمجھا وہ ان کے تابعین اور تلامذہ میں ہوگیا۔ اور ہوگیا فلسفیوں اور اشراقیوں میں سے جو پردے میں ہوتے ہیں عقلی پردے کے ساتھ۔ اور اگرچہ وہ دعویٰ کریں کشف اور اشراق کا، اور انبیا کی دعوت دعوتِ عامہ ہے دُنیا کے لیے اور جن و انس میں سے تمام مخلوق کے لیے ہوشیار اور کند ذہن دونوں کے لیے عام طور پہ۔ پس اُنھوں نے خبر دی حقیقتِ حال کے بارے میں بغیر عقلی دلائل کے بیان کے اور اللہ نے بھی اُنھیں خبردار کیا ہے فرشتے اور وحی کے نزول کے واسطے بغیر ان کی عقلوں کی مداخلت کے اور ان کے افکار میں تردد کے خاص انتخاب اور خالص چناؤ کے ساتھ۔ پس انبیا نے بھی لوگوں سے وہی طرزِ عمل رکھا جو طرزِ عمل ان سے رکھا گیا، اور اُنھوں نے نہ توجہ کی سمجھنے کی طرف بلکہ وہ بھی نہیں سمجھتے جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے دکھایا اپنی آیات میں سے اور اپنے مقدورات کے عجائب میں سے پس اُنھوں نے چنا دعوت کو بغیر سمجھے ہوئے اور اُنھوں نے بلایا سب لوگوں کو بالعموم خواہ وہ عاقل تھے خواہ جاہل تھے دونوں صورتیں برابر ہیں۔ اور اُنھوں نے ارادہ کیا ان کے حال کی درستی کا دونوں جہانوں میں ایمان اور اسلام کے احکام پہنچا کر اور متوجہ نہ ہوئے تفہیم کی طرف کیونکہ عقل والا محتاج نہیں تفہیم کا وہ اپنے فہم کے مطابق بلا شبہ سمجھ لیتا ہے۔ پس اسے خبر دینا ہی کافی ہوجاتا ہے اور وہ اس کے لیے کافی ہوجاتا ہے راستے کے دکھانے کے سلسلے میں، اور جاہل نہ تفہیم نہ تعلیم سے سمجھ پاتا ہے۔ وہ ناقص عقل والا اور گھٹیا نفس والا ہوتا ہے۔ پس خبر دینا اس کے لیے کافی ہوتا

Marfat.com

ہے اور ان تمام عوام میں ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جو ایمان لائے اللہ پہ اور اس کے رسولؐ پہ، اور اطاعت کی اس کے حکم کی اور اس پر عمل کیا، اور نجات پائی آخرت میں عذاب سے اور اس کو حاصل ہوا وہ کچھ جو کہ مُراد تھا ربّ کے پیغامات میں سے پہنچاتے کا بندوں تک اور وہ ہے نجات پانا دنیا اور آخرت کی ذلّت سے۔ اے اللہ ہمیں محفوظ رکھ ہمارے نفوس کے شر سے اور ہماری خواہشات سے، اور یہ کہ ہمارے نفس اپنی خواہش سے نہ بولیں ہم سے اور دُور کر دے ہماری دِقت کو طریقۂ محمدیہ کے اجرا میں۔ اس طریقے والے پہ درود و سلام ہوں اور ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان معاملے کو کھول دے حق کے ساتھ اور تو بہترین کھولنے والا ہے۔ رباعی:

درِ خاطر ارشاد اگر محظور ست
عزلت اے دردپہ ز مسلک ودرست
خود را شب و روز صرف یاران سازی
اجرائے طریقات اگر منظور ست

ترجمہ رباعی: تیرے دل میں اگر دوسروں کو رشد و ہدایت دینے کا خیال ہے تو پھر سمجھ لو اے دردؔ خلوت نشینی اور گوشہ گیری مسلکِ محمدیہ سے بہت دُور ہے۔ اگر تجھے طریق محمدیہ کا اجرا منظورِ خاطر ہو تو پھر دن رات خلق خدا اور احباب واصحاب کی تربیت اور رشد و ہدایت میں مصروف رہ۔ حاصل مطلب یہ کہ منصبِ ارشاد کے مالکوں اور رشد و ہدایت کے راستے کے اماموں کو یوں خلوت اور عزلت اختیار نہیں کرنی چاہیے کہ کسی کے آنے جانے کے مطلق روادار ہی نہ ہوں۔ اور اپنی صحبت اور مجلس کا دروازہ وا ہی نہ کریں۔ اور وحشت آثار مجذوبوں اور سہل انگاری اور غفلت کے مارے سہولت پسندوں کی طرح مجلس آرائی اور صحبت سے بالکل نفرت و کراہت کریں۔ بلکہ ان کی بابرکت صحبت جس قدر بھی طویل ہو سکے اسے غنیمت جانیں اور دن رات خلق خدا کی رشد و ہدایت پہ متوجہ رہیں۔ فرمانبردار محمدیوں کا یہی طریقہ ہے، اور دین کو تقویت دینے کا یہ طریق بہت بڑی نیکی ہے، اور اگر

Marfat.com

حالات سازگار اور اہلِ زمانہ نا اہل ہوں تو اس قسم کی لغو مجالس میں نہ جانا اور ایسی مجالس میں قدم نہ رکھنا ہی بہتر ہے۔ ایسی محفلوں میں اپنے قیمتی وقت کو ہرگز ضائع نہیں کرنا چاہیے اور کسی بھلے وقت کا انتظار کرتے ہوئے اپنے حال کی حفاظت کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے۔ بیشک اللہ کی نصرت قریب ہی ہے ؎

Marfat.com

هوالناصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے بنایا علم کو اپنے جمال کا آئینہ اور پیدا کیا انسان کو اپنے کمال کے اظہار کے لیے اور درود و سلام ہو اس کے رسول محمد صلعم پر اور اُس کی آلؓ پر اور اس کی خصلتوں کی پیروی کرنے والے اصحابؓ پر۔ اما بعد پس یہ چھیانواں (۹۶) باب ہے جو کہ مراۃ اعمال سے موسوم ہے۔ جمالِ الٰہی جو ہے اس کا کمال ہے اور اُس کے کمالات کا ظاہر وہی اس کے آئینے ہیں۔ پس اس کا جلال جو کہ اس کے کمالات میں سے ہے وہ بھی شمار ہوتا ہے جمال میں اور اُس کی رحمت اس کے غضب پر غالب آگئی ہے۔ بوجہ جمال کے جلال پر اشتمال کے اور اس میں عمومیت کی وجہ سے۔ پس وہ سبحانہٗ تعالیٰ جمیل مطلق ہے، ہر ایک ہے وہ جلوہ نما ہو جمال کی صورت میں اپنے اسمائے جمالیہ کے تقاضے کے تحت یا جلال کی صورت میں اپنے اسمائے جلالیہ کے تقاضے کے تحت اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے اپنے نفس کے تقاضے کے تحت اور اُس نے لکھ رکھی ہے اپنے نفس میں وسیع رحمانی رحمت جو وسیع و محیط ہے ہر چیز پر اور وہ قادر ہے اور جلال قدرت رکھتا ہے بندوں کے نفوس کے استعدادات کے تقاضے کے مطابق اور نہیں ان پر ظلم کیا اللہ نے بلکہ وہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور وہ دیتا ہے عذاب جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے، پس اس کا عذاب مقابل ہے

Marfat.com

اس کی رحمت مختصہ رحیمیہ کے جس سے وہ خاص کرتا ہے جسے چاہتا ہے، اور یہ دونوں کام مخصوص ہیں پس وہ بخشتا ہے جسے چاہتا ہے، اور عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ کوئی مقابلہ نہیں ہے اس کی وسیع رحمانی رحمت کا۔ کیونکہ اگر اس رحمت کا مقابلہ کرتا غضب اور عذاب تو یہ رحمتِ واسعہ نہ ہوتی۔ نہ وہ چھائی ہوتی ہر چیز پر، اور معاملہ اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ تو وسیع ہے ہر چیز پر۔ پس سچے محبت کرنے والے جو دیکھتے ہیں اس کے ذاتی جمال کو اور مشاہدہ کرتے ہیں اس کے نفسی کمال کو نہیں دیکھتے امورِ جلالیہ میں بھی سوائے اس کے جمال کو اور وہ راضی ہو جاتے ہیں اس سے ہر حال میں، اور وہ سچائی کی زبان سے کہتے ہیں کہ ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ہر حال میں۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے انھیں سکھایا اپنی جناب سے علم جو آئینہ ہے اس کے مطلق ذاتی جمال کا۔ پس وہ ہر جانب سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں تمام وجوہ میں اور ان کے لیے ہے چہرے تر و تازہ جو اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہیں۔ اور جس طرف بھی وہ منہ پھیرتے ہیں پا لیتے ہیں ادھر ہی اللہ کے چہرے کو۔ اللہ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

حضرت وجود کے لیے علم کی آئینہ داری اور اس میں تمام موجودات کی جلوہ گری کے بیان کا باب

مُرائیت عبارت ہے آئینہ داری سے، اور مراد اس سے مطلق مظہریت ہے۔ علم "دانست" کو کہتے ہیں اور یہاں امتیاز مطلق ملحوظ ہے اور وجود ہستی کے معنوں میں آیا ہے اور مقصود اس سے یہاں نفس الوجود ہے جو نکالے جاتے کا مبدا و منبع ہے۔ اور جلوہ گری کے لفظ سے منظور وجودی مراتب میں ظہور ہے موجودات ذہنی و خارجی کا۔ اور لفظ "این ہمہ" سے مُراد ہے موجودات سے حاصل ہونے والی صورتیں۔ حاصل مطلب یہ کہ نفس الوجود جو نکالے جاتے کا منبع، موجودیت کی بنا اور عین ماہیت واجبیہ ہے وہ وہی اعلیٰ و مقدس ذات ہے جو قائم بالذات ہے اس مرتبے کے ظہور کا مظہر علم مطلق ہے۔ اور اس نفس الوجود کی جلوہ گاہ یہ آئینہ ہے اور موجودیت کا یہ ظاہری مرتبہ وجود ظلّی ہے جو کون و حصول کے معنوں میں آیا ہے۔

Marfat.com

اور حق تعالیٰ کی صفت اوّل ہے۔ اور اس مرتبے میں وجودیت موجودیت کے لباس میں نظر آتی ہے۔ اگرچہ یہ سایہ بھی کلی طور پر اصل ہی کی شکل میں دکھائی دیتا ہے اور کم نگاہوں کو اس پہ اصل کے عین ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ لیکن تیز بینوں کی نگاہ میں مکمل مشابہت کے باوجود بھی یہ سایہ ہے اصل کا۔ آدمی آدمی ہے اور اس کا عکس پھر عکس ہی ہوتا ہے۔ اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ اور اگر ہوتا اس کے لیے کوئی مثل اعلیٰ تو بس یہی مرتبہ ظلیہ وجودیہ جو اس کی مثل اعلیٰ ہے تمام امثلہ میں سے نفس وجود اصلی کے لیے جو اس کی بلند مرتبہ ماہیت واجبیت کا عین ہے۔ سوال اگر تو یہ پوچھے کہ یہ ظلی وجود جو علم کے آئینے میں رونما ہوتا ہے۔ پس اندازے کے مطابق صفت علم کو صفت اوّل کہا جا سکتا ہے نہ کہ اس وجود کو، کیونکہ معلول کا علت سے پہلے آنا لازم نہیں۔ یہ غلط ہوگا۔ جواب وہ علم جس کے آئینے میں یہ وجود رونما ہوتا ہے عین ذات ہے وجود کی مانند جو نکالے جانے کا منبع ہے۔ اور واجب تعالیٰ کی عین ماہیت ہے۔ اور وہ علم جسے صفت العلم کہا جا سکتا ہے اس وجود ظلّی کی شاخ ہے۔ اور وجود ظلی کی طرح ذات پر زائد ہے جو عین ذات واجبی کی ماہیت نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ صفتِ اوّل وہی وجود ہوا نہ کہ یہ علم۔ قصہ کوتاہ جس طرح حضرت وجود کی موجودیت علمی آئینے میں ظاہر ہے۔ اس طرح تمام وجودی کمالات اپنی تمام نسبتوں اور حیثیتوں اور لازموں کے اس آئینے میں حصولیت کی شکل میں عیاں ہے۔ اور موجودات کی کثرت کے ظہور کا مبداو منبع نفس الوجود کی یہی کمالی صفتیں اور ذاتی شانیں ہیں۔ اور ممکن الوجود موجودات وجوب کی صفات و اسماء کے ظہورات کے مظاہر ہیں اور ہر صاحب علم موجود اپنے علم کی وسعت کے مطابق ان تجلیات کے ادراک سے بہرہ مند ہے۔ ورنہ نہیں جیسا کہ ہم صراحت کرتے ہیں اس کے بیان کی حضرت جنیدؒ نے کہا کہ علم سیڑھی ہے۔ سیڑھی والا دیکھتا ہے حق کی معرفت کی طرف، اور کہا حضرت بایزید بسطامیؒ نے کہ علم چراغ ہے کہ جس سے حق تک پہنچنے کا راستہ روشن ہوتا ہے۔ اور حضرت سہیل تستریؒ نے کہا کہ علم معرفتِ حق کے سمندر میں سفینہ ہے، اور حضرت حسن نوری نے کہا کہ علم آئینہ ہے کہ جس میں دیکھتا ہے آئینے والا، حق کی ملاقات کو۔

Marfat.com

رباعی:

اے درد ندیدۂ کہ در دیدۂ کور
فرق نبود میانِ تاریکی و نور
پس ہستیٔ ما کہ از عدم ممتاز ست
در آئینۂ علم نمود ست ظہور

ترجمہ رباعی: اے درد کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اندھے کے نزدیک اندھیرے اور اجالے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ پس ہماری ہستی جو عدم سے ممتاز ہے علم کے آئینے میں ظہور کی نمود ہے۔ لہٰذا جس طرح اندھے کے لیے اندھیرا اور روشنی یکساں ہیں اور رات کی تاریکی اور دن کے اجالے میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا اس کے لیے ایک تاریک اور روشن گھر میں کوئی فرق نہیں، اسی طرح ہم سب موجوداتِ ممکنہ کی اعتباری ہستی جو اضافی وجود اور ایسی موجودیت ہے دیگر ممکنہ معدومات کی اعتباری نیستی جو اضافی عدم اور نسبی معدومیت ہے اس سے خانۂ علم میں آکر ممتاز ہوئی۔ اور صاحبِ علم موجود میں ہستی یا نیستی کے یہ اعتباری امتیازات پیدا ہوئے، جیسا کہ نہیں مخفی کوئی چیز علم سے۔ علم احاطہ کرتا ہے چیزوں کا اپنی وسعت کے مطابق۔ پس جس کا علم لامتناہی ہوتا ہے تو وہ غیر متناہی چیزوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اور ذرّہ برابر بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہوتا اور وہ احاطہ کرتا ہے تمام کی تمام چیزوں کا اس سے۔ اللہ عزّوجل نے کہا کہ بیشک اللہ نے علم کے لحاظ سے تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ اور اس حق سبحانہ' نے اپنے علمی احاطے کو علم کی رُو سے بیان کیا ہے۔ اور اپنے وجود کے احاطے کا بیان نہیں کیا۔ اس کا بھید یہ ہے کہ احاطے کا مفہوم بھی باقی تمام مفہومات کی طرح علم ہی سے متعلق ہے اور احاطہ اور جس کا احاطہ کیا جائے ان میں امتیاز علم کے مرتبے ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور منسوب کیا ہے حق سبحانہ' نے علم کے احاطے کو اس راز کو منکشف کرنے کے لیے اپنے راسخ بندوں پر علم میں۔ اگرچہ وہ تمام وجوہ میں تمام چیزوں پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پس یہ سمجھ لو کہ حضرت وجود نے علم کے آئینے میں نمائش کی ہے اور وجود کا ظہور عبارت ہے علم کے وجود سے اور اس آئینے کی بدولت وہ اس عالمِ شہود میں جلوہ افروز ہوا۔ یعنی عالمِ شہادت میں اپنا پرتو ڈالا۔ پس جس کسی وجود کے ہاتھ میں یہ آئینہ دیا گیا اور جسے بھی صاحبِ علم بنایا وہ اپنی

Marfat.com

اور غیر کی ہستی سے آگاہ ہوتا ہے اور عینیّت اور غیریّت (اجنبیّت) کو سمجھتا ہے۔ جس پر یہ دروازہ نہیں کھولا گیا اور جس کی حقیقت میں یہ علمی قوت نہیں رکھی گئی وہ کسی راہ پہ بھی نہیں چلتا۔ اور اُسے اپنی اور غیر کی ہرگز خبر نہیں ہوتی۔ اور اس کے لیے علم و وجود کے راستے بند ہیں۔ درحقیقت یہ علم الٰہی ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور صورِ علمیہ کے مطابق موجودات کے حقائق کے خارجی مرتبے کی راہ دکھائی۔ وہی ہے جس نے پیدا کیا ہر چیز کو پھر ہدایت دی اور یہ فقرہ مشکوٰۃ شریف سے ماخوذ ہے۔ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت دی پھر ہدایت دی اور اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے عطا کی ہر چیز کو اس کی خلقت اپنے علم میں پہلی دفعہ اور وہ خلق اوّل ہے اور اُسے صورِ علمیہ کہا جاتا ہے۔ پھر اس کو ہدایت دی اس خلق کے مطابق مرتبۂ خارج کی طرف اور اُسے نکالا وجود کے باطن سے ظاہراً اور ثانیاً اور یہ تخلیق ثانی ہے جسے عالم کہا جاتا ہے چنانچہ ظاہر ہیں آئینہ جتنا بھی چہرے کے روبرو ہوتا ہے خواہ اپنے بڑے یا چھوٹے ہونے کے سبب سے، خواہ تمام اور ناتمام تقابل کے باعث اتنا ہی آدمی اپنے حال سے واقف ہوتا ہے مذکورہ وجوہ کے باعث جتنا اس کا تقابل کم ہوتا ہے اتنا ہی وہ خود کو گم پاتا ہے۔ اور اپنی نظر کے سامنے سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح موجودات کے ہر تعین اور تشخص میں جتنا علم ہے اور وہ اُس آئینے کو اپنی حقیقت کے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ وہ اپنی ہستی سے باخبر اور اپنے وجود سے آگاہ ہو ورنہ غافل اور بے خبر ہے۔ کیونکہ وہاں علوم و وجود یکساں ہیں اور بے علم موجود کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے بلکہ یکساں اور برابر بھی نہیں، کیونکہ یکسانیت و برابری کے ادراک کے لیے بھی علم ضروری ہے۔ چونکہ حق تعالیٰ کا علم قدیم اور لازوال ہے اور اس کی ذات ہمیشہ قائم اور ایک ہی حال پہ برقرار ہے اس کے نزدیک ماضی کی موجودات یا حالیہ موجودات حاضرہ اور مستقبل میں آنے والی موجودات سب ہر وقت حاضر ہیں۔ اسے نہ تو مستقبل کے امور کا انتظار ہے اور نہ ماضی کے امور سے اس کا انقطاع ہے۔ نہیں پکڑتی اُسے نیند اور نہ اونگھ یعنی نہیں زائل ہوتا اس سے علم اجمالی اور تفصیلی۔ اے اللہ ہمیں زیادہ کر علم کے لحاظ سے جو شریعت اور حقیقت کے مطابق ہو۔ اور اصلاح کرتے والا ہو ہمارے معاش کو اور معاد کو، اور سکھا ہمیں اپنی جناب سے ربّانی تعلیم سے علم جو کسب و رسم سے ورا ہو۔ جیسا کہ تو جانتا ہے۔ یہی لوگ محقق اور مقربین ہیں پہلے، اور

Marfat.com

ہماری مدد فرما روح قدس سے ، اور سکھا ہمیں جو نہیں جانتا کوئی بھی مگر تیری خاص عنایت کے ساتھ کیونکہ حقائق موجودات اسی سے جاتے جاتے ہیں ۔ اس حالت میں جس میں کہ وہ ہیں قفس امر میں اور یہ علم واسع مظہر ہے علم الٰہی کا جو تمام امور کا مبدا و معاد ہے ۔ اور وہی ابتدا کرتا ہے وہی لوٹاتا ہے اور ہر معاملہ جیسا کہ شروع ہوا اس علم الٰہی کا پہلے پہل اسی طرح یہ لوٹے گا اسی کی طرف آخر میں اور نہیں باقی رہیں گی یہ نئی اور فنا ہوتے والی موجودات مگر اللہ کے علم میں اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے ۔ پس ہم طلب کرتے ہیں اپنے رب سے جس نے ہمیں ہدایت دی اس علم کے بیان کی قدرت کی ، جو اس تک پہنچانے والا ہے تاکہ ہم دیکھیں جو پردے میں ہیں اس کی آیات آفاق میں مفصل طور پر آفاقی سیر کے ساتھ ۔ اور اپنے نفوس میں مجمل طور پر انفسی طریقے سے یہاں تک کہ واضح ہو جائے ان کے لیے اس ہدایت کے ساتھ کہ یہ حق ہے انفس و آفاق سے ورا ۔ کیونکہ وہ دونوں اس کی نشانیوں میں سے ہیں ۔ اس کا عین نہیں ہیں اس حیثیت سے کہ وہ وہ ہے اور اس کے سوا نہیں کہ وہ دونوں مظہر ہیں حق کی حقیقت کے لیے اور تمام کی تمام مصنوعات ڈھالنے والے کے وجود پر دلالت کرتی ہیں ۔ پس جب دیکھتے ہیں لوگ ان کو عرفان کی نگاہ سے تو منکشف ہوتی ہے ان پر حقیقت یعنی ظاہر ہوتی ہے ان پر یہ بات کہ جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے وہ باطل نہیں ہے اور وہ زبانِ حال اور قال سے کہتے ہیں ، ہمارے رب تو نے یہ یونہی باطل پیدا نہیں کیا اور وہ کہتے ہیں یہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں ۔ بلکہ تمام موجودات بلا شک و شبہ اس کی آیاتِ حقہ ہیں ۔ اور وہ نازل ہوئی ہیں مرتبۂ امکان میں اور ظاہر ہوئی ہے ان میں اللہ کی جناب تنزیل ایجادی کے ساتھ اور وہ نہیں ہے اگر کتاب مبین جس کی ہم ہر وقت تلاوت کرتے ہیں اور باقیات صالحات جو محفوظ رہیں فساد سے دنیا و آخرت میں جیسے امور دینیہ اور موجودات یقینیہ ۔ جیسے فرشتے اور ارواح اور عقلیں اور نفوس اور ان جیسی اور چیزیں آیاتِ محکمات ہیں جن سے احکام نکلتے ہیں ۔ اور اس سے ان کی شاخیں نکلتی ہیں وہی ام الکتاب ہے اور وہ ہوتی ہیں سبب ان معلومات کا جو ان سے صادر ہوتی ہیں اور دوسری مشہودات ہیں جو حسیات میں سے ہیں ۔ جیسے موجودات جو حواس سے محسوس ہوتی ہیں وہ متشابہات ہیں کیونکہ ان کی صورتیں ہیں ملتی جلتی پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے غفلت و جہالت میں سے ، پس وہ اس میں سے جو متشابہ

Marfat.com

ہیں ان کی پیروی کرتے ہیں اور تمسک کرتے ہیں اُس کے ساتھ جو مشابہات میں سے ہیں یعنی متعلق ہو جاتے ہیں اس کے ظاہر کے ساتھ اور اس کے باطن کی طرف نہیں دیکھتے یا وہ متعلق ہو جاتے ہیں جھوٹی تعبیر کے ساتھ جو اُن کا وہم انھیں گھڑ کے پیش کرتا ہے اور یہ لحاظ اعتباری ہے اور ادراک تقسیدیہ ہے اصالہ اور استقلال کے ساتھ اور وہ چاہتے ہیں فتنے کا چاہنا جو کہ ان کی انانیت کا علم ہے اور ان کے وجود کا دعویٰ ہے جو فساد کا منبع ہے اور شرک و سرکشی کا مبدأ ہے اور اس کی تاویل چاہنا ان کے وہموں کے دلائل کے مطابق اور ان کی طبیعتوں کے تقاضے کے تحت اس طرح کہ وہ اس کی تاویل کرتے ہیں جیساکہ وہ چاہتے ہیں۔ اور طبیعت کے ساتھ احکام امکانیہ اور آثار خلقیہ میں سے اور ان کی تاویل نہیں جانتا مگر اللہ جو علیم وخبیر ہے یعنی عالم کی کیفیت کے راز کو نہیں جانتا اس کے سوا کوئی بھی جیساکہ نفس امر میں ہے کہ کیسے خلق کی ابتدا ہوئی اس کی قدرت سے اور اُسے ظاہر کیا، اور اُسے نکالا عدم سے وجود میں اور تاریکیوں سے نور میں، اور علم میں جو راسخ ہیں اور کامل ہیں معرفت میں جو عروہ وثقیٰ کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ اور مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اللہ کی قوی اور مضبوط رسّی کو، اور وہ منسوب ہیں بلند محکم نسبت کے سلسلے کے ساتھ اور یہ چمٹنے والے ہیں اس مضبوط رسی کے ساتھ کہ جس کے لیے ٹوٹنا نہیں ہے۔ اور برابر رہتا ہے ان کا تھامنا اس کے ساتھ اور کہتے ہیں باطنی اور ظاہری زبان سے ہم ایمان لے آئے اس پر۔ اللہ تعالیٰ تونے اسے باطل پیدا نہیں کیا، سب کچھ اسی کی جناب سے ہے۔ اور سب کچھ جامع اور بلند مرتبہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر وہ چاہتا تمھیں ایک ہی اُمت بنا دیتا مگر تم نے اختلاف کیا بعض ساری صورتوں اور زنگارنگ معانی اور مختلف عقائد میں اور بہت سارے حالات میں اسمائے متقابلہ کے تقاضے کے تحت جو ثابت ہیں اللہ سبحانہ کے لیے۔ پس وہ لوگ جنھیں اللہ دیتا ہے حکمت الٰہیہ جانتے ہیں کہ اس وجود کے اسی ظہور میں کلی حیثیت سے خیر کثیر ہے۔ اور اگرچہ بعض وجود جزوی طور پر شر نسبتی ہیں بعض کی نسبت کے ساتھ یہاں تک یہ علمائے راسخ اور مقرب عارف ہیں وہ سبقت لے جاتے ہیں بھلائی میں اور مشاہدہ کرتے ہیں آیات کا اور خلق کے آئینوں میں نہیں دیکھتے مگر اسی کا جمال اور مصنوعات کے عجائب میں نہیں دیکھتے مگر اسی کا کمال اور بلاتے ہیں خلائق کو رات اور دن اس کی جناب میں ظاہراً اقوال و اعمال

Marfat.com

کے لحاظ سے اور باطناً جذب اور حال کے لحاظ سے، اس کے ساتھ کہ وہ جانتے ہیں کہ عوام معذور ہیں اس چیز میں جو ثابت ہے ان کے ہاں معتقدات میں سے اور ان کے لیے برابر ہے ڈرانا اور بشارت دینا اور اللہ سبحانہٗ اُنھیں ڈھیل دیتا ہے ان کی سرکشی میں۔ کیونکہ سارے ارادے نکلتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور نہیں کوئی چوپایہ زمین میں جو رینگتا ہے اس کے اوپر، نہ چلنے والوں میں سے جو چلتا ہے راستے کے بازاروں میں سے مگر یہ کہ اللہ اُسے پکڑنے والا ہے اُس کی پیشانی کے بالوں سے مضبوطی کے ساتھ۔ بیشک میرا ہدایت دینے والا رب وہ ہے جو کہ صراطِ مستقیم پہ ہے۔ اس نے پکڑا مجھے میری پیشانی کے بالوں سے اور کھینچا صراطِ مستقیم پر جو کہ طریق محمدیؐ اور سلوکِ نبویؐ ہے۔ اور میں اس سیدھے راستے پر ہوں اللہ علیم کی ہدایت کے ساتھ اور اُس کے رسولؐ کی عنایت کے ساتھ۔ پس وہ شخص جو اپنے اوندھے مُنہ چلا جا رہا ہے زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو چلتا ہے سیدھا صراطِ مستقیم پر۔ اور نہیں نصیحت حاصل کرتا اس میں سے جس میں سے ہم ذکر کرتے ہیں۔ مگر عقل والے لوگ ہی نیک بختوں میں سے اور ہدایت والوں میں سے وہ لوگ جنھیں خدا نے حقیقت حال کی ہدایت دی ہے اور دُور کر دیا ان سے پردہ اور دکھایا انھیں سیدھا راستہ اور اعتدال کا راستہ، اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر شک اور تردّد کی کجی سے اس کے بعد کہ تو نے ہدایت دی ہمیں ایمان و اطمینان کی اور عطا کر ہمیں خاص عطیے کے ساتھ اپنی جناب سے رحمت جو سبب ہو ہماری فلاح و بہبود کا دُنیا و آخرت میں۔ بیشک تو وہّاب ہے اور عطا کیا ہے تو نے جسے چاہا ہے اپنے مخلص بندوں میں سے۔ اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ حاصل کلام یہ ہے کہ جب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ یہ سب کارخانۂ قدرت جو معلوم و مشہود ہے علم ہی سے متعلق ہے اور علم ہی سے ظاہر ہوا اور اسی سے عالمِ شہادت میں آیا۔ پس چاہیے کہ مسلسل ذکر اذکار، اور اوراد و وظائف اور مراقبوں سے اپنی قوتِ ادراک کی تختی کو جو بچپن سے ان کثیر التعداد صورتوں سے نقش پذیر ہے۔ ان تمام دنیوی صورتوں کے نقشوں سے پاک کر جو وہاں جاگزیں ہیں۔ اور ان خیالات کو اپنے دل سے نکال دے۔ اور دائمی طور پر ہمہ تن حضوری و مشاہدۂ حق میں مصروف ہو کر وہ استغراقی حالت پیدا کر جسے نقشبندی سلسلے کی اصطلاح میں جذب کہتے ہیں۔ اور جس وقت بشری تقاضے میں

Marfat.com

ذرا افاقہ ہو اور طبیعت ہوش کی طرف مائل ہو تو چاہیے کہ اس افاقے اور ہشیاری کو بھی اللہ ہی کی طرف سے سمجھے اور اپنے اور ہر موجود کے علم کو اسی کے علم کے ظہور کا مقام سمجھے۔ کیونکہ یہ سب چھوٹے موٹے علوم اسی جل جلالہٗ کے علم کے بحرِ بیکراں کے قطرات ہیں۔ اس کے سوا کسی اور کو حقیقتاً عالم نہ سمجھو۔ اور کسی جگہ بھی اس کے علم کے ادراک سے غافل نہ رہو۔ اپنے علم کو اس کے علم میں گم کر دو۔ اور خودی و انانیت کے جال سے رہا ہو جاؤ۔ اور مظاہر سے ظاہر کی طرف مائل ہو۔ اور اپنے آپ کو اور سارے عالم کو اس کے مشاہدے میں گم کر دو۔ پس ہمیں سکھایا اس نے جو اپنے قدیم علم کے مظہر کی تجدید کرنے والا ہے۔ جس نے احاطہ کر لیا ہے ہر چیز کا ہر صاحبِ علم کے اوپر ایک اور علیم ہے۔ اور نہیں ہے کسی کے لیے علم میں سے کچھ بھی سوائے اس کے جو اُسے سکھایا اللہ نے اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاتے ہو۔ رباعی:

در بحرِ تو ای حباب گم خواہی شد
در باد تو ای سحاب گم خواہی شد
اندک ای ذرّہ سعیٔ دیگر کا آخر
در پرتوِ آفتاب گم خواہی شد

ترجمہ رباعی: اے بُلبلے تو سمندر میں گم ہو جائے گا اور اے بادل تو ہوا میں اُڑ جائے گا۔ اے ذرّے تھوڑی سی سعی اور کر کہ آخر کار تو آفتابِ عالمتاب کے عکس میں گم ہو جائے گا۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) بحر سے مُراد مرتبۂ وجودِ حقیقی ہے۔ اور حباب سے اعتباری موجودات اور باد سے مُراد نفس رحمانی جو حق تعالیٰ نے اپنی وسیع رحمت کے تقاضے کے طور پر تمام اشیا پہ پھونک رکھا ہے۔ سحاب سے مراد حادثِ کائنات اور ذرّہ سے مُراد سالک کا وجود۔ اور سعی سے مراد راہِ سلوک میں جدوجہد اور لفظ آخر سے مراد انتہا اور عاقبت الامر ہے۔ اور پرتو سے مُراد نورِ شہود ہے، اور آفتاب سے مقصود ذاتِ حق تعالیٰ اور گم گشتن سے مراد ہلاک ہونا۔ حاصل مطلب یہ کہ اعتباری وجود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ کہ جس طرح اس اعتباری موجودات نے وجودِ حقیقی کے مرتبے کے سمندر سے بلبلوں کی طرح سر اُٹھایا ہے اور نمودار ہوئے ہیں پھر اسی بحرِ بیکراں میں گم اور ہلاک

Marfat.com

ہوجائیں گے۔ کیونکہ اس آیت کریمہ کے بموجب ہر چیز فنا ہوجانے والی ہے، بقا فقط اسی صاحبِ جلال واکرام کو حاصل ہے۔ اور نفس رحمانی کے جھونکوں سے جو حق تعالیٰ کی وسیع رحمت کے تقاضے کے طور پر تمام حقائق موجودہ پہ چل رہے ہیں۔ یہ حادث کائنات کے چھانے جانے کے بعد ناپید ہوجائیں گے۔ پس اللہ کی راہ پہ چلنے پہ سالک سے کہا گیا ہے کہ اس راہِ سلوک میں تھوڑی بہت سعی وجدوجہد کر اور کوشش کر تا کہ یہ حقیقت حق الیقین کی صورت میں تجھ پہ روشن ہوجائے کیونکہ سلوک کی آخری منازل پہ آخر کار تو مشاہدہ ذاتِ حق سے مکمل طور پر محو ومستغرق ہوجائے گا۔ جس طرح ذرّہ آفتاب کے نور میں گم ہوجاتا ہے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور سے ہدایت بخشتا ہے۔

Marfat.com

ھُوَالنَّاصِر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جس نے کلام کیا ہم سے کلمۂ حق کے ساتھ اور سکھایا ہمیں ہر معاملے میں زیادہ مبنی بر حق چیز اور درود و سلام ہو اس کے رسولؐ پر جو سچے اور سب سے سچے ہیں۔ اور آپؐ کی آلؓ اور اصحابؓ جو خیر مطلق والے ہیں۔ اما بعد پس یہ ستانواں باب ہے جو کہ کلمۃ الحق سے موسوم ہے حق اور حق ہی میں کہتا ہوں، پس اسے سنو اور اُس کی پیروی کرو اور کہو اے ہمارے رب ہمیں دکھا حق جیسے کہ وہ تو نے ہمیں سنایا۔ اور ہمیں عطا فرما اس پر عمل کی توفیق اور بنا ہمیں حق ظاہراً اور باطناً اور نہ بنا ہمیں باطل اور جاہل اور دُور کر دے ہم سے ہمارا پردہ اور ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر ایمان اور عرفان کی ہدایت دینے کے بعد عطا کر ہمیں اپنی جناب سے خاص رحمت جو معاش اور معاد میں ہمارے احوال کو درست کرنے والی ہو۔ اور ہمیں رسوا نہ کر قیامت کے دن اور عطا کر ہمیں جو تم نے اپنے رسولؐ کے واسطے سے ہم سے وعدہ کیا ہے، اور مشرف کر ہمیں حُسنِ قبول سے، اور بنا ہمیں اُن میں سے جو ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے، اور وہ فلاح پانے والے ہیں۔ اور داخل کر ہمیں خالص محمدیوں میں جو ایمان رکھتے ہیں غیب پر اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے اُنھیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور آخرت پہ یقین رکھتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں اللہ کا کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے اور غور و فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین

Marfat.com

کی تخلیق میں، اور تیری آیات کو دیکھتے ہیں آفاق میں اور اپنے نفسوں میں اور نہیں دیکھتے جس چیز میں بھی وہ دیکھتے ہیں مگر حق ۔ بلکہ اُس حق ہی سے وہ دیکھتے ہیں اور اُسی سے سنتے ہیں اور جدھر کو منہ موڑتے ہیں تو پا لیتے ہیں اللہ کے چہرے کو۔ اور تو نے اُنھیں بنایا اپنے بندے وہ کہ نہیں ہے شیطان کو ان پہ کچھ بھی غلبہ، اور وہ تیرے بندوں میں سے ہیں جنھیں تو نے دی ہے دُنیا میں بھی نیکی اور آخرت میں بھی نیکی اور تو مخصوص کرتا ہے جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ اور بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے ۔ اور سارے معاملات تیری طرف ہی لوٹتے ہیں اور تیری طرف ہی ٹھکانہ ہے ۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے اور نہیں ہے کوئی طاقت یا قوت مگر تیرے ہی ساتھ اور تو بلند اور عظمت والا ہے ۔

اس امر کی خبر کہ ہر موجود وسعتِ الٰہیہ کا مظہر ہے اور ہر ذرہ لاانتہا ہی قسموں میں تقسیم کے قابل ہے اور اس بیان کا باب کہ آزادی اعتبار کے لیے گرفتاری اور پھندا ہے اور شہرت کے لیے خلوت اک خام خیالی

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ تمام امکانی قسم کے وقائع اور آسان و بے وقار حرکات جو اکثر و بیشتر نا تربیت اور پست ہمت نظر آنے والے اسیر اختیار کرتے ہیں محض نفس کا اک فریب ہے جو فریب وہ خود بھی کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی دیتے ہیں ۔ اور احمقوں، جاہلوں، رذیلوں اور کمینوں کی نظر میں بے اعتباری کے ان امور میں معتبری کا ڈھونگ رچاتے ہیں ۔ اور نفس و طبیعت کی اس گرفتاری کو آزادی کا نام دیتے ہیں اور خلقِ خدا کو دھوکا دیتے ہیں ۔ اور یہ دغاباز کتر نا تراش ریاکار زاہدوں سے بھی بدتر ہیں ۔ کیونکہ وہ قابلِ ستائش عملوں والے اگرچہ ریاکاری کی وجہ سے اپنی ساری نیکیوں کو ضائع کر بیٹھے ہیں ۔ لیکن پھر ریاضت اور مجاہدے میں لگ جاتے ہیں اور قابلِ نفرت اور بُرے امور کے مرتکب نہیں ہوتے ۔ اور انہی نیک اعمال کو خلقت کی نگاہ میں اچھا اور بُرے اعمال کو بُرا ظاہر کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان لوگوں کی ریا کی اس تھوڑی سی آمیزش کو ان کے اعمال سے دُور کر کے اسے کھرا سونا بنا دے اور مخلصین کے مرتبے تک پہنچا دے ۔ برعکس ان بدباطنوں کے جو

Marfat.com

ہر چند کہ دن رات نفس و طبیعت کی پیروی میں مستغرق رہتے ہیں اور ہوا و ہوس کی اطاعت کرتے ہیں اور اکابر و مشائخ کے جملہ نیک اعمال اور افعال کو اک جال اور پھندا سمجھتے اور دوسروں کو سمجھاتے ہیں۔ ایک چال انھوں نے چلی اور ایک تدبیر اللہ نے کی۔ بیشک اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ اس فاسد کیفیت کی ان نا اہلوں کے باطنوں میں ظہور کی کئی وجوہات ہیں لیکن کلی طور پر یہ چند امور ہیں مثلاً جہالت، حماقت، سرکشی، خود رائی، ایمانی کمزوری، اپنے عرفان اور معرفت کا وہم و غلط گمان اور انس و محبت کا نہ ہونا۔ ادنی پن، سہل انگاری، کسی مرشد کامل کی صحبت میں نہ پہنچنا اور باطل پرست ملحدوں سے میل جول، خود بینی و نا سعادتمندی، نا تجربہ کاری و نا اہلیت و نابکاری وغیرہ وغیرہ۔ ایسے لوگوں کا اٹھنا بیٹھنا عموماً یا تو دکانوں اور بازاروں میں ہوتا ہے اور یا بے بند و بار فقیروں کے تکیوں پر یا ہندوؤں کے محلوں، یا امیروں کے گھروں اور گانے بجانے والوں کے بسیروں میں ہوتا ہے اور ان کے ہم صحبت بدچلن جوانوں کی من مانی کرنے والی عورتیں جاہل پاجی اور غافل بازاری لوگ اور فضول اور لغو گزر بسر کرنے والے متصوفین یا ٹکر گدا ملحد ہوتے ہیں اور ان کا وطیرہ و شعار خود غرضی، قالو طلبی، تن آسانی، چٹکلے سننا سنانا۔ اور وضع ان کی بے وقار، بے وزن اور خلاف شرع ہوتی ہے۔ اور مزاج ان کا وہمی، شوخ اور نڈر و بیباک ہوتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ وہ خلوت نشینی جو بعض بے حقیقت سخت جان، انس و محبت سے عاری لوگ چلہ کشی اختیار کرتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد سستی شہرت کا حاصل کرنا اور اپنی دکانداری کو چمکانا ہوتا ہے۔ جیسے کہ داناؤں نے کہا ہے کہ ؎ اگر شہرت ہوس داری اسیر دامِ عزلت شو۔ (اگر تمھیں شہرت اور ناموری کی حرص ہو تو کنج عزلت کے جال میں پھنس جا) یعنی خلوت نشینی اور گوشہ گیری اختیار کر لے کیونکہ یہ گوشہ گیری ہی عنقا کے نام کو پر پرواز بخشتی ہے۔ یہ ان کے خام خیال ہیں اور خیالی پلاؤ ہیں جو وہ پکاتے ہیں۔ اور وہ محض وہم و ظن و گمان کی راہ پر چل رہے ہیں۔ کیونکہ یہ کیا ضروری ہے کہ ہر گوشہ تنہائی میں بیٹھنے والا چلہ کش خواہ مخواہ دنیا میں مشہور اور مرجع خلائق بن جائے۔ کیونکہ بزرگی اور مشیخت کے کتنے ہی نام نہاد طالب اور احمق و ہونق قسم کے شہرت کے متوالے ساری عمر انہی باطل افکار میں گم اور پریشان و سرگرداں رہے مگر پھر بھی آخر کار نامراد ہی رہے اور چل بسے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی کہ وہ کہاں تھے اور کب مرے۔ اس کے ساتھ ہی فرض کر لو کہ اگر یہ مدعا حاصل ہو بھی جائے اور وہ شہرت

Marfat.com

اور بزرگی حاصل کریں۔ پھر بھی کیا فائدہ، کیونکہ یہ تو محض خیالِ باطل اور غلط فہمی کے سوا اور کچھ نہیں۔ مصنف کے دو اشعار ہیں۔ ؎

بسا نامور کا ندریں تیرہ خاک
چناں گم نمودست دورِ زماں
کہ اصلا از ایشاں بروی زمین
نماندست نام و نہ باقی نشان

(کتنے ہی نامور ہو گزرے ہیں جو اس تیرہ و تاریک خاکدان میں یوں گم ہو گئے کہ روئے زمین پر ان کا قطعاً کوئی نام و نشان تک نہ رہ گیا۔ لیکن ایسے فاسد خیالات اکثر و بیشتر معرفت سے عاری جاہلوں، بے حقیقت کمینوں، کم عقل، گرسنہ چشموں (ندیدوں) ریاکار دھوکے بازوں اور سخت کوش بے دینوں اور گرم جوش بے محبت انسانوں کے دلوں میں موجود ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا رہن سہن اکثر خانقاہوں، مسجدوں، مدرسوں، بزرگوں کے مقبروں اور اس قسم کے دیگر مشہور و معروف مقامات پر ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے خود دیکھا ہے بہت سے شہرت طلب عزیزوں نے جامع مسجد شاہجہاں آباد اور بعض اکابر دین اور بزرگوں کی درگاہوں میں بود و باش کے باعث تھوڑے سے ہی عرصے میں شہر میں شہرت حاصل کر لی اور اپنے مطالب و مدعا حاصل ہو جانے کے بعد نقل مکانی کر کے کہیں اور جگہ اُٹھ گئے۔
بہر حال اس فاسد خیال کو انجام دینے کا قصد وبال ہی کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن اگر خود بخود اتفاقاً ہی اس فاسد اور ہیچ و پوچ خیال کے بغیر یا دیگر نیک وجوہ کی بنا پر ایسے عالی اور متبرک مقامات پہ بود و باش میسر آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بہت بہتر اور مناسب ہے۔ کیونکہ تمام اعمال کا انحصار تو نیتوں پر ہے۔ اور ہم نے ایسا ہوتے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ بعض اکابر دین نے اسی قسم کے مقامات پر سکونت اختیار کر رکھی تھی اور اُن کے مقدس باطنوں میں ایسے فاسد خیالات کا کوئی احتمال تک نہ تھا بلکہ ان کی یہ سکونت زیادہ فراغت اور باطنی نسبت و طمانیتِ قلب کے لیے تھی۔ کیونکہ کسی مقام کی موزونیت اس کی پاکیزگی و صفائی و تقدس باطنی سکون کے لیے بڑا عمل دخل رکھتی ہے اسی لیے تو پاک جگہ اور پاک لباس نماز کی شرائط میں سے ہے۔ بہر حال وہ دونوں ہیچ و لغو امور جو

Marfat.com

مشیخت طلبی اور آزاد نمائی ہیں بیکار آدمیوں کا کام ہے۔ اور وہ دونوں لغو عمل کہ حد سے زیادہ گوشہ نشینی اور صحبت داری فضول آدمیوں کا شعار ہے۔ اور قابلِ ستائش اور سود مند فقط اسی قدر صحبت داری اور خلوت نشینی ہے جو معتدل ہو اور شریعتِ مصطفوی اور طریق محمدیؐ کے موافق ہو۔ یقیناً جمعہ اور نمازِ باجماعت میں ضرور حاضر ہونا چاہیے اور ضرورت کے مطابق اہلِ حق کے ساتھ صحبت بھی رکھنی چاہیے۔ اور ضروری مجالس بھی منعقد کرنی چاہئیں اور تعلیم و تعلّم اور رشد و ہدایت کی محافل بھی عوام الناس کی بھلائی اور ان کے نفع کے لیے قائم کرنی چاہئیں اور اپنے اوقات کو ضائع نہ کرنا چاہیے اور ضروری گوشہ نشینی و تنہائی بھی لازماً اختیار کرنی چاہیے۔ اور کسی الگ مکان میں تنہا بیٹھ کر یادِ خدا میں مشغول رہنا چاہیے اور مذکورہ بالا ضرورتوں سے زائد اور بے فائدہ صحبتیں اختیار نہ کرنی چاہئیں اور ہوسکے اور اگر میسّر آسکے تو رمضان کے مبارک مہینے میں ضرور کسی مسجد میں اعتکاف میں بیٹھنا چاہیے۔ اور اس قسم کی ضروری اور لازمی صحبت اختیار کرنی چاہیے اور سوچ سمجھ کر نیک نیتی سے اوقات بسر کرتے چاہئیں۔ اور اس چند روزہ زندگی کو ایسے کاموں میں صرف کرنا چاہیے جو آخرت کی ابدی زندگی میں خیر و برکت کا موجب ہوں۔ اور دُنیاوی موجودات میں سے کسی ایک کو آنکھ سے اوجھل نہ سمجھنا چاہیے بلکہ ہر حقیر سے حقیر امکانی وجود میں بھی اسی کی وسیع رحمانی رحمت کا مشاہدہ کرنا چاہیے اور چھوٹے سے چھوٹے جسمانی عضو میں جو بے انتہا قسموں میں منقسم ہونے کے قابل ہے اس سبحانہٗ تعالیٰ کی لاانتہاہی قدرت کا معائنہ و مشاہدہ کرنا چاہیے۔ ہمیشہ حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے مشاہدے میں محو و مستغرق ہو کر اپنے آپ کو بیچ میں سے نکال دینا چاہیے اور اپنے دل سے اپنے نام و نشان کی ڈور کو کاٹ دینا چاہیے۔ نام اسی عزّوجل کا نام ہے جو ہر خاص و عام کی زبان پر جاری ہے۔ بلکہ نہیں ہے کوئی چیز مگر اس کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔ نشان بھی اسی جل شانہٗ کا نشان ہے جو بے نشان ہوتے ہوئے بھی ہر جگہ طاری و ساری ہے۔ تم جدھر بھی رُخ کرو اُدھر ہی اس کے چہرے کو پاؤ گے۔ ہم موہوم ممکنات اپنی ہستیٔ موہومہ کے متعلق جو خیال بھی اپنے دل میں لاتے ہیں وہ محض خام خیالی ہوتی ہے۔ اپنے لیے بندگی کے لوازم میں سے آزادی کا جو نقش بھی دل میں بٹھائیں وہ اک جال ہے۔ ہم سب ممکنہ مفہومات کا نشان بھی عنقا کے نشان کا مقام ہے اگر جملہ موہومات کے معلوم نام چہ بجا مذکور بھی ہیں اور معروف بھی۔

Marfat.com

رباعی:

پختیم خیالِ خام پیدا کردیم
آزاد شدیم و دوام پیدا کردیم
یعنی ای دردؔ ہمچو عنقا از خلق
گم گردیدیم و نام پیدا کردیم

ترجمہ رباعی: ہم نے خام خیالی کر کے خیالی پلاؤ پکائے، آزاد ہوئے اور اپنے لیے جال بچھائے یعنی اے دردؔ ہم عنقا کی طرح خلقت کی نگاہوں سے گم ہو کر نام پیدا کیا۔ حاصل کلام یہ کہ ہم مویشیوں جیسے عوام نے جس باطل مقصد کو اپنے غفلت شعار دل میں جگہ دی اور جس فاسد مطلب کا بھی خیالی پلاؤ پکایا فی الحقیقت وہ اک خام خیال اور ناتمام ہوس ہے جو ہمارے اندر پیدا ہوئی ہے اور جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، نہ ہی وہ دل بستگی کے لائق اور نہ ہی شیفتہ و فریفتہ ہونے کے قابل ہے۔ اور ما سوی اللہ کی اس گرفتاری سے فنا و بقا کی نسبت کے حصول اور اللہ تعالیٰ کی قوی معیت میسّر ہوئے بغیر رہائی ممکن نہیں۔ اور نہ ہی نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر نفس و انانیت کا شائبہ تک بھی باقی رہ جائے تو اس صورت میں آزادانہ وضع قطع اور تارکانہ لباس بھی سوائے گرفتاری و مکاری کے اور کچھ نہیں۔ اور چلہ کشی اور خلوت نشینی بھی شہرت افزائی اور خود نمائی کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیونکہ عنقا کی طرح ان خلوت نشینوں کی ناپیدائی اور پوشیدگی زیادہ تر شہرت و ناموری کا موجب ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ سارا اپنا وہم و گمان ہی ہے اور موت کا معاملہ تو در پیش ہے ہی۔ اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ مقصود۔ حیف صد حیف اگر خلوت نشینی شہرت کے لیے اختیار کی جائے۔ اور اس بُری نیت کے ساتھ یہ ساری قید و حبس اختیار کیا جائے۔ تو محض اک وہم و گمان اور خام خیال ہے۔ حقیقت شناس پختہ دماغوں کو یہ عارضہ لاحق نہیں ہوتا۔ افسوس صد افسوس اگر بے تعینی اور آزاد منشی محض اعتبار کے لیے اختیار کی جائے اور اس فاسد ارادے کے ساتھ یہ ساری بے غیرتی قبول کی جائے جو محض گرفتاری اور اک پھندا ہے۔ غیرت مند شریف النفسوں کو بھی یہ عارضہ لاحق نہیں ہوتا۔ ہشیار و خبردار تاکہ نفس و طبیعت کا یہ فریب تمھیں ذلیل و خوار نہ کرے۔ نام و نشان کا یہ پھندا تمھیں رسوا نہ کرے۔ کہ عنقریب ہی عنقا کی طرح تو بھی لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جائے گا۔

Marfat.com

اور زمین تلے دفن ہو کر ناپید ہو جائے گا۔ پس گمنامی اور ناموری دونوں یکساں ہیں۔ ایسے موہوم امور میں پھنسنا وہم پر دلالت کرتا ہے۔ مرنے کے بعد یہ فانی امور اور دنیوی وہم و گمان تیرے کسی کام نہ آئیں گے۔ اور اس امر کی لذت و مزہ کہ تیرا نام بھی دوسرے مشہور اور نامور آدمیوں کی طرح تیرے بعد قائم رہے گا اور ان کی طرح تو مدتوں دُنیا میں مشہور و معروف رہے گا، آج تو تجھے اپنے خیال میں حاصل ہے اور زندگی میں تجھے اس کا تصور ہے۔ کل اس بات کا کوئی نام و نشان نہ ہو گا کہ تو اس سے لذت حاصل کر سکے۔ اور نہ اس دُنیا کی کوئی خبر ہو گی تاکہ اس کی شہرت سے تو محظوظ ہو سکے۔ اے غافل ہمیشہ اپنی فنا کو پیشِ نظر رکھ، اپنے آپ کی خواہ مخواہ تراش خراش نہ کر، نہ ہی ایسے خیالات کے ناخنوں سے اپنے دل کو چھیل۔ باطن کے صاف و شفاف پانی کو وہم و گمان کے گرد و غبار پر چھڑک تاکہ تیرے دل کا صحن مکمل طور پر صاف اور بے کدورت ہو جائے۔ اور ہوا و ہوس کا گرد باد سر نہ اٹھائے۔ اور اللہ تعالیٰ تجھے اپنی بے انتہا عنایت اور بے وجہ رحمت سے شرفِ قبولیت بخشے۔ اور رسولِ مقبول علیہ السلام کے صدقے (ان پر درود و سلام) تیری آنکھ کو مازاغ البصر (نگاہ نہ چندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی) کا سرمہ لگا دے اور اللہ کے مقبول بندوں کی ارواح جلیلہ اور فرشتوں کی مدد آن پہنچے۔ اور اللہ کے یہ برگزیدہ اور مقرب بندے اپنے صیقل سے ماسوی اللہ کی ہستی کا زنگ تیرے دل سے اُتار دیں اور اُسے سراپا دیکھنے کے لائق بنا دیں۔ اور تجھ پہ مشاہدۂ ذاتِ حق کا دروازہ کھول دیں اور تجھے ہمہ تن حق تعالیٰ میں جذب کر دیں۔ تاکہ اس باغ میں جسے گلشن عالم کہتے ہیں تو جدھر بھی دیکھے اور جدھر کو نگاہ اُٹھائے اس ہمیشہ باقی رہنے والے چہرے ہی کے پھول چنے اور شہود حق کے ثمر کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ لگے۔ اگر تو مائل بہ پستی ہو کر سجدہ کرے یعنی طبیعی مادیات کی جانب مائل ہو اور اُدھر توجہ مبذول کرے تو بھی تو سُبحان ربی الاعلیٰ ہی کا نغمہ الاپے اور عین تنزول میں عروج حاصل کرے۔ اور اگر بلندی کی طرف قیام میں آؤ یعنی مفردات عالیہ کی طرف نگاہ دوڑاؤ تو سر اُٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کے کلمات زبان سے ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ کی اسی عظمت و لطافت کا مشاہدہ کرو اور یہ دریافت کر لو کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ اور سارے زمین و آسمان ہی کی تجلّیات کے آئینے ہیں اور وہ حق تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ وہی آسمانوں کا معبود ہے اور وہی زمین کا معبود ہے اور اس کے سوا کوئی حاکم نہیں اور یہ سمجھ رکھو کہ جو کچھ بھی ہے اسی سے ہے۔ اور گلشن عالم

Marfat.com

کا یہ شجر اسی کے وجود کی آبیاری سے سرسبز و شاداب ہے ۔ خواہ مغز ہو خواہ چھلکا ۔ ٹہنی ہوں یا پتے اسی ایک ندی سے سیراب و شاداب ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی ہی ہر سمت تمھارے روبرو ہوگی ۔ اور اس تمام گلشنِ عالم میں ایک ہی جلوے اور بہار کے سوا کچھ بھی نظر نہ آئے گا ۔ پورے عجز وانکسار سے راہ طے کرتے ہوئے کہو کہ ہر جگہ حق ہی حق موجود ہے ۔ کسی چیز کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا کوتاہ بینی کی وجہ سے ہے ۔ حقیقت شناس دوربین لوگ کسی موجود کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں پاتے اور خدائی نشانیوں کو معمولی سمجھنا لادینی کی وجہ سے ہے ۔ راسخ العقیدہ صاحبِ یقین لوگ کسی مخلوق کو بھی باطل اور بے فائدہ نہیں جانتے ، اور اگر کوتاہ بینی کا یہ مرض جاتا رہے ، ―――――― اور لادینی کا پردہ اُٹھ جائے اور حقیقت نظر آنے لگے ۔ معرفت کے پردے کُھل جائیں تو تم سمجھ لوگے کہ ہر ذرّہ لامتناہی قسموں میں منقسم ہونے کے قابل ہے ۔ جیسے کہ حکما نے اس کی وضاحت کی ہے ۔ اور وسعتِ خداوندی کا مظہر ہے جیسے کہ صوفیا نے اس راز کا انکشاف کیا ہے ۔ اور درحقیقت ہے بھی ایسے ہی کہ باطنی کشادگی میسر آجائے تو ہر گوشہ اک وسیع میدان ہے اور قدرت کا ہاتھ کُھل جائے تو ہر حلقہ اک کمان ہے ۔ پس یہ مختصر سا رسالہ جو مجمل عبارت کا حامل ہے ۔ اور مجھ احقر العباد کا یہ کلام بھی اک افسردہ دل کی ٹھنڈی آہ ہے ۔ اور اک دردناک دل کا درد بھرا نالہ ہے ۔ اسے سرسری طور پر نہ پڑھنا اور نہ بیدردی سے اس پر نگاہ ڈالنا ان قلیل الفاظ کو کثیر معانی سے پُر سمجھنا اور غور و خوض کے بغیر مطالعہ نہ کرنا ۔ تھوڑی چیز بڑی چیز پر دلالت کرتی ہے ، اگر تو صاحبِ نظر ہو ۔ اور قطرہ سمندر کی اور تالاب کی خبر دیتا ہے ۔ اگر تو صاحبِ بصیرت ہو ۔ رباعی :

ہر گوشہ صدای صد بیابان دارد
ہر غنچہ بمشت خود گلستان دارد
گر عقدہ خاطرت کشاید بینی
ہر قطرہ بجیب خویش طوفان دارد

ترجمہ رباعی : ہر گوشہ سینکڑوں بیابانوں کی صدا رکھتا ہے ۔ ہر غنچہ اپنی مٹھی میں گلستان رکھتا ہے ۔ اگر تیرے دل کا عقدہ کُھل جائے تو تو دیکھ لے گا کہ ہر قطرہ اپنی جیب میں ایک طوفان

Marfat.com

رکھتا ہے، یعنی ہر تقییدی نسب کا گوشہ اپنی اصل میں کتنے ہی اطاقوں، نسبتوں کے بیابان رکھتا ہے۔ لیکن حقیقت بین آنکھ درکار ہے۔ اور ہر جزئی مفہومات کا ہر غنچہ اپنی حقیقت میں کلی معانی کا گلزار رکھتا ہے۔ لیکن پھول چننے والا ہاتھ چاہیے۔ پس اہلِ غفلت وجہالت کی اسی دلی بندش نے ان کے باطن میں کشودگی میں گرہ ڈال رکھی ہے۔ اگر یہ گرہ کھُل جائے اور انشراح صدر رونما ہوجائے تو یہ بات روشن ہوجائے گی کہ اعتباری موجودات کا ہر قطرہ پردۂ تعین میں اپنے لا اعتبار اور لاتعین کے مرتبے میں اک طوفان رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء پر محیط ہے۔

Marfat.com

هُوَالنَّاصِرُ

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے کہ نہیں دیتا کسی کو علم میں سے مگر تھوڑا ، اور بنایا ہر ایک کے لیے طریقہ اور راستہ ، اور درود و سلام اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہیں بھیجا اُس نے رحمت بنا کر لوگوں کے لیے اور ان پہ حجت اور دلیل اور آپ ؐ کی آل رضؓ اور آپ ؐ کے اصحاب رضؓ پر جنھوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا وکیل نہیں بنایا ۔ اما بعد پس یہ اٹھانواں (۹۸) باب ہے جو برہان ایمان کے نام سے موسوم ہے ۔ جان لے اللہ تجھے نیک بخت بنائے اور تجھے مومنوں اور خالص محمدیوں میں سے بنائے جنھوں نے کہ اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر دیا کہ اللہ سبحانہٗ نے بنایا محمدیت کے ائمہ کے نفوس کو ایمان کی دلیلیں اور اُس کے شواہد ۔ پس جس نے دیکھا ان کے جمال کو عقیدے کی نگاہ سے گویا کہ اُس نے حق کو دیکھا ، اور ثابت ہو جاتی ہیں اس کے نزدیک تمام اُمور حقۂ دینیہ اور یقینی سچی خبریں جن کی خبر دی اللہ اور اُس کے رسول ؐ نے کہ ان کا ہم نشیں جو ہے اُسے بھی ناپسند نہیں کیا جاتا ۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اُس سے راضی ہوئے ۔ وہ اللہ کے ان بندوں میں سے ہیں جنھیں اللہ نے دُنیا و آخرت میں چُن لیا ۔ یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی ۔ پس ان کی ہدایت کی پیروی کرو ۔ پس یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ۔ اور جو کوئی ان کی باتیں سُنتا ہے اطاعت کے کان سے پس وہ ان سننے والوں میں سے ہیں جو بات کو سنتے ہیں ، اور اس میں سے

Marfat.com

اچھی کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی دعوت نہیں ہوتی مگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف کامل سچائی اور مکمل خلوص کے ساتھ، اور وہ خالص سچے ہوتے ہیں۔ اور اللہ نے اُنھیں دے رکھی ہے علم الکتاب وہ کہ جس میں باطل نہ سامنے سے آتا ہے اور نہ پیچھے سے آتا ہے، اور ان کے پاس کتاب ہے جو سچائی کے ساتھ بولتی ہے۔ اور وہ نہیں بولتے نفسانی خواہشات کے ساتھ اور وہ نہیں حکم دیتے سوائے اس کے جس کا حکم دیا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے ظاہری کلام اور باطنی الہام سے، اور ان کے لیے ہوتا ہے صحیح کشف جو کتاب و سنت کے مطابق ہوتا ہے۔ اور قدسی عقل جو حقیقت و شریعت کے موافق ہوتی ہے اور اُن کا راستہ طریقِ محمدی ﷺ ہے اور ان کا سلوک، سلوک دینی ہے اور ان سے معاملہ کیا گیا جو کچھ کہ اُن سے معاملہ کیا گیا، اور تم نہیں جانتے اور تم نہیں دیے گئے ان کے مقامات کے علم میں سے مگر تھوڑا اپنی استعدادوں کے مطابق اور اپنے باطن کی صفائی کے مطابق اور اللہ کے گنبدوں کے نیچے ہیں انھیں نہیں جانتا کوئی سوائے اللہ کے جیسا کہ چاہیے جس حالت میں وہ ہیں نفس الامر میں۔ اور ہاں عنقریب تم جان لوگے اگر اللہ نے چاہا تو قیامت کے دن۔ اور تم کیا جانو کہ یوم الدین کیا ہے وہ دن جس روز کہ پوشیدہ اسرار کی جانچ پڑتال ہوگی اور بادشاہی ہوگی اللہ واحد القہار کے لیے۔ اور اللہ بخشتا ہے جسے چاہتا ہے اور عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ یہی یوم حق ہے پس جو چاہے لے لے اپنے رب کی طرف راستہ۔

بندوں کے علم میں بشری طاقت کے مطابق بیان اور ان کے باہمی اختلاف اور حقیقتِ محمدیہ ﷺ کی جامعیت (ان سب پر درود و سلام) نیز اس امر کے بیان کا باب کہ یہی محمدیت اپنی شمولیت سے سب کو عذاب سے چھڑا لے گی اور آخر کار سب فرقوں کو خالص و مخلص محمدی بنالے گی

پس سمجھ لینا چاہیے کہ ہر صاحبِ علم کا علم اس کی اہلیت اور اُس کے مرتبے کے شایاں ہوتا ہے۔ مثلاً عقول و نفوس کو کلیات کا علم میسر ہے اور جزئیات کی ذاتوں کی وہ خبر نہیں رکھتے بغیر مادی آلات کے توسط کے۔ اور حیوانی نفوس کو جزئیات کا علم غیب ہے اور وہ کلیات کا ادراک نہیں کر سکتے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ تمام مفرد، مادی، کلی اور جزوی اشیا پہ محیط ہے۔ اس ذات پاک

Marfat.com

کو تمام چیزوں کی کلیات اور جزئیات کا علم حاصل ہے۔ وہ عالم ہے غیب و شہادت کا۔ اور نہیں ذرہ برابر اس سے پوشیدہ نہ زمین میں نہ آسمان میں اور وہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔ اور حضرت انسان جو تمام عالم اور سارے مفرد و مادی امور کا مجموعہ ہے، اس کا علم باقی تمام ممکنہ موجودات سے وسیع تر ہے۔ اور اللہ کے علم کے سوا اور کسی کا علم اس سے زیادہ وسیع اور فائق نہیں۔ لیکن تمام انسانی علم جو جامعہ انسانی کی وسیع حقیقت کے شایاں ہے بنی نوع انسان کے نصیب میں ہے۔ اور وہ علم اسی کلی معنی کو نصیب ہوا۔ اور نوع انسانی کا ہر فرد واحد اپنی عقل، فہم و فراست اور ذاتی استعداد کے مطابق کلی اضافی علوم کو اخذ کرتا ہے جو نوعِ انسانی کے علم مطلق کی نگاہ سے اس کلی علم کی جملہ جزئیات میں سے ہے۔ اور اپنی جزئی بشری طاقت کے مطابق ہر امر کی حقیقت کا ادراک کرتا ہے۔ اور ہر فرد کو اُن کے معانی میں ظاہری صورتوں کی طرح بہت سے باہمی اختلافات رونما ہوتے ہیں اور پھر ہر فرقے کی استعداد کے مطابق وہ گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ اور پھر ایک ملت اور دین میں۔ اگرچہ معانی میں وہ ملت شریک ہوتی ہے لیکن اپنی استعداد کی کثیر التعداد صورتوں کے مطابق بہت سی صنفوں میں بٹ کر اپنے رنگوں کی مناسبت سے رومی یا حبشی بن جاتے ہیں اور وہ معنی اپنی ملت کی نوعیت کو اپنے ظاہری رنگ میں رنگ کر اضافی قیود کا مقید بنا کر اُنھیں اپنی وحدت کے حال پر قائم نہیں رہنے دیتے۔ اور نفسانی آمیزشوں کی ملاوٹ سے اُنھیں متفرق بنا دیتے ہیں اور وہی واحد فرقہ جو صاحب ملّت کے حضور میں سب کے سب ایک ہی طریق پر تھے ویسے نہیں رہتا۔ چونکہ نوعی حقیقت کو ہر زمانے میں کسی فرد کامل کے ظہور کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس نوع کا کمال باقی رہے۔ پس ہر عصر میں اس اُمّتِ مرحومہ محمدیہ میں اولیائے کرام پیدا ہوتے رہے جنھوں نے اس دین مبین کا احیا کیا اور اس کی تجدید کی۔ اور آخر کار جب اس ملّت کا آفتاب عروج کے نصف النہار پہ پہنچا اور محمدی دین چاشت گاہ پر پہنچ کر پوری تقویت پکڑ گیا اور امیر المحمدین کے وجود مبارک کو منوّر کیا اور خالص محمدیت کا ظہور درجۂ کمال کو پہنچ گیا، اور یہی نجات پانے والا واحد فرقہ جو خالص محمدیوں کا ہے سراسر اس اصلی نسبت سے پُر ہے جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پُر نور میں تھی۔ اور اول المحمدین اس خالص اور خاص نسبت کا دروازہ اور مکمل کلمات کا وہ مُصنّف اک دار العلوم ہے جیسے شہر علم کے دروازے کی دہلیز اور محمدی بارگاہ کا آستانہ کہا جا سکتا ہے۔ بقولِ شیخ سعدی۔ ؎

Marfat.com

۵ عزیزی کہ از درگہش سر تبافت
بہر درکہ شد ہیچ عزت نیافت

(جس کسی نے اس کی درگاہِ معلیٰ سے منہ موڑا وہ جس کسی دروازے پر بھی گیا کہیں عزت نہ پائی)۔ ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے بنایا خالص محمدیوں کو بہترین اُمت جو نکالی گئی ہے رحمتوں کے لیے اور وہ ایسی اُمت ہے جو بلاتی ہے بھلائی کی طرف جو خالص محمدیت ہے۔ حکم دیتے ہیں نیکی کا جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور روکتے ہیں ناپسندیدہ باتوں سے جس سے روکا ہے شرع نے۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ اے لوگو! نہ ہوجاؤ ان لوگوں کی طرح جو اللہ کے دین کے معاملے میں تفرقے میں پڑ گئے۔ وہ اللہ کہ جس کے لیے دین خالص ہے اور وہ ہو گئے تہتر (۷۳) فرقے اور جو اختلاف میں پڑ گئے۔ نئے نئے کثیر اختلافات میں کھلی کھلی آیات اور ظاہر دلیلوں کے ساتھ بیّنات اور شواہد کے بعد۔ نبی کریمؐ اور ان کے تابعین کے زمانے میں جو خالص محمدیوں سے ہیں۔ جو کہ ایک ہی نجات پانے والا فرقہ ہے۔ اور انکار کرنے والے یہ بات نہیں جانتے ہاں البتہ یہ جان لیں گے اگر خدا نے چاہا تو اس دن جب کہ کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ۔ پس وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے باطل فرقوں میں سے، ان سے کہا جائے گا کہ کیا تم لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا تھا اور روگردانی کی تھی خالص محمدیت سے جو کہ طریقۂ حقہ ہے۔ پس چکھو عذاب اس کے بدلے میں جو تم کفر کرتے تھے دنیا میں اپنی انانیت کے گمراہ کرنے کی وجہ سے، پس وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوں گے اللہ کی عنایت سے خالص محمدیوں سے وہ لوگ جو اس پر ہیں جس پر اللہ کے رسولؐ اور اُسؐ کی آلؓ اور آپؐ کے اصحابؓ۔ پس وہ اللہ کی رحمت میں ہیں۔ اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، پس اس کتاب کے دیکھنے والے یہ ہیں اللہ کی نشانیاں جو ہم تم پر پڑھتے ہیں حق کے ساتھ، اور ہم نہیں کہتے مگر وہی جو اللہ نے کہا اور ہم نہیں بلاتے لوگوں کو مگر اسی کی طرف، اور اللہ نہیں چاہتا ظلم کرنا جہانوں پر اور حضرت امام مہدیؑ موعود پر خالص محمدیت کی یہ نسبت ختم ہو جائے گی اور سارا جہاں اسی ایک نور سے روشن ہو جائے گا اور کثیر التعداد فرقوں کے دوسرے ستارے اس آفتابِ عالمتاب کے ظہور میں گم ہو جائیں گے۔ اللہ عالم آخرت میں بھی دوسرے محمدیت کی آمیزش والے صاحبوں میں جتنی محمدیت کی ملاوٹ ہوگی آخر کاران تمام

Marfat.com

آمیزشوں کی برکت سے تمام فاسد ملاوٹیں مٹ جائیں گی اور تمام کو خالص محمدیوں میں داخل کرلیں گی اور جہنم کے عذاب سے رہا کرالے گی۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی نورِ ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نکل آئے گا اور جہنم واصل ہونے سے بچ جائے گا۔ اے ربِ رحیم اور یا رسول کریمؐ ہم خودی وانانیت کے اسیروں کو ہماری زندگی ہی میں اس پھندے سے رہائی بخش اور خالص محمدی بنا دے کیونکہ ہماری نوعِ انسانی جس طرح زندگی میں سانس کی ڈوری کی پابند ہے اسی طرح ہمیشہ ہوا و ہوس کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے اور ہماری نوع کا ہر فرد واحد اپنے ناقص فہم اور عاجز عقل کے بل بوتے پر حقیقت الامر کو کما حقہٗ نہیں پہچان سکتا۔ کہ اس کی اصل کہاں سے ہے اور اس کا مبداؤ منبع کیا ہے اور اس کی مراجعت کس طرف کو ہے اور وہ کہاں جا پہنچا اور یہ علم کہاں کا ہے اور وہ خود کون ہے اور اسے کس کی طرف مائل ہونا چاہیے۔ جب ہم سب عوام الناس کا حال اس ڈھنگ پر ہے۔ پس تیری رہنمائی کے بغیر منزل مقصود تک پہنچنا اور حقیقت الامر کو دیکھنا سخت دشوار و محال ہے۔ رباعی:

عمریست کہ وابستہ بتارِ نفسم
یعنی بشکنجۂ ہوا و ہوسم
معلوم نشد مرا ز فہم ناقص
یا رب ز کجایم بکجایم چہ کسم

ترجمہ رباعی: اک عمر گزر گئی کہ میں سانس کی ڈوری سے بندھا ہوا ہوں اور ہوا و ہوس کے شکنجے میں کسا ہوا ہوں۔ مجھے اپنے ناقص فہم کی بنا پر یہ معلوم ہی نہ ہوسکا کہ اے مالک میں کہاں سے آیا ہوں۔ کہاں ہوں اور کون ہوں۔ حاصل مطلب یہ کہ عمر بھر میں قید حیات میں مقید ہوں اور اپنی زندگی کو یونہی بیہودہ برباد کر رہا ہوں اور بے بنیاد سانسوں کی بے فائدہ کھینچا تانی میں مصروف ہوں اور حیوانی قوا کے غلبے کے باعث جسمانی و نفسانی ہوا و ہوس کے جال میں پھنسا ہوا ہوں۔ چونکہ ہمارا فہم ناقص اور عقل عاجز ہے، ہم بولنے والے حیوانوں کو کچھ بھی معلوم نہ ہوسکا اور ہم کچھ بھی دریافت نہ کر پائے کہ ہم کہاں سے آئے ہیں اور ہمارے جوہر نفس کی اصلیت کیا ہے اور اپنے مبدا و منشا سے ہمیں کیا نسبت ہے، اور کس قسم کی رفاقت و معیت پیدا کرتی

Marfat.com

چاہیے۔ ہم کہاں آن پہنچے ہیں یہ کونسی جگہ ہے۔ ہمیں کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہیے۔ ہم کس لیے آئے ہیں اور پھر لوٹ کر کہاں جائیں گے۔ اور وہاں کیا معاملہ درپیش آئے گا۔ ہم خود ہیں کون۔ ہم نے یہ وجود کیسے پایا اور کیسے ظہور پذیر ہوئے، کس طرح باقی رہیں گے، ہمارا حال کیا ہے اور کیا ہوگا۔ پس ہم ناقص الخلقت اُمتیوں کی نجات اسی میں ہے کہ اپنی ناقص عقل کو دینی امور اور ایمانی معاملات میں ہرگز دخل انداز نہ ہونے دیں۔ اور بغیر سوچے، بلا شک وشبہ خدا اور رسول کے فرمودات کے مطابق اپنے ایمان کو مضبوط رکھیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہیں کہ حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور حقیقت کے جاننے کے بھاری بھر کم بوجھ کو اپنی بشری طاقت کے کمزور و ناتواں کندھوں پر نہ لادیں۔ اور اپنے ذمے نہ لیں کیونکہ یہ تو تقرب سے بے بہرہ فلاسفہ کا مسلک ہے۔ یہ مقرّب ذات انبیائے علیہ السلام کا منصب نہیں۔ اور مرجع خلائق اولیائے کرام آخر کار اسی راہ پر چلتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ حقائق اشیا کا علم جیسی کہ وہ نفسِ امر میں ہیں فی الحقیقت حق تعالیٰ ہی کے لیے مختص ہے۔ عاجز انسان اس کی نو ایجاد مصنوعات اور نادرات کو کماحقہٗ کیسے پہچان سکتا ہے۔ اور کس طرح ہر امر کے سمجھنے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

اگرچہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنی ربّانی تعلیم سے ان کے مراتب اور ان کی ذاتی استعدادوں کے مطابق ان کے اسرار و رموز سمجھاتا ہے اور اس حکیم مطلق کے ان مقربین کو بھی بشری طاقت کے مطابق ذات و صفات و اسمائے الٰہیہ اور موجودہ ممکنات کے حقائق و دقائق اور ممکنہ ماہیات کا علم و عرفان حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ایسے برگزیدہ اور تیز فہم بندوں کے پاک نفسوں میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ باقی نہیں ہے، وہ کامل یقین اور مکمل اطمینان رکھتے ہیں۔ لیکن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے مطابق حقّی امور کی خبر دیتے ہیں۔ پس سننے والوں میں سے ہر شخص اپنے علم و عرفان اور اہلیت و قابلیت کے مطابق کس شے کی حقیقت کا سُراغ لگاتا اور اُسے سمجھتا ہے۔ جن لوگوں کی مقداروں میں باہمی مناسبت ہو اور جن کے مزاجوں میں باہمی موافقت ہو وہ ایک دوسرے کے معانی کو قبول کر کے متفق ہو جاتے ہیں اور کلامِ الٰہی احادیثِ نبوی ؐ اور خالص محمدیوں کے کلام سے اپنی اپنی استعداد اور قوتِ ادراک کے مطابق وہی مطلب اور مُراد نکال کر خالص محمدیوں کا الگ فرقہ بن جاتے ہیں اور محمدیہ آمیزہ بنا لیتے ہیں اور کسی دوسرے نام

Marfat.com

سے موسوم ہوجاتے ہیں ۔ وگرنہ جو اشخاص استعدادی مناسبت اور مزاجوں میں باہمی موافقت نہیں رکھتے
ان میں تنازعہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے ۔ اور وہ اسی کلام کے دوسرے طریقے سے تاویل کرتے ہیں اور خود دوسرے
فرقے میں شامل ہوجاتے ہیں ۔ اگر اللہ چاہتا تو تمھیں ایک اُمت بنا دیتا ۔ قصہ کوتاہ یہ کہ نوعِ انسانی کا ہر
فرد واحد فرشتوں کی طرح اقراری ہے کہ اے رب ! تو پاک ہے ۔ ہمارے پاس کوئی علم نہیں مگر وہ جو تو
نے ہمیں سکھایا ۔ تو علیم و حکیم ہے ۔ اور آدمیوں کی جماعت میں سے ہر آدمی بھی فرشتوں کی طرح اپنی
لاعلمی کا اسیر ہے ۔ ایک مقید شخص بیچارہ مرتبۂ مطلق کی راہ کیسے پا سکتا ہے ۔ اور اس کے علم کا
تقید کے پنجرے میں اسیر پرندہ آزاد فضا میں کیسے اڑ سکتا ہے ، لہذا چاروناچار ہر کوئی کسی مخصوص صورت
میں گرفتار ہے اور اختلاف کے اظہار میں بے اختیار ہے ۔ اور امتِ مرحومہ محمدیہ کے لیے ان تمام
اختلافات کا مخرج اور اُمتِ مسلمہ میں ان تمام فرقوں کی تفرقہ بازی دراصل جامعہ محمدیہ کی حقیقت
ہے ۔ (ان پر خدا کا درود و سلام) کہ جب ناقص عقل والے اپنی ناقص استعدادات سے ان کلّی
مطالب کا مجموعی احاطہ نہ کر سکے ۔ پس ان کے جزئی فہم میں جو کچھ آیا اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اک
خاص فرقہ بن گئے ۔ اور خالص محمدیت کی بارگاہ سے دُور جا پڑے ۔ اور توحید ذات اور رسالت رسول اللہ
کے اقرار کی برکت سے محمدیّت کی آمیزش والی اس سرزمین میں داخل رہے اور اسلام کی سرحدوں سے
باہر نہ نکلے ۔ بہرحال جمع الٰہی اور جمع محمدی کا مرتبہ ہی اسلامی فرقوں کی اس تمام کثرت کا موجب ہے ۔
کیونکہ مسلمانوں میں سے ہر کسی مسلمان کا مطالب کے اخذ کرنے کا منبع و ماخذ وہی آیات واحادیث
ہیں ۔ اور آخر وہ کونسی چیز ہے جو کتاب اللہ کے احاطے میں نہیں ہے ۔ جیسے کہ خود خدائے عزوجلّ
نے قرآن پاک میں فرمایا جو اس تے نازل کیا اپنے بندے اکمل ، جامع اور نبوت کے خاتم پر نہیں ہے
کوئی تر اور نہ خشک مگر کتاب میں ہے ۔ پس مطلب مستنبط ہوتا ہے اس کلام سے اور اللہ نے
اپنے کلام میں کوئی افراط نہیں کی ۔ ازیں کہ کلام الٰہی اور کلام نبوی کی جامعیت ان جزئی استعدادات
والوں کے تفرقوں کی مقتضی تھی ۔ لہذا اس مخبر صادق صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کے تفرقوں کی خبر
دی ۔ اور اپنے کلام اور کلام اللہ کی جامعیت اور ناقص العقل لوگوں کی کم حوصلگی کو بھانپتے ہوئے یہ
خبر دی اور یوں اس جماعت کا حال بھی بیان فرمایا اور مختلف فرقوں کے متعلق یوں لب کشائی فرمائی
کہ ان میں سے سب آگ میں ہیں سوائے ایک کے اور نجات پانے والے فرقے کو ان باقی تمام

Marfat.com

بدعتی فرقوں سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ اور اس واحد فرقے سے مُراد وہی محمدیؐ طریق والے اصحاب ہیں جن خوش نصیبوں کے بخت میں خالص محمدیتؐ ہے۔ اور وہی خالص محمدیؐ ہیں جو نیا فرقہ نہیں بنے اور وہی قدیم محمدی رہے جو وہ شروع سے تھے۔ اللہ تے ان کی مدد کی دُنیا و آخرت میں اپنی تائیدات سے اور ان کی نصرت فرمائی دونوں جہانوں میں اپنی مدد اور عنایت سے۔ پس ہر قسم کی تعریف اللہ کے واسطے ہے جس نے خاص کیا ہمیں خالص محمدیتؐ کی تخصیص کے ساتھ دوسرے نئے نئے فرقوں سے۔ اللہ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور ہدایت دی ہے ہدایت خاصہ کے ساتھ تخصیص اور انتخاب کے ساتھ اور وہ چن لیتا ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اور نازل کیں ہمارے نبی پر آیاتِ قرآنی وحی کے طریقے سے جو منقطع ہو گئی آپؐ کے بعد اور منکشف کیں ہم پر اصطلاحاتِ فرقانیہ الہام کے راستے جو کہ باقی ہے دُنیا میں انبیا کے وارثوں کے لیے تاکہ ہم فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان اپنے رسولؐ کی سُنت کے مطابق اس بارے میں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور بے شک وہ آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہوتے ہیں۔ اور بے شک لشکر ہی غالب آنے والا ہے حقیقت کے غلبے کے ساتھ اور کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو غالب آئیں کثیر جماعتوں پر اللہ کے حکم سے اور بیشک وہ مدد کیے جاتے ہیں اپنے مددگار کی مدد سے، وہ کہ نہیں ہے کوئی مدد سوائے اسی کی طرف سے اور وہ بہترین مددگار ہے۔ اور نہیں ہے کوئی زبردستی دین میں اور نہ جبر طریق محمدیؐ میں اور حجتِ بالغہ اللہ کے لیے ہے آیات کے بیان کے ساتھ اور نکات کے کھول کھول کر بتا دینے کے ساتھ۔ ظاہر ہو گئی ہے ہدایت گمراہی سے شریعت مصطفویہؐ کے نور کے ساتھ اور طریقتِ محمدیہؐ کے ظہور سے اور جو کوئی انکار کرتا ہے طاغوت سے اور سب کے سب جھوٹے معبودوں سے، اور ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور نہیں ہے معبود سوائے اس کے، پس اس نے مضبوطی سے تھام لیا عروۃ وثقیٰ کو۔ اور وہ چلا ہے محمدیت کے قابلِ اعتماد سلسلے میں منسلک ہو کر کہ جس کے لیے ٹوٹنا نہیں ہے۔ اور اللہ سننے والا ہے بندوں کے قولوں کو اور جاننے والا ہے جو کچھ کہ دلوں میں ہے۔ اے لوگو! اللہ والی ہے ان لوگوں کا جو کہ ایمان لائے ہیں اور ہو گئے ہیں خالص محمدیؐ۔ نکالتا ہے اُنھیں ظلمات سے جس میں وہ ہیں پہلے سے بدعتی فرقوں میں سے جو کہ بہتر۷۲ ہیں نور کی طرف جو ایک ہی راستہ ہے۔ جواب بھی ایسے ہے جیسا پہلے تھا حضور پاکؐ اور اُنؐ کی آلؓ و اصحابؓ کے زمانے میں

Marfat.com

اپنی وحدت کے خالص ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اس طریقِ حق سے ان کے درست طاغوت ہیں جو اُنھیں نکالتے ہیں نورِ مذکور سے ظلمات مذکورہ کی طرف جو ظاہر ہوا شمسِ نبوت کے غروب کے بعد۔ یہی اصحاب النصار ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ وہ سب آگ میں ہیں سوائے ایک کے۔ اللہ اللہ وہ محمدیت ہے۔ کہ اسلامی فرقوں کے اختلافات اور باہمی تنازعات کے باوجود اپنی شمولیت اور جامعیت کے باعث معنیٰ واحد ہی ہیں۔ اور یہ سعادت خالص محمدیوں کے نصیب میں آئی۔ یہ خالص فرقہ اپنے اس پر خلوص حال پر قائم رہا اور بد مستیوں کی کثرت ان کی وحدت کے افعال میں خلل پذیر نہ ہوئی۔ اور دوسرے فرقوں کی طرح وہ دوسرے نام سے موسوم نہ ہوا۔ اور خدا نے چاہا تو آخرت میں بھی یہی معنیٰ واحد کہ تھوڑا تھوڑا تمام اہلِ اسلام میں جاری و ساری ہے اپنی شمولیت کی برکت سے جو تمام اُمت میں پائی جاتی ہے۔ آخر کار جزا و سزا کے معاملے کے بعد سب مومنوں اور مسلمانوں کو آگ کے عذاب سے بچالے گا۔ جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہنا کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے۔ انجام کار اہلِ اسلام سب کے سب نجات پا جائیں گے اور جنت میں چلے جائیں گے اور اس تمام کثرت کو جو فساد کا موجب تھی تاثیرِ محمدیت کا غلبہ اپنی وحدت میں ڈھانپ لے گا اور سب مومنوں اور مسلمانوں کے ایمانی سونے کو بغیر کسی قسم کے کھوٹ کے زرِ خالص بنا دے گا اور قیامت کے دن کا وہ مالک اور جہانوں کا پروردگار تمام مومنین کو خالص محمدیوں کے ضمن میں اور ان کی برکت سے ایک ہی آئین پہ لا کر خلوص اور خصوص سے شرفیاب کر کے صرف محمدی بنا دے گا۔ اور ان بزرگواروں کی مخلص جماعت میں داخل کر دے گا۔ اور متشککین کے دلوں سے پردے اُٹھا دے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محمدی پرچم لہرائیں گے اور محمدیت کا سایہ بھی سروں پر ڈالیں گے اور اُس دن حمد کا پرچم ان کے ہاتھ میں ہوگا جس کے تحت آدمؑ اور ان کے علاوہ دیگر خالص محمدی خصوصی عنایت سے آئیں گے۔ وہ اُنھیں خصوصی لطف و کرم سے نوازیں گے۔ پس اے بھائی تو جو خالص محمدیوں سے ہے۔ تجھے چاہیے کہ مکمل طور پر ظاہراً و باطناً شریعت مصطفویہ کا تابع بن جائے اور اپنے عقیدے کو اہلِ سنت والجماعت کے موافق رکھے اور حق تعالیٰ کی حضوری و مشاہدے کو کیف و پاکیزہ انداز سے اس کی کمالی صفات کے تصور سمیت اپنے باطن میں راسخ کرے اور اپنے اعمال کو شرعی احکام کے مطابق بنائے۔ اور جہاں تک ہو سکے، خدائی فریضوں کو بجالائے۔ اور جب تک مہلت

Marfat.com

سلے بدعت کی راہ اختیار نہ کرے۔ اور اپنی عبادتوں میں بدعتوں کو دخل انداز نہ ہونے دے۔ کیونکہ بدعتی جہنمی کُتے ہیں۔ اگر کبیرہ گناہوں میں سے عزم بالجزم کے ساتھ محفوظ رہے، اور اگر بہ تقاضائے بشریت کوئی گناہ سرزد ہو جائے اس سے توبہ کرو، اور پھر کبھی ایسا عمل نہ دہراؤ اور اگر کوئی چھوٹا موٹا گناہ وغیرہ سرزد ہو جائے اسے بھی ترک کردو اور خدانخواستہ ترک نہ کرسکو اور ارادۃً یا سہواً سرزد ہو جائے اپنے آپ کو گناہگار تصور کرو اور خدا سے مغفرت طلب کرو۔ گناہگاری الگ چیز ہے اور بے ایمانی الگ چیز ہے۔ خدا نہ کرے کہ تو اس زمانے کے صوفیوں کی طرح شرعی امور کو سہل سمجھے کیونکہ یہ بے دینی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خالص محمدیوں کے دامن کو اپنے یقین کے ہاتھ میں مضبوطی سے تھامے رکھو اور شافعِ روزِ جزا کی شفاعت کی اُمید واثق رکھو اور اپنی خطاؤں اور تقصیروں پر مایوس نہ ہو جاؤ اور غیبی امور پر جو تیری نظر سے پوشیدہ ہیں خدا کے فرمان کے بموجب ایمان لاؤ۔ کیونکہ اگر چشمِ بصیرت کا نور پردوں کو دُور کردے تو عالمِ شہادت جو ہر کسی کے لیے عالم محسوس و معلوم ہے سراسر عالمِ غیب پر دلالت کرتا ہے۔ اور جو کچھ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں بشرطیکہ چشمِ بصیرت اس نور سے روشن ہو جائے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔

رباعی:

امکان کہ سراسر ست معروف بعیب
شد محو کمالات وجوبی لاریب
ہر چیز کہ پیداست بضدش پیداست
آوردہ شہادت ہمہ ایمان بالغیب

ترجمہ رباعی: امکان جو سراسر عیب سے معروف ہے بلاشبہ وہ وجوبی کمالات میں محو ہو گیا۔ جو چیز بھی پیدا ہے اپنی ضد سے پیدا ہے۔ عالمِ شہادت نے سراسر ایمان بالغیب کا پتہ دیا۔ جب جمہور کا اس پہ اجماعی اقرار ہے کہ تمام کمالی صفات یہ تمام و کمال واجب تعالیٰ ہی کا حصہ ہیں۔ پس مرتبۂ امکان میں نقص کے سوا کچھ نہ رہا۔ اور ممکنات کے حصے میں عیب کے سوا کچھ نہ آیا۔ لیکن چونکہ ہر موجود ممکن قائم بالغیر ہے اور واجب تعالیٰ کے فیض سے وجود میں آیا۔ اس کے نقائص کا تمام آئینہ خانہ واجبی کمالات کے مقابلے میں محو کمالات ہو کر سراپا کمال بن گیا جو خیر محض کا وجود ہے۔

Marfat.com

اور جو کچھ موجود ہے اسی وجود کا سایہ ہے۔ پس یہ جو کچھ بھی ہے اسی کی صورت پر ہے اور شخصی صورت کے عکس کے سوا اور کچھ نہیں اور یہ تمام دنیوی مظاہر مراتبِ الٰہیہ کا ثبوت پیش کرتے ہیں اور عالمِ شہادت خود عالمِ غیب کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ظاہر معلوم ہونے والی ہر چیز اپنی ضد ہی سے ظہور پذیر ہوتی ہے اور جانی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک مسلّمہ کلّیہ ہے کہ اشیا اپنی اضداد ہی سے پہچانی جاتی ہیں۔ پس اہلِ عالمِ شہادت بذاتہٖ عالمِ غیب کے مرتبے پر ایمان لائے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی رشد و ہدایت کے راستے کا ہادی ہے۔

Marfat.com

هُوَالنَّاصِر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے واسطے ہے جو رب الارباب ہے فتاح و وہاب ہے جس نے مجھے دیا ہے اپنی جناب سے علم کتاب اور کھولا ہے مجھ پر شہر علم سے باب اور ڈالی ہے محبت احباب کے دلوں میں اور اگر میں خرچ کرتا جو کچھ کہ زمین میں ہے سب کا سب تو میں ان کے درمیان الفت پیدا نہ کر سکتا، مگر میرے رب نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی ہے بلا اسباب اور درود و سلام اس کے رسول محمدؐ صلعم پر جو صاحب کتاب ہے اور صاحب اصحاب ہے اور آپؐ کی آلؓ پر اور اصحابؓ پر جو عقل والے ہیں۔ امابعد پس یہ ننانواں (۹۹) باب ہے جو نصر من اللہ سے موسوم ہے۔ جب کبھی آتی ہے اللہ کی مدد اس کے بندوں میں سے کسی بندے کی طرف تو کھول دیا جاتا ہے اس پر باب عرفان جو فتح مبین ہے۔ اور اس کی مدد کرتا ہے مضبوط قوت والا اور اسے سکھاتا ہے اللہ بیان اور اُسے مشرف کرتا ہے اسلام و ایمان کی حقیقت سے اور اُسے عطا فرماتا ہے تحریر و تقریر کی قوت اور اُسے موسوم کرتا ہے بشیر و نذیر سے اور بناتا ہے اُسے صاحب کتاب اور اصحاب اور عقل والوں کے روسائیں سے اور داخل کرتا ہے لوگوں کو اس کے راستے میں جوق در جوق اور دیتا ہے اس کی کتاب کو مقبولیت اور رواج اور اُسے قائم کر دیتا ہے تسبیح پر اپنے رب کی تعریف اور استغفار کے ساتھ اس چیز میں جو گزر گیا ہوتا ہے اس کے گناہوں میں سے اور جو بعد میں آنے والے

Marfat.com

ہیں اور وہ ہوتا ہے توبہ کرنے والا۔ اور اللہ اُس سے قبول کرتا ہے، بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پس پہنچتی ہے اس بندے کو مدد اللہ کی طرف سے اور فتح قریب، اور یہ اللہ سے کچھ بعید نہیں ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ اللہ اُس سے زیادہ قریب ہے شہ رگ سے بھی اور وہ اس کی مدد کرتا ہے ایسے لشکروں سے جنھیں انسان نہیں دیکھ سکتا۔ اور وہ بہترین مددگار ہے۔ اور وہ ہر وقت پھاڑنے والے رب کی پناہ میں آتا ہے اس شرّ سے جو اس نے پیدا کیا اور حاسد کے شرّ سے جب وہ حسد کرے، اور پناہ میں آتا ہے لوگوں کے رب کی خناس کے وسوسوں کے شرّ سے جو کہ انسانوں اور جنوں میں سے لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ اے لوگو! بے شک میں کھلی دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اُس نے مجھے دی ہے کتاب جس میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔ اور اگر بھیجتا اللہ میرے پاس کوئی کتاب کاغذی شکل میں۔ پس اُسے تم چھو لیتے اپنے ہاتھوں سے تو تم ضرور یہ کہتے کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو۔ اور اللہ نہیں ہدایت دیتا منکرین کو اور کون بڑا ظالم ہے اس سے جس نے جھوٹ باندھا اللہ پر اور کہا کہ مجھ پر الہام کیا ہے میرے رب نے اسی طرح۔ حالانکہ اللہ اس کو کچھ بھی الہام نہیں کرتا۔ کافی ہے اللہ بطور گواہ میرے اور تمھارے درمیان اور وہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ پس اسے خالص محمدؐ لو لے لو جو میں نے تمھیں دیا ہے قوت کے ساتھ، اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم متقی بنو۔ ہم نے کتاب میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ پس کیا تم اسے پڑھتے ہو۔

اچھی تصنیف کے فائدوں اور یار دوستوں کو اتفاق اور تالیف قلوب کے بیان کا باب

سچ بات تو یہ ہے کہ ایک اچھی تصنیف جو عمدہ معانی اور صحیح و سلیس عبارت پہ مشتمل ہو اور دقیق حقی مطالب پہ مشتمل اور سچے اور یقینی کلمات کی حامل ہو، اک عجیب دولت ہوتی ہے۔ جو ہر نااہل بے حقیقت کو نصیب نہیں ہوتی۔ یہ اک طرفہ نعمت ہوتی ہے جو ہر نالائق جاہل کی قسمت میں نہیں ہوتی۔ حقائق کے بیان کرنے کے لیے ایسی زبان چاہیے جو لسان الغیب (غیب کی زبان)

Marfat.com

ہو۔ اور دقیق باتوں کو تحریر کرنے کے لیے انگلیوں کی ایسی پوریں درکار ہیں جن میں دستِ قدرت کی توانائی ہو۔ انبیاء علیہ السلام کی جماعت میں ہر نبی صاحبِ کتاب نہیں اور رسولوں کے گروہ میں ہر رسول اس دروازے کے قفل کا کھولنے والا نہیں۔ تو پھر ہر ولی اس خاص امانت کے بارگراں کو اُٹھانے کی متحمل کیسے ہو سکتی ہے۔ اور ہر کند ذہن اس آیت قرآنی کے معانی کے ورود کی تاب کہاں لا سکتا ہے۔ کہ اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے۔ اکثر ولیوں اور عارفوں کی تالیفات جنھوں نے کتابیں اور رسالے جمع کیے ہیں اور انھیں ان کی تصنیف کہتے ہیں، انھیں تصنیفات کا نام تو محض مجازی طور پر دیا جاتا ہے، اور بہت سے عالموں اور فاضلوں نے جو مسودے مرتب کیے ہیں اور ان پر ان کی تصنیفات کا خیال کیا جاتا ہے۔ وہ سراسر تالیفات ہی ہیں جو حقیقت کے معانی سے عاری ہیں اور داناؤں اور دانشوروں کی تحریریں جن کے تابعین میں سے متاخرین نے تحریر کیا ہے اور انہیں ان کی تصنیفات سمجھا جاتا ہے۔ وہ سب کے سب متقدمین کے مطالب و قواعد کی نقل ہے جو مختلف عبارات کی شکل میں وقوع پذیر ہوئیں پس وہ تصنیف کہاں سے بن گئی اور ہر زمانے میں ایسی تصانیف ظہور میں کب آتی ہیں، محققین کے سرداروں نے ان تمام مذکورہ بالا فرقوں کو بعض جگہ بعض تازہ نکات اور نئے مطالب کو اپنی تالیفات میں لکھا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے متعلق تحقیق و تدقیق کے یہ ڈھول پیٹے گئے اور ان کا چرچا ہر سننے والے کے کان تک پہنچا۔ وہ کتاب جو شروع سے لے کر آخر تک ایسے مطالب سے پُر ہو کہ کسی کان نے اُسے سُنا نہ ہو اور ایسی تصنیف کہ جو تمام کی تمام ایسے حقائق و معارف کے خیالات سے پُر ہو جو کسی دل میں نہ گزرے ہوں روح القدس کے فیض کی مدد کے بغیر اور اس آیت کریمہ کے مکمل اتباع کہ بیشک اسے ہم نے تمھارے دل پر اللہ کے حکم سے نازل کیا کے بغیر کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور کیسے پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے۔ یہ تصنیف عبارت ہوتی ہے اس قسم کی کتاب سے جیسا کہ ہم نے بیان کیا یعنی نہ تو اس کی عبارات کا اسلوب دوسری کتابوں کی عبارتوں کی طرح ہو کہ اس پر تالیف کا گمان گزرنے کا احتمال ہو اور نہ ہی اس کے مطالب کی وضع دوسروں کے مطالب سے مماثلت رکھتی ہو جس سے نقل کا شبہ گزرے، اُسے سراسر نئے اسلوب پر ہونا چاہیے اور اسے جدید اور عالی مطالب اور نہایت لطیف و تازہ اصطلاحات کا حامل ہونا چاہیے جو آیاتِ قرآنی اور احادیث

Marfat.com

نبوی اور کشف و دلائل سے ثابت بھی ہوں۔ اور ایمانی تقویت کا باعث، عرفان و معرفت کی تیزی کا موجب اور دنیوی بہبود اور دینی فلاح کا سبب بھی ہو۔ درحقیقت ایسی عمدہ تصنیف ایک ایسا نیک عمل ہے کہ کوئی نیکی جس کے برابر نہیں ہو سکتی۔ خدا نے چاہا تو قیامت کے دن ایسے پاک کلمات کے کاتبوں کے قلم اور ایسی بابرکت تصانیف کے مصنّفوں کو اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے خون کے برابر تولا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ عمدہ تصنیف کے بڑے فائدے ہیں۔ اور نیکیوں میں کوئی نیک عمل ان بھلے کاموں کی برابری نہیں کر سکتا۔ دین و شریعت سبھی کا تعلق کتاب سے ہے، لہٰذا کتاب اللہ نازل ہوئی۔ اور احادیث کی کتابیں تدوین کی گئیں۔ مذہب و ملّت کا انحصار کتاب پر ہے۔ اسی بنا پر عقائد اور فقہ کی کتابیں لکھی گئیں۔ طریقت اور مسلک بھی کتاب ہی سے روشن اور واضح ہوتا ہے اور اسی لیے طریقت اور حقیقت کے علم کے بارے میں کتب و رسائل معرضِ تحریر میں آئے۔ حکمت و فلسفہ اور دوسرے سارے علوم بھی کتاب ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر ہر علم کے موضوع پر اس فن کے عالموں نے کتابیں تالیف کیں۔ اور اس نیک عمل کا اجر دنیا میں آخرت میں اس کے کرنے والے پر عائد ہوتا ہے۔ اور ایسی مقدس کتابوں کے لکھنے اور نقل کرنے والے اِن کے پڑھنے اور دیکھنے والے بھی ان کی برکتوں میں شامل اور ثواب میں شریک ہوتے ہیں۔ پس مخلص محمّدیوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ ایسی سچی اور ثقہ دستاویزات کے لکھنے اور ان کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہیں اسی طرح اپنی طریقت کے بھائیوں کے اجماع اور دینی دوستوں کی افزائش کی فکر بھی کریں۔ اور جہاں تک ہو سکے لوگوں کی تالیفِ قلوب کریں اور اُنھیں محمّدی طریق میں داخل کر کے خالص محمّدی بنائیں۔ خدا نے چاہا تو اس نیک کام کا اجر وہ آخرت میں دیکھ لیں گے۔ اور ہدایت دینے والے اماموں میں شمار ہوں گے۔ آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور بھائیوں کی کثرت چاہو کیونکہ ہر مومن کے لیے شفاعت ہے قیامت کے دن۔ ہمت بلند رکھنی چاہیے اور جہاں تک ہو سکے ظاہری و باطنی تعلیم میں کوشاں رہنا چاہیے۔ طریقِ محمّدی کی خصوصیات اور کلّیات کو خود بھی سمجھنا چاہیے اور دوسروں کو بھی سمجھانا چاہیے۔ ایسے نیک طریقے کے صاحبوں کی کتب حقّہ پڑھانے سکھانے میں مشغول ہو کر اس طریق کے ظاہری باطنی عالموں، فاضلوں اور ارکین حکمت سے ہونا چاہیے کیونکہ جو کچھ بھی ہے علم ہی ہے۔

Marfat.com

بے علم آدمی کسی کام کا نہیں ہوتا اور اُس کے ہاتھوں کوئی عقدہ وا نہیں ہوتا ۔ رباعی :

علم ست کہ ہر چہ ہست بنماید ازو
ہر عقدہ کہ مشکل ست بکشاید ازو
غیر از تصنیف نیک دیگر نبود
کاری کہ پس از تو کار ہا آید ازو

ترجمہ رباعی : علم ہی ہے کہ جس کی بدولت جو کچھ ہے نظر آتا ہے ۔ ہر مشکل عقدہ اسی کی بدولت کھلتا ہے ۔ ایک اچھی تصنیف کے علاوہ کوئی اور ایسی چیز نہیں کہ جو تیرے مرنے کے بعد تیرے اور دوسروں کے بھی کام آئے ۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) علم سے مُراد یہاں ظاہری علم ہے جس کا تعلق لکھنے پڑھنے اور درس و تدریس سے ہوتا ہے ۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ایک بے علم آدمی اور جاہل انسان نے گویا انسانیت کے حق ہی کو ضائع کیا ، وہ آدمیت سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا ، کیونکہ ہر دینی ، دنیاوی اور مذہبی مطالب بشری طاقت کے مطابق علم کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے ۔ نہ ہی دوسروں کو اچھی طرح سمجھائے جا سکتے ہیں ۔ اور مسائل کے شکوک و شبہات کی جو گرہ بھی دل میں پڑ جاتی ہے وہ علم کی مدد کے بغیر کھُل نہیں سکتی اور نہ ہی بات صاف اور واضح ہوتی ہے ۔ پس اچھی تصنیف سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی نیک کام نہیں ۔ کیونکہ ہر نیک عمل اپنے عامل کی جگہ تو نہیں لے سکتا اور اس کے بعد اس کی جگہ قائم نہیں رہ سکتا ۔ تصنیف جب تک باقی ہے گویا مصنف باقی ہے ۔ جو کوئی یہ چاہے کہ اس سے بات چیت کرے اور فیض حاصل کرے ۔ اس کے دل کی بات کو سمجھے اور اس کی قدر و منزلت پہنچانے اور اس شخص کی زندگی میں رشد و ہدایت کا جو عمل جاری تھا اسی طرح برقرار رہتا ہے اور ہدایت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا ۔ اور اس کارِ خیر کا ثواب اس شخص کو میسر رہتا ہے ۔ اور جو کچھ تمھیں کتاب میں دیا گیا ہے اُسے ایمانی قوت کے ساتھ تھامو ، سنو اور اُس کی اطاعت کرو اور یاد رکھو کہ جو کچھ اس میں ہے مطالب میں سے تاکہ تم متقی ہو جاؤ ۔ اور تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ مکرم ہے جو متقی اور پرہیز گار ہے ۔ کوئی کام اچھی تصنیف سے بڑھ کر نہیں جو حقی اور اصلاح کرنے والے مفید مطالب پر مشتمل ہو ۔ اور کوئی عمل تالیفِ قلوب سے بہتر اور اچھا نہیں جو خالصتہً اللہ کے لیے ہو ، اور یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے اجر کا باعث اور دین کی تقویت کا

Marfat.com

موجب ہوتا ہے۔ پس فرضی نمازوں سے فراغت کے بعد جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور
دیگر واجبات، فرضوں اور حضور رسول کریم ؐ کی طرف سے تاکید کی گئی سنتوں کی ادائیگی کے بعد
اور ضروری نفلی عبادت جو غیر موکدہ سنتیں ہیں کو ادا کر کے حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہیے اور
وقتی مراقبوں، جو مرشدوں کا معمول رہا ہے اور قرآن پاک کی تلاوت اور احادیث کا مطالعہ کرنا چاہیے
کہ یہ ایمانی نور کو بڑھانے والے ہیں۔ اور مقررہ تسبیحات اور ورد وظیفے جو صحیح سندوں سے ثابت
شدہ ہیں اور خواجگان طریقت اور خالص محمدیوں کے سلوک میں جو ذکر اذکار معمول ہیں، نیز ان لازم دیے
ہوئے اعمال و اوراد و وظائف پہ لازمی طور پر عمل کرنا چاہیے اور فقہی مسائل اور شرعی احکام کا بار بار پڑھنا
جن کی حاجت ہو اور اپنے حق پرست بزرگوں کی کتابوں کا درس و خدمت جو بہت سی برکتوں کا ثمر
دینے والی اور بے شمار اسرار و رموز کا کشف کرنے والی ہیں اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق انجام دینی
چاہیے اور اگر فرصت میسر ہو اور وقت اور حاضرین کا تقاضا بھی ہو تو ایسے کشف شدہ حقائق و معارف
کی تحریر جو آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کے مطابق ہوں اور اُس محبت بھری جماعت کی صحبت
داری جو تمہارے برگزیدہ ہوں اور تم سے محبت اور رابطہ رکھتے ہوں ان سے بڑھ کر کوئی کام اور شغل
نہیں۔ کیونکہ زندگی کا حاصل یہی ہے۔ ایک ایسی بات جو لکھی جاتی ہے اور کتابت میں آجاتی ہے
اور نیک کلمہ جو مرقوم ہوتا ہے اور معرضِ تحریر میں آتا ہے وہ پھل دار درخت کی طرح ہے، جو باغ دنیا
میں اگا۔ اور اصحاب اور احباب اس درخت کی جڑیں اور ریشے ہیں جو اس کی پائیداری کا موجب ہیں۔
کہ انہی کے باعث وہ پودا پھلتا پھولتا، مضبوط اور تر و تازہ ہوتا ہے۔ ان کلمات کی درس و تدریس کرتے
ہیں اور اس میں تسلسل اور تواتر پیدا کرتے ہیں، اور اُس کی ترویج و اشاعت اور اس کی بقا کی خدمت بجا
لاتے ہیں۔ اس کی شرحیں اور حاشیے لکھتے ہیں انہی کی بدولت اس کلام کی شہرت اور چرچا ہوتا ہے۔
ہر کسی کے سامنے اس کی تعریف و توصیف کرتے ہیں اور مخالفین کو جواب دیتے ہیں اور دشمنوں کے
اعتراضات کا دفعیہ کرتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ نے مثل بیان کی ہے ہر پاکیزہ کلمے
کی، جو صاف باطنوں کے دلوں پہ وارد ہوتے ہیں ایک پاکیزہ درخت سے ایک پاکیزہ زمین میں کہ جس
کی جڑ ثابت ہے اس پاکیزہ زمین میں اثبات حق کے ساتھ۔ اور اُس کی شاخ آسمان میں ہے بلند
کرنے سے اللہ کے، وہ اللہ کہ جس کا کلمہ ہی بلند ہے۔ اور وہ کلمات اس قسم کے محمدیوں کی کتابوں میں

Marfat.com

وارد ہیں۔ یار دوستوں کے لیے فائدے کا باعث ہیں۔ کیونکہ کیا ان کی زندگی کے دوران اور کیا ان کی موت کے بعد تمام وقت وہ حاضر و غائب اصحاب کے لیے مفید ہیں۔ یہ ان مخلص و منصف مصنفوں کی ہدایات پر منتج اور حال و مستقبل کے لیے ثمر بخش ہیں رب کے حکم سے۔ یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت بخشی۔ پس بے تصنیف عارف جس کی تصانیف میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا ایک لاولد انسان کی طرح ہے جس کا کوئی جانشین نہیں ہوتا اور جس کا فیض جاری نہیں رہتا۔ اور بے ربط تصنیف جس کی عبارت میں نقص اور معانی میں فساد ہو وہ بدفطرت اولاد کی طرح ہے جو باپ کی ذلت و رسوائی اور ملامت کا باعث ہوتی ہے۔ پس ہلاکت ہے ان کے لیے جو کچھ لکھا ان کے ہاتھوں نے بُری عبارتوں میں سے، اور باطل مطالب میں سے اور ہلاکت ہے ان کے لیے اس میں سے جو کھاتے ہیں غفلت اور جہالت کے ساتھ۔ اور افعال و اوصاف حمیدہ والا بے یار شیخ جو بذات خود اک گرامی اور متبرک وجود ہے وہ اتفاق اور زمانے کے اقتضا کے مطابق احباب کو اپنے طریق میں داخل نہیں کرتا بے فوج بادشاہ کی طرح ہے اور اپنی سلطنت کے امور احسن طریق سے انجام نہیں دے سکتا اور رشد و ہدایت کے ملک کو آباد نہیں کر سکتا۔ اور مشہور و معروف ریاکار زاہد کہ بذات خود اچھا اور نیک نہاد آدمی نہیں لیکن اپنی مشیخت کے مکر و فریب کے بل بوتے پر اپنی عقیدت کے جال میں اک دُنیا کو پھانس رکھا ہے۔ وہ اس اوج و بلندی والے دشمن کی طرح ہے جو سُست سلطانوں اور بے اقتدار بادشاہوں پر غالب آجائے گا اور دُنیا میں غلبہ حاصل کرے گا اور صرف الیا ظاہری علم رکھنے والا عالم ہے جسے اللہ تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں وہ محض اک مُلّا ہے جو باطنی حضوری اور مشاہدۂ حق اور روحانی قرب کے معاملات اور قلبی اسرار و رموز سے مطلق آگاہ نہیں وہ بوجھ سے لدے ہوئے حیوان کی طرح ہے، جس نے بے فائدہ علوم کا بوجھ اُٹھا رکھا ہے وہ اس گدھے کی طرح ہے جو اُٹھاتا ہے کتابیں اور اگر اس رسمی علم کے ساتھ خرد ماغی بھی بہم پہنچا لے تو وہ گمراہوں کے زمرے میں داخل ہے اور علم سے بیزار کج طبع اور ناہموار علم سے بیزار جاہل بالکل ان پڑھ اور بے علم اس اندھے کی طرح ہے جو اسرار و رموز سے ناواقف ہے کیونکہ علم کے بغیر کوئی امر بھی دریافت نہیں ہو پاتا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ کیا اندھے اور دیکھنے والے یکساں ہو سکتے ہیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ عالم عالم ہے اور جاہل جاہل۔ دیکھیے یہ آیت کریمہ کہ ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں

Marfat.com

کبھی یکساں ہو سکتے ہیں ۔نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں ۔ یہاں یہ سوال نہ کرنا کہ ماضی کے اولیا اور پہلے اکابر دین میں ایسے ہو گزرے ہیں اور بہت سے عزیز ایسے ہوتے ہیں جو ظاہری علم نہ رکھتے تھے، پس ان کے حق میں کیا کہا جائے، کیونکہ کلام ان کی بزرگی کے منافی نہیں کیونکہ ولایت کے کاملوں اور اکمل ہونے کے بہت سے مراتب ہیں اور اقتدا کرنے والے اور جن کی اقتدا کی جائے دونوں میں بڑا فرق ہے ۔ یہ پیروکار اور پیشوا دونوں بالکل الگ الگ ہیں ۔ وہ اقتدا کرنے والے جو کسی خاندان کے سربراہ یا کسی طریقت کے ارکان تھے محض بے علم نہیں تھے ۔ اگرچہ وہ بعض دوسروں کی نسبت کم علم ہوں جس کا کوئی مضائقہ نہیں ۔ اور وہ پیشوا جو رہنمائی اور رشد و ہدایت کا کام کرتے تھے انھوں نے جہالت سے کام نہیں لیا، اُنھوں نے ان دیکھے یا ان جانے یہ راستہ طے نہیں کیا ، اور جو امر اچھی طرح پاک صاف نہ کیا گیا ہو اسے کبھی بیان نہ کیا ، انھوں نے ماضی کے مجتہدوں اور پیشواؤں کی متابعت کی راہ اختیار کی ، کیا عقیدوں کے لحاظ سے اور کیا عملوں کے لحاظ سے اور اُنھیں اگلوں کے ذمے قرار دے دیا ۔ اور ان کے فرمودات کو حق سمجھتے ہوئے ان پہ یقین رکھتے ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے اپنے زمانے میں جن کی پیشوائی اور اقتدا تمام وجوہ سے ثابت اور تحقیق شدہ ہے اور خود ہمارے بزرگوں میں سے ہو گزرے ہیں ۔ اگرچہ ظاہری اعتبار سے اکثر نے ظاہری علوم کے اکتساب سے طلبہ کے طور پر ان کے حصولِ علم کی راہ و رسم کی طرف توجہ اور التفات نہیں کیا، لیکن فارسی کتابوں اور رسالوں کے مطالعے کی راہ سے ہر علم اور اپنے بزرگوں اور مرشدوں اور دیگر اسرار و رموز کے نگران و واقف عالموں فاضلوں کی صحبت میں رہے ہیں اور اعتقادی، فقہی اور حکمتی مسائل سے کوئی مسئلہ ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہا ۔ وہ تزکیۂ نفس، تصفیہ قلب اور نفس کی بلندی میں کمال کا درجہ رکھتے تھے ۔ قدسی قوت کے وہ مالک عقل سے استفادہ کرتے رہے ۔ چنانچہ مبادیات کی طرف رجوع اور مقدمات کی طرف رجوع کیے بغیر وہ مطالب کا سراغ لگاتے اور مقصد پہ پہنچ جاتے تھے، اور وہ تھے نبیؐ امّی کے نائب (ان پہ خدا کا درود و سلام) اور وہی نبیؐ ہے جس کو سکھایا شدید القویٰ (حضرت جبرائیل علیہ السلام) نے، اور اُسی نے نازل کیا ان کے دل پہ اللہ کے حکم سے اور اسی کے طفیل سے تائید کرتا ہے اس کے نائبوں کی اور ہم میں سے جو اُن کے تابعین ہیں ان کی تائید کرتا ہے اور ان کی مدد کی ان سے روح القدس کے ساتھ اور اللہ نے انھیں سکھایا اپنی جناب سے علم

Marfat.com

اور وہ علیم و حکیم ہے۔ اور اُس حق سبحانہ' تعالیٰ کی بندہ نوازی سے کچھ بعید نہیں کہ اگر اب بھی ان بزرگوں اور برگزیدہ بندوں کی سنت کے مطابق کارکنانِ قضا و قدر انہی کے غلاموں میں سے کسی کو اس کی اہلیت اور قابلیت کے مطابق اس عنایت اور عزت سے سرفراز فرمائیں اور حقیقت کا انکشاف فرمادیں۔ اور اس عنایت سے نوازیں اور ان کے دل پر حقایق و معارف کا دروازہ کھول دیں، اگرچہ اُسے زیادہ ظاہری علم نہ بھی ہو۔ اور بعض فاضل اور واقف کاروں کی طرح بعض زائد علوم نہ بھی ہوں۔ ان کا شمار علمائے الٰہی میں ہوتا ہے کہ حقیقت میں علم لدنی کے یہی مالک راسخ علما ہیں، اور اُنھیں عارف باللہ کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یقینی طور پر عارف یہی ازلی مقبول ہیں۔ اے اللہ ہمیں فتح عطا کر فتح مبین اپنی معرفت کا دروازہ اور اپنی محبت اپنے رسولؐ صلعم کے طفیل اور حسنِ قبول اور ہمیں توفیق دے اپنی عبادت اور اطاعت کی اور نہیں ہے توفیق مگر تجھی سے!! رباعی:

یارب جانی کہ جملہ ہمت زاید
یارب جسدی کہ کار طاعت آید
یارب عملی کہ بر تو نزدیک کند
یارب علمی کہ جز توام ننماید

ترجمہ رباعی: یارب وہ جان عطا کر جو تمام ہمت رکھتی ہے، اور وہ جسم جو اطاعت کے کام آتا ہے۔ یارب وہ عمل کرنے کی توفیق بخش جو بندے کو تیرے نزدیک کر دیتا ہے اور علم عنایت کر جو تیرے اُسے شہود و حضوری کے ادراک کے سوا اور کچھ نہیں کرتا۔ (مصنف اپنی وضاحت کے مطابق) خداوندا ہم مردہ دلوں کو اپنی جانب سے وہ جان عطا فرما جو سراپا ہمت و جرأت و استقلال کی مظہر ہو، کیونکہ ایسی جان تیری خاص بخشش کے بغیر میسر نہیں ہوتی۔ اور ایسا جسم عنایت فرما جو ہمہ تن تیری عبادت اطاعت اور ریاضت میں مشغول رہے۔ ایک لمحہ بھی اس سے فارغ نہ ہو۔ کیونکہ یہ قوت تیری توفیق کی تقویت کے بغیر نصیب نہیں ہوتی۔ اور ہم سے ایسے اعمال وقوع پذیر کر جو خیر و برکت اور نجات اور تیری قربت کا باعث ہوں۔ اور تیری رضا کے موافق ہوں

Marfat.com

کیونکہ ایسے اعمال تیری خاص مدد کے بغیر صادر نہیں ہوتے ۔ اور ہم جاہل طبعوں کے نفوس پر ایسا علم القا فرما جو تیرے وجود، حضوری و مشاہدے کے ادراک کے سوا اور کچھ نہ کرے ۔ اور دل میں دائمی آگہی راسخ کر دے، کیونکہ یہ علم تیری خصوصی تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہوتا ۔ تو پاک ہے ۔ نہیں ہے ہمیں علم سوائے اس کے جو تو ہمیں سکھادے ۔ بے شک تو ہی علیم و حکیم ہے ۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو موجد اور موجود ہے اور شاہد اور مشہود ہے اور درود و سلام ہو رسولِ مقبول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو حامد و محمود ہیں۔ اور آپؐ کی آل رضؓ پر اور اصحاب رضؓ پر جو محافظ ہیں آداب اور حدود کے۔ امابعد پس یہ سوواں (۱۰۰) باب ہے جو دینِ خالص کے نام سے موسوم ہے۔ پس عبادت کرو اللہ کی خالص ہوتے ہوئے اس کے دین کے ساتھ اور ہو جاؤ خالص محمدیوں میں سے، آگاہ رہو کہ اللہ ہی کے لیے دین خالص ہے۔ بیشک کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں پہلا مسلمان ہو جاؤں اور بنایا مجھے اللہ تعالیٰ نے پہلا خالص محمدیؐ اور مشرف کیا مجھے خالص محمدیت کے ساتھ جو کہ اللہ کی ملّت اور اس کا خالص دین ہے کہ جس کی طرف اللہ نے اشارہ کیا ہے اپنے کلام میں۔ آگاہ رہو کہ بیشک دین خالص اللہ کے لیے ہے۔ پس جس نے خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لیے اور وہ خالص محمدیؐ ہو گیا، پس اس کا اجر اس کے اللہ کے پاس ہے اور وہ اللہ کے صالح بندوں میں سے ہے۔ وہ صالح بندے کہ جن پر اللہ کا سلام ہے اور اللہ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اور یہی لوگ موحّد مومن ہیں جو کہ اپنے رب کی عبادت میں نہیں ٹھہراتے شریک کسی کو بھی اور وہ خالص محمدیؐ ہیں کہ ان کے خلوص میں ان کی انانیت کا کوئی امتزاج نہیں اور اللہ ان کی مدد کرتا ہے تائید سے مدد اور جان لو کہ توحید دل کا خالص ہوتا ہے غیر کے تعلق سے اور اُس کا خالی ہوتا ہے

Marfat.com

ماسوی اللہ سے اور گراتا ہے موہوم نسبتوں کو اعتباری موجودات سے، کہ جن کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اُن کے نفسوں کے ساتھ مگر اللہ کی کارسازی کے ساتھ جس نے کہ ہر چیز کو استوار کیا، اور وجہ اللہ میں مستغرق فنا اور مضمحل ہونے کے ساتھ اس طرح کہ تم جدھر کا رُخ کرو ادھر ہی خدا کا چہرہ پاؤ، یوں نہیں کہ توحید جیسے وہم میں مبتلا کرتی ہے جہلا کو اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہے یعنی عبد اور معبود کا اتحاد ہے اور واجب و ممکن کی عینیت ہے۔ اور دُور کرتا ہے ثابت مراتب کے امتیاز کو جسے ثابت کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے ساتھ اور احکام شرعیہ کی آسانی کے ساتھ اور برابر ہے کفر و اسلام اور حق و باطل میں تفریق کا معدوم ہونا، اور حق کا پاتا خلق سے، اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا انحصار ان موجوداتِ کونیہ میں جیسے کلی طبیعی وجود اُس کے افراد میں کیونکہ یہ فاسد اور باطل عقیدہ الحاد و زندیقیت ہے اور کفر محض ہے۔ اور اس کے لیے ہدایت کی طرف کوئی راستہ نہیں اور یہ خالص گمراہی ہے۔ بچائے اللہ ہمیں اور تمھیں اس اعتقاد کے تصور سے جو کہ گمراہ اور گمراہ کرنے والوں کے اعتقادات میں سے ہے۔ جن کا کوئی مولیٰ نہیں کیونکہ یہ حقیقتِ حق کا انکار ہے۔ اقرار اور اثبات خلق اور نفیٔ حق کی صورت میں۔ ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اس سے۔ اے اللہ مشرف کر ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو اپنی توحید سے جس کی طرف کہ ہمیں بلایا ہے رسول نے اور دین کی اساس اور اسلام نے، اور محفوظ رکھ ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو اس الحاد سے جو پھیلا ہوا ہے اس زمانے میں جسے تصوف کہا جاتا ہے۔ اللہ بلند ہے اس چیز سے جس سے وہ اللہ کو بیان کرتے ہیں۔ اور گواہی دیتے ہیں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے اور گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور بندے ہیں۔ درود ہو اُن پر اور اُن کی آل پر اور اصحاب رضؓ پر سلام ہو۔ ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے، اس پر جو اس نے انعام کیا خالص محمدیوں پر ان کے دین کی سلامتی کے ساتھ اور سلام ہو اس کے ان بندوں پر جنھیں اللہ تعالیٰ نے چُن لیا خاص چناؤ کے ساتھ اور اُنھیں زیادہ کیا اُن کے یقین میں اور اگر ناسوتی پردہ چاک بھی ہو جاتا تو نہ زیادہ ہوتے یقین کے لحاظ سے۔ یہی لوگ ہیں جنھیں ہدایت دی اللہ نے مطلوب کو پہنچنے کے ساتھ۔ پس ان کی ہدایت سے کہ وہ تمھیں ہدایت دیتے ہیں اس راستے کو دکھاتے ہیں ساتھ جو مطلوب تک پہنچانے والا ہے۔ اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ یہ قوم کے لیے ایک ہادی ہے اللہ راہبری کرنے

Marfat.com

والا ہدایت کے راستے کی طرف ۔ اے قوم عبادت کرو اللہ کی طریق محمدی پر۔ نہیں ہے کوئی معبود تمھارے لیے اس کے علاوہ ۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے ۔ اسی لیے فلک ہے اور اسی کے لیے حکم ہے ۔ اور عاقل نہیں جانتے کون ہے جس نے پیدا کیا متحرک آسمانوں اور ساکن زمین کو اور نازل کیا ہے تمھارے لیے آسمان سے پانی، پاکیزہ پانی اور پیدا کیے ہیں اسی سے زمین میں باغات پُر رونق، قسم قسم کے ۔ نہیں تھا تمھارے لیے قدرت بشریہ کے ساتھ کہ تم پیدا کر سکو ان کے درختوں کو ۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے بلکہ محجوب جو ہیں تجاوز کرتے ہیں عبدیت کی حد سے، اور یہی لوگ راہِ راست سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں ۔ بھلا وہ کون ہے جس نے بنایا زمین کو جائے قرار پانی پر اور اس کے اندر دریا رواں کیے جو بہتے ہیں سمندر تک اور بنائیں اس کے لیے پہاڑوں کی میخیں، اور دو سمندروں کے درمیان پردے حائل کر دیے اور یہ میٹھا اور شیریں ہے اور وہ نمکین اور کڑوا ہے ۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے، بھلا کون ہے جو بیقرار کی پکار سنتا ہے جب وہ اسے بلاتا ہے ایسی دعا کے ساتھ جو قبول ہونے کے لائق ہے اور دُور کر دیتا ہے برائی کو اس پکارنے والے سے اور بنایا تمھیں زمین میں خلیفہ ۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے ۔ کم لوگ ہیں جو اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں ۔ کون ہے جو تمھیں ہدایت دیتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں نور کے ساتھ جس سے تم دیکھتے ہو اور کون ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو، ہوا کے تموّج سے بشارت دیتے ہوئے اپنی رحمت سے پہلے تاکہ تمھارے دل آرام پائیں سانس کے ساتھ ۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ۔ اللہ بلند ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں ۔ بھلا کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا ہے اور اُسے ظاہر کرتا ہے ذہن میں اور خارج میں اور پھر اُسے لوٹاتا ہے شہادت سے غائب کی طرف اور کون تمھیں رزق دیتا ہے آسمان سے اور زمین سے اچھا رزق ۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ۔ پس کہاں ہے دلیل، پس لاؤ اپنی دلیلوں کو اگر تم سچے ہو ۔ پس پاک ہے میرا رب کہ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا اور میں نہیں ہوں مشرکین میں سے ۔ وہ میرا اور تمھارا رب ہے، پس اس کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے ۔ اور نہیں کوئی طاقت اور قوت مگر اللہ کے ہاں اور وہ بہترین مددگاروں میں سے ہے ؏

Marfat.com

وجود وایجاد کے بیان اور توحید والحاد کے فرق کا باب

لفظ وجود سے مُراد وجودِ حق تعالیٰ اجل شانہٗ ہے جو قائم بالذات ہے، خود بخود موجود ہے اور مستقل بالذات ہے کیا باطنی مرتبے میں اور کیا ظاہری مرتبے میں۔ اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہ بے نیاز اور قابلِ ستائش ہے۔ اور کلمۂ ایجاد سے مقصود اللہ کی جانب سے وجود ظلّی کا اکتساب فیض کرنا ہے۔ یعنی حقائق موجودہ ممکنہ کا اللہ کی طرف سے۔ کیونکہ ایجاد حرکتِ ارادیہ ہے واجب سے ممکن کی طرف تقویم کے ساتھ۔ پس جب وہ مخفی الٰہی ارادہ نکلتا ہے وجود کے باطن سے اور پہنچتا ہے ظاہر میں اور ہوتا ہے جلی۔ پس وہ ظاہر ہوتا ہے لفظ سخن کے ساتھ پس اسے سنتے ہیں حقائق ممکنات، استعدادات اور اہلیت کے کانوں کے ساتھ، اور پہنچتا ہے فیض وجود ظلّی حق سے حقائق تک اور ان پر پھیل جاتا ہے اس افاضے کے توسل سے جو کہ ظاہر ہوتا ہے لفظ کُن کی صورت میں۔ جس طرح کہ معنی سمجھے جاتے ہیں لفظ سے اور منکشف ہوتے سامعین پر اس کے توسط سے۔ پس جب وہ کسی معاملے کا فیصلہ کر دیتا ہے تو بے شک وہ کہتا ہے اس سے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔ پس مرتبۂ وجود کی مثال نور کی سی ہے جو خود بخود روشن اور ظاہر ہے اور ایجادی مرتبے کی مثال اس نور کے عکس کی سی ہے جو دوسری اشیا پر پڑتا ہے اور ان کو بھی روشن اور ظاہر کر دیتا ہے۔ پس وجودیت وہ مرتبۂ کمال ہے ذاتِ وجود کے لیے اور موجودیت مرتبۂ تکمیل ہے اس کے لیے۔ پس واجب موجوداتِ ممکنہ کے ضمن میں وجوب بالغیب کے ساتھ مرتبۂ تکمیل کے ضمن میں اس کا وجود ہے اور یہ مرتبۂ ثانیہ ہے وجود سے اور اُسے وجود ظلّی سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور جو اس میں داخل ہوا ہے مرتبۂ کمال میں اس کا وجود ہے جو کہ مرتبہ اولیٰ ہے وجود کے لیے اور موسوم کیا جاتا ہے انتزاع کے منبع سے، پس حق حق ہے اور خلق خلق ہے۔ اور عالم کے لیے قدیم صانع اور واجب الوجود ہے۔ واحد ہے، حیّ ہے، زندہ ہے، علیم ہے اور مرید ہے، قادر، سمیع، بصیر، متکلّم اور ہر چیز جو ظاہر ہوتی ہے عالم میں اور صادر ہوتی ہے خلائق سے، وہ اللہ کی مشیت اور اُس کے اندازے سے اور نہیں طاقت اور نہیں ہے قوت مگر اللہ بلندی و عظمت والے کے ساتھ۔ جو اللہ نے چاہا ہو گیا جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا اور نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے،

Marfat.com

وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیئے مُلک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے۔ کرتا ہے جو چاہتا ہے اور فیصلہ دیتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ ——————— قصّہ کوتاہ یہ کہ توحیدی حالت اور الحاد کی کیفیت بیان کرنی چاہیے جو بہت لازمی اور ضروری ہے۔ اس زمانے میں اکثر ناتمام صوفی اپنے ناقص خیال میں اپنے آپ کو موحّد (توحید پرست) خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ بالکل الحاد میں گرے پڑے ہیں۔ اور توحید کی راہ سے بھٹک گئے ہیں اور گمراہی کے بیاباں میں سرگرداں ہیں۔ وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، ہادیٔ برحق ان بے دینوں کو اپنے رسول پاکؐ کے صدقے ہدائیت کی راہ دکھائے اور دیگر خلق خدا کو گمراہ کرنے سے باز رکھے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ توحید عین ایمان ہے اور حضرت رسول کریم (ان پر خدا کا درود وسلام) نے اسی توحید کی دعوت دی۔ توحیدی حالت میسر آئے بغیر عاقبت کے عذابوں سے نجات نہیں ملتی اور دُنیا میں بھی علائق دنیاوی سے رہائی نصیب نہیں ہوتی۔ وہ توحید یہ ہے کہ تو یہ سمجھ لے کہ خدا ایک ہے اور اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں۔ معبودِ حقیقی وہی ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور موجود بالذّات وہی ہے اور باقی ساری موجودات کو وہی وجود میں لایا۔ وہ جسے چاہتا ہے موجود کر دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے معدوم کر دیتا ہے۔ ——————— اور اپنے باطن کو ہمیشہ ہر وقت اس کے ذکر اور حضوری سے معمور رکھو، اور ماسوی اللہ کی یاد سے خالی رکھو اور دنیاوی صورتوں کے تصورات کو اپنے دل کی تختی سے مٹا دو۔ اور ماسوی اللہ کے باطل خیالات کو دل سے بھلا دو۔ تمھارے باطن میں محبت بھی اللہ ہی کے لیے ہو اور بغض بھی اللہ کے لیے۔ حُبِّ دُنیا کو دل سے نکال دو۔ اور لوگوں سے حسد و بغض اور کینہ نہ رکھو۔ اور مخلوق کے تمام افعال میں اس فاعلِ حقیقی ہی کی قدرت کا مشاہدہ کرو۔ اور یہ جان لو کہ جو کچھ ہے اللہ ہی کی جانب سے ہے اور زبان حال و قال سے لاحول ولا قوّۃ الّا باللہ۔ (یعنی نہیں قدرت اور قوت کسی کو سوائے اللہ کے) پڑھو۔ اور فقط اسی کی ذاتِ مطلق کو نفع رساں، ضرر رساں، تخلیق کرنے والی اور رزق دینے والی، زندگی بخشنے والی، مارنے والی اور مانع اور باعث سمجھو۔ اور ہمیشہ اپنے دل کو اُس کے قرب اور معیت سے مسرور رکھو۔ اور ماسوی اللہ کے خیالات سے بالکل خالی کر لو، اور ظاہری طور پر اپنے آپ کو اس کی عبادت اور اطاعت میں مشغول رکھو۔ اور اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کر اور باطل خداؤں کی ظاہراً اور

Marfat.com

باطناً نفی کرو اور توکل اور تسلیم و رضا کی حالت پیدا کرو، کیونکہ توحید عبارت اسی سے ہے نہ یہ کہ زبان سے ہر موجود کو عین حق سمجھے اور تیرا دل و دماغ اپنی دنیاوی صورتوں کے تصورات سے بھرا ہوا ہو اور ہمیشہ پریشان حال رہو۔ اور زبانی ماسوٰی کی نفی اور حق تعالیٰ کا اثبات کرے اور حقیقت میں حق کی نفی اور خلق کا اثبات کرے۔ اور حق تعالیٰ کو کلی طبیعی موجود کی طرح اسی مخلوق و موجودات کی کثرت میں موجود خیال کرے۔ اور کہے وہی معقولِ محض اور جنس عالی ہے اور اُسے عقلی منتزعات کے گروہ سے سمجھے، اللہ ایسے باطل عقیدے سے بچائے۔ بے شک یہ کافر ہیں جن کا کوئی مولیٰ نہیں۔ حیف، صد حیف کہ توحید تو ماسوی اللہ سے دل کی گرفتاری کی خلاصی ہے نہ کہ مخلوق کا اثبات اور مالکِ حقیقی کی نفی۔ کہ یہ الحاد ہے اور محض کفر و گمراہی۔ خدا نہ کرے کہ پہلے صوفیا کا بھی یہی عقیدہ رہا ہو۔ کیونکہ یہ ملحدین انہی کے کلام سے اس مطلب کو سمجھتے ہوئے خود کو ان کے تابعین کہلاتے ہیں۔ اور انہی کے کلمات و عبارات کو سند مانتے ہیں۔ اللہ ہی جانتے کہ ان بزرگوں کی مُراد کیا تھی۔ یا مستی کے عالم میں اُنھوں نے سطحی طور پر کہا ہو اور اس کے بعد اس مقام سے آگے بڑھ گئے ہوں یا ان کی نیک عبادت اصل مطلب سرانجام نہ دے سکی، اور ذہنوں میں جلد آجانے والے مطالب دوسری نوع میں بدل گئے ہوں اس صورت میں وہ معذور و مجبور ہیں۔ اور فرض کیا اگر انھیں یہ فاسد معانی ملحوظ تھے جو یہ نام کے موحّد ملحد بیان کرتے ہیں اور اس پہ تحقیق و معرفت کا گمان کرتے ہیں۔ بزرگی و ولایت تو ایک طرف بات ہے دین اور اسلام کی، اولیائے کرام، انبیائے علیہ السلام نائب اور شرع شریف کے خادم ہیں یا شیطانوں کے اہلکار اور دین مبین کو تلپٹ کرنے والے۔ خدا کے لیے انصاف کرنا چاہیے اور محمدیّت سے سرتابی نہ کرنی چاہیے۔ جمالِ الٰہی کو محمدیؐ آئینے میں دیکھنا چاہیے اور حقیقت کو شریعت کے مطابق سمجھنا چاہیے اور ولایت کے مالک کو کمالاتِ نبوت کی خلعت پہنانی چاہیے اور انبیا کی وراثت سے مشرف کرنا چاہیے اور شرع کے ظاہر سے شرع کی حقیقت تک پہنچنا چاہیے کہ اصل کام یہی ہے۔ اور ہدایت اور نجات کا اسی پہ دار و مدار ہے۔ خدا ہر صورت و حالت میں ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ سعادت و دولت کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ اے دوستو آخر بظاہر تم مسلمان ہو اور ظاہری صورت میں بھی ہمارے رسولؐ کی امت سے ہو پھر یہ سب کیا ہے اور رسول اللہؐ کی شریعت سے جدا

Marfat.com

کیوں ہوتے ہو۔ بندگی کے آداب کو بالکل ترک کر کے اپنے خیال میں کیوں کھوئے جارہے ہو۔ اور باطل کو حق تصور کرنے لگے ہو۔ کفر کو اسلام سمجھنے لگے ہو۔ اور الحاد پر توحید کا گمان کر رہے ہو۔ انکار کو اقرار سمجھ بیٹھے ہو۔ لغویات کو معارف سمجھتے ہو۔ علائق دینوی کو ماسوی اللہ سے انقطاع کا نام دیتے ہو۔ حق تعالیٰ سے غفلت کو آگہی کہتے ہو۔ کچھ دینی غیرت و حمیّت سے کام لو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھو اور ان کے اس ارشاد کو نہ بھولو کہ تم میرا اتباع کرو خدا تمھیں محبوب رکھے گا ، اور نہ ہی اس فرمانِ خداوندی کو فراموش کرو کہ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی، جس طرح ظاہر میں مسلمان ہو اسی طرح باطن میں بھی مسلمان بن جاؤ تاکہ تم منافقوں میں نہ گنے جاؤ۔ تمھارا ظاہر و باطن ایک ہو۔ دینِ محمدی تم سے رونق پذیر ہو۔ اور زندگی میں نماز، روزے کو قائم رکھو، نماز با جماعت اور جمعہ کی نماز قضا نہ ہو۔ مسجدیں اور مدرسے آباد رہیں۔ اور رشد و ہدایت کی ندی بہتی رہے۔ دینی علوم کی اشاعت سے اسلامی رسوم کو تقویت ملے۔ طریقِ محمدیؐ رائج ہو۔ شریعتِ محمدی قائم و دائم رہے اور توحید کے نام پر یہی الحاد کا بیان اکثر کفّار گدا اور ناہنجار مشرک بھی کرتے ہیں۔ ہمارے پیغمبر پاکؐ (ان پر خدا کا درود و سلام ہو) محض اس سہل کام کے لیے مبعوث نہ ہوئے تھے جیسے ہر سہل پسند آدمی سرانجام دے سکتا ہے۔ اور جو عوام الناس کے بھی نوکِ زبان ہے اور محمدیوںؐ کو اس معمولی کام کے لیے پیدا نہ کیا گیا تھا۔ حضورِ صلعم اور محمدیوںؐ (ان سب پر خدا کی سلامتی ہو) کو تو اہم کام سونپے گئے جنھیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بچارے اولیائے کرام جو اپنے ذوق و وجد میں گرفتار ہیں اس گرانقدر کام کے نہ سمجھنے میں مجبور ہو کر فرماتے ہو کہ میرا اجر سوائے رب العالمین کے اور کسی کے ذمے نہیں ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عرفان و معرفت کے مراتب اور سیر و سلوک کی منازل طے کر کے جو بات تحقیق شدہ ہے وہ یہ ہے کہ خداشناسی عبارت ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اُسے ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر جاننے اور نیز جہاں تک ہو سکے، مراتب حقّہ کے ہر مرتبے کی ادائیگی اور خلوت و جلوت، اور ظاہر و باطن میں یکسانیت سے، اور تمام حالات میں قول کے سچے اور افعال کے صالح ہونے سے، نہ یہ کہ طلب کے آغاز، اور سلوک کی ابتدا میں اکثر نالائقوں کو وہم پہ حقیقت کا گمان گزرنے لگتا ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ حق شناسی عبارت ہے وحدت وجود وحدتِ شہود اور تصوّف کے مسائل یاد کرنے اور ان کے متعلق بحث و تمحیص کرنے سے اور

Marfat.com

وجود کے مفہوم کے واحد معنی تمام دنیوی موجودات میں شامل ہونے سے اور یوں بزعم خود عارف بن بیٹھنا اور حقی و شرعی احکام کی ادائیگی سے بے بہرہ رہتا اور اہلِ سنت والجماعت جو خالص محمدی ہیں ان کے صحیح عقائد سے انحراف کرنا۔ بچائے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں خطا سے علم اور عمل میں اور عطا کرے ہمیں اور تمہیں شریعت مصطفوی اور طریق محمدیؐ کی اطاعت بغیر سستی کے ظاہراً اور باطناً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور بنائے ہمیں ان کے احبا میں سے اور وہی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ ہم گنہگار محمدیؐ اگر اپنے گناہوں پر نظر ڈال کر ندامت کے پسینے میں سراپا شرابور ہو کر عجز و انکسار اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ہم اپنے اس بحرِ بیکراں کا ایک قطرہ ہیں۔ اور اگر اللہ کی رحمت اور رسالت پناہؐ کی شفاعت سے کچھ آبرو پیدا کر کے اپنے فقر کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھا اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ گو ہم اپنی سیادت (سادات ہونے) کے جواہر خانے کے یکتا موتی ہیں۔ ہم غنی دل فقیروں کو کسی غیر سے کوئی حاجت نہیں۔ ہم جس کے محتاج ہیں وہ ہمارا وہی اصولِ عالیہ کا مرتبہ ہے۔ پس ہماری یہ فرعی صورت ہمارے اصولی کمالات کے لیے ظرف ہے اور زندگی کے پیمانے کی طرح وہی ظرف بھی ہے اور مظروف بھی۔ اور تمام اشیا اپنے اصل کی طرف ہی رجوع کرتی ہیں۔ رباعی:

گر قطرۂ آبیم و گر دُر شدہ ایم
نے صورت عجز نے تفاخر شدہ ایم
محتاج کدام و کیست محتاج الیہ
پیمانۂ عمریم ز خود پُر شدہ ایم

ترجمہ رباعی: اگر ہم پانی کا قطرہ ہیں یا اگر موتی بن گئے ہیں نہ ہم نے عاجزی کی صورت اختیار کی اور نہ فخر و مباہات کی، کون محتاج اور کون محتاج الیہ، ہم عمر کا پیمانہ ہیں اور اپنے آپ ہی سے پُر ہیں۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق مُراد یہ ہے کہ) ہم تمام ممکن الوجود موجودات کیا ادنیٰ اور کیا اعلیٰ، اگر پانی کے قطرے کی طرح ناچیز اور ارزاں ہیں اور اگر گراں قدر موتی کی طرح گراں بہا اور مہنگے ہیں دونوں صورتوں میں نہ تو سب لوگوں کے درمیان اپنے عجز و انکسار کے اظہار کے لائق ہیں اور نہ ہی اپنے ہم جنسوں میں فخر کرنے کے قابل ہیں۔ کیونکہ ہماری مخلوقات میں درحقیقت نہ ایک دوسرے کا محتاج

Marfat.com

ہے نہ محتاج الیہ۔ درحقیقت ہم سب بلاواسطہ اس ایک غنی ذات یعنی حق تعالیٰ کے محتاج ہیں گو بعض کو بعض سے مجازی اور اعتباری طور پر علیّت اور معلولیت کی نسبت ہوتی ہے۔ اور بعض میں بعض سے محتاج و محتاج الیہ ہونے کی نسبت مجازاً پائی جاتی ہے۔ لیکن فی الحقیقت ہر موجود حقیقت اپنے عمر کے پیمانے کی طرح اپنے مقدر کے امور کی قبولیت کا ظرف ہیں اور خود ہی اپنی تقدیری صورتوں کے مظروف اور نہیں اُٹھائے گا کوئی اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ۔ پس جان لو کہ جب ظاہر ہوگیا تمھارے لیے دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے کہ فاعلیت مختص ہے واجب تعالیٰ کے لیے، اور وہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور فیصلہ دیتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے اور نہیں ہے وجود میں فاعل کوئی بھی سوائے اس کے اور نہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر اللہ سے، اور انفعالیت جو منسوب ہے ممکن کے ساتھ وہ ہے اللہ سبحانہٗ کے فعل کا سایہ اور اس کی فعلیت کے توابع میں سے اس کی فعلیت ہی ہے۔ اور طلب کی جاتی ہے فاعل سے وہ بھی اسی کی طرف لوٹنے والی ہے اس اعتبار سے اور اسی سے منسوب ہے اور فاعلِ مطلق ہے۔ اس کی شان بلند ہے اور اُس کا غلبہ عظیم ہے۔ پس اس کشف اور ظہور کے بعد بالیقین جان لیا کہ اللہ جو جامع اور فعّال ہے ہے اسی کی طرف خاص طور پر صادر ہونے والے امور لوٹتے ہیں تمام عالموں میں اور اسی کی طرف ٹھکانہ ہے اور زائل ہوگئی تیرے علم سے اس مشاہدے کے ساتھ تیری تمام موہوم نسبتیں اور تیرا وجدان شہود الٰہی میں غرق ہوگیا، افاقے کے بعد موجود ہیں اعتباری لحاظ سے وجود موہوب حقانی کے ساتھ جیسے سلوک میں بقا بعد الفنا سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اور زائل ہوگئی تجھ سے اس وقت تیری موہوم عدمیت اور امکانی ظلمت اور نہ باقی رہا تجھ میں اس حالت میں مگر وجود موہوب جو کہ تجھے ہبہ کیا اللہ تعالیٰ نے خاص قربت کے ساتھ۔ پس اس وقت اور حال میں من و ما کے کلمات عارف کی شخصیت کے لیے وہی قدرت کا دیا ہوا وجود یا حق تعالیٰ کا عطیہ ہے اور انا و نحن کے الفاظ جو گفتگو کے دوران آتے ہیں اسی کی طرف منسوب ہیں جو منسوب الیہ حقیقی ہے۔ اور اس مقام میں مکمل غنا و استغنا ماسوی اللہ سے حاصل ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ فیض اسی ایک وجود کا پہنچ رہا ہے۔ اور وجود ہی ہے جو نسبتوں اور اضافتوں کے اختلاف سے خود ہی محتاج بھی ہے اور محتاج الیہ بھی اور وہ نورٌ علیٰ نور (سراپا نور) ہے اور ممکنہ موجودات کے بھیک مانگنے کے کاسے اسی کی نعمتوں اور عطاؤں سے پُر ہیں۔ وجود کمالات وجود میں سے حاصل ہوا

Marfat.com

اور وجود کا باطن وجود کے ظاہر میں جلوہ نما ہوا کہ ماہیات واستعدادات کے پیمانوں نے اپنی اہلیت اور قابلیت کے شایاں جو کون وحصول کے معنوں میں وجود کی استدعا ہے ۔ اسی واجب الوجود اور مبداُ فیاض سے پائی ہے جو قائم بالذات اور فیض رسانِ مطلق ہے ۔ اس سے قبل خود بھی موجوداتِ علیہ میں سے علم الٰہی میں تھے اور حق تعالیٰ نے اُنھیں صورِ علیہ (علمی صورتوں) میں عالم خلق میں معرضِ وجود میں لایا ۔ پس یہ امتیازات جو اس عالم میں قطرے اور موتی کی شکل میں آئے ہیں ، اور مختلف اور کثیر التعداد صورتیں اختیار کرلی ہیں ، تمثیل کے طور پر اپنی صورت کے اعتبار سے پیمانے ہیں جو اپنی حقیقت کے ظہور کا مقام ہیں ۔ اور حقیقت حال کے لحاظ سے اپنی صورت کے مقام میں ہیں ۔ اور اپنے آپ ہی سے بھر گئے ہیں ۔ اور حق تعالیٰ ان تمام صورتوں اور حقائق سے ورا لورا ہے ۔ اور ان سب کا خالق ہے ۔ وہ اپنے علاوہ کسی سے متحد نہیں ہوتا اور نہ حلول کرتا ہے ۔ یہ سمجھ لو کہ وحدتِ وجود اپنی خصوصیت کے لحاظ سے ان اعتبارات میں جو عالم کے نام سے موسوم ہے ایک دوسرے کے ساتھ ہے ۔ فیضِ وجودی ہی اک امر واحد ہے جو ہر واحد تک پہنچتا ہے ۔ اور شہودی معانی ہی ہیں جو ہر جگہ جلوہ گر ہیں اور ایک آفتاب وجود کا نور ہے جو تمام موجودات پر عکس ریز ہے ۔ اور یہاں وجود سے مُراد وجود ظلّی ہے جو کون وحصول کے معنوں میں آیا ہے ۔ نہ اس طرح جیسے کہ اہلِ الحاد کا ظن وگمان ہے یا بداعتقاد زندیقوں کا عقیدہ ہے کہ وہ واجب اور ممکن ، رب اور مربوب عبد اور معبود ، خالق اور مخلوق میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہر کمینے اور ادنیٰ انسان کو یا مولیٰ اور یا رب کے الفاظ سے پکارتے ہیں ۔ اور حق تعالیٰ کو کلی طبیعی خیال کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بہت بلند وبالا واعلیٰ وارفع ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اِلٰہ سمجھنا جاہلوں کا ظن وگمان ہے جو وہ کہتے ہیں اللہ اُس سے پاک اور بلند ہے ۔ وجود کے اس مرتبے میں جو لا بشرط کا مرتبہ ہے مابہ الموجودیت اسی سے عبارت ہے اور حق تعالیٰ سے منسوب ہے ۔ اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی عین ذات ہے جس طرح یہ سارے اعتبارات کم ہیں اسی طرح وحدت کے اس عالی مرتبے میں تمام اعتبارات کی طرح کم ہیں کہ وہ بھی ایک اعتبار ہی ہے اور وہ مرتبہ کثرت ووحدت ، نفی واثبات اور عینیّت وغیریّت (اجنبیّت) کی نسبتوں سے برتر اور مبرّا ومعرّا ہے ۔ کیونکہ نسبت کا ہاتھ اس کی عظمت وکبریائی کے دامن تک نہیں پہنچتا اور دورِ حاضر کے صوفیا جو خالق ومخلوق کی عینیّت (یکسانیت) کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنی اسی دریافت کو اپنی سوجھ بوجھ کا منتہیٰ سمجھتے ہیں اس بات کی تہ تک پہنچیں یا نہ پہنچیں اس کلام کے

Marfat.com

مغز کو پاسکیں یا نہ پاسکیں ہم نے تو کہنے کی جو بات تھی کہہ دی۔ اور جو موتی پروئے جانے کے قابل تھا وہ ہم نے پرو دیا اور عقدے کو کھول دیا۔ اور ہمارا کام تو بس پیغام کا پہنچانا تھا سو پہنچا دیا۔ اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف اور اسی کی طرف سے توفیق ہے۔

رباعی:

ہر چند بعلم و فضل ممتاز شوی
مشکل کہ بفقر نکتہ پرداز شوی
بوی نشنیدۂ ز عرفان تاحال
مدّت باید کہ واقفِ راز شوی

ترجمہ رباعی: تم علم و فضل میں خواہ کتنے ممتاز کیوں نہ ہو جاؤ بڑی مشکل بات ہے کہ فقر کے نکتے تک رسائی حاصل کر سکو۔ تم نے تاحال عرفان و معرفت کی خوشبو تک نہیں سونگھی، تمہیں واقف راز ہونے کے لیے ایک مدت درکار ہے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) یہ لغوگو متصوفہ اور بے ادب مباحثہ جُو کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ ہر چند کہ تم فصوص کے مطالعے سے علم تصوف سے آشنا ہو اور کتاب الموسوم 'فتوحات' پڑھتے ہو اور زبانی تقریر اور بیان کی رو سے مقلّدین اور صاحب قال لوگوں کے گروہ میں لفظی فضیلت سے امتیاز پیدا کر لو، اور فوقیت حاصل کر لو، لیکن یہ بڑی مشکل اور دشوار بات ہے کہ تم علم فقر کے رموز کو بھی پاسکو جو عبارت ہیں اللہ کے تقرب سے اور کتابوں کے مطالعے سے حاصل نہیں ہوتے۔ وہ تو مرجع خلائق اولیائے کرام اور صاحب تمکین بزرگوں کی متبرک صحبت کی دریافت پہ موقوف ہے۔ یا منتہی بزرگوں کے مقولوں سے کوئی راز یا نکتہ سمجھ سکو، اسے مبتدی کہ یہ راستہ جس میں ابھی تم عینیّت و غیریّت (اجنبیت) کے سمندر کی موجوں میں غوطے کھا رہے ہو جمع کے بعد فرق کے ساحل پہ تاحال نہیں پہنچ پائے اور اور کفر طریقت کے بھنور سے نکل کر حقیقی اسلام اور تحقیقی ایمان کے ساحل پر قدم نہیں رکھ سکتے ہو تم نے ابھی گلشن قدس کی بہار کے عرفان و معرفت کے پھول کی خوشبو دُور سے بھی نہیں سونگھی اور عندلیبِ حقیقت کے درد بھرے نالوں کو گوش ہوش سے سُنا تک نہیں۔ مدتوں تک تجھے اس

Marfat.com

بیاباں میں خاک بسر اور آتش بجاں ہو کر پریشان و خراب حال رہنا پڑے گا۔ اس کے بعد اگر ہادیٔ حقیقی کی ہدایت نے تمھاری دستگیری کی اور سیدھی راہ دکھائی تو اس وقت تم سمجھ سکو گے کہ حق بات تو یہ ہے کہ حقی طریق محمدیؐ طریق ہی ہے۔ اور جو کچھ خالص محمدیوںؐ نے کہا اور لکھا ہے وہ علم و عرفان کے مبارک درخت کا ثمر اور سیر و سلوک کا نتیجہ اور اسلام و ایمان کا حاصل ہے۔ اللہ کی توفیق سے ان کی پیروی کی ڈور کو ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی۔ پس ان کی ہدایت کی پیروی کرو۔

Marfat.com

هُوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑے رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جس نے ہمیں دکھائے ہیں معاملات کے حقائق اور ہدایت دی تاکہ ہم دیکھ سکیں عاجزی اور قاصر ہونا اور درود وسلام ہو اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ ہمیشہ بغیر کسی نقص کے اور آپؐ کی آل رضی پر اور اصحابؓ پر جو ارباب شہود وحضور ہیں۔ امابعد پس یہ ایک سو ایکواں (۱۰۱) باب ہے جو حقیقت الامر سے موسوم ہے۔ جان لے اللہ تجھے نیک بخت بنائے اور تجھ سے پردے کو دُور کر دے کہ بندہ جب جان لیتا ہے کسی معاملے کی حقیقت اور اٹھا دیا جاتا ہے پردہ اس کے دل سے تو وہ دیکھ لیتا ہے حقائق جیسے وہ ہیں نفس امر میں۔ اور سکھاتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے حکمت جو کہ کثیر بھلائی پر مبنی ہے۔ پس وہ سمجھتا ہے اسرار امکانیہ اور وجوبیہ سارے کے سارے طاقت بشری کے مطابق اور منکشف کر دیتا ہے اس پر حقیقت امکانیہ کا عاجز ہونا ادراک سے ذات کی حیثیت سے۔ پس روشن ہو جاتی ہے اس کے دل پر اللہ واجب تعالیٰ کی قدرت جس نے واجب کیے ہیں امور ممکنات موجودہ اپنے وجوب کے ضمن میں اور وہ اپنے معاملے پہ غالب ہے اور اللہ کا معاملہ ہو کر رہنے والا ہے۔ پس حیران ہو جاتا ہے وہ بندہ اس وقت اس کی جلالت کے مشاہدے سے کہ جس کی شان بلند اور غلبہ مضبوط ہے۔ اور اعتراف کرتا ہے اپنے نفس کی عاجزی کا معرفت کے کمال کو جاننے سے اور گواہی دیتا ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے۔ اور نہیں

Marfat.com

ہے طاقت اور قوت مگر اس کے ساتھ، اور مشاہدہ کرتا ہے ذات کے جمال کا اسماءؑ اور صفات کے آئینوں میں جیسے کہ دیکھتا ہے اسماءؑ اور صفات کی تجلّیات ان کے مظاہر میں جو کہ موجوداتِ ممکنہ ہیں اور اس مرتبے میں شہودِ عین حیرت ہوتی ہے اور حیرت عین شہود۔ پس جب مشرف کرتا ہے اللہ سبحانہٗ اپنی عنایت کے کمال سے خاص شرف کے ساتھ اور اُسے فنا کے بعد بقا کی خلعت عنایت کرتا ہے اور اُسے پہنچاتا ہے جمع کے بعد فرق کے مرتبے کو اور اصل کو ظلّ سے ممیز کرتا ہے اور فرق کرتا ہے پاکیزگی تشبیہ کے درمیان اور محافظت کرتا ہے بندگی اور الوہیت کے آداب کی اور ہوتا ہے اللہ کے ساتھ ظاہری اور باطنی طور پر اور اللہ ہوتا ہے اس کے ساتھ ہر حالت میں۔ جو اللہ کے لیے ہوگیا اللہ اس کے لیے ہوگیا۔ اے خالص محمدؐ یو یاد کرو اپنے رب کو جب تم اُسے بھولنے لگو اور اس کے حضور و شہود میں ہمیشہ کے لیے مستغرق ہو جاؤ۔ اور قائم ہو جاؤ طریقِ محمدیؐ پر اور قائم کرو اللہ کی حدود تجاوز کرتے ہیں وہی لوگ ظالم ہیں۔

امکانی حقیقت اور حیرت و نادانی کے اعتراف اور مرتبۂ وجود کی یکتائی اور حضوری و مشاہدے کی ترغیب کے بیان کا باب

امکانی حقیقت ایک عجیب مفہوم ہے جو بذاتِ خود وجود و عدم کے کسی امر کا مقتضی نہیں بلکہ نفسوں کے نظریے سے طرفین کی طرف سے ضرورت کا سلب (نفی) رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ نقیضین (نہ یکجا جمع ہونے والے نہ معدوم ہونے والے) مرتفع نہیں ہو سکتے، اس بنا پر موجود افراد حضرت وجود کے حضور میں واجب کے ضمن میں واجب بالغیر ہونے کی رُو سے موجود معلوم ہوتے ہیں۔ اور اُس کے معدوم شدہ افراد عدم کے مرتبے میں ممتنعہ امور کے ضمن میں اضافی امتناع کے لاحق ہونے سے معدوم سمجھے جاتے ہیں۔ اور اُس کے مطلق افراد کا مجموعہ ان دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ اور تیسری شق ہے نہیں جو وجود و عدم کا درمیانی واسطہ ہے۔ اور وہ بعض لوگ جو واسطے کے قائل ہیں اور موجود و معدوم کا واسطہ ثابت کرتے ہیں۔ اور اُسے اپنی اصطلاح میں حال کہتے ہیں جیسے جوہر کی جوہریت اور سیاہی میں سیاہ پن اور ایسی ہی دیگر مثالیں کہ اُنھیں نہ موجود کہا جا سکتا ہے اور نہ معدوم کیونکہ جوہر و سیاہی ہی وجود ہیں نہ کہ جوہریت اور سیاہ پن جو سوائے مفہوم کے اور کچھ نہیں۔ پس ان پر موجود کا اطلاق کرنا درست

Marfat.com

نہیں۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ جوہریت اور سیاہ پن معدوم ہیں، کیونکہ اس صورت میں جوہر اور سیاہی کی نفی بھی ہوتی ہے۔ واسطہ ثابت کرو اور حال سے تعبیر کرو، کہ بعض متکلمین کے نزدیک یہ ایک الگ بحث ہے۔ جو " بما نحن فیہ" سے تعلق نہیں رکھتی۔ قصہ کوتاہ یہ کہ وہ امکانی معانی اک عجیب ہی امر ہے جس کی حقیقت نامعلوم ہے کہ مستقلاً نہ جیسے موجود کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی معدوم۔ حق بات تو یہ ہے کہ قرآن پاک میں انسان کے متعلق جو یہ فرمایا گیا ہے کہ بے شک انسان ظالم وجاہل ہے۔ یہ اس پہ امکانیت کی رُو سے چسپاں ہوا۔ انسانی دریافت کا منتہا حیرت و نادانی کا اعتراف اور امکان کے ادراک کا اعلیٰ مرتبہ ہے کہ وہ اعتراف کرتا ہے کہ اے ہمارے رب ہم نے تجھے نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق ہوتا ہے۔ اور ہم نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق ہوتا ہے کیونکہ ہمیں نہیں ہے مگر تیری تجلیات جو کہ تیرے اسماء اور صفات کے ظہور ہیں۔ پس ہم نے نہیں پہچانا اپنے آپ کو تیری تجلیات کے جلال کے ساتھ جو کہ ہمارے اندر ہے۔ اور ہم نے نہیں پہچانا تمہیں اپنی نسبتوں کی خجالت کے ساتھ جس کا ہم نے اضافہ کر دیا ہے تیرے ساتھ۔ تو پاک ہے ہم نہیں احاطہ کر پاتے تیری تعریف کا جیسے کہ تو نے خود اپنی ثنا کی ہے۔ تمام موجودات کے موتی تیرے ہی وجود کی یکتائی کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ اور تمام ظہورات کے تمام جواہر تیرے ہی شہود کی پیدائی کے متعلق ہیں۔ تیری ذات بے ہمتا کی لاثانیت نے شراکت کے لفظ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور وحدت نے موہوم کثرت کو عمومی حیثیت سے ایک کر دیا۔ یہ عینیت کا خیال ایک پودا ہے جو تیری اتحادی نسبت سے اُگا۔ اور کلی غیریت (اجنبیت) وہ پھول ہے تو تیری امتیازی نسبت کی بادِ نسیم سے کھلا اور بے عیب ہونے کا پرچم ایک عنقا ہے جو بے نشان آشیانے سے بلند نہ ہوا، اور کیا ہے یا کیسی ہے مشابہت کی حالت۔ وجود ظلی کا سایہ ہے جو ہر موجود کے سر پہ سایہ فگن ہے۔ گلشنِ ایجاد تیری ذاتی وصفاتی تجلیات کی بہار سے سرسبز و شاداب اور آباد ہے اور اُس پہ اعتقا کی امن گاہ تیری ایمانی اور یقینی کیفیتوں سے فساد سے محفوظ و مامون ہے۔ تیری قدامت نے ازل پہ حادث ہونے کا دروازہ کھولا اور تیری بلا عدمِ آخرت نے ابد کے سر پہ لامتناہی سایہ ڈالا۔ تو ہی ہے جس نے آفتاب کے پنجے کو ید بیضا (انڈے کی طرح سفید) بنا دیا۔ تو ہی ہے جس نے فلک کی گردن میں کہکشاں کی حمائل ڈال دی ہے۔ تو ہی ہے جس نے دونوں جہانوں (دُنیا و آخرت) کو شراب کے ایک ہی گھونٹ سے مست وجود بنا دیا۔ وہی

Marfat.com

جس نے کون و مکان کو ایک ہی لفظ "کُن" سے پیدا کیا، اور ہستی میں لے آیا۔ قرآن مجید کی ہر آیت کریمہ کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر گواہ ہے۔ تیرے شہود کی پردہ کشائی کرتی ہے۔ اور یہ آیت کریمہ کہ تم جدھر کا رُخ کرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے، تیرے وجود کی جلوہ نما ہے۔ بے انتہا حمد و ثنا اور بے انداز تعریف و ستائش تیرے لیے ہی ثابت ہے، اور تیری ذاتِ والاشان کے شایان ہے۔ کہ تیرے وجود کا فیض عام ہر موجود تک پہنچا تیری ہی عالیجناب کے لیے بے حد و حساب حمد اور شکر کی حقدار ہے۔ تیرا ہی عالی مرتبہ اس کا سزاوار ہے کہ تو بے اپنی بے خطا رحمتِ رحمانی کی عطا کا سائبان ہر موجود کے سر پر تان رکھا ہے۔ کیونکہ اگر تیرے وجود ظلی کے فیض کا سورج امکانی حقائق پر نہ چمکتا اگر تیری وحدت کا گھل مل جانے والا دھاگا اعتباری کثرت کے پشمینے کو نہ بُنتا تو امکانی مرتبے کا تاریک خانہ بے چراغ ہی رہتا۔ اور دُنیاوی اضافات کے انتظام کا تانا بانا بے نمود و نمائش ہی رہتا۔ یہ تیری ہی تجلّی کی صبح ہے جس نے عالمِ شہادت کو روزِ روشن بنا دیا۔ اور تیری ہی پوشیدگی کی شام ہے جس نے عالمِ غیب کے چہرے پر پردہ ڈال رکھا ہے اور تیرے ہی وجود کی قبولیت کی جاری نہر سے گلشنِ امکان سراسر شاداب ہے اور تیری ہی نمود کی بہار سے تمام باغِ دُنیا سرسبز ہے۔ پاک ہے تیری ذات اے اللہ۔ سب تعریف تیرے ہی لیے ہے۔ گلستانِ وجود میں موجود کوئی پودا ایسا نہیں اُگا جو شہادت کی انگلی کی طرح تیری تسبیح و تقدیس، ذکر اور تیری یکتائی کی شہادت کی انگلی کی طرح نہ اُٹھا ہو۔ ظہور کے اس باغ میں کونسا اعتباری پھول نہ کھلا کہ جس کے پتے پتے نے تیری تعریف و توصیف کے دفترِ حسن کو نہ سجایا ہو۔ انسانی حقیر قطرے کی کیا حیثیت و مجال کہ کمالاتِ الٰہیہ کے بحرِ بیکراں کی حمد و ثنا کی گرہ کشائی کر سکے، سوائے اس کے کہ خود کو پوری طرح تیرے شہود کے سمندر میں گم کر کے تیرے لازوال مشاہدۂ جمال میں دائماً مستغرق رہے۔ بشری طاقت کا وہ کونسا حقیر ذرہ ہے جو اس واجب تعالیٰ کی تعریف و توصیف کے بے پایاں میدان میں چمکے۔ سوائے اس کے کہ اس آفتابِ حقیقی کی حضوری کے نور میں خود کو ناپید کر کے ہمیشہ اس وجود حقانی کی درخشندہ شعاعوں میں ہلاک ہو جائے۔ پس حیف ہے اس قلب پر جو ہمیشہ تیری حضوری و مشاہدے میں مستغرق نہ رہے۔ افسوس صد افسوس اس قالب (جسم) پر جو رات دن تیری عبادت و اطاعت میں مشغول نہ رہے۔ عرفان وہی ہے جو حضوری و مشاہدے کی نسبت کو تقویت بخشے اور ایمانی نور کو بڑھائے۔ عرفان عبارت ہے اس امر سے کہ ریاضتوں اور عبادتوں کی

Marfat.com

گرانی کو دل سے دُور کردے اور دل میں عبادت کی لذت اور ذوق وشوق پیدا کرے۔ ورنہ یہ پریشان حال نکمی فہم و فراست جسے فی زمانہ ملحدوں کی اکثریت بزعمِ خود عرفان و معرفت سمجھتی ہے کسی کام نہیں آتی، بلکہ بے ایمان بناتی ہے۔ اے ظالم وجاہل انسان، اور اے معلوم و نامعلوم کے معمّے جب تجھے اپنی ہستی و نیستی ہی کی سمجھ نہیں آتی جیسے کہ آنی چاہیے۔ تو تو واجب تعالیٰ کے وجود مقدس کو کیا سمجھ پائے گا۔ اور صرف اپنی عقل کے بل بوتے پر اس والاجناب تک کیسے پہنچ سکے گا۔ رُباعی:

گر دعوئے ہستی ست بہتان ست این

ور شکوۂ نیستی ست کفران ست این

اے حضرت انسان تحیرّ انجام

خود را نشناختی چہ عرفان ست این

ترجمہ رباعی: اگر تجھے ہستی کا دعویٰ ہے۔ تو یہ اک بہتان ہے۔ اگر اپنی نیستی کا گلہ شکوہ ہے تو یہ کفران و ناشکری ہے۔ اے حضرت انسان تیرا انجام حیرت و تحیرّ ہی ہے۔ یہ کیسا عرفان ہے کہ تو خود کو بھی نہ پہچان سکا۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) مراد یہ ہے کہ اگر ممکنہ ذاتوں پہ وجود کا دعویٰ کرتے ہوئے امکانی موجودات کو وجودات کہا جائے اور ہر موجود میں ایک علیحدہ وجود ثابت کیا جائے جیساکہ بعض کا گمان ہے تو یہ بات دراصل معانی شرک کے شائبہ سے خالی نہیں ہے اور یہ صرف بہتان اور محض افترا پردازی ہے۔ اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا تو اس نے کذب و افترا سے کام لیا، اور یہ اک بہت بڑا گناہ ہے۔ اور یا اپنی اس اعتباری ہستی کو عین حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ہستی خیال کیا جائے اور ان تمام ممکنہ موجودات کو عین واجب تعالیٰ ہی سمجھا جائے اور مخلوق کو خالق ہی تصوّر کیا جائے جیساکہ بعض کا گمان ہے تو یہ بات دراصل بے دینی کی میل کچیل سے پاک نہیں اور یہ حد درجہ بے ادبی اور نہایت بدتمیزی ہے۔ اور انھوں نے نہ قدر پہچانی اللہ کی جیسے کہ قدر پہچاننے کا حق تھا۔ اور اگر عدمیت کی نسبت اور بدیہی موجودات سلبی اعتبارات کے ملاحظہ کے مطالعے کی راہ سے دیکھا جائے تو ہر خاص و عام کے نزدیک ان کا وجود یقیناً ثابت ہے پھر اُنھیں اگر محض عدمات ہی کہہ دیا جائے جس نے وجود کی خوشبو کبھی سونگھی ہی نہیں تو یہ بیان گویا وجودی نعمت کی ناشکری ہے اور سراسر کفرانِ نعمت۔ کیونکہ اس منعم حقیقی نے تمام موجودات پہ

Marfat.com

عام انعام فرمایا ہے اور موجود کی یہ خلعتِ فاخرہ وجود کو پہنائی ہے۔ اللہ کا شکر کرو اور اس کی عبادت کرو، غرضیکہ حضرت انسان کو جب حق سبحانہ، کو اپنی قدرتِ کاملہ سے تمام اضدادی کمالات کا جامع اور اسمائے متقابل کا مظہر بنایا ہے اس سے ایک طرف کی نسبت کے خاص جھکاؤ سے بات سرانجام نہیں پاتی اور نہ ہی اس کی جامعیت کے شایانِ شان ہے۔ لہذا انسانی معرفت کی انتہا حیرت ہے۔ اور عرفان کا دعویٰ عدم اطلاع پر دلالت کرتا ہے۔ جب بیچارہ جاہل انسان اپنی ذات ہی کے عدم و وجود کے ادراک پر حیران و ششدر ہے تو پھر یہ کیسا علم و عرفان ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ کہ تم نہیں جانتے۔ بہرحال وہ بیان جو طاقتِ بشری کے مناسبِ حال اور انسانی علم کی شنوائی کے لائق ہے اور ہر خاص و عام کے لیے مفید اور عوام الناس کا اصلاح کنندہ بھی ہے۔ اور صحیح اور واضح بیان بھی۔ وہ یہ ہے کہ امکانی حقیقت کہ بذاتِ خود ایک مفہوم اور معلوم معنی کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی عدمی اصلیت پہ قائم کیا معدومیت کی حالت میں اور کیا موجودیت کی حالت میں۔ اور علم عارضی کے راستے یافت یا ذاتی جہل کے سبب نایافت حضرت انسان کو جو اعتباری موجود ہے۔ اعتباری موجودات و ممکنات میں سے کامل ترین فرد اور اشرف المخلوقات ہے تمام اوقات کیا سلوک کے ابتدائی اوقات میں اور کیا سلوک کے انتہائی مقامات و اوقات میں درپیش ہے اور ہمیشہ باوجود اس کے کہ تمام امور کو پالیتا ہے فی الحقیقت کسی امر کو بھی نہیں پاتا اور کسی ماہیت کی کنہہ کا ادراک نہیں کرسکتا۔ حقائق اشیا کو کسی وجہ سے کس حد تک سمجھتا ہے اور اس کی جہالت جو عدمی تقاضا کرتی ہے اس کے علم پر جو وجود کا مقتضی ہے غالب ہے کیونکہ امکان خاص میں جو ممکنات کا نصیب ہے وہ طرفین کی طرف سے ضرورت کی نفی ہے، طرف وجودی ہو خواہ طرف عدمی۔ اس صورت میں بیچارے عکس کا ذاتی طور پر امتناع کی جانب رجحان ہے اور ذات پہ نگاہ ڈالیں تو اس کا رجحان اور کشش عدم و فنا کی جانب ہے۔ اور اُس کی عدمیت جو بالذات ہے اس کے وجود پر غالب ہے جو قائم بالغیر ہے۔ طرفین کا مسلوب الضرورت ہونا بذاتِ خود تو قابلِ فہم ہے کہ وہ منفی معانی کا متضمن ہے، اور معدومیت اور عدم پہ دلالت کرتا ہے۔ پس ممکن الوجود کہ جو اپنی ذات کے لحاظ سے معدوم محض ہے اور اپنی بساط میں جہل کے سوا اور کچھ نہیں رکھتا جو کہ عدمی ہے۔ وہ اپنے آپ کے متعلق کیا دریافت کرے کیونکہ نہ ہی عدم یافت کے لائق ہے اور نہ ہی معدوم دریافت کے قابل ہے۔ اور

Marfat.com

ایسا اعتباری موجود جو درحقیقت معدوم ہو اپنی موجودیت کے ادراک کی کنہ کو کیسے پا سکے ۔ اور ہستی سے شراکت کے دعوٰی پہ کیسے لب کشائی کرے اور اپنے آپ کو بھی ہستیٔ مطلق حق تعالیٰ سے الگ ایک مستقل وجود سمجھے جو اگر غور کیا جائے تو محض کذب و افترا ہے اور مزید سوچ بچار کیا جائے تو صرف بہتان ہے ۔ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے معبودیت یا موجودیت میں، پس اُس نے بہت بڑے گناہ کا افترا کیا، اور وہ کفر و شرک ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور بخش دیتا ہے اس کے ورے ورے جس کے لیے چاہتا ہے ۔ عجیب مشکل یہ ہے کہ موجود فی الحال گو اعتباری و مجازی ہی ہو اپنی کسی قسم کو نظر میں نہیں لاتا ۔ اور حضرت وجود جو اب بھی ہر مقید موجود میں اپنے اطلاق کے نور کا پرتو ڈالے ہوئے اس آئینے میں جلوہ گر ہے اور ہر جگہ اک نئی شان پیدا کر رکھی ہے ۔ کس طرح ہستی کی نسبت کو اپنے آپ سے دُور کرے اور وجودیت سے انکار کرے اور اپنے آپ کو عدم کی طرف کھینچے اور محض معدوم سمجھے کیونکہ یہ صریح انکار ہے اور منعم حقیقی کے سامنے نعمت کی ناشکری ہے اور حق پوشی میں داخل ہے ۔ ہمارے رب تو نے یہ چیز باطل تو پیدا نہیں کی تو حق ہے اور نہیں صادر ہوتا حق سے مگر حق ۔ پس عرفان کامل کا نتیجہ آخر کار جو بڑی خرابی کے بعد کسی خوش بخت اور مقبول کے نصیب ہوتا ہے ۔ یہی اپنے عرفان و معرفت کے عجز کا اعتراف ہے اور ادراک نہ کر سکنے کے عجز کا اعتراف بھی ادراک ہے اور مآل اور انجام حیرت ہی حیرت ہے ۔ اے ہمارے رب ہم تجھے نہ پہچان سکے جیسے کہ پہچاننے کا حق تھا ۔ قصہ کوتاہ یہ کہ آفتاب وجود ہی ہے کہ ساری دُنیا میں موجودہ حقائق پہ چمک رہا ہے ۔ خواہ وہ موجودات مجرّدہ ہوں خواہ مادی، ذہنی ہوں یا خارجی اپنے آپ کو پا نا ہی عقلی یافت ہے خواہ حسی علمی ہو خواہ وجودی ۔ کیونکہ تحقیق کی رُو سے محققین کے نزدیک لفظ وجود میں معنوی اشتراک ہے نہ کہ لفظی، کیونکہ وجود معنیٔ واحد ہے جو اپنے معنی میں اختلاف و مغائرت نہیں رکھتا ۔ اور لفظی اشتراک کی صورت میں لفظ تو واحد ہی رہتا ہے مگر معانی مختلف اور کثیر ہو جاتے ہیں ۔ جیساکہ کلمۂ " عین " میں ہے کہ یہ لفظ واحد مختلف معانی پہ دلالت کرتا ہے اور ذات، آفتاب، چشمہ وغیرہ کے معانی میں آیا ہے ۔ اور اشتراک صرف لفظ میں پیدا ہوا اور تصدیق شدہ معانی مختلف اور کئی ہو گئے ۔ کیونکہ اس صورت میں اس لفظ عین سے ہر جگہ مراد اور مفہوم علیحدہ ہے ۔ اور وہ ایک دوسرے سے قطعاً مناسبت نہیں

Marfat.com

رکھتے۔ اور اُس دوسری صورت میں یعنی کہ معنوی اشتراک کے انداز سے کے مطابق فقط وہی ایک معنی ہیں اور صوری کثرت معنوی وحدت میں خلل انداز نہیں ہوتی۔ اور وجود کا لفظ موجودات کے حقائق پر مختلف معنوں پہ محمول نہیں کیا جاتا اور متکلمین جو سرسری رائے کی نگاہ سے فقط وجود میں لفظی اشتراک کے قائل ہیں وہ مرتبۂ وجود کے حقیقی مرتبے کو دریافت نہیں کر پاتے یعنی ہر موجود کو اک علیحدہ وجود ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ موجودات کی ہر اکائی الگ وجود رکھتی ہے۔ زمین کا وجود الگ ہے اور آسمان کا وجود الگ ہے اور علیٰ ہذالقیاس ہر اکائی کو ایک الگ اور علیحدہ وجود حاصل ہے۔ ظاہری و باطنی اعتبار سے یہ تقریر جو وجود ظاہر سے متعلق ہے ان سے سرزد ہوتی اور لفظ مراتب کی شدت کی بنا پر کیا ہو یا مرتبے کی حقیقت و موجودیت کا نشان امتیاز، نفس الوجود اور نکلنے کا منبع و مبداء ہے اُسے ــــــ نہ سمجھ سکے ہوں اور وجود کے اس ظلی مرتبے کو جو کون وحصول کے معنوں میں آیا ہے اسے وجود کا اصل مرتبہ سمجھ بیٹھے ہوں۔ مجتہد خطا بھی کر سکتا ہے اور صحیح بھی ہو سکتا ہے۔ چونکہ یہ خطا اجتہادی خطا ہے اغلباً یہ عتاب کا باعث نہ ہوگا۔ اور اُن کا یہ شرکِ خفی کفر جلی میں شمار نہ ہوگا۔ اُسے معاف کر دیا جائے گا۔ اور یہ جو عالموں اور فلسفیوں نے اپنی تصنیفات میں وجود کو کلی مشکوک کہا ہے اور اُس کے شک و شبہ کے قائل ہو گئے ہیں اور اُسے عام امور سے ہی شمار کیا ہے اور عقلی منتزعات سے گمان کیا ہے تو مجھ فقیر کے ناقص فہم اور اس حقیر کی عاجز عقل میں یوں آتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی تصدیق شدہ وہی وجود ظلی کا مرتبہ ہے بغیر شک و شبہ کے جو مصدری معنوں میں آیا ہے اور ایک نکلنے والا امر ہے۔ وہ کون وحصول رکھتا ہے نہ یہ کہ اپنے نکالے جانے کا مبداً و منشاً، اور مرتبۂ لابشرط ہے کیونکہ یہ معنی کسی وجہ سے بھی معقول نہیں ہیں اور ان کا مطلقاً تصور تک نہیں آتا۔ کیونکہ یہ نسبتیں جن میں شک و عمومیت اور مماثلت پائی جائے اس مرتبے کے نسب و اعتبارات ہیں۔ جو اس مرتبے سے منسوب تو ہو سکتے ہیں اور اعتباری بھی مگر اس مرتبے کا جیسے کہ وہ ہیں عین نہیں۔ پس یہ ظلی وجود جو کون وحصول کے معنی میں ہے کلی مرتبے میں شک میں ڈالنے والا ہے جب ظہور پذیر ہوتا ہے کلی حیثیت سے، اس مرتبے کا شک و شبہ اس کلی صورت میں ظاہراً شک میں ڈالنے والا ہے اور یوں نظر آتا ہے کہ جب وہ کلی موافق میں جلوہ فرما ہوتا ہے اس مرتبے سے موافقت کی وجہ سے اس کلی موافق رنگ میں عیاں ہوتا ہے اور ایسا ہی لگتا ہے اور تمام مراتب میں شمولیت اور عمومیت

Marfat.com

کے باعث امورِ ظاہر میں شمار ہوتا ہے اور خصوص و تقیّد کے اعتبار سے مخصوص مقیدات میں موجود ہے اور خاص مفہوم رکھتا ہے اور فی نفسہٖ کہ ذات الوجود ہے تمام نسبتوں سے پاک، مبرا، برتر و پاکیزہ ہے۔ اور تمام اعتبارات سے وراالوراء ہے اسے خوب غور و فکر سے سمجھ لو، اللہ تمھیں سیدھے راستے کی ہدایت کرے یہ جو کچھ لکھا یا بیان کیا گیا ہے۔ اس کا حاصل مطلب سالکوں کو ان کے احوال پہ رحمت و شفقت کرتے ہوئے راہِ طریقت کا دکھانا ہے تاکہ وہ قال سے حال کی طرف مائل ہو جائیں اور اس گفتار سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ اور پھر اس آیتِ کریمہ کے بموجب کہ تم جدھر کا رُخ کرو اُدھر ہی خدا کا چہرہ پاؤ گے۔ وہ اپنی باطنی آنکھوں سے ہر سو اسی حسنِ باکمال کا مشاہدہ کر سکیں اور حجاب سے بالکل باہر آجائیں اور طلب و جستجو اور مجاہدات کی راہ پہ شوق سے گامزن ہو جائیں۔ اور نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ کر سکیں اور صرف انہی الفاظ اور اسی کلام پہ اکتفا نہ کریں جو خام کار صوفیوں اور ناتمام عارفوں کا شیوہ ہے اور یوں کہیں لغو گو بے ادبوں کے گروہ میں نہ داخل ہو جائیں، کیونکہ زبانی گفتگو یا زبانی جمع خرچ کسی کام نہیں آتا۔ اور قربِ حق کے دروازے نہیں کھولتا۔ صاحبانِ ذوق کو ذوق و شوق درکار ہے اور حضوری و مشاہدے کی نسبت کی قوت ہی ان کے لیے شائستہ ہے جس نے چکھا نہیں اس نے پایا نہیں۔ توفیق دے اللہ ہمیں اور تمھیں اپنی محبت کی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے!! رباعی:

شو عاشق و در خود طلبے پیدا کن
یعنی پئے وصلش سببے پیدا کن
خورشید ندارد ز کسے جلوہ دریغ
ای ذرّہ برو تاب و تپی پیدا کن

ترجمہ رباعی: عاشق بن جا اور اپنے اندر طلب پیدا کر، یعنی اس کے وصال کے اسباب پیدا کر، آفتاب اپنی جلوہ نمائی میں کسی سے دریغ نہیں کرتا۔ اے ذرّے جا اپنے اندر تاب و تپش پیدا کر۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق یہ ہے کہ) اپنے اندر عشق اور پختہ طلب کی حالت مسلسل اور اوراد و وظائف اور متواتر ذکر اذکار، نیک اعمال، نیکوں کی صحبت اور محمدی طریق پہ استقامت اور مرشد سے رابطے کی نسبت کی قوت، دُنیا کی ناپائیداری، بے ثباتی اور فانی ہونے کے مطالعے اور

Marfat.com

عاقبت کی بقا و برقراری پر یقین کامل، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تصوّر اور اُس سبحانہٗ کی معیت و رفاقت کے شعور سے پیدا کرنی چاہیے اور دل میں ذوق و شوق کی کیفیت بہم پہنچانی چاہیے کیونکہ عشق و محبت کی یہی حالت اس تک رسائی اور قبولیت کا وسیلہ ہے۔ پانی پیاسے کو بھلا لگتا ہے۔ بھوکے کو تو روٹی چاہیے۔ اگر عشق الٰہی نے تجھ پہ غلبہ پالیا تو تمام عالم اس کی نشانیوں سے بھرا ہوا نظر آئے گا۔ اور سارا جہان اسی کی تجلیات سے پُر دکھائی دے گا اور تو خوب لطف اندوز ہوگا۔ عجائبات رونما ہوں گے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ عشق مجازی اور ظاہری شکل و صورت والی محبت میں وہ لطف اور حظّ جو عاشق اپنے معشوق اور محب اپنے محبوب کے دیدار سے حاصل کرتا ہے کوئی اور دوسرا اُسے دیکھ کر وہ لطف اور حظّ نہیں حاصل سکتا اور اپنی چیزوں کو دیکھ کر جو لذت و کیفیت عاشق کو حاصل ہوتی ہے۔ کسی اور میں ان چیزوں کے دیکھنے سے وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ اور علیٰ ہذا القیاس ہر چیز کی لذّت اس کے شوق پہ موقوف ہے۔ خاص طور پر وہ امور جن کا تعلق دل سے ہے۔ حق تعالیٰ کے وجود کا آفتاب موجودات کے تمام حقائق پہ چمکتا ہے۔ ذرّے کی مانند اپنے اندر طلب صادق کی تب و تاب پیدا کرنی چاہیے تاکہ اس کی تجلّی کی چمک تجھ میں ظہور پذیر ہو اور پوری قوت سے نظر آئے۔ اور ہر قسم کی توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

Marfat.com

هوالنّاصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے جس نے نازل کیا ہماری طرف قرآنی آیات کو اور فرقانی تاویلات کو ہم پر منکشف کرتا ہے اور درود وسلام اس کے رسول محمد صلّی اللہ علیہ وسلم پر جو صاحبِ کمالاتِ ربانیہ ہیں اور آپؐ کی آلؓ پر اور اصحابؓ پر جو حقانی جماعت ہے۔ امابعد پس یہ ایک سو دوسرا (۱۰۲واں) باب ہے۔ جو آیت اللہ سے موسوم ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے ان کی تخلیق مکان کے لحاظ سے اور رات اور دن اور جو کچھ ان دونوں کے اندر ہے زمان کے لحاظ سے نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے جو ذکر کرتے ہیں اللہ کا ہمیشہ کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اور ہمیشہ اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں عبرت اور تجربے کے ساتھ۔ پس ان پر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ حق ہے۔ اور نہیں پیدا کیا اللہ نے اسے باطل۔ اور اس نے بنایا ہے رات کو اور دن کو، اور کھلی نشانیاں اہلِ بصیرت کے لیے۔ اور مٹادی رات کی نشانی جب کہ وہ چھا گئی۔ اور بنایا دن کی نشانی کو دکھانے والی جب کہ وہ روشن ہو جائے تاکہ چاہیں مومن اللہ کے فضل سے اپنے رب کی طرف سے ظلمانی اور نورانی حجابوں کے رفع سے ان کی نگاہوں میں، ورنہ بے شک اللہ کے لیے پردے ہیں نور وظلمت کے مختلف اعتبارات کونیہ کے وجود اور رنگارنگ نورانی اور ظلماتی نسبتوں کے ساتھ اور حجاب میں پڑے ہوئے غافل کہ جن

Marfat.com

آنکھوں پر پردہ ہے، نہیں دیکھتے مگر محسوس صورتوں کو، اور نہیں دیکھتے اللہ کی آیات کو آفاق میں اور پھر اپنے نفسوں میں، اور بھولے رہتے ہیں اللہ کو رات اور دن۔ اور اللہ سبحانہٗ نے بنایا رات کو اور دن کو دو نشانیاں صاحبانِ بصیرت کے لیے۔ اللہ عزّ وجل نے فرمایا " اور ہم نے بنایا رات کو اور دن کو دو نشانیاں۔ پس ہم نے مٹا دیا رات کی نشانی کو۔ اور ہم نے بنایا دن کی نشانی کو دکھانے والی تاکہ تم اللہ کا فضل چاہو اور تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان لو، اور ہر چیز کو ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ تمھارا کیا مشاہدہ ہے کہ اگر بنا دے اللہ تمھارے اوپر رات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قیامت کے دن تک تو کونسا معبود ہے اللہ کے سوا جو تمھارے اوپر روشنی لائے اور بنائے تمھارے دن کو روزی کہ جس میں تم کوشش کرتے ہو۔ اور اگر بنائے اللہ تعالیٰ تم پر دن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قیامت کے دن تک تو کون ہے اللہ کے علاوہ کوئی معبود تمھارا جو لائے تمھارے اوپر رات اور بنائے اس سے تمھارے لیے لباس تاکہ تم اسی کو سکون پاؤ۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ پس ذکر کرو اپنے رب کی رحمت کا جس نے بنایا تمھارے لیے رات اور دن کو تاکہ تم اس میں سکون پاؤ۔ اور تاکہ تم چاہو اس کا فضل اور اگر تم گنتی کرو اس کی نعمتوں کی تو تم انھیں گن نہیں پاؤ گے۔ کیا تم شکر ادا نہیں کرتے۔

اس آیت کریمہ کے بیان کا باب کہ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں

قرآنی آیات اور فرقانی عبارات کے معانی دراصل وہی ہیں جو متعلقہ احادیث یا ان کی شانِ نزول اور وارد ہونے کے سبب کی رو سے معلوم ہوں۔ یا جن کے معانی ثقہ روایتوں سے پایۂ ثبوت کو پہنچے ہوں جیسا کہ محقق تفسیر کرنے والے اور راسخ عالمانِ دین لکھتے ہیں اور ہر آیت کریمہ کے نزول کا سبب اور وارد ہونے کے باعث کا اظہار کرتے ہیں۔ اور کلام الٰہی کی طرز و روانی صریحاً اس پر دلالت کرتی ہو۔ اور جو اہلِ عرب کے محاورے کے مطابق فوراً بلا تکلف ذہن میں آجائے اور اس امر کی اصل کیفیت کو دریافت کرنے کے لیے ظاہری و باطنی علوم میں سے بہت سی چیزیں درکار ہیں مثلاً ذہانت، قلبی صفائی، قرآنی حقیقت سے قوی مناسبت، حقیقتِ محمدیہ سے مکمل نسبت، رسولِ مقبول صلعم کی رضا شناسی، برگزیدگی و قبولیت کے طریق سے حق تعالیٰ کی قربت اور معیت (رفاقت) علم و معرفت

Marfat.com

کی قوت، محبت کی شدت، سنت رسول ؐ اور کمالاتِ نبوت پہ ایمان اور اس کی کامل پیروی، عقل و دانش کا کمال، سکونِ قلب، سیرت کی پاکیزگی، حق کے ادراک کی تیزی، کشف و انکشاف کی درستی اور اکثر و بیشتر علوم میں جامعیت وغیرہ اور بعض عارفین اور اولیائے کرام جو بعض آیات کے متعلق دقیق نکتے یا باریکیاں، قرآنی رموز اور فرقانی معانی کے اندرونی اسرار بعض مواقع پر لکھتے ہیں۔ وہ تاویلات کی قسم ہیں کہ اگر وہ شریعت کے ظاہر کے مخالف نہ ہوں تو ان کا لکھنا یا بیان کرنا جائز ہے۔ بلکہ اس میں اک قسم کی خوبی و دلچسپی ہے کہ جس سے خاص الخاص بندوں کو ممتاز کرتے ہیں۔ اور تحقیق کرنے والے اولیائے کرام جو ظاہری و باطنی علوم کی جامعیت رکھتے ہیں اور حقیقت و شریعت سے واقف اور طریقت و معرفت سے مکمل آشنا ہوتے ہیں۔ انہی کو اس عنایت سے نوازتے ہیں جو ہر بے حقیقت اور کند ذہن عالم اور ہر جاہل اور لایعقل درویش کو نصیب نہیں ہوتی کہ اس امر کی تقلید کر سکے۔ اور اپنے پاس سے جو چاہے کلام پاک کے معانی کے سلسلے میں بیان کرے۔ کیونکہ یہ بات فساد کا موجب بنتی ہے اور یہ مصیبت اکثر جاہل صوفیوں اور لغوگو بے عقلوں کو پیش آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلص محمدیوں کو ان بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ اور قرآن مجید کے اندر مخفی حقیقتوں اور دقیق باتوں کا واقفی اور درخشندہ شریعت نبوی کے مطابق انکشاف کرے۔ جیسے کہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کی مُراد تھی۔ چنانچہ ان کی امکانیت کی رات نے اپنے وجوبی دن کے ضمن میں لے رکھا ہے۔ اُسے واجب یا لغیر بنا کر روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا ہے اسی طرح ان کی خودی و انانیت کی اضافی تاریکی نے اُنھیں ان کے باطنوں سے دُور کر کے فنا فی اللہ کرتے ہوئے اپنی حضوری و مشاہدے کے ظہور کے نور میں گم کر دیا اور اس حالت کے آفتاب کے طلوع سے نوازا کہ وہ اُسی (یعنی خدا تعالیٰ) ہی سے سنتے ہیں اور اسی سے دیکھتے ہیں اور یوں اُنھیں باقی باللہ بنا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وجود کی خلعت پہنائی۔ اور تقرب اور رفاقت کے اعلیٰ مراتب تک پہنچایا۔

تاکہ باغِ عالم میں ان تمام فانی موجودات جو وجود ظلّی کی بہار کے مظہر ہیں، ان سب کی ذاتی فنا کو ان کی چشمِ بصیرت سے دیکھے اور اُس ہستیِ مطلق کی یہ اعتباری عدمات اور دنیاوی ماہیات کی تجلی گاہ ان کے شہود کی نگاہوں میں آئے کیونکہ موجودات کے یہ تمام ممکنہ حقائق حضرت وجود کے جمال باکمال کے آئینہ دار ہیں۔ اور وہی نور اسمائے الٰہیہ کا ظلّی نور ہے جو ان تمام کے صور علمیہ یعنی علمی صورتوں کے اضافی عدمات کی تاریک رات میں روشن دن کی طرح جلوہ فرما ہے۔ اور جس نے تمام جہان کو منوّر

Marfat.com

کر رکھا ہے۔ رباعی:

بیدار خزان یا بہارِ ہستی
و ز نیستی ست اعتبارِ ہستی
اعیان آئینہ وجود اغار کہ کرد
در لیل عدم جلوہ نہارِ ہستی

ترجمہ رباعی: ہم فانی موجودات کی شخصی فنا ہی ہمارے وجودِ اضافی کی بہار ہے۔ ہماری اس نیستی یعنی اس عدمی اعتبار سے ہماری ہستی کا اعتبار ہے۔ حقائق موجودات ہمارے وجود کا آئینہ ہیں جنھوں نے عدم کی تاریک رات میں ہستی کے دن یعنی نورِ وجوبی کو جلوہ نما کر رکھا ہے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) خزاں سے مُراد فانی موجودات کا شخصی فنا اور بہار سے مراد زمانی محدثات کا حادث ہونا ہے۔ ہستی سے مراد اضافی وجود اور نیستی سے اعتباری عدم اور اعتبار سے مقصود یہاں علم میں امتیاز اور اعیان سے منظور ممکنہ موجودات کے حقائق اور آئینہ سے مراد مظہر اور وجود کے معنی یہاں وجودِ ظلّی کا مرتبہ، اور رات سے مُراد امکانی تاریکی، اور عدم سے حقیقتِ ممکنہ، جلوہ ظہور اور نہار سے مُراد نور وجوبی، اور چوتھے مصراع میں ہستی سے مُراد وجودِ مطلق ہے۔ حاصل مطلب رباعی کا یہ ہوا کہ ہر فانی موجودات کے تشخص کی فنا سے دوسرے زمانی محدثات کے وجود اضافی کے مرتبے میں حادث ہوتے ہیں جو موجودیت کا مقام ہے اور دُنیا کا انتظام اسی بناؤ سنوار اور بگاڑ سے قائم ہے کہ ایک جاتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ آتا ہے۔ ——— اور فانی ممکنات کے اعتباری عدم سے اضافی وجود حادث موجودات کے علم میں امتیاز بہم پہنچتا ہے اور ایک کو معدوم اور دوسرے کو موجود دکھاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حقائق موجودات وجودِ ظلّی کے مرتبے کے مظاہر ہیں کیونکہ امکانی تاریکی میں ظہور کی ممکنہ حقیقت یعنی وجودِ مطلق کا وجوبی نور پیدا ہے اور اپنے عمومی احاطے سے اس نے تمام عالم کو اپنے وجوب کے ضمن میں لے کر واجب بالغیر بنا رکھا ہے اور امکان کے گڑھے سے نکال کر وجوب کی بلندیوں تک پہنچا دیا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسی کا حکم دیتا ہے۔ اس مذکورہ بالا رباعی کے معنی ایک اور طریقے سے بھی کیے جا سکتے ہیں (بقولِ مصنف) کہ یہاں لفظ "ہستی" جو تمام مصرعوں میں بطور ردیف آیا ہے

Marfat.com

اس سے مراد اعتباری وجود ہے کہ ایسا اور ایسا، اور نیستی سے بھی اعتباری عدم مُراد ہے بمعنی نہیں ایسا گویا ان ہر دو اعتباری مرتبوں میں باہم متقابل ہونے سے امتیاز ہے اور اسی تقابل سے وہ پائے جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ نقطۂ ہستی سے مُراد وجودِ حقیقی ہے جو وجودیت کا نشانِ امتیاز ہے۔ اور اس اعتباری وجود کے نکلنے کا مبداو منشا نہ وہ اس کی ضد ہے نہ مثل۔ کیونکہ اعتباری عدم اس کے مقابلے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اور اضافی وجوہ سے مماثلت کی تاب نہیں لاسکتا، اور لیل و نہار کے کلمات جو آخری مصرعے میں آئے ہیں وہ عبارت ہیں عدم و وجود کے انہی اعتباری و اضافی مراتب کے مفہوم سے، جو سلبی و ایجابی یعنی منفی و مثبت نسبتوں سے ظاہر ہیں اور اس عالمِ شہادت میں جو مرتبۂ خلق ہے ان تمام وجودی و عدمی اضافات اور اعتبارات کو اپنی قدرتِ کاملہ سے ظاہر کرنے والا وہی حق سبحانہٗ تعالیٰ ہے۔ اے اللہ تو ہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں اظہار کے نور کے ساتھ، اور تو داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تو پردہ پوشی کرنے والا ہے۔ تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ میں سے اپنی قدرت کے کمال کے ساتھ، اور تو نکالتا ہے مردے کو زندہ میں سے اپنی مشیت کے مطابق اور تو دیتا ہے یہ رزق مرزوقین میں سے جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے اور نہیں ہے کوئی حساب رکھنے والا سوائے تیرے۔ لُغت کے اعتبار سے ولُوج کے معنی ہیں تنگ میں داخل ہونا۔ پس ایلاج کے معنی ہیں ادخال یعنی داخل کرنا۔ اور ایلاج لیل و نہار ان میں سے ایک کو دوسرے کے اندر داخل کرنا صبح و شام ایک دوسرے کے پیچھے اور تاخیر اور زیادتی اور نقص کے ساتھ۔ گرمی اور سردی میں طول اور کسر کے لحاظ سے۔ پس لیل عبارت ہے عدمی تاریکی سے جو ممکنات کی ذاتی ہے اور نہار عبارت ہے نور وجودی سے جو واجب کا فیض ہے۔ اور رات کا دن میں داخل کرتا عبارت ہے ماہیات اور حقائق موجودات کی ایجاد سے جو فی نفسہٖ معدومات ہیں۔ اور مفہومات کے سوا اور کچھ نہیں جمالی اسمائے کے مقتضا سے کہ موجودات پر وجود کا عطیہ وجود مطلق عم نوالہٗ کی جمالی تجلّی کی رُو سے ہے۔ اور دن کا رات میں داخل کرتا عبارت ہے فانی موجودات و مخلوقات کی فنا سے اسمائے جلالی کے مقتضٰی سے کہ مخلوقات سے وجود کا سلب کرلینا اس جلیل حقیقی جل جلالہٗ کی جلالی تجلّی کی رُو سے ہے اور زندے کا مردے سے نکالنا بھی حقائق کے تمام مظاہر میں اسی وجود کا تمام وجودی کمالات سمیت اظہار سے عبارت ہے جو سراسر عدمی نقائص کا مقام ہے۔ اور مردے کا زندہ سے نکالنا بھی انہی علمی صورتوں اور دنیاوی حقائق

Marfat.com

کے خارجی وجود میں نمود سے عبارت ہے، جو وجود کا ظاہری مرتبہ ہے۔ گویا قرآن پاک یہ عبارت کہ زندے کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے، پہلے معنی کی تفسیر ہے اور اوپر والے جملے کی شرح کہ رات کو دن سے نکالنا اور دن کو رات سے نکالنا ہے اور مطلوبہ مطالب کی وضاحت اور صراحت مختلف مثالوں سے سمجھانے کے لیے تاکید و تکرار کے ساتھ، اور رزق عبارت ہے موجودات و مخلوقات پہ وجودی فیض سے اور مشیئت عبارت ہے حضرت واجب الوجود عم نوالہ کی فعلیت کے اقتضا سے۔ پس اس سبحانہٗ تعالیٰ کا وجود منسوب بہ حساب ہے کیونکہ ضروری واجب ہے اور وہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنی ذات میں مستقل وجود ہے اور وجود ممکن کہ جو بذاتہٖ ضروری نہیں اور اس کی ذات نے وجود کا تقاضا نہیں کیا وہ حساب سے منسوب نہیں۔ اور اُس کریم مطلق نے بلاحساب عنایت فرمائی، کیونکہ کوئی ممکن الوجود بذاتہٖ وجود کے قابل نہیں ہے اور نہ تھا۔ پس اس حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ممکنات کو وجود اور یہ رزق اپنی عام رحمت کے طفیل کمال احسان و عنایت سے بغیر حساب کے عطا فرمایا۔ رباعی:

عالم کو عدم بود نمی کرد نمود
درضمن وجود خویش و بوی تو وجود
فیض عامت گرفت در بر ورنہ
کس لائق این عنایت خاص نبود

ترجمہ رباعی: یہ عالم یعنی دنیاوی موجودات معدوم تھیں، یہ نمود و نمائش میں نہ آسکتیں۔ تو نے اُنھیں اپنے وجود کے ضمن میں لے کر وجود عطا فرمایا۔ تیرے فیض عام نے اسے اپنے کنار میں لے لیا ورنہ ان میں سے کوئی بھی تو اس خاص عنایت کے لائق نہ تھا۔ (مصنف خود وضاحت یوں کرتا ہے کہ) یہ جہاں جو دنیاوی موجودات کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے ہر اکائی اعتباری وجود کے لاحق ہونے سے قبل اعتباری عدم میں داخل تھی اور ہرگز اپنی نمائش نہ کر پاتی اور نہ اپنے آپ کو وجود میں لا سکتی۔ وہ خود پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ اے ساری کائنات کے خالق اور اے واجب بالذات تو نے ان سب موجودات کو اپنے ضمن میں لے کر واجب بالغیر بنا دیا۔ اور ظلّی وجود کی خلعت

Marfat.com

پہنادی۔ پس تیری وسیع رحمت کے فیض عام نے تمام موجودہ حقائق کو اپنے بے کیف احاطے کے ضمن و ذمہ داری میں لے کر انھیں عدم کے گڑھے سے وجود کے کنارے تک لے آیا۔ ورنہ فی نفسہٖ ان ماہیاتِ ممکنہ سے کوئی بھی اس خاص عنایت کے لائق اور شایاں نہ تھا جو مرتبۂ وجوب سے مختص ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مختص کر دیتا ہے اور وہ صاحبِ فضلِ عظیم ہے ؛

Marfat.com

هُوَالنَّاصِر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے۔ جو بے نیاز ہے اور ہم فقراء میں عزت والا ہے، عظمت والا ہے، قدرت والا ہے اور کبریائی والا ہے اور درود و سلام ہو اس کے رسول محمد صلعم پر جو اصفیا کی سند ہیں۔ اور آپ کی آل رضؓ و اصحاب رضؓ پر جو متقی اور پاکیزہ ہیں۔ اما بعد پس یہ ایک سو تیسرا (۱۰۳ واں) باب ہے جو منہاج الفقر (فقر کا راستہ) سے موسوم ہے۔ اور ہر آدمی کے لیے لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے ایک طور طریقہ اور راستہ، اور مخصوص طریقے جس پر وہ چلے۔ پس فقر کا راستہ بھی کئی قسموں کا ہے۔ پس ہر ایک اپنے رنگ میں عمل کرتا ہے۔ پس جہاں تک سب سے اچھے راستے کا تعلق ہے تو وہ فقر کا راستہ ہے۔ جنھیں محصور کر دیا گیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کی رزاقیت پر تکیہ کرنے کے ساتھ۔ اور اس پر توکل نام کے ساتھ۔ وہ استطاعت نہیں رکھتے زمین پر چلنے کی غیرتِ الٰہیہ کے مشاہدے کے کمال کے ساتھ، اور عزتِ ربانیہ کے ساتھ جو کہ اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسولؐ کے لیے ہے۔ اور مومنین کے لیے ہے۔ اور وہ نہیں جاتے بادشاہوں کے گھروں کی طرف اور اُمرا کے گھروں کی طرف کیونکہ فقیر امیر کے دروازے پر مایوس ہو جاتا اور وہ سوال نہیں کرتے لوگوں سے چمٹ کر اور نہیں اظہار کرتے اپنی ضروریات کا ان میں سے کسی پر اپنے دلوں کی بے نیازی کی قوت کی وجہ سے اور اپنے نفوس کی کبریائی کی وجہ سے، گمان کرتا ہے۔ جاہل ان

Marfat.com

کے احوال سے انھیں بے نیاز اور گمان کرتا ہے کہ ان کے پاس مال ہے۔ یا اس کے پاس آتے ہیں مخفی نذر نذرانے اور یہ اس کی پاک دامنی کی وجہ سے ہے بسبب ان کے ملتفت نہ ہونے کے دنیوی اسباب کی طرف۔ پس اسے اُن کو جاننے والے تو انھیں پہچان لیتا ہے ان کی نشانیوں سے اور ان کے چہرے ہوتے ہیں تر و تازہ اپنے رب کی طرف دیکھنے کی وجہ سے، عطا کرے اللہ ہمیں اور تمام توکل کرنے والوں کو محمدیوں میں سے یہ فقر کہ وہ جب مکمل ہو جاتا ہے وہ ہوتا ہے جو کچھ ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے فخر کا سبب دُنیا اور آخرت میں، اور ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں فقر مکب سے، اور اُس فقر سے جو کم ہوتا ہے دونوں جہانوں میں چہرے کی سیاہی۔ اے ہمارے رب نہ ہم پہ لاد وہ چیز جس کی ہمیں طاقت نہیں۔ ہم سے درگزر فرما۔ ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر، تو ہمارا آقا ہے پس ہماری مدد کر، کافر لوگوں پر۔ پس وہ منکرین جو خالص محمدیوں سے بے رغبت ہو گئے تیرے لیے ہے دین خالص اور جو کوئی تیرے دین سے بے رغبتی کرتا ہے وہ نہیں ہے مگر جس نے اپنے نفس کو بے وقوفی میں ڈالا اور بے شک تیری ہدایت جو ہے وہی ہدایت ہے اور صراطِ مستقیم ہے۔ اے قوم بے شک میں نے توکل کیا اس زندہ (حیّ) پر جو مرتا نہیں ہے۔ اور میں نے اس کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کی، اور کافی ہے اپنے بندوں کے احوال سے بطور خبیر۔ وہ میرا رب ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے اور میں نے حوالے کر دیا اپنا معاملہ اُس کے۔ بیشک اس نے پیدا کیا ہے ہر چیز کو اور اُس کا صحیح اندازہ کیا، اور وہی ذات ہے جس نے بنایا تمھارے لیے رات کو لباس تاکہ چھپے اس میں جو کچھ کہ چھپتا ہے اور نیند کو بنایا آرام تاکہ اس سے نفوس سکون پائیں، اور بنایا دن کو اٹھنا تاکہ تم اس میں کوشش کرو اور یہ چیز اللہ پہ آسان ہے۔ وہی ذات ہے جس نے بھیجا ہواؤں کو بشارت بنا کر اپنی رحمت سے پہلے اور بیشک میں اُن سے رحمان کی لپٹیں پاتا ہوں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی ذات ہے جس نے نازل کیا آسمان سے پاکیزہ پانی، تاکہ اُس سے زمین کو زندہ کر دے اور اس میں حیوان اور انسان کے لیے کثیر نفع ودلیعت کیا، اور وہی ذات ہے جس نے ملائے دو سمندر عالم میں ظہورات اسمائے جمالیہ اور جلالیہ کے یہ میٹھا اور شیریں اسی کے جمال کے ظہور سے اور یہ نمکین اور کھاری ہے اس کے جلال کے ظہور سے اور بنایا ان کے درمیان پردہ تاکہ نہ مل جائے ایک کا ذائقہ دوسرے سے اُن میں سے اور میرا رب ہر چیز پہ قادر ہے۔ کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا دوسروں کی اور تم اعتماد کرتے

Marfat.com

ہو ظاہری اسباب پر جو جھوٹے الاہوں میں شمار ہوتے ہیں، وہ جو کہ تمھیں نہیں نفع دیتے اور نہ نقصان دیتے ہیں مگر اللہ کے حکم سے اور ایماندار متوکل آدمی متوجہ ہوتا ہے اپنے رب کی طرف یکسو ہو کر، اور نہیں شریک ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی اور کافر اپنے رب کے خلاف مدد کرنے والا ہے اور نہیں بھیجا اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی یا ولی مگر بشارت دینے والا یا ڈرانے والا بنا کر، اور انھوں نے نہیں سوال کیا لوگوں سے کسی اجر کا مگر یہ کہ جس نے چاہا وہ لے لے اپنے رب کی طرف راستہ، اے لوگو تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو کیسے معبود بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے۔ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور کیسے تم پیروی کرتے ہو ان کی جو نہیں مالک اپنے نفوس کے لیے نفع نقصان کے۔ اور تم کیسے اعتماد کرتے ہو ان پر جو موت و حیات اور دوبارہ اُٹھانے پہ مالک نہیں ہیں، اور جب تم سے کہا کہ ایمان لے آؤ اپنے رب پر جیسے کہ ایمان لے آئے خالص محمدیؐ اور توکل کرو اللہ پر بیشک وہ اپنے بندوں کی بات سننے والا اور انھیں دیکھنے والا ہے۔ تو تم یہ کہتے ہو کہ ہم ایمان لے آئیں جیسے بے وقوف ایمان لے آئے۔ اور ہم تو تمھیں فریب خوردہ آدمی سمجھتے ہیں۔ اور تم مجھ سے کہتے ہو کہ تو بھی تو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے جیسے ہم چلتے پھرتے ہیں۔ کیوں نہ نازل کر دیا اللہ نے تیری طرف ایک فرشتہ، پس وہ ہوتا تیرے ساتھ ڈرانے والا یا تجھ پہ کوئی خزانہ ڈال دیتا یا تیرے لیے ہوتا کوئی باغ اور تو اس میں سے کھاتا، تو تو نہیں ہے مگر ایک سحر زدہ آدمی۔ پاک ہے میرا اللہ جو میرا رب ہے جو کہ اگر چاہتا تو بنا دیتا میرے لیے بہتر ان باغوں سے لیکن میرے رب نے دُنیا کو ایماندار کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔ اور کافروں کے لیے جنت بنایا ہے۔ اور بیشک آخرت میں باغات ہیں محمدیوںؐ کے لیے کہ جن کے نیچے دریا بہتے ہیں، اور ان کے لیے ہے ان باغات میں لذت اور سرور اور وہ جانتا ہے جو اس نے مجھ پہ الہام کیا ہے، اور جو مجھے سکھایا ہے اور جانتا ہے میرے باطن کو اور میرے ظاہر کو اور بے شک وہ اپنے بندے سے آگاہ ہے اور اُس نے وعدہ کیا ہے یقین رکھنے والوں سے جنت کا اور تیار کیا ہے جہنم اس کے لیے جس نے قیامت کو جھٹلایا اور نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے انکار کرنے والے کو مگر آزمائش خالص محمدیوںؐ کے لیے۔ پس ہم صبر کرتے ہیں اس پہ جو وہ کہتے ہیں اپنے رسول صلعم کی سنت کے مطابق اور اسی طرح بنایا اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے لیے اور ہر ولی کے لیے دشمن مجرمین میں سے، اور کافی ہے ہمارا رب معبود، ہادیٔ برحق و

Marfat.com

مددگار کے بڑ

درویشانہ گزر بسر اور فقر کے بیان کا باب

فقر کے لغوی معنی ہیں درویشی۔ اور فقیر جس کے پاس کچھ نہ ہو یا بہت ہی تھوڑا سا ہو۔ پس حقیقت کی رُو سے یہ حالت تمام ممکنات کو نصیب نہیں۔ کیونکہ ممکنہ حقیقت اپنی لبساط میں وجود و عدم کے تقاضے کی وجہ سے کچھ بھی نہیں رکھتی۔ طرفین سے ضرورت کے سبب کی یہ اضافت تھوڑی بہت اس حال کی دامن گیر ہے اور حقیقی غنا تو واجب تعالیٰ ہی کو نصیب ہے۔ کیونکہ اس کی ذات اس کے وجود کی مقتضی ہے۔ بلکہ ایک اعتبار سے اس کا وجود اس کی عین ماہیت ہے۔ لہذا اس سبحانہ تعالیٰ نے سب ممکنات کے حال کو دیکھتے ہوئے ان کے فقر کو عمومی راہ سے بیان کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم سب فقیر ہو۔ اور یہ عام فقر ہے جو سب کے شامل حال ہے۔ ہر موجود اپنے وجود اور وجودی کمالات میں اس واجب تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اور وہ حقیقی غنی اُنھیں وجود اور وجودی کمالات عطا کرتا ہے۔ لیکن وہ خاص فقر جو مسلمانوں کی اصطلاح میں استعمال ہوتا ہے درویشانہ وضع قطع ہے جو فقرا اختیار کرتے ہیں اور اس کی حقیقت کا اطلاق تمام وجودی اضافات و نسبتوں سے اپنے علم کی نظر میں اور اپنی طرف سے خالی ہوجانے پہ ہوتا ہے۔ اور نیز فنا فی اللہ ہوکر بقا باللہ ہوجانے پہ۔ اس مرتبے کا تمام و کمال ایک بڑا عظیم الشان اور جلیل القدر مقام ہے اور حق تعالیٰ کے قرب کے منصبوں سے ایک منصب ہے جیسے ولایت و امامت اور تمام مقامات کی نسبت ذاتِ حق سے قریب ترین ہے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ذاتی غنا کے بالمقابل واقع ہوتا ہے۔ اور یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور قدوسیّت سے مکمل نسبت رکھتا ہے۔ بڑا عظیم الشان اور بڑی عظمت و کبریائی والا مرتبہ ہے۔ بہت زیادہ ترقیوں اور کثیر التعداد برکتوں کا ثمر دینے والا اور ذاتِ حق سے دوستی و محبوبیت کا درجہ ہے۔ اور اولی العزم کے جملہ کمالات میں سے ہے۔ اور قیومیّت (قائم رہنا) کے منصب کا ثمر بخش اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا مظہر اور خصوصی رحمانی لطف و کرم کی ورود گاہ ہے۔ کہ ہر نبی اور ہر ولی بھی اس عظیم دولت سے مشرف نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات خاتم النّبیین (ان پہ خدا کا درود وسلام) نے فرمایا،

Marfat.com

کہ ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جس نے بنایا مجھے ان فقراء میں سے جنھیں محصور کر دیا گیا اللہ کے راستے میں اور بنایا فقر کو میرا فخر، اور میں بے نیاز ہو گیا ماسوی اللہ سے، اور کبریائی کو میری چادر بنایا اور عظمت کو میرا تہبند۔ اور چھپا دیا مجھے اپنی جلالت کے نور میں نگاہوں سے۔ اور ظاہر کیا اپنی رحمت کے ظہور کے ساتھ آنکھوں کے سامنے اور مشرف کیا مجھے توکل کی معاش کی بزرگی کے ساتھ اور اللہ متوکلین کو پسند فرماتا ہے۔ پس میں اس کی بے نیازی اور کبریائی سے گنبدوں کے نیچے ہوں۔ مجھے نہیں جانتا کوئی بھی سوائے اس کے، اور اس کا رسول مجھے جانتا ہے میری نشانیوں سے سے کیونکہ میں اس کے دروازے کا فقیر ہوں۔ اور اس کی جناب سے رحمت کا سائل ہوں۔ اور نہیں لے گیا مجھے میرا رب امیر اور سلطان کے دروازے پر، پس میں فقر کی صفت والے اصحاب میں سے ہوں۔ وہ فقر جو کہ فخر تھا ہمارے نبی کریم صلعم کے لیے بلکہ میں تو ان کے گھر والوں میں سے ہوں جنھیں اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ قرار دیا اور اللہ مومنوں کا ولی ہے اور وہی ذات ہے جس نے مجھے سادات میں سے بنایا اور مجھ پر برکات نازل کیں۔ میرا سینہ فراخ کر دیا اور مجھ سے دُور کر دیا میرا بوجھ جس نے کہ میری کمر توڑ دی تھی اور بلند کر دیا میرے لیے میرا ذکر۔ پس میں نے عین تنگی کی حالت میں فراخی کو پایا اور ظاہری تنگی کے ساتھ باطنی آسائش تھی ہر حالت میں اور میں تھا اللہ کی مدد سے تمام حالات میں فارغ البال اور راغب الی اللہ، اور قائم استقامت کے مقام پر اور توکّل کے منصب پر اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے، اور وہ بڑی قوت والا ہے۔ یہ سمجھ رکھو کہ توکل کی نسبت کی قوت، خدا پر اعتماد، دائمی شرح صدر اور قلبی طمانیت، ماسوی اللہ سے مکمل قطع تعلق، تسلیم و رضا کی کیفیت، مخلوق سے بے نیازی، ظاہری دنیاوی اسباب کی گرفتاری سے رہائی، موت و حیات کو یکساں سمجھنا، تنگی و فراخی کو ایک برابر جاننا، رنج و راحت کو بھی یکساں گرداننا اور مشاہدہ ذات حق کا دوام مقام فقر کے خواص ہیں۔ اور شرائط فقر مندرجہ ذیل ہیں۔ پاکیزہ نفس، عالی ہمتی، ذاتی شجاعت، دلی غنا، طبعی غیرت، ایمانی قوت، عرفان کی تیزی، عقلِ رسا، تزکیۂ نفس، شرافت، اصالت، اور استقلال و استقامت وغیرہم۔ اور مقامِ فقر کے آثار (نشانیاں) یہ ہیں۔ عزت و حرمت، واجب غلبہ، حقی ثبوت، قلبی جذب، کلام میں تاثیر، صحبت بزرگان کی برکت، ان سے انس و محبت، دُنیا اور اہلِ دُنیا کو ہیچ جاننا آخرت پر یقین کامل، دلی آسودگی، مکمل فراغت وغیرہ وغیرہ۔ اور فقر کے لوازم میں سے یہ ہیں:۔ دنیاوی

Marfat.com

اسباب کا نہ ہونا، جسمانی بے آرامی، نفسانی ناپسندیدہ اور مکروہ چیزوں کا واقع ہونا، حیوانی طبع کی مرغوبات اور حاجتوں کی شورش کا میسر نہ آنا، تابعین ولواحقین کی آزمائش وزحمت، نفس وطبیعت سے مستقلاً دامی جہاد اور تصنع اور بناوٹ کے بغیر دائمی طور پر محنت ومشقت اور ریاضت میں مشغول رہنا، بے تکلف عبادات اور لامتناہی ترقیاں اور بے انتہا درجوں کی بلندیاں اور اللہ کی جانب سے قدرتی تربیت اور مکروہات و ناپسندیدہ امور سے بلاقصد وارادہ محفوظ رہنا، یہ بھی جان لو کہ فقر کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری فقر یعنی کہ اپنی رضا و رغبت سے درویشانہ گزر بسر اختیار کر لی جائے۔ اور دل کو ان سے اس حد تک خوشی ومسرت ہو کہ اس کی نظر میں سب نعمتیں اور دولتیں ہیچ ہوں۔ اور دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس کے مقابل میں بالکل بے قدر و قیمت ہوں۔ اور یہ بات اپنے قصد اور ارادے سے ترک دُنیا اور لباس کی تبدیلی سے حاصل ہوتی ہے۔ خواہ بلاقصد و بے ارادہ خارجی امور یا انواع و اقسام کے عارضوں کے سبب سے رونما ہو۔ لہذا اس قسم کی کیفیت کا حامل دونوں صورتوں میں جملہ اختیاری اہلِ فقر سے ہے، کیونکہ اس نے دل و جان سے فقر کو اختیار کیا گو کہ بظاہر بے اختیاری سے بھی نصیب ہوا ہو۔ اور یہ فقر تقرب کے تمام مرتبوں اور مقاموں سے عالی ترین ہے۔ اور بے نیازی دل کی بے نیازی ہے اور فقر میرا فخر ہے۔ پس فقر جب کامل ہو جاتا ہے، پس وہ اللہ ہے۔ اس فقر کے مختلف وصفی مدارج کی یہ مثالیں ہیں۔ وہ بیدار بخت انسان کس قدر خوش نصیب ہے جسے اس سعادت سے شرفیاب کرتے ہیں اور اس قدر منزلت کے عطیہ کی عنایت سے نوازتے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مختص کر دیتا ہے۔ وہ بڑا صاحب فضل عظیم ہے۔ ایک ہے اضطراری فقر جو دماغ کو مضطرب اور دل کو پریشان رکھتا ہے اور اُس کا بوجھ اُٹھانے سے حوصلہ ہار دیتا ہے۔ درویشانہ گزر بسر مصائب کی جنس سے نظر آنے لگتی ہے۔ ایک برابر ہے کہ یہ بات خواہ دنیاداری کا لباس ترک اور درویشانہ لبادہ اوڑھنے سے میسر ہو خواہ اپنی نیّت کے عمل دخل کے بغیر زمانے کے ظاہری اسباب وحوادث سے اتفاقیہ ہو کیونکہ اس حالت والا دونوں طرح ہی سے اضطراری فقر والوں کے گروہ سے ہے۔ کیونکہ اس نے فقر کو دل سے قبول نہیں کیا، اگرچہ ظاہراً اس نے اپنے اختیار سے درویشانہ لباس پہن رکھا ہو ایسی درویشی فقر کا سب سے نچلا درجہ ہے اور میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں فقر مکبّ سے (پچھاڑ دینے والے فقر سے) قریب ہے کہ فقر (ناداری) کفر ہو جائے جو کچھ کہ مشابہ ہے یہ

Marfat.com

ایسے ہی فقر کے مراتب کی تعریفوں میں سے ہے۔ ایسے بخت ِ خفتہ والے درویش کے حال پر حیف ہے صد حیف جسے ایسی بلائیں مبتلا اور ایسی مصیبت میں پھانس دیں۔ ایسا دُنیادار درویش تو سخت سنگ دل اور بدبخت ہے جس کے لیے دُنیا میں ناداری اور آخرت میں عذاب ہے۔ اللہ اس سے بچائے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ درویشانہ گزر بسر عبارت ہے اس طرزِ معاش سے جو درویشانہ حال کے شایاں ہو۔ اور دین و دُنیا دونوں میں باطنی اور ظاہری مدارج کی ترقی کا باعث، خدا اور رسول ؐ کی خوشنودی اور رشد و ہدایت و قبولیت کی افزائش کا موجب ہو۔ دلی سکون و اطمینان میں معاون ہو اور یقین و ایمان کی نسبت کو تقویت بخشنے والا ہو۔ اس کی بنیاد ان چند امور پر ہے۔ کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، لوگوں سے کم میل جول رکھنا، انضباط و پابندیٔ اوقات، اللہ کی طرف دائمی توجہ، موت کو یاد رکھنا، ناپسندیدہ امور کی قوت برداشت، مستقل مزاجی، صبر و قناعت، خندہ پیشانی، مزاج پہ قابو اور تالیفِ قلوب کا جذبہ، عالی ہمتی، سخاوت، محبت، صفائی قلب، انصاف پسندی، غیرت و حمیت، صدق و صفا، مہر و نرم دلی، شریعت کی پیروی اور سلامتی کی راہ و رسم۔

پس درویش کو چاہیے کہ سوائے اپنے معاملات میں مذکورہ بالا امور کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھے اور خواہ مخواہ غفلت میں اپنا وقت ضائع نہ کرے۔ اور خالق و مخلوق سے اس طور پر معاملہ کرے کہ اُسے اپنے نفس کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ دوسروں کا اقرار و انکار بالکل قابلِ توجہ نہیں۔ فقط وہی امر معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو۔ اور اللہ کی جانب سے وہی معتبر جو اپنے نفس کی حد کے اندر ہو۔ لوگوں کے رد و قبول کو قطعاً مدِ نظر نہ رکھے اور نفس الامر کو ملحوظِ خاطر رکھے۔ ظاہری تنگی و فراخی کی حالت پہ نگاہ نہ رکھے۔ فقر و فاقہ سے تنگ نہ ہو۔ کیونکہ اصل اطمینان تو باطنی اطمینان ہے۔ استغنا اور عظمت رکھنے والے درویشوں کو ان دینوی امور سے کچھ بھی درکار نہیں اور کھانے پینے پہ زیادہ مائل ہونا ان کے شایانِ شان نہیں کہ یہ حیوانی کام ہے۔ رباعی:

جوع و عطش ست آب و آتش فقرا
از فرش زمین ست فراشِ فقرا
دیدیم کہ اغنیا بسے محتاج اند
اے درد معاش ست معاش فقرا

Marfat.com

ترجمہ رباعی: درویشوں کے لیے بھوک اور پیاس ہی سامانِ خورد و نوش ہے اور زمین کا فرش محمدی ہی ان کا بچھونا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ امرا بڑے محتاج ہوتے ہیں۔ اصل معاش تو درویشانہ گزربسر ہے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) حاصل مطلب رباعی کا یہ ہے کہ درویش کو چاہیے کہ اپنی اس بھوک اور پیاس کی حالت کو اپنے لیے خورد و نوش کا سامان سمجھے، نہ یہ کہ پیاس کی شدت کے وقت پانی کی تلاش اُسے متفکر کر دے اور اضطراب و بے چینی کے کنوئیں میں دھکیل دے اور نہ ہی بھوک کی حالت میں خوراک کی فکر اُسے پریشان کر دے۔ اور اپنے جی میں کسی قسم کی دوڑ دھوپ یا کسی سے سوال کرنے کا خیال لائے۔ اور ایسی بلاؤں سے خدا محفوظ رکھے جس کسی نے اللہ پر توکل کیا پس وہی اس کے لیے کافی ہے۔ اُسے چاہیے کہ زمین کے اسی فرش کو اپنے لیے مسند و قالین اور اینٹ اور پتھر کو گاؤ تکیہ اور سرہانہ سمجھے۔ نہ یہ کہ اک بوریا بستر نہ ہو تو اس کی تلاش میں خود ہی فرش راہ بنتا جائے۔ اور اگر گدڑی نہ ہو تو اس کے لیے مارا مارا بھاگا پھرے۔ ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں خواہشات سے، پس ہم نے زمین کو پھیلایا ہے۔ اور ہم کتنا اچھا فرش ہموار کرنے والے ہیں۔ پس تعریف و توصیف اللہ ہی کے واسطے ہے۔ اگر تحقیق کی نگاہ سے دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ دُنیادار اور امیر جتنے زیادہ امیر ہوتے ہیں اتنے ہی زیادہ محتاج و حاجت مند ہوتے ہیں۔ اور اسباب ظاہری کے بالکل اسیر، اور حاجتوں اور ضرورتوں کے سمندر سراپا غرق ہوتے ہیں۔ وہ کبھی تسکین و سکون کے ساحل تک نہیں پہنچ پاتے۔ ان کے حرص کے پاؤں کو کہیں بھی قرار کی جگہ نہیں ملتی۔ حق بات تو یہ ہے کہ اصل بود و باش تو درویشانہ گزر بسر ہی ہے۔ مکمل فارغ البالی، دلی استغنا انہی مستقل درویشوں (انھیں خدا کی خوشنودی نصیب ہو) کے نصیب میں ہوتی ہے۔ فقر میرا فخر ہے اور میرے باپ کا فخر ہے جو صاحبِ فقر محمدی ہے اور میرے نانا کا جو میری ماں کا باپ تھا۔ اور فخر میرے پہلے اجداد کا جیسے سید الحسنی، عبدالقادر جیلانیؒ تا علی مرتضیٰؓ کہ جس کی طرف یہ سلسلہ انتہا پذیر ہوتا ہے۔ اور وہ ہیں خاتم الانبیاءؐ (ان پر اور ان کی آل پر خدا کا درود و سلام جیسے کہ تھا حضرت ابراہیم اور آلِ ابراہیم پر۔ بے شک اللہ ہی تعریف کے لائق ہے اور وہی بزرگ و برتر ہے فقر کا جلیل القدر مرتبہ اور توکل کا عظیم الشان مقام و منصب جو انسان کو ماسوی اللہ سے مکمل طور پر بے نیاز اور مستغنی کر دیتا ہے اور وصل تامہ تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ اک عجیب عظمت و کبریائی و غنا ہے جو اک طرفہ بزرگی و بلندی بخشتا ہے کہ

Marfat.com

انبیاء کے خاتم اور فقرا کی سند کے اصل مالک حضور سرور کائنات صلعم تک ایمانی نور اور اللہ کی طرف قلبی توجہ رکھتا ہے۔ ورنہ ان فنا آثار گم شدگان کے پاس سوائے معیت الٰہیہ کی نسبت کے اور کونسا ہنر ہے کہ کوئی اُدھر کا رُخ کرے۔ اور تسلیم و آداب بجالائے۔ واہ واہ سبحان اللہ درویشوں کی بساط میں جو کچھ بھی ہے، اللہ ہی ہے۔ اس کی شخصیت بھی اللہ ہی وجہ سے ہے۔ اور اُس کے ہاں لوگوں کی آمد و رفت بھی اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور اس کے خورد و نوش اور روزی کا سبب بھی اللہ۔ اس کی روزی کا سبب بھی اللہ۔ اس کی عزت و احترام کا باعث بھی اللہ، اس کی بے نیازی اور عظمت بھی اللہ پہ اعتماد کی وجہ ہی سے ہے۔ اس کی محفل کی رونق بھی صرف اللہ ہی کی جانب سے ہے۔ اس کا اپنا رجوع دائمی طور پہ اللہ کی طرف۔ اس کی سیر و سلوک بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اور اسی کی طرف ہے۔ اس کا سلوک فنا فی اللہ اور اس کا مقام بقا باللہ ہے۔ اس کا ذکر کلمہ طیبہ لا اِلٰہَ الا اللہ محمد الرسول اللہ (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ اور محمد صلعم اس کے رسول ہیں) اور اس کا ورد لاحول ولا قوۃ الا باللہ (نہیں ہے کسی کو طاقت اور نہ قوت سوائے اللہ کے) اور اس کا ارادہ اس آیت کریمہ کے موافق ہوتا ہے کہ تمھارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ نہ چاہے۔ غرضیکہ کہ مولوی کو علم پہ ناز ہے اور زاہد کو عبادت پہ اور درویش کی نظر فقط خدا پہ ہوتی ہے اور وہ اسی کی رحمت کا امیدوار ہوتا ہے۔ اے بندۂ درویش جس قدر ہو سکے دُنیا سے پرہیز کر، اور اہلِ دُنیا سے میل ملاپ نہ رکھ۔ کیونکہ درویشی امیروں کی مصاحبت نہیں کہ تو دولت مندوں سے رابطہ قائم کرتا پھرے۔ اگر تو دیکھے کسی عالم کو کہ وہ بادشاہ سے بہت میل ملاقات کرتا ہے تو جان لے کہ وہ چور ہے۔ درویشی دنیاوی ساز و سامان کا نام نہیں کہ مال و متاع اکٹھا کرتا پھرے۔ چھوڑ دو دُنیا کو دُنیاداروں کے لیے۔ پس جس نے اس میں سے لیا اس سے زیادہ جو اسے کفایت کرتا ہے تو اس نے لے لی اپنی موت اس حال میں کہ اُسے شعور بھی نہیں ہے۔ دنیا اور اہلِ دُنیا سے آنکھیں بند کر لے اور ہرگز اس طرف رضا و رغبت سے نہ دیکھ۔ جو چیز تو نے ترک کر دی ہے اس کی طلب میں کوشش نہ کر اور حیا کرو کہ آخر اسے ترک کاہے کو کیا تھا۔ اور پھر سے حرص کا دروازہ کھول دینے کا کیا مطلب، اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھ اس چیز کی طرف جو ہم نے ان کو دے رکھی ہے۔ یہ بات حقیقی تارکوں کو ادب سکھاتی ہے حتیٰ کہ وہ دُنیا اور اہل دُنیا کو خاطر تلے نہیں لاتے۔ اور حقیقی ترک پہ ہمت صرف کرتے ہیں۔ قناعت کے دامن میں اپنے پاؤں

Marfat.com

سُکیڑلے ۔ تاکہ تجھے دستِ طلب وسوال دراز نہ کرنا پڑے۔ ہواوہوس کو سینے سے نکال دے تاکہ تو توکل کی آبرو کو برباد نہ کرے ۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اللہ تجھ سے محبت کرے تو دُنیا سے بُغض رکھ ۔ اور اگر تو چاہتا ہے کہ لوگ تجھ سے محبت کریں تو جو کچھ تیرے پاس ہے دُنیا کے فالتو حصّے میں سے وہ ان کی طرف پھینک دے یعنی پورے سکونِ قلب اور استقامت سے بیٹھ جا اور لغویات کی طرف قدم فرسائی نہ کر، کسی کے گھر کی طرف نہ جھانک سوائے مرشد کے بیتِ معمور (آباد گھر) کے اور صلہ رحمی کے حقوق کی ادائیگی وطریقت کے بھائی بندوں کی اپنی طاقت اور قرب کی مناسبت سے مدد اور غنیمت جان فقرا کی محبت کو جو اللہ کے راستے میں محصور کر دیے گئے ہیں۔ اور انھیں عطا کرے گا ان کی مجلسیں جب تک تو ان کی مجلس میں ہے۔ پس سچائی اور خلوص اور رجوعِ قلب کے ساتھ فیض حاصل کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محبت کرو فقرا سے، انھیں پاس بٹھاؤ کیونکہ وہ استطاعت نہیں رکھتے زمین پر چلنے پھرنے کی تمکین کے کمال کی وجہ سے، اور استقامت اور قربت اور توکل کی نسبت کی قوت اور مکمل بے نیازی اور کامل کبریائی کی وجہ سے گمان کرتا ہے جاہل ان کے حالات کے بارے میں کہ وہ بے نیاز ہیں اور گمان کرتا ہے کہ آیا ان کے پاس مال ہے یا ان کے پاس آتے ہیں بہت سارے نامعلوم نذرانے، عفت کی وجہ سے، اور ان کے لالچ کے معدوم ہونے کی وجہ سے، کیونکہ وہ لوگوں سے چپک کر سوال نہیں کرتے بلکہ لوٹا دیتے ہیں نذرانے اس کے جو اپنے صدقات کو باطل قرار دیتے ہیں احسان جتانے اور تکلیف دینے سے، اور نہیں قبول کرتے مگر پاکیزہ ہدیوں کو جنھیں قبول کیا رسول نے اور حلال کیا اپنی اولاد کے لیے جو کہ سادات ہیں اپنی وراثت سے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں، اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں۔ خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہیں اور خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں۔ اور حرام کیا نبی کریم نے زکوٰۃ کا مال لینا اپنے اوپر اور اپنی اولاد پر کیونکہ وہ مالوں کی میل کچیل ہے اور اس کا لینا لائق ہے اہلِ فقر کے لیے جو کہ ہوتا ہے چہرے کی سیاہی دونوں جہانوں میں سوال کی ذلت کے اعتبار سے دُنیا میں اور جو مآل ہوتا ہے آخرت میں۔ اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں خیر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اے بندۂ خدا اگر تو فقرِ محمدیؐ کے شرف سے مشرف ہے تو اللہ تعالیٰ جو مقلب القلوب (دلوں کو موڑنے والا) ہے وہ خود بخود اپنے بندوں میں سے امیروں

Marfat.com

اور غیر امیروں کو تیرے پاس بھیجے گا کہ تیری خدمت میں حاضر ہوں ۔ جو تمھاری زیارت کے لیے آئیں اُن سے اچھے اخلاق اور عجز و انکسار سے پیش آ ۔ یعنی بد اخلاقی نہ کر اور ناک مُنہ نہ چڑھا ہر کسی سے اپنے مرتبے اور اس کے حفظِ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سلوک کر، وہی مکرم ہے جو دوسروں سے کریمانہ سلوک کرے ۔ نہ کہ کم فہم جاہلوں کی طرح امیروں کو غریبوں سے بھی بے وقار بنا دے ۔ اور نہ ہی وہم کے مارے حریصوں کی طرح اُنھیں اپنے سر آنکھوں پر بٹھائے ۔ نہ ہی لغو معاش لوگوں کی طرح غریبوں کو بے ادب اور بے لحاظ بنا دے ۔ اور نہ ہی سڑے دماغ والے مغروروں کی طرح اُنھیں نظر انداز ہی کر دے اور اس عطیہٴ حق کا شکر ادا کر، اور اس نعمت کا شکر بجا لا کہ اے گوشہ نشین متوکل انسان تجھے دوسرے حرص و لالچ کے ماروں کی طرح کارکنانِ قضا و قدر نے پیٹ پوجا کے لیے ہر سو خوراک کی تلاش میں نہیں دوڑایا ۔ اگر تیرا نفس اور تیری طبیعت بھی انہی کی طرح تجھ پر غالب آجاتی تو تُو کیا کرتا ۔ یہ تو محض اللہ کی عنایت اور اُس کی قبولیت ہے جو اس نے تیرے حال پر مبذول فرمائی ہے ۔ اور تجھے ایک ہی جگہ بٹھائے رکھا، اور تجھے اسی در تک محدود رکھا جو اللہ کا دروازہ ہے ۔ اور ہر کس و ناکس کے دروازے تک نہ دوڑایا بھگایا جو سراسر فساد کا رخنہ ہیں ۔ دیکھیے یہ آیت کریمہ کہ اس دن متقی لوگ ہوں گے عزت کی جگہ بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب ۔ پس اپنے آپ کو دُور کر لینا اس زعم میں کہ میں ایسا ہوں اور ویسا ہوں اور میں نے اپنے عزم و استقلال سے اس قسم کی گزران اختیار کر رکھی ہے جیسا کہ بعض قائم مزاج جاہلوں کو وہم ہو جاتا ہے ۔ یہ خیال بد نصیبی کے منبع سے نکلتا ہے ۔ اور تقرب ذات اور عرفان و معرفت کے خلاف ہے اور وہ غفلت سے پیدا ہونے والا غرور و تکبر جاہلوں کا کام ہے ۔ کسی سنجیدہ اور فہمیدہ انسان کو یہ مرض لاحق نہیں ہوتا تو پھر عارفین کا کیا ذکر ۔ لیکن اس حقیقت کو جان اور مان لے کہ جس طرح پست ہمت ادنیٰ نفس، حریص طبع والے اشخاص کے مزاج سے رذالت، طمع، لڑائی جھگڑا اور حصولِ دُنیا کے لیے بھاگ دوڑ جو ان کے نفوس میں پختہ ہو چکی ہوتی ہے اور اُن کی سرشت بن جاتی ہے ہرگز کبھی نہیں نکلتی اور وہ رہتی زندگی تک اس حالت سے باہر نہیں نکل سکتے، خواہ وہ دُنیا داروں کے لباس میں ہوں خواہ درویشانہ لباس میں ۔ بالکل اسی طرح عالی ہمتوں، شریف النفسوں اور غنی طبع والوں کے مزاج سے قناعت، استغنا اور بے نیازی کی فضیلتوں کے حصول کے باعث جو ان کے نفوس میں مستقل طور پر راسخ اور قائم ہو چکی ہوتی ہیں اور

Marfat.com

ان کی جبلّت اور سرشت بن جاتی ہیں کبھی نہیں نکلتیں۔ مگر اکثر اوقات دوسروں کی تحقیر اور غرور و تکبّر کی خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ لوگوں سے کڑوی کسیلی باتیں کہتے ہیں اور غصّے اور سختی سے پیش آتے ہیں اور کم التفاتی اور بے اعتنائی برتتے ہیں۔ خواہ وہ دنیاداروں کی وضع میں ہوں خواہ درویشانہ وضع میں۔ یہ ناملائم خصلتیں بھی یقیناً اپنا کام کرتی ہیں اور ان کی ان تمام فضیلتوں کو یعنی قناعت استغنا اور بے نیازی وغیرہم کو مٹا دیتی ہیں۔ اور انھیں ہوشیار اور کم اختلاط لوگوں کی نظروں میں ناگوار بنا دیتی ہیں۔ اور انھیں اعتدال کی راہِ راست اور کمال کی سیدھی راہ کہ سعادت و خوش بختی عبارت انہی سے ہے اور یہ کامل لوگوں کی روش نہیں اس سے دُور پھینک دیتی ہے اور ہلاک کر دیتی ہے اور بد اخلاقی کے بھنور میں ڈال دیتی ہے۔ اور خوش اخلاقی کی حد سے باہر لے جاتی ہے۔ چنانچہ بے جا انکسار و بے محل گڑگڑاہٹ بھی بداخلاقی اور بدتمیزی میں شمار ہوتی ہے۔ اور دانشمند باتمیز لوگ ایسی بدتمیزانہ تواضع اور عجز سے کبھی خوش نہیں ہوتے۔ مرتبے کے مطابق تھوڑا بہت لطف و کرم اور کسی قدر انکساری ملحوظ رکھو۔ وہی شرف رکھتا ہے جو مراتب کے مطابق زیادہ خوشامد اور زیادہ انکساری میں فرق نہیں کرتا۔ الغرض طرفین کی یہ دونوں صورتیں قابلِ ستائش نہیں۔ یہ انسان کو آدمیت کی حد سے باہر لے جاتی ہیں۔ اور کمال کے آسمان سے نقائص کی زمین پر پھینک دیتی ہیں اور اس مقام پر قائم نہیں رہنے دیتیں جہاں رہنا چاہیے۔ پس ایک عارف اور خالص محمدیؐ کو چاہیے اور زیب بھی یہی دیتا ہے کہ اپنے آپ کو ان ہر دو افراط و تفریط (حدِ اعتدال سے آگے بڑھتے یا پیچھے رہ جانے) سے روکے رکھے۔ نہ کسی سے بدسلوکی اور بدخوئی سے پیش آئے۔ نہ کسی کی بے جا خوشامد اور منت سماجت کرے اور یاد رکھے کہ تمام امور میں وسطی راہ ہی بہترین ہے اسی پہ گامزن رہے۔ ہر کسی کے حسب حال اور اس کے مرتبے کے شایان سلوک کرے۔ اے مسلکِ ہدایت کے راہی اور مذہب حقیقت کے رہرو ہر لمحہ اور ہر آن اپنے تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب سے اپنے دل و دماغ کے آئینے کو تمام قیود سے مکمل طور پر صاف رکھ تاکہ اس میں محبوب حقیقی کا جمال نظر آئے اور اللہ کے اخلاق کو اپنانے کی سعادت حاصل ہو۔ اور اس حکم کے مطابق کہ درگزر کرو اپنے ہم وضعوں کو اور خرقہ پوشوں کی خطاگیری اور عیب چینی سے بھی درگزر کرو، تاکہ تم خود بھی ناپسندیدہ امور سے محفوظ رہو۔ اور دوسروں کو رنجیدہ نہ کرو، خلق خدا سے اچھے حسنِ سلوک سے پیش آتے ہوئے سرائے دوست (آگاہ حضرات کے دل) کے عازم ہو جاؤ۔ یعنی کہ صاحبِ دل حضرات کے

Marfat.com

دلوں میں اپنا مقام پیدا کرو، کیونکہ سرائے دوست عبارت انہی حق آگاہ دلوں سے ہے۔ اور غیروں کے گھروں کا رُخ نہ کرو، نااہلوں کے ساتھ میل ملاپ نہ رکھو۔ یہ محض وقت کا زیاں ہے۔ اور یہ آیت کریمہ یاد رکھو کہ اے ایمان والو مومنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ خود پرستی چھوڑ دو کہ یہ تن پروری ہی کا دوسرا نام ہے۔ ہاں بقدر ضرورت ضرور ملحوظ رکھو اور ماسوئی اللہ سے تعلق رکھنے والے لباس کو پھاڑ ڈال تاہم لازم حقوق کو ادا کر، بلا نوش خرقہ پوش تیری آرائش خستگی وخستہ حالی ہی میں ہے جس طرح اہل ہوس کی زیب وزینت عورتوں کی طرح بناؤ سنگار میں ہے اور اے باتمیز عزیز تیری درستی اور ہمواری ایسی شکستگی میں ہے کہ اس راہ میں پہلا قدم نفس کا مارنا ہے۔ رباعی:

درعشق نہ مرد خود پرستی باید
وارستہ زخویش دل بدستی باید
اے آنکہ پُری زباد دعوی چو حباب
البتہ ترا بخود شکستے باید

ترجمہ رباعی: عشق ومستی اور محبت وشوق میں خود پسند وتن پرور انسان درکار نہیں۔ ایسا دل چاہیے جو اپنی عقل کے پھندوں سے آزاد ہو۔ اے تو جو پانی کے بلبلے کی طرح خودی وانانیت کے دعوے سے پُر ہے یقیناً تجھے خود شکستگی درکار ہے۔ (مصنّف کی اپنی وضاحت کے مطابق رباعی کا حاصل مطلب یوں ہے کہ) عشق ومحبت اور شوق ومستی کی راہ میں جسے اسلامی اصطلاح میں طریقت کہتے ہیں خود پرست یعنی خود پسند اور تن ور آدمی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ ذوقی علم ہے مرشد کے اتباع اور خدا و رسولؐ کی اطاعت کے بغیر یہ علم حاصل نہیں ہوتا۔ اس راہ میں ایسا دل چاہیے جو اپنی عقل کے پھندوں سے آزاد ہو۔ ایسا دل جو محبوب کے حوالے بلکہ اس پہ نثار کر دیا ہو۔ اور جو ہمہ تن مرشد میں مشغول ہو۔ پس حکمت پسند عقل کے دعویدار کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اے کہ تو اپنی دانشمندی کے دعوے کی ہوا سے بالکل پانی کے بلبلے کی طرح پُر ہے اور بھرا ہوا ہے۔ اب جب راہ سلوک پہ چل پڑے ہو تو تمھارے لیے خود شکستگی کی کیفیت پیدا کرنا لازم ہے تاکہ تیری عقل وفہم کا یہ سارا

Marfat.com

تانا بانا بکھر جائے، کیونکہ یہ معاملہ جو انسانی عقل و فہم اور انفس و آفاق سے ماورا ہے اور حضور رسولِ کریم صلعم اور ان کے کامل تابعین کی پیروی کیے بغیر منکشف نہیں ہوتا۔ فنائے کامل کا ثمر بقائے کامل کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ اور کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔

Marfat.com

هُوَالنَّاصِر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو واحد اور صمد ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ جنا گیا اور نہیں ہے اس کے لیے ایک بھی ہمسر، اور درود و سلام اس کے رسول محمد مصطفےٰؐ پر جو احمدؐ کے نام سے بھی موسوم ہیں۔ اور آپؐ کی آلؓ و اصحابؓ پر ازل سے ابد تک۔ اما بعد پس یہ ایک سو چوتھا (۱۰۴) باب ہے جو موسوم ہے دینِ قیّم سے (سیدھا اور درست دین) دینِ قیّم یہ طریقِ محمدی ہے کہ جس کی طرف اللہ نے ہدایت کی ہے اپنے فضل اور رہبری سے، اور وہ اثبات ہے اللہ سبحانہ' کا اور باطل خداؤں کی نفی ہے زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کے ساتھ۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تکرار کے ساتھ۔ یہاں تک کہ نہیں باقی رہتا مقصود اصلی باطنی طور پر اللہ کے سوا، بلکہ نہیں دیکھتا موجود بصیرت کی نگاہ سے سوائے اس کے اور نہیں دیکھتا موجودات کے آئینوں میں سوائے اللہ کے چہروں کو۔ وہ اللہ کہ جدھر بھی تم رُخ کرو اِدھر ہی وہ ہے ظاہری طور پر اولاً اور اس کے ضمن میں ہی دوسری تمام موجودات ساری کی ساری ظاہری طور پر اولاً اور اس کے ضمن میں ہی دوسری تمام موجودات ساری کی ساری ظاہری طور پر ثانیاً۔ جس طرح کہ نور مُبصّر ہے اوّلاً اور چیزیں اس سے دیکھی جاتی ہیں ثانیاً۔ پس یہ مشاہدے والے وہی ہیں جو اسی کی مدد سے دیکھتے ہیں اور اُسی کی مدد سے سنتے اور اسی کی مدد سے چلتے ہیں۔

Marfat.com

اور اسی کی مدد سے پکڑتے ہیں اور شرعی آداب میں سے کوئی ادب یا طریقہ ان سے ضائع نہیں ہوتا۔ اور وہ نہیں قاصر رہتے اس کے احکامات کی ادائیگی میں اللہ کی طاقت اور قوت سے، اور وہ استقامت سے رہتے ہیں توحیدِ محمدیؐ پر، جو کہ مشاہدۂ حق میں استغراق عبدیت کے مراتب کی حفاظت کے ساتھ۔ پس ہوجا متوجہ ہمیشہ پاکیزہ الٰہی کی ذات کی طرف پاکیزگی کے راستے پر اور دیکھ اس کی قدرت اور صنعت کے عجائب غور و فکر کی نظر سے اس کی مقدورات اور مصنوعات میں جو کہ اس کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔ اور تفکر کر آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں عبرت و تجربے کے ساتھ تاکہ تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں باطل پیدا نہیں کیں، اور منکشف کیا تم پر کہ نہیں پیدا کیا اللہ نے کسی چیز کو عبث اور تمام معاملات اسی کی طرف لوٹتے ہیں اور تو مستعد ہوجا اللہ کی حدود کی اقامت پر، اور راست رو ہوجا جیسے کہ تمھیں حکم دیا گیا ہے شرع کی زبان اور طریقِ محمدیؐ میں اور عبادت کر اپنے رب کی حتیٰ کہ تمھیں موت آجائے۔ اور نہ متوجہ ہو وجودی اور شہودی توحید کے مسائل کی طرف، چونکہ وہ دونوں کلی محمدی توحید کے اجزا میں سے ہیں۔ اور نکالی گئی ہیں۔ حضور نبی کریم صلعم کے بعد صوفیا کے افکار کی آمیزش سے، اور اکتفا کر مجملاً مطلق توحید کے اقرار پر بغیر کسی وجود اور شہود کی قید کے ملاحظے کے، اور کہہ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسولؐ ہیں۔ اور یہی دین طیب ہے اللہ اور اس کے فرشتوں کے نزدیک مگر اکثر لوگ ناقص عقلوں والوں میں سے مانتے نہیں ہیں۔ پس سیدھا رکھ اپنے چہرے کو دین راست کے لیے پیشتر اس کے کہ آجائے وہ دن جس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس دن لوگ پھٹ کر ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں گے۔

وحدت وجود اور شہود کے بیان اور توحید محمدیؐ (ان پہ درود وسلام) کی دعوت کا باب

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے کلمات صوفیا کے اصطلاح کردہ اور انہی کی بدعتوں میں سے ہیں۔ حضور پُرنور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت میں ان کا اسی طور پر ذکر نہ تھا۔ توحید وجودی اور توحید شہودی کی بحث دو الگ الگ اور علیحدہ امر ہیں۔ اور جس طرح آج کل مسلمانوں میں

Marfat.com

یہ موضوع بحث بنتے ہوئے ہیں اُن دنوں قطعاً درمیان میں نہ تھے۔ فقط وہی نفس التوحید کا مختصراً اور کلیتہً اظہار تھا جو توحید مطلق ہے اور اس توحید کی جزئیات پر تفصیلی بحث نہیں کی جاتی تھی۔ توحید کا بیان بھی اپنی وحدت ہی کی حالت پر تھا اور وجودی و شہودی قیود و شرائط کی یہ کثرت جو صوفیا کی اپنی طبع آرائی سے نکلی ہیں اس وقت اُنھوں نے سر نہ اُٹھایا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت توحید کا مطلب بیان کرنے والا شخص واحد تھا یعنی جناب ہدایت مآب حضرت رسالت پناہؐ صلّی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اصحاب میں سے سب کے سب آنحضرت کے تابع اور پیروکار تھے۔ اور دینی امور میں ہرگز اپنی رائے سے دخل نہیں دیتے تھے اور فقط یہ کہہ کر کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی، وہ جو کچھ آنحضرتؐ سے سنتے تھے اس پر ایمان لے آتے تھے اور کسی قسم کے شبہ اعتراض یا حجت بازی اور بحث تمحیص نہیں کرتے تھے۔ کہ آنحضرت صلعم ہر سننے والے کے مناسب حال اس کی اہلیت و استعداد کے مطابق مطالب بیان فرماتے جو اس شخص کے حال کی اصلاح کرنے اور انجام کار اس کے لیے مفید ہوتے اور ہوتے بھی بالکل نفس الامر کا بیان ہی تھے۔ پس اسی وجہ سے حضورؐ نے فقط توحید ہی کے واحد مطلب کو مختلف انواع و اقسام میں بیان فرمایا وہی توحید جو ایمان کی اصل ہے اور یوں ہر کسی کی نگاہ سے اس کی بصیرت و بینائی کے مطابق پردہ اُٹھا دیا اور استفادہ کرنے والے اس شخص نے جس طریق سے براہِ راست حضور پاکؐ کی زبانِ حق بیان سے سُنا تھا اسی طریق سے وہ تابعین سے بیان کر دیتا اور دیگر ساری مختلف عبارات والی احادیث کو جو دوسرے ثقہ راویوں سے سنیں اُن کی تاویل اسی حاصل کردہ معنی میں اظہار کر دیتا اور علیٰ ہذا القیاس تابعین اور تبع تابعین کے دَور تک یہ معاملہ یونہی چلتا رہا۔ اور ہر کسی نے ثقہ راویوں سے جس رنگ میں اس مطلب کو سُنا اور سمجھا وہ اسی رنگ میں تمام کے تمام کلام کو من وعن پیش کر دیتا۔ لیکن جب زیادہ زمانہ گزر گیا، اور بُعدِ زمانی کی مدّت بڑھتی گئی اور کیفیت کی قوت سے سامعین کے ذہنوں میں جو معانی فوراً آجاتے تھے وہ قوت کمزور ہوتی چلی گئی اور اکثر و بیشتر اور فقط یہی نقل کلام یعنی احادیث کی روائتیں ہی باقی رہ گئیں تو اس وقت مومنین میں سے بعض دانشمند جو فلسفیانہ استعداد رکھتے تھے وہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ سے اپنی فکری قوت کی بنا پر جو کچھ استنباط کر سکتے اسی طرح بیان کر دیتے اور اس کا نام اُنھوں نے معارف رکھ دیا۔ اور توحید مطلق کے اُس مطلب کو توحید وجودی میں مقید کر دیا۔

Marfat.com

اور وحدتِ وجود کے قائل ہو گئے۔ اور ان مسائل کی تفصیلات کو اُنھوں نے علم تصوّف کا نام دے دیا۔ اس جماعت کے اکابر اور بزرگوں کو صوفیا کہتے ہیں اور اُنھیں اہل باطن تصوّر کرتے ہیں۔ یقیناً ولایت کی نسبت کا دروازہ ان کے دلوں پر کھولا گیا، اور اُنھیں قربِ عام کی راہ بھی دے دی اور صاف باطن مومنوں میں سے بعض ایسے اکابر جن کے باطن میں ایمانی نور پوری قوت کے ساتھ ودیعت کیا گیا تھا اس نور کی روشنی میں معانی کے شواہد میں جو کچھ اُنھیں آیات و احادیث کے سراپردہ میں دکھایا گیا اُنھوں نے بیان کر دیا اور اسے " اسرار " کے نام سے موسوم کر دیا۔ اور توحیدِ مطلق کے ان معانی کو توحید شہودی کی قید میں مقیّد کر دیا اور وحدتِ شہود کے قائل ہو گئے۔ اور ان مسائل کی تفصیلات کا نام حقائق رکھا۔ اور اسی گروہ کے بزرگوں کو محققین کہتے ہیں اور اہل اللہ جانتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کمالاتِ نبوت کی نسبت کا دروازہ ان کے باطنوں پر کھول دیا گیا، اور قربِ خاص تک اُنھیں راہ بھی دے دی۔ سادات کے مومنوں میں سے بعض نے جن کی اہلیتوں کے مطالعہ سے وہی خالص محمدیّت کا آفتاب طلوع ہوا اور محمدیؐ جامعیت کی وہی صبح نمودار ہوئی اسی مہرِ منیر یعنی آفتاب عالمتاب کی روشنی سے پھر آیات و احادیث کو اسی رنگ میں روشن کیا جو اللہ اور اُس کے رسول کی مراد تھی۔ اور اپنی تحریر و تحریر کی توفیق سے انہی مطالب کو بیان کیا، اور وہ اسی توحیدِ محمدیؐ کے قائل ہو گئے، جو توحیدِ مطلق تھی۔ اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود سے پھیلنے والے فروغ کو اس پہلی اصل کے بیان سے کم کر دیا۔ اور اس کے مسائل کو علم الہیٰ محمدیؐ کے نام سے موسوم کیا اور اس خاندان کے افراد و صاحبان کو خالص محمدیؐ کے نام سے پکارنے لگے۔ اور اُنھیں پیغمبر اسلام صلعم کے اہلِ بیعت سے سمجھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ شہر علم (حضورِ پاکؐ) کے دروازے اور محمدیّت کی نسبت کو ان کے باطنوں پر کھول دیا گیا اور اُنھیں خاص الخاص قرب سے نوازا گیا، اور اللہ جسے چاہتا ہے اور رحمت کے لیے مختص کر لیتا ہے۔ اور وہ بڑا صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ اور اس توحیدِ مطلق کا مفصل بیان جو اپنی شمولیت اور جامعیت سے توحید کی ان دونوں شاخوں پر حاوی ہے اور ان ہر دو سے اعلیٰ وارفع اور دقیق تر ہے اسی باب کے متن اور شرح میں آگے آرہا ہے۔ اللہ علیم اور صراطِ مستقیم کے ہادیٔ برحق کی مدد و معاونت سے۔ یہ بھی جان لو کہ اکثر وحدت الوجودی صوفیا اپنی عقل اور باطنی محسوسات کے تابع ہیں۔ اور پہلے تو اپنی دریافت کی اصالت و شرافت پر اعتماد رکھتے ہیں اور دوسرے درجے میں اپنی عقل

Marfat.com

کے ضمن میں رسول اللہ صلعم کا کم و رسا اتباع بھی کرتے ہیں، اور آیات و احادیث کو اپنے مذاق کے مطابق لاتے ہیں اور حقیقت میں گویا انھیں شریعت سے کوئی سروکار نہیں - جو کچھ ان کی سمجھ میں آیا یا جو محسوس کیا ان کے نزدیک وہی امر ثابت ہے - اور شریعتِ محمدیہ کا انتباہ بلا واسطہ منظور نہیں۔ اور وہ اپنے خیال میں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نفس الامر کا ادراک کر رہے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں کسی پر توحیدی حالت کے ظاہر ہونے یا نہ ہونے سے کوئی سروکار نہیں - ہمارا مقصود تو اس بات کی تحقیق ہے کہ واقعاً ممکن عینِ واجب ہے یا اس سے غیر، (مغائرت والا) اور مخلوق و خالق میں عینیت ہے یا غیریت - (اجنبیت) اور اس امر کے ادراک کے لیے وہ اپنی عقل کو اپنا مقدار گردانتے ہیں۔ اور عقلی دلائل و براہین کے قدموں پر اس راہ کو طے کرتے ہیں اور ایمانی قوت کو تکلفاً ہی اپنے ہمراہ کھینچتے پھرتے ہیں اور ایمانی تدبیر و چارہ سے مکمل انقطاع کو اپنے حق میں مصلحت آمیز نہیں سمجھتے - آخر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلواتے ہیں - اور اس وقت بھی بظاہر مومنوں ہی کی جماعت میں داخل ہیں - اور شہودی صوفیا میں سے اکثر و بیشتر شرع شریف کے تابع ہیں اور سب سے پہلے اصالتاً شریعت کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں - اور پھر دوسرے درجے میں شرع کے ضمن میں جس قدر ہو سکے اپنی عقل کو بھی عمل دخل دیتے ہیں - اور اپنی سوچ کو آیات و احادیث کے موافق گھماتے ہیں۔ حقیقت میں گویا اُنھیں عقل سے کوئی سروکار نہیں جو کچھ خدا اور رسولؐ نے فرمایا ان کے نزدیک وہی تحقیق شدہ اور ثابت ہے - اور اپنی عقل کے اتباع کے مقصود کو ہرگز ملحوظ نہیں رکھتے - اور یہی ان کا باطنی یقین بھی ہے کہ جو کچھ امرِ واقعی ہے خدا اور رسولؐ نے اسی کی خبر دی ہے - اور جانتے ہیں کہ شرعی خبروں میں ہماری عقل کو کوئی سروکار نہیں اور ہمیں اپنی عقلی قوت کے بل بوتے پر اس امر کی تحقیق مقصود نہیں کہ واجبؒ و ممکن ایک دوسرے کا عین ہیں یا غیر!! اور اس سلسلے میں قرآنی آیات کے متون اور احادیثِ نبوی کی عبارتوں کو اپنا مقتدر و پیشوا گردانتے ہیں - اور ایمانی نور کی روشنی میں راستہ طے کرتے ہیں اور عقل کو محض تکلفاً ہی بزور اپنے ساتھ کھینچتے ہیں اور عقل سے بالکل سلسلہ قطع کر دینے کو بھی اپنے لیے مناسب نہیں سمجھتے آخر وہ اپنے آپ کو سنجیدہ اور فہمیدہ کہلواتے ہیں - اور اس وقت بھی دانشمندوں کے گروہ میں داخل ہیں - اور اصل حقیقت یہ ہے کہ ہر امر کا اثبات پہلے تو ہر شخص پر اللہ ہی کی جانب سے ہوتا ہے، اس کے بعد دلائل و براہین نظر آتے ہیں - پس جن کو قدرت نے عقل کا تابع بنا دیا

Marfat.com

سو بنا دیا، وہ اس قید سے بالکل باہر نکل ہی نہیں سکتے، اور جن کو نقل (علم منقول) کا تابع بنا دیا سو بنا دیا، وہ اس کی حد سے ہرگز تجاوز نہیں کر سکتے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت عطا فرمائی۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی مہر و عنایت سے توحید مطلق یعنی توحید محمدیؐ کا آفتاب تم پر چمکے اور حقیقی معنی تم پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیں تو توحید کی شاخوں کی یہ کثرت اصلاً تمھارے اوقات میں خلل انداز نہیں ہوگی۔ اور تمھارے ذہن کو پریشان نہیں کرے گی۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے چن لیتا ہے۔ رباعی:-

اے بے خبر از ہستی ہستِ مطلق
نگرفتہٗ از کتابِ توحید سبق
کثرت نکند ترا پریشان چو شود
نصب العین تو معنیٔ واحدِ حق

ترجمہ رباعی: اے ذاتِ مطلق کی ہستی سے بے خبر انسان تو نے کتابِ توحید سے سبق ہی نہیں پڑھا۔ اگر تیرا نصب العین اسی وحدہٗ لاشریک کے معانی ہوں تو توحید کی شاخوں کی یہ کثرت تجھے پراگندہ خاطر نہیں کر سکتی۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق رباعی کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اُس نے شکوک و شبہات و ترددات کے مارے ہر شخص کو مخاطب کر کے کہا ہے جو اللہ کی معیّت کی نسبت سے بے بہرہ ہے کہ) اے غافل انسان تو نفس الوجود کے مرتبۂ اطلاق کی موجودیت سے جو اس کا امتیازی نشان ہے بے خبر و نابلد ہے تو اُس نے اس کتاب ہُدیٰ یعنی قرآن مجید سے اُس توحید کا سبق ہی نہیں پڑھا جو فی نفسہٖ تمام معارف کی منتہی ہے۔ اور تو اس کی ذاتی وحدت کے بلند و بالا مرتبے سے مطلق کوئی خبر نہیں رکھتا۔ اے دُنیاوی قیود و اضافات کے اسیر اگر وجودِ حق کے توحیدی معانی تیرے نفس میں راسخ ہو جائیں اور تجھے خوب ذہن نشین ہو جائیں اور اُس ذاتِ جلّ جلالہٗ کی دائمی حضوری و مشاہدہ تجھے نصیب ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کے بے مثال و بے کیف ہونے پر تیری تمام تر توجہ مرکوز ہو جائے تو دُنیا کی ان اعتباری صورتوں کی کثرت تجھے کبھی پریشان حال و پراگندہ خاطر نہ کرے، اور نہ ہی وہ تمھیں اپنی طرف متوجہ کر سکے، بلکہ ان دُنیاوی صورتوں کے نقوش تیرے دل و دماغ کے صفحے سے اصلاً مٹ ہی جائیں۔ اور تیرے دل میں سوائے حق کے اور کچھ باقی رہ ہی نہ جائے۔

Marfat.com

توحید نام ہی اس حالت کے حاصل کر لینے کا ہے اور قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے انہی معانی پر دلالت کرتی ہے کہ حق تعالیٰ کو ایک سمجھنا چاہیے اور دل کو ماسوی اللہ کے پھندوں سے آزاد کر لینا چاہیے۔ عبادت فقط اللہ ہی کے لیے کی جائے، اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ لیکن توحید کی بحث میں عارفوں اور اولیائے کرام نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق بہت کچھ کیا ہے اور کافی تحقیقات کی ہیں اور اُس واحد کے معانی میں جو کہ مرتبہ وجود ہے عبارات میں اختلاف ہے اور انواع و اقسام کے اختلافات ہیں۔ متقدمین اور متاخرین اکابر میں سے بعض وحدت الوجود کے قائل ہیں اور وہ "ہمہ اوست" کے الفاظ تک کہنے کی جرأت بھی کرتے ہیں اور اگلے اور پچھلے بزرگوں میں سے بعض وحدت الشہود کے اقراری ہیں اور وہ ہمہ از وست کے الفاظ کہہ کر کلام کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بیشک میں آیا ہوں تمہارے پاس حق پہنچانے کے لیے حکمتِ بالغہ کے ساتھ تاکہ میں بیان کروں تمہارے لیے اسرار میں سے بعض وہ جن کے بارے میں وہ اختلاف کرتے ہیں تمہاری جزئی، اور ناقص اور عاجز استعدادوں کے تقاضے کے مطابق اور اللہ فیصلہ دیتا ہے اس میں جس میں اختلاف کرتے ہو، اور وہ سب سے بڑا فیصلہ دینے والا ہے۔ پس سمجھ لینا چاہیے کہ تمام اصحاب جو آپس میں باہم تنازعہ درمیان میں لے آئے ہیں اگر انصاف سے خوب غور کریں اور اپنی رگِ تعصب کو پھڑکنے نہ دیں اور دیکھ بھال کر ملاحظہ کریں اور کسی جانب کی بھی طرفداری نہ کریں تو وہ اس حقیقت کو پالیں گے کہ وجودی و شہودی ہر دو فریقوں کی اخیر و انجام ایک ہی ہے۔ محض لفظی جھگڑا ہے اور حقیقت میں ان دونوں نسبتوں کے رکھنے والوں کی کیفیت حال میں اختلاف نہیں اور ان سب کا ماحصل ماسوی اللہ کی گرفتاری سے دل کو رہائی دلاتا اور اللہ تعالیٰ کا وصال ہی ہے۔ کیونکہ توحید وجودی کا ماحصل اور اُس ساری تحقیق کا مآل بھی ہے کہ توحید شہودی میں بھی غیر نظر نہیں آتا۔ بلکہ اس میں بھی جلوہ فرما ہے۔ اور مشاہدے کی یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے ورنہ زبان سے ایک کہنا اور دل میں دو سمجھنا تو کسی کام نہیں آتا۔ اور زبان سے موجوداتِ معلومہ کی نفی کرنا اور دل میں انہی دنیاوی صورتوں کو منقش کیے رکھنا تو کوئی راہ نہیں کھولتا۔ اور توحید شہودی کا کمال اور اس تقریر سے غرض بھی یہی ہے کہ وجود میں بھی مغائرت کا مشاہدہ نہ ہو۔ ورنہ یہ کس قسم کی توحید ہے کہ تمام امور کو اسی سے دیکھنا چاہیے مگر موجودات کے وجود کو جو سب کی اصل ہے

Marfat.com

وجودِ حق سے الگ تصور کرتے ہوئے کثیر التعداد موجودات کا مشاہدہ کرتا ، بلکہ وحدتِ شہود کا ماحصل یہی ہے کہ تمام موجودات کا وجود ایک وجودِ مطلق کے نور میں گم ہو جاتا ہے اور اعتباری کثرت شہود و مشاہدہ میں خلل انداز نہیں ہوتی اور ان کا وجود قطعاً نظر نہیں آتا ۔ اور سب سے سب ایک ہی وجود کا نور نظر آتے ہیں ۔ ایسی حالت کے پیدا ہوئے بغیر اور اس کیفیت کی بہم رسانی کے بغیر توحید وجودی ہو یا شہودی ان ہر دو توحیدوں کا قائل مہجور (ہجر زدہ) ہے اور لغو گو مقلدوں میں سے ہے ۔ اور اہلِ قال ہے اور اربابِ مذاق اور صاحبانِ حال اور باکمال محققوں سے بہت دور ہے اور اسے عالمِ حقیقت کی راہ سجھائی نہیں دیتی ۔ اور کامل محققین جو چشمِ بصیرت رکھتے ہیں اور ہر امر کی حقیقت کو کماحقہ دیکھتے ہیں ان ہر دو معانی سے آگاہ ہیں ۔ وہ وحدتِ وجود کے راز کو بھی کماحقہٗ سمجھتے ہیں اور وحدتِ شہود کی کنہ و ماہیت کو بھی اس کے شایانِ شان طریق سے جانتے ہیں ۔ نفس وجود کی وحدت جو واجب تعالیٰ ہی سے مخصوص ہے ، اس میں شک کی گنجائش ہے اور تردد کا کیا مقام ؟ کیونکہ وجود معنیً واحد ہے اور موجودات کے ظہور سے کثیر التعداد نہیں ہوتا ۔ اہلِ کشف و برہان کے نزدیک لفظ وجود میں معنوی اشتراک ہے اور مرتبۂ وجود کی وحدانیت کے اقراری ہیں ۔ لفظی اشتراک نہیں جیسا کہ بعض نے گمان کیا ، جس سے ہر موجود مرتبے پہ ایک دوسرے وجود کا داہم کیا جائے ۔ وہ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور حقائق ممکنہ اور وجود کی مغائرت (غیر ہوتا) بالکل واضح ہے ۔ اس میں شبہ کی کیا گنجائش اور سوچ بچار کرنے کا کیا مقام ، کیونکہ ماہیت الگ چیز ہے اور مفہوم ایک علیحدہ شے اور وجود ایک الگ امر ہے اور معنی ایک علیحدہ امر ہے ۔ اگر وجود اپنی وجودیت کے امتیازی نشان کے معنوں میں ممکن کی عین ماہیت ہوتا تو پھر ممکن بھی واجب ہی ہوتا اور کسی حال میں بھی معدوم نہ ہوتا ۔ اور وحدتِ وجودیہ پہ لب کشائی کرنے والے صوفیا کے نزدیک حقائق ممکنہ اور امکانی ماہیات عدمی معانی ہیں ۔ انھوں نے کہا ہے کہ صورِ علمیہ سے وجود کی خوشبو آتی ہے ۔ پس حقائق عدمات ہونے اور عدم وجود کا غیر ہے اور وجود عدم میں اثبات و نفی کا تقابل (ٹکراؤ) ثابت ہے ۔ اور حقائقِ ممکنہ کی غیریت (اجنبیت) کی یہی حیثیت اور دوئی کی اہلیت ذہنی اور خارجی صورتوں کے ظہور کا باعث اور ممکنات کا مرتبۂ واجب سے امتیاز کا سبب ہوا اور اس نے ممکن کو واجب سے الگ کر دیا ۔ جس طرح وجود کی موجودیت سے عینیت (یکسانیت) و اتحاد و یگانگت ذہن اور خارج میں موجودات

Marfat.com

کی موجودیت کا سبب بنے، مرتبہ، وجود میں داخل ہوئے ورنہ وہ بالکل عدم ہوتے اور موجودات اور معدومات میں کوئی فرق ہی نہ کیا جا سکتا۔ خوب سمجھ لو اور غفلت نہ برتو، پس مقتدئی اور پیشوا حضرات اور بزرگانِ دین اور صاحبانِ تمکین کہ وہ سب کے سب ان دونوں حیثیتوں کو دیکھ رہے ہیں، اور دونوں کی اتحادی اور امتیازی اطراف کو ہر وقت نظر کے سامنے رکھتے ہیں اور تنزیہہ و تشبیہہ کی جامعیت رکھتے ہیں اور عینیّت (یکسانیت) اور غیریّت (اجنبیّت) کے راز سے واقف ہیں اور جمع و فرق کے مقام کے مالک ہیں۔ اور جنھوں نے مستی و ہشیاری، بلندی و پستی، جذب و سلوک، فنا و بقا، اور ولایت کی قربتوں اور نبوت کے کمالات کے مرتبوں کو خوب تفصیلی طور پر طے کیا اور دیکھا بھالا ہے۔ ان بزرگواروں نے اپنے ہم عصروں کی استعدادوں کے تقاضوں کے مطابق حقیقت کو بیان کیا ہے جو ان کے حال اور قال کی اصلاح کرنے والی ہو اور دُنیا و آخرت میں ان کے لیے مفید ہو۔ اور آنکھوں کے سامنے سے پردہ اُٹھا دیتے ہیں۔ اور اپنے سب ہم عصروں اور حاضرین کو ایک الگ راستے کی طرف دعوت دیتے ہیں جو اعتدال کی راہِ راست ہے اور خیر و برکت پہ دلالت کرتے ہیں جیسا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ حضرت شیخ محی الدین اکبر ابن عربی کے زمانے میں سطحی عالم اور ظاہری فاضل محجوب و مہجور ہونے کے باعث حقیقت کے ادراک سے محروم اور قرب و نزدیکی کی بساط سے دُور تھے۔ اور خودی کے پردے کو دُور نہیں کرتے تھے اور دوئی اُن کے ذہنوں اور غیریّت (اجنبیّت) ان کے باطنوں میں اس حد تک غالب آ چکی تھی اور اتنی راسخ ہو چکی تھی اور یوں قائم و برقرار تھی کہ وہ خالق و مخلوق، صانع و مصنوع میں وہی نسبت سمجھتے تھے جو عمارت اور معمار اور کوزہ و کوزہ گر میں ہوتی ہے اور اسی نسبت کو ثابت کرتے تھے، اور وہ ایسی غیریّت پر ممکنات کی باہمی مغائرت کا گمان کرتے تھے۔ اور وجود ممکن کو مستقل اور وجود واجب سے الگ سمجھتے تھے اور مستقلاً جدا اور ایک قائم یا موجود سمجھتے تھے جو شرک پہ جا ختم ہوتا ہے۔ یہ عجیب سمجھ ہے کہ ہر چند کہ وہ حق تعالیٰ کی تمام کمالی صفات کو ان ممکنات کی ناقص صفات کی طرح نہیں سمجھتے اور اس واحدِ حقیقی کو عددی واحد کی مانند نہیں جانتے۔ لیکن اس سب کے باوجود بھی خالق کی مخلوق سے غیریت و مغائرت کو کوزہ گر و کوزہ اور معمار و عمارت جیسی سمجھیں جو شرک کی ایک قسم ہے۔ ایسے شرک سے خدا کی پناہ کیونکہ اس صورت میں فنا و بقا کا کاروبار، اللہ سے تقرّب و نسبت کا معاملہ،

Marfat.com

مشاہدے میں استغراق اور حضوری حق میں ہلاکت و اضطرار اور ولایت و تقرب کی راہ جو بزرگان دین اور اولیائے کرام کو حق سبحانہٗ تعالیٰ سے ہوتی ہے، سب سے سب سراسر مفقود و گم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا مجبوراً شیخ اکبر اور ان کے پیرو کار جو ولایت کی نسبت رکھتے تھے انھوں نے عینیّت کے اسرار و رموز کو کھل کر بیان کیا اور وحدتِ وجود کے معارف کو معرضِ تحریر میں لائے، اور بزعم خود دوئی و مغائرت کو لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا۔ اور کثرت میں وحدت کے مشاہدے کا دروازہ کھولا، تاکہ فقط ظاہر کو دیکھنے والے اور محض صورتوں کے شناسا باطن کی طرف توجہ کریں اور معانی کو دیکھیں حقیقت پہ نظریں جمائیں اور ماسوی اللہ سے قطع تعلق کر لیں اور حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رح کے زمانے میں (اللہ ان کے رازوں کو پاکیزہ اور سعی کو مشکور فرمائے) ان کے ہم عصروں میں عینیّت (یکسانیت) و اتحاد کی یہ نسبت ان سب پہ غالب اور چھائی رہتی تھی اور اُسے مکمل غلبہ اور تسلط حاصل تھا کہ حال سے ناواقف اکثر جاہلوں اور مُختل مقلّدوں نے صرف قال ہی پہ اکتفا کر رکھی تھی اور دل کو ماسوٰی اللہ سے نجات نہ دلاتے تھے اور تصفیہ قلب اور تزکیۂ نفس کی طرف توجہ ہی نہ دیتے تھے اور یوں وہ گمراہی میں جا گرتے تھے۔ اور عبد و معبود، خالق و مخلوق، حلال و حرام اور شرعی اور غیر شرعی باتوں میں فرق ہی نہیں کرتے تھے۔ اور ان امور کو عوام پہ چھوڑ دیتے تھے۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ کے وجود کو جو ان تمام ارضی، فلکی، مفرد، مادی، ذہنی و خارجی موجودات سے ورالورا ہے وجود کلی طبیعی کی طرح جو فی نفسہٖ خارج میں وجود نہیں رکھتا افراد اور اپنی جزئیات کے ضمن میں موجود سمجھتے تھے۔ اللہ اس سے بہت بلند ہے جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں۔ اس بنا پر اُنھوں نے یعنی حضرت مجدّد الف ثانی رح نے جو کمالاتِ نبوت سے مشرف تھے۔ نہ فقط دوئی کی نسبت کا اظہار اور غیریّت کے مراتب کا اثبات کیا اور اس مطلب کے اثبات کے لیے نہایت دلچسپ و جدید تحقیقات اور ان جدید تحقیقات سے مربوط اصطلاحات بیان فرمائیں اور مسئلہ وحدتِ شہود کو رقم طراز کیا، تاکہ یہ بے دین و ملحد لوگ جو پچھلے صوفیا کے اقوال کی حمایت میں باتیں کرتے اور اپنے آپ کو موحد (توحید پرست) کہلواتے تھے وہ تشبیہہ و تنزیہہ سے پیوست ہو جائیں اور اپنی معقولات و محسوسات کے پھندوں سے آزاد ہو کر اس ایمانی وسیلے و مرتبے کو حاصل کر سکیں جو عقل اور حسّی ادراک سے ماورا ہے اور اُس مقدس و اعلیٰ و ارفع ذات کے بلند مرتبے کی معیت و تقرب کی حالت

Marfat.com

اور نامعلوم کیفیت کی نسبت حاصل کر سکیں۔ اور کمالاتِ نبوت کے قرب سے بہرہ مند ہو سکیں اور حضرت امام ربانی کے دور میں نقشبندی قادری سلسلوں سے نکلنے والا طریق محمدی اور مجھ بندۂ ناچیز کے والدِ بزرگوار اور مرشد حضرت خواجہ محمد ناصر محمدیؒ (محمدی طریق کے اصحاب پر سلامتی اور آل و اصحاب رسولؐ پر خدا کا درود و سلام ہو) کے ایام میں چونکہ یہ وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود کی دونوں نسبتیں کمال کی حد تک قوت پکڑ چکی تھیں اور ہر دو بحث و تحیص کی چھان بین سے صاف ہو چکی تھیں اور ان دونوں توحیدوں کے قائل اپنی اپنی استعداد کے مطابق اپنے مطلب کو خوب سمجھتے تھے اور اپنے حسبِ حال ویسی حالت بہم پہنچا لیتے تھے لیکن یک جا جمع نہ ہو کر بکھر گئے اور اپنے مزاج کے اصلی اعتدال کو فاسد کر بیٹھے جو حضور پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مسلمان رکھتے تھے۔ اور توحید مطلق اپنی اصلی حالت پر قائم نہ رہی۔ اور وجود و شہود کی قید میں مقید ہو کر رہ گئی۔ مومنوں میں سے بعض میں ایک رنگ میں ظہور پذیر ہوئی اور بعض میں دوسرے رنگ میں۔ حتیٰ کہ عارفوں کے ایک گروہ نے اس نسبت میں انتہائی مبالغہ کیا اور اسی نسبت میں مقید ہو کر رہ گئے۔ اور دوسری نسبت سے غافل رہے۔ اور اُس کی کنہہ و ماہیت کو نہ پہنچ سکے، اور اولیا کی ایک دوسری جماعت نے دوسری نسبت کو مستحکم کیا اور اسی نسبت میں بند ہو کر رہ گئے۔ اور دوسری نسبت سے جاہل رہے۔ اور اس کے راز کو نہ پا سکے، پس حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت قبلۂ کونین یعنی (مصنف کے والد بزرگوار) کو مبعوث فرما کر مخلوق کی طرف بھیجا اور اسی دعوتِ محمدیہ کا دروازہ کھول دیا جو حضور پُر نور پیغمبر اسلام صلعم کے دورِ رسالت میں کھُلا تھا۔ اور شہرِ علم کے دروازے کو اس صورت میں وا کیا اور عوام الناس کی اصلاح اور ان کی رشد و ہدایت کے لیے وہ امام اور رسول اللہ صلعم کا کامل پیرو کار جو اپنی حقیقت اور استعداد میں محمدی جامعیت رکھتا تھا اور اس حقیقت محمدیہ کے فیض کے طفیل خالص محمدیت حاصل کی تھی اور پرچم محمدی کے حامل اپنے جدِّ امجد سے وراثت میں پا کر اسی محمدی پرچم کو خود بھی لہرایا اور ہر کس و ناکس کو اس خالص محمدیت کی طرف دعوت دی اور اک خاص اسلوب سے خدا اور رسولؐ کے قرب کا دروازہ کھولا اور ظاہر میں بھی فی سبیل اللہ جہاد کے لیے اک خاص حربہ ایجاد کیا اس کا نام محمدی پرچم رکھا، جیسا کہ اپنی نالۂ عندلیب نامی کتاب مستطاب میں اس کی وضع کو بیان کیا ہے۔ ہمیشہ اپنے طاقتور ہاتھ میں رکھتے تھے اور پھر اپنے حضور میں بلا کر اپنے ہی مبارک ہاتھ سے

Marfat.com

اپنے سے کبھی جُدا نہ ہونے والے جزو کے ہاتھ میں تھمایا جو مثل یک جان و دو قالب تھے۔ اس کی نگہداشت کے حکم کے ساتھ ہی اپنا خاص کلاہ درویشی اس کے سر پہ پہنا کر تاجِ خلافت سے نوازا۔ معبر نامی مسند پہ بٹھا کر اپنا سجادہ نشین مقرر فرمایا، اور ہر خاص و عام کا امام بنا دیا۔ اس خالص نسبت کے سمندر کے کھڑے پانی کو اپنی اجازت کے فیض سے روانی بخشتے ہوئے ہر سمت کو اس سے سیراب کیا۔ اس بحرِ بیکراں سے خالص محمدیوں کو حقائق و معارف کے بہت موتی و جواہرات ہاتھ لگے اور طالبوں کی کشتیاں کعبۂ مقصود تک جا پہنچیں۔ مخالفوں کے گھروں کی بنیادوں تک پانی جا پہنچا اور دین کے دشمن اس میں غرق ہو گئے۔ صاحبِ یقین احباب اپنے ظاہر و باطن کو دھو کر پاک و پاکیزہ ہو گئے اس سلسلے کے صاف و شفاف پانی کی ندی تا قیامت بہتی رہے گی اور حوضِ کوثر پہ جا کر ختم ہو گی۔ اور قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی کی حقیقت کی برکتیں ہر وقت ساداتِ محمدیہ کے شاملِ حال رہیں گی کیونکہ حضور علیہ السلام نے کتاب اللہ اور اپنی آل کے متعلق فرمایا تھا کہ اُن میں کوئی تفرقہ نہ ہو گا حتی کہ وہ حوضِ کوثر پہ جا ملیں گے۔ اور خاندانِ نبوت اور آلِ رسولؐ کے اس مغز (نچوڑ) اور طریقِ محمدیؐ اور سنّتِ رسول کے علم بردار نے سبھی کو طریقِ محمدیؐ کی راہ دکھائی۔ پس اپنے محبوب کے اتباع پر جو محبوبِ خدا بھی تھا اور اپنے مرجع کی نیابت کی طرف جو نائبِ حق بھی تھا توحیدِ مطلق کی دعوت دیتا رہا۔ اور کچھ کہے سنے بغیر باطنی نسبت کے القا و الہام کا دروازہ محض اپنی صحبت کی برکت سے کھول دیتا تھا۔ امتیاز و اتحاد کی ایک جامع تقریر فرماتے، شریعت کے پاسِ خاطر کو ملحوظ رکھتے ہوئے امتیازی جانب کو غالب رکھتے اور حق بات تو یہ ہے کہ سُنتِ الٰہی اور سُنتِ رسولؐ بھی یہی ہے۔ کہ ظاہر و ظہور کا مرتبہ باطنی مرتبے پہ غالب ہے اور دلوں میں باطنی مرتبہ ظاہری مرتبے سے قابلِ ترجیح ہے۔ اور ظہور اور بطون کے لیے مرتبے ہیں بغیر انتہا کے، پس ہر اضافی ظہور میں بطون اضافی ہیں اور بطون اضافی میں ظہور اضافی ہیں اور ظہورِ مطلق اور بطونِ مطلق دونوں متحد ہیں وجودِ مطلق کے مرتبے میں اور ظہور عین بطون ہے اور بطون عین ظہور ہے۔ اس مقام پہ اور وہی ظاہر اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ ان کے مقدس حضور میں اکثر بے رُعب مشائخ کی مجالس میں ہونے والی ہمہ اوست یا ہمہ از وست کی بحث کا کہیں ذکر تک نہ ہوتا اور کسی کی کیا مجال کہ اس ذکر کو زبان تک لائے اور ان کی زبانِ مبارک پہ بھی صوفیا کے اصطلاح کردہ الفاظ کم ہی آتے۔

Marfat.com

بس فقط ضرورت کے مطابق آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی کے مطابق گفتگو فرماتے اور وجود و شہود یا عین اور غیر کے الفاظ جو صوفیا کی بدعتیں اور ان کے مناظروں کا سبب تھے کبھی درمیان میں نہ لاتے اور مختصراً ہر طالب اور مرید کو اللہ کی طرف توجہ مرکوز کرنے کی تلقین کرتے جو توحید کی اصل ہے اور یہی ارشاد فرماتے کہ ہر حال میں تحقیقی رُو سے فاعل حقیقی اور تصدیقی لحاظ سے زندہ کرنے والا اور مارنے والا، یقینی طور پر نفع و نقصان پہنچانے والا، بلاشبہ عزت و ذلت بخشنے والا، بغیر تذبذب کے مغفرت اور قہر کرنے والا، بلا تردد تنگی و فراخی دینے والا، اور صدق دل سے خالق اور رازق صرف اسی ایک ذات کو سمجھنا چاہیے اور ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے کو موجود نہ سمجھنا چاہیے۔ سب ممکنات کی مجازی طاقت اور قوت اور اعتباری ارادے و مرضی کو اسی واحدِ یکتا کی حقیقی قدرت اور واحد مشیت میں مشاہدہ کرنا چاہیے اور اپنے باطن میں یہ ایمانی قوت اور یقینی نسبت پیدا کرنی چاہیے۔ اپنی چشمِ بصیرت سے ماسوٰی اللہ کو کبھی دیکھنا نہ چاہیے اور نہ دل میں اس کا خیال تک لانا چاہیے اور اپنے ہر قول و فعل میں آگہی ذات کی ڈور کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے کہ یہ آیتِ کریمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ یعنی کہ نہیں ہے قدرت اور طاقت کسی کو سوائے اللہ کے اس کے فعلی تجلی کی پردہ کشا ہے اور یہ آیت کہ تمھارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا وہی ہوتا ہے جو خدا چاہتا ہے۔ دل سے ماسوی اللہ کے تمام خیالات کو محو کر دینے والی ہے۔ ہمیشہ یہی فرماتے تھے کہ سیر و سلوک اور توحید کا انجام و مآل یہی ہے کہ ہمہ تن حق سبحانہٗ تعالیٰ میں محو و مشغول رہو۔ اور تمام عالم اور اہل عالم کو محیط عرش سے لے کر مرکز فرش تک اسی کے ہمیشہ باقی رہنے والے وجود میں فنا کر دے اور قلب کو ماسوٰی اللہ سے یکسر خالی کر دینا چاہیے۔ سب سے قطع تعلق کر کے اسی سے تعلق خاطر پیدا کرو، پس یہ حالت و کیفیت اپنے اندر پیدا کرو، کہ یہی توحید محمدیؐ ہے اور یہی توحید مطلق ہے۔ جو نجات کا موجب اور تقرب حق کا ثمر دینے والی ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلعم کی احادیث سے بھی یہی استفادہ ہوتا ہے۔ یہ عین و غیرہ کی بحثیں محض حشو و زوائد میں سے ہے۔ محمدیوں کو اس طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا چاہیے، نہ ہی توجہ دینی چاہیے۔ ان زائد بحثوں کو جن سے بہت سارے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں جو کسی کام بھی نہیں آتیں اور آدمی کو آدمیت کے مرتبے سے گرا دیتے ہیں اور ایمان و اسلام کے چراغ کو

Marfat.com

گُل کر دیتی ہیں اُنھی لغو گو، سہولت پسند، سہل انگار اور کاہل لوگوں کے لیے چھوڑ دو اور ان سے نہ کبھی سوال و جواب کرو اور نہ گفتگو۔ وہ اس قابل ہی نہیں کہ اُن سے بات چیت کی جائے۔ اس آیت کریمہ کے بموجب ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں اور ان کے دل ہیں مگر وہ سمجھتے نہیں۔ میرے عزیز توحیدِ محمدیؐ ہی توحیدِ مطلق ہے۔ اور لابشرط وجود کے مرتبے سے تعلق عام معنوں میں ہے۔ اور سب سے بڑی سچی بات مرتبہ اطلاق وجود ہے اور وہ اپنے تمام مقیّد افراد میں شامل ہے ان تقیید والی توحیدوں یعنی وجودی و شہودی توحیدات پر محیط ہے اور توحید وجودی مرتبۂ بشرط شیٔ وجود کے اعتباری مرتبے میں۔ پس خالص محمدیؐ جو حضور رسول اکرم صلعم کے کامل ترین پیروکار ہیں ان کی تجویز یہی ہے کہ خلق خدا کو رسول اللہ صلعم کی سُنت کے مطابق توحید مطلق کے انھی عام معانی اور کلی مفہوم کی طرف دعوت دینی چاہیے جو ایمان اور اسلام دونوں کا حاصل ہے۔ اور ذاتِ حق تعالیٰ کی وحدانیت کا تصوّر اور اُس پر کامل یقین ہے۔ مختصراً اس نامعلوم کیفیت کے اسلوب پر اس توحیدِ مطلق کی جزئیات و حصص کے ملاحظہ کے بغیر یعنی توحید وجودی و شہودی کے ملاحظہ بغیر مومنوں کو اس شرک سے روکے رکھنا چاہیے۔ جو کفر کا موجب، نجات کا مانع، طریق محمدیؐ کے خلاف اور مرتبۂ الوہیت کے لیے حجاب ہے۔ خواہ یہ کام پڑھاتے سکھانے سے ہو خواہ پیار محبت سے، خواہ غیظ و غضب سے، خواہ سخا و عطا سے، خواہ سختی و سزا سے، خواہ جذب و تصرف سے اور خواہ غلبے اور تحکّم سے، بہر کیف ہرگز اس سلسلے میں بحث و گفتگو کی راہ نہیں کھولنی چاہیے۔ ایسی بحث و تمحیص اور جھگڑوں پہ توجہ نہ دینا اور خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر اور مناسب ہے جو خام کار صوفیوں اور ناتمام ملاؤں کا کام ہے۔ کیونکہ اس مذکورہ بالا صورت میں خلق خدا کی رشد و ہدایت کے بہت سے فائدے اور مصلحتیں ہیں مرشدوں کے لیے بھی اور مریدوں کے لیے بھی۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت بھی یہی ہے۔ اپنے مطالب کی بنیاد دلائل اور براہین پر رکھنا تو فلاسفہ کی روش ہے۔ یہ انبیائے کرام کی راہ نہیں۔ گو کہ بعض مطالب اتفاقیہ طور پر دلیل سے بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ جس طرح کہ کبھی کبھار فلاسفہ بھی بعض امور بکثرت ریاضت یعنی مراقبہ و مکاشفہ سے بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے اتفاقی قضیئے معمول کی دائمی روش کو رفع نہیں کرتے۔ لیکن تحریر و تقریر، کشف و برہان اور علوم معقول و منقول سے مخلص محمدی جو کچھ بھی جمع کر سکیں بہت بہتر اور مناسب

Marfat.com

جو ہر مخلص اور غیر مخلص کے لیے مفید ہوں گے اور کاملیت کا منصب ہے، لیکن ادھر ہمت صرف کرنی چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے معقول اور منقول مطالب کی تقویت اور استحکام کا باعث بن سکیں۔ اور دینِ روشن اور طریقتِ متین کو فتح و نصرت و دلائل و براہین سے بھی دی جا سکے کہ یہ مخلص محمدیوں کا مسلک ہے اور خدا و رسول کی اطاعت اور کتاب و سنّت کا اتباع کرنے والے برگزیدہ بندوں کو مقصود بالذات بھی یہی بات ہے۔ اور ضمناً کشف کے اظہار اور دلیل و حجّت کو قوت اور تقویت دینے کی نیت سے بیشک ایک جا جمع بھی کر دیں اور ان کے یہ دونوں امور علم اصول کی وہ دو دلیلیں ہیں جسے اجماع و قیاس کہتے ہیں نہ یہ کہ منقولہ امور کو بڑے تکلفات سے تاویل کر کے اپنے معقولہ مطالب پہ عاید کیا جائے، اور اپنے کشف و برہان کے مطابق تصنع و بناوٹ بنا دیا جائے تاکہ دائرہ اسلام سے بالکل باہر نہ چلے جائیں کہ یہ صوفیا اور ارباب دانش کا مشرب و شیوہ ہے۔ اور ان صاحب ذوق اور دانشمند حضرات کا مقصود بالذّات اور اپنا باطنی کشف اور عقلی دلائل ہیں۔ اور ضمناً مصلحت کے پیش نظر بعض جگہ کتاب و سنّت کی شہادت بھی لے آتے ہیں اور اپنے عرفان و معرفت کی درستی اور اپنے اسلامی دعوے کی سلامتی کی نیت سے اس کی تاویل کر دیتے ہیں اور ان کے یہ دونوں امور بھی ان کے اپنے خیال کے مطابق ان کے وجدانی دلائل اور کشفی امور ہیں۔ حالانکہ اولیائے کرام کے وجدانی کشف کو انبیائے علیہ السلام کے حقیقی کشف و الہام سے کیا نسبت؟ اور ان کے الہامی معاملات کو نزولِ وحی کے معاملات سے کیا مناسبت؟ اور فلاسفہ کی عقلی دلیلوں کو انبیاءؑ کی اصلی و حقیقی خبروں سے کیا مشابہت؟ دیکھئے یہ آیت کریمہ جو ان کے حسبِ حال ہے کہ اُس علم کے بعد جو تمھارے پاس آچکا ہے تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمھارے لیے نہیں۔ قصہ کوتاہ یہ کہ کام یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنی اور بنی نوع انسان کے حال کی اصلاح کرنی چاہیے، تحقیق بھی وہی ہے جو اپنی نجات اور فلاح کا موجب اور اپنے تابع ہو۔ پس خلق خدا کو اُس امر کی دلالت کرنی چاہیے جو ان کے حق میں خیر و بھلائی ہو کہ دنیاوی صورتوں کے نقش و نگار کے باعث جن لوگوں کی سُرشت و امکانیت کے ظرف ان کے نفس پہ اور حقیقت کا عدم ادراک جن کے مزاج پہ غالب آچکا ہو اور جن کی خودی کا پہاڑ ان کے واصل ہونے میں سدِّ راہ ہو اور دوئی و شرک کے مرض جن کے دلوں میں

Marfat.com

تقویت پکڑ چکے ہوں تو مجبوراً ان کے باطنوں میں اتحادی نسبت کا القا کر کے ان کے سامنے مرتبہ وجود کی توحید کے حقائق بیان کر کے اُنھیں غیریّت (مغائرت) کے مرتبے کے اثبات کی افراط سے پیچھے لا کر حدِ اعتدال پہ لاتے ہوئے ان کی خودی کے گرد و غبار کو توحیدی معارف سے مٹا کر فنا فی اللہ کر دینا چاہیے تاکہ اُنھیں مکمل طور پر زوال عین نصیب ہو۔ اور ارادوں اور مرادوں کی حالت کی نفی حاصل ہو جائے جو رضا کا مقام ہے۔ اور جن لوگوں کی طبیعت پر حقیقت اور الوہیت کی جانب نے بلند مرتبے پر توجہ اور حقیقت کے عدم انکشاف کی وجہ سے غلبہ پا کر اُنھیں مستی و بے خودی کی بنا پر ادب کے احاطے سے باہر نکال دیا ہو یقیناً ان کے سامنے امتیازی مراتب کا بیان کر کے حقائق ممکنہ کی وجوب کے بلند مرتبے سے مغائرت سمجھا کر اور واجب و ممکن کا فرق دکھا کر ایسے بے خبر سیاہ بخت مستوں کو ہوش و افاقہ میں لاتے ہوئے جمع کے بعد ہشیاری کے مقام کی جانب کھینچ کر باقی باللہ کر دینا چاہیے تاکہ وہ مستانہ لغزش سے محفوظ رہتے ہوئے بندگی کی راہِ راست کے ساتھ ساتھ دائماً مشاہدۂ ذاتِ حق پہ قائم رہیں اور اُس کے بعد پھر کبھی پہلے کی طرح لڑکھڑا کر گرنے نہ پائیں۔ کیونکہ عارفوں کا کام اور انبیائے علیہم السلام کے پیروکاروں کا شعار عام رحمت اور مکمل ہدایت کی رو سے یہی لوگوں کی ظاہری اور باطنی اصلاح ہے نہ کہ ان کا بگاڑ نا جو شیطانوں اور ان کے چیلے چانٹوں کا شیوہ ہے۔ انبیائے علیہم السلام اور اولیائے کرام سے جو ذاتِ باری تعالیٰ کے اسم "ہادی" کے مظاہر ہیں دوسروں کو ہدایت دینے کے سوا اور کوئی کام سرزد ہی نہیں ہوتا۔ پس اس آیت کریمہ کے بموجب وہی لوگ جنھیں اللہ نے ہدایت دی ہے پس ان کی ہدایت کی تم پیروی کرو۔ اور اس حقیقت کا اظہار جو توحید وجودی اور توحید شہودی اور ان ہر دو توحیدوں کے صاحبوں اور توحید مطلق پہ مشتمل ہے اس بندۂ ناچیز سے سپردِ قلم ہوا۔ خدا گواہ ہے کہ ان دونوں وجودی و شہودی فرقوں میں سے کسی فریق کی مخالفت کی وجہ سے ہے نہ اپنی نفسانیت کی شراکت سے ہے، بلکہ اس سارے بیان میں دونوں طریقوں والوں کی اصلاح و موافقت منظور ہے اور بیجا تنازعات و ضدبازی کو رفع کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ دونوں فرقوں کے کامل ترین افراد اولیا اللہ ہو گزرے ہیں اور یہ تصفیہ جو اللہ کی مدد سے ان کے درمیان کیا گیا ایک واضح تحقیق ہے اور انصاف کے ساتھ سچائی کا حق ثابت کرتا ہے جس میں وجودی یا شہودی حضرات میں سے کسی کی طرفداری کا خیال تک نہیں تھا۔ نہ تعصّب کی راہ

Marfat.com

سے نہ مخالفت کی بنا پر جیسے کہ نافہموں کی عادت اور جاہلوں کی رسم ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ میں تمھاری مخالفت کروں۔ اے وہ لوگوں جنھوں نے اختلاف کیا تھا جہالت کے ساتھ اس بات میں جس سے میں نے تمھیں منع کیا معلوماتِ باطلہ اور مفہوماتِ فاسدہ میں سے، میں نہیں چاہتا مگر اصلاح جتنی کہ مجھ میں طاقت ہے بشری طاقت کے اعتبار سے اور قدرتِ بیان سے، اور جو کچھ کہ مجھے توفیق ہے خالص محمدیت کے نفاذ کے لیے اور نہیں ہے میری یہ توفیق خالص محمدیت کے اظہار کے لیے اور توحید محمدی کے بیان کے لیے مگر اللہ جامع سے کہ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ اسی پر میں نے توکل کیا ہے ظاہراً اور باطناً اور اسی کی طرف لوٹتا ہوں پوشیدہ اور ظاہر طور پر۔ اور یہ جان لیجیے کہ خدا و رسول اللہ صلعم کی رضا اور اُس ہادئ مطلق جل جلالہ کی ہدایت اور توحید کا مطلب بیان کرنے کے قرآن اور احادیث میں شریعت و طریقت کی زبان سے یہی جامعیت کی ہدایت ہے جو وجودی و شہودی دونوں معانی کی متضمن ہے۔ چنانچہ کلام اللہ اور احادیث کی کتابوں میں بعض آیات اور بعض احادیث ایسی آئی ہیں اور روایت کی گئی ہیں اور وحدت الوجودی صوفیا اور "ہمہ اوست" کے قائل حضرات ان آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور اپنے مطلب کے لیے بطور گواہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان دونوں طریقوں کا ناواقف طبقہ جو عینیت اور غیریت کی حقیقت کے ادراک کے وہم میں بے فائدہ مبتلا ہیں اور دونوں توحیدوں کے ماحصل سے بالکل بے بہرہ ہیں جو ہے قلب کا ماسوی اللہ کے تعلق سے خلاصی کرانا اور اللہ کی طرف دائمی توجہ رکھنا وہ کلام کے نتیجے کو خدا اور اُس کے رسول کے کلام سے اخذ کر کے نہیں کرتے اور ان لفظی توجیہوں اور اور زبانی تقریروں سے اپنی عمر عزیز کے قیمتی لمحات ضائع کرتے ہیں۔ چونکہ اصل معاملہ یعنی باطنی قرب سے بے بہرہ ہیں اور محمدی فیوض و برکات کا دروازہ ان کے دلوں پر نہیں کھلا، اس لیے وہ اعتدال کے جامعی مرتبے سے غافل ہیں اور آیات و احادیث سے مجموعی طور پر حاصل ہونے والے نتیجے پر نگاہ نہیں ڈالتے، اور عینیت و غیریت کی نسبت کے اثبات کی خاطر حدِ اعتدال سے متجاوز راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اور محض اپنی جہالت اور طبعی میلان کی رو سے ایک ایک قدم پر مخالفت کی راہ پر چلتے ہیں اور تعصب کی وجہ سے باہم لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اور ان آیات کی دور دراز کی تاویلات میں کھوئے رہتے ہیں جو ان کے اپنے مطالب کے خلاف

Marfat.com

ہوتی ہیں۔ اور بڑی ناخوش آیند اور بدمزہ توجیہات بیچ میں لاتے ہیں۔ اور بڑی فاحشہ بناوٹی باتوں کو استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ حق سبحانہ' تعالیٰ نے اس حقیقت کے اظہار کے لیے خود صریحاً بیان کیا ہے اور ان بے خبروں کو خبردار کیا ہے کہ اے نافہم کیا تم ایمان رکھتے ہو کتاب کے کچھ حصّے پر اس کے مطلب کی تصدیق کے ساتھ اور ماننے کے ساتھ، جو بیان کیا اللہ نے اس کے اندر اور انکار کرتے ہو ان میں سے بعض کا اپنے فہموں کے قصور کی وجہ سے، یا اس کے اصل معنی چھپانے کی دلیل کے ساتھ جو اللہ کی مُراد نہیں ہے۔ پس نہیں ہے جزا اس کی جو ایسے کرتا ہے تم میں سے۔ اے محجوب لوگو! جو ذلیل ہو دُنیا کی زندگی میں تذبذب اور عدم تسکین کے ساتھ اور قیامت کے دن یہ سب متردّد اور محجوب لوگ شدید ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ درحقیقت اور فی الواقع معرفت وہی ہے جو صحیح ادراک کے نور سے حقیقت کے اسرار و رموز کو کھولنے والی ہو اور حقیقت سے یہاں مراد حقیقت وحدت ہے اور حقیقت عین شریعت ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ صحیح معرفت وہی ہے جو شریعت کے مطابق ہو، اور حقیقت جو عام ہے شریعت سے اور کلی مفہوم ہے۔ پس مثال کے طور پہ کہا جاتا ہے کہ اس عام مفہوم کی مثال ایسے ہے جیسے زید کی نسبت سے انسانی مفہوم۔ اور شریعت جو خاص ہے حقیقت سے اور حقیقت کی نسبت سے جزوی مفہوم ہے۔ وہی مثال کہ جس میں انسانی نسبت سے زید مفہوم خاص ہے۔ مطلق مظاہر سے شریعت خاص مظہر ہے جیسے کہ نوعِ انسانی کے مطلق افراد میں سے زید فرد مخصوص ہے۔ اور نوعی نسل کی شمولیت انسان اور زید میں اتحادی نسبت ہے۔ اپنی طرف سے انسان عین زید ہے اور معنی کی حیثیت سے ایک فرد۔ اور یوں زید اور انسان میں ایک امتیازی نسبت ثابت ہے کہ یہ جزئی حقیقی ہے اور وہ اضافی کلی ہے۔ پس زید جسے شریعت کی شخصیت کی جگہ فرض کیا گیا، اگرچہ انسانی حقیقت کو جو حقیقت وحدت کے مفہوم کو بیان کیا جس میں حقیقت وحدت کے مفہوم کا موقع محل تھا۔ اور اسی نوعِ انسانی کے دیگر افراد مثلاً خالد اور عمر وغیرہ میں اور یہ دوسرے مظاہر حقیقت میں جو غیر محمدیؐ شریعتیں اور طریقتیں ہیں جلوہ گر پائے گا اور ہر جگہ ایک ہی معنی اور ایک ہی حقیقت کا ظہور دیکھے گا اور ہر فرد اور ہر مظہر میں اس انسانی معانی اور وحدت کی حقیقت کا مشاہدہ کرے گا۔ اور اس کے عین کو بھی سمجھ لے گا جس طرح کہ اپنے عین کو بھی جانتا ہے انسانی

Marfat.com

عوارض میں سے کلی امور مثلاً ہنسی مذاق اور چال ڈھال اور حقیقت وحدت کے کلی احکام میں مثلاً اللہ سے ابتدا اور اسی کی طرف اپنی مراجعت کو، اور اپنی شریعت وطریقت کو، اور دیگر سب کی شریعتوں اور طریقتوں کو متفق پائے گا اور ان کلمات سے کلام کرے گا کہ آؤ اس کلمے کی طرف جو برابر ہے میرے اور تمھارے درمیان، لیکن جزئی امور میں جو اُس کے تشخص، مخصوص شریعت اور خاص طریقت سے متعلق ہے مجبوراً اختلاف کرے گا اور اُس کی صورت دوسرے لوگوں کی صورت سے ممتاز اور اس کی شرع دوسروں کی شریعتوں سے الگ اور اس کی طریقت دوسروں کی طریقتوں سے مختلف ہوگی۔ اور افراد انسانی میں سے ہر فرد واحد کا ہنسی مذاق اور چال ڈھال اس کا دین و آئین، اور راہ و رسم حقیقت وحدت کے مظاہر سے ایک الگ ڈھنگ اور جداگانہ اسلوب پہ ہوگا۔ کیونکہ اس معانی کا ظہور عالم بے اختیاری سے ہے اور ہر شخص اور ہر فرقے کی رہن سہن اور گزر بسر خاص طور پر اپنے ہی مخصوص راہ و رسم پہ ہوگی۔ وُہ انہی پہ عمل پیرا ہوگا۔ اور ہر شخص اور ہر فرقے کا قول و فعل اپنے فہم و مشاہدے اپنے پیشواؤں اور مقتدیوں کے مطابق ہوگا۔ یہ اک امر محال ہے کہ ایک ہی شخص سے وہ تمام اُمور سرانجام پائیں جو ساری نوع انسانی سے متعلق ہیں۔ یا ایک ہی فرقہ سارے فرقوں کی رسومات ادا کرے۔ جیسے کہ بعض بے دینوں کو وہم ہو جاتا ہے اور وہ سہولت اور سُستی کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں اور اُسے بزعم خود عرفان سمجھتے ہیں اور اپنے مسلک و مشرب کی وسعت کہتے ہیں۔ قصّہ کوتاہ بات وہی ہے کہ ہر آدمی ضرورتاً کسی خاص فرقے میں داخل ہوگا اور اپنے پیروکاروں کو اپنی اور اپنے پیشواؤں اور رہنماؤں کی صوابدید کے مطابق دعوت دے گا۔ اس تقریر سے سارے دینوں کو برابر اور یکساں خیال نہ کر لینا اور خام کار صوفیوں کی طرح کفر و اسلام کو ایک برابر نہ سمجھ لینا، کیونکہ سارے دینوں کی تصدیق کرنے والا کافر ہے۔ ہر چند کہ کفار و مسلمانوں کا خالق ایک ہی ہے اور وحدتِ الٰہیہ کے مرتبے سے ہی دونوں امور ظہور پذیر ہوئے۔ لیکن اسلام حق ہے اور اسم ذات "الہادی" کا مظہر ہے۔ اسی سے ابتدا ہے اور اسی رحیم و غفور کی طرف لوٹتا ہے۔ کفر باطل ہے اور ذات کے اسم المُضّل کا مظہر ہے۔ اسی سے ابتدا ہے اور لوٹتا ہے اسی قہار اور منتقم کی طرف۔ اب محمّدیوں پہ وہ وقت نہیں رہا کہ وہ اسی آیت کریمہ کے مطابق عمل کہ تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین، بلکہ ایسا زمانہ آگیا ہے کہ ہر محب و مخلص کو حضور پاکؐ کی یہ خوشخبری سنائی جائے کہ تم میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

تمھیں محبوب رکھے گا۔ جس طرح زید تمام افراد انسانی میں مطلق انسانیت کے مشاہدۂ جمال کے باوجود اپنی ہی اصل صورت پر قائم ہے۔ اور اسی اپنی ہی شخصیت کی خاص تجلّی کرتے ہوئے دن رات اپنے معمول کے کام کاج میں مشغول رہتا ہے اور اسی صورت میں حقیقت انسانی میں داخل ہے اسی طرح محمدیوں کو چاہیے اور خالص محمدیت کے صاحبوں کے لیے لازم ہے کہ حقیقت و شریعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ خالص محمدیت کے طریق کو سوچ سمجھ کر اس پہ پختہ اعتقاد رکھیں۔ اور ظاہری اور باطنی طور پر دل کی گہرائیوں سے شارع اسلامؐ کے اتباع میں مصروف ہو جائیں جس کی صحبت کی برکت اور جس کے روحانی فیض کی بدولت ہم اس سعادت اور دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور یوں کامل متابعت حاصل کریں کہ وہ طریقت کے رکن بن جائیں اور جو کام ان برگزیدہ حضرات نے سرانجام دیا ہے اس کا کوئی حصہ ان کے ہاتھوں بھی تکمیل پا سکے۔ اور ان کی طرف سے شریعتِ مصطفویؐ اور طریقتِ محمدیؐ حضور حق اور جناب رسولِ مقبول صلعم میں قبول ہو جائے۔ ہر چند کہ اسلامی فرقوں میں سے محمدیت کی آمیزش رکھنے والے دیگر طریقے بھی اس حقیقت واحدہ کو شامل دیکھتے ہیں جو مطلق محمدیت ہے اور اُسے مطلق محمدیت سے خالی نہیں سمجھتے، اور نہ ہی محض بے بہرہ جانتے ہیں۔ کیونکہ ہم اہلِ سنّت والجماعت کے راسخ عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرو، لیکن جہاں تک ممکن ہو سکے، 'اپنے آپ کو، اپنے اہل و عیال، اپنے یار دوستوں یا بیگانوں اور ناواقفوں میں سے جس کسی پہ بھی دسترس حاصل ہو اپنے صاحبِ شریعت کے اتباع کی طرف کھینچو۔ اور اہلِ طریقت کی کثرت کا موجب اور تقویت کا باعث بنو، خدا نے چاہا تو اس نیک کام کا اجر قیامت کے دن نظر آئے گا۔ کیونکہ کوئی عبادت اور ریاضت اس محمدیؐ کارِ خیر تک نہیں پہنچ سکتی، بلا شک و شبہ یہی راہ راست ہے۔ پس اس کی پیروی کرو سچائی اور یقین سے۔ پس نہ پیروی کرو راستوں کی مشرکین کے راستوں میں سے اور بدعتی طریقوں میں سے کہ کہیں وہ تمھیں الگ کر دیں اللہ کے حق کے راستے سے اور یہ طریق محمدی ہے۔ اور اسی کی اُس نے تمھیں وصیت کی ہے رحم کھاتے ہوئے اور ہدایت دیتے ہوئے تاکہ تم متقی بن جاؤ دُنیا میں اور فلاح پاؤ آخرت میں اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو تفرقوں میں پڑ گئے اس سے پہلے اپنے نفسوں کی خواہشات کی وجہ سے اور اپنے راہبوں کی رہبری کی وجہ سے' اور وہ اختلاف میں پڑ گئے بوجہ اُن کے نفوس کے شیطانوں کے بہکاوے سے اور ان کی طبیعتوں کی

Marfat.com

جہالت کی وجہ سے، جب کہ ان کے پاس یہ کھلی نشانیاں آگئی ہیں اور اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی، افسوس صد افسوس کہ اے حاضر دوستو حالِ حاضر میں اور آئندہ آنے والی جماعت میں حقیقت کو ڈھونڈو۔ یہ بات حال اور مستقبل کے لیے مضارع کی شکل میں کہی گئی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ حقیقتِ محمدیہ کو دریافت کیجیے، کیونکہ دُنیا میں کوئی طریقہ بھی اس واثق طریقے کی طرح نہ تو حق کے قریب ہے نہ ہی صحیح۔ محمدیت کی متابعت سے کبھی روگردانی نہ کرو آج بھی اور کل یعنی مستقبل میں بھی۔ یہ اک حقیقت اور بے شبہ امر ہے بموجب اس آیت کریمہ کے کہ تم میرا اتباع کرو اللہ تمھیں محبوب رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے حبیب علیہ السلام والصلوٰۃ کا اتباع نصیب کرے۔ کامل اتباع ظاہراً بھی اور باطناً بھی اور اتفاقاً بھی۔ اللہ تعالیٰ تمھیں طریق محمدی پہ مارے۔ اور ان متشکلین کی جماعت پر تمھیں فتح و نصرت دے۔ اے سعادتمند دوستو اور بلند فطرت عزیزو ان دونوں وجودی اور شہودی گروہوں کو اپنے بحث مباحثوں میں جُٹا رہنے دو، تاکہ خوب کھل کر ایک دوسرے سے لڑیں بھڑیں اور اپنی نادانی و حماقت کی سزا کو پہنچیں اور خود آپ اور اپنے دیگر ساتھیوں سمیت جو تمھاری بات غور سے سنتے ہیں مشاہدے کی طرف رُخ کرو۔ دائمی ذکر اذکار اور مراقبوں کی کثرت اور نسبت کی تقویت سے رابطہ قائم کرکے اوقات کی پابندی اور حضوری و مشاہدے کی نسبت کی نگہداشت میں سرتوڑ کوشش کرو۔ اور اپنے باطن میں حق تعالیٰ کی معیت کی دائمی کیفیت حاصل کرلو، یہ عینیّت اور دوئی جو وجودیہ اور شہودیہ صوفیوں کے موضوع بحث ہیں دونوں اعتباری امر ہیں نہ کہ وحدت جو عینیّت کا مبدا و منشا ہے، حقیقت ہے جیسا کہ وجود حضرات گمان کرتے ہیں اور نہ کثرت حقیقت ہے جیسا کہ دوئی یا غیریّت کا خیال ہے، جو شہودی حضرات کا گمان ہے۔ یہ وحدتِ حقیقی کہاں سے ہوسکتی ہے اور اعتباری کثرت بھی جو کوتاہ نظری پہ دلالت کا انکشاف کرتی ہے۔ اس بلند مرتبہ اور اس کی اعلیٰ و ارفع ذات جو تمام نسبتوں اور اضافتوں سے بالاتر و برتر ہے۔ وہاں نہ کثرت کا گزر ہے کہ دوئی کا تصور کیا جاسکے اور نہ ہی وحدت کا کوئی ساتھی ہے کہ عینیّت کا خیال پختہ ہوسکے۔ وحدت بھی کثرت کی طرح اعتباری ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ پس اس کو حقیقت کس راہ سے کہنا چاہیے اور کثرت کو محض اعتباری کیوں کہنا چاہیے۔ اور اگر وحدت حقیقت سے ہے جیسا کہ وجودی صوفیا کہتے ہیں، ان کے مقابلے میں کہا جاسکتا ہے کہ کثرت بھی

Marfat.com

حقیقت ہے کیونکہ دونوں امور درحقیقت موجود ہیں اور اعتباری بھی حقیقت رکھتی ہے۔ اور حقیقت بھی اعتباری ہے اور رد و بدل جہالت سے ہوتا ہے اور دوئی کے اثبات سے تنگ آجانا اور عینیّت کے اثبات پہ جھنجھلا اُٹھنا حقیقت سے بے خبری ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ بے فائدہ بحث مباحثے سے زبان بند رکھو اور بحث کرنے والوں کے سامنے خاموشی اختیار کرو، اور اپنی یافت یا نایافت پہ جو ہر وقت انسان کو لاحق ہے اور اپنی نوع انسانی کے دیگر افراد کی یافت یا نایافت پہ ہنس دے کیونکہ پاک ہے وہ اللہ کہ ہم سب بیچاروں کو عجیب مخمصے میں ڈال رکھا ہے اور اگر کوئی بات حقائق و معارف کہلوائے تو دوسرے محققوں اور عارفوں کی طرح تو بھی یہی کہہ اور کوئی وسوسہ نہ کر اور تیرے دل پہ جو کچھ القا ہوا ہے۔ اگر وہ کتاب و سُنت کے مطابق ہے اس کو پہچان کیونکہ اس قسم کے سچے و صحیح معارف دل پہ حق تعالیٰ کے الہام کے بغیر عقل و فکر سے وارد نہیں ہوتے۔ اگرچہ مشاہدۂ ذات کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا اس زبان گنگ ہوگئی یعنی کہ بقولِ شاعر ع جو پا گیا ہے راز وہ گُم ہے خموش ہے۔ لیکن انسانی شخصیت کی حیثیت کو بھی اس امر میں عمل دخل ہے۔ اس لیے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان دراز ہوگئی۔ ہر چند کہ یہ مشاہدۂ صفاتِ حق کے مناسب ہے لیکن شخصی استعداد و قابلیت کو اسی سلسلے میں کلی عمل دخل ہے اور دراصل یہ تمام حالات بے اختیاری کے عالم سے ہوتے ہیں جو قصد و تکلف سے میسر نہیں آتے۔ اور ہر صورت میں ہر کسی کو لاچارگی و مجبوری ہے۔ کارکنانِ قضا و قدر نے جو کچھ کسی کو بنا یا سو بنا دیا اور اُس کے دل میں جو خیال ڈال دیا سو ڈال دیا۔ اور ہر آدمی کا ذہن اور اُس کی قوتِ مدرکہ حقیقت کے ادراک اور ذات حق کی کنہہ و ماہیت کو دریافت کرنے سے دُور ہے۔ اور ہر گز اس جگہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور انسان اپنی فکری قوت کے تقاضے کے تحت شناخت کے قصد اور یافت کے ارادے میں بھی مجبور ہے اور کبھی اس غور و فکر سے بعض نہیں آتا۔ خاص طور پہ ایسا انسان جس کی قوتِ ادراک تند و تیز ہو اور جو بڑا چالاک طبع ہو، باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ اُس مرتبے کی ماہیت و کنہہ کی دریافت کسی سے نہ ہو سکی، کیونکہ یہ اک محال امر ہے کہ ممکن واجب کی حقیقت تک پہنچ سکے، اور اے انسان تیرا علم تیرے جہل پہ دلالت کرتا ہے۔ تو خوب جانتا ہے کہ اُسے نہ جان سکے گا، کیونکہ معلومات کا اعلیٰ ترین درجہ جو بالا تجز عارفوں کو نصیب ہوتا ہے۔ وہ یہی نہ جان

Marfat.com

سکنے کا اعتراف ہے اور عبودیت (بندگی) کا مرتبہ بھی انہی معانی کا تقاضا کرتا ہے۔ کائنات کے افضل ترین انسان یعنی حضور نبی کریم صلعم نے، یہی فرمایا کہ اے خدا ہم تجھے نہ پہچان سکے جیسا کہ پہچاننے کا حق تھا تو پھر اور کون اس سلسلے میں یافت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ رباعی:

ہر چند کدورت و صفا را یابی
لیکن نتواں کہ مدعا را یابی
گو سرّ طبیعی و الہی فہمی
ممکن نبود این کہ خدا را یابی

ترجمہ رباعی: اے انسان ہر چند کہ تو کدورت اور صفا کو پا لیتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی تو اپنے مدعا کو نہیں پا سکتا۔ گو کہ علم طبیعی اور علم الٰہی کے رموز کو تو خوب سمجھتا ہے لیکن پھر بھی تیرے لیے یہ ممکن نہیں کہ سرّ (راز) ذات کو پا سکے۔ (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق رباعی کی تلمیحات و کنایات کا یہ مطلب ہے) کدورات سے مُراد محسوسہ موجودات اور صفا سے مُراد معقولہ امور ہیں۔ مدعا سے یہاں مقصود ہے۔ کُنہ و ماہیت ذات باری تعالیٰ۔ پس رباعی میں ہر با شعور انسان کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ ہر چند کہ تو موجودات محسوسہ کا احساس رکھتا ہے اور تمام معقولہ امور کا بھی ادراک رکھتا ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ تو ذاتِ حق تعالیٰ کی کُنہ و ماہیت کو جیسی کہ وہ ہے کما حقہٗ پا سکے گو تو اپنی وسعتِ علم طبیعی اور علم الٰہی سے گہرے اور دقیق مسائل کو خوب سمجھتا ہے اور بیان بھی کرتا ہے لیکن اس امر کا کوئی امکان نہیں کہ ایک بے سروپا ممکن الوجود جو نہ پہلے تھا اور نہ بعد میں رہے گا اس ذات واجب کے راز کو کما حقہٗ پا سکے جو ہمیشہ سے تھی، ہے اور ہمیشہ رہے گی اور اُسے نہیں جانتا مگر وہی جو علیم و حکیم ہے۔

Marfat.com

هوالناصر

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو بیان کرتا ہے مثالیں اور حالات کو ظاہر کرتا ہے اور درود و سلام اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرب و کمال کے مراتب کے خاتم ہیں اور آپؐ کی آل رضؓ پر اور آپ کے اصحاب رضؓ پر جو فضیلتوں والے ہیں۔ امابعد پس یہ ایک سو پانچواں (۱۰۵) باب ہے جو ضرب المثل سے موسوم ہے۔ جان لو کہ مطلب سہولت سے سمجھا جاتا ہے اور اُس کا تصور تیزی سے حاصل کیا جا سکتا ہے ذہن میں اور قبول کر لیتا ہے اُسے نفس بغیر توسط کے جب کہ اُسے بیان کیا جائے ضرب المثل سے، اور مثال کے بیان سے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں مثالیں بیان کی ہیں اور فرمایا کہ یہ مثالیں ہم یہاں بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے۔ یعنی لوگوں کے سمجھنے کے لیے، اور ہم نے بھی اللہ سبحانہٗ کے طریقے پر بیانات کی بیان کی ہیں مثالیں اپنے کلام میں لوگوں کے لیے کہ نہیں اس کی عقل رکھتے مگر عام لوگ جو راسخ ہیں اپنے علم میں اور ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور حُسن کلام کو سمجھتے ہیں۔ اور اس میں سے جو زیادہ اچھا ہے اس کی پیروی کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر کا قول نہیں ہے۔ بلکہ اللہ چن لیتا ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اور الہام کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور اللہ کا فضل ہے جس نے پیدا کیا انسان کو اور سکھائی اُسے گویائی۔ اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔

Marfat.com

عقلی اور عشقی نسبت کا تفصیلی بیان اور مطالب کی مثالوں سے اظہار کا باب

لفظ نسبت سے مراد یہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت ہے جو روح کی مرتبۂ الوہیت کی طرف توجہ سے عبارت ہے۔ کارکنانِ قضاو قدر نے اللہ کی طرف توجہ کا جذبہ انسانی حقیقت میں فطرت کے آغاز ہی سے ودیعت کیا ہے۔ لہٰذا ہر فرد میں بے اختیار ہی اپنے اپنے مراتب کے فرق کے لحاظ سے اس طرف کی کشش اور نگرانی پیدا ہو جاتی ہے اور اُسے خبردار کرتی ہے لیکن یہ نسبت ایک تو عقلی قوت سے حاصل ہوتی ہے جو دانشمند و دانشور حضرات اپنی اصطلاح میں تالّہ (خداپرستی کہتے ہیں) یعنی اگر عقل صحیح ہو تو بشری طاقت کے مطابق عقل کے بل بوتے پر بھی اُس وجودِ واجب کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ اور اپنی قابلیت کے مطابق واجب الوجود کے اثبات پر دلائل و براہین دی جا سکتی ہیں۔ جیسے کہ دانشمندوں نے کر کے دکھایا ہے کہ کسی حد تک اخلاق کے سنوارنے اور اعمال کی اصلاح رُوح اور مبدأ فیاض کے درمیان کمزوری توجہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اٹکل یا گمان سے بھی غیب کے ساتھ اس طرف اک ناقص سا رجوع کیا جا سکتا ہے لیکن ایسی نسبت نہ تو قرب کے نتائج کا ثمرہ دیتی ہے اور نہ ہی فیوض و برکات کا موجب بنتی ہے۔ اور یہ مقربین حق نہیں بناتی۔ اور اسلامی فرقے کے علاوہ دوسرے فلاسفہ اور دانشوروں کو بھی نصیب ہوتی ہے۔ لیکن دنیاوی معاش میں یہاں تھوڑی بہت اصلاح اور آخرت میں کسی قدر عذاب کی تخفیف کا موجب بنتی ہے۔ دوسری ہے وہ نسبت جو عشقی قوت سے حاصل ہوتی ہے۔ جسے علوم منقول کے ماہرین اپنی اصطلاح میں جذب الٰہی، برگزیدگی، انتخاب اور چناؤ، خدائی عطیہ، ایمانی قوت اور رحمانی نور سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی اس عشق کی طرف اگر حسّ قوی ہو تو اللہ تعالیٰ سے قرب بشری استعداد کے مطابق حاصل ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی اہلیت کے مطابق تجلیات اور الہامات کی راہ کھول لیتا ہے۔ جیسے کہ اولیائے کرام کو حاصل ہوتی ہے۔ اور تصفیہ قلب اور تزکیۂ نفس کے ذریعے باطن میں یوں اللہ تعالیٰ سے زبردست توجہ راسخ ہو جاتی ہے اور بلاشبہ یقینی طور پر اس پاک ذات کی طرف دائمی طور پر کامل رجوع قائم ہو جاتا ہے۔ اور یہ نسبت فنا و بقا اور قرب و رفاقتِ حق کے بہت سے ثمر بخش نتائج کی حامل ہوتی ہے۔

Marfat.com

اور بہت سے فیوض و برکات اور مکاشفوں اور روحانی معاملوں کا موجب ہوتی ہے اور مقربانِ ذات میں سے بنا دیتی ہے۔ اور مومن اولیائے کرام کو نصیب ہوتی ہے۔ اور محمدی امتِ مرحومہ کے علاوہ دوسروں کو یہ نعمت نصیب نہیں ہوتی۔ اور بلاشبہ یہی نسبت دُنیا و آخرت میں خیر و برکت اور نجات کا باعث ہوتی ہے اور ان عقلی اور عشقی دونوں نسبتوں کا مفصل بیان آگے متن اور اس کی شرح میں آرہا ہے۔ اور اس سلسلے میں سمجھانے کے لیے مثال دی جاتی ہے اللہ علیم اور ہادیٔ برحق کی مدد سے، تاکہ اپنی عقل شریف کے پابند اپنی خودی و انانیت کے پھندے سے باہر آجائیں اور اپنی فہم و فراست ہی کو اپنا پیشوا نہ بنائیں۔ اور اپنے آپ کو ہمہ تن اپنے خدا اور اُس کے رسول کی اطاعت میں مشغول کر دیں۔ اور حق تعالیٰ اور اس کے مقبول بندوں سے عشق و محبت اور ایمان و یقین بہم پہنچا سکیں اور فلسفیانہ مسلک سے نکل کر صادق مومنوں کی جماعت میں داخل ہو جائیں۔ اور صوفیا کے مشرب سے الگ ہو کر خالص محمدیوں سے جا ملیں، اور سراسر اس عالی جناب محبوبِ خدا کے عاشق اور ان کی درخشندہ شریعت کے تابع ہو جائیں۔ اور اس واثق طریقت یعنی طریق محمدی (ان پر خدا کی تمام رحمتیں سلامتیاں اور درود ہوں) کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہو جائیں۔ اگرچہ عقل بھی بڑی چیز ہے مگر صحیح اور درست مقصود سوائے عشق کے اور کہاں پایا جا سکتا ہے۔ یہ عشق ہی ہے جو جذب رسا انتہاؤں کے اس منتہی تک پہنچا دیتا ہے اور وہ واصل بحق ہونے والے مقربوں کے مرتبے تک لے جاتا ہے۔ یعنی بقولِ اقبالؒ ؎

عقل گو آستان سے دور نہیں — اس کی تقدیر میں حضور نہیں

عطا کرے اللہ ہمیں اور تمھیں اپنی محبت اور اپنے حبیبؐ کی محبت!! رباعی:

اے بندِ بعقل نیستی آگہ عشق
برتر بود از عقل بسے درگہ عشق
گفتم بتو آنچہ گفتنم بود اکنوں
خواہی رہِ عقل گیر و خواہی رہِ عشق

ترجمہ رباعی: اے عقل کے پابند تو عشق سے آگاہ نہیں۔ عشق کی بارگاہ عقل سے بہت بلند و بالا اور برتر ہے۔ میں نے جو کہنے کی بات تھی تمھیں کہہ دی۔ اب تو خواہ عقل کا راستہ اختیار کر خواہ عشق کا۔

Marfat.com

(مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق) پابند عقل سے مُراد وہ آدمی ہے جس کے عقیدے کی بنیاد عقلی دلائل اور براہین پر ہو۔ جیسا کہ اکثر فلسفیوں کے مسلک والوں اور بظاہر مسلمان صوفیوں کا حال ہوتا ہے۔ اور عشق کی ایمانی واسلامی نسبت ہیں جو مومنوں اور مسلمانوں کے عقاید سے ہے عقلی دلیل و حجت کی کوئی حاجت نہیں۔ اُن کے لیے صرف ان کے خدا و رسولؐ کے فرمودات اور اُن کے مرشدوں اور مجتہدوں کے ارشادات ہی کافی ہیں۔ اور عقلی شکوک وشبہات ان کے جذب ومحبت میں نہ خلل انداز ہوتے ہیں نہ خرابی پیدا کرتے ہیں۔ اور اُن کا یقین محکم عقل کی لاٹھی کے سہارے کے بغیر ہی قائم و برقرار رہتا ہے۔ برتر سے مُراد اللہ اور اُس کے رسولؐ کے نزدیک مراتب میں برتری اور فوقیت ہے نیز عشقی اور حُبّی کیفیتوں کی فی نفسہٖ عقلی اور فکری ادراکات پر مراتب میں فوقیت بھی۔ اور دوسرے مصرعے میں لفظ عقل سے مُراد وہ معاملات ہیں جو عقل سے تعلق رکھتے ہوں اور عقلی قوت سے ظہور پذیر ہوتے ہوں۔ درگاہِ عشق سے مراد وہ معاملات ہیں جو عشق ومحبت سے متعلق ہوں اور حق کا انکشاف ایمانی قوت سے ہوتا ہے۔ پس ہر فلسفی مسلک اور صوفی مشرب انسان سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے کہ اے بندۂ خدا تیرا عقیدہ عقلی دلائل و براہین پر مبنی ہے اور شرع کے خلاف تیرا کشف چونکہ وہم وگمان پر دلالت کرتا ہے لہذا یقیناً ایمانی واسلامی نسبت کی کیفیت سے تو اُس احسن اور عمدہ طریق سے آگاہ نہیں جو آگہی کہ عام مومنوں اور مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے اور جس کی جامع حقیقت اور حالت خالص محمدیوں اور کمالاتِ نبوت رکھنے والوں میں پائی جاتی ہے۔ اور قرب خاص کے ان معاملات کا دروازہ تیرے دل پر نہیں کھولا گیا تاکہ تجھے یہ معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ عقل وحواس کی شراکت کے بغیر بھی باطنی مُلکی تائیدات اور ارواحِ جلیلہ کے طفیل ایسے معاملات بھی رکھ سکتا ہے، پس اسے سمجھ اور یقین کر لے کہ وہ معاملات جن کا تعلق محبت سے ہے اور جو ایمانی قوت سے منکشف ہوتے ہیں اور اللہ اور رسولؐ کے نزدیک قبولیت و برگزیدگی کے لحاظ سے ان معاملات سے بدرجہا بہتر ہوتے ہیں جو عقل سے متعلق ہوں۔ اور عقلی قوت سے ظہور پذیر ہوتے ہوں۔ اور فی نفسہٖ ان عشقی اور حُبّی کیفیات کا مرتبہ عقلی وفکری ادراکات پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کے فضل وکرم اور قبولیت پر منحصر ہے اور یہ دوسرا پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے سے مشرف ہوا۔ پہلے میں قرب و رفاقت کی حالت ہے اور دوسرے میں علم ومعرفت

Marfat.com

کی۔۔۔۔ اوّل الذکر انبیائے علیہم السلام اور اولیائے کرام سے مخصوص اور موخر الذکر فلسفیوں اور دانشوروں کا حصّہ ہے۔ پس جو کچھ محمدیوں کے ذمّے تھا ہم نے اسی کا بیان کیا جو ہمیں کرنا چاہیے تھا اسی پہ پہلے بھی لب کشائی کی۔ اے ان کلمات کے پڑھنے اور سننے والے دوست! اب تو خود مختار ہے خواہ عقل کی راہ اختیار کر اور اس میں شدت و مبالغہ سے کام لے۔ خواہ عشق کا راستہ چن لے اور اُس مسلک میں داخل ہو جا۔ یہ ایمانی نسبت محبت کی آشفتگی اور جذبی جنون پیدا کیے بغیر تقویت نہیں پکڑتی اور باطنی معاملات کی وہ راہ نہیں کھُلتی جو عقل کی رسائی و دسترس سے دُور ہے، اور فرشتوں اور ارواح جلیلہ کا کشف اور ایسے ہی دیگر امور رونما نہیں ہوتے۔ دیکھئے یہ ارشاد کہ نہیں ایمان رکھتا تم میں سے کوئی بھی، یہاں تک کہ اُسے کہا جائے کہ وہ مجنوں ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہے بھی ایسے ہی۔ عقل کہتی ہے کہ تمام اسباب کی فراہمی کی کوشش کر، اور ایمان کہتا ہے کہ دُنیا ترک کر دے۔ اور اللہ پر توکل کر، عقل کا کہنا ہے کہ اہلِ دُنیا سے تعلقات و میل ملاپ بڑھا تاکہ جمعیت خاطر حاصل ہو اور ایمان کہتا ہے کہ ان سے (ماسوی اللہ سے) قطع تعلق کر لے تاکہ تو پریشان نہ ہو۔ عقل کہتی ہے کہ بھوکے مت رہو کہیں لاغر نہ ہو جاؤ اور ایمان کہتا ہے کہ پیٹ بھر کر مت کھا تاکہ غفلت نہ طاری ہو جائے۔ عقل کہتی ہے کہ اعتقادات میں میری پیروی کر، اور ایمان کہتا ہے عقائد میں میری اطاعت اختیار کر، غرضیکہ عقل ایک ایسا جوہر ہے جو محجوبوں کو بھی عطا کر دیتے ہیں۔ اور ایمان ایک ایسی نعمت ہے جو محجوبوں کے سوا اور کسی کو بخشتے ہی نہیں۔ عشق عبارت ہے اس ایمانی نسبت سے، انبیا علیہم السلام اور اولیائے کرام کی راہ۔ یہی عشق کی راہ ہے کیونکہ وہ اسی کی بدولت اللہ تعالیٰ کے تقرب اور معیت و رفاقت کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کی نسبت حبّی و عشقی نسبت ہے۔ وہ پروردگارِ عالم کے محبوب بھی ہیں اور محب بھی۔ یہ آیت کریمہ کہ اللہ بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں اور اللہ ان کو محبوب ہوگا اسی امر کی خبر دیتی ہے۔ فلاسفہ اور اُن کے پیروکاروں کا طریق عقلی ہے۔ وہ اسی راستے پر چلتے رہتے ہیں اُنھوں کی عقل کی پیروی اختیار کر رکھی ہے۔ ان کی نسبت وجدانی نسبت ہے اور وہ خداوندی مصنوعات کے نادرات و عجائبات کو پانے والے ہیں۔ اور عقل کے پھندے سے رہا ہو کر صانع حقیقی کے خاص سے مشرف نہیں ہوتے۔ ان کے مطالب بیان کرنے کی بنیاد دلیل و قیاس پر

Marfat.com

ہے اور یہ انبیاء و اولیا سے خاص ہے اور وہ عالی ترین مطلب انسانی دلیل و قیاس سے برتر ہے۔ ان کے مقاصد کی بنیاد عقل و حواس پہ ہے اور وہ بلند و بعید مقصد عقل و حواس سے ورا الورا دُور بہت پرے ہے ہر چند کہ فلاسفہ کا اشراقی گروہ (مراقبہ و مکاشفہ کے قائل اپنے سے پیدا ہونے والے مشائی گروہ (ایک دوسرے کے پاس جاکر عقلی استفادہ کرنے والے) کی طرح دلائل و براہین کے پابند نہیں اور نہ ہی ہر جگہ دلیل بازی کو لازم سمجھتے ہیں اور اشراقی دعوی (مکاشفہ و مراقبہ سے باطنی صفائی) بھی رکھتے ہیں اور اُسے کشف ہی کی ایک کیفیت سمجھتے ہیں۔ اور ان کی وہ واضح و روشن دلیل کہ وہ کشف بھی خالص ہوتا ہے۔ صاحب نظروں کے نزدیک انبیاء علیہ السلام کے کشف کی نسبت وہ تاریک ہے اس کشف میں وہ نورانیت نہیں ہوتی اور اولیائے کرام کے باطنی کشف میں جو انبیائے علیہ السلام کے اتباع اور معیت حق کی نسبت سے اُنھیں نصیب ہوتا ہے اور فلاسفہ کے عقلی کشف میں جو نفس کی اصلاح اور ریاضت سے حاصل ہوتا ہے۔ بڑا نازک سا فرق اور پوشیدہ امتیاز ہے جو ہر کم نگاہ والے دانشوروں اور عقل مندوں کو نظر نہیں آتا۔ اور معاملے کی اصلیت سے پردہ نہیں اٹھاتا۔ اور ایمانی نور اللہ تعالی کی برگزیدگی کی روشنی یعنی کہ نور الہی کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ جیسے کہ خالص محمدیوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔ اور اس نور کے بغیر ان کے مکاشفوں اور کشف کا فرق نہیں اُٹھتا۔ اور اللہ اپنے نور سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ بیشک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اے دورِ حاضر کے حاضر لوگو، اور مستقبل میں آنے والے انصاف پسندوں کی جماعت! ہم اس مقدمے کے سلسلے میں ایک مثل بیان کرتے ہیں، اور ایک مثال کے ذریعے سے انبیاء و فلاسفہ کی نسبتوں کے فرق کو ظاہر کرتے ہیں۔ جسے تمھاری طبع سلیم قبول کرلے گی اور انکار نہ کرے گی۔ اے لوگو! بیان کی گئی ہے مثال پس اسے غور سے سنو اور اللہ کے لیے ہے مثل اعلیٰ۔ جان لیں کہ فلاسفہ اور ان کے تابعین کی مثال ایسے عاقل شخص اور ہوشیار آدمی جیسی ہے جو کسی بادشاہ کی مملکت میں رہتا اور اُس کی رعایا میں سے ہو۔ اور اُسے چار و ناچار اور مجبوراً اسی مملکت اور اسی سلطنت میں روزی کمانی اور گزر بسر کرنی ہو۔ اور وہیں رہنا ہو۔ تو اس کی عقل خود بخود اس امر کا تقاضا کرتی ہے، اور کسی کے کہے بغیر اس کے جی میں یہ بات آتی ہے کہ بادشاہ سے کسی طرح جان پہچان پیدا کرنی چاہیے اور اُس سے روشناس ہو کر اس کی خدمت کرنی چاہیے دربار میں

Marfat.com

حاضری دینی چاہیے اور اس کے اراکین سلطنت کو وسیلہ بنانا چاہیے اور یوں درباریوں میں داخل ہو جانا چاہیے تاکہ اہمیت بھی ملے اور ٹھاٹھ باٹھ بھی نصیب ہو۔ شان و شوکت بڑھے اور سبھی میں امتیازی حیثیت حاصل ہو۔ بخت و دولت رونما ہوں اور جمعیت خاطر اور عیش و عشرت کے اسباب مہیا ہوں۔ اور فارغ البالی نصیب اور سلطانی حمایت اور اراکین سلطنت کی مدد سے ناپسندیدہ امور اور دشمنوں کی اذیت سے تحفظ حاصل ہو۔ اور زندگی امن و امان سے گزرے۔ پس فلاسفہ اور ان کے تابعین کے نزدیک چونکہ وجود واجب عقلی دلائل سے ثابت ہوتا ہے، وہ جانتے ہیں کہ واجب کے فیض ہی سے ممکنہ موجودات وجود میں آئیں اور موت کے بعد رُوح کی بقا بھی دلائل سے ثابت شدہ ہے اور وہ بھی آخرت کے ثواب و عذاب پر یقین رکھتے ہیں اور عقول عشرہ اور عالم مجردات جو شہنشاہِ حقیقی کے اراکین سلطنت ہیں بھی یقینی ہیں اور اس موجودات مجردہ کے علم کو علم الٰہی کہتے ہیں۔ جیسے کہ اس مادی موجودات کے علم کو علم طبیعی کہتے ہیں تو مجبوراً ان کی عقل اس امر پہ دلالت کرتی ہے اور بے اختیار ان کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ اُس مرتبۂ واجب تعالیٰ کی طرف زیادہ رجوع کر کے خدا پرستی کی نسبت پیدا کرنی چاہیے اور بشری طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے نسبت پیدا کرنی چاہیے، اور بشری طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے نسبت پیدا کرنی چاہیے۔ اور تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس پر زور دے کر نفس اور قلب کو پاک و مصفا کر کے عقول عشرہ اور عالم بالا سے مناسبت و مشابہت بہم پہنچانی چاہیے۔ اور اعلیٰ استعدادیں حاصل کرنی چاہئیں۔ اور ریاضتوں اور مجاہدوں پر زور دینا چاہیے تاکہ قلب کو جلا و ضیا میسر ہو، اور طبعی و سفلی امور سے انقطاع کر لینا چاہیے اور اپنی حیوانیت کو کمزور کر کے اس پر غلبہ پانا چاہیے اور ملکی صفات کو ان پر غالب کرنا چاہیے اور تقویت دینی چاہیے تاکہ نفس انسانی کا کمال اور آدمیت کے مرتبے کی تکمیل نصیب ہو۔ اور روحانی صفائی و پاکیزگی رونما ہو۔ اور عالم بالا یعنی فرشتوں کی دُنیا سے مناسبت میسر ہو۔ کیونکہ مذکورہ بالا اسباب کے بغیر نجات کا دروازہ نہیں کُھلتا۔ اور آخرت کے عذاب سے رہائی نہیں ملتی، اور دُنیا و آخرت کی سعادت جلوہ فرما نہیں ہوتی۔ اور دنیا و آخرت کی خیر و برکت نصیب نہیں ہوتی۔ اور انبیائے علیہ السلام اور ان کے پیروکار یعنی اولیائے کرام کی مثال اس عاشق اور آشفتہ حال آدمی کی سی ہے جو اس بادشاہ کی سلطنت کا باشندہ ہو۔

Marfat.com

وہیں گزر بسر کرتا ہو اور وہ بادشاہ کا عاشق اور اُس کا شیفتہ و فریفتہ ہو۔ دل وجان سے اس کا گرویدہ ہو۔ اسی وجہ سے بے اختیاری سے ہی ہر وقت عشق کا وہ جذبہ اور محبت کی وہ کشش اُسے ظاہری اور باطنی طور پہ بادشاہ کی طرف کھینچتی ہے۔ اور اُس کے دربار کی جانب بھگاتی ہے۔ اور شاہ کا دلدادہ والہانہ انداز میں اس کے دیدار کی جستجو و طلب میں سرگرم اور ساعی رہتا ہے۔ اور کسی وقت بھی آرام نہیں کرتا۔ دن رات اسی ارادے کی تکمیل میں سرگردان رہتا ہے کہ وہ آخری دم تک اس کی خدمت بجالاتا رہے۔ وہ لمحہ بھر کے لیے بھی بیکار اور فارغ نہیں بیٹھتا اور اسی نیت سے امراؑ و روسائ سے بڑے خلوص سے ملتا ہے جو دربارِ شاہی میں مقرب ہیں۔ ان کی صحبت کو اپنے لیے لازم قرار دے لیتا ہے۔ اس لیے کہ یہ سب امیر وزیر شاہ کے مصاحبوں اور مقربوں میں سے ہیں۔ اور اُس کے دربار میں اک مقام رکھتے ہیں۔ اور وہ شاہی تقرب سے دُور افتادہ غریبوں اور مسکینوں سے بھی لطف و عنایت اور پیار اور شفقت سے پیش آتا ہے۔ فقط اس لیے کہ کیا ہوا اگرچہ یہ تباہ حال لوگ ہیں مگر پھر بھی اس محبوب بادشاہ کی رعایا تو ہیں انھیں بھی حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھنا چاہیے کیونکہ عشق و محبت اس امر کے مقتضی نہیں۔ اگر وہ بشری تقاضے کے مطابق بے وقت کچھ کھاتا پیتا اور بقدرِ ضرورت نوش جان کرتا ہے تو اس لیے کہ جسم وجان میں رابطہ رہے اور بدن اور بدنی اعضا میں بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونے اور باادب باملاحظہ کھڑا رہنے کی قوت پیدا ہو اور اگر کبھی کبھار کچھ بھی نہیں کھاتا اور بالکل بھوکے پیٹ ہوتا ہے تو اس لیے کہ وہ شاہی خدمت میں بڑی چستی و چالاکی سے حاضر رہے اور مزاج میں تھکن تھکاوٹ اور شکستگی پیدا نہ ہو۔ کیونکہ شکم سیری بھی سستی و کاہلی کا باعث بنتی ہے اور اگر لباس کی کوئی قسم پہنتا ہے یا لباس اور پیراہن زیب تن کرتا ہے تو وہ اس لیے پہنتا ہے کہ اسے شاہی حضور میں حاضر ہونا ہے اور ننگے بدن حاضر ہونا بے ادبی ہے۔ اور اگر اتفاقاً کبھی شرمگاہ ڈھانپنے کا کپڑا بھی نہیں پہنتا یا کوئی پُر تکلف لباس زیب تن نہیں کرتا تو وہ اس لیے نہیں پہنتا یا تکلف سے کام نہیں لیتا کہ وہ تو عاشق ہے اُسے پہناوے کی کیا ضرورت، عاشق تو مجنون ہوتا ہے اور دیوانہ ہر حال میں معذور سمجھا جاتا ہے۔ اور دُنیائے عشق و عاشقی میں ایسی بوالعجبیاں رونما ہوتی ہی رہتی ہیں۔ غرضیکہ اس کے تمام افعال اور تمام اقوال اس کے سارے ارادے اور نیتیں سراپا خلوص ہوتے ہیں جن میں نفسانی اور جسمانی اغراض و خواہشات کی کوئی شراکت نہیں ہوتی۔ وہ

Marfat.com

سب اس بادشاہ کے لیے ہیں جو اس کا چہیتا اور من پسند محبوب ہے۔ اسے غرض نہیں کہتے جب اس شاہ کو دل و جان سے پیار کرتا ہے تو اس کی خدمت اس سچے عاشق کے لیے دلی خوشی و مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ یہ بھی اپنے دل کی خواہش ہے کہ ایسے بے جا خیالات اکثر و بیشتر بے حقیقت محبت کرنے والوں کے دل میں آتے ہیں جو اخلاص و محبت کی رسم و راہ سے آشنا نہیں ہوتے۔ جو کچھ انھوں نے کیا اپنی خواہش سے کیا۔ وہ ایسے پاک طینت، پاک باز اور پاک باطن حضرات کا قیاس بھی انہی خبیث طبع اور متشکک لوگوں پہ کرتے ہیں اور انھیں اپنے قیاس کے مطابق بے غرض تصوّر کرتے ہیں۔ دیکھنے والے کو آئینے میں اپنا ہی عکس نظر آتا ہے۔ الغرض بادشاہ کا وہ عاشق زار جس کا مثال کے طور پہ ذکر کیا گیا ہے جو عمل بھی کرتا ہے یا کرے گا وہ اپنی سمجھ میں فقط اس عزیز از جان شاہ کی خاطر کرتا ہے۔ گو اصل میں اس بات کی محرک اس کی دلی محبت ہوتی ہے اور اُسے نفسانی اغراض میں شمار نہیں کرتے، اور ایسے حضرات کوئی کام بھی دیدہ و دانستہ طور پہ ان غرض مند ریاروں کی طرح نہیں کرتے کہ ان کے کاموں کو بھی اہلِ غرض کے افعال میں شمار کیا جا سکے۔ اسی طرح انبیائے علیہ السلام اور اولیائے کرام اور سچے اور مخلص لوگ معاملاتِ الٰہیہ میں سے جو کام بھی کرتے ہیں اور جو عمل بھی ان سے سرزد ہوتا ہے خواہ عاقبت کا کوئی کام ہو جیسے نماز روزہ اور دیگر امور جن کا تعلق آخرت سے ہو خواہ دُنیاوی کام کاج مثلاً کھانا پینا اور سونا اور دیگر تمام کام جن کا تعلق دُنیا سے ہو وہ خالصتہً اللہ ہی کے لیے کرتے ہیں اور مخلصوں میں سے ہوتے ہیں نہ کہ دنیاوی ناپسندیدہ امور و مکروہات سے رہائی اور اُخروی نجات یا اپنی ظاہری طمانیت اور باطنی خیر و برکت کے لیے، کیونکہ اس قسم کے اعمال تو نیک اور بھلے آدمیوں کے ہوتے ہیں مقربّوں کے نہیں۔ مقرّبین کی خطائیں بھی ابرار کی نیکیوں جیسی ہوتی ہیں، کیونکہ مقربوں کے اعمال خالصتاً اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں۔ صرف خدا و رسول کی رضا و خوشنودی کے لیے۔ اور نیکوں اور نیکوکاروں کی طرح ان کے اعمال میں مرغوبات کی طمع یا نفسانی مکروہات سے خوف و ہراس کی نیت شامل نہیں ہوتی۔ گو کہ ان اعمال کی خیر و خوبی سے جو چونکہ فی نفسہٖ بھلائیاں اور نیکیاں ہی ہوتے ہیں اُنھیں دینی و دنیاوی فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور ان کی دُنیا و دین ہی سے مشروط ہوں لیکن انھیں یعنی مقربوں کو منظور فقط ذاتِ حق ہے اللہ بس اور باقی ہوس۔ انھیں اسی فرمانبرداری اور محبت ہی ملحوظ

Marfat.com

خاطر ہوتی ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ کہ کہو میری نماز، میرے مراسم عبودیت، میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اسی امر کی صراحت و وضاحت کرتی ہے۔ لیکن یہ جان لو کہ انبیائے علیہ السلام حضرات کا منصب یہ ہے کہ ان کے تمام اقوال و اعمال، ارادے اور نیتیں سب خالصتاً اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں اور ان سے جو امر بھی صادر ہوتا ہے خالصتاً اللہ ہی کے لیے ہوتا ہے اور اولیائے کرام کا منصب یہ ہے کہ ان کے بعض امور تو خالصتاً اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں اور بعض آخرت اور عقبیٰ کے لیے ہوتے ہیں۔ اور اس معاملے اور نیت میں اولیائے کرام کے مراتب میں نسبت کی تقویت یا اُس کے ضعف کے مطابق بہت فرق ہوتے ہیں۔ یعنی بعض کے اعمال و افعال تو اکثر و بیشتر خالصتاً اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں اور عاقبت کے لیے کم۔ اور بعض کے اعمال و افعال زیادہ تر عاقبت کے لیے اور خالصتاً اللہ کے لیے کم، اور بعض میں برابر برابر تعداد میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور صالحین اور مومنین کا مرتبہ یہ ہے کہ ان کے بعض اعمال آخرت کے لیے اور بعض دُنیا کے لیے ہوتے ہیں۔ اور ان میں بھی صلاح کی کمی بیشی یا ایمان کی تقویت و ضعف کے مطابق درجات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ لیکن صرف اور صرف خدا کے لیے ان سے کوئی کام صادر نہیں ہوتا کیونکہ ان کا مرتبہ اس امر کے ظہور کے لائق نہیں ہوتا۔ چونکہ اچھی عاقبت کی نیت بھی خدا اور رسولؐ کی بارگاہ میں مقبول ہے اس لیے اس بنا پر ان کے نیک اعمال کو بھی اللہ ہی کے لیے کہا جاسکتا ہے۔ لیکن انبیاءؑ سے خالصتاً اللہ کے لیے صادر ہونے والے اعمال اور ہی چیز ہیں اور صالحین و مومنین سے اللہ کے لیے سرزد ہونے والے اعمال بالکل الگ چیز ہیں۔ اور اس بات کو سمجھتا ہے جو سمجھتا ہے۔ اور کافروں اور مشرکوں کا مرتبہ یہ ہے کہ اُن سے جو قول اور فعل بھی سرزد ہوتا ہے وہ فقط اپنے نفس یا دُنیا کے لیے ہوتا ہے۔ خالصتاً اللہ کے لیے کام کرنا تو درکنار وہ عاقبت کے لیے بھی کوئی کام سرانجام نہیں دیتے۔ اور اگر اتفاقاً بشری تقاضے کے مطابق وہ بزعم خود کوئی کام خداترسی سے یا عاقبت و آخرت کے لیے کرتے بھی ہیں تو چونکہ ان کا درجہ ایسے صالحہ اعمال کے شایان نہیں ہوتا۔ ان کے کفر اور شرک شامت و بدبختی کی وجہ سے وہ عمل بھی ملیامیٹ ہو کر نامنظور ہو جاتا ہے اور ان کے دیگر تمام اعمال و افعال کی طرح ان کے دُنیاوی کاموں ہی میں شمار ہوتا ہے۔ قصہ مختصر اب ہم اپنے اصل مطلب کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ جانوروں جیسے عوام الناس کی مثال غریبوں اور رعیت

Marfat.com

کی طرح ہے کہ اسی عمومی نسبت سے بڑھ کر جو رعایا کو اپنے حکمرانوں سے ہوتی ہے۔ اُنھیں اس شاہ تک رسائی نہیں۔ جس طرح کہ ان عوام الناس کو اسی مخلوقیت کی نسبت کے علاوہ جو ساری مخلوق کو اپنے خالق سے ہوتی ہے باری تعالیٰ سے قرب کی اور کوئی نسبت نہیں۔ اور وہ اپنی اس نسبت کے ادراک سے بھی بے خبر ہوتے ہیں۔ اور ہر گھڑی اس امر کا تصوّر بھی نہیں کرتے، اور اس طرف قطعاً توجہ ہی نہیں دیتے۔ اور فلاسفہ اور ان کے تابعین کی مثال ان مکار دُنیا داروں اور عیّار فنکاروں کی سی ہے جو فقط اپنی ہشیاری و عیّاری کی راہ سے فقط اپنے ہی فائدے اور نفع کے لیے جیسے بھی بن پڑتا ہے سرکار دربار میں جاتے ہیں اور اپنی مطلب براری کے لیے ہر جگہ رسم و راہ پیدا کرتے ہیں اور وسیلے ڈھونڈتے ہیں اور بادشاہ کے حضور میں بھی آمد و رفت جاری رکھتے ہیں۔ اور تمام درباریوں کی طرح بھی حضورِ شاہ میں حاضری دیتے ہیں۔ لیکن وہ تعلق خاطر جو عبارت ہے قرب اور اُنس و محبت سے، نہ تو اُنھیں اُمرا و رؤسا یا شاہ سے ہوتا ہے اور نہ اُن میں سے کسی کو اس سے، اور جن مقامات پر وقتی مصلحت و صلاح کار کی خاطر بناوٹ اور تصنع و تکلف سے کام لے کر عشق و محبت کا اظہار کرتے ہیں وہ امور بھی درحقیقت سچے عاشقوں والے امور کے زمرے میں شمار نہیں کیے جاتے اور اُن کا باطن عشقی اور حُبی کیفیات سے محروم رہتا ہے۔ کیونکہ یہ خود غرض لوگ تو اپنی غرضوں کے طلبگار ہیں اور اپنے مقاصد کے ڈھونڈنے والے، اور محض تکلف اور بناوٹ سے کام لے کر مصلحتاً ہی اس جناب سے چپکتے ہیں اور مجبوراً رجوع کرتے ہیں۔ اور اگرچہ بظاہر ان درباریوں کی طرح وہ بھی باریاب ہوتے ہیں لیکن بادشاہ کبھی بھی ان کی طرف اس قبولیت اور لطف و عنایت سے نہیں دیکھتا جس طرح کہ خصوصی لطف و کرم کے ساتھ وہ اپنے مصاحبوں اور مقربوں کو دیکھتا ہے۔ نہ ہی اُنھیں اپنے قرب کے معاملات سے نوازتا ہے۔ نہ ہی ان سے بلا واسطہ و بے حجاب یعنی براہِ راست سوال و جواب کرتا ہے۔ اُنھیں اپنے ساتھی نہیں بناتا۔ اور قرب و رفاقت سے مشرف نہیں فرماتا جو اہل قربت کے باطنی حالات ہوتے ہیں۔ اپنی خصوصی عنایات و نوازشات کا ان پہ دروازہ نہیں کھولتا، اور اُن سے وہ برتاؤ نہیں کرتا جو وہ اپنے محبوں سے کرتا ہے۔ نہ ہی اُنھیں اپنے خاص بندوں میں شمار کرتا ہے۔ اور حضرات انبیاء علیہ السلام جو قرب و منزلت کے آخری اور تمام و کمال درجے پر فائز ہیں جس سے بالاتر کوئی مرتبہ نہیں ان کی مثال صاحبِ اقتدار وزیروں کی سی ہے۔ جو بادشاہ سے دوستی، محبت، خلوص اور

Marfat.com

اطاعت کا دم بھرتے ہیں۔ اور سلطنت کے اہم رکن اور ستون ہیں اور بادشاہ بھی کمال شفقت و عنایت، بندہ پروری اور محبت و اعتماد سے اُنھیں اپنی نیابت یا خلافت کی خلعت پہنا کر سلطنت کے سارے کاروبار اور مالی و ملکی معاملات اُنھیں سونپ دیتا ہے۔ کہ وہ جو چاہتے ہیں حکم صادر کرتے ہیں اور ان کے حکم کی اطاعت کرنا عین بادشاہ ہی کی اطاعت ہے۔ اور ان کے حکم کی خلاف ورزی عین شاہی احکام کی خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ بادشاہ کے ان مزاج دانوں اور رضا شناسوں سے کوئی قول اور فعل ایسا سرزد نہیں ہوتا جو شاہی حکم یا اس کی مرضی کے بغیر ہو۔ وہ دیوان خاص میں بھی شاہی خلوت کے راز دار ہوتے ہیں اور مخفی باطنی اسرار و رموز سے خوب کما حقہ، واقف ہوتے ہیں اور دیوان عام میں بھی جاہ و منزلت کے مالک ہوتے ہیں اور ظاہری اور جلی احکام سے خوب مطلع ہوتے ہیں۔ اور تمام مراتب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دربار میں جانا اکثر و بیشتر شاہی نوازشات اور الطاف و عنایات کی راہ سے ان کی اعتباری شخصیتوں کی افزائش اور اپنے گھروں میں بھی ان بندگانِ خاص کے حال پر شاہی عنایات کا نزول ویسے ہی ہوتا ہے جیسے کہ ان کے مراتبِ سلطنت کے شایانِ شان ہو۔ اور ان کے اغیار سے خالی گھروں کو دیدارِ دوست سے ایک آباد گھر بنا دیتا ہے۔ پس انبیائے علیہم السلام حضرات اور حق تعالیٰ کے مابین معاملات برگزیدگی اور قبولیت کی راہ سے ہوتے ہیں اور کسب و سلوک کو اس میں کوئی عمل دخل نہیں کہ یہ حق تعالیٰ کا بندے سے معاملہ ہے اور اس میں اپنے اختیار کے عمل دخل کی کہاں گنجائش اور اپنے ارادے یا قصد کو اس معاملے میں کیا عمل دخل اور فلاسفہ کا کاروبار اور ان کی واجب تعالیٰ کی طرف توجہ سعی و کوشش کی راہ سے ہے وہ عقل کے بل بوتے اور استدلال کے پاؤں پر چل کر اس مقام تک پہنچنا چاہتے ہیں کہ یہ بندے کا معاملہ ہے خدا سے۔ اور ظاہر ہے کہ ضعیف بنیاد اور بے سروپا انسان بیچارہ اس کبریائی بارگاہ کی بلندیوں پر کہاں تک جا سکے گا اور کس شمار و قطار میں آئے گا۔ اور اس معاملے میں اولیائے کرام (ان پر خدا کی رحمتیں ہوں) کے حال کی مثال خاص مصاحبوں اور محرموں جیسی ہے۔ جو شاہی سرکار میں خلوت سرائے خاص اور قرب و تقرب کے مقام میں ان کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے آتے جاتے اور اسرار و رموز کی باتیں اشارات و کنایات سے کرتے ہیں اور بشارتیں دیتے ہیں اور اُنھیں خوش و خرم رکھتے ہیں اور اپنی تفریح طبع کا سامان بھی بہم پہنچاتے ہیں۔
لیکن ان خوش بیان نجات یافتگان کو دیوان عام میں آنے کا حکم نہیں جو ہر خاص و عام کے سلام و کورنش

Marfat.com

اور اداب و تسلیمات بجالانے کی جگہ ہے۔ وہ اس مقام میں باریابی کے لائق نہیں اور کامل مشائخ جو پیغمبر علیہ السلام کے تابعین یعنی مرجع خلائق اولیائے کرام، صاحب تمکین، کمالاتِ نبوت کے مالک اور امامت کی صدر گاہ کے مسند نشین ہوتے ہیں ان کی مثال شاہی دربار کے وزیر با تدبیر کے نائبوں جیسی (نائب وزرا) جیسی ہوتی ہے کہ وہ اس وزیر کے نائب اور تابع ہوتے کے باعث انھیں خلوت و جلوت میں یعنی ہر جگہ اس مُنیب ہی کے مقام سے شرف باریابی بخشتے ہیں۔ اور ان پر شاہانہ عنایاتِ بے غایات فرماتے ہیں اور جیسے معاملات منیب سے ہوتے ہیں وہی معاملہ ان نائبوں کے ساتھ اس منیب کی متابعت کے طفیل ان سے روا رکھتے ہیں۔ مثلاً شاہی فرامین پہ دستخط کرواتے اور احکام شاہی پہنچاتے کے سلسلے میں اور اسی مقام و منصب کے قائم رکھنے میں۔ پس فرق صرف اسی اصالت اور متابعت کا ہے یعنی کہ منیبوں کے ساتھ یہ معاملات بالاصالت اور بلا واسطہ (یعنی براہِ راست) ہیں اور نائبوں کو منیبوں کی متابعت اور ان کی وساطت سے نصیب ہوتے ہیں اور یہ نوید جانفزا کہ اُمت محمدیہ کے علما بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی مانند ہیں اسی معاملے کی خبر دیتی ہے۔ اور عُلماسے مُراد وہ حقیقت آشنا اولیائے کرام ہیں جو علمِ لُدنّی (وہ علم جو کسی کے پڑھائے سکھائے بغیر محض فضلِ ربّی سے عطا ہو) سے مشرف ہوتے ہیں۔ نہ کہ یہ لفظی یعنی زبانی جمع خرچ کرنے والے علما جو فقط 'رُفت' 'گیا اور 'بود' تھا تک جانتے ہیں اور باقی اور کچھ نہیں سمجھتے اور حق تعالیٰ سے باطنی قرب کا رابطہ نہیں رکھتے اور اس ادنیٰ و گھٹیا دُنیا کے اسباب کی طلب و جستجو میں سرگرداں رہتے ہیں اور امیروں کی خوشامد و چاپلوسی کرتے ہیں اور ان کے وظیفہ خواروں اور طفیلیوں میں سے ہوتے ہیں۔ راسخ علما وہ مرجع خلائق اولیائے کرام ہیں اور کمالاتِ نبوت کے یہ مالک لوگ ہی انبیا کے وارثوں کے حقدار اور وارث ہوتے ہیں۔ اور یہ مقولہ کہ شیخ و مرشد کی قوم میں وہی حیثیت ہوتی ہے جو نبی کی اپنی اُمت میں، انہی بزرگانِ دین کے حال پر صادق آتا ہے۔ اور قاضیوں، مفتیوں، عالموں، فقیہوں کی مثال دیوانی دفتر کے اہلکاروں، محرروں، جلد برداروں اور سر رشتہ داروں جیسی ہوتی ہے۔ اور باطنی خدمات والے دیگر منصب داروں مثلاً ابدال، نقبا (اولیا کی وہ جماعت جس کا درجہ ابدال سے اونچا ہوتا ہے) اور اوتاد (اولیا کی وہ جماعت جن کی تعداد دُنیا میں چار ہے) کی مثال جزئی خدمات انجام دینے والے خدمت گزاروں مثلاً داروغہ خوراک، داروغہ رہائش گاہ و

Marfat.com

شبستان جیسی ہوتی ہے اور عام مومنین اور مسلمین نوکر چاکروں، معمولی عہدہ داروں اور سرکاری ملازموں اور امیروں وزیروں کے مقرر کردہ پیش کاروں کی طرح ہیں کہ وہ اپنے اپنے مرتبوں کے مطابق اس ملازمت اور نوکری کے حلقے میں داخل ہیں۔ اور کافر اور منافقوں کی مثال باغیوں اور سرکشوں جیسی ہے جن کے خلاف جہاد کرنا واجب ہوتا ہے اور ملحد اور فسادی و فتنہ پرداز رہزنوں اور چوروں کی طرح ہیں جو تنبیہہ کے لائق ہیں۔ مذکورہ بالا مثلیں اور مثالیں جو ہم نے کتاب میں لکھی ہیں لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہیں اور نہیں عقل رکھتا اس کی اور نہیں سمجھ پاتے مگر عالم لوگ جو اللہ کے پاس قلب سلیم سے آتے ہیں اور یہی ہدایت پانے والے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ اللہ تک رسائی کا طریقہ محبت کا طریقہ ہے۔ جہاں تک ہو سکے اپنے دل میں رسول اللہ صلعم اور اُن کی آلؓ اور اصحاب کی محبت کو مضبوط اور قوی بناؤ اور آپؐ کی امت کے برگزیدہ اصحاب سے اپنا عقیدہ و رابطہ برقرار و استوار رکھو کیونکہ ایمانی قوت عبارت ہے محبت کی شدت سے، اور اللہ کی طرف جانے والا راستہ یہی عشق و محبت کا راستہ ہے، کہ جذباتِ الٰہیہ میں سے یہ جذبہ دونوں جہانوں کی عبادت کے برابر ہے۔ اللہ عطا کرے ہمیں اور تمہیں اپنے حبیب صلعم کی پیروی اور ثابت رکھے ہمیں اور تمہیں طریقتِ محمدیہؐ پر اور شریعت مصطفویہؐ پر، مصنف کا شعر ہے کہ: ؎

کارِ ما عشق و بارِ ما عشق ست
حاصلِ روزگارِ ما عشق ست

(ہمارا کاروبار بس عشق ہی پہ منحصر ہے اور حاصل روزگار یعنی ہماری عمر بھر کی کمائی بھی یہی عشق ہے)

اے ہمارے خدا ہم عقل و ہوش کے کوچے میں سرگرداں پھرنے والوں کو جو اپنے علم و ادراک کی تنگ گھاٹی میں عمر بھر خراب و خستہ اور پریشان حال چکر کاٹ رہے تھے اور شاہدِ مقصود کا چہرہ نہ دیکھ پائے تھے۔ تو نے اپنے عشق و محبت کے سوادِ اعظم (بڑے شہر) جو خالص محمدیتؐ کا سلامتی والا گھر ہے اپنی کمال شفقت، عنایت بے غائت اور بے سبب رحمت سے اس کی جانب رہنمائی فرمائی اور امن و امان کے اس گہوارے میں داخل کر دیا۔ خدایا اب ہمارے ایمان کو اپنی قبولیت کی قوت سے مستحکم رکھ تاکہ ہم عاجز بندوں پر انسانوں اور جنوں میں سے کوئی شیطان بھی دسترس نہ پائے۔ اور ہمیں اپنی حضوری و مشاہدے کی نسبت کے جذب سے لمحہ بھر کے لیے بھی محروم نہ رکھ

Marfat.com

تاکہ ہم غفلت کے مارے کہیں پھر اپنی خودی و انانیت کی طرف نہ لوٹ جائیں اور ہمارے نفس کو کبھی حیران و سرگردان نہ رکھنا۔ اے اللہ مجھے نہ حوالے کر میرے نفس کے پلک جھپکنے کے لیے بھی۔ نہیں کہا جو کہ کہا میرے باپ نے میرے مرشد نے (اللہ ان کے بھیدوں کو پاکیزہ رکھے) انہی حضرات کا ایک شعر ہے۔ مجھے اپنے ساتھ رکھ اور مجھے خود اپنے آپ پہ نہ چھوڑ مجھے بیخود و سرمست بنا دے اور اپنے بغیر نہ رکھ۔ رباعی:

اکنون من و این گوشۂ زندان جنون
آباد کنم خانۂ ویران جنون
سودائی کسے نبود زین پیش مرا
شد زلف توام سلسلہ جنبان جنوں

ترجمہ رباعی: اب میں ہوں اور قید خانے کا یہ گوشۂ تنہائی۔ اب میں جنون کا یہ ویرانہ آباد کروں گا۔ اس سے پہلے مجھے کسی کا سودا نہ تھا، اب میری سلسلہ جنبانی تیری زلف کر رہی ہے (مصنف کی اپنی وضاحت کے مطابق رباعی کا مطلب یوں ہے کہ) اب سیر و سلوک کے تمام مراتب اور منازل طے کرنے کے بعد مجھ دلدادۂ محبت کا مختار ہی جذبی طریق، ایمانی قوت اور اعتقادی تقویت ہے۔ یعنی اس قوت کے ہاتھ میں کہ جسے شاید عقل شریف کے پابند و اسیر اور راہِ منقول سے دور افتادہ فلسفی مشرب حضرات اپنے خیال کے مطابق جنون و دیوانگی کی اک قسم کہتے ہیں۔ ان تمام دنیاوی اسباب کا ترک، اتنی بے نیازی اور عظمت جو محض توکل و اعتماد کی نسبت کی تقویت و استحکام سے اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت بے غایت سے ارزاں فرمائی ہے وہ انھیں سودائیوں کی حرکات میں شمار کرتے ہیں خداوند تو خوب جانتا ہے کہ اس سے پیشتر یعنی دُنیاوی لبادہ ترک کرنے سے پہلے میرے سر میں کسی کی محبت کا اتنا جنون و سودا نہ تھا کہ جو عقل و فہم پہ غالب آتا۔ بلکہ میں مدتوں تک فلسفیوں کی طرح باتیں کرتا رہا اور ان کی طرح گزر بسر کرتا تھا اور کسی حد تک صوفیانہ معقول حقائق و معانی کا بیان بھی کرتا تھا۔ مگر آخر کار یہ تیرے جذبے کی ڈور اور حضرت پیر و مرشد سے عقیدت کی زنجیر ہی ہے جو محبوب کی زلفِ گرہ گیر کی طرح مجھ سودائی و مجنوں کے لیے گرفتار

Marfat.com

کا جال بن گئی اور میں تیرے سوا سب سے کٹ گیا، اور مجھ آزاد خیال کے گلے میں محمدی
زنجیر کے علاوہ اور کوئی بندھن نہ رہ گیا۔ بس تیری بارگاہ عالی سے یہی اُمید رکھتا ہوں کہ جب یہ
تمام و خاص لطف و عنایت فرما کر تو نے مجھے خالص محمدیت کا مالک بنایا ہے تو پھر مجھ
نکمے اور عاصی پر معاصی کو آخری دم تک شریعت کی قید ہی میں رکھ۔ اور حضور خاتم الانبیاء
(ان پر خدا کا درود و سلام) کے صدقے میرا خاتمہ بالخیر کر۔

Marfat.com

Marfat.com

اِشاریہ

آدمؑ، حضرت: ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۹۴، ۳۰۵، ۳۳۷، ۳۴۳، ۳۹۵، ۵۴۴، ۵۹۴، ۶۳۳، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۴، ۷۷۱۔

ابرہیمؑ، حضرت: ۱۱۷، ۳۲۶، ۵۳۳، ۵۹۶، ۶۶۷، ۶۸۱، ۸۲۰۔

ابوبکر صدیقؓ، حضرت: ۳۰۶۔

ابوحنیفہؒ، امام: ۲۱۳۔

اسماعیلؑ، حضرت: ۳۲۶۔

اسحاقؑ، حضرت: ۳۲۶۔

بایزید بسطامیؒ: ۵۰، ۷۴۶۔

بوعلی سیناؒ، شیخ: ۲۶۸، ۳۸۸۔

بہاؤالدین نقشبند: ۴۲۳، ۴۴۰۔

حافظ شیرازی: ۷۳۳۔

حسنؓ، امام: ۳۰۶، ۳۲۵، ۵۳۲۔

حسن نوری، حضرت: ۷۴۶۔

حسینؓ، امام: ۳۰۶، ۳۲۵، ۵۳۲۔

حمیرا (بی بی عائشہؓ کا لقب): ۳۱۹، ۵۴۲۔

رابعہ بصری: ۸۶۔

زیدؓ، حضرت: ۳۲۵۔

سعدی، شیخ: ۷۶۵۔

سلیمانؑ، حضرت: ۳۷۔

سہل تستریؒ، حضرت: ۸۴۶۔

سیّد الحسنی: ۷۲۰۔

شاہ نقشبند، حضرت: ۱۶۹۔

شیخ اکبر: دیکھیے محی الدین اکبرؒ

شیخ احمد سرہندی: ۲۹۴، ۲۹۷، ۳۱۱، ۴۳۸، ۴۴۰، ۴۴۱، ۵۵۰، ۶۴۰۔

عبدالقادر جیلانیؒ، سیّد: ۴۲۳، ۸۲۰۔

عبدالباقی، خواجہ: ۴۴۰، ۴۴۳۔

عبدالمطلب: ۴۶۱۔

عبیداللہ احرارؒ، خواجہ: ۷۲، ۴۴۰، ۵۸۴۔

عبید ابن عمیر: ۲۴۲۔

عثمانؓ، حضرت: ۳۰۶

عسکریؒ، امام: ۳۲۶۔

Marfat.com

علی مرتضیٰؓ، حضرت: ۳۰۶، ۴۲۳، ۶۸۵، ۸۲۰۔

عمر فاروقؓ، حضرت: ۳۰۶۔

عندلیب: دیکھیے ناصر عندلیب

عیسیٰؑ، حضرت: ۳۱۶، ۳۸۷، ۵۷۳۔

فاطمہؓ، بی بی: ۲۶۷۔

فرعون: ۳۰۶۔

لیلیٰ: ۶۴۰۔

مجنوں: ۶۴۰۔

محمدؐ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم): ۲۰۳، ۲۹۹، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۴۹، ۳۶۱، ۴۱۳، ۷۰۹، ۷۱۲، ۷۲۳، ۷۲۷، ۷۳۳، ۷۸۴، ۷۸۸، ۸۴۹۔

محی الدین اکبر، شیخ (ابنِ عربی): ۲۸۷، ۲۸۹ تا ۲۹۲، ۲۹۴، ۸۳۵، ۸۳۶۔

مریمؑ: ۳۱۶، ۵۷۳۔

معاذ بن جبلؓ: ۲۴۳۔

مسیلمہ کذاب: ۱۶۰۔

موسیٰؑ، حضرت: ۴۰، ۱۱۵، ۲۴۷، ۳۰۶، ۴۰۱، ۴۰۲، ۶۱۵، ۶۳۸۔

مولانا رومؒ: ۳۱۱۔

مہدیؑ، امام: ۳۲۵، ۳۲۶۔

ناصر عندلیب، خواجہ: ۲۲۳، ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۷، ۲۸۸، ۳۱۶، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۷، ۴۲۸، ۶۸۲، ۸۳۷۔

یعقوبؑ، حضرت: ۳۲۶۔

یوسفؑ، حضرت: ۳۲۶۔

نوحؑ، حضرت: ۲۴۶، ۶۶۸۔

Marfat.com

قرآنی آیاتِ کریمہ کی فہرست

صفحہ کتاب	سورۃ وآیت نمبر
۲۶	البقرہ:۲۵۵
۳۴	النساء:۷۷
۳۴	البقرہ:۲۸۶
۳۶	آلِ عمران:۲۶
۳۸	الشّمس:۷-۱۰
۴۲	آلِ عمران:۱۶۴
۴۴	التین:۴-۶
۴۵	البقرہ:۱۶
۴۸	الم نشرح:۵
۵۳	الشّمس:۸-۹
۶۱	الانعام:۹۷
۶۵	طٰہٰ:۵
۷۴	البقرہ:۲۱۶
۷۵	الفتح:۲
۸۰	یٰسین:۸۲
۸۰	الحدید:۳
۸۲	البقرہ:۱۵۶

صفحہ کتاب	سورۃ وآیت نمبر
۸۴	الحدید:۲۳
۸۸	الحج:۱۱
۹۰	الشّمس:۸
۹۴	الانعام:۱۶۲
۱۰۴	الفتح:۱-۲
۱۱۲	البقرہ:۱۴-۱۵
۱۱۵	آلِ عمران:۶۴
۱۱۶	الجنّ:۱-۲
۱۲۱	ق:۳۷
۱۲۳	البقرہ:۸۵
۱۲۴	الفرقان:۴۳
۱۲۶	ص:۵
۱۲۷	الاعراف:۱۷۹
۱۲۸	البقرہ:۲۶۹
۱۵۲	الاحزاب:۷۲
۱۵۴	الواقعہ:۷۹
۱۵۴	الشعراء:۱۳

Marfat.com

صفحہ کتاب	سورۃ وآیت نمبر
۱۵۶	آلِ عمران:۱۹۱
۱۵۸	المائدہ:۳
۱۵۹	الضحیٰ:۱۱
۱۶۰	لقمٰن:۱۸
۱۶۱	الحدید:۲۳
۱۶۳	یونس:۶۲
۱۶۳	الاحزاب:۳۹
۱۶۴	یوسف:۱۳
۱۶۴	التوبہ:۴۰
۱۶۹	ابراھیم:۷
۱۷۲	الشوریٰ:۱۱
۱۷۷	البقرہ:۱۸۶
۱۸۲	یٰسین:۱۷
۱۸۵	آلِ عمران:۳۱
۱۸۵	حٰم السجدہ:۵۳
۱۸۶	البقرہ:۲۸۵
۱۸۶	البقرہ:۲۵۳
۱۸۷	البقرہ:۲۶
۱۹۳	البقرہ:۱۰۴

صفحہ کتاب	سورۃ وآیت نمبر
۱۹۳	البقرہ:۱۱۵
۱۹۵	البقرہ:۳۰
۲۰۴	القصص:۸۸
۲۱۴	آلِ عمران:۱۰۳
۲۱۶	الاعراف:۴۳
۲۱۶	الشوریٰ:۱۱
۲۱۹	الحدید:۵
۲۲۰	الرعد:۱۶
۲۲۴	یوسف:۲۱
۲۳۲	ق:۱۶
۲۵۶	الزمر:۲۳
۲۵۶	حم السجدہ:۱۷
۲۵۸	ہود:۵۶
۲۹۳	الفرقان:۴۵
۳۰۱	الانعام:۹۵
۳۲۰	الاعراف:۲۳
۳۲۱	الجمعہ:۸
۳۲۲	الاحزاب:۵
۳۲۳	الانعام:۱۶۴

Marfat.com

صفحہ کتاب	سورۃ و آیت نمبر
۳۲۵	الاحزاب:۴۰
۳۲۸	البقره:۲۵۵
۳۳۳	الناس:۱-۶
۳۳۸	البقره:۳۱
۳۴۹	الکهف:۱۱۰
۳۵۰	النحل:۹۰
۳۵۷	الاعراف:۱۷۹
۳۶۰	آلِ عمران:۱۶۹
۳۶۴	الاحزاب:۵۲
۳۷۴	الانعام:۱۶۲
۳۷۹	الحجرات:۱۳
۴۰۳	الفتح:۲۹
۴۱۱	الحجرات:۲
۴۱۴	الواقعه:۲۷تا۳۴
۴۱۵	الواقعه:۴۱تا۴۴
۴۱۶	النّبا:۴-۵
۴۱۸	الفرقان:۶۳
۴۲۰	الکهف:۳۹
۴۲۱	یونس:۴۱
۴۲۱	المزمل:۱
۴۳۲	البقره:۲۵۵
۴۳۶	البقره:۱۳۸
۴۴۲	البقره:۱۸۵
۴۴۶	هود:۲۷
۴۴۶	الکافرون:۶
۴۵۱	الحجر:۲۹
۴۵۵	ابراهیم:۷
۴۵۶	الفاتحه:۴
۵۵۱	البقره:۱۰
۵۶۴	الرحمن:۳-۴
۵۷۶	الحجرات:۱۳
۵۸۷	الفجر:۲۷-۳۰
۵۹۹	النازعات:۴۰
۶۲۶	البقره:۲۸۶
۶۷۴	یونس:۴۱
۶۸۰	البقره:۱۵۶
۶۹۳	آلِ عمران:۱۶۹
۷۰۴	البقره:۱۵۶

Marfat.com

صفحہ کتاب	سورۃ و آیت نمبر
۷۱۳	یونس:۶۲
۷۱۴	آلِ عمران:۱۹۱
۷۱۵	المائدہ:۳
۷۴۵	البقرہ:۲۸۴
۷۵۴	البقرہ:۱-۵
۷۷۵	الناس:۱-۶
۷۸۵	البقرہ:۱۱۵
۷۸۸	التغابن:۱
۷۹۸	الاحزاب:۷۲
۸۱۰	آلِ عمران:۲۷
۸۲۲	النور:۲۶
۸۲۶	الاسراء:۸۱
۸۵۹	الانعام:۱۶۲

Marfat.com

علم الکتاب

جلد دوم

از
خواجہ میر درد رحمۃ اللہ

ترجمہ: ڈاکٹر عبداللطیف

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
۲۔ کلب روڈ ○ لاہور

Marfat.com